

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
لَقَدْ كُنْتُمْ عَلَىٰ عَهْدٍ مِّنَّا
أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مقبولین پر شرح آفسیر حلالین

مؤلفین

الشیخ عبدالرحمن ابن عبداللہ الذہبی و طبری
الشیخ عبدالرحمن ابن عبداللہ الذہبی و طبری
مؤلفین

مترجمہ و شاح

علامہ سید الزین حیدر

مترجمہ و شاح

مکتبہ المستان حیدر

مکتبہ المستان حیدر
مترجمہ و شاح



مقبولین

اردو شرح

تفسیر جلالین

جلد ششم

الاحقاف ۴۶ تا الناس ۱۱۴

مؤلفین: شیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبدالرحمن جلال الدین عماد بن محمد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حضرت مولانا شمس الدین مظاہر

نظر ثانی و تفسیری نوامد

مولانا حافظ عبدالمنان صاحب

منزلا
مکتبہ العلم
۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکتبہ اہل سنت دہلی

کاپی رایتس ریزریشن سپر



مکتبہ اہل سنت دہلی

نام کتاب: مقبولین اردو شرح جلالین مہلہ ششم

مؤلفین: شیخ عبدالرحمن بن ابی بکر مہلہ الدین سیالی اور شیخ عبدالرحمن مہلہ الدین مسلمان مسلمان

شارح: حضرت مولانا شمس الدین عظیمی

ناشر: مکتبہ اہل سنت دہلی

مطبع: تالیان سنز پرنٹرز

طالع: خالد مقبول

تمام حقوق محفوظ ہیں۔
پہلی بار شائع ہوا۔
پہلی بار شائع ہوا۔
پہلی بار شائع ہوا۔

رضی کنٹی ایسٹ، عربی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37241788
مکتبہ جامعہ، 18، اردو بازار، لاہور۔ 37211788
مکتبہ رحمانیہ، قرا، ستر فوٹی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37224228
مکتبہ علوم اسلامیہ، قرا، ستر فوٹی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37355743

ضروری وصفت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث، رحل سے قطعاً اور دیگر دینی کتابوں میں لٹلی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی لٹلیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی لطافت کے دوران ان لٹلیوں کی تصحیح پر سب زور دیتے ہیں اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی لٹلی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی لٹلی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نئی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جابر ہوگا۔ (ادارہ)

تعمیر

ہمارے ادارے کا نام بطور ہماری تحریری اجازت بطور نئے کاپی ڈسٹری بیوٹر یا ٹریڈنگ کانڈیکٹان و بطورہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر اسناد واری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

مکتبہ اہل سنت دہلی

فہرست مضامین

صفحہ

عنوان

صفحہ

عنوان

فہرست مضامین

- ۵۱..... اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی:
- ۵۲..... لفظ بال کا معنی، مفہوم اور اس کی اہمیت و عظمت؟
- ۵۳..... جنگی قیدیوں کے متعلق امام المسلمین کو چار اختیار:
- ۵۴..... اسلام میں غلامی کی بحث:
- ۵۵..... مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:
- ۵۸..... سَيِّئُهُمْ وَيُضْلِحُّ بِالْقَوْلِ ۝
- ۶۳..... اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بد حالی:
- ۶۴..... اہل ایمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے:
- ۶۵..... اہل جنت کے مشروبات اور اہل نار کا ماہِ حمیم:
- ۶۷..... اشراط، کے معنی:
- ۶۸..... توحید پر جسے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین:
- ۶۹..... مُتَّقِلِبِكُمْ وَ مَثُوكُمْ ۝ کی تفسیر:
- ۷۱..... منافقین کی بد حالی اور نافرمانی:
- ۷۲..... صلہ رحمی کی سخت تاکید:
- ۷۳..... نفاق پر اللہ تعالیٰ کی سزا:
- ۷۴..... تدبر قرآن کی اہمیت اور ضرورت:

پارہ ۵: ۲۶

الاختلاف

- مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دیں گے! ۱۷
- استقامت اور اس کا ثمرہ: ۲۵
- ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے: ۲۸
- اکثر مدت حمل اور اکثر مدت رضاع میں فقہائے امت کا اختلاف: ۲۹
- اس دنیا کے طالبِ آخرت سے محروم ہوں گے: ۳۱
- کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں نعم کر دیں، تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا: ۳۳
- قوم عاد کی تباہی کے اسباب: ۳۶
- جنات کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا: ۳۳
- رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور صبر کی تلقین: ۳۵

مستوان

صفحہ

عنوان

صفحہ

مرتدین کے لیے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب: ۷۴
 منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو: ۷۷
 آزمائش کی کسوٹی: ۷۸
 نیکیوں کو خیرات کرنے والی برائیوں کی نشاندہی: ۷۹

الفصحیح

سورۃ الفصحیح کا مقام نزول: ۸۴
 مقاصد سورۃ الفصحیح: ۸۵
 واقعہ حدیبیہ اور فتح مہین: ۸۷
 معاہدہ حدیبیہ اسلام کی عزت و سر بلندی اور فتح عظیم: ۸۹
 فتح مہین کا تذکرہ، نصر عزیز اور نضران عظیم کا وعدہ: ۹۱
 صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ: ۹۱
 حضرات صحابہ کی محبت اور جانثاری: ۹۳
 بیت رضوان کا واقعہ: ۹۳
 صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط: ۹۴
 حضرت عمر کا ترد اور سوال و جواب: ۹۵
 طلق رؤس اور ذبح ہدایا: ۹۶
 حضرت ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ: ۹۶
 اہل ایمان پر انعام کا اعلان، اور اہل نفاق اور اہل شرک کی بد حالی اور تعذیب کا بیان: ۹۷
 رسول اللہ ﷺ شہاد اور مشر اور نغیر ہیں: ۹۹

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے: ۹۹
 مجاہدین کی کامیاب واپسی: ۱۰۳
 مال غنیمت کے طالب: ۱۰۴
 صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کی خلاف ہے: ۱۰۹
 شجرہ رضوان: ۱۰۹
 فتح خیبر: ۱۰۹
 فتح ذنقرت اور اموال غنیمت کا وعدہ اور کفار کی اپنے پر ارادے میں ناکامی: ۱۱۰
 مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار: ۱۱۴
 رسول اللہ ﷺ کا خواب: ۱۲۳
 حضرات صحابہ کرام کی فضیلت اور منقبت: ۱۲۸

الہجرات

رسول اللہ کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے احکام و آداب کی تلقین: ۱۳۶
 حجرات امہات المؤمنین: ۱۳۸
 سبب نزول: ۱۳۸
 آیت سے متعلقہ احکام و مسائل: ۱۴۰
 ایک اہم سوال و جواب متعلقہ نہالت صحابہ: ۱۴۱
 اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے تمہارے دلوں میں

صفحہ

سوال

صفحہ

سوال

۱۷۹..... بے سود کوشش:

۱۸۰..... جب سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے:

الذاریات

متقی بندوں کے انعامات کا اور دنیا میں اعمال صالحہ میں

۱۸۸..... مشغول رہنے کا تذکرہ:

حضرت ابراہیمؑ کے پاس مہمانوں کا آنا اور صاحبزادہ کی

خوشخبری دینا:..... ۱۸۹

پارہ: ۲

۱۹۳..... حضرت لوطؑ کی قوم کی ہلاکت:

۱۹۳..... فرعون اور قوم عاد و ثمود کی بربادی کا تذکرہ:

۱۹۶..... حضرت نوحؑ کی قوم کی ہلاکت:

تخلیق کائنات:..... ۱۹۸

تخلیق میں صبر و ضبط کی اہمیت:..... ۱۹۸

الضحٰر

قیام کے دن منکرین کی بد حالی، انہیں دھکے دے کر دوزخ

۲۰۳..... میں داخل کر دیا جائے گا:

۲۰۵..... صالح اولاد انمول ۴۱:.....

۲۱۱..... منکرین اور معاندین کی باتوں کی تردید:

۲۱۲..... توحید ربوبیت اور الوہیت:

۲۱۲..... طے شدہ ہدف و نیت اور نیت و ہر خواست کے آداب:

۱۳۲..... ایمان کو مزین فرمادیا اور کفر و فسق اور عصیان کو.....

۱۳۲..... مکروہ بنا دیا:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں جس کے

اندزہ ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا:..... ۱۳۳

مؤمنین کی دو جماعتوں میں تقابل ہو تو انصاف کے ساتھ صلح

۱۳۳..... کر اور سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں:.....

۱۳۸..... باہم مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام:

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں:..... ۱۵۵

ق

۱۶۲..... احیاء بعد الموت پر مشہور شب کا جواب:

۱۶۳..... اللہ کے مہیر العقول شاہکار:

۱۶۵..... اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شرک سے بھی زیادہ قریب

۱۶۸..... ہیں اس کی تحقیق:

۱۷۰..... ہر انسان کے ساتھ دفرشتے:

۱۷۰..... اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے:

۱۷۱..... انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے:

۱۷۱..... سکرات الموت:

۱۷۲..... انسان کو میدان حشر میں لانے والے دفرشتے:

دوزخ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب! کیا تو بھگتی؟ اس کا جواب

۱۷۶..... ہوگا کیا کچھ اور بھی ہے:

سوال

سوال

سوال

سوال

القمر

- قیامت قریب آگئی چاند چھٹ گیا، مگرین کی جانانہ بات اور ان کی تردید: ۲۵۲
- دیرینہ نامہ از خضر: ۲۵۵
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کو آسمان فرما دینا: ۲۵۶
- قرآن کا اچھا اور لوگوں کا اچھا فعل: ۲۵۷
- قرآن کریم کی برکات: ۲۵۷
- قرآن کو ہموں جانے کا وبال: ۲۵۸
- قوم کی تخریب اور بے کت اور تخریب: ۲۵۸
- قوم شامی تخریب اور بلاست و تخریب: ۲۶۲
- سیدنا اوطا کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا، اور قوم کا کفر پر اصرار کرنا، معاصی پر جبار بنا اور آخر میں ہلاک ہونا: ۲۶۳
- سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام: ۲۶۸
- اللہ تعالیٰ سے خطاب تم بہتر ہو یا ہلاک شدہ قومیں بہتر تمیں: ۲۶۸
- شکوہ و شبہات کے مریش لوگ: ۲۷۰

النجم

- ربط صورت اور جملہ فیما بین الزکاء و التہکما کے تکرار کی حکمت: ۲-۶
- النَّجْمُ وَالْقَمَرُ بِحَسَابٍ: ۲-۸

النجم

- تدرف جبرائیل امین: ۲۱۹
- مشرکین عرب کی بت پرستی، امانت، عزتی اور منات کی عبادت اور ان کے توڑ پھوڑ کا تذکرہ: ۲۲۶
- امانت و منات اور عزتی کیا تھے: ۲۲۶
- امانت کی بربادی: ۲۲۸
- عزتی کی کات پینٹ اور توڑ پھوڑ: ۲۲۸
- منات کی بربادی اور تہاش: ۲۲۹
- مشرکین کی منات اور منات: ۲۲۹
- نخن کے مختلف اقسام اور ان کے کام: ۲۲۹
- مشرکین کا خیال باطل کہ ہرے، مہرے، غاروں، کریمت، ۲۳۲
- مشرکین نے اپنی طرف سے فرشتوں کا مادہ ہونا تجویز کیا: ۲۳۳
- ایمان اور کفر آخرت کی ضرورت: ۲۳۳
- آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنا لازم ہے: ۲۳۳
- گمان کی حیثیت: ۲۳۳
- اپنا تکرار کرنے کی ممانعت: ۲۳۷
- کا فرد حور میں ہیں کہ قیامت کے دن کی کا کام یا نسل کام آجائے گا: ۲۴۱
- تذکرہ مفہوم نذر کہتے ہیں: ۲۴۶

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
------	-------	------	-------

۳۰۸ سابقین اولین کی مزید نعمتیں:

۳۰۹ اصحاب الیمین کی نعمتیں:

۳۱۰ بوڑھی مؤمنات جنت میں جوان بنا دی جائیں گی:

۳۱۰ ایک بوڑھی صحابیہ عورت کا قصہ:

۳۱۱ اصحاب شمال اور عذاب الہی:

۳۱۳ منکرین قیامت کو جواب:

۳۱۵ آگ اور پانی کا خالق کون؟

۳۱۸ قرآن کا مقام:

اگر تمہیں جزالہئی نہیں ہے تو موت کے وقت روح کو کیوں

واپس نہیں لوٹا دیتے:

۳۲۲ خالق تعالیٰ شانہ کی قضاء اور قدر کے خلاف اور اس کی

مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا

۳۲۳ احوال موت:

الحديد

۳۲۸ سورہ حدید کی بعض خصوصیات:

۳۲۹ گل کائنات ثناء خواں ہے:

۳۳۱ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے:

۳۳۲ ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم:

۳۳۹ اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا:

کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب

خشوع والے بن جائیں:

۲۸۰ انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق:

۲۸۲ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا:

فضائی سفر جو آج کل مصنوعی سیاروں اور راکٹوں سے ہو

رہے ہیں ان کا اس آیت سے کوئی جوڑ نہیں:

۲۸۶ قیامت کے دن کفار افسوس و جان کی پریشانی، مجرمین کی

خاص نشانی، پیشانی اور اقدام پکڑ کر روزخ میں ڈالا

جانا:

۲۸۷ اہل تقویٰ کی درجات اور ان کی صفات:

۲۹۲ متقی حضرات کے بستر:

۲۹۳ دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے:

۲۹۳ اہل جنت کی بیویاں:

۲۹۴ احسان کا بدلہ احسان:

۲۹۵ دوسرے درجہ کی جنتوں اور نعمتوں کا تذکرہ:

۲۹۵ لفظ مَذَامَاتِئِنَّہٗ کی تحقیق:

۲۹۵ جنتی بیویوں کا تذکرہ:

الواقعة

۳۰۲ قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے:

۳۰۳ میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں:

۳۰۴ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی تین قسمیں

۳۰۴ سابقین اولین کون سے حضرات ہیں؟

۳۰۵ اولین و آخرین سے کیا مراد ہے:

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۰	شان نزول:	۳۳۳	ایک تاریخی واقعہ:
۳۷۱	منافقین کی شرارت امرگوشی اور یہودی کی یہودہ باتیں:		اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ جن کے دلوں میں تسادد تھی:
۳۷۲	یہودیوں کی شرارت:	۳۳۴	صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے اجر کریم کا وعدہ اور شہداء کی فضیلت:
	اہل ایمان کو نصیحت کہ یہودیوں کا طریقہ کار استعمال نہ کریں:	۳۳۵	دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے:
۳۷۳	آداب مجلس باہم معاملات:	۳۳۹	جو بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے اس کا جرد میں آنا پہلے سے لکھا ہوا ہے:
۳۷۳	دو غلے لوگوں کا کردار:	۳۵۰	اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو واضح احکام دیکر بھیجا، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور لوگوں کو انصاف کا حکم دیا:
۳۷۹	مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی:	۳۵۱	لوہے میں بہت شدیدہ ہے اور منافع کثیرہ ہیں:
		۳۵۲	حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی فضیلت:
		۳۵۷	مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال:
			پارہ ۵: ۲۸
			الطَّاهِرَاتُ
		۳۶۲	ظہار کی مذمت اور اس کے احکام و مسائل:
		۳۶۳	آیات ظہار کا شان نزول:
		۳۶۴	ظہار کی مذمت
		۳۶۴	کفارہ ظہار:
		۳۶۵	مسائل ضروریہ متعلقہ ظہار:
		۳۶۶	احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم:
۳۷۴	جلاوطنی:		
۳۷۸	قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب:		
	یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے:		
۳۸۹	مال نے کی تعریف و ضاحت اور حکم رسول ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے:		
۳۹۳	مال نے کے حقدار:		
۳۹۸	حضرات انصار کے اوصاف جمیلہ:		
۳۹۸	حضرات مہاجرین و انصار کی باہمی محبت:		
۳۹۹	جو نخل سے بیج گیا وہ کامیاب ہے:		
	مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کا بھی		

الحیثیہ

یہودیوں کی مصیبت اور ذلت اور مدینہ منورہ سے

صفحہ عنوان

۲۳۷ عورتوں کی بیعت:
 مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں
 تفصیل: ۲۳۸
 اہل کفر سے دوستی نہ کرنے کا دوبارہ تاکید کی حکم: ۲۳۹

الزَّيْفُ

جو کام نہیں کرتے ان کے دعوے کیوں کرتے ہو؟ ۲۳۳
 ان خطباء کی بد حالی جن کے قول و فعل میں یکسانیت
 نہیں: ۲۳۵
 انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت: ۲۳۷
 شکوہ موسیٰ کلیم اللہ زاید ارسائی قوم: ۲۳۷
 عیسیٰ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشین گوئی: ۲۳۸
 سو فیصد نفع بخش تجارت: ۲۵۲
 عیسیٰ کے ۱۲ صحابہ کی روداد: ۲۵۳

الْبَيْعَاتُ

بخت نبوی کے تین مقصد: ۲۵۸
 ایک سوال و جواب: ۲۵۸
 اہل عجم کی اسلام کی خدمتیں: ۲۵۹
 کتابوں کا بوجھ لاوا گدھا اور بے عمل عالم: ۲۵۹
 جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟ ۲۶۱
 جمعہ کے فضائل: ۲۶۳
 ترک جمعہ پر وعید: ۲۶۵

اسواں فحی میں استحقاق ہے: ۳۰۱
 حصہ بغض، کینہ اور دشمنی کی خدمت: ۳۰۲
 روانگی کی گمراہی: ۳۰۲
 تیسری الجس کا ایک امراز: ۳۰۵
 اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کے لئے کمر بند ہونے کا
 حکم: ۳۰۹
 زندگی کی قدر کرو: ۳۱۰
 ذکر اللہ کے فضائل: ۳۱۰
 عبد نبوت کا ایک واقعہ: ۳۱۱
 بلند عقیم مرتبہ قرآن مجید: ۳۱۲

الْبَيْعَاتُ

حاضر کے خط کا مضمون: ۳۲۲
 حضرت ابراہیم کا طریقہ قابل اقتداء ہے اور کافر کے لئے
 استفادہ ممنوع ہے: ۳۲۵
 جہت کرنے کے بعد وطن سابق کے لوگوں سے تعلق رکھنے
 کی حیثیت: ۳۳۰
 معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق: ۳۳۱
 شرط مذکور سے عورتوں کا استثناء بغض نہیں بلکہ ایک شرط
 کی وضاحت بشمول فریقین ہے: ۳۳۳
 کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر کلمہ چلی گئی
 تھیں؟ ۳۳۷

سوال

صفحہ

سوال

الطَّلَاقُ

- طلاق اور عدت کے مسائل، ۴۹۶
- عدت کو چھ طرح شمار کرو: ۴۹۷
- مطلقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو: ۴۹۷
- طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو مطلقہ کو رد کر لیا تو بصورتی کے ساتھ اچھے طریقے پر چھوڑ دو: ۴۹۸
- تقویٰ اور توکل کے فوائد: ۴۹۹
- اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے: ۵۰۰
- مطلقہ عورتوں کے اخراجات کے مسائل: ۵۰۱
- ان عورتوں کو جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے: ۵۰۱
- مطلقہ عورتوں کو رہنے کی جگہ دینے کا حکم: ۵۰۱
- زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں: ۵۰۵

التَّحْرِيمُ

- حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت: ۵۱۰
- قسم کھانے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا جائے: ۵۱۱
- رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی واقعہ جو بعض بیویوں کے ساتھ پیش آیا: ۵۱۲
- رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج سے خطاب: ۵۱۳
- رسول اللہ ﷺ کے ایلاء فرمانے کا ذکر: ۵۱۳
- ہمارا گھرانہ ہماری ذمہ داریاں: ۵۱۳

- ساعت اجابت: ۴۶۵
- سورہ کہف پڑھنے کی فضیلت: ۴۶۵
- جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت: ۴۶۶
- نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو: ۴۶۶
- خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلوں کی طرف متوجہ ہو نیوالوں کو تنبیہ: ۴۶۷

الْمَنَافِعُ

- منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کا بیان: ۴۷۱
- رکبیں المنافقین کے بیٹے کا ایمان والا طرز عمل: ۴۷۲
- منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب: ۴۷۳
- معصیت کا سبب اکثر مال و اولاد کا تعلق ہوتا ہے: ۴۷۹
- مال و اولاد کے درجے: ۴۸۰
- اہل خسارہ: ۴۸۰

التَّجَانُّبُ

- قیامت کو یوم تقابن کہنے کی وجہ: ۴۸۶
- بعض ازواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں: ۴۸۹
- بیوی بچوں کی محبت میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو: ۴۹۰
- معاف اور درگزر کرنے کی تلقین: ۴۹۱
- مال و اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں: ۴۹۱

سوان

سوان

الْباقی

اعمال ناموں کی تفصیل اور دائیں ہاتھ میں اعمال نامے
 ملنے والوں کی خوشی: ۵۶۳
 بائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملنے والوں کی بد حالی: .. ۵۶۵
 قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متقیوں کے لیے نصیحت
 ہے: ۵۶۸

الْمَعْرَج

قیامت کے دن کافروں کی بد حالی اور بے سرو سامانی:
 ۵۷۵
 ہزار سال اور پچاس ہزار سال میں تطبیق: ۵۷۶
 انسان بے صبر، بخل اور کنجوس بھی ہے: ۵۷۷

نوح

حضرت نوح کا اپنی قوم سے خطاب، نعمتوں کی تذکیر، توحید
 کی دعوت، قوم کا انحراف اور باغیانہ روش: ۵۸۴
 قوم کا کفر و شرک پر اصرار، حضرت نوح کی بددعا، نوح کی
 بارگاہ الہی میں روداد غم: ۵۸۸

الْحٰجِّیْنَ

رسول اللہ ﷺ سے جنات کا قرآن سنا اور اپنی قوم کو
 ایمان کی دعوت دینا: ۵۹۴

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم: ۵۲۰
 حضرت نوح و لوط (علیہما السلام) کی بیویاں کافر تھیں اور
 فرعون کی بیوی اور سیدہ مریم مومنات میں سے تھیں
 ۵۲۰

پارہ: ۲۹

الْمَنَّاك

موت و حیات کی حقیقت: ۵۲۷
 موت و حیات کے درجات مختلفہ: ۵۲۸
 حسن عمل کیا ہے؟ ۵۲۹
 جہنم کا دار و غمہ سوال کرے گا: ۵۲۹
 نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں: ۵۳۰

الْقَاتِلَات

بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں: ۵۳۵
 ایک کافر کی دس صفات ذمیرہ: ۵۳۷
 ایک باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ: ۵۳۸
 متقیوں کے لیے نعمت والے باغ ہیں اور مسلمین و مجرمین
 برابر نہیں ہو سکتے: ۵۵۲
 سابق کی تجلی اور منافقوں کی بری حالت: ۵۵۳
 کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرا
 دیں: ۵۵۵

صفحہ

عنوان

صفحہ

عنوان

نظر آئے گا: ۲۵۰

ننگن عورتوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں مردوں پر بھلا

کیا عجیب ہے؟ ۲۵۱

الْمَرْسَلَاتُ

یہی آتش ہلاک ہو چکی ان سے عبرت حاصل کرو: ۲۶۱

مستیوں کے سایوں، چشموں اور میوؤں کا تذکرہ: ۲۶۳

پارہ ۵: ۵۰

التَّبَا

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق مفید: نیند

بہت بڑی نعمت ہے ۲۷۰

التَّارِخَاتُ

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق مفید:

..... ۲۷۶

الْفَلَاقُ وَالنَّاسُ

سورۃ الفلق و سورۃ الناس ۸۹۸

معوذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود کا موقف: ۹۰۳

الْفَائِجَاتُ

رات کو حفاظت کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ۹۲۸

قیامت کب ہوگی اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم: ۲۰۰

علم غیب اور طبیخی خبروں میں فرق: ۲۰۱

الْمَرْغَبَاتُ

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی: ۲۰۷

ترتیل قرآن کا مطلب: ۲۰۸

قیام میل کے بارے میں تخفیف کا اعلان، اقامۃ الصلوٰۃ اور

ادائے زکوٰۃ کا حکم: ۲۱۳

الْمَنَاشِئَاتُ

رسول اللہ ﷺ کو دینی دعوت کے لیے کھڑے ہو جانے

کا حکم، اور بعض دیگر ناصح کا تذکرہ: ۲۲۱

کہ معصومہ کے بعض معاندین کی حرکتوں کا تذکرہ اور اس

کے لیے عذاب کی وعید، عذاب دوزخ کیا ہے؟ ۲۲۳

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی: ۲۳۱

الْمَيَامِنُ

یعنی اس روز انسان کو جتنا دیا جائے گا کہ اس نے کیا آگے

بھیجا کیا پیچھے چھوڑا: ۲۳۷

حفظ قرآن، تلاوت و تفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ: ۲۳۸

الْإِسْتِثْنَانُ

اور اے مخاطب اگر تو وہاں نعمتوں کو دیکھے گا تو تجھے بڑا ملک

سُورَةُ الْاِخْتِافِ

سُورَةُ الْاِخْتِافِ ۳۶ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ ۱۶
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 آيَاتُهَا ۳۵ رُكُوعُهَا ۲

سورہ اخفاف مکہ میں نازل ہوئی۔ شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں پینتیس آیتیں ہیں اور اس پر سورہ

سُورَةُ الْاِخْتِافِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلَّ اَرَايْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْاٰيَةُ وَالَّا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا وَلَوْ الْعَزْمُ مِنَ الرُّسُلِ الْاٰيَةُ وَالَّا وَرَضِيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الْاَقْلَاثِ اَيَاتٍ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَتَلْتُونَ اٰيَةَ

حَمْدٌ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَاً مِنْ اللّٰهِ خَبْرَةٌ الْعَزِيْزِ بِهٖ مُلْكِهِ الْحَكِيْمِ ۝ فِي صُنْعِهِ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا خَلْقًا بِاَلْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَاجَلَ مَسْئَلِ الْاِلٰهِ فَنَاطِئُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّا اُنزِرُوْا حُوْرُوْا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ مَا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاَصْنَامِ مَفْعُوْلٌ اَوَّلُ اَرُوْنِيْ اَخْبِرُوْنِيْ تَاكِيدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ مِنْ اَرْضٍ بَيَانٌ مَا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مَشَارِكَةٌ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللّٰهِ وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مُّتَرَلٍّ مِنْ قَبْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَوْ اَثَرَةٍ بَقِيَّةٍ مِنْ عِلْمٍ يُؤْتِيْهِ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ بِصَحْحَةٍ دَعُوْاكُمْ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِنَّهَا تُفَرِّجُكُمْ اِلَى اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فِيْ دَعْوٰكُمْ وَمَنْ اسْتَفْتٰهُمْ بِمَعْنٰى النَّفْيِ اَيُّ لَا اِخْذَ اَصْلٌ مِّنْ يَدْعُوْا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيُّ غَيْرِهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ الْاَصْنَامُ لَا يُحِبُّوْنَ عٰبِدِيْهِمْ اِلَى شَيْءٍ يُسْأَلُوْنَهُ اَبَدًا وَهُمْ عَنْ دَعَايِهِمْ عِنَادَتِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لِاِنَّهُمْ جَمَادٌ لَا يُفْعَلُوْنَ وَاِذَا حُجِرَ النَّاسُ كَانُوْا اَيُّ الْاَصْنَامِ لَهُمْ لِعٰبِدِيْهِمْ اَعْدَاءٌ وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عٰبِدِيْهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ خٰجِدِيْنَ وَاِذَا تَشَلَّلَ عَلَيْهِمْ اَيُّ اَهْلِ مَكَّةَ اَيْتْنَا الْقُرٰنَ بِبَيِّنٰتٍ ظٰهِرٰتٍ حٰلًا قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِثْمُهٗ

لَلْحَيِّ أَيِ الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَمْرٍ بِمَعْنَى نَبْلِ وَهَمْزُهُ الْإِنْكَارُ يَقُولُونَ أَفْقَرْنَا
 أَيِ الْقُرْآنِ قُلْ إِنْ أَفْقَرْتُمْ فَرُضًا فَلَا تَسْتَكْبِرُونَ فِي مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا أَي لَا تَقْدِرُونَ عَلَيْهِ دَفَعَهُ عَنِّي
 إِذْ أُنزِلَ عَنِّي اللَّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۝ تَقُولُونَ فِي الْقُرْآنِ كَفَى بِهِ تَعَالَى شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۝ وَهُوَ
 الْغَفُورُ لِمَنْ تَابَ اتَّوَجَّعْتُ ۝ بِهِ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ قُلْ مَا كُنْتُ بِدَاعًا بَدِيعًا مِنَ الرُّسُلِ أَيِ أَوَّلِ
 مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِنِّي قَبْلِي كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَكَيْفَ تَكْذِبُونَ بِي وَمَا دَرَيْتُ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكْفُرُ فِي الدُّنْيَا
 أُخْرِجَ مِنْ بَلَدِي أَمْ أَقْتُلُ كَمَا فَعَلَ بِالْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي أَوْ تُزْمَنُونَ بِالْحِجَارَةِ أَمْ يُخَسِّفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِينَ
 قَبْلَكُمْ إِنْ مَا أَتَيْتُمُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيْكُمْ أَيِ الْقُرْآنِ وَلَا أَتَّبِعُ مِنْ عِنْدِي شَيْئًا وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ بَيْنَ
 الْإِنْدَارِ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَخْبِرُونِي مَا دَاخِلُكُمْ إِنْ كَانَتْ أَيِ الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ جُمْلَةً خَالِيَةً وَ
 شَهِدًا شَاهِدًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ عَلَىٰ مِثْلِهِ أَيِ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ قَامَنَ الشَّاهِدُ وَ
 اسْتَكْبَرْتُمْ ۝ تَكْبَرْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَجَوَابِ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَيْهِ السُّنْمُ ظَالِمِينَ دَلَّ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ لَا
 يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

تَرْجُمْتُمْ: حَمَّ۔ (اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی بخوبی جانتا ہے) یہ کتاب زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔
 ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری
 قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک میعاد معین کیلئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے تک) اور جو لوگ کافر ہیں ان کو
 جس چیز سے ارایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رنجی کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ
 (مجھ سے کہو کہ) جن چیزوں کی تم عبادت (ہندگی) کرتے ہو۔ اللہ کے علاوہ (یعنی جنوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ وکھلاؤ
 (بتلاؤ۔ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (مفعول ثانی ہے) زمین (یہ بیان ہے ماکا) یا ان کا آسمانوں (کے پیدا
 کرنے) میں سا جھا (شرکت) ہے (خدا کے ساتھ۔ ام بمعنی ہمزہ انکار ہے) میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے
 کی ہو یا کوئی اور عسی مضمون منقول ماؤ (جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو۔ جس سے تمہارے اس دعویٰ کی تصدیق ہو کہ بت پرستی
 اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے) گرم سچے ہو (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام لفظی کے معنی
 میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے (یعنی بت جو اپنے
 عبادت گزاروں کو کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) دوران کو ان کے پکارنے (پوجا پاٹ کرنے) کی بھی خبر

نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان (پجاریوں) کے دشمن ہو جائیں اور ان (پجاریوں) کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (مکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو (ان میں سے) منکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس سچی بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) جادو ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو) اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچا سکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بنا رہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کیلئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا۔ پہلا پہل، بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے نبی آچکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کر رہے ہو) اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں (دنیا میں رہتے ہوئے۔ کہ آیا مجھے دیس نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا۔ جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھر اڑا دیا جائے گا یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی۔ میں اپنی طرف سے کچھ بھی بناؤں نہیں کر رہا ہوں) اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے یہ بتلاؤ (تمہاری حالت کیا ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبداللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب پر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے) یہ ایمان لے آئے (وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو (ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا) بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بِالْحَقِّ: بالصاق کے لیے ہے ای متلبسا بالحق، حق وہ ہے جو حکمت و عدل کے عین مطابق ہو۔

قولہ: أَجَلٌ مُّسَمًّى: جس پر تمام چیزوں کی انتہاء ہو اور وہ قیمت کا دن ہے۔

قولہ: يُؤْتِرُ: نقل و روایت ہو، باقی رہنا۔

قولہ: جَاعِدِينَ: زبان حال یا زبان قائل سے۔

قولہ: لِلْحَقِّ: لام اجلیہ ہے۔ اور حق سے مراد آیات ہیں اور اسے ضمیر کی جگہ لائے اور الذین کفروا کو ضمیر کی جگہ لائے،

جن پر قرآن پڑھا جاتا ہے تاکہ ان آیات پر حق اور ان لوگوں پر کفر کا استحالة کیا جائے۔

قوله: يَقُولُونَ: آپ کی مذمت میں وہ کہتے ہیں۔
 قوله: فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ: باوجودیکہ تمہارا جرم بہت بڑا ہے۔
 قوله: جُمْلَةٌ حَالِيَةٌ: وفد کفر تم یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر مقبولین

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی روایت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے اس کو مکہ قرار دیا ہے اور جملہ آیات کے بارہ میں بغیر کسی استثناء کے ان کی یہی رائے ہے، بعض مفسرین قُلْ اَرَدْتُمْ اِنْ كَانْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كُفْرًا کہتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جبرانی عوف بن مالکؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ قُلْ اَرَدْتُمْ اَرَدْتُمْ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے امام بخاری مسلم نسائی ابن جریر باسناد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے کسی بھی ایسے شخص کے بارہ میں جو زمین پر چلتا ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے سوائے عبداللہ بن سلامؓ کے اور انھی کے متعلق قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں: "وَشَهِدَ شَاهِدًا قَبِيْلًا اِسْرَآءِيْلًا" اور عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے کئی آیات میں سے اس آیت کو بھی مستثنیٰ کیا ہے: "وَالَّذِي قَالَ لُو لُو الدِّيَهٗ اِفْلٰكًا" مردان نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے سے اعراض کر رہے تھے اور ان کے والدین ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی اور فرمایا کہ یہ آیت تو ابو مردان کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مردان اس کی پشت میں تھا اس سورت کے زیادہ تر مضامین دلائل قدرت، قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات حشر و نشر پر مشتمل ہیں۔

سورۃ احقاف کا نام اس مناسبت سے ہے کہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث عذاب خداوندی نے انکو ہلاک و تباہ کیا تو ان کی بستیاں سرزمین یمن کے علاقہ "احقاف" میں تھیں جیسے کہ ارشاد ہے: "وَ اِذْ كَرِهْنَا اِذْ اَنْزَلْنَا قَوْمَهُ بِالْاَحْقَافِ" اس سورت کی ابتدا قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کے بیان سے ہے پھر شرک و بت پرستی کا رو ہے اور منکرین کے شبہات کا رد اور دلائل کے ساتھ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا پھر انہی زندگی کے دونوں رخ ہدایت و گمراہی کے بیان کیے گئے اخیر میں حضرت ہود علیہ السلام اور انکی قوم عاد کا قصہ ہے اور انکی ہلاکت کا بیان ہے اس طرح اس سورت کے مضامین گزشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔

مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دینگے!

یہاں سے سورۃ احقاف شروع ہو رہی ہے اس سورت کے تیسرے رکوع میں احقاف کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موصوف اور مشہور ہوئی اس آیت میں تنزیل قرآن اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی تخلیق حکمت کے ساتھ ہے اور اجل مسمیٰ یعنی مقررہ وقت تک کے لیے ہے جب مقررہ میعاد پوری ہو جائے گی تو یہ چیزیں فنا ہو جائیں گی قال فی معالم التنزیل: یعنی بوم القيامة وهو الاجل الذی تنتهی الیہ السموات والارض، وهو اشارة الی فناها (معالم التنزیل میں ہے "یعنی قیامت کا دن ہی وہ مقررہ وقت ہے جس پر آسمان و زمین اپنی انتہاء کو پہنچ جائیں گے اور یہ ان کے فنا ہونے کا اشارہ ہے") یہ سب کچھ تو وحید کے دلائل میں سے ہے اس کے بعد مشرکین کی حرقت اور ضلالت بتائی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کا جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں خبر بھی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار رہا ہے۔

قُلْ اَرَاۤءَ یُنۡکُمۡ مَّا تَدْعُوۡنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰہِ

جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اپنی حاجات کے لیے پکارتے ہیں ان سے دریافت کیجئے کہ بتو انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کا کوئی حصہ انہوں نے پیدا کیا ہے یا زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا ان کا آسمانوں میں کوئی سا جھا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا اور نہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے پھر وہ لائق عبادت کہاں سے ہو گئے؟ ان میں سے کوئی خالق نہیں اس کو تو تم بھی مانتے ہو اور خالق تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس کو تو تمہاری عقل بھی تسلیم کرے گی اگر اسے کام میں لاؤ گے، عقل کے علاوہ کسی بات کے ماننے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو جو قرآن سے پہلے تمہارے پاس آئی ہو جس نے غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم دی ہو یا تمہارے پاس کوئی بات اکابر و اصناف سے نقل و نقل پہنچی ہو جس نے شرک کی تعلیم دی ہو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے بھی کوئی بات نہیں ہے پھر شرک کرنا انتہاء درجہ کی گمراہی ہوئی یا نہیں۔ قولہ تعالیٰ: اَوۡ اَشۡرَکَۃٌ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فِیۡ مَعَالِمِ التَّنۡزِیۡلِ اِیۡ بَقِیۡةٌ مِّنۡ عِلۡمِ یُوۡثِرُ عَنِ الْاَوَّلِیۡنِ اِیۡ یَسۡنَدُ الِیۡہِمۡ قَالَ مِجَہَدٌ وَعِکۡرَمَةُ وَمِقَاتِلٌ رَوَاۤیۡةٌ عَنِ الْاَنْبِیَآءِ وَقَالَ قَتَادَةُ خَاصَّةٌ مِّنۡ عِلۡمِ وَاَصۡلُ الْکَلِمَةِ مِّنَ الْاَثَرِ وَهُوَ الرَّوَاۤیۡةُ (معالم التنزیل میں ہے "یعنی باقی رہا ہو علم جو پہلے لوگوں سے روایت کیا جائے یعنی جس کی سند اولین تک پہنچی ہو عکرمہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا مراد ہے انبیاء کرام سے روایت، قتادہ کہتے ہیں مخصوص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے جو کہ روایت ہی کو کہتے ہیں۔)

اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ (اور جب قیامت کے دن لوگ جمع کیے جائیں گے تو یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے یہ مفہوم اس صورت میں ہے جبکہ: کَانُوا۟ کِیۡفَیۡمُ مَرۡفُوعًا یٰۤاٰیۡتِیۡنَ کِیۡ طَرَفٍ اِدۡرَ اٰہُھُمۡ کِیۡ ضَمِیۡرِ مَعۡبُوۡدِیۡنَ کِی

طرف رنج ہو اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس کا عکس مراد ہو اور مطلب یہ کہ معبودین اپنے عابدوں کے دشمن ہو جائیں جیسا کہ سورہ قصص میں ہے: **فَتَذَرَأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِبْرَآئِكَ يَفْعَلُونَ.**

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِحُجَّتٍ.....

اس سے ہٹ دھرم منکرین و کفار کے عناد اور ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ اور مظہر سامنے آتا ہے کہ جب ان کو راہ حق و ہدایت سے متعلق ایسی کھلی اور واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن سے توحید خداوندی اور قیامت و آخرت سے متعلق وہ حقائق پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ جن کی تعلیم اور دعوت قرآن دیتا ہے، اور قرآن کی دعوت و راستے کے دلائل کا جب ان سے کوئی جواب نہیں بن سکتا، اور اسکی تاثیر و تسخیر کو ماننے بغیر جب ان کیلئے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا تو یہ لوگ بجائے سکے کہ اس کی عظمت و صداقت کے آگے جھک جاتے، اور اسکی دعوت حق و صدق کو صدق دل سے اپنا کر اپنے لئے دیرین کی سعادت و سرخروی سے سرفرازی کا سامان کرتے۔ یہ الٹا اسکے لئے کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ اور **لَتَأْتِيَ جَاءَهُمْ** کی تصریح سے ان کے اس فعل انکار و تکذیب کی شاعت کو اور زیادہ واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں نے اپنی بدنہی سے اسکو جادو اس وقت قرار دیا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا، یعنی حق کے بارے میں کوئی غلط فہمی اگر اس وقت ہو جبکہ وہ ان کے پاس آیا نہ ہو، تو اس کے لئے پھر بھی کسی عذر کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے آجانے کے بعد اس کے انکار کی شاعت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ایسے میں یہ بات دیکھنے کے بعد کھڑے میں گرنے کے مترادف ہے۔ اور اس طرح ایسے لوگ خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی محرومی کا سبب بنتے ہیں، جس سے ان کا جرم دوہرا اور ڈبل ہو جاتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَيْنَاهُ

یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب

کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

قُلْ إِنْ افْتَرَيْنَاهُ فَلَآ تَمْلِكُونَ.....

یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے اگر بفرض مجال میں ایسی جسارت کروں تو گو یا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا۔ جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے، مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے پہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بیباک نہیں ہوں در نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لے لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا اور جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہذا لغو اور دور از کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا و مفتری کہا تو

سمجھ لو اس کا حشر کیا ہوگا۔ خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتل دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا، افتراء کر رہا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاةِ قَوْمِ التَّوَسِّلِ

یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے۔ وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جس کی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی۔ بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا۔ پھر اس کے ماننے میں اشکال کیا ہے اور مجھے اس سے کچھ سرکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ نہ میں اس وقت پوری پوری تفصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الہی کا اتبوع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے، لک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

قُلْ أَدْعَايُهُمْ إِن كَانُوا مِن عِندِ اللَّهِ

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو سورۃ شعراء کے آخری رکوع کی آیت کا ہے۔ معنی: اولم یکن لہم ایتۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جاہل یہود و نصاریٰ جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں یہ خود اپنی کتابوں سے بھی نادانف اور جاہل ہیں کیونکہ بہت سے علمائے بنی اسرائیل اپنی کتابوں میں آئیں حضرت ﷺ کی نبوت اور آپ کی علامات کا مشاہدہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں کیا ان علماء کی شہادت بھی ان جاہل لوگوں کے لئے کافی نہیں۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ میرا دعویٰ رسالت اور قرآن کا اللہ کی کتاب ہونا غلط اور افتراء ہے اول تو اس کے غلط ہونے کے لئے وہ بات کافی ہے جو پہلے ابھی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ پر ایسا کھلا افتراء کرے کہ مجھے اس نے نبی بنا کر بھیجا ہے اور واقع میں وہ نبی نہیں ہے تو اس پر اس دنیا ہی میں عذاب کا آجانا اور اس کا ہلاک کیا جانا ضروری ہے تاکہ عام لوگ دھوکے سے بچ سکیں اور باغرض تم اس کو بھی نہیں مانتے تو کم از کم اس احتمال کو تو نظر انداز نہ کرو کہ اگر میرا دعویٰ صحیح ہو اور یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہی ہوئی اور تم اس سے کفر و انکار پر جسے رہو تو تمہارا کیا انجام ہوگا خصوصاً اس صورت میں کہ خود تمہاری قوم بنی اسرائیل ہی میں کوئی بڑا آدمی اس کے منجانب اللہ ہونے کی شہادت دے دے اور مسلمان ہو جائے اور تم اس علم کے بعد بھی اپنی ضد اور تکبر پر جسے رہو تو تم کس قدر عذاب کے مستحق ہو گے۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے

نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آچکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمہیں اپنی فکر کرنا چاہئے کہ تم عذاب سے کیسے بچو گے۔ اس لئے مضمون آیت کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل میں سے کسی شاہد معین کو اس کا مصداق قرار دیا جائے بلکہ جتنے حضرات یہود و نصاریٰ میں سے داخل اسلام ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام زیادہ معروف ہیں وہ سبھی اس میں داخل ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں جو حضرت سعدؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی (کما رواہ البخاری مسلم والنسائی من حدیث مالک) نیز حضرت ابن عباس، مجاہد ضحاک قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر سب نے باتفاق فرمایا کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق نازل ہوئی ہے تو یہ اس آیت کے مکی ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشینگوئی آئندہ کے لئے ہو جائے گی۔ (کذا قال ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ فِي حَقِّهِمْ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا أَيُّ

لِقَائِكُمْ بِهِ أَيُّ بِالْقُرْآنِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا أَيُّ الْقُرْآنِ إِنْكَ كَذَّبَ قَدِيمًا ۝ وَمِنْ قَبْلِهِ أَيُّ الْقُرْآنِ كِتَابٌ

مُوسَىٰ أَيُّ التَّوْرَةِ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۝ لِلْمُؤْمِنِينَ بِهِ خَالَانِ وَهَذَا أَيُّ الْقُرْآنِ كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّكُتُبِ قَبْلِهِ

إِنسَانًا عَرَبِيًّا ۝ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ فِي مُصَدِّقٍ يُبَيِّنُ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ وَشَرِّ كَيْفِ مَكَّةَ ۝ هُوَ بُشْرَى لِلْمُحْسِنِينَ ۝

لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا ۝ عَلَى الطَّاعَةِ ۝ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أَوْلِيكَ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ حَالٌ جَزَاءً مُنْصَوِّبٌ عَلَى الْمُصَدِّرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيُّ يُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۝ وَفِي قِرَاءَةِ إِحْسَانًا أَيُّ أَمْرًا أَنَّهُ يُحْسِنُ إِلَيْهِمَا فَتَنْصِبُ إِحْسَانًا

عَلَى الْمُصَدِّرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَمِثْلُهُ حُسْنًا حَصَلَتْهُ أُمَّةٌ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۝ أَيُّ عَلَى مُشَقَّةٍ وَحَمْلَةٍ وَفَضْلُهُ

مِنَ الرِّضَاعِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۝ سِنَةٌ أَشْهُرٌ أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِي أَكْثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِيلَ إِنَّ حَمْلَتُ بِهِ

سِنَةٌ أَوْ تِسْعَةٌ أَوْ سَعَةٌ أَوْ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ أَوْ ثَلَاثَةٌ أَوْ ثَلَاثُونَ سِنَةً ۝ وَكَانَ أَشَدَّهُ هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهِ وَ

عَقْلِهِ وَرَأْيُهُ أَقَلُّهُ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ سِنَةً ۝ وَكَانَ أَرْبَعِينَ سِنَةً ۝ أَيُّ ثَمَامَهَا وَهُوَ أَكْثَرُ الْأَشْدِّ قَالَ رَبُّ إِلَهِي

إِخْرَهُ نَزَلَ فِي أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ لَمَّا بَلَغَ أَرْبَعِينَ سِنَةً بَعْدَ سَنَتَيْنِ مِنْ مَبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمِنْ بِهِ ثُمَّ أَمِنْ أَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَالْبُرُّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَبُو عَتِيقٍ أَوْ عَتِيقِ الْهَمِيْنِي أَنْ أَشْكُرُ نِعْمَتَكَ

الَّتِي أَلْعَنَتْ بِهَا عَزَىٰ وَعَلَىٰ وَالِدَيْكَ وَهِيَ التَّوْحِيدُ وَأَنَّ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْطُسُهُ فَأَعْتَقَ تِسْعَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ
يَعْتَدُونَ فِي اللَّهِ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ فَكُلُّهُمْ مُّؤْمِنُونَ إِلَىٰ تَبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ أَىٰ
فَاتِلُوا هَذَا الْقَوْلَ أَبُو بَكْرٍ وَغَيْرُهُ الَّذِينَ تَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ بِمَعْنَىٰ حَسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ
فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ خَالَ أَىٰ كَاتِبِينَ فِي جُمْلَتِهِمْ وَعَدَّ الصِّدْقَ الَّذِي كَانُوا يُؤَدُّونَ ۝ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَعَدَّ اللَّهُ
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ ۖ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْأَفْرَادِ أُرِيدُ بِهِ الْجِنْسُ أَيْ بِكُسْرِ الْفَاءِ
وَفَتْحِهَا بِمَعْنَىٰ مُصَدِّرٍ أَىٰ تَنَنَا وَفَتْحًا لَكَمَا أَنْصَجِرُ مِنْكُمْ أَعِيدَنِي ۖ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِذْغَامِ أَنْ أُخْرَجَ مِنْ
الْقَبْرِ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ الْأُمَمُ مِنَ قَبْلِي ۖ وَلَمْ تُخْرَجْ مِنَ الْقُبُورِ وَهِيَ يَسْتَعِينُ اللَّهُ بِشَأْنِهِ الْغُرَثُ
بِرُجُوعِهِ وَيَقُولَانِ إِنْ لَمْ تُرْجَعْ وَيَلِكْ أَىٰ هَلَاكَ بِمَعْنَىٰ هَلَكْتَ أَمِنْ ۖ بِالْبُعْتِ إِنْ وَعَدَّ اللَّهُ بِهِ حَقٌّ ۖ
فَيَقُولُ مَا هَذَا أَىِ الْقَوْلِ بِالْبُعْتِ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَكَاذِبِهِمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ وَجِبَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
بِالْعَذَابِ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝ وَلَكِنَّ مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِ
وَالْكَافِرِ دَجَجَتْ فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ عَالِيَةٌ وَدَرَجَاتُ الْكَافِرِ فِي النَّارِ سَافِلَةٌ ۖ وَمَا عَمِلُوا أَىِ
الْمُؤْمِنُونَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْكَافِرُونَ مِنَ الْمَعَاصِي ۖ وَيُؤْفِقُهُمْ أَىِ اللَّهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ أَعْمَالُهُمْ أَىِ
حَزَانَتِهَا وَهُمْ لَا يَظُنُّونَ ۝ شَيْئًا يَنْفُضُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَزَادُ لِلْكَافِرِ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ بَانَ
تُكْشَفَ لَهُمْ وَيَقَالُ لَهُمْ أَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَةٍ وَبِهَمْزَتَيْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمُدَّةٍ وَبِهِمَا وَتَسْهِيلِ النَّاسِيَةِ طَبِيبَتِكُمْ
يَأْسْتَفَايِكُمْ بِلَدَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِمَتَاعِكُمْ بَهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ أَىِ الْهُونِ بِمَا
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ تَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۖ بِهِ وَتَعْتَدُونَ بِهَا

ع

ترجمہ: اور یہ کافر ایمان والوں (کے حق میں ایمان لانے) کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن (صاحب تفسیر کے نزدیک یہ ایمان) کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور جب ان (کہنے والوں) کو اس (قرآن) سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال

ہیں) اور یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے۔ جو (پچھلی کتابوں کی) تصدیق کرنے والی، عربی زبان میں (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) ظالموں (مکہ کے مشرکوں) کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کیلئے ہے (نیک لوگوں مؤمنین) کو جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر (فرمانبرداری پر) جے رہے سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ جو ہمیشہ رہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ (فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی یجزون) جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قراءت میں احسانا ہے۔ یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر ہو گا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے) اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جتا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑاتا تیس مہینے ہے (چھ مہینے کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے گر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت عقل و رائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم ۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو بھر پور جوانی کی انتہاء ہے) تو کہتا ہے اے میرے پروردگار (یہ آیات حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرتؐ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمن در پوتے ابو عقیق سب مشرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشیئے (دل میں بٹھا دیجئے) کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلموں کو آزاد کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جا رہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لئے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہو گئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ (یعنی یہ دعائیں کر نیو لے ابو بکرؓ وغیرہ) وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کر لیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے کہ جنتیوں میں سے ہو جائیں گے (یہ حال ہے یعنی منجملہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا تھا (آیت وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات ہے) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا (ایک قراءت میں ولد مفرد ہے مراد جنس ہو جائے گی) تف ہے (لفظ ان کسرفا اور فتح فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی قابل نفرت اور گندگی) تم پر (تمہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (ایک قراءت میں ادغام کے ساتھ ہے) کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے صدیاں بیت چکی ہیں (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو

مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے۔ اور جب بیٹا نہ پھرنے تو کہتے ہیں) ارے تیرا ناس ہو (بربادی تباہی آجائے) ایمان لے آ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے بے سند نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا (ثابت) ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک (مؤمن و کافر کی جنس) کیلئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مؤمن کیلئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کیلئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے اور تاکہ اللہ سب کو پورے کر دے (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال (کا بدلہ) اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرا بھرا اس طرح کہ مؤمن کی کٹوتی اور کافر کے ساتھ زیادتی کر دی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آجائے گی۔ ان سے کہا جائے گا) کہ تم حاصل کر چکے (یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزوں کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لذت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اللہ کی جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توجہ و تشریح

قولہ: مِنْ قَبْلِهِ: یہ کتاب موسیٰ کی خبر ہے اور امام احمد رحمۃ کو نصب دینے والی ہے حال میں عامل ظرف ہے، میری مراد اس قبلہ ہے۔

قولہ: لَيَنْبِذَنَّ: یہ مصدر کی علت ہے۔

قولہ: فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ: ان پر کچھ خوف نہ ہوگا کہ ان کو کوئی ناپسندیدہ امر پیش آئے۔

قولہ: وَلَا هُمْ يَخْزَنُونَ: ان کو پسندیدہ چیز کے رہ جانے کا غم نہ ہوگا۔

قولہ: حُسْنًا: یہ موصوف مخذوف کی صفت ہے: ای امر احسنًا۔

قولہ: كُرْهًا: تکلیف و ناپسندیدگی والی۔

قولہ: وَعَدَا الصِّدْقِ: یہ مصدر مؤکد ہے جو اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔

قولہ: أَنْتَضَجِرُ مِنْكُمْ: یہ آف تب ہے اس کو اسم فعل مانیں اور پہلی صورت وہ مصدر ہے۔

قولہ: بِرْجُوعِهِ: کہ ایمان کی طرف لوٹنے کی توفیق دی۔

قولہ: **مَتَّاعًا عَمَلُوا**: یعنی اس کی جزاء جو انہوں نے عمل کیے اچھے یا برے مضاف محذوف ہے۔ یا ان کے عملوں کی وجہ سے درجات کا لفظ یہاں تغلیب کے اعتبار سے استعمال کیا گیا۔

قولہ: **بِأَن تُكْشَفَ لَهُم**: یعنی آگ ان کے سامنے کر دی جائے گی۔

قولہ: **أَذْهَبْتُمْ**: یہ دو ہمزہ کے ساتھ جن میں ایک استفہام کے لیے ہے۔

قولہ: **الْهَوْنِ**: ذلت۔

قولہ: **تُعَذِّبُونَ بِهَا**: ہا کا مرجع طیبات ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ.....

کافر لوگ ایمان والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو یہ لوگ اس معاملے میں ہم سے کبھی سبقت نہ لے جاتے۔ کہ ہم اشراف و سردار اور بڑے مال و منال والے لوگ ہیں۔ جبکہ یہ محتاج و مسکین تو پھر یہ ہم سے اس کار خیر میں سبقت کیونکر لے جاتے؟ لہذا اگر یہ دین و ایمان کوئی بڑی خیر اور اچھی چیز ہوتی تو یہ سب سے پہلے ہمارے ہی حصے میں آتی۔ نہ کہ ہمیں چھوڑ کر ان فقراء کو ملی، وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی مال و دولت اس لحاظ سے اور بھی زیادہ باعث خسارہ ہے کہ اس کی بنا پر دنیا دار لوگ اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہوئے حق سے اور دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سو تکبر محرومیوں کی محرومی اور باعث ہلاکت و تباہی ہے۔ اور تکبر کی حدیث شریف میں یہی تعریف فرمائی گئی ہے کہ تکبر حق کا انکار کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا ہے۔ **الکبر بطر الحق و غمط الناس** [ردہ الترمذی] اس سے جہاں ایک طرف ان تکبر لوگوں کے کبر و غرور اور ان کے باطن کے فساد کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف اس سے اہل ایمان کے صدق و صفا اور ان کے باطن کی صحت و سلامتی کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی لیے ان کو ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا کا دار و مدار اصل میں انسان کے قلب و باطن ہی پر ہے۔ جیسے اس کے قلب و باطن کا معاملہ ہوتا ہے ویسے ہی اس کو صلہ و بدلہ منا چاہئے، اور یہی تقاضا ہے عقل اور نقل دونوں کا۔

إذْ لَكُمْ يَهْتَكُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِنْ فَاكٌ قَدِيمٌ ۝

یعنی اپنی حماقت اور محرومی پر ماتم کرنے کی بجائے ایسے لوگ ان حق کو ہی برا کہنے لگتے ہیں، کہ یہ بھی وہی پرانا جھوٹ ہے جو کہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یعنی ہزاروں برس پہلے سے چلے آنے والے یہ حقائق جن کی تعظیم و تبلیغ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں نے فرمائی۔ یہ سب تو جھوٹ ہیں اور سچ ان لوگوں کے پاس ہے جو جہالت و گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سو جن کی مت مار دی جاتی ہے ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ **والعیاذ باللہ**، ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی اور کوئی نعمت تو ان لوگوں کے حصے میں آئی نہیں تو اگر دین بھی کوئی نعمت اور خیر کی چیز ہوتی تو یہ

لوگ اس کی طرف سبقت کرنے والے نہ بنے۔ بلکہ ہم ہی اس کی طرف سبقت کرنے والے ہوتے۔ لہذا ان کا اس کی طرف سبقت کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ سو اس سے منکرین کی محرومی دمت ماری اور ان کی حماقت و بد مغزی کا ایک اور نمونہ وثبوت ملتا ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے ان لوگوں کے استکبار اور ان سے کبر و غرور کا۔ پس استکبار و سرکشی محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ جب مریض بیماری کو ہی اپنی صحت سمجھنے لگے اور ڈاکٹر سے دوا لینے اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو استعمال کرنے کی بجائے اللہ اس کے خلاف چلے اور اسی کو برا کہنے لگے تو پھر اس کی صحت یا بلی آخر کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟ اور پھر حضرات انبیائے کرام اور خاص کر امام الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں آگے اعلیٰ و اشرف اور مقدس و نازک ہوتا ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوْتَقِي

یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تو رات نے بھی اصولی تعلیم یہ ہی دی تھی جس کی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے۔ اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لیے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستہ و ہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیے اب قرآن اترتا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہوا۔ غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ

استقامت اور اس کا ثمرہ:

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا۔ پھر اس پر جسے رہے یعنی فرمان الہی کے ماتحت اپنی زندگی گزار لی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جہاد ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھایا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تاعمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص حضرت ابو العالیہ نے کہا ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلائیے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ

رہے۔ آپ نے فرمایا زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا ہے
بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں، ان کے پاس
ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بے خوف
رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم درخ نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال، مال و
متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو
تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے
بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مؤمن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں
اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض
نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں
سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ
مؤمن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر
نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف اس سے بدل
جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ
کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت
ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار
ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق
درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن نہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع
ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور لولو یا قوت زبرجد اور
سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے
کمتر نہیں وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں
نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟
آپ نے فرمایا ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح
اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد
ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں
ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ایک
ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو بر سے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور
میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے

فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید و فروخت وہاں نہ ہوگی۔ بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جنتی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گے اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو کمرہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مؤمن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور ناجبر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو کمرہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو کمرہ رکھتا ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا.....

ان چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرنا ہے اور ضمناً دوسری تعلیمات آئی ہیں۔ اگرچہ بعض روایات حدیث سے ان آیات کا حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی بنا پر تفسیر مظہری نے وصینا الانسان میں الانسان کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مراد صدیق اکبر کو قرار دیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی آیت قرآن کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو تو پھر بھی حکم سب کے لئے عام ہی ہوتا ہے۔ شان نزول خاص صدیق اکبر ہوں اور تخصیصات مندرجہ آیات انہیں کی صفات ہوں جب ہی مقصود آیات کا تعلیم عام ہی ہے۔ اور اگر اصل آیات کو عام تعلیم قرار دیا جائے، اس میں بھی صدیق اکبر اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے۔ جو ان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی جو تخصیصات ان آیات میں مذکور ہیں وہ تخصیصات بطور تمثیل کے ہوں گی اب آیات مذکورہ کے خاص خاص الفاظ کی تشریح دیکھئے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، لفظ وصیت تاکید کی حکم کے معنی میں آتا ہے اور احسان بمعنی حسن سلوک ہے جس میں ان کی خدمت و اطاعت بھی داخل ہے اور تعظیم و تکریم بھی۔

حَصَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا، لفظ کرھا کرھا بضم الكاف اس مشقت کو کہتے ہیں جو انسان کو کسی وجہ سے برداشت کرنا پڑے اور کرھا بفتح کاف اس محنت و مشقت کا نام ہے جس پر ان کو کوئی دوسرا آدمی مجبور کرے۔ اسی سے اکراہ مشتق ہے۔ پہلے جملے میں جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے یہ دوسرا جملہ اس کی تاکید کے لئے ہے کہ والدین کی خدمت و

اطاعت ضروری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے تمہاری پیدائش سے لے کر جوانی تک تمہارے لئے بڑی مشقت برداشت کی ہیں، خصوصاً ماں کی محنت و مشقت بہت ہی نمایاں ہے اس لئے یہاں بیان صرف ماں کی مشقت کا کیا گیا ہے۔ اس نے ایک طویل مدت نو ماہ اپنے پیٹ میں تم کو اٹھائے رکھا جس میں اس کو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، پھر ولادت کے وقت سخت درد اور تکلیف کے ساتھ تمہارا وجود اس دنیا میں آیا۔

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے:

شروع آیت میں حسن سلوک کا حکم، ماں اور باپ دونوں کے لئے ہے مگر اس جگہ صرف ماں کی محنت و مشقت کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی محنت و مشقت لازمی اور ضروری ہے۔ حمل کے زمانے کی تکلیفیں، پھر وضع حمل اور روزہ کی تکلیف ہر حال ہر بچے کے لئے لازمی ہے جو صرف ماں ہی کی محنت ہے، باپ کے لئے پرورش پر محنت اٹھانا اتنا لازمی و ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی باپ کو اولاد کی تربیت میں کوئی بھی محنت مشقت اٹھانی نہ پڑے جبکہ وہ بالدار صاحب حشم و خدم ہو، دوسروں سے اولاد کی خدمت لے یا وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا اور خرچ بھیجتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد پر ماں کے حق کو سب سے زیادہ رکھا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: **صَلِّ امْكُ ثَمَّ امْكُ ثَمَّ امْكُ ثَمَّ ابَاكَ ثَمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ** (منظری) یعنی صلہ رحمی اور خدمت کر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی، اس کے بعد اپنے باپ کی اور اس کے بعد جو قریب تر رشتہ دار ہو اس کی پھر جو سب سے بعد ہو۔

وَحَسْبُهُ وَفَضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ اس جملہ میں بھی ماں کی محنت و مشقت ہی کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت سے فراغت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے وہ اس کو دودھ پلاتی ہے۔ آیت میں ارشاد یہ فرمایا کہ بچے کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال فرمایا کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ کی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اکثر مدت رضاع تو دو سال کامل متعین فرمائی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: **وَالْوَالِدَاتُ يَرْضَعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ** اور یہاں حمل اور رضاع دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی تو مدت رضاع کے دو سال یعنی چوبیس مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہ جاتے ہیں جس کو کم سے کم مدت حمل قرار دیا گیا ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی کے زمانے میں ایک عورت کے بطن سے چھ ماہ ہو جانے پر بچہ پیدا ہو گیا جبکہ عام عادت نو مہینے میں اور کم سے کم مدت سات مہینے میں بچہ پیدا ہونے کی ہے۔ عثمان غنی نے اس کو حمل ناجائز قرار دے کر سزا کا حکم دیدیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عثمان کو اس سزا سے منع کیا اور فرمایا کہ قرآن میں حمل اور رضاع کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے پھر رضاع کی مدت کا جو تیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کر دیا ہے اس لئے باقی ماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ عثمان غنی نے ان کے استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا۔ (قرطبی)

اسی لئے کم سے کم مدت حمل کے بارے میں تمام امت کے ائمہ متفق ہیں کہ وہ چھ ماہ ہو سکتی ہے اکثر مدت کتنی ہے اس

میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں قرآن نے اس کے متعلق کوئی لیمہ نہیں دیا۔

فائدہ: اس آیت میں حمل کی تو اقل مدت کا بیان کیا گیا اور رضاع کی اکثر مدت کا اس میں اشارہ ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ متعین ہے اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہو سکتا مگر زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اس میں عادتیں مختلف ہیں یہ متعین نہیں اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جا سکتا ہے کم سے کم مدت کچھ متعین نہیں۔ بعض عورتوں کے دودھ ہوتا ہی نہیں، بعض کا دودھ چند لمبوں میں خشک ہو جاتا ہے، بعض بچے ماں کا دودھ زیادہ نہیں پیتے یا ان کو مضر ہوتا ہے تو دوسرا دودھ پلانا پڑتا ہے۔

اکثر مدت حمل اور اکثر مدت رضاع میں فقہائے امت کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال ہیں، امام مالک سے مختلف روایات منقول ہیں۔ چار سال، پانچ سال، سات سال، امام شافعی کے نزدیک چار سال، امام احمد کی بھی مشہور روایت چار ہی سال کی ہے۔ (منظری) اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ حرمت رضاعت کے احکام متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہیں۔ امام مالک شافعی، احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے ابو یوسف اور امام محمد سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں حضرت عمرو ابن عباس کا بھی یہ قول ہے (رواہ اندرقلنی) علی مرتضیٰ عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی ارشاد ہے (انرجاہن ابی شیبہ) صرف امام اعظم ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دو سال تک بھی نہ لیتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے مگر فتویٰ حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ دو سال کی مدت کے بعد اگر دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں فرمایا کہ اگرچہ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے مگر عمل میں احتیاط کرنا بہتر ہے کہ ڈھائی سال کی مدت کے اندر جس بچہ کو دودھ پلایا گیا ہے اس سے مناکحت میں احتیاط برتی جائے۔ بعض حضرات نے آیت: **وَحَلَّتْهُ وَفَضَّلَتْهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** سے امام اعظم کے قول کے مطابق اکثر مدت رضاعت ڈھائی سال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر منظری میں فرمایا کہ یہ درست نہیں کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت علی مرتضیٰ عثمان غنی نے آیت کی تفسیر یہ متعین کر دی ہے کہ اس میں چھ ماہ اقل مدت حمل کے اور چوبیس ماہ مدت رضاعت کے مراد ہیں اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن کریم نے حمل اور رضاعت کی مشترک مدت تیس ماہ بتلائی ہے ہر ایک کی الگ الگ حد نہیں بتلائی اس کا سبب یہ ہے کہ عادت عامہ یوں ہے کہ بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے اور جب بچہ پورے نو ماہ میں پیدا ہو تو ماں کا دودھ پلانے کی ضرورت صرف ایکس ماہ رہ جاتی ہے اور اگر بچہ سات مہینے میں پیدا ہو جائے تو تیس ماہ دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو چوبیس ماہ یعنی پورے دو سال دودھ پلانے کی ضرورت ہوگی۔ (منظری)

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اُسْتَاهُ وَ بَلَغَ رُبْعَيْنِ سَنَةً، لفظ اشد کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔ سورة انعام میں حتیٰ یبلغ

اشدہ کے تحت میں اس کی تفسیر بلوغ سے کی گئی ہے یعنی جب بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بلوغ شد سے مراد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی بعض حضرات نے بَلَّغَ اَشَدَّہَا کے معنی یہی کئے ہیں کہ بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے اور اس کے بعد بَلَّغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو ایک مستقل منزل عمر قرار دیا، یہ قول شعبی اور ابن زید کا ہے اور حسن بصری نے بلوغ اشد اور بلوغ اربعین دونوں کو ہم معنی اور بلوغ اربعین کو بلوغ اشدہ کی تفسیر و تاکید قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

اور فقہی عبارتوں میں ہے کہ اول بچہ کے حمل کا پھر وضع حمل کا پھر دودھ پینے کے زمانے کا ذکر کرنے کے بعد حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ: فعاش واستمرت حیاتہ حتیٰ ادا کتھل واستحکم قوتہ و عقلہ (روح) یعنی دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ زندہ رہا اور عمر پائی یہاں تک کہ وہ بالغ اور قوی ہو گیا اور اس کی قوت اور عقل مکمل ہو گئی تو اب اس کو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ یوں دعائیں مانگنے لگا کہ:

اے میرے پالنے والے مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر مبذول فرمائی اور جو میرے والدین پر مبذول فرمائی اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں وہ عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لئے میری اولاد کی بھی اصلاح فرمادے، میں تیری طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں تیرے تابع فرمان مسلمانوں میں سے ہوں۔ قرآن نے اس جگہ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ اَشَدَّہَا سے لے کر مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ تک سب صیغے ماضی کے استعمال فرمائے جس سے ظاہر یہ ہے کہ یہ بیان کسی خاص واقعہ اور خاص شخص کا ہے جو نزول آیت کے وقت ہو چکا ہے۔ اسی لئے تفسیر مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ سب حالات حضرت ابو بکر صدیق کے ہیں انہیں کا بیان بالفاظ عام اس حکمت سے کیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو قرطبی نے بروایت عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کا قصد فرمایا اور ملک شام کا سفر کیا تو اس سفر میں ابو بکر صدیق آپ کے ساتھ تھے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی جو مصداق ہے بلوغ اشدہ کا پھر اس سفر میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ایسے حالات دیکھے کہ وہ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ سفر سے واپسی کے بعد ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت در سالت کا شرف عطا فرمایا اس وقت ابو بکر کی عمر اسی سال تھی۔ مردوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا پھر جب ان کی عمر چالیس سال کی ہو گئی اس وقت یہ دعا مانگی جو اوپر آیت میں مذکور ہے رب اوزعنی اور یہی مصداق ہے بَلَّغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کا اور جب یہ دعا مانگی: اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی ان کو نواہی سے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی توفیق بخشی جو مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے مالک ان کو اسلام لانے پر طرح طرح کی اذانیں دیتے تھے، اسی طرح ان کی دعا: اَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۙ بھی قبول ہوئی، ان کی اولاد میں کوئی ایسا نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو۔ اسی طرح صحابہ کرام میں یہ خصوصیت حق تعالیٰ نے صدیق اکبر ہی کو عطا فرمائی کہ وہ خود بھی مسلمان ہوئے، والدین بھی، اولاد بھی اور سب کو نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہو۔ اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار میں اس وقت یہ خصوصیت صرف صدیق اکبر کے والد بوقافہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور یہ سورت پوری مکی ہے اس لئے یہ آیات بھی مکہ میں نازل ہوئیں اس وقت والدین پر نعمت الہی مبذول ہونے کا ذکر کیسے مناسب ہوگا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ

بعض حضرات نے ان آیات کو مدلی کہا ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں رہتا اور اگر کی بھی ہوں تو مراد نعمت اسلام سے مشرف ہونے کی دعا ہوگی۔ (روح) اس تفسیر کی رو سے اگرچہ یہ سب حالات صدیق اکبر کے بیان ہوئے مگر حکم عام ہے سب مسلمانوں کو اس کی ہدایت کرنا مقصود ہے کہ آدمی کی عمر جب چالیس سال کے قریب ہو جائے تو اس کو آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کی تہجد پڑھے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ عادت اور تجربہ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو اخلاق و عادات کسی شخص کی ہو جاتی ہیں پھر ان کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ مؤمن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسمان فرمادیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع و اناہیت نصیب فرما دیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات کو قائم فرمادیتے ہیں اور اس کے سیئات کو مٹادیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اگلے پچھسے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دیدیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ امیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کی طرف سے قیدی ہے (اکرم ابن کثیر من ابی ہاشم و منہ احمد وغیرہ) اور یہ ظاہر ہے کہ مراد اس سے وہ ہی بندہ مؤمن ہے جس نے اپنی زندگی احکام شرع کے تابع ہو کر تقویٰ کے ساتھ گزاری ہے۔ ابن کثیر نے چونکہ یہی تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ مراد عام انسان ہے۔ تو جو لفاظ خصوصیت کے اس میں آئے ہیں جیسے: حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ اَشَدَّهُ دَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اور وہ سب بطور تمثیل کے ہیں جس میں یہ ہدایت دینا مقصود ہے کہ انسان جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو اپنی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح اور آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ تَكْمًا.....

اس دنیا کے طالب آخرت سے محروم ہوں گے:

چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بد بختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں انہیں باتیں سناتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباس بیان کرتے ہیں جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قوس نکلتی سمجھو کہ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے بعض اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو بیزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سمجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں

تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر بول اٹھے کہ کیا ہر گھسے
 دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے
 لئے منتخب کیا نہ اپنے کئے قبیلے والوں سے کسی کو ناخوگوار کیا اور معاویہ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے ہمراہ
 پر دم کھا کر کیا یہ سن کر مروان کہنے لگا کہ تو وہی نہیں جس نے اپنے والد بن کوفال کہا تھا؟ تو عبدالرحمن نے لہرایا کیا تو ایک ملعون
 شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہ نے یہ سن کر مروان سے کہا
 نے حضرت عبدالرحمن سے جو کہا وہ بالکل بھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ لٹلا بن لٹلا کے بارے میں
 نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا بخاری
 میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے مروان
 حجاز کا امیر بنایا گیا تھا اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوزخ
 اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا۔ اور اس میں یہ بھی ہے
 کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاک داسی کی آیتوں کے اور کوئی آیت
 نہیں اتری۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبے سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا حضرت عائشہ کے فرمان
 میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی معلوم ہے لیکن میں اس وقت
 اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ
 اس اللہ تعالیٰ کی لعنت کا بقیہ ہے۔

یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا مرنے کے بعد کی زندگی کو
 جھلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس دوسری زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گزر گئے
 لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا ان میں سے ایک بھی تولوت کر خبر دیے نہیں آیا۔ ماں
 باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر بناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس
 سے کہتے ہیں کہ بد نصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا اب بھی مسلمان بن جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں
 تو اسے ایک دیر یہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور
 انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان میں
 یہاں لفظ: (أُولَئِكَ) ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ (وَالَّذِينَ) ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس
 سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت
 قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا فرمان ور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے، ابن عساکر کی ایک غریب
 حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے جو کسی
 شخص نے وہاں سے اور کہے کہ: "تجھے کچھ دنوں کا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعون سے کہے

سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں فلاں کا مکان کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتادیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ تنگ آ جائیں اور چنچ و پکار کرنے لگیں۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ

کافروں سے کہا جائیگا کہ تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں ختم کر دیں، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا:

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لیے آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لیے عذاب ہی عذاب ہے تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، دنیا ہی کے لیے جنے، اسی کے لیے مرے، لذت کی چیزوں کے پیچھے پڑے، انہی کو سب کچھ سمجھا، حلال سے حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی، اب تمہارے لیے لذت کی چیزوں میں سے کچھ نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ایمان کی دعوت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا دنیا میں کفر پر جے رہنے میں اپنی عزت سمجھی۔ آج اس کے عوض تمہارے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ عالم استزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیح فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذتوں سے استمتاع کیا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تاکہ آخرت میں ثواب ملے، حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اس پر کوئی بستر نہ تھا آپ کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے اور آپ چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کی امت کو وسعت دیدے۔ فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اب تک اسی میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔

(رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۱۰۷)

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لیے کچھ طلب کیا لہذا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ تو عمدہ چیز ہے لیکن میں اسے پیوں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے خواہشیں پوری کرنے والی قوم کی خواہشوں کا برا اتجاہم بنا دیا ہے ان سے کہا جائے گا: اَذْهَبْتُمْ طَيْبِنَا كَيْفَ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (تم نے اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا اور ان سے نفع حاصل کیا) لہذا میں لذت کی چیزیں استعمال کرنے سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دنیا ہی میں دے دی جائیں یہ فرمایا اور اس شہد کے ملنے

ہوئے پالی کوئٹہں کیا۔ (سورة الصافات ص ۱۱۹)
 حضرت جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا اسے
 جابر یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہذا میں نے گوشت خریدی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز
 خرید لو گے جس کے لیے جی چاہے گا کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے۔ اَذْهَبْتُمْ ظِلْمَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا
 (معالم القرآن)

وَاذْكُرْ آخَاءَ عَادٍ هُوَ هُوْدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذْ اِلَىٰ اٰخِرِهِ بَدَّلْ اِسْتِمَالٍ اَنْذَرْنَا قَوْمَهُ خَوْفَهُمْ بِالْاَحْقَابِ وَاِذِ
 بِالْيَمَنِ بِهٖ مَنَازِلُهُمْ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مَضَّتِ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اٰى مِنْ قَبْلِ هُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِهٖ
 اِلَىٰ اٰقْوَامِهِمْ اَنْ اٰى بَانَ قَانَ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِلٰهَهُ وَجُمْلَةً وَقَدْ خَلَّتْ مُغْتَرِضَةً اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِنَّ عِبَادَتِيْكُمْ
 غَيْرَ اللّٰهِ عَذَابِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا اِحْسَبْنَا اِنَّا لَمَكْنٰعِنَ الْهَيْدٰنَا لِنَتَضَرَّ فَنَاعُرُ عِبَادَتِهَا فَاِنَّمَا تَعْبُدُوْنَآ مِنْ
 الْعَذَابِ عَلٰى عِبَادَتِهَا اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَبِىْ اَنَّهُ بَايْتِنَا قَالَ هُوْدٌ اِنَّمَا لَعَلَّمُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الَّذِيْ
 يَغْلُمُ مَتٰى يَاتِيْكُمُ الْعَذَابُ وَاَبْلَغُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَلَكِنِّيْ اَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ بِاسْتِعْجَالِكُمْ
 الْعَذَابِ فَلَمَّا رَاوْهُ اٰى مَا هُوَ الْعَذَابِ عَارِضًا سَحَابًا عَرَضَ فِىْ اٰفُقِ السَّمٰوٰتِ مُسْتَقْبِلًا اُوْدِيَّتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا
 عَارِضٌ مُّبْتَرٌ اٰى مُّصْطَرٌّ اِنَّا نَقَالَ تَعَالٰى بَلْ هُوَ مَا سَبَّعْتُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ رِيْحٌ تَدُلُّ مِنْ مَّآ فِىْهَا
 عَذَابُ اَلِيْمٌ ۝ مُّوَلِّمٌ تَدْمِرُ لِهٰلِكٍ كَلِّ شَيْءٍ مَّرَّتْ عَلَيْهِ بِاَمْرِ رَبِّهَا بِاِزَادَتِهٖ اٰى كُلِّ شَيْءٍ اَرَادَ اِهْلَاكَهٗ
 بِهَا فَاَهْلَكَتْ رَجَالَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ وَصِبَاغَهُمْ وَكِبَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اَنْ طَارَتْ بِذٰلِكَ بَيْنَ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضِ وَمَرْقَتُهُ وَبِئْسَ هُوْدُوْا مَنْ اٰمَنَ مَعَهُ فَاَصْبَحُوْا لَا يَرٰوْا اِلَّا مَسْكِنَهُمْ ۝ كَذٰلِكَ كَمَا جَزٰىنَاهُمْ نَجْزِي الْقَوْمَ
 الْمُجْرِمِيْنَ ۝ غَيْرُهُمْ وَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِيمَا فِى الْاَرْضِ اِنْ نَافِيَةً اُرْزِئْتُمْ مَكَّنْتُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فِىْهِ مِنَ الْقُوَّةِ
 وَالْمَالِ وَجَعَلْنَا هُمْ سَعًا بِمَعْنٰى اَسْمَاعًا وَاَبْصَارًا وَاَلْبَدَةَ قُلُوْبُنَا فَمَا اَطْفٰى عَنْهُمْ سَعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ وَلَا
 اَفْئِدَتُهُمْ فَمِنْ شَيْءٍ اٰى شَيْئًا مِنَ الْاِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَةٍ اِذْ مَعْمُوْلَةٌ لِاٰغْنٰى وَاَشْرَبَتْ مَعْنٰى التَّغْلِيْلِ كَالْوَا
 يَحْ يَجْعَلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ حُجْحِهٖ الْبَيْتَةِ وَحَاقَ نَزَلَ بِهٖمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اٰى الْعَذَابِ

ترجمہ: آپ قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جب کہ (آخر تک بدل استعمال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو

ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے فمدار تو دوں کے مقام پر (یعنی کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے بہت سے ڈرانے والے (تغییر) گزر چکے تھے (یعنی ہو علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جا چکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ "قد خلقت معترضہ تھا) مجھے تم پر امدیث ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹا دو (ان کی پرستش سے پھیر دو) سولے آؤ ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے) اگر تم سچے ہو (کہ تم اس کو لے آؤ گے) فرمایا (ہوڑنے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ (تم کو) پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نری جبلت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سوان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا) بادل کی شکل میں (آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) نہیں نہیں بلکہ یہ تو وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل ہے) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کر دے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر چیز وہ جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد و عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہو گئے۔ آسمان وزمین کے درمیان اڑتے پھرے۔ آندھی نے سب کو جس نہیں کر کے رکھ دیا۔ ہو علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی بچے رہے) چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ جو ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما یعنی اللہ ہی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (کہہ والو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (مع یعنی اسما ہے) اور آنکھیں اور دل دینے سے۔ مگر ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ڈرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذا معمول ہے غنی کا اس میں سہیت کے معنی آگئے ہیں) وہ لوگ آیات انبیاء (کے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آگیرا۔ (ان پر نازل ہو گیا وہ عذاب) جس کی وہ نہیں اڑایا کرتے تھے۔

کلمات تفسیر یہ کی توجیح و تشریح

قولہ: بِالْأَحْقَافِ: جمع حقف: ریت کے لمبے ٹیلے، جن میں اتار چڑھاؤ ہو۔ وہ ان ریتوں میں رہتے تھے۔ جو سمندر کو جھانک رہے تھے۔

قولہ: وَقَدْ خَلَّتْ: یہ حال۔

قولہ: بِأَنَّ: کسی چیز کی ممانعت دراصل اس کی معذرت سے انذار ہوتا ہے۔

قولہ: مَا هُوَ الْعَذَابُ: ضمیر کا مرجع عذاب ہے۔

قولہ: تَدْقِرُ: یہ رخ کی منت کے بعد صفت ہے۔

قولہ: وَأَشْرَبَتْ مَعْنَى التَّغْلِيلِ: یعنی یہ ظرف ہے جس کو علت کے قائم مقام لائے اس طرح کہ حکم اس پر مرتب ہو گا جس کی اس کی طرف نسبت کی گئی۔

تفسیر مقبولین

وَأَذْكَرُ أَخَاعَادٍ.....

قوم عادی تباہی کے اسباب:

جناب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں۔ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عاد اونی کی طرف بھیجا تھا جو احناف میں رہتے تھے احناف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی رو میں ڈالی جاتی ہیں یہ مطلب بھی احناف کا بیان کیا گیا ہے قتادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے امام ابن ماجہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعائے گم تو اپنے نفس سے شروع کرے اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے ارد گرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّبَنِي إِدْرِيصَ وَمَا كَانُوا يَخْلَفُهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ) (البقرہ: 66) اور جیسے اللہ جل و علا کا فرمان ہے: (فَإِن أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ ضِعْفَةَ وَمِثْلَ ضِعْفَةٍ عَادٍ وَمِثْلَهُ) (نعلت: 13)، پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موعود بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا۔ جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرات کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے: (يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا) (اشوری: 18) یعنی ایمان نہ لانے والے ہرے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس۔ جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو اب اللہ کا عذاب آ گیا انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ تہر الہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہود سے یہ طلب کر رہے تھے وہ

عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھی جن کی بربادی ہونے والی تھی جس نہیں کرتا ہوا آیا اور اسی کا سے اللہ کا حکم تھا جیسے اور آیت میں ہے: (مَا تَذُنُّ مِنْ غَلَبِهِ أَنْتَ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلْنَاهُ كَالزَّبِينِ) (الذاریات: 42) یعنی جس چیز پر وہ گزر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی نہ بچ سکا۔ پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث کہتے ہیں میں علا بن معمری کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا ہذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیالی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ کے رسول ﷺ سے ہے کیا تو مجھے حضور ﷺ تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھالیا اور مدینہ شریف پہنچا میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کچھ کھینچ بھری ہوئی ہے سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال کھوار لٹکائے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور ﷺ عمر دین عامس کو کسی طرف بھیجا جاتے ہیں میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضرت ﷺ اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیارا ستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلا لو چنانچہ وہ آگئیں میں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے اس پر بڑھیارا کو ہمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ ہی کلباڑی ماری مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضور ﷺ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا، یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے لگا اور اس کی دونوں کینزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا پھر چلا اور جبال مبرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ اللہ تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا ندیہ داکرنے کے لئے تو آیا نہیں الہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے چنانچہ چند سیاہ رنگ ہادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ اس نے سخت سیاہ ہادل کو پسند کر لیا اس وقت ان میں سے ایک آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابوداؤد کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد و

بیچے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسے کہ سورۃ اعراف کی تفسیر میں گزارش مسند احمد میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھس کھلا کر اس طرح ہنسنے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے سوزھے نظر آئیں۔ آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابراہنٹھا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ پناچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابرو باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برے کی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہو اسی سے ہلاک کی گئی ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابراہنٹھا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے: (اللهم انی اعود بک من شر ما فیہ) اے اللہ میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے۔ پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے: (اللهم صیبا ناعنا) اے اللہ سے نفع دینے والا اور برے سے والا بنادے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: (اللهم انی اسالک خیر ہا و خیر ما فیہا و خیر ما ارسلت بہ و اعود بک من شر ہا ما و ستر فیہا و شر ما ارسلت بہ) یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب ابراہنٹھا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر آتے کبھی جاتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ نگر بندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورۃ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہود کا پورا واقعہ گزر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے (فلله الحمد والمنہ) طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگڑی کا حلقہ ہوتا ہے یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور باد یہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن یہ جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے ہوا کے خزانچوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت آتی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اس سے قریش کو براہ راست خطاب کر کے ان کے دلوں پر دستک دی گئی، اور ان کو جھوڑا گیا کہ ماضی کی ان بد بخت قوموں کو ہم نے اسباب و وسائل کی جو فراوانی بخشی تھی، اور تعمیر و تمدن اور مادی ترقی کے سلسلے میں جو عنفیت و شوکت ان کو حاصل ہوئی تھی، وہ ان کو حاصل نہیں ہوئی، بلکہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا: (وَمَا بَلَّغُوا عِشَارًا مَّا آتَيْنَاهُمْ) (پ: 45) یعنی یہ لوگ اس کے عشر عشر کو بھی نہیں پہنچے، جو کچھ کہ ہم نے ان کو دیا تھا۔ لیکن آ کر رجب ہم نے ان کو پکڑا تو وہ کسی

بھی طرح ہماری پکڑ سے نہ بچ سکے۔ ہم نے ان کو کانوں آنکھوں اور دلوں کی تمام عظیم الشان قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مگر انہوں نے چونکہ ہماری آیتوں کی روشنی کو قبول نہ کیا، بلکہ ان کا انکار ہی کرتے گئے، تو اسکے نتیجے میں ان کے کان آنکھ اور دل وغیرہ سب بیکار ہو گئے، وہ ان کے کچھ کام نہ آسکے۔ بلکہ وہ اپنی ساری ذہانت و فطانت کے باوجود اسی عذاب کی گرفت میں آ کر رہے جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ سو اس سے یہ اہم حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے کانوں آنکھوں اور ان کے دلوں کے اندر بھی اصل اور حقیقی روشنی اللہ تعالیٰ کی آیات ہی سے پیدا ہوتی ہے، پس جو آنکھیں کان اور دل و دماغ آیات الہی کے نور سے منور نہ ہوں، وہ اور اک حق و حقیقت کے اعتبار سے ماؤف اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں، ان کی ساری رسائی صرف محسوسات تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور محسوسات کے سلسلے میں بھی ان کا سارا زور ان کے مادی اور محسوس فوائد ہی کے حاصل کرنے کیلئے صرف ہوتا ہے اور بس، اور اس طرح وہ ایک حیوان عاقل بن کر رہ جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر برے اور بدتر ہو کر رہ جاتے ہیں، اسلئے کہ چار ٹانگوں والے معروف حیوان کو چونکہ عقل و فکر کی صلاحیتیں نہیں ملی ہوتیں، اس لئے وہ اپنی حیوانیت کے تقاضے اپنے محدود دائرے کے اندر، اور لگے بندھے طریقوں کے مطابق ہی پورے کرتا ہے، دوسرے کسی کو کچھ نہیں کہتا، اور اگر کبھی کسی کو کچھ کہے گا بھی تو وہ بھی اپنے محدود دائرے میں اور لگے بندھے طریقوں کے مطابق ہی یعنی کسی کو سینک مار کر، یا لات مار کر، یا دانتوں سے کاٹ کر وغیرہ، لیکن دو ٹانگوں والا انسان جب حیوان بنا ہے تو یہ اپنی عقل و فکر کی قوتوں کو استعمال کر کے وہ وہ ظلم کرتا اور قیامت ڈھاتا ہے کہ حیوان لا عقل کیلئے اس کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں، چنانچہ یہ ایسے ایسے آلات اور مشینیں ایجاد کرتا ہے کہ صرف ایک جن دبا کر آن کی آن میں ہزاروں جانوں کو جسم کر سکتا ہے اور بالفعل ایسے کرتا ہے، اور ہستے ہستے شہروں کو اجاڑ کر رکھ دیتا ہے، اور مزید یہ کہ ان کی اس مادہ پرستانہ ذہنیت اور محسوس پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور اک حق و حقیقت کے سلسلے میں ان کی تمام اعلیٰ صلاحیتیں کند ہو کر رہ جاتی ہیں، اور ایسے لوگ اشیاء کے محسوس اور مادی پہلو کے سوا اور کسی طرف دیکھنے سوچنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے، حالانکہ غور و فکر کے لائق اصل میں روحانی پہلو ہی ہوتا ہے، کہ وہی انسان کا امتیاز ہے، اور اسی سے انسان انسان بنا ہے، اسی لئے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ان کے دل ہیں جن سے یہ سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں، جن سے یہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے یہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گراہ اور بھٹکے ہوئے، یہی ہیں غافل۔

(الاعراف۔ ۱۷۹)

وَلَقَدْ أَهَلْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ إِذْ هُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۚ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ فَوَلَا هَذَا نَصْرَهُمْ بَدَعُ الْعَذَابِ عَلَيْهِمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً غَيْرَ قُرْبَانَا مُتَشَفِّينَ بِهِ إِلَى اللَّهِ إِلَهَةً مَعَهُ وَهُمْ الْأَصْمَامُ وَمَنْعُولٌ ۚ تَحَدُّوا الْأَوَّلَ ضَمِيرٌ مَّخْدُوفٌ يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ
أَيْ هُمْ وَقُرْبَانَا النَّبِيُّ وَالْإِلَهَةُ تَدُلُّ مِنْهُ بَلْ صَنَعُوا غَائِبًا عَنْهُمْ ۚ عِنْدَ تَرْوِيلِ الْعَذَابِ وَذَلِكَ أَيْ إِتِّخَاذُهُمْ

الْأَصْنَامَ إِلَهَةً قُرْبَانًا إِلَهُهُمْ كَذِبُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ٥ يَكْذِبُونَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ أَوْ مَوْضُوعَةٌ وَالْعَمَلُ
 مَحْدُوفٌ أَيْ بِهِ وَادُّكْرُ إِذْ صَرَفْنَا أَمَلْنَا لَيْتَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ جِنٌّ نَصِيصِينَ السَّمَنِ أَوْ جِنٌّ يَنْشَوِي وَكَانُوا
 سَعَةً أَوْ تَسَعَةً وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْبُنْ نَحْلِي يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ الْفُجُورَ وَاهُ الشَّيْخَانِ ^{يَسْتَعِينُونَ}
 الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَصْغُوا لِاسْتِمَاعِهِ فَلَمَّا قَضَى فَرَّغَ مِنْ
 قِرَائَتِهِ وَلَوْ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنذِرِينَ ٥ مُحَرِّقِينَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَكَانُوا يَهُودًا قَالُوا
 يَقَوْمَنَا إِنَّا سَاعِدْنَا كَثِيرًا هُوَ الْقُرْآنُ الْأَوَّلُ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ أَيْ تَقَدَّمَ كَالْتَوْرَةِ يَهْدِي إِلَى
 الْحَقِّ الْأَمِّ وَإِنْ طَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ ٥ أَيْ طَرِيقُهُ يَقَوْمَنَا أَيْ جِئُوا دَاعِيَ اللَّهِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى
 الْإِيمَانِ وَصَوَابِهِ يَغْفِرُ لَكُمْ اللَّهُ مِنْ ذُنُوبِكُمْ أَيْ بِنُصْنَهَا لِأَنَّ مِنْهَا الْمَطَالِمُ وَلَا تَغْفِرُ إِلَّا بِرِضَى رَبِّهَا وَ
 يُجْزَلُ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ٥ مُؤَلَّمٌ وَمَنْ لَا يُجِبُ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ أَيْ لَا يُعْجِزُ اللَّهُ بِالْمَهْرَبِ
 مِنْهُ فَيَفُوتُهُ وَلَيْسَ لَهُ لِمَنْ لَا يُجِبُ مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهُ أَوْلِيَاءُ أَنْصَارٌ يَدْفَعُونَ عَنْهُ الْعَذَابَ الْوَلِيَّ
 الَّذِينَ لَمْ يُجِئُوا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ٥ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَوْ كَمْ يَرَوُا يَعْلَمُوا أَيْ مُتَكَبِّرًا وَبُغْتِ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ وَكَمْ يَعِي بِخَلْقِهِنَّ لَمْ يَعْجُرْ عَنْهُ بِقَدْرِ خَيْرٍ إِنْ وَزَيْدَتِ النَّاسُ فِيهِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي قُوَّةِ لَيْسَ اللَّهُ
 بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُخَيَّرَ النَّوِيَّ هُوَ قَادِرٌ عَلَى احْتِيَاءِ الْمُرْتَدِّ بَيْنَ رَأْيِهِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 عَلَى النَّارِ بَانَ يُعَذَّبُونَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ هَذَا التَّعْدِيبُ بِالْحَقِّ عَلَى النَّاسِ وَرَبَّنَا قَدْ دَعَوْنَاكَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَكْفُرُونَ ٥ قَاصِدٌ عَلَى أَدَى قَوْمِكَ كَمَا صَبَّ أَوْلُوا الْعُزْمَ ذُرُومَاتٍ وَالصَّبْرُ عَلَى الشَّدَائِدِ مِنَ الرَّسُولِ
 قَبْلَكَ فَتَكُونُ دَاعِزٌ وَمِنْ اللَّيْتَانِ فَكُلُّهُمُ ذُرُومٌ وَعُقُوبٌ لِلتَّبَعِيضِ فَلَيْسَ مِنْهُمْ أَدَمٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَمْ
 نَجِدْ لَهُ عِزْمًا وَلَا يُؤْتَسُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْمُتُونِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ لِقَوْلِكَ تَرُورُ
 الْعَذَابِ بِهِمْ قَبْلَ كَانَهُ ضَجْرٌ مِنْهُمْ فَأَحَبُّ تَرُورُ الْعَذَابِ بِهِمْ فَأَمْرٌ بِالصَّبْرِ وَتَرْكُ الْإِسْتَعْجَالِ بِالْعَذَابِ
 فَإِنَّهُ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مَحَالَةَ كَالَّذِينَ يَوْمَ يَرُونَ مَا يُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْأَجْرَةِ بِطَوْلِهِ كَمَا يَلْبَثُوا فِي الدُّنْيَا

ظَنِبَهُمُ الْاِسَاعَةَ مِنْ نَهَارِ هَذَا الْقُرْآنِ بَلَّغَ تَجْلِيغٌ مِنَ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ لَهْلَ اَي لَا يَهْتَكُ عِنْدَ رُوْبَةِ الْعَذَابِ اِلَّا الْقَوْمَ الْفٰسِقُوْنَ اَي الْكَافِرُوْنَ

ع ۳

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستی والوں کو جیسے ثمود و عاد اور قوم لوط) اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں (کھلی دلیلیں) تھلا دی تھیں تاکہ وہ باز آ جائیں۔ سو ان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کیلئے) معبود بنا رکھا تھا (اللہ کے ساتھ شریک کر کے۔ یعنی بتوں کو اور اتھڑا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوتی ہے۔ یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آیت اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہو گئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ (یعنی بتوں کو خدائی قرب حاصل کرنے کیلئے معبود بنا لینا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ما مصدر یہ ہے یا موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے یعنی فیہ) اور (یاد کیجئے) جب کہ ہم لے آئے (مائل کر دیا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین۔ یمن یا نینوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخلہ میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ شیخین کی روایت کے مطابق) جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض جب وہ قرآن کے پاس پہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قرأت سے فراغت ہو گئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبردار کرنے کیلئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے (کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آجائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کیلئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا (یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے) اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہر نہیں سکتا (یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والوں کیلئے) اللہ کے سوا کوئی اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جو اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے) صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان د زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر باز آند ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی "الیس اللہ بقادر") کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کیلئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب

چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور ہمت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ لہذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیانہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تجیضیہ ہے۔ کیونکہ آدم ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت ولہ نجد لہ عزمًا سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونس بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ولا تکن کصاحب الحوت الخ) اور آپ ان لوگوں کیلئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کیلئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت اپنی قوم سے تنگ دل ہو کر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی) جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جا رہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل ہونے کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دیتا ہے) سو وہی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو نافرمانی (کفر) کریں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: نَفَرًا: دس سے کم افراد کو کہتے ہیں۔ جمع انفار۔

قوله: يَسْتَمِعُونَ: یہ حال ہے۔

قوله: فَلَمَّا حَضَرُوهُ: جب وہ قرآن سننے کے موقع یا رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر ہوتے۔

قوله: مِنْ بَعْدِ مُوسَى: انہوں نے یہ بات کہی اس لیے کہ پہلے وہ یہودی تھے۔

قوله: مِنْ عَذَابِ آلِيَمٍ: امام ابو حنیفہ جنات کو جنت اور اس کی نعمتوں سے متعلق متوقف ہیں، کذا قال صاحب

المسارک۔

قوله: زَيَدَتِ النَّبَاءُ: تاکید نبی کے لیے با آتی ہے۔

قوله: أُولُو الْعُزْرِ: انبیاء پانچ نام لکھے گئے ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت

محمد ﷺ۔

قوله: هَذَا الْقُرْآنُ: اس سے اشارہ ہے کہ بلاغ خبر ہے جس کا مبتدا مخذوف ہے۔

قوله: تَبْلِيغٌ: تو بلاغ یہ تبلیغ کا اسم ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَهَلَّكُمَا مَا حَاحُوكُم مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا آلِيَّتَ لَعَلَّهُمْ يُرْجَعُونَ ﴿۵﴾

اس آیت سے تمام منکرین کو خطاب کر کے اور ان کے ضمیروں کو جنموزتے ہوئے فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ بلاشبہ تم تمہارے گرد و پیش کی اور بھی بہت سی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جیسے قوم ثمود، قوم سبا، قوم مدین اور قوم لوط وغیرہ۔ جن کے آثار و نشانات اور کھنڈرات یہ لوگ اپنے سرویوں اور گرمیوں کے تجارتی سفروں کے دوران خود دیکھتے ہیں۔ مگر اس سے سبق نہیں لیتے۔ اور یہ صرف وہیں کے لوگوں اور کفار قریش ہی پر منحصر نہیں، بلکہ غفلت شعاری اور لا پرواہی کی یہ روش انسان پر ہمیشہ مسلط رہی ہے۔ اور کل کی طرح آج بھی ہے۔ اس انسان مغفل کا کل بھی یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ ہلاک اور تباہ شدہ قوموں کے ایسے آثار و نشانات یہاں اور وہاں پوری دنیا میں جگہ جگہ بکھرے اور پھیلے پڑے ہیں۔ اور آج کے غافل انسان کا معاملہ تو اور بھی زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک ہے کہ یہ اس طرح کے آثار و نشانات کی حفاظت کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلتا ہے اور اس کے لئے بھاری خرچے بھی کرتا ہے مگر عبرت پذیری کے اصل مقصود سے یہ بھی کل کے انسان کی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر غافل اور لا پرواہ ہے۔ اور یہ وہاں جا کر ان سے درس عبرت لینے کی بجائے اپنی غفلت شعاری میں اضافے کا سامان کرتا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے غافل لوگوں کے دلوں پر دستک دی گئی ہے اور ان کے ضمائر کو جنموزا گیا ہے کہ اپنے ارد گرد پھیلے ان آثار و نشانات میں غور و فکر سے کام لے کر تم لوگ درس عبرت لو۔ اور اپنی اصلاح کو لو قبل اس سے کہ تم اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہو جس سے پھر تمہارے لیے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے۔ کیونکہ اللہ کا عذاب جب آ جاتا ہے تو پھر اس کو نالنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

وَاذْصُرْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ

جنات کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

رسول اللہ ﷺ رسول النفلین تھے یعنی آپ ان لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت مالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سنانا مذکور ہے علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نیز ابستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الجحون پہنچ گئے (المعلیٰ کے علاقے کا پرانا نام "الجحون" ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے خطا کھینچ کر میرے

یہ جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، آپ کے پاس پاس گدھوں جیسی چیزیں جمع ہو گئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں یہاں تک کہ مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہو گیا آپ کی آواز بھی مجھ سے اڑھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جا رہے ہیں رسول اللہ ﷺ ان سے فارغ ہو کر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں زندہ آگئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے زندہ کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آ رہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا، پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لیے کچھ بطور خوراک تجویز فرمادیجیے لہذا میں نے ان کے لیے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی میٹھی تجویز کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہو گیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آئے تھے میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور میٹھی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کو رسول اللہ ﷺ غار حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اور ان کو قرآن مجید سنایا۔

جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو جب آپ نے تلاوت ختم فرمادی تو جنات واپس ہو گئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں ان کی تصدیق کرنے والی اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی کہ یہ جنات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے جنات کی مذکورہ بالا جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بات مانو ان پر ایمان لاؤ جب ایمان لے آؤ گے اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچادے گا جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر و ثواب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا اور عذاب سے محفوظ فرمادے گا

طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا ثواب کی چیزیں بھی بتادیں گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا تبلیغ کا حق ادا کر دیا اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۶﴾ (سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے) جو اللہ کے باغی ہیں اس کی فرمانبرداری سے دور ہیں۔

فائلا: آیت کریمہ میں: **أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک **مِنَ بَيَانِيهِ** ہے اور ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول و لو العزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے جیسے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجیے اس کی تفسیر کی بناء پر تمام انبیاء کرام اور رسل عظام اولو العزم کی صفت سے متصف تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ **مِنَ بَيَانِيهِ** ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے ان میں جو اولو العزم تھے آپ ان کا اتباع کیجیے جب یہ تفسیر کر دی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات میں کون کون اولو العزم تھے پھر ان حضرات کے نام تجویز کیے گئے کسی نے صرف حضرت یونس عليه السلام کا استثناء کیا اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے: **وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ** فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولو العزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورہ النعام کی آیات: **وَتِلْكَ الْجُنُودُ** میں مذکور ہیں اور یہ اٹھارہ ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: **أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْمِهِمْ اقْتَدَبْنَا** اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجیے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اولو العزم سے وہ حضرات انبیاء مراد ہیں جو اصحاب شراک تھے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ عليہم السلام یہ چار ہیں پانچویں صاحب شریعت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ
مُحَمَّدٍ
۳۷ آيَاتٍ بِحَقِّهَا ۹۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَكُنَّا نَحْنُ
۳

أَنفُسًا
۳۸

سورہ حجر مدینہ میں نازل ہوئی شرار اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں اسی آیتیں ہیں اور پانچ سو

سُورَةُ الْقِتَالِ مَدِينَةٍ إِلَّا وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَوْ مَكِينَةٍ وَهِيَ ثَمَانٌ أَوْ تِسْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً

سورۃ القتال مدینہ ہے، جزاً آیت وکاین من قریۃ کے یا یہ سورت مکہ ہے اس میں ۳۸ یا ۳۹ آیات ہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَصَدَقُوا غَيْرَهُمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ الْإِيمَانِ أَضَلَّ أَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ كِبَاطِمِ
الطَّعَامِ وَصَلَةِ الْأَرْحَامِ فَلَا يَرُونَ لَهَا فِي الْأَجْرَةِ ثَوَابًا وَيُجْزَوْنَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَيْ
الْإِنصَارُ وَغَيْرَهُمْ دَعَمُوا الصَّالِحِينَ وَآمَنُوا بِهَا نُزُلًا عَلَى مُحَمَّدٍ أَيْ الْقُرْآنِ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ كَفَرُوا
عَنْهُمْ غَفَرَ لَهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بِأَلْفِهِمْ ۝ أَيْ خَالَهُمْ فَلَا يَعْصُوهُ ذَلِكَ أَيْ إِضْلَالِ الْأَعْمَالِ وَتَكْثِيرِ
السَّيِّئَاتِ بِأَنَّ بِسَبَبِ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ الشَّيْطَانَ وَآنَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ الْقُرْآنَ مِنْ رَبِّهِمْ ۝
كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ ذَلِكَ الْبَيَانِ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝ يَبِينُ أَحْوَالَهُمْ أَيْ فَالْكَافِرُ يُحْبَطُ عَمَلُهُ
وَالْمُؤْمِنُ يُغْفَرُ فَإِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضْرِبِ الرِّقَابِ ۝ مُضَدَّرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ أَيْ فَاضْرِبُوا رِقَابَهُمْ
أَيْ أَقْتُلُوهُمْ وَعَبْرٌ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِأَنَّ الْعَالِبَ فِي الْقَتْلِ أَنْ يَكُونَ بِضَرْبِ الرِّقَابَةِ حَتَّى إِذَا أَكْفَلْتُمُوهُمْ أَيْ
أَكْتَرْتُمْ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَشَدُّوا أَيْ فَاْمَسِكُوا عَنْهُ وَأَسْرَوْهُمْ وَشَدُّوا الْوَتَانَ ۝ مَا يُؤْتِيكَ بِهِ الْأَمْرَى وَقَامَا
بَعْدَ مُضَدَّرٍ نَدْلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ أَيْ تَمَنَّوْنَ عَلَيْهِمْ بِاطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ وَإِقَافِدَاءٌ أَيْ تُفَادُوهُمْ
بِمَالٍ أَوْ أَسْرَى مُسْلِمِينَ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَيْ أَهْلِهَا أَوْ أَرَادَهَا ۝ أَنْفَالُهَا مِنَ السَّلَاحِ وَغَيْرِهِ بِأَنْ يُسَلِّمَ

الْكَفَّارُ أَوْ يَدْخُلُوا فِي الْعَهْدِ وَهَذِهِ غَايَةُ الْقَتْلِ وَالْإِسْرِ ذَلِكَ خَيْرٌ مُّبْتَدَأُ مَقَدَّرِ أَي الْأَمْرِ فِيهِمْ مَا ذَكَرُوا
 بِشَاءَ اللَّهِ لَا تَنْصَرُ مِنْهُمْ بِغَيْرِ قِتَالٍ وَلَكِنْ أَمَرَ كُمْ بِهِ لِيَبْلُؤَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيْرُ مَنْ
 قُتِلَ مِنْكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ إِلَى النَّارِ وَالَّذِينَ قَاتَلُوا وَفِي قِرَاءَةِ قَاتَلُوا الْآيَةَ نَزَلَتْ يَوْمَ أُحُدٍ وَقَدْ فَشَى
 الْمُسْلِمِينَ الْقَتْلُ وَالْمَخْرَاجَاتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَكِنْ يُضِلُّ يُحِبُّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
 إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُصْلِحُ بِأَلَهُمْ ۝ خَالَهُمْ فِيهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لَمَنْ لَمْ يُقْتَلْ وَأُذِرَ جُؤَا فِي قُتِلُوا أَنْفُسًا
 يَدْخُلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا بَيْنَهَا لَهُمْ ۝ فَيَهْتَدُونَ إِلَى مَسَاكِينِهِمْ مِنْهَا وَأَرْوَاجِهِمْ وَخَدَمِهِمْ مِنْ غَيْرِ اسْتِدْلَالٍ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنَصَرُوا لِلَّهِ أَى دِينَهُ وَرَسُولَهُ يُنْصِرْكُمْ عَلَى عَدُوِّكُمْ وَيَشْهَدْ أَقْدَامَكُمْ ۝ يَنْبَغِي لِي
 الْمُعْتَرِكِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ مُبْتَدَأُ خَيْرُهُ تَعَسُّوا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَصَّاهُمْ أَى هَلَاكًا وَحِينَ مِنْ
 اللَّهِ وَأَصَلَ أَعْمَالَهُمْ ۝ عَطْفٌ عَلَى تَعَسُّوْ ذَلِكَ أَى التَّمَسُّ وَالْإِضْلَالُ بِأَلَهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ
 الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّكْلِيفِ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ أَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ دَخَرَهُ اللَّهُ عَيْنَهُمْ أَهْلَكَ أَنْفُسَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ لِلْمُتَغَيِّرِينَ أَمْثَلًا ۝ مَثَلُ عَاقِبَتِهِمْ
 قَبْلِهِمْ ذَلِكَ أَى نَصَرَ الْمُؤْمِنِينَ وَقَهَرَ الْكَاذِبِينَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالْمُتَغَيِّرِينَ لَا مَوْلَى

عَلَيْهِمْ

ترجمہ: (مکہ کے) بولوگ کافر ہوئے اور (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے صانع کا عدم (کردیے
 ان کے اعمال (مشا کھانا کھانا، صدر جمی کرنا، لہذا ان کاموں کا ثواب انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بس اللہ ہی مہربان سے
 دنیا ہی میں اس کو چکا دیتا ہے) اور بولوگ (انصار وغیرہ) ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے
 (قرآن) پر جو مجھ پر نازل کیا گیا اور وہ اس کے پروردگار کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ اتار دے گا (موقوف کر دے گا) ان
 کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (لہذا وہ ان کی تافرمانی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو، کارہ اور برے کاموں
 کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے (جو جہاں کے) کہ کافر تو غلط (شیطان کے) راستہ پر چلے اور ایمان دار صحیح رستہ (قرآن پر) چلے
 جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ لوگوں کیسے ان کے حالات بیان فرماتا ہے (ان کے
 احوال کنوں دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل شیطا اور مومن کے خطا تصور معاف) سو کفار سے جب تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی
 نیس اڑاؤ (الو) ضرب مفعول مطلق ہے مگر مفعول میں فعل کا بدل ہے اسی فاضل ہوا قاپچھ یعنی کافروں کو قتل کر ڈالو لیکن

گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو (بکثرت قتل کرو) تو باندھ ڈالو۔ (قتل روک دو۔ ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنا لو۔ مضبوط باندھ رکھو) خوب مضبوط (بڑی دھیرہ جس سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا (مصدر ہے مگر بلحاظ لفظ قتل کا بدل ہے ای تم خون مناسبتی مفت چھوڑ کر ان پر احسان کر ڈالو) اور یا معاوضہ لے کر چھوڑنا (یعنی ان سے مالی ندیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا) جب تک لڑائی والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں (ہتھیار وغیرہ کا بوجھ، کفار مسلمان ہو جائیں یا ذمی ہو جائیں، یہ قتل اور قید کرنے کی غایت ہے) یہ (خبر ہے مبتداء محذوف کی تقدیر مہارت اس طرح ہے الامرو فہمہ ماذکو) حکم بجالاتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا (بغیر قتل ہی) لیکن (تمہیں قتل کا حکم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا استخوان لے سکو (ان کو قتل کر کے، جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان میں کا کوئی مارا جائے تو دوزخی) اور جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قرأت میں قاتلوا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی بکثرت ہو رہے تھے) اللہ کی راہ میں، ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور صرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تغلیباً قتلوا میں شمار کیا گیا ہے) اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو پہچان کرادے گا (چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوکروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے از خود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسول) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ میں) تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (معرکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکہ والوں میں یہ مبتداء ہے خبر تعسوا ہے جس پر انکا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کیلئے تباہی ہے (یعنی خدائی ہلاکت و بربادی) اور اللہ ان کے کاموں کو مٹا دے گا (اس کا عطف تعسوا پر ہو رہا ہے) یہ (ہلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے نہ دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو کر رہے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی (ان کو ان کی اولاد و مال کو برباد کر ڈالا) اور ان کافروں کیلئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا) یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قوله: أَضَلَّ: اللہ تعالیٰ نے۔

قوله: أَخْبَطَ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کو ضائع کر دیا کفر کے سبب وہ مہبط ہو گئے۔

قوله: الْفُرَّان: منزل ملیہ کا تذکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے کہ ایمان کی تکمیل قرآن کے بغیر نہیں ہوتی۔

- قولہ: **وَهُوَ الْحَقُّ**: یہ جملہ مقررہ ہے۔
- قولہ: **مِنْ عِنْدِ**: اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ناسخ ہے منسوخ نہ ہوگا۔
- قولہ: **ذَلِكَ**: یہ مبتدأ اور اس کی خبر بان الذین ہے۔
- قولہ: **بَدَلٌ**: یعنی عوض اور نائب۔
- قولہ: **مِنْ اللَّفْظِ بِفَعْلِهِ**: یعنی ضرب مصدر ہے اور اکیلائی اور لفظ مصدر مع فعل کا بدل و عوض اکیلائی واقعہ ہوا ہے۔
- قولہ: **فَاضْرِبُوا**: اصل یہ ہے فاصربوا الرقاب فعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کر کے اس کا قائم مقام بنا دیا اور مفعول کی طرف اضافت کر دی اور اس میں ایک طرف اختصار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تاکید کا معنی بھی ہے۔
- قولہ: **غَيْرَ بَضْرِبٍ**: اگرچہ قتل تو مردانہ مارنے کے علاوہ سے بھی ہو جاتا ہے۔
- قولہ: **بَدَلٌ**: یہ نائب ہے جیسا نزل۔
- قولہ: **غَايَةَ الْقَتْلِ**: من و فداء کے لیے نہیں، کیونکہ من منسوخ ہے، عند امام ابی حنیفہ اور امام شافعی درست ہے۔
- قولہ: **وَمَا فِي الذَّنْبِ**: یہ مبتدأ من خبر ہے۔
- قولہ: **مِنْ غَيْرِ اسْتِذْلَالٍ**: بارہنمائی اور بغیر دریافت کرنے کے۔
- قولہ: **هَلَاكًا**: یہ تمساکا ترجمہ ہے، یہ فعل مقدم تصواسے منصوب ہوگا۔
- قولہ: **فَأَحْبَبْتُ أَعْمَالَهُمْ**: اس کو دوبارہ لانے کا انکار قرآن سے کفر لازم ہے جو حبط عمل کا باعث ہے۔ اور اس سے یہ الگ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ محمد مدنی ہے جس کی زتیس آیات اور چار رکوع ہیں اس سورت کا مدنی ہونا اکثر مفسرین کے نزدیک بالاتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہ مجتہد سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کی تمام آیات مدنیہ ہیں لیکن آیت: **وَكَلِمٍ مِّن قُرْبَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قُرْبَتِكَ** اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکہ مکرمہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے یہ فرما رہے تھے اے سرزمین مکہ تو مجھ کو روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہستی ہے اور اگر یہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا تو اس لحاظ سے اس آیت کو مکہ کہا جا سکتا ہے مفسرین کی اس اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو آیات مدنیہ منورہ پہنچنے سے قبل نازل ہوئیں وہ مکہ ہی تھیں حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی مکہ ہی ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ایک عجیب اور پر عظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دشمن ہیں کا

مقدم زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے ان کے اعمال برباد ہیں اسکے بعد مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم ہے پھر مسلمانوں کی فتح و نصرت اور غلبہ و عزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کر دی گئی اسی کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہو گیا پھر سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت و کامیابی کا راستہ طے کریں سورۃ محمد کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس سورت کا نزول سچے مسلمان اور کفار و منافقین کے درمیان تیز کرنے ہی کے لئے فرمایا گیا ہے جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعادت و اشقیاء کے حالات اور ان کے مراتب و منازل بیان کیے گئے ہیں۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْيُنُهُمْ ۝

اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی:

یعنی ان کے ان اعمال کو جن کو یہ لوگ نیکی اور خیر کے کام سمجھ کر کرتے تھے جیسے بیت اللہ کی خدمت و عبادت، حاجیوں کو پانی پلانا، مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا، اور غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا وغیرہ۔ جن کو عرب مکارم اخلاق میں شمار کرتے تھے، سوان میں سے کسی بھی عمل کا کوئی اجر ثواب ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ کفر و انکار اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کا جرم اتنا سنگین اور اسقدر ہولناک جرم ہے اسکے بعد اس طرح کے کسی بھی عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وزن نہیں، اسی لئے ان کے اعمال کے بارے میں دوسرے مقام پر تصریح فرمائی گئی کہ قیامت کے یوم حساب میں ان کے ایسے اعمال کو تتر بتر کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا: (وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنَّامُ عَمَلٍ لَّيْسَ لَهُمْ فِيهِ حَسْبٌ وَلَا نَجْوَىٰ) (الفرقان: ۲۳) اسی طرح اس ارشاد میں یہ بھی داخل ہے کہ یہ لوگ دین حق کا راستہ روکنے کیلئے جو طرح طرح کی سازشیں اور کوششیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اکارت اور بیکار کر دیا، بس ان کی یہ کوششیں اس حق میں کاراستہ روکنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی، کہ یہ اللہ کا اتارا ہوا حق ہے، اسی طرح ان کے اعمال کے اکارت کر دینے میں یہ بھی داخل اور شامل ہے کہ اس نے ان لوگوں کے اس جرم یعنی کفر باللہ اور صد عن سبیل اللہ کے نتیجے میں ان کو اعمال خیر کی توفیق سے محروم کر دیا، جس کے باعث نہ ان کی کوششیں اور محنتیں صحیح راستے میں صرف ہو سکیں گی، اور نہ ہی ان کو صحیح مقاصد اور صحیح راستوں کو اپنانے کی توفیق ملے گی۔ بلکہ ان کی تمام دوز و دھوپ غلط راستوں اور غلط مقاصد ہی کیلئے ہوگی اور ان کی ساری کارگزاری غیر و ہدایت کے بجائے ضلالت و گمراہی ہی کیلئے ہوگی پس أَضَلَّ أَعْيُنُهُمْ ۝ کے عموم میں یہ تینوں صورتیں داخل ہیں سو کفر و انکار اور صد عن سبیل اللہ و صد عن سبیل اللہ کی محرمی اور باعث ہلاکت و تباہی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اس سے ناکام و نامراد لوگوں کے مقابلے میں فائز المرام اور نیک بخت لوگوں کی تعیین بھی فرمادی گئی، اور ان کے مال و انجام کو بھی واضح فرمادیا گیا۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے۔ اور خاص کر یہ کہ وہ اس دین پر

ایمان لائے ہوں جس کو محمد پر اتارا گیا ہے، کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے تو اللہ تعالیٰ ان سے، ان کی برائیوں کو بھی مٹا دے گا، اور ان کے حال کو بھی درست فرما دے گا۔ سو فائز الحرام اور سعادت مند لوگوں کی تعیین و نشاندہی کے سلسلے میں واضح فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور انہوں نے اپنے اس ایمان کے مطابق نیک کام بھی کئے۔ اور اس ضمن میں خاص کر اس بات کی تصریح فرمائی گئی کہ وہ اس کتاب ہدایت اور دین حق پر ایمان لائے ہوں جس کو اتارا گیا محمد پر، اور یہ اس لئے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت تشریف آوری کے بعد خدا و آخرت اور گزشتہ انبیاء و رسل اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا اس وقت تک کافی نہیں جب تک کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لایا جائے، کیونکہ اب حق وہی اور صرف وہی ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی اہم اور بنیادی حقیقت ہے جس کو دوسری مختلف نصوص میں طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے، پس ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ ان کی ان برائیوں کو بھی مٹا دے گا جو ان سے تقاضائے بشریت سرزد ہو گئی ہوں گی، اور ان کی ان خرابیوں کو بھی دور فرما دے گا جو ان کے عقائد و اخلاق اور اعمال و کردار میں سرایت کر گئی ہوگی۔ اور ان کی حالت کو بھی درست کر دے گا۔ سو وہ ان کی بچھلی حالت بدل کر ان کو صحیح راستے پر ڈال دے گا۔ جس سے ان کی زندگیاں سنور جائیں گی۔ اور وہ ان کے برے حالات کو اچھے حالات سے بدل دے گا۔ سو ایمان و یقین اصلاح احوال کی اساس و بنیاد، اور سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

لفظ بال کا معنی و مفہوم اور اس کی اہمیت و عظمت؟

بال کے معنی حال اور شان کے آتے ہیں۔ مگر اس کا اطلاق بڑے اور اہم حال کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ کل امر ذی بال اور اسی لئے اس کا اطلاق دل پر بھی ہوتا ہے کہ وہ سب امور و احوال کا مرجع و مرکز اور حاکم و مدبر ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح سب کی اصلاح اور اس کا فساد سب کا فساد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مصرح ہے۔ اسی لئے یہاں بال کی تفسیر دل سے بھی کی گئی ہے۔ دل بہر حال دونوں کا ایک ہی ہے کہ اللہ پاک ایمان صادق اور عقیدہ خالص کی بنا پر ایسے لوگوں کے حال کو درست فرماتا ہے۔ پھر اہل ایمان کے حال کی یہ درستی عام ہے کہ اس سے ان کو دنیا میں بھی نیکی اور خیر کی توفیق ملتی ہے، اور آخرت میں بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات و بناہ ملتی ہے۔ اور جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان اور کس قدر مقدس اور انقلاب آفریں دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت جو اس بندہ عاجز اور اس مشت خاک کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و ہمکنار کر کے کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ فالحمد لله الذی شررنا بهذه النعمة نعمة الدين والايان۔ اللهم فزدنا منه وثبتنا عليه اهدنا و اهدينا و خذ بنواصينا الى ما فيه حيك و رضاك يا رب العلمين يا ارحم الراحمين۔ بہر کیف لفظ بال ایک جامع لفظ ہے جو ظاہر و باطن دونوں قسم کے احوال پر حاوی ہوتا ہے۔ سو اس اعتبار سے [و اصلح بالہم] کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت سب کو درست کر دیا اور درست کر دے گا۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن ہی سے ہے اس کی اصلاح سب کی اصلاح ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَضْرِبْ الرِّقَابَ

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت رقت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ فدیہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان ان کے ہاتھ میں قید ہوں تو ان سے تہادلہ کر لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ مال کا فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورۃ انفال کی آیت میں گزر چکا ہے جس میں غزوہ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آ گیا تھا اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا کیونکہ انہوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورۃ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اس لئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورۃ محمد کی اس آیت نے سورۃ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس وقت من و فداء کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورۃ محمد میں من و فداء کی اجازت دے دی گئی۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۃ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورۃ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ۶ ہجری غزوہ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۃ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ، امل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تعظیم سے اترے جو رسول اللہ ﷺ کو بے خبر پا کر قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ اسی پر سورۃ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی: **وَهُوَ الَّذِي كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِطَبْعِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ**، امام اعظم ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر آزاد کرنا جائز نہیں اسی لئے علماء حنفیہ نے سورۃ محمد کی آیت مذکورہ کو امام اعظم کے نزدیک منسوخ اور سورۃ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر مظہری نے یہ واضح کر دیا کہ سورۃ انفال کی آیت پہلے اور سورۃ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اس لئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ و فقہاء کے مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی صحیح اور مختار ہے، علماء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اس طرف مائل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کے مطابق امام اعظم کے

نزدیک قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک روایت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ سے مکرانہا سے دوسری روایت یہ کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی ان دونوں روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معالی الآجر میں اسی کو ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ محمد اور سورۃ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ و ائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے تابع امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے۔ قرطبی نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کر لئے جائیں اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑا جائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو نسخ منسوخ کہا گیا اور حقیقت وہ سب حکم ہیں ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اس لئے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور لونڈی بنا لے اور فدیہ لے کر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لے کر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے۔ قرطبی نے یہ تفصیل نقل کر کے لکھا ہے: وبذا القول بروی من اہل المدینتہ و الشافعی و ابی عیبہ و حکماء الطحاوی مذہبا عن ابی حنیفہ و المشہور ما قد مناہ، یعنی علمائے مدینہ کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعی اور ابوعمید کا ہے اور امام طحاوی نے ابوحنیفہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اگرچہ مشہور مذہب ان کا اس کے خلاف ہے۔

(قرطبی ص 228 ج 16)

جنگی قیدیوں کے متعلق امام المسلمین کو چار اختیار:

مذکورہ صدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنالینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

اسلام میں غلامی کی بحث:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینے میں تو فقہاء کا کچھ اختلاف ہے بھی، قتل کرنے اور غلام بنانے کی اجازت میں کوئی اختلاف نہیں سب کا اجماع ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، پھر قرآن کریم میں ان دو صورتوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اور صرف آزاد چھوڑنے کی دو صورتوں ہی کا بیان کیوں کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب امام رازی نے تفسیر کبیرہ میں یہ دیا ہے کہ یہاں صرف ان دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت جائز ہوں، غلام بنانے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ حرب کے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں ہے، اور قتل بھی اپاہجوں وغیرہ کا جائز نہیں اس کے علاوہ

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک قتل کرنے اور غلام بنانے کا تعلق ہے اس کا جواز بہت معروف و مشہور تھا، سب کو معلوم تھا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اس کے برخلاف آزاد چھوڑ دینے کو غزوہ بدر کے موقع پر ممنوع کر دیا گیا تھا، اب اس مقام پر آزاد چھوڑنے کی اجازت دینا ہی مقصود تھا اس لئے اسی کی دو صورتوں یعنی من اور فداء کا ذکر کر دیا گیا، اور جو صورتیں پہلے سے جائز تھیں انہیں اس موقع پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لئے ان آیات میں ان سے سکوت اختیار کیا گیا، لہذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد قتل یا غلام بنانے کی اجازت منسوخ کر دی گئی ہے، ورنہ اگر غلام بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا ہوتا تو قرآن وحدیث میں کسی ایک جگہ تو اس کی ممانعت مذکور ہوتی، اور اگر یہ آیت ہی ممانعت کے قائم مقام تھی تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے بعد قرآن وحدیث پر جان دینے والے صحابہ کرام نے بیٹا مرغزوات میں جنگی قیدیوں کو غلام کیوں بنایا؟ روایات حدیث و تاریخ میں غلام بنانے کا ذکر اس کثرت اور معنوی تواثر کے ساتھ آیا ہے کہ اس کا انکار مکارہ کے سوا کچھ نہیں۔

رہا یہ اشکال کہ اسلام، جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے، اس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو درحقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائزگی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب و اقوام کی غلامی پر قیاس کر لیا گیا ہے حالانکہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے اور معاشرے میں ان کو جو مقام دیا اس کے بعد وہ صرف نام کی غلامی رہ گئی ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا ہے، اور اگر اس کی حقیقت اور روح پر نظر کی جائے تو بہت سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں، مشہور مستشرق موسیو گستاڈ لیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

”غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں ان مسکینوں کا تصور آ جاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انہیں کوڑے مار مار کر ہٹا جا رہا ہے، ان کی غذا ان کی سدرتق کے لئے بھی کافی نہیں اور انہیں رہنے کے لئے تار یک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟... لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔“

(مقرب از دائرة المعارف القرآن السطرن الفرید وجدی، ص 279 ج 4، مادہ ”سز تاق“)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تیس ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں، یا قتل کر دیا جائے، یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے، اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں، قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے، اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں، یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آج کل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا

مقلوبین شوق جلالین

جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص سرفہرے مکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بالخصوص جبکہ غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے۔

اخر انکم جعلہم اللہ تحت ابدیکم فمن کان اخوہ تحت بدیہہ فلیطعمہ مما باکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یكلفہ ما ینقلبہ فان کلفہ ما ینقلبہ فلیعنہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے، پس جس کا بھائی اس کے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اس کو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اس کو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب تریب مساوی ہے، چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو: انکحوا الایامی منکمہ والی آیت کے ذریعہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، مال غنیمت میں اس کا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اس کا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا، قرآن و حدیث میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے اتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے جو الفاظِ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالقِ حقیقی سے جائے، وہ یہ الفاظ تھے: الصلوٰۃ الصلوٰۃ: اتقوا اللہ فیہا ملکات ایہا انکم۔ نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دست غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ (ابوداؤد۔ باب فی حق الممکوک)

غلاموں کے تعظیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جس کا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے، پھر اس نام کی غلامی کو بھی رفتہ رفتہ ختم یا کم کرنے کے لئے غلاموں کو آزاد کرنے کے اتنے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی نیکی اس کی ہمسری کر سکے، مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہت سے ذمہ داریاں لگائی گئی ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو باحق تہنیر مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صوبہ الہابیک) چنانچہ صحابہ کرام جس کثرت کے ساتھ غلام آزاد کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حسب النجم الوہاب نے بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے۔

حضرت عباس 70

حضرت عائشہ 69

حضرت عبداللہ بن عمر 1000

حضرت عقیقہ بن جزام 100

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہ نے انتالیس ہزار دوسواٹھ غلام آزاد کئے، اور ظاہر ہے کہ دوسرے ہزاروں صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔ غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنا لیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو، تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی، ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَآتَيْنَاكُمْ مِنْهُمُ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے، کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے امت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد، عورت، بچے بھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ہی، مرد بھی صرف وہی اس کی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے آکھڑے ہوں، پھر اس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے، ان میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جمار ہوتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالُهُمْ ۝ شروع سورت میں ذکر تھا کہ جو لوگ کفر و شرک پر جمع ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال کو بھی اکارت اور ضائع کر دیا یعنی صدقہ خیرات اور رفاہ عام کے نیک کام جو وہ کرتے ہیں کفر و شرک کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں، اس کے

بالمقابل اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے یعنی اگر انہوں نے کچھ گناہ بھی کئے ہوں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات ان کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ (معارف القرآن منشی شمع)

سَيَهْدِيهِمْ وَيُضِلُّهُمْ بِالْهَمِّ ۝

اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کر دے گا۔ دوسرے ان کے سب حالات درست کر دے گا۔ حالات سے مراد دنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہو سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہو گیا، اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محتر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اس کی خلاصی کرادیں گے۔ (کنز الدردیث ابی نعیم، ابی ہریرہ، ابی نعیم، مطہری) اور موت کے بعد ہدایت کر دینے سے مراد ان کی منزل مقصود یعنی جنت پر پہنچا دینا ہے جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کے متعلق آیا ہے کہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے: الحمد لله الذی ہدانا لهذا۔

وَيَدْخُلُهُمُ الْجَنَّةُ عَرَفَهَا لَهُمْ ۝

یہ ایک تیسرا انعام ہے کہ ان کو صرف یہی نہیں کہ جنت میں پہنچا دیا جائے گا بلکہ ان کے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں کو درقصور سے ایسی واقفیت پیدا کر دی جائے گی جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم تھا اس میں اپنا مقام تلاش کرنے میں وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا، اور ایک مدت تک اجنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیویوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیویوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے۔ (رواہ ابن جریر، بطبرانی، ابویسی، ابی نعیم، مطہری) اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ ہر ایک جنتی کے لئے مقرر کر دیا جائے گا جو ان کا اپنے مقام جنت اور وہاں کی بیویوں سے تعارف کرے گا واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْكُمْ مِنْكُمْ ۝

اس آیت سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے دین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ایمان والوں کو درود راہ حق میں تمہارے قدم جما دے گا۔ اور اس حقیقت کی ایک اور مقام پر اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْكُمْ مِنْكُمْ ۝ وَ لَوْ لَا دَفَعَهُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتِنَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَمَا نَبُذُوا إِلَّا فِي عُرْسٍ مُّسْتَبِيحٍ ۝ وَإِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْكُمْ مِنْكُمْ ۝ (سج) یعنی اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا، یقیناً اللہ

بڑا ہی قوت والا، بڑا ہی زبردست ہے، سو وہ قادر مطلق نہ تمہاری نصرت و امداد کا محتاج ہے اور نہ اس کا دین اس کا محتاج ہے۔ بلکہ اس کے دین کی نصرت و امداد خود تمہارے لئے اس کی امداد کا ذریعہ اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا وسیلہ ہے۔ اور اللہ کی نصرت و امداد اس کے دین متین کی نصرت و امداد ہے، اور یہ ایک ایسی عظیم الشان سعادت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند کرنے والی ہے۔ و باللہ التوفیق۔ بہر کیف اس سے ایمان والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے اور ان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے دین کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہو، اگر تم پورے عزم و حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تو آگے کا کام اللہ خود سنبھال لے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔ اور اس طور پر کہ ان کو کوئی اکھاڑ نہیں سکے گا۔ آگے اہل ایمان کے لیے ثابت قدمی کی بشارت ہے فرمایا کہ اگر تم لوگ اللہ اور اس کے دین کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ جمادے گا تمہارے قدموں کو۔ یعنی تم لوگوں کو ثابت قدمی سے نوازے گا۔ رہ حق و صواب میں دشمن کے مقابلے میں۔ اور ابتلاء و آزمائش کے ہر مرحلے میں۔ سبحان اللہ۔ کیا اعزازات و انعامات ہیں جن کا وعدہ دین حق کی نصرت پر فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو اس ارشاد ربانی میں جیسا کہ اوپر بھی گزار مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اللہ کی رضا اور اس کے دین کی نصرت کیلئے اٹھ کھڑے ہو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا اور تم لوگ عزم و ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تو آگے کا کام تمہارا رب خود سنبھال لے گا۔ اور تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہارے قدم اس طرح جمادے گا کہ کوئی ان کو اکھاڑ نہ سکے گا۔ سو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی راہ میں پہلا قدم اٹھائیں۔ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو اس کا عنایت و مہربانی اور نصرت و امداد طرح طرح سے ان کو نصیب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جو لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے، وہ اس کی نصرت و امداد سے سرفراز نہیں ہو سکیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اِنَّهٗ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۗ

”یہ اس لیے کہ اللہ مولیٰ (پشت پناہ) ہے اہل ایمان کا اور یہ کہ کافروں کا کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔“

اسی آیت کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ نے وہ نعرہ اخذ فرمایا تھا جس سے میدان احد میں کفار کے نعرے کا جواب دیا گیا تھا۔ میدان احد میں وقتی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ کے ساتھ جبل احد پر تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت ابوسفیان اور خالد بن ولید (بعد میں دونوں حضرات ایمان لا کر صحابہ میں شامل ہوئے) سمیت بہت سے سردارانِ قریش پہاڑ کے دامن میں موجود تھے۔ ان میں سے ابوسفیان نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے پر جوش انداز میں نعرہ بلند کیا تھا: اَعْلَى هَبْل، اَعْلَى هَبْل! (ہبل کی جے!) یعنی آج ہمارے بت اہل کابول بالا ہوا۔۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس نعرے کا جواب ان الفاظ سے دیں: اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُ اَلْعِزِّي اَللّٰهُ هِيَ سَبَّ سَبَّ بَلَدٍ مَّرْتَبَةٍ اَوْ بَرْتَبَةٍ اَوْ اَسَى كَابُولٍ بَالَا هِيَ! اس کے جواب میں ابوسفیان نے ایک اور نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزَّى وَلَا عُزَّى لَكُمْ کہ ہمارے لیے تو عزی ہی جیسی دیوی مدد کے لیے موجود ہے لیکن تمہاری تو کوئی عزی ہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا جواب اس نعرے سے دینے کا حکم دیا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى

لَكُمْ كَمَا رَأَيْتُمْ (مدگار پشت پناہ اور کارساز) تو اللہ نے جبکہ تمہارا تو کوئی سولی ہے ہی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا

يَا كَلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامَ آيٌ لَيْسَ لَهُمْ هِمَّةٌ إِلَّا ابْطُؤُنْهُمُ وَفُرُؤُجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى الْآخِرَةِ وَالْقَارُ مَثَرٌ

لَهُمْ ۝ مَثَرٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيرٌ وَكَائِنٌ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَرَادَ بِهَا أَهْلَهَا هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ مَكَّةَ أَيْ

أَهْلَهَا الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ۝ رُوِيَ لَفْظَ قَرْيَةٍ أَهْلُهَا رُوِيَ مَعْنَى قَرْيَةِ الْأُولَى فَلَا تَأْصِرْ لَهُمْ ۝ مِنْ أَهْلِكَ

أَمَنْ كَانَ عَلَى بَيْنَيْكُمْ حَبَّةٌ وَبُرْهَانٌ مِنْ رَبِّهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ كَمَنْ دُرَيْنٌ لَهُ سُوءٌ عَلَيْهِ فَرَأَهُ حُسْنًا وَهُوَ

كَقَارِ مَكَّةَ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ فِي عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ أَيْ لَا مَمَالِلَةَ بَيْنَهُمَا مِثْلُ أَيْ صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِي رُويَ

الْمُتَّقُونَ ۝ الْمُسْتَرْكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيهَا مُنْتَدًا خَيْرٌ فِيهَا أَنْهَرٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ أُسَيْنِ ۝ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَصَارِبٍ

خَذِرٍ أَيْ غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ وَأَنْهَرٌ مِنْ لَبِنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۝ بِخِلَافِ لَبِنِ

الدُّنْيَا لِيُخْرُوجَ مِنَ الصُّرُوعِ وَأَنْهَرٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٌ لَذِيذَةٌ لِلشَّرْبِيِّينَ ۝ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا

كَرْبِيهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ وَأَنْهَرٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَلًى ۝ بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَإِنَّهُ لِيُخْرُوجَ مِنْ بَطُونِ النَّخْلِ

يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهُ وَلَهُمْ فِيهَا أَصْنَافٌ مِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ ۝ فَهُوَ رَأَيْتُمْ مَعَ احْتِسَابِ

الْبِيهَمِ بِمَا دُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيدِ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّهُ قَدْ يَكُونُ مَعَ احْتِسَابِهِ الْبِيهَمِ سَاحِصًا عَلَيْهِمْ كَمَنْ هُوَ

خَالِدٌ فِي النَّارِ خَيْرٌ مُبْتَدَأُ مُقَدَّرٍ أَيْ أَمِنْ هُوَ فِي هَذَا النَّعِيمِ وَسَقُوا مَاءً حَمِيمًا أَيْ شَدِيدَ الْحَرَارَةِ فَتَقَطَّعَ

أَمْعَاءَهُمْ ۝ أَيْ مَصَارِبُهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ أَدْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعٌ مِغَابٍ الْقَصْرِ وَالْفُهُ عَوْضٌ عَنْ يَأْيٍ يَقُولُهُمْ

مَعْيَانٌ وَمِنْهُمْ أَيْ الْكُفَّارُ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۝ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ

قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ اسْتَهْرَأَى وَسُحْرِيَةٌ مَاذَا قَالَ

أَيْقَاءٌ ۝ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ أَيْ السَّاعَةَ أَيْ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ وَاتَّبَعُوا

أَهْوَاءَهُمْ ۝ فِي التَّفَاقُ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا الْمُؤْمِنُونَ زَادَهُمُ اللَّهُ هُدًى وَأَتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝ أَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُونَ

بِالنَّارِ لَهْلَهً يَنْظُرُونَ مَا يَنْظُرُونَ أَي كَفَّارٍ مَكَّةَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَدَلُ اسْتِمَالٍ مِنَ السَّاعَةِ أَي لَيْسَ
 الْأَمْرُ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَجَاءَهُ لَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۗ عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بَغْتَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَالشِّقَاقُ الْقَمَرُ وَالذُّخَانُ فَكُنِيَ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ وَكُرَاهُ ۖ تَذَكُّرُهُمْ أَي لَا تَنْفَعُهُمْ فَاغْلَمَ أَنَّهُ لَا
 إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَي دُمُ يَا مُحَمَّدُ عَلَى عِلْمِكَ بِذَلِكَ النَّافِعِ فِي الْعِيَامَةِ وَاسْتَعْفِرُ لِدُنْيَاكَ لِأَجَلِهِ فَبَدَلَ لَهُ ذَلِكَ
 مَعَ بَعْضِيهِ لِتَسْتَنْ بِهٖ أُمَّتَهُ وَقَدْ فَعَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي لَا اسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي
 كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ فِيهِ إِكْرَامٌ لَهُمْ بِأَمْرِ نَبِيِّهِمْ بِالْإِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
 مُتَقَابِلَهُمْ مُنْصَرَفَكُمْ لِاسْتِغْفَالِكُمْ بِالنَّهَارِ وَمُتَوَكِّفِكُمْ ۖ مَا وَلَّكُمْ إِلَى مَضَاجِعِكُمْ بِاللَّيْلِ أَي هُوَ عَالِمٌ
 بِجَمِيعِ أَسْوَاقِكُمْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا فَاحْذَرُوهُ وَالْخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ

ع

تَرْجُمَتُهَا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے
 گا۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح کھاتے
 ہیں جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل پرواز بس پیٹ اور شرمگاہ تک ہوتی ہے آخرت کا انہیں
 دھیان بھی نہیں گزرتا) اور روزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب کچھ وہی) اور بہت سی بستیاں
 الکی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھی ہوئی تھیں جس کے
 رہنے والوں نے (اللتی کہنے میں قریہ کی لفظی رعایت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک
 کر دیا (ضمیر جمع لانے میں قریہ کی معنوی رعایت کر لی گئی ہے) سوان کا کوئی مددگار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے
 کیلئے) تو جو لوگ کھلے راستہ (حجت و دلیل) پر اپنے پروردگار کے ہوں (یعنی مؤمن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو
 سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے (اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر
 چلے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے
 (جو ب داخل ہونیوالوں کیلئے ہے یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں۔
 جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بردزن ضارب اور حد یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے
 پانی کے وہ کسی بھی عارض سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف
 دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو
 بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے کہ وہ پینے میں بد ذائقہ ہوتی ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو

باہل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے۔ کیونکہ وہ کھپوں کے پیٹ میں سے نکلتا ہے جس میں موم وغیرہ کی آبیہ ہوتی ہے) اور ان کیلئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش ہوگا)۔ ان چیزوں کے احسان کے باوجود برخلاف دنیوی آقاؤں کے کہ وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ان پر ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں) کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (یہ خبر ہے مبتدائے مخلوق)۔ مہارت اس طرف ہے۔ امن ہو فی هذا النعیبہ) اور کھولتا ہوا (نہایت گرم) پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کو انتہائیوں کو کھڑے کھڑے کر ڈالے گا (یعنی ان کی انتزیاں کھڑے ہو جائیں گی اور پاخانہ کے راستہ نکل پڑیں گی۔ ان معامہ معاک کی جمع ہے جو قہ الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معین اور ان (کفار) میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین میں ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ سے جیسے ابن مسعود، ابن عباس مذاق اور دینی کے دور پر) کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی (لفظ آفاہ اور الف کے ساتھ ہے یعنی اس وقت۔ حاصل یہ کہ پھر یہ کلام نہ کریں) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر (کھ) کی (مہر کر دی ہے اور اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مؤمنین) اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے (دوزخ سے بچنے کا طریقہ انہیں الہام فرماتا ہے) سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آپڑے (ان تائبیم الساعة سے بدلہ) اشتعال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ لیس الامر الا ان تائبیم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت جیسے آنحضرت کی دنیا میں تشریف آوری، شق قمر کا معجزہ، ایک خاص دھواں) موجب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (نفع نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کا راند نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جسے رہے۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا تصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم و بے تصور ہونے کے یہ فرمانا ان لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کار بند رہے چنانچہ حضور نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ ۷۰ استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کیسے بھی (اس میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کیسے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کیلئے) اور رنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہذا اس سے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کیلئے ہے مؤمن ہوں یا دوسرے)۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قولہ: بِلَفْظٍ قَرْبِيَّةٍ: اخراجت کے آخر میں مؤنث کی ضمیر لفظ قریبیہ کی بنا پر ہے اھلکنا کی ضمیر مضاف مخذوف اہل کی وجہ سے

قولہ: الْمُشْتَرَكِ: یعنی وہ جنت جو ہر مؤمن کو ملے گی جو شرک سے بچنے والا ہے اور وہ جنت جو مخصوص کاملین کو ملے گی وہ اس سے الگ اعلیٰ درجات والی ہے۔

قولہ: آسِنٌ: صفت مشبہ ہے۔ شد سے پڑھیں تو حدیث کا معنی ہے اور قصر سے ثبوت کا معنی ہے۔

قولہ: لَذِيذَةٌ: یہ مجازی طور پر خبر کی صفت ہے۔

قولہ: يَخْتَالِطُهُ السَّمْعُ: جس میں موم ملا ہو۔ وغیرہ سے شہد کی مکھی کے فضلات مراد ہیں۔

قولہ: فَهَوَ رَاضٍ: رب تعالیٰ راضی ہیں۔

قولہ: مَصَارِينُ: انتزاعاً یا امعاء یہ معنی کی جمع ہے۔

قولہ: أَنْفَاقًا: یہ ظرف ہے جو وقت کے معنی میں ہے یا قال کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بدحالی:

اس کے بعد اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی طرز زندگی (دنیا میں) اور ان کا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لیے تیار کیا گیا ہے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (بلاشبہ اللہ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی) وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَسْمَعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں یہ ان کا دنیاوی حال ہے) دَائِمًا رَمَثُوا فِيهَا (اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع، درد دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی حیا اور شرم انسانیت و مروت ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی، جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے ہیں اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں، اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر لیتے ہیں یورپ اور امریکہ میں دیکھو قانونی طور پر عورت اور مرد کے میل ملاپ کے لیے نکاح کی شرط کو

ختم کر دیا ہے اور دوستانہ زندگی کا رواج چلایا ہے عورت اور مرد دوست (فرینڈ) بن کر گھومتے پھرتے ہیں کبھی اس سے جوڑ بیٹھ گیا کبھی دوسرے سے دوستی ہو گئی، پارکوں میں اور ہوٹلوں میں بلکہ سڑکوں پر مرد و عورت آپس میں لطف اندوز ہوتے ہیں حرام حلال کا شرم و حیا کا کوئی دھیان نہیں اور اب تو قانونی طور پر ان کی بعض حکومتوں نے مرد کا مرد سے استماع اور استلذ اذ جائز قرار دے دیا ہے اب یہ لوگ یہاں تک اتر آئے کہ آدمیت اور انسانیت باقی نہ رہی تو کیا حرج ہے مزہ تول رہا ہے انسانیت اور شرافت کو دیکھیں تو بہت سی لذتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے لہذا وہ ایسی انسانیت سے بھر پائے جس سے مزہ میں فرق آئے اور لذت کو بٹہ لگے، یہ یورپ اور امریکہ کے کافروں کے احساسات ہیں، ایشیاء والوں نے بھی ان کی راہ کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔

جس طرح جنسی لذت کے لیے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں اسی طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں حلال حرام سے کوئی بحث نہیں جو ملا کھالیا جو چاہا کھالیا سوراہر شراب تو ان کی روز نہ کی غذا ہے قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو **يَتَمَتُّونَ وَيَاكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ** سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس مضمون کو سورہ زمر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ** (آپ فرمادیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے۔)

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرِيبٍ هِيَ آسَافُ قُوَّةٍ

یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں کہہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور وہی ان کی مدد و نہ پہنچے۔ پھر یہ کس بات پر اترتے ہیں۔ (تسبیہ) **قَرِيبًا إِلَيْنِیْ اَخْوَجَتْكَ** سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے اسکی حرکات کیں کہ آپ صبح کو وطن مالوف و محبوب چھوڑتا پڑا۔ حدیث میں ہے کہ آپ صبح کو اپنے رخصت ہوتے وقت کہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک در میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔

اَلْمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ

اٰی اٰیمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے:

پھر فرمایا: **اَلْمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ** جو شخص اپنے رب کی طرف سے اہل پر سوگایہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس نے کفر کو اچھا سمجھا اور ایمان سے اور بھانجا اور بن و گوں نے اپنی خواہشوں کا تہا کیا یعنی توحید کو چھوڑا اور شرک اختیار کیا، یہ استغیاب انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس ان کے رب کی طرف سے دیکس موجود ہے اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی نہیں اچھے سمجھتے ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ دونوں فریق مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُونَ

حضرت ابوالدرداءؓ رسول خدا ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کو اتنی زبردست بھوک لگادی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے عواوہ ہو رہا ہوگا لہذا وہ کھانے کے لیے فریاد کریں گے اس پر ان کو ضریح کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا۔ پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طعنا مآ ذَا غُصَّةٍ گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لیے پینے کی چیز پیا کرتے تھے لہذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سٹا سیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ وہ سٹا سیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴، ۵۔ الترمذی)

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وَ يُسْقَى مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پسپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرے کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (اول آیت سورہ محمد ﷺ یعنی) وَ سُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ دُوسری سورہ کہف کی آیت یعنی زَانٌ يَسْتَفِيضُوا يُعَاثُوهُم مَاءٌ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ وَيَبْسُ السَّرَابَ . (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳ از اردی)

وَمِنْهُمْ مَن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۗ

اس سے ان منافق لوگوں کا نمونہ پیش فرمایا گیا ہے جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، اور انہی کی ہمدردی کے زبانی کلامی دعوے کرتے ہیں، لیکن اندر سے ان کا تعلق اہل کفر و باطل ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کی سب ہمدردیاں ان ہی کیسے ہوتی ہیں۔ اس لئے یہاں پر پیغمبر کو خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا گیا اور آپ کو ان سے متعلق آگہی بخشی گئی ہے تاکہ آپ خود اور دوسرے تمام اہل ایمان آستین کے ان سانپوں اور ان کے طرز عمل سے محفوظ رہیں، سو انکے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو سننے کو تو آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں، لیکن اپنے خبث باطن اور سوء نیت کی بناء پر وہ سمجھتے جانتے کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے یہ لوگ جب آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا؟ اور ان کے اس پوچھنے میں بھی ان اشرار کے شر کے دد پہلو مضمحل ہیں ایک تو اس طرح یہ لوگ اہل ایمان کے سامنے اپنے شوق عمل کو ظاہر کرتے کہ عمل کرنے کو تو ہم دل دجان سے حاضر ہیں لیکن ابھی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ آنجناب فرمانا کیا چاہتے ہیں؟ سو اس طرح یہ لوگ اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اور دوسری طرف یہ لوگ اپنے اس طرز عمل سے سچے اور مخلص اہل ایمان پر پردہ پردہ یہ طنز کرتے کہ ہم ان کی طرح نہیں کہ یونہی بے سوچے سمجھے ہر بات پر اَمْنَا وَصَدَّقْنَا کہہ دیں بلکہ ہم لوگ تو بات کو اچھی طرح سمجھ اور سوچ کر اپنانے والے لوگ ہیں سو اس طرح نور ایمان سے محروم اور کفر و نفاق کے یہ روگی ایک طرف تو اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اور دوسری طرف یہ مخلص اہل ایمان پر طنز کر کے اپنے باطن کی تسکین کا سامان کرتے اور ظاہر ہے کہ اس طرح وہ لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے تھے،

اور دے لیتے تھے، لیکن حضرت علامہ الغیوب جبل جلالہ، سے ان کی یہ منافقت اور بد باطنی آخر کس طرح چھپ سکتی تھی، اس لئے اس نے انکے باطن کے ان خیالیوں کو اس طرح واضح کر دیا۔ اور اپنی اس کتاب حکیم میں جو کہ قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی اور ان کی منافقت کے یہ رنگ دنیا کے سامنے آتے رہیں گے اور اس طرح ان کی وہ چالاک کی جس پر ان کو بڑا ناز تھا وہ خود ان کی اپنی ہی ہلاکت و تباہی اور دائمی تذلیم کا باعث بن گئی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، یعنی ان کے اپنے اسی جث باطن کی بناء پر، اور یہ پیچھے لگ گئے اپنی خواہشات کے۔ اور راہ حق سے ہٹ کر اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جانا ہلاکتوں کی ہلاکت اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ اور منافق لوگ اپنی منافقت کے نتیجے میں نہایت ہولناک خسارے میں پڑ جاتے ہیں، مگر ان کو اس کا احساس و شعور ہی نہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ

اس آیت میں منکرین اور منافقین کو تو بیخ فرمائی کہ ان لوگوں کا طور طریقہ ایسا ہے کہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ نہ ایمان لاتے ہیں نہ اعمال خیر میں مشغول ہوتے ہیں نہ گناہوں سے بچتے ہیں اور نہ اندر و بشیر ان کے حق میں مفید ہوتا ہے نہ عذاب کی وعید سے متاثر ہوتے ہیں نہ جنت کی بشارت کا یقین کرتے ہیں اب کیا رہ گیا؟ یعنی قرآن کی نصیحتیں، گذشتہ اقوام کی عبرتوں اور جنت و دوزخ کے وعدہ و وعید سب سن چکے اب ماننے کے لیے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہ ہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آکھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آچکیں، اور جب خود قیامت آکھڑی ہوگی، اس وقت ان کے لیے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی ﷺ کا پیدا ہونا ہے۔ سب نبی خاتم النبیین کی راہ دیکھتے تھے۔ جب وہ آچکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکل ہوئی ہے۔

اشراف کے معنی:

اشراف کے معنی علامات کے ہیں اور علامات قیامت کی ابتداء خود خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قرب قیامت کی علامت ہے۔ اسی طرح شق ثمر کے مجزہ کو بھی قرآن میں اقتربت الساعة کے ساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علامات ابتداء ہیں جو خود نزول قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں دوسری علامات قریہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت انس سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ علامات قیامت یہ ہیں۔

علم اٹھ جائے گا، جہل بڑھ جائے گا، زنا کی کثرت ہوگی، شراب خوری کی کثرت ہوگی، مرد کم رہ جائیں گے، عورتیں بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ بیچاس عورتوں کا متکفل ایک مرد ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جائے گا اور جہل پھیل جائے

کا۔ (جبری مسٹر) اور حضرت ابن ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت قرار دے لیا جائے (کہ حلال سمجھ کر کھا جائیں) اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے (یعنی اس کی ادائیگی میں بدل میں تکی محسوس ہو) اور ہم دین اغراض دنیوی کے لئے حاصل کیا جانے لگے، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، اور دوست اپنے قریب کرے اور باپ کو دور کر دے، اور مساجد میں شور و شغب ہونے لگے اور قوم کا سرداران سب میں کا فاسق بدکردار آئی ہو جائے، اور قوم کا نمائندہ ان سب میں کارفرما ہو جائے، اور شریر آدمی کا اکرام صرف اس سب میں کا فاسق بدکردار آئی ہو جائے، اور قوم کا نمائندہ ان سب میں کارفرما ہو جائے، اور مزامیر باجے گاہے پھیلنے لگے، اور شرابیوں نے ہانے میں، اور امت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم لوگ انتظار کرنا جاؤ اور شرابیوں نے ہانے میں، اور امت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم لوگ انتظار کرنا ایک سرخ آدمی کا اور زلزلہ کا اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا اور صورتیں مسخ ہو جانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور دوسری علامات قیامت کا جو یہ جو دیکھو اس طرح آئیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کو کاٹ دیا جائے اور موتی ایک ایک کر کے نیچے آ کر رہتے ہیں۔

فَاعْتَمِرْ أَكْثَرًا لِلَّهِ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَعِذْ لِيَدَيْكَ ..

توحید پر جتنے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین:

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنے اس علم اور یقین پر جتنے رہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کریں اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور آپ کے توسط سے دیگر اہل ایمان کو بھی، خلاف شان نبوت جو کوئی امر آپ سے صادر ہو گیا اسے لِيَدَيْكَ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خطا اجتہادی سے کبھی ایسا واقع ہوا، معصیت حقیقت کا صدور انبیاء کریمہم الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہو سکتا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: امر بالاستغفار مع انه مغفور له لیستن بہ امانہ (یعنی آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے تاکہ آپ کا سب کچھ بخش جا چکا ہے تاکہ امت آپ کا اتھاگ نہ کرے) آپ نے فرمایا ہے کہ بیشک میرے دل پر سب سے زیادہ اور بیشک میں اللہ سے روزانہ سوا اللہ استغفار کرتا ہوں اور بخش رویت میں ہے کہ آپ ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں: هذا اکرام من الله تعالى لهذه الامه حيث امر نبیہم ان يستغفروا لذنوبہم وهو الشیخ المحدث فیہ (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لیے استغفار کریں آپ کی ذات گرامی کو اللہ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وہ بھی فرمایا۔) (مجالم التنزیل ص ۱۸۳، ج ۱)

مُتَقَلِّبِكُمْ وَمَثْوِكُمْ ۝ کی تفسیر

مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی بیان کیے ہیں، پہلے ترجمہ غور سے پڑھیے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے) یہ ترجمہ مفسر ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ہے جسے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: مُتَقَلِّبِكُمْ سے دنیاوی اعمال میں مشغول رہنا اور اس میں چلنا پھرنا مراد ہے اور وَمَثْوِكُمْ ۝ سے ہر ایک کا آخرت کا ٹھکانہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ مُتَقَلِّبِكُمْ سے ارحام الامہات کی طرف منتقل ہونا اور وَمَثْوِكُمْ ۝ سے زمین میں ٹھہرنا مراد ہے اور ابن کیسانؒ سے نقل کیا ہے مُتَقَلِّبِكُمْ سے لیتے وقت پلٹیاں کھانا اور وَمَثْوِكُمْ ۝ سے قبروں میں ٹھہرنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

وَيَقْرَأُ الَّذِينَ آمَنُوا طَلَبًا لِلْجِهَادِ كَوْلًا هَلَّا لُرُكْتُ سُورَةً ۝ فِيهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ فَإِذَا أُلْزِمَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ أَيْ
 لَمْ يُسْتَعْمَلْ مِنْهَا شَيْءٌ وَذِكْرٌ فِيهَا الْقِتَالُ ۝ أَيْ طَلَبُهُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ قَرْضٌ أَيْ شَكٌّ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ
 يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ السَّخِيبِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۝ حَوْفًا مِنْهُ وَكَرَاهِيَةً لَهُ أَيْ فَهُمْ يَخَافُونَ مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُونَهُ
 فَأَذَى لَهُمْ ۝ مُبْتَدَأُ خَيْرُهُ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ۝ أَيْ حَسَنٌ لَكَ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۝ أَيْ فَرَضَ الْقِتَالُ فَكَلِمَاتُ
 صَدَّقُوا اللَّهَ فِي الْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۝ وَجُمْلَةُ لُرُجَوَابٍ إِذَا نَهَلْ عَسَيْتُمْ ۝ بِكُسْرِ السِّينِ وَ
 فَتَحَهَا وَفِيهِ التَّفَاتُ عَنِ الْعَيْنِيَةِ إِلَى الْخِطَابِ أَيْ لَعَلَّكُمْ أَعْرَضْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ أَنْ تُفِيدُوا فِي الْأَرْضِ وَ
 تَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أَيْ تَعُوذُوا إِلَى أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْبُعْثِ وَالْقَتْلِ أُولَئِكَ أَيْ الْمُفْسِدُونَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
 فَأَصْنَهُمْ ۝ عَنْ اسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ ۝ عَنْ طَرِيقِ الْهِدَايَةِ أَقْلًا يَتَّبِعُونَ الْقُرْآنَ فَيَعْرِفُونَ الْحَقَّ
 أَمْ بَلْ عَلَى قُلُوبٍ لَهُمْ أَقْفَالُهَا ۝ فَلَا يَفْهَمُونَهُ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا ۝ بِالنِّفَاقِ عَلَى أَدْبَارِهِمْ فَمِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
 لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ زَيْنَ لَهُمْ ۝ وَأَمَلَى لَهُمْ ۝ بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَبِفَتْحِهِ وَاللَّامُ وَالْمُثَلَّى الشَّيْطَانُ بِإِزَادَتِهِ
 تَعَالَى فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذَلِكَ أَيْ إِضْلَالُهُمْ بِأَكْثَرِهِمْ قَالُوا الَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ أَيْ لِلشَّرِّ كَيْنَ سَطِطِعْتُمْ
 فِي بَعْضِ الْأُمُورِ ۝ أَمْرُ الْمُعَاوَنَةِ عَلَى عِدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَثْبِيغِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مِنْهُ
 فَالْوَاذِلِكُ سِرَافًا ۝ ظَهَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَسْرَارَهُمْ ۝ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَبِكُسْرِهَا مُضَدٌّ
 قَلِيلٌ خَالَهُمْ إِذَا تَوَقَّعَهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرِبُونَ ۝ خَالَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۝ ظَهَرُوا لَهُمْ

بِمَقَامِعٍ مِنْ حَدِيدٍ ذَلِكَ أَيْ التَّوَفُّعِ عَلَى الْحَالَةِ الْعُدُوَّةِ كَثُورَةً بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا بِطْرَانَا

عَنْ أَبِي الْقَعْلَبِيِّ بِمَآئِرٍ ضَمِيهِ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

تو کچھ چمکتا ہے اور جو لوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوگی (جس میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہو اور) اور اس میں جہاد کا ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی نظریں اٹھاتے ہیں۔ جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت سے گھبراتے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے یہ ڈرتے ہیں اور جی چراتے ہیں) پس دائے ہے ان کیلئے (مبتداء ہے جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کیلئے عمدہ ہے) پھر جب کام پختہ ہو گیا (جہاد فرض ہو گیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے سچے رہتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا (اور جملہ تو، اذا کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے یعنی لعنکم) کہ اگر تم کنارہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس کی قربت تو زود (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور خونریزی پر اتر آؤ گے) یہ (فساد) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر (حق بہت سننے سے) ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کر دیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پالیں) کیا (بلکہ) ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جو لوگ (نفاق سے) پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا۔ شیطان نے ان کو چمک (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی سلجھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے ساتھ اور فتح اول اور فتح لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور فریبی شیطان ہے بارود الہی لہذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے) یہ (ان کو گمراہ کرنا) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں (شرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر ابھارنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو در پردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دیا) اور اللہ ان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرا فتح ہمزہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور کسرہ ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا (حال) ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کمروں پر (لوہے کے گرز) مارتے ہوں گے (یہ الملائکہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان نکالنا) اس وجہ سے ہے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا گئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **طَلَبُهُ**: جہاد کا حکم۔
 قولہ: **فَأُولَىٰ**: یہ ولی سے اسم تفضیل ہے جس کا معنی قرب یا بمعنی لوثا بہر دو صورت یہاں معنی بددعا ہے ہلاکت ان کے قریب ہو یا ان کی طرف لوٹے۔
 قولہ: **عَذْمَ الْأُمُورِ**: جب اصحاب امر پر جہاد فرض ہو جائے، امر کی طرف اسناد مجازی ہے۔
 قولہ: **لَعَلَّكُمْ**: ان منافقین کی حالت دیکھ کر کہنے ہی کہے گا۔ ہل عسبتم۔
 قولہ: **سَوَّلَ**: مزین کرنا۔ کہاڑ کا ارتکاب۔ مضاف بخدوف ہے: ای کید اشیطان سول لہم: شیطانی تدابیر نے ان کے لیے تزیین کر دی۔

تفسیر مقبولین

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ
 منافقین کی بد حالی اور نافرمانی:

ان آیات میں اہل ایمان کا شوق جہاد منافقین کا حکم جہاد سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی نئی سورت کیوں نازل نہ ہوئی یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے جب کوئی بھی سورت نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزول احکام سے ڈرتے رہتے خصوصاً جب کسی سورت میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا نہ سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کو رسول مانتے تھے نہ قرآن کو مانتے تھے نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے لہذا جہاد والی سورت کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور ان کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے یہ لوگ سمجھتے تھے اب رکھ رکھاؤ کے لیے جہاد میں جانا ہی پڑے گا دل چاہتا نہیں، لیکن شریک ہونا ہی ہے بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب ہے اور اگر میدان جہاد میں مبتول ہوں تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا اسی کو فرمایا: **فَأُولَىٰ لَهُمْ** کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں: **أُولَىٰ لَكَ أَيْ وَلِيكَ وَقَارِبِكَ** مانکرہ یہ **”فَأُولَىٰ لَهُمْ“** کا ایک مطلب ہے اس صورت میں طاعة وقول معروف علیحدہ جملہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ **”فَأُولَىٰ لَهُمْ“** مبتداء ہو اور طاعة اس کی خبر ہوگی۔ **کَمَا ذَكَرَ الْبَغَوِيُّ، فَلْيَتَدَبَّرْ**

صَاعَةً وَقَوْمٌ مُّغْرَبُونَ (یعنی منہ بھین کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو جگہ دل ہونے کی بجائے کہیں
 کہ ہزار کا مقرر فرمانہ واری کرنا اور اچھی بات کہنا یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے۔) صاحب معالم القزلی فرماتے
 ہیں یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض نے کہا ہے یہ جملہ ما قبل سے
 متصل ہے اور امام باہ کے معنی میں ہے یعنی ان کے لائق بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور قبول
 کر کے اچھی بات کہتے اور یہ معاذ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔
 فَإِذَا حَزَبَهُ الْأَمْرُ مَكَوْ صَدَقَ اللَّهُ لَيْحَانَ خَيْرًا لِّهَدْمِهِ (پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا، یعنی جہاد کرنے کا واقعہ
 تم ہو گیا تو اس وقت یہ لوگ اپنے عمومی ایمان اور عمومی فرمانبرداری میں سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفِشُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ
 لفظ قرآنی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک امراض دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار حکومت، اس
 آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لے لیے ہیں جس کا اوپر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔ ابو حنیفہ نے بحر محیط میں اسی کو
 ترجیح دی ہے اس معنی کے اعتبار سے طلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شریعہ الہیہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی
 شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جس کا ازلی نتیجہ زمین میں فساد اور قتل و غارتگری ہے جیسا
 کہ جاہلیت کے ہر کام میں اس کا مشہور واقعہ تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر چڑھتا اور قتل و غارت کرتا تھا، اپنی اولاد کو خود
 اپنے ہاتھوں زندہ دگر کر دیتے تھے، اسام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا اور اس کے مٹانے کے لئے حکم جہاد جاری فرمایا
 جو اگرچہ ظاہر میں خونریزی ہے مگر درحقیقت اس کا حاصل مزے ہوئے مٹو کو جسم سے الگ کر دینا ہے تاکہ باقی جسم سالم
 رہے، جہاد کے ذریعہ عدل و انصاف اور قرابتوں اور رشتوں کا احترام قائم ہوتا ہے، اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ
 تولی کے معنی حکومت و امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جن کا ذکر آ رہا ہے آپ کا ہے ان کا تقاضا یہ
 ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو، یعنی اسی حالت میں تمہیں مکہ و قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوائے
 ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ دو گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

ورنظہ ارحام رحم کی جمع ہے جوہاں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقصد ہے چونکہ عام رشتوں قرابتوں کی بنیاد وہیں سے
 جاتی ہے اس لئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کی جاتی ہے تیسرے روح المعانی میں اس جگہ اس پر تفصیلی بحث
 کی ہے کہ ذوق الارحام کا لفظ کن کن قرابتوں پر حاوی ہے۔ اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پر بے
 گناہی کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صدقہ دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کرے گا اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ
 تعالیٰ اس کو قطع کرے گا جس سے معصوم ہوگا کہ اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال و افعال اور مال کے خرچ کرنے میں

احسان کا سلوک کرنے کا تا کیدی حکم ہے حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اس کے علاوہ، ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی، ابن کثیر) اور حضرت ثوبان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قربت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ صحیح بخاری میں ہے: لیس الواصل بالمکافی ولكن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (ابن کثیر)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝

نفاق پر اللہ تعالیٰ کی سزا:

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ اسے بیکار کر کے رکھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس صلاحیت کو واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی طور پر بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے لیکن جو شخص انہیں استعمال سے ترقی دیتا ہے تو وہ بڑھتی ہیں اور جو انہیں استعمال سے روک رکھتا ہے وہ مفلوج ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ کو اگر باندھ کے رکھا جائے تو کچھ دنوں بعد وہ حرکت کرنے سے محروم ہو جائے گا۔ یہی حال باقی جسم کا بھی ہے۔ یہ اس کا قانون حکمیں ہے۔ لیکن قانون تشریح کا پیرا بن الگ ہونے کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان سننے کے لیے، اور آنکھیں دیکھنے کے لیے دی ہیں۔ اور کانوں کے مسموعات اور آنکھوں کے مشاہدات سے نتائج اخذ کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے۔ جو شخص ان سمعی اور بصری آلات سے کام ہی نہیں لیتا اور اگر لیتا ہے تو عقل اس سے نتائج اخذ نہیں کرتی تو آہستہ آہستہ کان سماع قبول سے اور آنکھیں بصیرت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان منافقین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے جب آنحضرت ﷺ کی نصیحتوں کو سننے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیں اور آنحضرت ﷺ کے طریق عمل کو دیکھنے سے پہلو تہی کی۔ یعنی ان دونوں سمع و بصر کے آجات کو حقیقت جاننے کے لیے استعمال نہ کیا بلکہ دنیوی مفادات اور نفسانی امراض اور باہمی مصالحت کو ہمیشہ ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ کا قانون حرکت میں آیا۔ اس نے انہیں بہرہ بھی کر دیا اور اندھا بھی۔ یعنی ان کے کان حق نبی کی صلاحیت سے اور ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم ہو گئیں۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

تذکر قرآن کی اہمیت اور ضرورت:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ یا ان کے دلوں پر قفل ہیں

اس میں تو بیخ ہے اور منافقوں کے حال کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں قرآن میں تدبر کرنا چاہیے تھا قرآن کے انجاز اور معافی اور دعوت حق کے بارے غور کرتے تو نہ منافق ہوتے اور نہ وہ حرکتیں کرتے جو ان سے صادر ہوتی رہی ہیں ان کے تدبر نہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ جیسے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قال صاحب الروح: واطراف الاقوال اليها للدلالة على انها افعال مخصوصة بها مناسبة لها غير مجانسة لسائر الاقوال المعهودة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں افعال کی ان کی طرف اضافت اس بات پر دلالت کرنے کے لیے ہے کہ مخصوص ہالے ہیں جو انہیں کے مناسب ہیں مشہور معروف باتوں کی طرح نہیں ہیں۔)

إِنَّ الَّذِينَ أَرْتَدُّوا عَلَيَّ أَدْبَارَهُمْ...

مرتدین کے لیے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان آیات میں بھی منافقین کا ذکر ہے ان سے جو مخالفانہ، درباغیانہ حرکتیں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے لیے دعوائے اسلام پر باقی رہنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر پہچان لیا جو اپنی کتابوں میں پاتے تھے پھر بھی کفر پر جمے رہے (اس کو اَرْتَدُّوا عَلَيَّ أَدْبَارَهُمْ سے تعبیر فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ضرور اتہاع کریں گے اس دعوے کے مطابق جو کچھ کرنا تھا اس سے پھر گئے) آیات کا نزول جن لوگوں کے بارے میں بھی ہر الفاظ کا عموم ہر طرح کے مرتدین کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر دین حق سے پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی تھی شیطان نے ان کا ناس کھویا اس نے کفر اور ارتداد کو اور برے اعمال کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے دنیا کی ظاہری زینت کو انہوں نے ترجیح دی شیطان نے مزید یہ کیا کہ ان کو یہ بتایا کہ دیکھو بھی دنیا میں تمہیں بہت رہنا اور زیادہ دن جینا ہے اسلام قبول کر کے یہ لمبی زندگی آرام سے کیسے گزارو گے؟ دیکھو جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں کتنی تکلیفوں میں پڑ جاتے ہیں۔

ذَلَّتْ بِآلَتِهِمْ قُلُوبُ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنِيطًا لَّكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمُورِ ۗ اس میں ذَلَّتْ کا مشار الیہ اور بِآلَتِهِمْ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اور يَلْمِزُونَ کو ہوا سے کون لوگ مراد ہیں اور بَعْضِ الْأُمُورِ سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں: بِآلَتِهِمْ کی باکوسبیہ لینے کی صورت میں وہی قول قرین قیاس ہوگا جس سے ذَلَّتْ کا مشار الیہ مستنبط اور باکودخول سبب بن سکتا ہو عمامہ قرطبی نے ذَلَّتْ کا مشار الیہ اَمَلِي لَهْمُ ۖ کو قرار دیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ شیطان کا انہیں لمبی عمر والی باتیں سمجھانا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے یعنی منافقوں اور یہودیوں نے مشرکین سے کہا جن کو اللہ کا نازل کردہ فرمودہ ناگوار ہے کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کر لیں گے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں (مثلاً) آپ سے دشمنی رکھنے میں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے میں و ردین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان میں تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفات کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی

کر دیا اس لیے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ (تیسرے قلمی، ۲۵ ج ۱۶)

معاہدہ التزویل میں بھی یہ تفسیر لکھی ہے لیکن ذلک کا مشار الیہ متعین نہیں کیا صاحب روح المعانی اس سے متفق نہیں کہ ذلک کا اشارہ اَمَلِ لَهُمْ ہے لیکن احقر کے نزدیک تمام احتمالات میں یہی راجح ہے صاحب بیان القرآن نے ذلک کا مشار الیہ ارتداد علی الادبار کو لیا ہے اور سَطَّطِعْكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمُورِ کا یہ مطلب لیا ہے کہ منافقین نے رؤساء یہود سے کہا کہ ہم عدم اتباع ظاہر کرنے کے بارے میں تمہارا حکم نہیں مانیں گے کیونکہ وہ ہماری مصیحت کے خلاف ہے اور عدم اتباع باطناً کا جو حکم دیتے ہو ہم اس میں تمہارا اتباع کر لیں گے کیونکہ ہم اس میں تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

أَوْ حِسْبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۖ يُظْهِرُ أَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِينَ وَكَوْ
نَشَاءُ لَا رَيْبَ لَهُمْ عَزْفَانَهُمْ وَكَوْزِرَتِ اللَّامُ فِي فَعْرِفَتَهُمْ بِسَبِيهِمْ ۖ عَلَامَتِهِمْ وَتَعْرِفَتَهُمُ الْوَارِثُ الْقَسَمِ
مُحْدُوفٍ وَمَا بَعْدَهَا جَوَابُهُ فِي لُحْنِ الْقَوْلِ ۖ أَيْ مَعْنَاهُ إِذَا تَكَلَّمُوا عِنْدَكَ بِأَنْ يُعْرِضُوا بِمَا فِيهِ تَهْجِينُ
أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ وَاللَّهُ يُعَلِّمُ أَعْمَالَكُمْ ۖ وَكَلِّبُواكُمْ نَحْتَبِرْ نَكْمَ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهِ حَتَّى تَعْلَمَ عِلْمَ طُهُورِ
الْجِهَادِيِّينَ مِنْكُمْ وَالضَّرِيئِينَ فِي الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَتَبَلَّوْا أَنْظِرْ أَخْبَارَكُمْ ۖ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَعِضْيَانِكُمْ
فِي الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ بِأَيْبَاءِ وَالتُّونِ فِي الْأَفْعَالِ الثَّلَاثَةِ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقَ الْحَقِّ وَ
شَاقُوا الرَّسُولَ خَالَفُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۖ هُوَ مَعْنَى سَبِيلِ اللَّهِ كَنْ يُضْرَوُ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَحِطُ
أَعْمَالَهُمْ ۖ يَبْطُلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا فَلَا يَرُونَ لَهَا فِي الْأَخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِي الْمُطْعِمِينَ مِنْ أَصْحَابِ
بَدْرٍ أَوْ فِي فُرَيْطَةَ وَالنَّضِيرِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۖ بِالْمَعَاصِي
مَثَلًا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقَهُ وَهُوَ الْهُدَى ثُمَّ مَا تَوَادُّهُمْ كَفَرُوا فَلَنْ يُغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ
نَزَلَتْ فِي أَصْحَابِ الْقَلْبِ فَلَا تَهْنَأُوا تُضَعِفُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ فَتَحِ السِّينِ وَكَسْرِهَا أَيْ الصُّلْحِ مَعَ
الْكُفَّارِ إِذَا قَبِلْتُمُوهُمْ وَ أَنْتُمْ الْأَعْلُونَ ۖ حُذِفَ مِنْهُ وَأَوَّلَامِ الْفِعْلِ الْأَعْلُونَ الْقَاهِرُونَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ
بِالْعَزِّ وَالنَّصْرِ وَكَنْ يَتْرُكُكُمْ يَنْقُضُكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۖ أَيْ ثَوَابَهَا إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا أَيْ الْإِسْتِعْجَالُ فِيهَا الْعَيْبُ وَ
لَهُمْ وَلَنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا اللَّهَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۖ جَمِيعَهَا بِلِ
الزُّكُوهِ الْمَفْرُوضَةِ فِيهَا إِنْ يَسْئَلُكُمْ مَا فِي حِفْظِكُمْ يُبَايِعُ فِي طَلَبِهَا تَبَخَّلُوا وَيُخْرِجُ أَضْغَانَكُمْ ۖ لِذَيْنِ

الإسلام هانتُمْ يَا هؤُلاءِ لَدَعُونَ لِنُفُوقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا فَرِضَ عَلَيْكُمْ فِيمَنكُمْ مَن يُبْخَلُ وَمَن يُبْخَلْ

فَأَنبَا يُبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ يُقَالُ بَخَلَ عَلَيْهِ وَعَنهُ وَاللَّهُ الْعَفِيُّ عَن نَّفْسِكُمْ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَيْهِ وَإِن تَتَوَلَّوْا عَن

طَاعَتِهِ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ أَى يَجْعَلُهُمْ بِدَلِكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالِكُمْ ۝ فِي التَّوَلَّى عَن طَاعَتِهِ نَل

مُطِيعِينَ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کے دل کی عداوتوں کو ظاہر کرے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشان بتلا دیتے (ان کی شرحت کر دیتے۔ آگے لام دوبارہ لایا جا رہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (دو قسم مخدوف کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا منشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی ہجو چلتی ہے)۔ اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تاکہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کر لیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتاں) کر لیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہیں)۔ بل شبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد کہ ان کو ہدایت (جو اللہ کے راستہ کی مراد ہے) نظر آ چکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنو قریظہ و بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو بر بارست کرو (گناہ کبیرہ کر کے)۔ بل شبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر رہ کر ہی وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا (بدر کے کونین میں جن کافروں کو ڈالا گیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم اہم مت ہارنا (کمزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتح سین اور کسر سین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار سے مٹھ بھینٹ ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے (نام فعل کی جگہ اعلون کی جو داؤ ہے وہ حذف ہو گئی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا دنیاوی زندگانی (یعنی اس میں انہماک) محض لہو و لعب ہے۔ اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مل نہیں مانگتا (سارا۔ بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم

سے مال مانگے اور انتہاء درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور وہ بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کرنے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے بلایا جاتا ہے۔ سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل علیہ، بخل عنہ دونوں طرح بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو۔ اور تم (اس کی فرمانبرداری سے) اگر روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ (بدلہ بن کر) دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ غزوہ جل کے اطاعت شعار ہوں گے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: وَكُذِّرَتِ اللَّامُ: اول لام "لو" کے جواب میں ہے اور دوسرا لام جواب قسم مخذوف کا ہے۔
 قوله: بِالْمَعَاصِي: مثلاً کفر، نفاق، خود پسندی، ریا کاری، من و اذام وغیرہ۔
 قوله: فِي أَصْحَابِ الْقَلْبِيبِ: بدر کے کنوئیں میں ڈالے جانے والے لوگ۔
 قوله: كَيْبٌ: اس کو ثبات نہیں۔
 قوله: يُبَايِعُ فِي ظَلَبِهَا: احناء و الحاف یہ دونوں کسی چیز کی طلب میں مبالغہ کے لیے آئے۔
 قوله: بِبَخْلٍ: بخل کی ضمیر بخل کے لیے ہے کیونکہ وہ کہنے کا سبب ہے۔ یہ علی و عن سے متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کا تفسیر ہے۔
 قوله: أَضْعَأَكُمْ: جمع ضغن: کینہ۔

تفسیر مقبولین

أَفْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْعَأَنَّهُمْ ۖ

منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو:

یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بد باطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت سے احوال سورۃ براء میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصیلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی نامہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو نصیحت کرنے والی۔ (اضغان) جمع ہے (ضغن) کی ضغن کہتے ہیں ولی حسدہ بنفس کہ اس کے بعد اللہ غزوہ جل فرماتا ہے کہ اے نبی اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان

جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتائیں دیا تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے ان کے عبوب پوشیدہ رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ادھنگ سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دوہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی (تعمین) آجکل ہے۔ منہ احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ اے فلاں کھڑا ہو جا، یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا تم میں یا تم میں سے منافق ہیں، پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے حضرت عمر گزرے وہ اس وقت کپڑے میں اپنا منہ لپیٹے ہوئے تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور ﷺ کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا اللہ تجھے غارت کرے۔ پھر فرمایا ہے ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خود آ زما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں؟ اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آ زما لیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جاننا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس عام الغیوب کو ہر چیز، ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباس اس جیسے مواقع پر (للعلم) کے معنی کرتے تھے (النری) یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

وَلَتَنبَلُوْكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالضّٰعِيْنَ اَوْ نَبْلُوْا اَخْبَارَكُمْ ۝

آزمائش کی کسوٹی:

گزشتہ آیت کریمہ میں ہم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ بڑے سے بڑے جرم کو بھی افشاء کرنا ہے تاکہ ہر شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کی ایک اور سنت بھی ہے جو پیش نظر آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ ہم کسی منافق کے چہرے پر تو یہ لکھنا پسند نہیں کرتے کہ یہ شخص منافق ہے لیکن یہ طریقہ ہمارا ضرور ہے کہ ہم سب کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ اور نرم و گرم حالات میں مبتلا کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس شخص کے اخلاص کا عالم کیا ہے۔ یہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ کیا صرف زبان کی عیاشی ہے یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے۔ چنانچہ جب ایسے سخت حالات سے واسطہ پڑتا ہے مثلاً جہاد و قتال کے مراحل پیش آتے ہیں تو سب پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کون اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دیتا ہے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات میں کون صبر کرتا ہے۔ اور کون ایسا ہے کہ جو ان مشکلات سے گھبرا کر مافیت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں جو آدمی کھل کر اسلام کی طہبرداری نہیں کرتا بلکہ وہ اس راہ

میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مؤمن اور مجاہد نہیں بلکہ منافق ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ منافقین کے حالات بھی منصفہ شہود پر آجاتے ہیں اور ان کی زندگی کی روش خود بولنے لگتی ہیں کہ ہمارا تعلق کُلّیں مسلمانوں سے نہیں۔ کیونکہ جب ان کے حالات کی جانچ ہوتی ہے تو ان کے روابط بھی سامنے آتے ہیں۔ ان کی آپس کی نشستوں کا بھی بھید کھلتا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت کھرے اور کھوٹے کے درمیان لکیر کھینچ دیتی ہے۔ مجاہدین الگ ہو جاتے ہیں اور منافقین الگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور ہر دیکھنے والی نگاہ بڑی آسانی سے اندازہ کر سکتی ہے کہ قائلہ حق کے شرکاہ کون ہیں اور ان میں زبردستی کھینے والے اور محض مفادات سے رشتہ رکھنے والے کون ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ.....

نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے راہ اللہ کی بندش کرنے والے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی۔ جس طرح نیکیاں گننا ہوں کو منادیتی ہیں اسی طرح اس کے بدترین جرم و گناہ ان کی نیکیاں برباد کر دیں گے۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ (لا الہ الا اللہ) کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو بطل نہ کر دیں۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال برباد کرنے والی چیز کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر نہیں ڈف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ اللہ سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے اللہ کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ شرک کو نہیں بخشتا اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مؤمن بندو تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں زور و نلبہ میں تعدد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں، تعداد میں، اسباب میں تم سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں دیکھتے تو ایسے وقت پیشک صلح کی طرف جھکتا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین نے آپ ﷺ کو کہہ جانے سے روکا تو آپ ﷺ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر مجاہدہ کر لیا پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم چین، لو کہ تمہاری مہمونی سے مہمونی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا۔ واللہ

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ
 یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں است اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ
 دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا۔ ہاں کسی وقت اسلام کی
 مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے سورۃ فتح میں آتا ہے۔
 بہر حال صلح کی بناء اپنی کم سختی اور نامردی پر نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو
 گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھٹانے میں نہ رہنے دے گا۔
 إِنَّمَا الْخَيْرُ عَلَى الَّذِينَ لَعِبُوا وَ لَعِبُوا ...

چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت، اہل و عیال کی محبت
 مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں اس آیت میں یہ بتلادیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں اس
 وقت ان کو بچا بھی لیا تو پھر کیا، دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اس لئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو
 آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْتَلْكُمْ أَمْوَالُكُمْ ۝ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرتا مگر پورے
 قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشار مواقع آئے ہیں اور خود اس کے بعد ہی
 دوسری آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آ رہی ہے اس لئے بظہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے بعض
 حضرات نے لَا يَسْتَلْكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال تم سے کسی اپنے نفع کے لئے نہیں مانگتا بلکہ تمہارے
 ہی فائدہ کے لئے مانگتا ہے جس کا ذکر اسی آیت میں بھی یُؤْتِيْكُمْ اُجْرًا كَثِيْرًا کے الفاظ سے کر دیا گیا ہے کہ تم سے جو کچھ اللہ کی
 راہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا گیا وہ اس لئے ہے کہ آخرت میں جہاں تمہیں سب سے زیادہ ضرورت نیکوں کی ہوگی اس وقت یہ
 خرچ کرنا تمہارے کام آئے وہاں تمہیں اس کا اجر ملے، اس کی نظیر مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
 کہ ہم تم سے اپنے لئے کوئی رزق نہیں لیتے نہ اس کی ہمیں حاجت ہے اور بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے
 کہ لَا يَسْتَلْكُمْ سے مراد پورا مال طلب کر لینا ہے (دہرول ابن مینہ قرظی) اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا ہے: اِنْ
 يَسْتَلْكُمْ فَمَا فَيُخْفِكُمْ کیونکہ محف احناء سے شتق ہے جس کے معنی مبالغہ اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانے کے ہیں اس
 دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال پورے طلب کرنا تو تم بغل کرنے لگتے اور
 اس حکم کی تعمیل تمہیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادا ہوگی کے وقت تمہاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں
 لَا يَسْتَلْكُمْ سے مراد یہی ہے جو دوسری آیت میں فَيُخْفِكُمْ کی قید کے ساتھ آیا ہے تو مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ
 اللہ تعالیٰ نے جو چھ مالی فرائض زکوٰۃ وغیرہ تم پر عائد کئے ہیں اول تو وہ خود تمہارے ہی فائدہ کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا لائد
 نہیں، دوسرے پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے مال کا اتنا تھوڑا سا جزو فرض کیا ہے جو کسی طرح با

خاطر نہ ہونا چاہئے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ سو بکریوں میں سے ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پورے اموال تو طلب نہیں کئے جن کا دینا ناگوار اور بار خاطر طبعاً ہوتا بلکہ اس کا قدر تلیل طلب فرمایا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اس کو خوشدلی کے ساتھ ادا کیا کرو، اور اس دوسری آیت میں جو ارشاد ہے: وَيُخْرِجْ أَضْعَافًا كَثِيرًا ۝ اس میں اضعاف جمع صغیر کی ہے جس کے معنی مٹل کینہ اور مٹل کراہت کے ہیں اس جگہ بھی مٹل کراہت دنا گواری مراد ہے یعنی طبعی طور پر انسان کو اپنا پورا مال بخشش کر دینا ناگوار ہوتا ہے جس کو وہ ظاہر بھی نہ کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت نال مثل وغیرہ سے یہ ناگواری کھل ہی جاتی ہے تو حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے پورے اموال کا مطالبہ کر لیتا تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ لامحالہ ظاہر ہو جاتی۔ اس لئے اس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر اور تلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے تم اس میں بھی بخل کرنے لگے اسی کا بیان آخری آیت میں اس طرح فرمایا ہے کہ

تُدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِمَّنْ يَبْخُلُ ۗ، یعنی تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ: وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهِ ۗ، یعنی جو شخص اس میں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اسی بات کو زیادہ وضاحت سے فرمادیا: وَاللَّهُ الْعَفِيفُ وَالْفَقِيرُ ۗ، یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجت مند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت کا پورا کرنا ہے۔

(معارف القرآن ملتق شفیع)

سُورَةُ الْفَتْحِ

رُكُوعَاتُهَا ۳

آيَاتُهَا ۲۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

النَّبِيَّ

سُورَةُ

۳۸ مَدِينَةُ ۱۱

اس کی آیتیں ہیں اور چار رکوع

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

کورہ فتح مدینہ میں نازل ہوئی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۚ لِقَابِ الْمُؤْمِنِينَ رِجْوَافٌ كَافَّةٌ ۚ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الْيَمِينِ وَيَخْلُقَ لَهُمْ دَارَ الْجَنَّةِ الَّتِي رُفِعَ فِيهَا الْوُجُوهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ
 اللَّهُ بِجِهَادِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۚ مِنْهُ لِيَرْغَبَ أَمَّتِكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالذَّلِيلِ الْعَقْلِي الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوبِ وَاللَّامِ لِلْعَالِيَةِ الْعَائِيَةِ فَمَدَّ حُؤُلَهَا مُسْتَبْتٌ لَا سَبَبَ وَبَيْتَهُ بِالْفَتْحِ الْمَدْكُورِ نِعْمَتُهُ إِنْعَامُهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ بِهِ صِرَاطًا طَرِيقًا مُسْتَقِيمًا ۚ يُبَشِّرُكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ وَيَنْصُرُكَ اللَّهُ بِهِ نَصْرًا عَزِيمًا ۚ نَصْرًا إِذَا عَزَلَ لَأَدُلَّ مَعَهُ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ الطَّمَائِنَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُزَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۚ بِشَرَائِعِ الدِّينِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةٌ مِنْهَا امْتُوا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ وَبِهِ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ فَلَوْلَا إِذْ نَصَرَدْنَاهُ بِغَيْرِ كُفٍّ كَمَا لَفَعَلْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ۚ فِي ضَنْبِهِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ لِيُدْخَلَ مُتَّعَلِّقٌ بِمُحَدِّثٍ أَيْ أَمْرٍ بِالْجِهَادِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۚ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالشُّرَكِيَّاتِ وَالشُّرَكِيَّاتِ الظَّالِمَاتِ بِاللَّهِ ظَنُّ السُّوءِ ۚ بِفَتْحِ السِّينِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَنْصُرُهُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السُّوءِ ۚ بِالذَّلِّ وَالْعَذَابِ وَغَضَبِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ أَبْعَدَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۚ مَرَجَعًا وَبِهِ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيمًا فِي مَلِكِهِ حَكِيمًا ۚ فِي ضَنْبِهِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا عَلَىٰ أُمَّتِكَ فِي الْقِيَمَةِ وَمُبَشِّرًا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا ۚ مُنْذِرًا مَخْرُوفًا فِيهَا مِنْ عَمَلِ سُوءٍ بِالنَّارِ لِيُؤْمِنُوا

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ بِالْيَأْيِ وَالنَّاءِ فِيهِ وَفِي الثَّلَاثَةِ بَعْدَهُ وَتَعَزُّوهُ وَتُعْزِّرُوهُ وَتُقِرُّوهُ وَتُقَرِّوهُ
 تُعْظِمُوهُ وَضَمِيرُهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَسْبِيحُوهُ أَيُّ اللّٰهِ بَكَرَةً وَأَصِيلًا ۝ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ
 بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ إِنَّهَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يُدَا اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۝ النَّبِيُّ بَايَعُوا بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَيُّهُ تَعَالَى مُطَّلَعٌ عَلَى مُبَايَعَتِهِمْ فَيَجَازِيهِمْ عَلَيْهَا فَمَنْ نَكَثَ نَقَضَ بَيْعَتَهُ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ بِرَجْعِ
 وَبِأَلْ نَقَضِهِ عَلَى نَفْسِهِ ۝ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ بِالْيَأْيِ وَالنُّونِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

توجہ دیا: بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کیلئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرا کر فتح کا
 نیلہ کر دیا ہے) کھلم کھلا (واضح طور پر) تاکہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطا میں
 معاف فرمادے (تاکہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں، انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عقلی قطعی سے
 طے شدہ ہے۔ اس لئے آیت کی تاویل کی جائے گی۔ اس میں لام علت غائیہ ہے جو سبب پر نہیں۔ بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا
 ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستے پر لے چلے (دین اسلام
 پر جمادے) اور اللہ آپ کو (اسکے ذریعہ) ایسا غالب دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام و نشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے
 جس نے نخل (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں۔ تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی
 باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں۔ ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ
 ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے اپنی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی
 صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تاکہ اللہ داخل کرے (مخدوف عبارت سے اس کا تعلق
 ہے ای امر بالجہاد) مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی ہر شتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کور ہیں
 گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک
 مردوں عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتح سین اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں
 مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے)
 ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب) اور اللہ ان پر غضب ناک ہوگا اور ان کو (رحمت سے) دور کر دے گا اور ان
 کیلئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ
 تعالیٰ (اپنے ملک میں) زبردست، حکمت والا ہے۔ (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو
 (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی) بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا
 میں بد عملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا) بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے لو (یہاں اور
 اس کے بعد الف ظیاء اور تاء کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو (تقویت دو، ایک قرأت میں تعزیر وہ دوزاء اور تاء

مقبولین شریعتاً جلالیہ (یہ دونوں ضمیریں اللہ ورسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) بیعت کرتے رہو۔ سچا نام کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجا لانا (یہ دونوں ضمیریں اللہ ورسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) بیعت کرتے رہو۔ سچا نام (دونوں وقت) جو سوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت الرضوان) تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پر جو شخص عہد توڑے گا (وعدہ بیعت) تو اس (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نون کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: **فَضِينَا**: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ ماضی گزشتہ کا متقاضی ہے جب کہ فتح ابھی مستقبل سے متعلق ہے۔
- قولہ: **الْمُسْتَقْبِل**: اس سے پہلے زمان کا لفظ محذوف ہے۔
- قولہ: **وَهُوَ مُؤَوَّلٌ**: یعنی اگرچہ خطاب آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔
- قولہ: **وَاللَّامُ لِلْعَلَّةِ**: اس کا مدخول مسبب ہے نہ کہ سبب۔
- قولہ: **عِنْدَ اللَّهِ**: یہ فوز سے مال ہے۔
- قولہ: **دَائِرَةُ السُّوِّءِ**: مشرکین کے خیالات جو مسلمانوں اور اسلام کے متعلق تھے۔
- قولہ: **وَالثَّاءُ فِيهِ**: مسلمانوں کے خطاب کو آپ کے خطاب کے بمنزلہ لایا گیا۔ فتنہ بر۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الفتح کا مقام نزول:

عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس سے اگرچہ یہ نقل کیا گیا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن تاریخی روایات و احادیث کثرت سے اسکی تصریح کر رہی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ذی القعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام سے واپس ہوئے تو یہ دوران سفر نازل ہوئی خاص مدینہ میں نزول نہیں ہوا یہی روایت صحیح ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا، بن ابی شیبہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے ائمہ محدثین کی ایک جماعت مثلاً ابوداؤد نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ جب ذی القعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے قریش مکہ سے مصالحت و معاہدہ کرنے کے بعد تو آنحضرت ﷺ پر آثار وحی شروع ہوئے آپ نے فرمایا اللہ رب العزت نے آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل فرمائی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سورۃ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ہے امام احمد رضی اللہ عنہ بروایت مجمع بن جاریہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ سورت مقام کراغ النعیم کے نزدیک نازل ہوئی جسکو آپ نے اپنی ناقہ پر سوار چلے چلے صحابہ کو تلاوت کر کے سنایا، طبقات ابن سعد میں مقام نزول لھجان پہاڑ بتایا ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ کا نام ہے بہر کیف ان جملہ نقول اور روایات سے یہی ثابت ہے کہ سورۃ فتح حدیبیہ سے واپسی پر دوران سفر نازل ہوئی ہے مگر چونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے کی اور مدنی ہونے کا یہی ضابطہ ٹھہرا ہے کہ قبل از ہجرت جو آیات و سورتیں اتریں وہ مکہ میں اور جو بعد ہجرت کے نازل ہوئیں وہ مدینہ میں خواہ ہو کسی جگہ بھی اتری ہوں حتیٰ کہ حجۃ الوداع میں عرفات میں نازل ہونے والی آیت بھی مدنیہ ہوگی۔

گذشتہ سورۃ محمد ﷺ کا مضمون کافروں اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کا تھا جس میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کے کردار فریب اور ان کی ذلت و ناکامی کا بیان تھا تو اب اس کے بالقابل اس سورت فتح میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کا ذکر اور فتح مبین کی بشارت ہے اور اہل ایمان و اخلاص کے اوصاف اور نشانیوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اخیر میں جو طبقہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قدم نہیں اٹھاتا جہاد کا عزم اور ہمت نہیں کرتا تو انکو دھمکی دی گئی تھی۔ ”وان تتولوا یستبدل قومًا غیرکم“۔ تو اب اس سورت میں ان تمام احوال اور اوصاف کے متبادل چیز سامنے رکھ دی گئی اگر پہلے مغلوبی ہے خدا اس کو فتح و کامیابی سے بدل رہا ہے اگر ایک قوم ضعیف ایمان یا نفاق کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت نہیں کر سکی تو کوئی حرج نہیں خدا نے ان کے بدلے ایسے مخلصین و مؤمنین اور جانثاروں کا گروہ پیدا فرما دیا ہے کہ انکے ایمان و اخلاص اور تقویٰ کی برکتوں سے فتوحات اور حق تعالیٰ شانہ کی عنایات مسلمانوں کا دروازہ کھٹکتی رہی تھیں اور یہی واقعہ فتح عظیم کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ بنا اور اس فتح کے ذریعہ سے قوم منافقین کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے مخلصین و مؤمنین کی جماعت عطا فرمائی اور مکہ دار الکفر سے دار الایمان ہو گیا تو ان وجوہ سے سورۃ فتح کے مضامین: یستبدل قومًا غیرکم کی بشارت اور اعلان کی پوری پوری تصویر ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب جبرئیل امین رضی اللہ عنہ یہ سورت لے کر اترے تو آنحضرت ﷺ کو مبارک باد دی جبرئیل رضی اللہ عنہ کے پیغام تہنیت پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مبارک باد دی اور یہ بشارت سنائی۔ (عقائد ابن سعد بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۰) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ سورت رمضان المبارک کی پہلی رات میں پڑھے گا تو تمام سال خیر و برکت اور عافیت اسکے واسطے قائم رہے گی،

مقاصد سورۃ الفتح:

سورۃ فتح اپنے نام اور اپنے آغاز عنوان سے ہی فتح مبین کا پیغام ہے اور تہنیت ہے حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام اجمعین اور تمام اہل ایمان کے لئے اس سورۃ مبارک کے اہم مقاصد میں سے اس معاہدہ کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے پایا یہی معاہدہ اسلام کی اشاعت تبلیغ اور دین کی برتری اور غلبہ کا سبب بنا اور مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا جس پر: یدخلون فی دین اللہ افواجا کی بشارت مکمل ہوئی نیز اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان و تقویٰ مؤمن کو کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور مؤمنین کس

جانثاری کے جذبہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نیز بیعتہ الرضوان جیسے عظیم واقعہ کا ذکر ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرات صحابہؓ جو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد کرنے والے ہیں انکا کیسا عظیم مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکو اپنی رضامندی کی بشارت دنیا ہی میں سنا دی اسی کے ساتھ اس سورت کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ جہاد سے پہلو تہی کرنا اور لغو و مہمل اعذار پیش کر کے گھروں میں بیٹھے رہنا درحقیقت خود اپنے آپ کو ہلاکت اور ذلت میں ڈالنا ہے۔

اہل ایمان کے انقیاد و اطاعت کا ذکر ہے حضرت صحابہ کرامؓ کو فضائل و کمالات حضور اکرم ﷺ کی محبت اور شرفِ صحبت کی برکت سے حاصل ہوئے اور یہ کہ دراصل وہی کمالات انسانی عظمتوں کے حامل ہیں تو یہ سورت مبارکہ ان بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اہل حدیبیہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے جو فضائل بیان فرمائے گئے ظاہر ہے کہ ان میں خلفائے راشدینؓ بدرجہ اتم شامل ہیں بہر کیف اس سورت میں زیادہ تر مقصود د چیزوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے انکی جانثاری کی قدر افزائی کی جائے اور مغلوبانہ صلح کی وجہ سے جو ان کے دل زخمی ہو رہے تھے ان پر مرہم رکھا جائے اسی وجہ سے خاص طور پر اہل حدیبیہ کو مخاطب بنایا گیا اور ان ہی کو بشارتیں سنائی گئیں۔

دوسرا مقصود یہ ہے کہ جن اعراب نے اس سفر میں آپ ﷺ کی معیت اور مراقتت سے پہلو تہی کی تھی ان کو تنبیہ و تہدید کی جائے۔

مقصود اول یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی کے لئے طرح طرح کے عنوان اختیار فرمائے کہیں ان سے فتح و نصرت کے وعدے فرمائے اور کہیں بیعت کے فضائل بیان کئے اور اپنی خوشنودی کی بشارت سنائی کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی کہیں ان کو غنیمتوں کا مژدہ سنایا اور خیبر کی غنیمتوں کو ان کے واسطے مختص کر دیا اور کہیں ان کو نزل سکینہ سے سرفراز فرمایا، اس سورت میں تین جگہ نزل سکینہ کا ذکر فرمایا اور سکینہ بقول امام شافعیؒ اطمینان دسکون قلب کا نام ہے جو ایمان کی آخری منزل ہے جس کے بعد استقلال و استقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا اور یہ سکینت و نہعت ہے جو پیغمبران خدا اور خاصان خدا پر نازل ہوتی ہے کہیں یہ فرمایا کہ وصف تقویٰ کو اصحاب حدیبیہ کے لئے لازم کر دیا جیسے کہ ارشاد ہے: **وَالزَّمَّهْدُ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ** اور لازم اسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کا لزوم سے جدا ہونا محال ہو تو معلوم ہوا کہ ان حضرات سے وصف تقویٰ کا جدا ہونا محال ہے پھر یہ فرمانا کہ: **وَكَانُوا أَحَقُّ بِهَا وَأَهْلُهَا** مزید اکرام و اعزاز ہے کہ یہ حضرات ہی درحقیقت اسکے مستحق تھے، اور اس پر مہر: **وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا**۔ فرما کر گادی کہ جیسے اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کی رسالت کے لائق کون ہے اسی طرح اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون لوگ ان بشارتوں کے مستحق اور لائق ہیں۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب و منافقین کی تہدید و تنبیہ! تو وہ بھی اس سورت میں بحد کمال فرمادی گئی، حتیٰ کہ ان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات اور بیہودہ آرزوؤں اور باطل منصوبوں کو ظاہر کر کے ان کو قیامت تک کے واسطے تمام عالم میں شرمندہ کیا اور خیبر کی غنیمتوں سے محروم کر دیئے گئے۔

واقعہ حدیبیہ اور فتح مبین:

عمرہ حدیبیہ اور واقعہ الحدیبیہ کے نام سے یہ قصہ معروف ہے جس کی تفصیل احادیث میں ہے سورۃ فتح دراصل عمرہ حدیبیہ کے ضمن میں پیش آنے والے واقعہ صلح اور معاہدہ کے اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس معاہدہ میں کیا انعامات فرمائے اور اپنی قدرت و حکمت سے اس معاہدہ کو فتح مبین بنایا۔

واقعہ حدیبیہ متعدد واقعات کا مجموعہ ہے جس پر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ: **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا** میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ فتح کا مفہوم کسی بند چیز کو کھول دینا ہے۔ صلح حدیبیہ کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور فتوحات کے لیے جو دروازے بند تھے وہ کھل گئے اس بناء پر یہ صلح ہی اللہ کے کلام میں فتح مبین کے عنوان سے تعبیر کی گئی حتیٰ کہ بعض صحابہ تو فتح مکہ کی بجائے صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا مصداق کہا کرتے تھے جیسے کہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو! تم تو فتح، فتح مکہ کو شمار کرتے ہو اور ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح سمجھتے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد دوم)

اسی طرح حضرت جابرؓ اور براء بن عازبؓ بھی کہا کرتے تھے اور حضرت براء بن عازبؓ یہ بھی فرماتے تھے ہم تو بیحد ارضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ احادیث میں جس طرح ذکر فرمایا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۶ ہجری کی ابتداء میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ نے عمرہ کیا کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے سر کے بال کم کرائے آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیان کیا آپ ﷺ نے اس خواب کو بیان فرماتے ہوئے کوئی مدت متعین نہیں فرمائی تھی کہ کون سے سال کے بارہ میں دیکھا ہے کہ عمرہ کر کے واپس ہو رہے ہیں مگر شدت شوق میں یہی خیال کیا کہ اسی سال عمرہ اور حرم مکہ میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور آپ نے بھی یہی قصد فرمایا کہ عمرہ کے لئے روانگی ہو جائے تو چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کی جماعت لے کر آپ ﷺ ذی قعدہ ۶ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہدی (قربانی کا جانور) بھی آپ ﷺ نے ساتھ لے لیا جو حرم میں ذبح کیا جائے قریش مکہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کیا اور یہ طے کیا کہ کسی طرح بھی آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے حالانکہ خود قریش کے لوگ حرم بیت اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی کو بھی بیت اللہ کے طواف اور عمرہ سے روکا جائے حتیٰ کہ دشمن کو بھی نہ روکتے تھے مقام حدیبیہ پہنچ کر آپ ﷺ کی ناقہ جھنسنے لگی لوگ اس کو چوکا رتے اور کوشش کرتے کہ یہ اٹھ کر چلے گئے مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی آپ نے فرمایا: **"حبسہا حابس القبیل"** کو اس اونٹنی کو اسی ذات نے روک دیا ہے جو ہاتھیوں کو روکنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے یہ ناقہ رکی ہے اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرمت اللہ کی تعظیم قائم رہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ ہو تو میں ضرور اسکو منظور کر لوں گا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ اس مرحلہ پر ضرور اہل مکہ کچھ نہ کچھ باتیں اپنی منوائیں گے اور دباؤ بھی ڈالیں گے الغرض آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا سی کو

آج کل ہمسیہ " کہتے ہیں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف قاصد روانہ فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کی فرض سے آئے ہیں ہم کو مکہ میں آنے دو ہم عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے قریش مکہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انتظار کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو یہی پیغام دیکر بھیجا اور ساتھ ہی ان مظلوم اور مغلوب مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کفار مکہ کی قید و بند میں تھے یہ بشارت بھی بھیجی کہ عنقریب اللہ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ہوگا اور مکہ میں کامیابی اور غلبہ کے ساتھ اسلام داخل ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہوئی کفار مکہ نے ان کو روک لیا ادھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے اس وقت آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب لڑائی اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر حضرات صحابہؓ کو بیعت کی دعوت دی کہ آپ ﷺ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کریں۔

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا اور کچھ رد ساء مکہ کا وفد آپ ﷺ کے پاس صلح کی غرض سے آیا اور گفتگو کے بعد صلح نامہ تحریر کر کے اس پر طرفین کے دستخطوں کا معاملہ طے پایا شرائط صلح کے بارہ میں باہم بحث و تمحیص بھی ہوئی اور بعض شرائط صلح میں مسلمانوں کو اپنی مظلوبی اور پستی کا احساس ہو کر جوش اور ولولہ بھی آ رہا تھا، لیکن حضور ﷺ نے بوجی لہی حضرات صحابہؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ان باتوں کو مان لو آپ ﷺ کے فرمانے پر مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے وہ شرائط صلح مان لیں اور صلح نامہ تیار ہو گیا کفار کی طرف سے شرائط صلح میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال غیر مسلح حالت میں آ کر عمرہ کر لیں اور فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر کسی قسم کا حملہ اور جنگی اقدام نہ کریں گے اور اس مدت میں اگر کوئی مرد اہل مکہ میں سے آپ ﷺ کے پاس مدینہ چلا جائے خواہ وہ مرد مسلمان ہی ہو تو آپ اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر کوئی آپ لوگوں میں سے مکہ واپس آ جائے گا تو ہم اس کو واپس نہ کریں گے اس آخری شرط پر صحابہؓ کو کافی تشویش تھی اور فاروق اعظمؓ بار بار یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم یہ ذلت اسلام میں کیوں قبول کریں مگر مصلحت آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اس کو بھی مان لو، اور نہایت ہی حکیمانہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بد نصیب ہمارے میں سے دبو لکفر آنا چاہتا ہے تو آنے دو ایسے کی ہمیں کیا ضرورت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کرنے کا ارادہ کیا ہو یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں میں جانا چاہتا ہے تو جانے دو ایسے بد بخت کی ہمیں کیا پرواہ ہے اور اگر کوئی مسلمان کفار کی قید و بند میں ہوگا اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے واسطے راستہ خاصی کا پیدا فرما دے گا۔

یہ حکیمانہ بات سن کر صحابہ کے دل مطمئن ہو گئے صلح کا تمام معاملہ طے ہو گیا دستخط ہو گئے اور آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں (کیونکہ وہ حصہ حرم میں داخل تھا) ہدی کا جانور ذبح کیا اور احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں مقام کراع نعیم یا ضحیمان پر یہ سورت فتح نازل ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ نے ۷ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح کیا جو مدینہ منورہ کے شمال کی جانب واقع ہے یہود کا بڑا عظیم مرکز تھا خیبر پر حملہ میں صرف وہی چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ تھے جو حدیبیہ کی بیعت الرضوان میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے پھر حسب معاہدہ ۷ ہجری ذی قعدہ ثمرۃ القضاء کے

لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا عہد نامہ میں دس سال تک ہاہم لڑائیوں کا سلسلہ بند کر دینے کا معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقض عہد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف نوح کشی فرمائی اور رمضان المبارک میں اس کو فتح فرمایا تو حق تعالیٰ شانہ نے حدیبیہ میں جو بشارت فتح نازل فرمائی تھی وہ پوری ہو گئی۔

معاہدہ حدیبیہ اسلام کی عزت و سربلندی اور فتح عظیم:

معاہدوں کی نزاکت بڑی ہی اہم ہوتی ہے، قوموں کے درمیان معاہدوں میں بسا اوقات طبعی جذبات اور قومی عظمت و وقار کا مسئلہ بڑی ہی رکاوٹوں کا باعث ہوتا ہے اور پھر یہ کہ معاہدے صرف کسی موجودہ معاملہ اور وقتی مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ ایک طویل مستقبل کے مقاصد اور نشیب و فراز اور عواقب و نتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پائیدار عظمت و عزت اور اصل مقصد کی کامیابی کس صورت میں ہے اگر وقتی طور پر کوئی بات ظاہری مغلوبی اور ہستی کی ایسی مان لی جائے جس میں آئندہ کی عظمتیں اور غلبہ و کامیابی مضمحل ہو تو بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ وقتی عزت و سربلندی یا اپنی بات رہی جانے کے مسئلہ کو ہار مانے طاق رکھ کر حقیقی عزت اور غلبہ کی جانب کو ترجیح دی جائے معاہدہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی معجزانہ تدبیر اے پناہ بصیرت و عواقب پر صحیح نظر اور اسکے واسطے بہترین فیصلہ پھر یہ کہ طبعی جذبات پر قابو رکھنا صبر و استقامت جیسے اوصاف واضح طور پر نمایاں ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں:

”حدیبیہ“ کی صلح بظاہر ذلت و مغلوبی کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر باری النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی صلح کی ظاہری صلح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو مرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلواریں سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ و رسوہ علم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ”فتح مبین“ رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں یہ بہت بڑی فتح ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو و درگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے یہ وہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استحباب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر ﷺ کی شان پیغمبری کا سکہ

بھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ نبی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متبرہ کر دیا کہ یہ صلہ اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاف اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سننے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال و اطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے خالد بن الولید اور عمرو بن العاص جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر دیا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور تنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل اہل ہو گیا حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جاٹ تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کاشفک جبرار آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زرین دیباچہ کے تھے اور اس تحمل و توکل اور تعظیم حرمت اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی جن علوم و معارف قدسیہ اور باطنی مقامات و مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جس طرح سناطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے، (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ ﷺ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی اور بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا، صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں 249! اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا، فرماتے: افلا اکون عبدا شکورا۔ (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی غفر م کے تحت میں پہلے ہی آچکی ہے) جبرائیل کے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ (کذابی الفو الحدیثیہ)

پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بدیل بن ورقاء اور مرکز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری:

عروہ بن مسعودؓ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجب منظر دیکھا حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تھے جو پانی آپ کے اعضاء سے جدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے جب آپ ناک کی ریش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپ کا اگر کوئی بال گرنا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفیؓ نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسری، قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتا دو کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے حضرت عمرؓ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کر سکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو ابوسفیان در دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتا دیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ نے قریش مکہ کو پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں لبتہ تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیت رضوان کا واقعہ:

جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کر لی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صحابہؓ سے بیعت لینا شروع کی اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کر لی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ حضرت عثمانؓ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود بیعت کر لی

اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ: **لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ** نازل ہوئی اس لیے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان معروف ہو گیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں) اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضرات صحابہؓ نے بیعت کی اس کا ثواب مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا تمغہ بھی نصیب ہو گیا جس کا قرآن مجید میں اعلان ہو گیا جو رتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لیے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھ لو محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہو گئے۔ سہیل بن عمرو نے خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہو گئیں۔

(صحیح بخاری، باب الشروط فی الجہاد ص ۲۷۷ ج ۱ اور جامع معالم الشریعہ ص ۱۹۹ ج ۲ ص ۲۰۳)

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرط:

صحیح بخاری ۳۸۲، ۳۷۱ اور صحیح مسلم ۱۰۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علیؓ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان لکھ دیا **هذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ** اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو ماننے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبد اللہ لکھیے آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ ”رسول اللہ“ کو مٹا دو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں **هذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد اللہ** لکھا گیا۔

صحیح مسلم ۱۰۵ ج ۲ میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ **باسمک اللہم** ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمایا)۔ (کنز الدوری)

الہدایہ والنہایہ ۱۶۸ ج ۴ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے:

هذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ سہیل بن عمرو، اصطلاحاً علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یا من فیہن اناس ویکف بعضهم عن بعض، وعلی انہ من اثنی محمدًا من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیہم، ومن جاء قریشاً من مع محمد لم یردہ علیہ، وان بیننا عیبة مکفرةً وانہ لا اسلال ولا اغلال، وانہ من احب ان یدخل فی عقد محمد وعہدہ دخل فیہ من احب ان یدخل فی عقد قریش

و عهدهم دخل فية وانك ترجع عامك هذا فلا تدخل علينا مكة، وانه اذا كان عام قابل خرجنا عنك
 ودخلتها باصحابك فاقمت بها ثلاثا ثم اعدت سلاح الراكب، السبوف في القرب لا تدخلها الغيرها.
 : یہ دو صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

(۱) اس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے، ان دس سالوں میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے
 پر حملہ کرنے سے رکھیں گے۔

(۲) قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آ جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

(۳) اور محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

(۴) اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے ارمین ٹھنڈی بند رہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے لڑائی والی بات کو
 ٹھنڈی کی طرف باندھ کر ڈال دیں گے اور بعض حضرات نے ٹھنڈی بند رکھنے کا یہ معنی بتایا ہے جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے
 دل سے ہے دل ٹھنڈیوں کی طرف نہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں ہذا ہماری یہ ٹھنڈی نہ کھلے گی) اور کوئی فریق
 دہوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

(۵) نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر
 شرط کی پابندی کی جائے گی)

(۶) اور جو شخص محمد ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

(۷) اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے اسے اس کا اختیار ہے۔

(۸) آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

(۹) اور آئندہ سال اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

(۱۰) اس وقت جب عمرہ کے لیے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے

تو اس میں نیاموں میں ہوں گی اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۱ کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہیں اور

بنو بکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے عہد میں ہیں پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کی مدد کر دی

جب بنو خزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری (صحیح بخاری باب

الشرط فی الجہاد ص ۳۳۷ ج ۱ اور راجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ص ۱۰۳ ج ۱) اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی

داؤد میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال و جواب:

حضرت عمرؓ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا گیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قال کے ذریعہ) ہو واپس ہو جائیں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا ابو جندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چو لیکن رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابو جندل کو وہیں چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرما دے گا (اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہوگا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱)

حلق رؤس اور ذبح ہدیا:

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدیا کو ذبح کرو اور سر منڈا لو یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرات صحابہؓ اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھول نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے۔ آپ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی الہیہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر منڈانے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ذبح اور حلق والے کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کیے بغیر اپنے انہوں کو ذبح فرمادیں اور بال منڈانے والے کو ہرا کر اپنے سر کے بال منڈا دیں آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہ نے دیکھا کہ آپ ہدیا ذبح فرما رہے ہیں اور حلق کروالیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے، وراپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر منڈانے لگے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰)

حضرت ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ:

وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا ابوبصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے کہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لیے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق ان کو

واپس کر دیا واپسی میں جب ذوالخلیفہ پہنچے تو حضرت ابوبصیرؓ نے ان دو آدمیوں میں سے جو نہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خونخوار بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں مجھے سے حضرت ابوبصیرؓ بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی ہے آپ نے مجھے واپس کر دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا یہ سن کر ابوبصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابوجندلؓ کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور ابوبصیرؓ کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں سمندر کے کنارے ایک جماعت انہی ہوئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلے کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورت حال سامنے آئی تو قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا کہ آپ ان لوگوں کو بلا لیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو یہ پیام بھیج دیا کہ واپس آ جاؤ۔ (صحیح بخاری ص ۸۰۳)

رسول اللہ ﷺ نے ابوبصیرؓ کے ساتھ دیا کہ مدینہ منورہ آ جاؤ جس جب قریشی نامہ پہنچا تو وہ سکرانے موت میں تھے ان کی موت سے موت میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اب قریشی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوجندلؓ نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنائی اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے ان میں شریک کر کے اور وہیں جہاد میں شہید ہوئے۔ (صحیح بخاری ص ۸۰۳)

اہل ایمان پر اہل مشرکوں کا احسان اور اہل مشرکوں کی بدعالی اور اخذیب کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اہل میں احسان و اہل ایمان کو نازل فرمایا۔ ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اہل ایمان و مومنین کو عزت و کرامت کی صفوں میں داخل فرمائے گا جن کے پچھلے گناہیں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا غم دور فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو مذابحہ کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں۔ اول انظر الیہن ہنکھن الشؤہ (کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ برا کمان رکھتے ہیں) اس برے کمان میں یہ بھی داخل ہے یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے کہ مومنین مظلوموں کے اور ان کے اہل کے ہمت سے محفوظ ہو کر وہاں مدینہ منورہ آئیں گے چونکہ اپنے قبلی جذبات میں اور اقتادات میں منافق عورتیں اور مشرک عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ ہوتی ہیں اس لیے انہیں بھی وہیں شریک کر لیا گیا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ: عَلَيْهِمْ ذَايِرًا السَّوَاءُ کہ ان پر برائی کی چکی گھومتی والی ہے یعنی انیاس تقبول اور ماثول ہوں گے اور اسلام کی ترقی ان کے قلبی احساسات کے لیے سو ان روح نبی رب کی۔

تیسری اور چوتھی بات یہ بتائی وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اور اللہ ان پر لحدہ ہو اور ان پر لعنت سردی اور پالچھین بات بتائی اَعَدَّا لَهُمْ جَهَنَّمَ کہ ان کے لیے جہنم کو تیار کر دیا اور آخر میں اس مضمون لَوْ سَأَلْتُ هَٰؤُلَاءِ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

پھر فرمایا: وَيَلْبِسُهُ جَنُودَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں سے اور زمینوں سے لشکر۔ ان آیات میں یہ مضمون دوسرے بیان فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ جس سے چاہتا ہے لے سکتا ہے ان میں کافروں کو بھی بھیج دیتا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان تمہارے سے ہیں ہم انہیں اپنا نہیں لے سکتا ان کے علاوہ بھی اللہ کے لشکر ہیں اس لیے ان کی تعداد کو نہ دیکھیں اللہ اپنے دوسرے لشکروں سے بھی کام لے سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے بھی تذکیر ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ تمہاری تائید سے لے اور کافروں کو ذلت دینے کے لیے اپنی دوسری مخلوق کو بھی استعمال فرما سکتا ہے۔

ناکہ ۱: ان آیات میں ایک جگہ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا اور ایک جگہ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيمًا حَكِيمًا فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عليم بھی ہے اسے اپنے دوستوں کا بھی علم ہے اور دشمنوں کا بھی وہ سب سے خوب پہلن و جانتا ہے وہ لایز بھی ہے یعنی وہ زبردست ہے اس کے فیصلے اور ارادے کوئی پٹ نہیں سکتا اور وہ جیسے بھی ہے اپنی صورت سے جانتا ہے چاہتا ہے انعام دیتا ہے جسے چاہتا ہے عقاب و عذاب میں جتنا فرماتا ہے۔

ناکہ 2: آیت کریمہ میں جَوْنِيغْفِرَنَّ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَهَاتَاكَ فِرًّا يَدِينُ بِهِنَّ انہوں نے اس سے کہا کہ حق تعالیٰ واپس لے کر انہیں ہے کیونکہ حضرت انبیاء کے گناہوں کا صدور نہیں ہوتا بلکہ اللہ ہی انہیں بخشتا ہے اور انہیں ان گناہوں سے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فد یہ لینے میں آپ نے فد یہ لینے والوں سے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ جنس منافقین نے بہاد میں نہ ماننے کی جازب و علی آپ نے بہاد فرمایا ان سے خلفا خلفا يَذُوقُوا نَارَهُمْ میں بیان فرمایا اور جیسا کہ حضرت ابن مسعود کا عرض تھا نبی سے آنے پر آپ کو نہیں ہوا۔ اس وقت یہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ کے چہرہ انور پر ظاہر ہو گیا کیونکہ آپ اس وقت کافروں کو انہیں موت دے دیتے تھے اس پر غمگس و نولی نازل ہوئی اس کے وجود کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کا سب ہمہ معاف فرمایا پھر بھی آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے آپ رات کو نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدموں مبارک پر روضہ آسمانی تھا اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں پھٹنے لگے تھے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کا سب ہمہ معاف فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ (صحیح بخاری ص ۱۰۰ ج ۱۰)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا کرم فرمایا تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں ہے کہ عبادت کم کروں اسان مندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اور زیادہ عبادت میں لگ جاؤں۔

وَاٰرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا

رسول اللہ ﷺ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں:

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول شاہد ہونا دوسرے مبشر ہونا تیسرے نذیر ہونا عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں، قیامت کے دن آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورہ بقرہ وَتَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا اور سورہ الحج لَتَكُونُ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْنَا عَلَيْنَا میں بیان فرمایا ہے دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی ڈرانے والے ہیں مبشر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور نذیر یعنی کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاء کا کام تھا، خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا احادیث شریفہ میں آپ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات تو ریت شریف میں بھی مذکور ہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا: لَتَكُونُوا بِاَنْفُسِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ دین کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو، عقیدہ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يَبَايِعُوْنَ اللّٰهَ.....

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے:

جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام تھا اور حضرات صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آ جانے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی نضاہن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہؓ سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ ہم کر جہاد کریں گے پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں انکی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی طاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے سورہ النساء میں واضح طور پر فرمایا: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ

بیعت کے لیے ضروری ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ رکھے ہو، زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لیے ارشاد فرمایا: **يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ** کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اعضاء اور جوارح سے تو پاک ہے لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لیے اور اس بات کو مؤکد کرنے کے لیے جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اس لیے **يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ** فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جارہی ہو اس لیے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کے لیے فرمایا: **فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ** (کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا) معاہدہ کر کے توڑ دینا تو ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے پھر جبکہ معاہدہ کو بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جب اللہ کے رسول سے بیعت کر لی تو اس کو پورا کرنا ہی کرنا ہے۔

وَمَنْ أَوَّلَىٰ بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهِ اللّٰهُ فَمِئُتِيهِ اَجْرٌ عَظِيْمًا (اور جو شخص اس عہد کو پورے کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا)

فائدہ: اصحاب طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و تبرک ہے اگر کسی شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے لیکن اگر شیخ خلاف شریعت کسی کام کا حکم دے تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے، اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ خَوَالِ الْمَدِينَةِ أَيِّ الدِّينِ خَلَفَهُمُ اللَّهُ عَنْ صُحْبَتِكَ لَمَّا طَلَقْتَهُمْ
يَخْرُجُوا مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ خَوْفًا مِنْ تَعْرُصِ قُرَيْشٍ لَّكَ غَامُ الْحَدِيثِ إِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا شَغَلْتَنَا أَمْوَالُنَا وَ
أَهْلُونَا عَنِ الْخُرُوجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اللَّهُ مِنْ تَرْكِ الْخُرُوجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالَى مُكَذِّبًا لَهُمْ يَقُولُونَ
بِالْحَيْبَةِ أَيُّ مِنْ طَلَبِ الْإِسْتِغْفَارِ وَمَا تَبَهُ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ فَهُمْ كَادِبُونَ فِي اعْتِدَارِهِمْ قُلْ لَنْ
اسْتَفْهَامٍ بِمَعْنَى التَّنْبِيهِ أَيُّ لَا أَحَدٌ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ صَرًّا بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا أَوْ أَرَادَ
بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُنْصِفًا بِذَلِكَ بَلْ فِي الْمَوْضَعَيْنِ لِلِإِتِّقَالِ مِنْ
عَرَضِ إِلَى الْخُرُوجِ لَمَّا تَقَلَّبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَرَبِّكَ فِي قُلُوبِكُمْ أَيُّ أَنَّهُمْ
يَسْتَأْضِلُونَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُونَ وَكَلَّمْتُمْ ظُلْمَ السَّوَادِ هَذَا وَغَيْرُهُ وَكَلَّمْتُمْ قَوْمًا بُورًا جَمْعُ نَابِرٍ أَيُّ
هَذَا الْكَيْفِ عِنْدَ اللَّهِ بِهَذَا الظَّنِّ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا نَارًا شَدِيدَةً وَبَلَّوْا

مَلِكِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا
بِعَادَةِ كِبَرِ سَمَقُولِ الْمُخَلَّفُونَ ۖ أَلَمْذُ كُورُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَعَالِمِهِ مَغَانِمٍ خَيْرٌ لِّتَأْخُذَ وَهَذَا ذُرُونًا
أَتْرُكُونَا لِنَبْعِكُمْ ۖ لِنَأْخُذَ مِنْهَا يَرِيدُونَ بِذَلِكَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَةَ اللَّهِ ۗ وَفِي قِرَاءَةِ كَلِمَةٍ بِكَسْرِ اللَّامِ أَيْ
مَوَاعِيدُهُ بِغَنَائِمٍ خَيْرٌ أَهْلُ الْحَدِيثِ خَاصَّةً قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ أَيْ قَبْلَ عَوْدِنَا
فَسَيَقُولُونَ بَلْ نَحْضُدُونَ ۗ أَنْ نُصِيبَ مَعَكُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذَلِكَ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ مِنَ الدِّينِ إِلَّا
وَلَيْلًا ۝ مِنْهُمْ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ أَلَمْذُ كُورِينَ اخْتِيارًا سُدَّ عَوْنَ إِلَى قَوْمِ أُولَى أَصْحَابِهِ بَأْسٍ
شَدِيدًا قَبْلِ هُمْ بَنُو حَنْظَلَةَ أَصْحَابِ الْيَمَامَةِ وَقَبِيلُ فَارَسَ وَالثَّرُومُ ثَقَاتِلُوتُهُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ هِيَ الْمَدْعُورُ
إِلَيْهَا فِي الْمَعْنَى أَوْ هُمْ يُسَلِّمُونَ ۖ فَلَا تُقَاتِلُون ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا إِلَى قِتَالِهِمْ يُؤْتِكُمْ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا
كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلِ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ مَوْلَمَا لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ
حَرَجٌ ۖ فِي تَرْكِ الْجِهَادِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ بِالْبَيَاءِ وَالنُّزْنِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ
يُعَذِّبْهُ بِالْبَيَاءِ وَالنُّزْنِ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

الفتح

ترجمہ: جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی
صحت سے محروم رکھا۔ جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کیلئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ
سے الجھنے پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال و عیال نے مہلت نہ
پینے دی (آپ کے ساتھ چلنے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے۔ (اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ
نہیں جاسکے۔ آگے ان کو جھلاتے ہوئے جو ابا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں (یعنی
استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہذا معذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے
اچھا وہ کون ہے (استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار
رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضرر اذیتہ ضار اور ضمرہ ضار کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ
اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے
دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کیلئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس کبھی لوٹ کر
واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھاری تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو کر صفایا ہو جائے واپسی کی

نوبت ہی نہ آئے اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (یورہ باز کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کیلئے دوزخ (دہکتی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان وزمین کی سبطت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے (یعنی سدا اس کی بھی شان رہتی ہے) جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں (تا کہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) اور لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک تراءت میں بجائے کلام لفظ کلم کر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیبر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے ہی فرما دیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا۔ اس لئے تم نے یہ بات بنائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرما دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے (بعض کی رائے میں وہ بنو حنیفہ، بنو یمامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدرہ ہے اور بلحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ مطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سوا اگر تم (ان سے جنگ کرنے میں) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو داخل کرے گا (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے گا۔ اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعنی یا اور نون کے ساتھ ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: اٰھلہم: یہ اہل کی جمع ہے۔

قولہ: کلمہ: جمع کلمہ۔

قولہ: بئو حنیفۃ: یہ لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے۔

قوله: يَتَلَبَّثُونَ: یہ صل کر لیں گے تم سے قتال نہ کریں گے۔

تفسیر مقبولین

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ

مجاہدین کی کامیاب واپسی:

جو اعراب لوگ جہاد سے جی چاہ کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جراتی بڑی جماعت سے نکل لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے بال بچوں کو ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں مسودے کا نٹھنے لگے کہ اپنی مشیت نبی رہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بد باطن لوگ آ کر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور بال بچوں اور کام کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں ہماری جان تک حاضر ہے اپنی مزید ایمان داری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ سپرد نہ ہے وہ دلوں کے ہمید سے واقف ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے؟ تمہیں اور بناوٹ سے تمہاری ایمان داری اور نفاق سے وہ ٹھہری آگاہے ایک مجلس سے وہ خبر ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطورہ فریبی کے ہی تھا۔ صرف مور پر تمہارا نفاق اس کے باعث تھا تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی امت میں جبرنی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اور سب رسول کی نسبت بھی جین نیال کرتے تھے کہ یہ تم کو دینے چاہیں گے ان کی بھوسا اڑا دی جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ نفع سے گمان کی خبر تو کہہ لو ان بنیادیوں نے تمہیں ہمارا ہمارا کھاتھا دراصل برباد شدہ لوگ ہو کہا گیا ہے کہ (بوراء) نفاق ہے جو نفس اپنا نفع غافل سے نہ کرے اپنا عقیدہ منسوط نہ بنالے اسے اللہ تعالیٰ روزخ کی آگ میں مذاب کرے گا اور دنیا میں وہ بے نفاق اپنے باطن کے خباہت کرتے رہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور مذاب پر قادر وہی ہے لیکن بے غمور اور حیم جو بھی اس کی طرف بچکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا درگھٹنٹانے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرماتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رجم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

مال غنیمت کے طالب:

ارشاد الہی ہے کہ جن ہمدی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسول اور صحابہ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضور ﷺ کو دراز صحابہ کو خیر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مصیبت کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لیا جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کھن وقت پر ساتھ نہ دیں اور آرام کے وقت مل جائیں ان کی چاہت ہے کہ کلام الہی کو بدل دیں یعنی اللہ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ کے اس وعدے میں مل جائیں تاکہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الہی ہے: (فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوا لَهَا لِيُخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَئِنْ تَقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا) (التوبة: ۸۳) یعنی اے نبی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ پیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۃ برأت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوہ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے ابن جریج کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو تم نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَثَلٌ عَمَّا سَأَلْتَهُمْ.....

وہ سخت لڑاکا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کوئی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوگی ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے حضرت سفیان فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی

جو تیاں بال دار ہوں گی حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اس سے مراد کہ لوگ ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد تال تم پر شروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کر دو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں السناک عذاب ہوگا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔ پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے روگردانی کرے گا یعنی بے گناہ اور بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَفَى اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ بِالْحُدَيْبِيَةِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ هِيَ سَمْرَةٌ وَهُمْ أَلْفٌ وَثَلَاثُ مِائَةٍ أَوْ أَكْثَرَ
 لَمْ يَأْتِعْهُمْ عَلَى أَنْ يَبَاجِرُوا وَتُرِيشُوا وَأَنْ لَا يَفِرُّوا عَلَى الْمُؤْتِ قَعِيمَ اللَّهِ مَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ
 فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَآتَاهُمْ تَفَاتِيرًا ۖ هُوَ فَتْحٌ خَبِيرٌ بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ وَ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
 يَأْخُذُونَهَا مِنْ خَيْبَرَ وَ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُنْصِفًا بِذَلِكَ وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
 تَأْخُذُونَهَا مِنَ الْمُتَوْخَاتِ فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ عَيْبَةَ خَيْبَرَ وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ بِنِي عِيَالِكُمْ لَمَّا
 خَرَجْتُمْ وَ هَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُودُ فَكَذَّفَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَ لِيَتَلَوْنَ أَيْ الْمُعْجَلَةَ عَطْفَ عَلَى مُقَدَّرِ
 أَيْ لِتَشْكُرُوهُ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ بِنِي نَصْرِهِمْ وَ يَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ أَيْ طَرِيقُ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَ تَقْوِيَتِهِ
 الْأَمْرِ إِلَيْهِ تَعَالَى وَ آخِرَى صِفَةِ مَغَانِمِ مُقَدَّرٍ مُبْتَدَأَ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا هِيَ مِنْ فَارَسٍ وَ الرُّومِ قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ
 بِهَا ۚ عَلِمَ أَنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ وَ كَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُنْصِفًا بِذَلِكَ وَ لَوْ قَاتَلَكُمْ الَّذِينَ
 كَفَرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ لَوَكَّوْا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وِلِيًّا بِحُرِّهِمْ وَ لَا لَيْصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ مُضَدُّ مَوْكَدٍ
 لِنُصُصُونَ الْجُمْلَةَ قَبْلَهُ مِنْ هَزِيمَةِ الْكَافِرِينَ وَ نَصْرِ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ سَنَّ اللَّهُ ذَلِكَ الَّتِي قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ
 لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ مِنْهُ وَهُوَ هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ بِالْحُدَيْبِيَةِ

مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ فَإِنَّ ثَمَاتَيْنِ مِنْهُمْ طَأُوْا بِعَسْكَرِكُمْ لِيَصِيْبُوْا مِنْكُمْ فَاخْذُوْا وَاْتَيْنِيْ بِهِمْ اِلَى
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَقَّاعْتَهُمْ وَخَلَى سَبِيْلَهُمْ فَكَانَ ذَلِكَ سَبَبَ الصُّلْحِ وَكَانَ اَنْتَ هَا
تَعْمَلُوْنَ بِصِيْرًا ۝ بِالْبَيْاءِ وَالتَّاءِ اَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدَّكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَيُّ عَنِ
الْوُضُوْلِ اِلَيْهِ وَالْهَدْيِ مَعْطُوْفٌ عَلٰى كُمْ مَعْكُوْمًا مَّحْبُوْبًا سَاخَالٌ اَنْ يَّبْلُغَ مَجَلَّةٌ اَيُّ مَكَانَةَ الَّذِي يَنْحَرُ
فِيْهِ غَاذَةٌ وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلِ اسْتِمَالٍ وَكَوْلا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ مُّوْجُوْدُوْنَ بِمَنْكَةِ مَعَ الْكُفَّارِ
لَمْ تَعْلَمُوْهُمُ بِصِفَةِ الْاِيْمَانِ اَنْ تَطَّوَّهُمْ اَيُّ تَقْتُلُوْهُمُ مَعَ الْكُفَّارِ لَوْ اِذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ بَدَلِ اسْتِمَالٍ مِنْ
هُمُ فَصَيَّبَكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً ۝ اَيُّ اَنْتُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ مِنْكُمْ بِهِ وَضَمَائِرُ الْعَيْنِيَّةِ لِلضُّنْفِيْنَ بِتَغْلِيْبِ الذِّكُوْرِ
وَخَوَابٍ لَّوْلا مَحْدُوْفٌ اَيُّ لَا اِذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ لِكِنْ لَمْ يَزِدْنِ فِيْهِ جَنِيْدٌ لِيَدْخُلَ اِنَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ
كَالْمُؤْمِنِيْنَ الْمَدْكُوْرِيْنَ لَوْ تَزَيَّلُوْا تَمَيُّزًا عَنِ الْكُفَّارِ عَدَابًا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ مِنْ هَرَبِ مَكَّةَ جَنِيْدٌ
بَانَ نَادِي لَكُمْ فِي فَتْحِهَا عَدَابًا اِلَيْمًا ۝ مَوْلَانَا اِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقًا عَدَسًا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَنِ فِي قَوْمِهِمْ
الْحَبِيَّةَ الْاَنْفَةَ مِنَ الشَّيْءِ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ نَزَلَ مِنْ اُحْمَبِهِ وَهِيَ صَدُّهُ سَنَى صَنِى سَهُ عَلَيْهِ وَسَدَمَ
وَأَصْحَابُهُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَةً عَلٰى رَسُوْلِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فَصَادَحُوْهُ عَنِ اَنْ
يَعُوْذُوْا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ يُلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَبِيَّةِ مَا لِحِقَ الْكُفَّارِ حَتَّى يُنَائِلُوْهُمُ وَالْوَمَّهْمُ اَيُّ اُسُوْمِسَ كَلِمَةً
التَّقْوَى لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَأُصْنِفَ اِلَى النُّفُوْسِ لِاَنَّهَا مَسْتَهَا وَكَانُوا مَعَهَا مَكْسَةً مِنْ
ع الْكُفَّارِ وَاهْلُهَا ۝ عَطْفٌ تَفْسِيْرِيٌّ وَكَانَ اَنْتَ بِحُلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ اَنْ يَزَلَ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَمِنْ مَعْنُوْمَاتِهِ
تَعَالَى اَنْتُمْ اَهْلُهَا

تو کچھ تھا: یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہو گیا۔ جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے (جو کبیر کا
تھا۔ اور یہ مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرت سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور
مرنے سے جی نہیں چرائیں گے) اور (اللہ کو) معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ (وفد داری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے
انہیں اطمینان پیدا فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھوں فتح دے دیا (حدیبیہ سے واپسی پر خیر فتح کرا دیا) اور بہت سی غلطیوں بھی جن کو
یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیر) اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے (ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے)

اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن (فتوحات) کو تم حاصل کرو گے، سو سردست تمہیں یہ (خیر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (تمہارے اہل و عیال سے جب تم خیر میں چپے گئے اور یہود نے ان اہل و عیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر بیت طاری کر دی) اور تاکہ ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہو رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے تشکوہ و لتکون) اہل ایمان کیلئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ پر بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغنم مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فادس و روم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کیلئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہیں پائیں گے اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا (کیونکہ ۱۸۰ اسی کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے درپے ہو کر مگر پکڑ لئے گئے اور حضور کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرما دیا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا) اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (یعلمون یا اور تاکہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (تک پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہو رہا ہے) جو رکھا ہوا (بمعنی منع یہ حال ہے) رہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادت قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم۔ یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمان کی) ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں ہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر ہم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ غائب کی ضمیریں مرد و عورت دونوں کی طرف راجع ہیں۔ لولا کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ لا ذن لکم فی الفتح لکن لہم یوذن فیہ حیثئذ) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مومنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے) تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) درناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق غزنا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حیثیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی مول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا (لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سب تقویٰ ہے) اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کے نسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے) اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: **يَنَاجِرُوا قُرَيْشًا**: تاکر قریش سے قتال و مقابلہ کریں۔
 قوله: **مُقَدَّرٍ مُّبْتَدَأً**: مَعَانِمٍ موصوف کہ مُقَدَّرٌ وَاَصْفَت ہے مبتداء۔ قد احاط یہ خبر ہے۔
 قوله: **دَلِكِ سَةِ**: یعنی اپنے انبیاء کو غلبہ دینا جیسا فرمایا: لا اغلبن انا ورسلی۔
 قوله: **بِطَيْنِ مَكَّةَ**: حرم میں کیونکہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم سے ہے۔
 قوله: **مَجَلَّةٌ**: وہ مقام جہاں ہدی ذبح ہوتے ہیں اور وہ حرم ہے۔ یہ مسجد حرام سے بدل الاشتمال ہے۔
 قوله: **مِنْهُمْ**: سے وہ مرد ہیں جو لم تعلموہم میں مذکور ہیں۔
 قوله: **مَعْرَةَ**: گناہ ناپسندیدہ بات۔
 قوله: **اِنَّكُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ**: یہ تَطَوُّهُمْ سے متعلق ہے۔
 قوله: **الْاَنفَةِ**: یہ استنکاف کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ

اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے بھی ان الذین بسايعونك میں آچکا ہے یہ آیت بھی اسی سے متعلق اور اس کی تاکید ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے اسی لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے ان شرکاء بیعت کی مدح اور ان کو اس عہد کے پورا کرنے کی تاکید ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو نفر کی تھی ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انتم خیر اهل الارض، یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو اور صحیح مسلم میں ام ہشیر سے مرفوعاً روایت ہے کہ: لا یدخل النار احد من بايع تحتہ، الشجرة، یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا (مظہری) اس لئے اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاء غزوہ بدر کی ہے جیسا ان کے متعلق قرآن و حدیث میں رضائے الہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے۔ یہ

بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الہی کا یہ اعلان اس کی مہانت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کی خلاف ہے:

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا یہ اعلان فرما دیا ہے، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے۔ پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بدیہتی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر و عمر اور درے صحابہ پر کفر و نفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرۃ رضوان:

شجرہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک بول کا درخت تھا اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جبلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے بچھلی امتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گرا پئے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں اس کے بعد حضرت سعید بن مسیب کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر ان کو دی، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہو گئی اس کا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہو گیا اس لئے اس کو قطع کر دیا ہو۔ کیا بعید ہے۔

فتح خیبر:

خیبر درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں۔ (مظہری) وَأَكَابَهُمْ فَتَقَاتَرِيهَا ۖ اس فتح قریب سے مراد بافتاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد واقع ہوئی ہے بعض روایات کے مطابق تو حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس روز اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہو گئے اور ابن اسحق کی روایت کے مطابق آپ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ واپس

تشریف لائے اور محرم ۶ ہجری میں آپ فرود خیر کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ صفر ۷ ہجری میں خیر فتح ہوا۔ واقعہ کی مغازی میں یہی لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہی راجح ہے۔ (تفسیر مظہری)

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ فتح خیر سفر حدیبیہ سے کافی دنوں کے بعد پیش آیا ہے اور سورۃ فتح کا سفر حدیبیہ کے دوران نازل ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پوری سورت اسی وقت نازل ہوئی یا کچھ آیتیں بعد میں آئیں۔ اگر پہلی سورت راجح ہو تو ان آیتوں میں واقعہ خیر کا بیان بطور پیشگوئی کے ہو اور اس کو بیضہ ماضی قطعی اور یقینی ہونے کی بناء پر تعبیر کیا گیا اور اگر دوسرا قول راجح ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیتیں بعد وقوع فتح خیر کے نازل ہوئی ہوں واللہ اعلم۔

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَارِمًا كَثِيرًا.....

فتح و نصرت اور اموال غنیمت کا وعدہ اور کفار کی اپنے ہمدردی میں ناکامی:

ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور جد کی سب غنیمتیں ہیں جلدی کی غنیمت سے مراد خیر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے اس اللہ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے ہمدردوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا نہ مکے کے کافروں کے نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے۔ نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو ستا سکے یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے امت نہ ہار دیں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو، بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول ﷺ اور سچی جانثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا جو تمہارے بس کی نہیں لیکن اللہ خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دے گا سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا؟ خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں اس غنیمت سے مراد خیر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا یا مکہ کی فتح تھی یا فارس اور روم کے مال ہیں یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کفار سے مرعوب اور خائف نہ ہوں اگر کافر مقابلہ پر آئے تو اللہ اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا یہ پیٹھا دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل کو ہادیتا ہے جیسے کہ ہمدردوں نے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو ہمدرد سامان تھے شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے میرے احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرم کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں اور ان میں صلے کرادی جو

در اصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے کیا دنیا کے اعتبار سے اور کیا آخرت کے اعتبار سے وہ حدیث یاد ہوگی جو اسی سورت کی تفسیر میں بروایت حضرت سلمہ بن اکوع گذر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اندس میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو ان کی طرف سے ہی ابتدا ہو۔ ورنہ انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو اسی بابت یہ آیت اتری، مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبل (تعمیم) کی طرف سے چپ چپاتے موقعہ پا کر اتر آئے لیکن حضور ﷺ غافل نہ تھے آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا سب گرفتار کر لئے گئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے ازراہ مہربانی ان کی خطا معاف فرمادی اور سب کو چھوڑ دیا، اور نسائی میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے ہم لوگ بھی آپ کے ارد گرد تھے اس درخت کی شاخیں حضور ﷺ کی کمر سے لگ رہی تھیں حضرت علی بن ابوطالب اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے حضور ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو اس پر سہیل نے حضور ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رخصت اور رحیم کو نہیں جانتے ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھو ایسے، پس آپ نے فرمایا (باسمک اللہم) لکھ لو۔ پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اہل مکہ سے صلح کی اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا اس صلح نامہ میں وہی لکھوائے جو ہم میں مشہور ہے تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ ﷺ نے اہل مکہ سے صلح کی اتنے میں تیس نو جوان کافر ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی اللہ نے انہیں بہرا بنا دیا ہم اٹھے اور ان سب کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دیا ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے ارگڈر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا اس پر یہ آیت (وَهُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَرْضِهِمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْعُو إِلَى الْإِسْلَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْعُو إِلَى الْكُفْرِ وَمَنْ يَدْعُو إِلَى الْكُفْرِ يَكْفُرْ وَمَنْ يَدْعُو إِلَى الْإِسْلَامِ يَكْفُرْ لَمَّا تَبَيَّنَ لِلنَّاسِ خُرُوجُهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ ذِي بَأْسٍ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ إِنَّ اللَّهَ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ لِيُخَلِّفَ فِيهِ مِمَّنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ) اتر گیا۔ انہوں نے کہا آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ان سے صلح کر لی؟ آپ نے فرمایا نہیں، حضور ﷺ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے سب ہتھیار اور کل سامان منگو لیا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا آپ مکہ نہ آئیں آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہا ہے آپ نے حضرت خالد بن ولید سے فرمایا اے خالد تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے حضرت خالد نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ کی تلوار ہوں اور اس کے رسول ﷺ کی اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے گھائی میں دونوں کی ٹڈ بھڑ ہوئی حضرت خالد نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جھے اسے مکہ کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالد واپس آ گئے لیکن پھر دوبارہ وہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں میں پہنچ گیا وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا اسی کا بیان آیت: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (النفا: ۲۴) میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضور ﷺ کی ظفر مندی کے کفار کو بھی بچا لیا تاکہ جو مسلمان ضعفاء، ور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر

کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالہ مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلائیہ کے یہ اس دن سردار تھے جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عمرہ القضاء کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضور ﷺ آئیں عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں چنانچہ اسی قرار داد کے مطابق جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ و جدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو آپ جنگی حیثیت سے گئے تھے لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے پس اس روایت میں بہت کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت واقع ہوئی ہے خوب سوچ لینا چاہیے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس کے مولیٰ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور ﷺ کے لشکر کے ارد گرد گھومتے رہیں اور موقع پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں یہاں یہ سارے کے سارے پکڑے لئے گئے لیکن پھر حضور ﷺ نے انہیں معاف فرمادیا اور سب کو چھوڑ دیا انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بازی کر کے ان کو شہید کر دیا حضور ﷺ نے کچھ سواران کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سو تھے گرفتار کر کے لے آئے آپ نے ان سے پوچھا کہ کوئی عہد و پیمانہ ہے؟ کہا نہیں لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ يَدَيْهِمْ عَنْكُمُ وَاَيْدِيكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (فتح: ۲۴) نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار:

مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل یہ لوگ کفر پر ہیں انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق بیت اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب ان کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ مرد دست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں یہ راز پوشیدہ تھے کہ ابھی چند کزور مسلمان مکہ میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعہ اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم مل مکہ پر چھا پے مارتے تو وہ سچے مکہ مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے طس میں تم ہی مستحق گناہ اور مستحق دیت بن جاتے، پاس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے بنا دیا تاکہ ان کزور مسلمانوں کو ہمدردا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لے آئیں۔ اگر یہ مؤمن ان میں نہ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت قابو دے دیتے اور ان کا نام منادیے حضرت جنید بن سہج فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے

ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا، ہمارے ہی بارے میں یہ آیت: لَوْ لَا رَجَاءُ لَئِنْ نَزَلَ هَوْنًا وَهُوَ غَافٍ فِي سَعَاتِهِ مَرْدُودٌ تَمُوتُ (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم نین مرد تھے اور نوجوڑ تھیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر یہ مؤمن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیئے جاتے۔ پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت و حمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں آیت (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) لکھنے سے انکار کر دیا حضور ﷺ کے نام کے ساتھ فقط رسول اللہ ﷺ لکھوانے سے انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مؤمنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جمادیا یعنی آیت (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) پر جیسے ابن عباس کافر مان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا ہوں جب تک کہ وہ آیت (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) نہ کہہ لیں جس نے آیت (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر حق اسلام کی وجہ سے اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا آیت (اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ) (الصافات: ۲۵) یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جل ثناء نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے۔ یہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ دے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا، ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جلے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اخلاص ہے عطا فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے حدیث (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) حضرت فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ) ہے حضرت علی فرماتے ہیں اس سے حدیث (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ) مراد ہے یہی قول حضرت ابن عمر کا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے حضرت زہری فرماتے ہیں آیت (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) مراد ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں مراد حدیث (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ہے پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے؟ اور مستحق شرکون ہے؟ حضرت ابی بن کعب کی قرأت اسی طرح ہے: (اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیْئَةَ الْجَاهِلِیَّةَ وَلَوْ حَمِیْتُمْ كَمَا حَمَوْا الْفَسْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا جب حضرت عمر کو اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی

معلوم ہوگا کہ میں حضور ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے تھے اس پر جناب عمر فاروق نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سکھایا ہے وہ پڑھئے اور سکھائیے۔ (نسائی) ان احادیث کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے مسند احمد میں حضرت مسور بن محزمہ اور حضرت مروان بن حکم فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا ستر اونٹ تریبانی کے آپ کے ساتھ تھے کل ساتھی آپ کے سات سو تھے ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا آپ جب عثمان پینچے تو بشر بن سفیان کعبی نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمانہ کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراغ ٹھیم تک پہنچا دیا یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھالیا کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا اور ان سے مقابلہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمادے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمص کے پیچھے سے اس راستہ پر چلیں جو (مذیہ المرار) کو جاتا ہے اور حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالد والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ نے راستہ بدل دیا ہے تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی، ادھر حضور ﷺ جب (مذیہ المرار) میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے ادغنی تھک گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو میں انہیں دوس گنا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پڑاؤ کی راہ میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا سے یہاں کے کسی کنویں میں گاڑ دو اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا اہل پڑاؤ تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا جب پڑاؤ ہو گیا۔ وہ وہ اطمینان سے بیٹھ گئے اتنے میں بدیل بن ورقہ اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں کو حضور ﷺ کے بارے میں بڑی غلٹ کی حضور ﷺ تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے اور اس کی عزت کرنے کو آئے ہیں تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھی قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں نہیں آنے دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا یہ غنہ شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا قریشیوں نے پھر حلیم بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو اللہ کے کاموں کی عظمت کرتی ہے اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی کے نشان دار جانور آ جا رہے ہیں اور رک جانے کی وجہ سے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں یہ تو وہیں سے حضور ﷺ کے پاس آئے بغیر لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو اللہ کے نام کے جانور قربان گاہ سے ر کے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے۔ اتنے دن ر کے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا اب انہوں نے مشورہ کر کے عردہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا عردہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس ہوئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا ان کی بے عزتی کی ان پر تہمت رکھی ان سے بدگمانی کی میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں آپ جائے۔ اب یہ چلا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شان و شوکت کو آپ ہی توڑنے کے لئے۔ سنئے یہ قریشی ہیں آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو جیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں وہ اللہ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمانہ کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے اللہ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے ارد گرد کھڑے ہوئے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے، یہ سن کر ابو بکر صدیق سے رہا نہ گیا آپ اس وقت حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے کہا حالات کی وہ چوستارہ، ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عردہ نے حضور ﷺ سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور مزہ چکھاتا اس کے بعد عردہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالا اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہ برداشت نہ کر سکے یہ حضور ﷺ کے پاس ہی کھڑے تھے لوہا ان کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دو رکھ تو حضور ﷺ کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بد زبان اور ٹیڑھ آدمی ہے حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے؟ تو کہنے لگا خدا تو توکل طہارت بھی نہ جانتا تھا۔ الغرض اسے بھی حضور ﷺ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو فرمایا تھا اور یقین دلادیا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول ﷺ کس طرح حضور ﷺ کے پروانے بنے ہوئے ہیں آپ کے وضو کا پانی وہ اپنے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے، جب یہ

نہیں جانتا یوں کہئے (بسک لشم) آپ نے فرمایا اچھا یوں ہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں کہئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبد اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو نے کیا اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی لوگ امن و امان سے رہیں گے ایک دوسرے سے بچے ہوئے رہیں گے اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر چلا جائے گا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی صلح قائم رہے گی کوئی طوق و زنجیر قید و بند بھی نہ ہوگا اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد ﷺ کی جماعت اور آپ کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ آسکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے اس پر غزواءہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں آنا اور بنو بکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں اس وقت ہم باہر نکل جائیں گے اور آپ نے اپنے اصحاب سمیت آئیں تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں لکوار میمان میں ہو، ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل کے لڑکے حضرت ابو جندلؓ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چپتے چھپاتے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا یہاں آ کر جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت اللہ کے ہمیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر دباؤ ڈال کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشان خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابو جندلؓ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر حضور ﷺ آئے ہوئے ہیں کسی نہ کسی طرح موقعہ پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر حضور ﷺ ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے ماننا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد ﷺ میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے لہذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو جندل کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسینا ہوا انہیں لے کر چلتا ہے حضرت ابو جندل بلند آواز کہتے ہیں اے مسلمانو مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہوں؟ یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد و غم رنج و الم ظلم و ستم سے چھڑوانے والا ہے، ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں شرطیں طے ہو چکی ہیں اس بنا پر ہم نے انہیں سردست واپس کر دیا ہے، ہم غدر کرنا، شرائط کے خلاف کرنا، عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطاب حضرت ابو جندل کے ساتھ ساتھ پہلو پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کرو ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمر ساتھ ہی

ساتھ اپنی تلوار کی موٹھ حضرت ابو جندل کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کے آر پار کر دیں لیکن حضرت ابو جندل کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ احرام میں نماز پڑھتے تھے اور جانور حلال ہونے کے لئے مضطرب تھے۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈا لو لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لوٹ کر ام سلمہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ ام المؤمنین نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت جس قدر صدے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی علم ہے آپ ان سے کچھ نہ کہتے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے پھر تو ناممکن ہے کہ اور لوگ بھی یہی نہ کریں آپ نے یہی کیا اب کیا تھ ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا قربانی کو قربان کیا اور سر منڈا لیا اب آپ یہاں سے واپس چلے آدھا راستہ طے کیا ہوگا جو سورۃ الفتح نازل ہوئی، یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے، زوالحیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھا تجسس کے لئے روانہ کیا۔ غدیر اشطاط میں آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے آپ نے صحابہ سے فرمایا اب بتاؤ کیا ہم ان کے اہل و عیال پر حملہ کر دیں اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے اگر وہ بیٹھ رہیں گے تو اس غم و رنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پائی تو یہ گردنیں ہوں گی جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی، دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی، ورنہ ارادے سے آئے صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں رد کر رہے ہیں بتاؤ ان سے ہم کیوں نہ کریں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں آپ چھ چلے ہمارا ارادہ جدال و قتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو، آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضور ﷺ نے فرمایا خالد بن ولید طلایہ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور ﷺ مع صحابہ کے ان کے کلمے پر پہنچ گئے اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا اونٹنی کا نام اس روایت میں قصویٰ بیان ہوا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے میں دوں گا بشرطیکہ حرمت اللہ کی اہانت نہ ہو پھر جو آپ نے اونٹنی کو لاکا راتو وہ فوراً کھڑی ہوگئی بدیل بن ورقاء خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ﷺ ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنے جناب دوہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غائب آپ مغلوب اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے آپ نے کسی کے بارے میں ایسا سنا ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیا ناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ چھاڑ دوڑ جائیں گے، اس پر حضرت ابو بکر صدیق کا وہ جواب دیا جو پہلے

گذر چکا۔ حضرت مغیرہ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے موقعہ پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضور ﷺ ہوئے آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں عروہ نے یہاں یہ منظر بھی پیش فرمایا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر جو قریب ہوتا ہے پون لپکتا ہے جیسے صحابہ لڑ پڑیں، جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے مجال نہیں جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرہ منور کی طرف دیکھتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضور ﷺ جو انصاف و عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا اسے دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو اس نے جو یہ منظر دیکھا ادھر صحابہ کی زبانی لپیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ مرکز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے ابھی یہ بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آ گیا اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا لو اب کام سہل ہو گیا اس نے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو، یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمت الہی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا، آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ اس سال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافران میں سے مسلمان ہو کر حضور ﷺ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس کر دیں گے اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت ابو جندل اپنی بیٹیوں میں جکڑے ہوئے آگئے، سہیل نے کہا سے واپس کیجئے آپ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا میں سے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا مگر مرکز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں اس وقت حضرت ابو جندل نے مسلمانوں سے فریاد کی ان بے چاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے اس پر حضرت عمر حاضر حضور ﷺ ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہوگا حضرت عمر فرماتے ہیں میں پھر ابو بکر کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا اوپر بیان گذرا ہے اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضور ﷺ اللہ کے رسول ﷺ نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا ہاں، پھر میں نے حضور ﷺ کی پیشین گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب

مجھے ملا جو ذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوا لیا پھر تو سب صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود منڈنے لگے اور مارے غم کے اور اثر دھام کے قریب تھے کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضور ﷺ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمَوْمِنَةُ مُهْجِرَةً فَامْتَحِنُوهُنَّ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۗ فَإِنْ عَلَيْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَةٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۗ وَآتُوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۗ وَسَأَلُوا مِمَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا ۗ ذَلِكَمُ حُكْمُ اللَّهِ يُخَوِّمُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الممتحنہ: ۱۰) نازل ہوئی اور حضرت عمر نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی جن میں سے ایک نے معادیہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے ابو بصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقعہ پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ شریف پہنچے ان کے پیچھے ہی دو کافر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابو بصیر کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں چنانچہ آپ نے حضرت ابو بصیر کو انہیں سوچ دیا یہ انہیں لے کر چلے جب ذوالخلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابو بصیر نے ان میں سے ایک شخص سے کہا اللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار مین سے نکال لی، حضرت ابو بصیر نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے دکھانا اس نے دے دی آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک کافر کا تو کام تمام کیا، دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا سر پٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا اسے دیکھتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے کوئی خونناک منظر دیکھ چکا ہے، تنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ رسول اللہ ﷺ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا تنے میں حضرت ابو بصیر پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا، اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے؟ یہ تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیر چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے یہ سوچتے ہی حضور ﷺ کے پاس سے چلے گئے مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے لمبے مسند کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی یہ واقعہ مشہور ہو گیا دھر سے ابو جندل بن سہیل جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقعہ پا کر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابو بصیر کے پاس چلے، اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابو بصیر کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا یہاں تک کہ ایک خاص معقول

جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے یہاں تک کہ قریش تلک آگئے بالآخر انہوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آدی کو بھیجا کہ حضور ﷺ ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے واپس بلوا لیجئے ہم ان سے دستبردار ہوتے ہیں ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آجائے وہ امن میں ہے ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلوا لو چنانچہ حضور ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور ان حضرات کے پاس ایک آدی بھیج کر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت: **وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِتَطْوِينِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ** و كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا نازل فرمایا۔ ان کفار کی حیثیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے آیت (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) نہ لکھنے دی آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابوثابت کہتے ہیں میں ابو دائل کے پاس گیا تاکہ ان سے پوچھوں انہوں نے کہا ہم مصفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پس حضرت علی بن ابوطالب نے فرمایا ہاں پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو ہم نے اپنے آپ کو حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقعہ پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لاتے، حضرت عمر نے آکر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے مقتول جہنمی نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں؟ حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کاروائی نہیں کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا یہ جواب سن کر حضرت عمر لوٹ آئے لیکن غصے میں تھے وہاں سے حضرت صدیق کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورۃ فتح نازل ہوئی بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو ابو جندل والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا، اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورۃ فتح اتری تو حضور ﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدی، نہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدی واپس نہ کریں گے تو حضور ﷺ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیؓ کی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ ﷺ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا علیؓ اسے منادو۔ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علیؓ اسے کاٹ دو اور لکھو یہ وہ شرائط ہیں جن پر صلح کی محمد بن عبد اللہ ﷺ نے اللہ کی قسم رسول اللہ حضرت علیؓ بہت بہتر تھے پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوایا اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کیے جن میں ایک اونٹ ابو جہل کا بھی تھا جب یہ

اوست بیت الله سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالوہا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا درود پڑھنا ہی الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُولَهُ الرُّسُلَ بِالْحَقِّ ۗ زای رسول الله صلى الله عليه وسلم في النوم عام الحديبية نزل
 حُرُوحَهُ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ابْتِغَاءَ بَيْتِ اللَّهِ فَخَفِيَ بِذَلِكَ أَصْحَابُهُ فَنَزَلَ حُرُوقًا
 حَرُّهَا مَعَهُ وَصَدَقَهُ الْكُفَّارُ بِالْحَدِيثِ وَرَخَفُوا وَشَقَّ عَلَيْهِ ذَلِكَ وَرَأَتْ بَعْضُ الْمَسَافِقِينَ نَزْلَهُ
 فَوَلَّاهُ بِالْحَقِّ لَمَّا تَعَلَّقَ بِصَدَقِ الْوَحْلِ مِنْ زُرُوبِ وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيرُ لَهَا لَمَّا خَلَّتِ السُّجُودَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللهُ
 لِلشَّرِكِ أَهْلِيَّةٍ مُعْتَقِدِينَ رُؤْيَاهُمْ إِيَّاهُ خَمْسَ شُغُورِهَا وَمُقَصِّدِينَ إِيَّاهُ بَعْضُ شُغُورِهَا وَهُمَا حَالَانِ
 مُفْتَدِرَتَانِ لَا تَعَالُونَ إِذَا لَعِنَهُ فِي الصُّلْحِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا مِنَ الصُّلْحِ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ إِيَّاهُ
 إِذْ خَوَّلَ فَتَعَالَى بَيْنَهُمَا هُوَ نَسَبٌ حَسْبٌ وَتَحَقَّقَتْ الزُّرُوبُ فِي الْعَامِ الْقَابِلِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ
 الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ إِيَّاهُ دِينَ الْحَقِّ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَيْهِ جَمِيعُ مَا فِي الْأَدْيَانِ وَكُلُّ مَا شَهِدَ أَنَّهُ أَنْكَرُ مُرْسَلٍ
 بِمَا ذَكَرَ كَمَا قَالَ مُحَمَّدٌ مُنْتَدِي رَسُولِ اللَّهِ حِزْرُهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِيَّاهُ أَصْحَابُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مُنْتَدِي حِزْرُهُ
 أَشَدَّاءُ غِلَاطٌ عَلَى الْكَلْبَاءِ لَا يَرُحُّونَهُمْ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ حِزْرَتَانِ إِيَّاهُ مُتَعَالِفُونَ مِنْهُ إِذْ هُنَّ كَالْوَالِدِ
 الْوَالِدِ تَرَاهُمْ تَبْصُرُهُمْ رُكْعًا سَجْدًا حَالَانِ يَبْتَغُونَ مُسْتَأْنَفَ طَلَلُونَ قَضَاءً مِنَ اللَّهِ وَرَضَاءً بَيْنَهُمْ
 غَلَامَتُهُمْ مُنْتَدِي فِي وَجْهِهِمْ حِزْرُهُ وَهِيَ نُورٌ وَبِضٌ يُعْرَفُونَ فِي الْأَحْرَةِ أَنَّهُ سَحَابَةٌ فِي الدُّنْيَا مِنْ
 أَسْمَاءِ السُّجُودِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَيْرُ إِيَّاهُ كَالْمَاءِ عَرَبٌ حَالَانِ صَمِيرَةٌ مُنْتَدِي إِلَى الْحَرِّ ذَلِكَ إِيَّاهُ
 الرُّضْفُ الْمُدْكُورُ مِثْلُهُمْ حِسْبَتُهُمْ فِي الشُّرُوقِ مُنْتَدِي حِزْرُهُ وَمِثْلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ مُنْتَدِي حِزْرُهُ كَرَجٌ
 أَخْرَجَ شَطْرَهُ سَكُونِ الطَّاءِ وَفَتْحِهَا فَرَاخَةٌ فَازْرَهُ بِالْمَدِّ وَالْقَطْرِ قَوَاهُ وَعَايَهُ فَاسْتَقْبَلَ حَلَقٌ فَاسْتَوَى
 قَوْسِي وَاسْتَقَامَ عَلَى سَوْقِهِ أَضْوَاهُ جَمْعٌ سَائِبٌ يَعْجِبُ الْوَرَاغَ إِذْ رَرَّ عَنْهُ حُسْبُهُ مِثْلُ الصَّحَابَةِ رَحِي
 اللَّهُ عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ لِأَنَّهُمْ نَدَوْا فِي قَبْرِهِ وَطُغِبَ فَكَثُرُوا وَتَوَرَّعُوا عَلَى الْخَسِيسِ الْوَحْوِهِ يَخِيطُ بِهِمُ الْكَلْبَاءُ
 مُتَعَلِّقٌ بِمُحَدَّثِهِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَتَلَهُ إِيَّاهُ شَهْرٌ بِذَلِكَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ إِيَّاهُ

نفساۃ لبتان الجنبس لا للتبیبض لان کللم بالصفۃ الذکوزۃ قفیفۃ کا ذ اجد اعظمتاۃ الخنۃ وھما
 بنس نفلھم ایضافی اباب

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو سچا خواب دکھایا ہے جو واقعہ کے مطابق ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 یہی کے سال مدینہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہؓ بائینان مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کچھ
 لوگ سرمنڈا رہے اور کچھ بال کتر وار ہے ہیں۔ آپ نے اس خواب کا ذکر صحابہؓ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے۔ لیکن
 جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام مدینہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا۔ تو صحابہؓ اس
 سے طول ہوئے اور بعض منافقین تردک کا شکار بھی ہو گئے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ہالھن کا تعلق صدق سے ہے یا ردیا
 سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ (تم کا فرمایا ہے) امن و امان کے
 ساتھ کوئی (سارے) سر کو منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کٹاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ۔ یہ دونوں لفظ حال مقدر ہیں) کسی طرف
 کا (کبھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالحوں کو) تم نہیں جانتے۔ پھر اس (مکہ میں
 ماضی) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہو گیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا
 ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (دین حق کو) غالب کر دے (ہائی) تمام دینوں پر،
 اور اللہ کافی گوہ ہے (اس پر کہ آپ مذکورہ پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے) محمد (مبتدا ہے) اللہ کے
 رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مؤمن صحابہؓ، یہ مبتدا ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (فخت)
 ہیں کافروں کے مقابلہ میں (ان پر رحم نہیں کھاتے) آپس میں مہربان ہیں (یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر
 اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا (تجھے نظر آئے گا) کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں،
 کبھی سجدہ کر رہے ہیں (یہ دونوں حال ہیں) جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستند ہے یعنی تلاش میں رہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے افضل
 اور خوشنودی کی۔ ان کے آثار (نشانات، یہ مبتدا ہے) ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے، آثار سے مراد نور اور ہنک
 ہے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر کے (اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی سے
 ہے یعنی کاندہ سے۔ اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے) یہ (مذکورہ تعریف) ان کے
 اوصاف (صفات) ہیں تو رات میں (یہ مبتدا اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتدا ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے
 کہ کھیت کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ سطا سکون طا اور نجتہ طا کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے۔ کو نجل مراد ہے) پھر
 اس نے اس کو قوی کر دیا (لفظ از رتد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے، یعنی اس کو مضبوط کر دیا اور اس میں اور بڑھوتری کر
 دی) پھر وہ کھیت اور موٹی ہو گئی (طاقت و رسیدگی کھڑی ہو گئی) پھر اپنے تئیں پر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی (سوق، ساق کی جمع ہے)
 کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہؓ کی یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ
 شرا میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہو گئے) تاکہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو ہلائے (اس کا تعلق

مخزوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون دلالت کر رہا ہے تقدیر عمارت اس طرح ہوگی شہدواہذک (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے) (یعنی صحابہؓ سے من بیان جنس کیلئے ہے من تعضیہ نہیں ہے۔ اس لئے تمام صحابہ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کیلئے بھی ہیں)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **بِالْحَقِّ** : اس حال میں کہ خواب حق سے ملا ہوا ہے۔

قولہ: **زَاب** : خاک کرنا۔

قولہ: **بِنَفْسِ الْمُنَافِقِينَ** : یہ جہنم میں ہے۔

قولہ: **لَا تَخَافُونَ** : یہ حال مؤکدہ ہے۔

قولہ: **مُنَوَّادُونَ** : محبت کرنے والے۔

قولہ: **أَعْرَبَ خَالًا** : اثر السود سے اس کی تعبیر کی گئی، اس طرح کہ یہ اس ضمیر سے حال ہے جو مستقبل کی خبر سے خبر کے ساتھ متعلق ہے۔

قولہ: **فَرَاخُهُ** : بھتی کے شگونے۔

قولہ: **الْقَضْرِ** : بند ہونا۔ اصول، پوری۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُلَ بِالْحَقِّ

رسول اللہ ﷺ کا خواب:

رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھ تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گزرا۔ چنانچہ حضرت عمر نے تو خود حضور ﷺ سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جا لیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ حضرت عمر نے فرمایا یہ تو نہیں فرمایا تھا آپ نے فرمایا پھر جلدی کیا

ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر حضرت صدیق سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے اس مبارک خواب کی تائید کو صحابہ نے دیکھ لیا اور پورے امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی۔ آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ جاتے وقت بھی امن و امان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا چنانچہ عمرۃ القضاء میں یہی ہوا یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا صفر میں خیبر کی طرف گئے اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا یہ بہت بڑا علاقہ تھا اس میں بگوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں، یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں، خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا، سوائے ان لوگوں کے جو حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تھے جو حضرات حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابودجانہ، سماک بن خرشہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے یہاں سے آپ سالم و غنیمت لئے ہوئے واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ سے احرام باندھا قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران میں پہنچے جہاں سے کعب کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیرکمان بطن یا نج میں بھیج دیئے، مطابق شرط کے صرف کھواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدی مکرز بن نفص آیا اور کہنے لگا حضور ﷺ آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں حضور ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں آپ نے فرمایا نہیں تو ہم نے وہ سب یا نج بھیج دیئے ہیں اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی اور نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں سرداران کفار تو بوجہ غیظ و غضب اور نج و غم کے شر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کونٹوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس ظلم گردہ کو اس پاک لشکر کو اس اللہ کی فوج کو دیکھ رہے تھے آپ نے قربانی کے جانور ذی طوی میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور و معروف سواری اونٹنی قصو پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکارتے تھے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

باسم الذی لا دین الا دینہ باسم الذی محمد رسولہ

خلوا بنی الکفار عن سبيله اليوم نضربکم علی تاويله
 کما ضربنا کم علی تنزیله ضربا یزید الیہام عن مقبله
 ویذہل الخلیل عن خلیلہ قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
 فی صحف تتلی علی رسولہ بان خیر القتل فی سبیلہ

بارب انی مؤمن بقیلہ

یعنی اس اللہ عزوجل کے نام جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں ﷺ اے کافروں کے بچو! حضور ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی دیرا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول ﷺ کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لاپچکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور ﷺ (مرالظہران) میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پیئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کر چنانچہ جمع کر دس ترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھالی ہا اور تو شے دان بھر لے۔ آپ مکہ شریف آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حصیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں، اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یربانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے قریش کہنے لگے تم لوگ تو مرنوں کی طرح چوڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی روڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یربانی تک چلتے رہے تین پھیرے اس طرح کئے چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رٹل کیا یعنی رگلی چال چلے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کو مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے، جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور ست کر دیا اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول ﷺ کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یربانی تک طواف کے تین پہلے پھیروں میں رگلی چال چلیں اور رکن یربانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں ہلکی

چال چلیں پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رزم کے تھا، مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کو دود کر پھرتی اور جستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت ازار کھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں ست دلا کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ چست و چالاک ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت تعقیقان کی طرف تھے حضور ﷺ کا صفارودہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا، حضرت ابن ابی اوفی فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی ناسمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے، بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک نہ جانے دیا آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سرمنڈوا لیا اور ان سے صلح کر لی جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی عیادت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ ﷺ جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبد اللہ لکھتے، آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ حضرت علی بن ابوطالب سے فرمایا لفظ یا رسول اللہ کو منادو۔ حضرت علی نے فرمایا نہیں۔ کیا میں اسے ہرگز نہ منادوں گا چنانچہ آپ نے اس صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جانے۔ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی ﷺ یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھگڑے میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو کہے میں رہنے کے ارادے سے ٹھہر جانا چاہے گا آپ اسے روکیں گے نہیں پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گزر چکا تو مشرکین حضرت علی کے پاس آئے اور کہا آپ حضور ﷺ سے کہئے کہ بوقت گذر چکا تشریف لے جائیں چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہوئیں حضرت علی نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ کے پاس لے گئے اور فرمایا اپنے چچا کی لڑکی کو چھی طرح رکھو حضرت زہرانے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اب حضرت علی اور حضرت زید اور حضرت جعفر میں جھگڑا ہونے لگا حضرت علی فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں حضرت جعفر فرماتے تھے میری چچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زید فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے حضرت علی سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر سے فرمایا کہ تو خلق اور خلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ حضرت حمزہ کی لڑکی

سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جان تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کو ان دشمنوں پر اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا اس نے آپ کو علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ بھیجا ہے، شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے اس کے اخبار سچے، اس کے احکام سراسر عدل و حق والے۔ چاہتا یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں، عجمیوں میں، مسلمین میں، مشرکین میں، ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر کرے اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے واللہ جنانہ و تعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ.....

حضرات صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور منقبت:

اس سورت میں جگہ جگہ صحابہ کرامؓ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف و تعریف فرمائی ہے اولاً ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں، اس مضمون کو سورہ مائدہ میں: اذْلَلْنَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ آيَةً عَلَى الْكُفْرَانِ میں بھی بیان کیا ہے، اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں یہ صفت حضرات صحابہ کرامؓ میں بہت زیادہ نمایاں تھی آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے پیچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی: تَزَاهَدٌ زُكَاةٌ شُجْرًا اے مخاطب تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کیے ہوئے کبھی سجدہ کیے ہوئے اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا نوافل کا اہتمام کرنا راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (یہ حضرات اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے ان کے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہیں۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَسِيْرًا هُمْ فِي دُجُوْبِهِمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہر لفظوں سے سمجھ میں آ رہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ماتھوں پر کچھ مٹی لگ جاتی ہے اور بعض حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع و تواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ
۲۹ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۱۸
رُكُوعَاتُهَا ۲

سورہ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں ہیں اور آیتوں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقِيَمُوا مِنْ قَدَمٍ مَعَى تَقَدَّمَ أَيْ لَا تَتَقَدَّمُوا بِقَوْلِ أَوْ فِعْلٍ بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ الْمُنْطَلِقِ
عَنْهُ أَيْ بِغَيْرِ إِذْنِهِمَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِيهِ مُجَادَلَةٌ أَيْ بَكْرٍ وَ
عَمْرٍ وَضِيَّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَأْمِيرِ الْأَتْرَاحِ بْنِ خَابِسٍ أَوْ الْقَعْقَاعِ بْنِ
مُعَبَّدٍ وَنَزَلَ فِي مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ إِذَا
نَطَقْتُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ إِذَا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ إِذَا نَا جِئْتُمُوهُ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بَلْ دُونَ ذَلِكَ
إِخْلَالًا لَهُ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَيْ حَسْبِي ذَلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُورَيْنِ وَنَزَلَ فِي
مَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَبِي بَكْرٍ وَعَمْرٍ وَغَيْرِهِمَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَصْوَابَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ إِبْتِحَارًا فَلَوْ لَمْ يَلْمُوهَا لَأَلَمَتْهُمْ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الْجَنَّةُ وَنَزَلَ فِي قَوْمٍ جَاءُوا وَقَتَ الظَّهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِهِ
فَنَادَوْهُ إِنَّ الَّذِينَ ينادونك من وراء الحجرات حجرات نساءه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمْعُ حَجْرَةٍ وَهِيَ مَا
يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ بِحَائِطٍ وَنَحْوِهِ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَادَى خَلْفَ حَجْرَةٍ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوهُ فِي
بَيْتِهَا لَمَنَادَةِ الْأَعْرَابِ بِغَلْظَةٍ وَجَفَاءٍ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ فِيمَا فَعَنُوهُ مَحَلُّكَ الرَّبِيعِ وَمَا يُنَاسِبُهُ مِنَ
التَّعْظِيمِ وَكَوْنِهِمْ صَبَرُوا أَنَّهُمْ فِي مَحَلِّ رَفْعٍ بِالْإِبْتِدَاءِ وَقِيلَ فَاعِلٌ لِفِعْلِ مُقَدَّرٍ أَيْ نَبَتْ حَتَّى تَخْرُجَ
الْيَهُمُ لِكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَنَزَلَ فِي الْوَالِدَيْنِ عُقْبَةُ وَقَدْ نَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نَبِيِّ الْمُضْطَلِّينَ مُضْطَلِّينَ مُضْطَلِّينَ لِمَا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ
 إِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوا بِقَتْلِهِ فَهَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءَهُ وَأَمْنُ كَرِيمٍ مَأْقَالَهِ عَلَيْهِمْ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ خَيْرٍ فَتَّبِعُوهُ صِدْقَهُ مِنْ كَذِبِهِ وَهِيَ قِرَاءَةُ فَتَّبِعُوا مِنَ النَّبَاتِ أَنْ
 تُصِيبُوا قَوْمًا مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ خَشْبَةٌ ذَلِكَ بِجَهَالَةٍ خَالَ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ جَاهِلِينَ فَتَّصِحُّوا فَتَّصِيرُوا عَلَى مَا
 فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَايَا بِالْقَوْمِ نَدِيمِينَ ۝ وَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَدَّ عَوْدِهِمْ إِلَى بِلَادِهِمْ خَالِدًا
 فَلَمْ يَرِ فِيهِمْ إِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۝ وَلَا
 تَقُولُوا الْبَاطِلَ فَإِنَّ اللَّهَ يُخْبِرُهُ بِالْحَالِ كَوَيْطِعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي تُخْبِرُونَ بِهِ عَلَى حِلَافٍ
 الْوَاقِعِ فَرْتَّبِ عَلَى ذَلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعْنَتُمْ لَا تَلْمِزْتُمْ دُونَهُ أَلَمْ تَسْبِ إِلَى الْمُرْتَبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبَ إِلَيْكُمْ
 الْإِيمَانَ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبَ إِلَيْكُمْ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَكَ حَسَنَةً فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَ
 الْعِصْيَانَ ۝ اسْتَدْرَاكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُونَ اللَّفْظِ لِأَنَّ مِنْ حُبِّ إِلَيْهِ الْإِيمَانَ الْخِ غَايِرَتْ صِفَتُهُ صِفَةً
 مِنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ أَوْلَاكَ هُمْ فِيهِ التَّفَاتُ عَنِ الْخِطَابِ الرَّشِيدُونَ ۝ الثَّابِتُونَ عَلَى دِينِهِمْ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ
 مُضْطَرِبٌ مُطْرِبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ أَفْضَلُ وَرِعْمَةٌ مِنْهُ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِهِمْ حَكِيمٌ ۝ فِيهِ أَنْعَامُهُ عَلَيْهِمْ وَإِنْ
 طَافْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ نَزَلَتْ فِي قَضِيَّةٍ هِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ جِمَارًا وَمَرَّ عَلَى
 أَبِي أَبِي فَتَالَ الْجِمَارُ فَسَدَّ أَبُو أَبِي أَنْفَهُ فَقَالَ الرَّبُّ رَوَّاحَةٌ وَاللَّهُ لَيَبْرُلُ جِمَارَهُ أَطْيَبَ رِيحًا مِنْ مِشْكِكَ
 فَكَانَ بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا صَرْبٌ بِالْأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالسُّعْفِ اقْتَتَلُوا جُمِعَ نَظَرًا إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّ كُلَّ طَائِفَةٍ
 جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَتَلْنَا فَاصْطَحُوا بَيْنَهُمَا ۝ نَبِيُّ نَظَرُ إِلَى اللَّفْظِ فَإِنْ بَعَثْتَ تَعَدَّتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا
 الَّذِي تَبَغَى حَتَّى تَلْفَى ۝ رَجِعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ ۝ الْحَقُّ فَإِنْ قَاءَتْ فَاصْطَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْإِنْصَافِ ۝
 اقْسَطُوا ۝ اعْدِلُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فِي الدِّينِ فَاصْطَحُوا بَيْنَ أَخْوَابِكُمْ إِذَا
 تَنَارَعُوا ۝ تَنَارَعُوا ۝ إِخْوَانُكُمْ بِالْفُرْقَانِيَّةِ وَالْقَوْلَانِ فِي الْإِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تو چچہ پنہا: اے اہل ایمان تم سبقت مت کیا کرو (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم سے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ ورسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تمہاری باتوں کو) سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے) پچھلی آیت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قحطاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضورؐ کی موجودگی میں بلند ہو گئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (ہات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے (سرگوشی کے وقت) ایسے کھل کر بولا کر جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادباًست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضورؐ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہما جمعین) یقیناً جو لوگ اپنی آوازوں کو رسولؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خالص کر دیا (آزما لیا) ہے تقویٰ کیلئے (یعنی تاکہ ان کا تقویٰ نمایاں ہو جائے) ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو دوپہر کو حاضر ہوئے جب کہ آنحضرتؐ زنا نمانے میں استراحت فرما رہے تھے اور انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی) بلاشبہ جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں (زنا نمانے سے باہر، حجرات حجرہ کی جمع ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو دیوار وغیرہ سے گھیر دیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجرہ میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ آپؐ کس حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور آواز بھی گاؤں والوں کی طرح اکڑنے سے) ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں (ان کا یہ طرز عمل آپ کے بلند رتبہ اور اس کے شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے) اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے (انہم مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور بعض کے نزدیک فعل محذوف مثبت کا فاعل ہے) یہاں تک کہ آپؐ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور رحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی، اگلی آیت ولید بن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدق بنا کر بنو المصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔ انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ پیدا ہوا۔ جو ان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔ اور ولید نے واپس ہو کر عرض کیا کہ بنو المصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ یہ سن کر آپؐ کو بھی فوج کشی کا خیال ہو گیا۔ مگر اس قبیلہ کے لوگوں نے حاضر ہو کر ولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (جھوٹ اور سچ کی۔ اور ایک قرأت میں فتلبتوا ہے ثبات سے ماخوذ) ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان تصیبوا مفعول لہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے "حشیدة ذلك) نادانی سے (فاعل سے

حال ہے بمعنی جاہلین) پھر تمہیں اپنے کئے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتانا پڑے (آنحضرتؐ نے غلطی سے اس مصلحت کی واپسی کے بعد پھر ان کے پاس حضرت خالد بن ولیدؓ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجز فرمانبرداری اور بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرتؐ کو دے دی) اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہذا غلط بات مت کہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورت حال سے آپ کو مطلع فرما دے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر پیغمبران میں تمہارا کہا مانا کریں (جو خلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پر اگر ان کا مخصوص مرتب ہو جائے) تو تم کو بڑی مصرت پہنچے (تم گنہگار ہو جاؤ گے، حضورؐ پر کوئی الزام نہیں اور یہ گناہ، گناہ کا سبب بننے کی وجہ سے ہوگا اس پر ثمرہ مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ (مستحسن بنا دیا) اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی (لکن سے استدارک بلحاظ معنی ہے لفظ اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہو ان کی کیفیت مذکورہ بالا کیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پر ہیں (دین پر قائم) اللہ کے فضل (مصدر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اہی افضل فضلا) اور (اس کے) انعم سے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) باخبر حکمت والا ہے (ان پر انعام کرنے میں) اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ (یہ آیت ایک واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ گدھے پر سوار ہو کر ابن ابی کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اتفاقاً گدھے نے پیشاب کر دیا۔ جس پر عبد اللہ ابن ابی نے اپنی ناک بند کر لی۔ عبد اللہ بن رواحہؓ بولے کہ واللہ آپ کے گدھے کا پیشام تیرے مشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔ چنانچہ طرفین میں ہاتھ پائی، جو تم پیزار، چچی بازی شروع ہو گئی) آپس میں لڑ پڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فریق ایک پوری جماعت تھی اور ایک قراءت میں اقتلتا بھی ہے) تو تم ان کے درمیان اصلاح کر دو۔ (یہاں تشبیہ بلحاظ لفظ لایا گیا) پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہو جائے (لوٹ آئے) پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کے ساتھ اصلاح کر دو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو سب (دینی) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو (جب وہ جھگڑ پڑیں۔ ایک قراءت میں اخوتکھ تا کے ساتھ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: فضلا: یہ کہہ یا جب کی ملت ہے۔ اور ان کے مابین جملہ معترضہ ہے۔ راشدین کی نہیں۔

قوله: **بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ**: یعنی آپ کے فیصلہ سے پہلے کوئی فیصلہ مت کرو۔ اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بطور استعارہ ہے۔
 قوله: **بِمَعْنَى تَقَدَّمَ**: یعنی یہ لازم ہے مفعول مقدر کی ضرورت نہیں۔

قوله: **بِحُشْبَةِ**: ان تحبب منصوب محل ہے کیونکہ مفعول لہ اس کا مضاف مذکور ہے نہیں سے متعلق ہے۔ انتہوا عما
 نہیتم لحبب اعمالکم اس سے رک جاؤ جس سے تمہیں حبب اعمال کے خطرے کی خاطر روکا گیا ہے۔

قوله: **لِيَتَّظِرَ**: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کو تکالیف شاقہ میں ڈالا وہ مبر سے ظاہر ہوتا ہے۔
 قوله: **مِنْ قَرَأَ**: پردے، باہر یا پیچھے سے۔

قوله: **هِيَ مَا يُحْجَبُ**: جو روکے اور حفاظت کرے۔

قوله: **كُلٌّ وَاحِدٌ مِنْهُمْ**: ہر ایک کی طرف ندا کی اسناد حقیقی ہے۔

قوله: **مِنَّا دَاؤُهُ**: جیسے دیہاں درشتی سے آواز دیتے ہیں۔

قوله: **لَوْ**: زجاج کے ہاں لعل کے ساتھ خاص ہے خواہ لفظ ہو یا تقدیر۔

قوله: **مُضَدِّقًا**: صدقات وصول کرنے والا۔

قوله: **لِتَرَ**: عداوت و کینہ۔

قوله: **فَتُتَبِّئُوا**: پڑتاں کر لو۔ تاکہ حالت واضح ہو جائے۔

قوله: **لِنَدْمِيَنَ**: لازم غم میں مبتلا کہ کاش ایسا ہو جائے۔

قوله: **الْفُسُوقَ**: میر نہ روی سے لگانا۔

قوله: **الْأَعْيَانَ**: اطاعت سے رک جانا۔

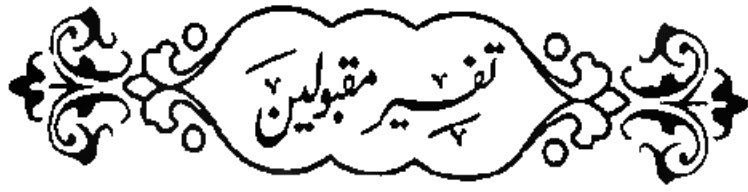
قوله: **فَضَلًا**: یہ کرہ یا جب کی علت ہے اور ان کے، بین جملہ معترضہ ہے۔ راشدین کی نہیں۔

قوله: **بَيْنَ قَرْمٍ هَمًا**: یہ اوس خیزج تھے۔

قوله: **اِنْتَلْنَا**: لفظ کے لحاظ سے صیغہ ثنیہ سے۔

قوله: **أَقْبَطُوا**: تمام امور میں انصاف کرو۔

قوله: **أَخَوَيْنَا**: دو کا تذکرہ کیا کیونکہ ما بین بہت کم اختلاف ہوتا ہے۔



سورۃ حجرات مدنیہ ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

(بچھل سورت سے ربط) گذشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی، فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا

جو خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور ان کے کچھ احوال بھی بیان ہوئے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جن کو حق تعالیٰ شانہ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہؓ خاص طور سے ان کے اوصاف و فضائل بیان کئے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدینؓ کے ایمان و التقیاد و اطاعت رسول اللہ ﷺ کا وہ رنگ بیان کیا جا رہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوئے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی ان کے قلوب کی پاکی اور تقویٰ کے امتحان کا ذکر ہے کہ: **اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى** کہ خداوند عالم نے ان کے دلوں اور قلوب کے باطنی تقویٰ کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمد للہ انکی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کر دیا جس کے اولین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ امتی پر رسول اللہ ﷺ کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَعُوا...

رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے احکام و آداب کی تلقین!

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں کھجوروں کی ٹھنیوں سے بنادی گئی تھیں چونکہ اس سورت کے پہلے رکوع میں ان حجروں کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت سورۃ الحجرات کے نام سے موسوم ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ شانہ نے توجیر اور احترام کی تلقین فرمائی اور اس سلسلے میں چند آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے سبقت مت کرو یہ: **لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْهِ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** کا ترجمہ ہے ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے حضرات مفسرین کرم نے اس کے متعدد معنی لکھے ہیں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تم پہلے سے کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو وہ اپنے رسول کی زبانی بونصیصہ فرمادے اس کے مطابق عمل کرو حضرت سفیان ثوریؒ نے بھی تقریباً یہی مطلب بتایا ہے، حضرت قتادہؒ نے فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یوں کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں کچھ حکم نازل ہو جاتا اور فلاں مسئلہ میں کوئی قانون نازل ہو جاتا تو چھا تھا اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

(معالم التنزیل ص ۹، ج ۲، ابن کثیر ص ۲۰۵، ج ۱)

ساتھ ہی **وَ اتَّقُوا اللّٰهَ** بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ **اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ** ○ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے عبد اللہ بن ابی سلیمہ سے بواسطہ عبد اللہ بن الزبیرؒ نقل کیا ہے کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کسی شخص کو ہمارا امیر بنا دیجیے (ابھی تک آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں

فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے تعقاع بن معبد کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کے امیر بنانے کی رائے پیش کی۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا تمہارا اس کے علاوہ کچھ مقصد نہیں ہے کہ میری مخالفت کرو، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی مخالفت کے طور پر اپنی رائے نہیں پیش کی، اس پر جھگڑا ہونے لگا جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، لہذا آیت کریمہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا** (آخر تک) نازل ہو گئی۔

معالم التنزیل میں ہے کہ اس موقع پر شروع سورت سے لے کر اجر عظیم تک آیات نازل ہو گئیں، جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے آگے بڑھنے کی اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت فرمادی اور یہ حکم بھی فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر تو ادب کا خیال رکھو اور اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: **أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ** ○ ایہ نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر تمہاری آواز بلند ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں یعنی تمہاری نیکیاں ختم کر دی جائیں اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ ہو، صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۷۱۸)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس صحابیؓ کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو آپ کو اس کا احساس ہوا، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کا پتہ چلاتا ہوں وہ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے اور انہیں اس حال میں دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہوا؟ جواب دیا کہ میری آواز بلند ہے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کر چکا ہوں (جو اپنی عادت کے طور پر تھی) لہذا میں اہل نار میں سے ہوں اس شخص نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتادی آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں جا کر بتادو کہ اہل نار میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (صحیح بخاری، ص ۷۱۸، ۵۱)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص رازداری کی باتیں کر رہا ہو، اور حضرت ابن زبیرؓ نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہو گئی تو حضرت عمرؓ اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: **إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَا يَقْتُلُوا** نازل فرمائی۔

بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آواز کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔

امْتَحَنَ لَفْظ امتحان سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ "جانچ کرنا" کیا گیا ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں:

اَمْتَحَنَ. اَخْلَصَ کے معنی میں ہے جس طرح سونے کو بگھلا کر خالص کر دیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے ان کے قلوب میں تقویٰ ہی تقویٰ ہے۔

فائدہ: حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ کو برزخی حیات حاصل ہے۔

جب خدمت عالی میں سام پیش کرنے کے لیے حاضر ہو تو دھیمی آواز میں سلام پیش کرے

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ دَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا ایک تیسرا ادب سکھایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے عقل والوں کے یہ کام نہیں۔ حجرات، حجرہ کی جمع ہے اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ محن ہو کچھ مسقف عمارت ہو۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

حجرات امہات المؤمنین:

ابن سعد نے بروایت عطا خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر موٹے سیاہ ادن کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے واؤد بن قیس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہوگا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات امہات المؤمنین ولید بن عبد الملک کی حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ مدینہ میں اس روز لوگوں پر گریہ دو بکا طاری تھی۔

سبب نزول:

امام بغوی نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ یہ دو پہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جبکہ آپ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ اعراب آداب معاشرت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا، اخرج الینا یا محمد اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسند احمد۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ (منظری)

تسنیہ: صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز دیا دروازہ پر دستک دیئے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے اس وقت ان

سے دریافت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ نے دروازہ پر دستک دے کر
 کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ
 ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا
 کر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔ (روح المعانی)

مسئلہ: آیت مذکورہ میں: حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ میں الہم کی قید بڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر و انتظار اس وقت تک
 کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات و گفتگو کے لئے باہر تشریف لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا باہر تشریف لانا
 کسی دوسری ضرورت سے ہو اس وقت بھی آپ سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا انتظار کریں کہ جب
 آپ ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ

فغان نزول: اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن
 ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ
 ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور
 زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔
 بڑوں کی بیری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا
 کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں، پھر جب حارث نے حسب
 وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی
 قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ
 وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا
 کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاویں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مقررہ تاریخ پر ولید
 بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں
 سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ
 ﷺ سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے وفصحا
 یا حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا، ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا ادھر سے حارث مع اپنے
 ہاتھیوں کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلے، مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان
 لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے
 سب کو پوچھا تو ان کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ ﷺ سے
 دستہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ

قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لئے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ حجرات کی آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی المصطلق میں پہنچے، اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور کا قاصد آدے گا یہ تعظیماً ہستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور ﷺ سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں، بلکہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لئے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آ کر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام و ایمان پر قائم، نماز و زکوٰۃ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف سلام نہیں پائی گئی، خالد بن ولید نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریرفاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر کھل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں

آیت سے متعلقہ احکام و مسائل:

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قراءت تو فتنبتوا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہو تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت یک خبر ہوتی ہے جو صف و قسم کے ساتھ سوکد کی جاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں، البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ، تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین احکام وغیرہ میں ہے۔ احکام القرآن عربی ضرب سادس میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں۔

بک اہم سوال و جواب متعلقہ عدالت صحابہ:

اس آیت کا ولید بن عقبہ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو فاسق کہا گیا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس مسئلہ اور تعلق علیہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ الصحابہ کلہم بذکرہ یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں ان کی کسی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی سر ہو سکتا ہے جو سن ہے اور اس گناہ کے وقت ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی اور اگر کذب ثابت ہو تو ان کی خبر و شہادت رد کر دی جائے گی لیکن عقیدہ اہل سنت و الجماعت کا نصوص قرآن و سنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابہ سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے علیؑ کا طلاق ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے رضی اللہ عنہم و رضوانہ ... اور رضائے الہی گناہ ہونے کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابو یعلیٰ نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا عدل صرف انہی کے لئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی رفات موجبات رضا پر ہوگی۔

(کنز الدقائق لیسلولابن تیمیہ)

خاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گئے چنے چند آدمیوں سے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو ان کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت ان کی بیعت بن گئی تھی۔ خلاف شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذ و نادر تھا ان کے اعمال صالحہ، نبی کریم ﷺ اور اسلام پر بنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لئے ایسے باہرات کرنا جن کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمال صالحہ اور فضائل و کمالات کے مقابلے میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہونا اس کو خود ہی کا عدم کر دیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و عظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت ان کا خوف خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کے لئے خود پیش کر دینا، کہیں اپنے آپ کو مسجد کے شرف سے بانٹھ دیا وغیرہ روایات حدیث میں معروف مشہور ہیں اور بحکم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ جسے گناہ کیسے نہیں۔ تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمال صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں (آیت) ان حسنات یحصن الیات خصوصاً جبکہ ان کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابوداؤد و ترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ: والله لمشهد رجل منهم مع النبی ﷺ بغیر فیہ وجہہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح، یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جہاد کے لئے ان کے چہرہ پر غبر پڑ گیا ہوتا تھا عمر بھر کی اطاعت و عبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دے دی گئی ہو اس لئے ان سے صدور گناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اس کے باوجود

بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اس لئے اگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہو اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کو ان کے لئے مستتر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذافی لرح)

اور آیت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ ان کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فسق ان کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی المصطلق کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہو گئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرآنِ قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ درصالح آدمی کی خبر میں ترانن کی بنا پر شبہ ہو جانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنِّي فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین فرما دیا اور کفر و فسوق اور عصیان کو

مکروہ بنا دیا:

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے امت مسلمہ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو مبعوث فرما دیا: وَهُدًى لِّكُلِّ قَوْمٍ تَعَالَى: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے بعض موانع میں تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے لہذا رسول اللہ ﷺ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے دلگیر نہ ہو اگر وہ تمام امور میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گے ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کر لی جائے گی تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی (جو بطور امتنان ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اسے تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں اور اس جگہ گاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سچا مؤمن بندہ کسی قیمت پر بھی ایمان کی نعمت سے محروم ہو جانے پر راضی نہیں ہوتا مزید انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر اور فسوق اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا تمہیں کفر سے بھی نفرت ہے اور گناہوں سے بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا:

۱۔ جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ ۲۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ ۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچ دیا تو اب وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا ہی برا جانتا ہو جتنا آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ۷ ج ۱)

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہو گیا اور نافرمانی سے نفرت ہو گئی ان کے بارے میں فرمایا: **أُولَئِكَ هُمُ الرِّشْدُ وَنَالُوا** (یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں) **فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً** اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں فضل اور انعام کے طور پر ہیں اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی واجب نہیں ہے وہ جسے جو بھی نعمت عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہی فضل ہے اور انعام ہی انعام ہے آخر میں فرمایا: **وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ** اور اللہ علیم ہے اسے سب کا ظاہر باطن معلوم ہے اور حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق انعام سے نوازتا ہے۔

وَأَنَّ كَأَيْفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

مؤمنین کی دو جماعتوں میں قتال ہو تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو، سب مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جاتے تو اچھا ہوتا۔ عبد اللہ بن ابی ریکس المنافقین تھا اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف خود یہ اور اس کے ساتھی کچھ نہ کچھ کرکے رہتے تھے جس شخص نے اس کے پاس آنے کی رائے دی تھی اس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ آپ خود ہی اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو ممکن ہے اس کا مخالفانہ جذبہ ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو جائے رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی تھے جو پیدل چل رہے تھے آپ ایک شور رین سے گزرے جب عبد اللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا اہی تم مجھ سے دور رہو تمہارے گدھے کی بدبو سے مجھے تکیف ہو رہی ہے اس کے جواب میں ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہے، یہ بات سن کر عبد اللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک آدمی کو غصہ آ گیا اور دونوں میں گالم گلوچ ہونے لگی اور دونوں میں سے ہر شخص کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ٹہنیوں اور ہاتھوں اور چیلوں سے کچھ مار پیٹ ہو گئی۔ حضرت انسؓ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آیت کریمہ: **وَإِنْ كَانَتْ بَيْنَ مَنَ الْمُؤْمِنِينَ فُتْنَةٌ أَوْ كَانُوا بَيْنَهُمَ فُتْنًا** واقعہ مذکور کے بعد نازل ہوئی یہ صحیح بخاری ۳۷۰ کی روایت ہے صاحب درمنثور نے آیت کا سبب نزول بتائے ہوئے دوسری روایت بھی نقل کی ہیں (اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے اسباب نزول ایک سے ناکافی ہو سکتے ہیں)

آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرانے کا اور اگر صلح ہو جانے کے بعد دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت زیادتی کرے تو اس سے جنگ کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کو چھوڑ دے اور

اللہ کے دین کے مطابق جینے کا فیصلہ کر لے اور صلح کرانے والوں کو بتادے اور یقین دلا دے کہ اب ہمیں لڑنا نہیں ہے۔ بغاوت کو دبانے کے لیے جو جنگ لڑی جائے اس میں جو فریق زیادتی پر اتر آیا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا تو یہ صلح کرانے والے ان رجوع کرنے اور لڑائی چھوڑ دینے والوں کو نہ دبا میں حق اور ناحق کو دیکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرادیں انصاف بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے محض جنگ رکوادینا کافی نہیں آپس میں صلح بھی کرادی جائے اور جو بات ماہہ النزاع (بھگڑے کی وجہ) ہے اس کو ختم کرادیا جائے ورنہ آئندہ پھر لڑائی کا امکان رہے گا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے لگے تو امام المسلمین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادے اور دونوں فریق کو کتاب و سنت کے احکام قبول کرنے پر آمادہ کرے اگر کوئی جماعت امام المسلمین ہی سے باغی ہو جائے تو امام ان سے گفتگو کرے ان کی شکایت سنے ان کو کوئی شبہ ہے یا غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرے اگر یہ باغی جماعت امام اور امیر کی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کرے جن سے امام کا ظالم ہونا قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے تو عامۃ المسلمین اس جماعت کی مدد کریں جو امام کی اطاعت سے منحرف ہو گئی تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آ جائے اگر باغی فرقہ ایسی وجوہ نہ بتا سکے جن سے امام المسلمین کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ باغی جماعت سمجھانے سے بھی باز نہ آئے اور امام المسلمین سے جنگ کرنے ہی پر تلی رہے تو امام المسلمین اور عامۃ المسلمین اس جماعت سے قتال کریں تاکہ امام المسلمین کے باغی لوگ اطاعت میں آجائیں..... اس سلسلہ کی تفصیلات ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا مِنَ الْآيَةِ نَزَلَتْ مِنِّي وَفِدْتِمِمْ حِينَ سَخِرُوا مِنِّي فَقَرَّاهِ الْمُسْلِمِينَ كَعَمَارٍ وَصَهْبِ
 وَالسُّخْرِيَةِ الْأَدْرَاةِ وَالْإِحْتِقَارِ قَوْمٌ أَيْ رِجَالٌ مِّنْكُمْ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَا
 يَسَاءَ مِنْكُمْ مِّنْ رِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَلْفُسُكُمْ لَا تُعَيَّبُوا فِتْعَانِزًا أَيْ لَا يُعَيَّبُ
 بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا تَبَابِزُوا بِالْأَلْقَابِ لَا يَدْعُو بَعْضُكُمْ بَعْضًا بِكُفْرِهِ زَيْنًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا
 الْإِسْمَ أَيْ الْمَذْكُورَ مِنَ السُّخْرِيَةِ وَاللَّمْزِ وَالْتِنَابِزِ الْقُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ بَدَلٌ مِّنَ الْإِسْمِ لِإِفَادَةِ أَنَّهُ
 فِسْقٌ لِّكَتْرِهِ عَادَةً وَمَنْ لَمْ يَكُفْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ
 الظَّنِّ إِثْمٌ أَيْ مُؤْنَمٌ وَهُوَ كَثِيرٌ كَظَنِّ الشُّوْهِ بِأَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ كَثِيرٌ بِخِلَافِهِ بِالْمُسَاقِ مِنْهُمْ
 فَلَا لِمَ فِيهِ نِي نَحْوَمَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ وَلَا تَجَسَّسُوا حَذِيفَ مِنْهُ أَحَدِي التَّائِبِينَ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَ
 مَعَانِيَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا يَدْعُو بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ أَيُّجِبُ أَحَدَكُمْ أَنْ
 يَأْكُلَ لَحْمَ أُخِيهِ مَيْتًا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ لَا يَحْسُبُ بِهِ لَافِكْرَهُتَهُهُ أَيْ فَاغْتِيَابَهُ فِي حَيَاتِهِ كَمَا كَلِمَ

قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو، ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضکہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی مت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارنا) برانام رکھنا (جس سخریہ، لمز، تباہ کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کی لئے کہ یہ فسق ہے، کیونکہ بدل عادت مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنیوالے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دو تائیں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہنگا لگا کر بیان نہ کیا کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگواری بات بیان نہ کرو اگرچہ وہ بات اس میں ہو) کیونکہ تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (بیٹا تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے، ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگواری سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے، جیسے اس کے مرنیکے بعد اس کا گوشت کھالینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو، اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگواری سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کر لو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنیوالوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (آدم و حوا سے) ورتہمیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ نسب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمائر کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے، پھر افی ذ، پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے بکسر العین، قحطی بطن ہے ہاشم فخذ ہے۔ عصب نصیلہ ہے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اس کی دو تائیں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کی پہچان کیلئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر لیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب میں زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار رہے۔ یہ گوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ اہم ایمان لے آئے (جان و دل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرمادیتے تھے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم

مقبول ترین جلائد جلد ۱۳۷

اللہ رسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ تعالیٰ کی نہ کرے گا (ہمزہ کیساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلاشبہ اللہ (مؤمنین کی) بہت مغفرت کرنے والا (ان پر) بہت رحم کرنے والا ہے۔ پورے مؤمن (یعنی سچے مؤمن جیسا کہ آج نصرت ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک و شبہ نہیں کیا (ایمان میں ڈانوا ڈول نہیں ہوئے) اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی چمکی ظاہر ہو گئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں)۔ وہ لوگ سچے نہیں جو آمنتا تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ (تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمنتا کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں (بغیر خون ہائے مسلمان ہو گئے برخلاف دوسرے لوگوں کے کہ بعض ان میں قتل و قنا کے بعد اسلام لائے) آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منسوب ہے با جا رہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ہدا کہ دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمنتا کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین آسمان کی سب مخفی باتوں کی (جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (یعلمون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: رَجَالٌ مِّنْكُمْ : یہ مردوں سے خاص اسی وجہ سے عورتوں کا تذکرہ الگ کیا۔

قولہ: لَا تُعَيِّرُوا : جس نے طعن زنی والی حرکت کی وہ ملامت کا حقدار ہے۔

قولہ: يَكْفُرْهُ : النكير: یہ لفظ برے لقب کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ: الْمَذْكُورُ : ان کی بات سے مشہور ہو جانے والی بات جو لوگوں میں تعریف یا تذلیل سے پھیل جائے اور واقعہ میں ان کا تذکرہ گناہ ہو گیا یا اس طرح کہا گیا مؤمن کے لیے بلند ہونے والا تذکرہ بہت برا ہے جو ان جرائم کی وجہ سے کہ وہ اس کو فسق سے یاد کریں۔

قولہ: يَنْكُرُهُ عَادَةً : اس تمسخر اور تباہی سے مراد مطلقاً فسق ہے خواہ لفظ فسق سے ہو یا کفر سے، اس لیے کہ برالقب بار بار ہرایا جاتا ہے اور جس کا نام پڑتا ہے وہ اس کو برا لگتا ہے۔

قولہ: لَا يَحْسُبُ : اس میں اشارہ کیا یہ میت اور جس کی غیبت کی گئی ان میں مشابہت کی وجہ بتلائی اور وہ

دنوں میں کھانے کے وقت اس کا معلوم نہ ہونا ہے۔
 قوله: وَهَرَاغْلِي طَبَقَاتٍ: وہ قبائل کو جامع ہے اور قبیلہ عمار کو اور اسی طرح باقی سمجھ لو۔
 قوله: بِالْهَمِزِ: یہ لایا بالتکم ہے جوالت سے بنا ہے اور اگر ہمزہ چھوڑ دیں تو یہ لات لیتا ہے جب کہ وہ کم ہو۔
 قوله: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ: یہ مبتداء اور الذین خبر ہے۔
 قوله: أَكْشَعُرُونَ: یعنی کیا تم اس کو جتلاتے ہو۔
 قوله: مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ: یعنی تمہارے ان سے قتال کے بغیر۔
 قوله: فِي قَوْلِكُمْ: فقط راہنمائی کر دینا ہدایت پالینے کو لازم نہیں۔
 قوله: تَعْمَلُونَ: اس کو تا اور یادوں سے پڑھا گیا ہے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ.....

باہم مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام:

ان آیات میں اہل ایمان کو چند نصیحتیں فرمائیں اولاً تو یہ فرمایا: لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ بنائیں اور کوئی کسی کے ساتھ تمسخر نہ کرے چونکہ مردوں کا آپس میں زیادہ ملنا جلتا رہتا ہے، اور عورتوں کا عورتوں سے زیادہ میل جول رہتا ہے اس لیے طرز خطاب یوں اختیار فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ بنائیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ بنائیں یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا مذاق اڑانے کی اجازت دی گئی ہے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ہنسی کرنے والوں کو اس کا کیا حق ہے کہ کسی کا مذاق بنائیں اصل بڑائی ایمان اور اعمال صالحہ سے ورا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے سے ہے کوئی شخص دوسرے آدمی کے اعمال اور باطنی جذبات و اخلاص و حسن نیت کو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ شخص اللہ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ موت کے بعد کون کس سے فضل ہوگا اس کا بھی علم نہیں ہو سکتا ہے یہ جس کا مذاق بنایا جا رہا ہے وہ مذاق بنانے والے سے بہتر ہو مردوں میں بھی یہی بات ہے اور عورتوں میں بھی اگر موت کے بعد اپنے اچھے حال کا اور جس کا مذاق بنا رہے ہیں اس کی بد حالی کا یقین ہو جائے تو تمسخر کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی، لیکن جب اپنے ہی بارے میں علم نہیں کہ میرا کیا بنے گا تو دوسرے کا مذاق بنانے کا کیا مقام ہے؟ کسی کا مذاق بنانے میں ایک تو تکبر ہے کیونکہ مذاق بنانے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ ہے اگر اپنے حالات کا استحضار ہو تو کبھی کسی کی برائی اور غیبت کرنے اور کسی کا مذاق بنانے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے، دوسرے کا مذاق بنانے میں ایذا رسانی بھی ہے اس سے اس کو قلبی تکلیف ہوتی ہے جس کا مذاق بنایا گیا ایذا دینا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور اس سے

ذائقہ نہ کر (جس سے اسے تکلیف پہنچے) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر جس کی تو خلاف ورزی کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۴)

خوش طبعی کے طور پر جو آپس میں مذاق کیا جائے جسے عربی میں مزاح کہتے ہیں وہ درست ہے مگر جھوٹ بولنا اس میں بھی جائز نہیں ہے اور اگر مزاح سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو وہ بھی جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے آپ نے فرمایا میں اس موقع پر بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۶)

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مذاق بنانا زبان سے ہی ہو، آنکھ سے یا ہاتھ سے یا سر سے اشارہ کر کے کسی کا مذاق بنانا اسے معلوم ہو یا نہ ہو یہ سب حرام ہے سورۃ المومنون میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فقال اللہ تعالیٰ: **وَنُزِّلَ لِكُلِّ هُمْزَةً لَمَزَةً**

دوسری نصیحت: یہ فرمایا: **وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ** (اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ) یہ بھی بہت جامع نصیحت ہے کسی کو قطعاً دینا اس کے جسم میں، بول چال میں قدم میں عیب ظاہر کرنا زبان سے ہو یا اشارہ سے نقطہ میں لکھ کر یا مضمون شائع کر کے لفظوں کے عموم میں یہ سب باتیں آگئیں اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو تب بھی عیب ظاہر کرنے کے طور پر بیان کرنا حرام ہے کسی دراز قد کو لمبڈھیک یا لمبو یا پستہ قد کو ٹھکنا بتا دیا کسی کے ہلکے پن کی نقل اتاری، جس کی چال میں فرق ہے اسے لنگڑا کہہ دینا یا مینا کو اندھا کہہ کر پکارنا سیدھے آدمی کو بدحوکہنا یہ سب عیب لگانے کے زمرے میں آتا ہے، یہ سب اور اس طرح کی جو باتیں عام طور پر رواج پذیر ہیں ان باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں حضرت صفیہؓ کا قد چھوٹا تھا حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا کہ صفیہؓ کا قد بس اتنا سا ہے (اور یہ بطور عیب لگانے کے کہا) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ بولا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر کے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۴)

یاد رہے کہ: **(وَلَا تَلْمِزُوا عِيْبَكُمْ)** نہیں فرمایا بلکہ **وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ** فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں جب کسی کو کچھ کہیں گے تو وہ الٹ کر جواب دے گا اس طرح سے اپنا عمل اپنے ہی کی طرف لوٹ کر آجائے گا دوسرے کو عیب لگانے والا خود اپنی بے آبروی کا سبب بنے گا۔

تیسری نصیحت: یہ فرمائی: **وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْأَلْقَابِ** (اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو) ایک دوسرے کو برا لقب دینے اور برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے مثلاً کسی مسلمان کو فاسق یا منافق یا کافر کہنا یا اور کسی ایسے لفظ سے یاد کرنا جس سے برائی ظاہر ہوتی ہو اس سے منع فرمایا، کسی کو کتا، یا گدھا یا خنزیر کہنا کسی نو مسلم کو اس کے سابق دین کی طرف منسوب کرنا یعنی یہودی یا نصرانی کہنا یہ سب **تَتَّبِعُوا بِالْأَلْقَابِ** میں آتا ہے یہ بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہؓ پہلے یہودی دین پر تھیں ان کا اونٹ مریض ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنی دوسری اہلیہ زینب بنت جحشؓ سے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ دے دو، انہوں نے کہا کیا میں اس یہودی عورت کو دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب کی وجہ سے غصہ ہو گئے اور ذی الحج اور محرم اور کچھ ماہ صفر کا حصہ ایسا گزارا کہ آپ نے حضرت زینبؓ سے تعلقات نہیں رکھے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۷۶) مسند احمد ۲۳۷، ۲۳۸ ج ۶ میں ہے یہ واقعہ سترج کا ہے۔

بہارِ مقبولین شرح جلالین جلد ۱۰
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں تَتَابَعُوا يَا آلَ آدَمِ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برائے عمل کیا سو اور پھر اس سے تابع ہو گیا اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے عنوان سے پکارا جائے مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ کہہ دیا جائے (مسلم الترمذی) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عیب دار بتایا یعنی عیب

جائے (مسلم الترمذی) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کو نہ کر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۴)

لگا یا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کو نہ کر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۴)
پھر فرمایا: يَهْتَسُ لِاسْمِ الْفُسُوْقِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مومن ہو اگر کسی کا مذاق بناؤ گے، عیب لگاؤ گے، برے لقب سے یاد کرو گے تو یہ فسق کا کام ہوگا کہنے والے کہیں کہ وہ مکھوڑہ آدمی ناست ہے مسلمان ہو کر فسق اور گنہگاری کا کام کرتا ہے اپنی ذات کو برائی سے موصوف اور معروف کرنا بری بات ہے کوئی مومن ہو اور اس کی شہرت گنہگاری کے ساتھ ہو یہ بات اہل ایمان کو زیب نہیں دیتی جب اسلام کو اپنا دین بنا لیا اسلام ہی کے کاموں پر چسپ اور صالحین میں شمار ہوں فاسقین کی فہرست میں کیوں شمار ہوں، تفسیر قرطبی میں: يَهْتَسُ لِاسْمِ الْفُسُوْقِ کا ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے گناہ کر لیا پھر توبہ کر لی تو اس کو فسق کے نام سے یاد کرنا بری بات ہے اور مثلاً نو مسلم کو کافر بتانا سابق گناہ کی وجہ سے زانی یا سارق یا چور کہنا بری بات ہے یعنی جس کے حق میں یہ بات کہہ رہے ہو اس کو برے لقب سے

کیوں یاد کر رہے ہو؟ اس کی آبرو کے خلاف لقب کیوں دے رہے ہو؟
چوتھی نصیحت: پھر فرمایا وَ مَنْ لَّمْ يَنْتَبِ فَادْبَابُكُمُ الظَّالِمُونَ (اور جو گناہوں سے توبہ نہ کرے سو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ان کا ظلم ان کی جانوں پر ہے تمام گناہوں سے توبہ کریں عموم حکم ان تینوں گمانوں سے توبہ کرنے کو بھی شامل ہے جن کا آیت بالا میں ذکر گزارا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ

پانچویں نصیحت: پھر فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ (اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا إِنْ بَعْضُ الظَّنِّ رَاتِمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض شکل و گمان سے طے کر لیا جاتا ہے اور پھر اپنے گمان کے مطابق قہمیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اس سے آپس میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے حالانکہ گمان پناہ ایک ذائقہ نہیں ہوتا ہے خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسی لیے سورۃ النجم میں فرمایا ہے: إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا) مؤمنین سے اچھا گمان رکھیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں ایک حدیث میں ارشاد ہے: زَايَا كَاهُ وَالظَّنُّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ (یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔) (مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۷)

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ قصاص پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اس کے شر سے بچنے کے لیے یہ خیال کرنا کہ ممکن ہے کہ یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچا دے یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے اپنی احتیاط کر لے غیبت نہ کرے اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا معاف فرمادے گا اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مؤمنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حُسْنُ الظَّنِّ بِنِ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے)۔ (مشکوٰۃ الصالح ۴۷۶ از احمد ابو داؤد)

البتہ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہو سکتی ہے اپنے اعمال و احوال، چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو جائے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برابر بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

چھٹی نصیحت: یوں فرمائی: وَلَا تَجَسَّسُوا (اور تم تجسس نہ کرو) یعنی لوگوں کے عیوب کا سراغ نہ لگاؤ اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے بہت سے لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں حالانکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے دنیا اور آخرت میں اس کی مزا مل جاتی ہے اور تجسس کرنے وال ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے، بہت ہی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کو استعمال کرنا پڑتا ہے جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی، مؤمن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس کو چھپالیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔

(مشکوٰۃ الصالح ص ۱۳۴)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے دو لوگو جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عیب نہ لگاؤ ان کے چھپے ہوئے حالات کی تلاش میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیب کے ظاہر ہونے کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے چھپے ہوئے عیب کا پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اسے رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے کھر کے اندر ہو۔

(رواہ اترندی)

یاد رہے کہ جس طرح سے کسی کے عیب یا گناہ یا بد حالی کا پتہ چلایا جائے یہ سب تجسس میں داخل ہے چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے کسی کی باتیں معلوم کر لینا یہ سب تجسس ہے جو ممنوع ہے۔

ساتویں نصیحت یہ فرمائی: وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا (کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو) مزید فرمایا: اَلْحَبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو) یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے جیسے تمہیں مردہ بھائی کا گوشت کھانا ناگوار نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے، بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بلا ہے نمازی اور

تقویٰ کے دعویدار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا قیامت سے۔ جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا لیکن اس وقت کا پچھتانا چھوٹا ندرے گا اب اس بات کو سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا: (ذکر کل أخاك بما يكره) کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اسے برا لگے یہ غیبت ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ کب بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے ندر موجود ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیسا ارشاد ہے؟ فرمایا: تیرے بھائی میں وہ عیب کی بات موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی اور اگر تو نے کوئی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (روا مسلم ص ۲۲۲، ۲۶)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی غیبت ہے اگر چھوٹی بات کسی کے ذمہ لگادی تو وہ تہمت دھرتا اور اس میں دو گنا گناہ ہے ایک گناہ تہمت دھرنے کا دوسرا غیبت کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقہ پر یاد کرنا جس سے اسے ناگواری ہو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں، غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ جارہا ہے وہ اسے برا لگے سامنے ہو یا پیچھے غیبتیں کرتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں میں اس کے سبب کہہ سکتا ہوں حدیث بالا سے ان کی جرأت بے جا کا پتہ چلا، ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جس کا عذاب اور وبال بہت بڑا ہے اور سمجھتے یوں ہیں کہ ہم گناہ سے بری ہیں اللہ تعالیٰ شانہ سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص زنا کر بیٹا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور اگر کوئی شخص غیبت کرے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۱۵)

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں حق اللہ اور حق العباد دونوں کا ضائع کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے اس لیے اس کا حق بھی ضائع کیا اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے کم از کم اس کی برائی نہ کی جاتی جب غیبت کر لے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لیے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہو گئی، ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے اور یوں دعا کرے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ لَكَ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۱۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی ایسے لوگوں پر

میرا گزر ہوا جن کے تاجے کے ناخن تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے آبروئی کرتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد ۲۷۳۱۳ ج ۲)

غیبت کرنے والے آیت کریمہ اور احادیث شریف کے مضامین پر اور اس سلسلہ کی وعیدوں پر غور کریں۔ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کا کٹ کرے اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرے۔ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ** تلاوت فرمائی۔ (ذکر صاحب مشکوٰۃ ۲۶۱)

اور حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مومن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روک دے گا جب تک اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کر لے جس کو عیب دار بتایا تھا۔ (رواہ ابوداؤد ۲۷۳۱۳ ج ۲)

اور حضرت جابر اور ابو طلحہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبرو گھٹانی جارہی ہو اور وہاں جو شخص موجود ہو اس کی مدد نہ کرے (یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے) اللہ تعالیٰ ایسی جگہ میں اسے بغیر مدد کے چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اس کی آبرو گھٹانی جارہی ہو اور بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایسی جگہ میں مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۲۶۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کسی کے سامنے کوئی شخص کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کا دفاع کرے۔

یہ جو ارشاد فرمایا: **أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ**، اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے اور وہ یہ کہ ایک صحابی نے زنا کر لیا تھا جن کا نام ماعز تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے پھر ان کو سنگسار کر دیا گیا ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اس سے رہانہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کی رجم کی گئی یعنی پتھروں سے مارا گیا، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر رہا جو ادھر پر کوٹا ٹنگ اٹھائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں (ایک بات کہنے والا دوسرا سننے والا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم حاضر ہیں، فرمایا تم دونوں اتر دو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے آپ نے فرمایا وہ جو ابھی ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت

سے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

(رواہ ابو داؤد، ص ۲۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ زندہ کی غیبت کرنا حرام ہے۔

خاتلہ: یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت ہو آنکھ کے اشارہ سے ہاتھ کے اشارہ سے نقل اتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے کسی کی اولاد میں عیب نکالنے کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کر دے اس میں ڈبل غیبت ہے باپ کی بھی اور اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی، بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کر دیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

آنھویں نصیحت: پھر فرمایا: وَ اتَّقُوا اللَّهَ (اور اللہ سے ڈرو) اس میں سب گناہوں سے بچنے کا حکم فرمادیا اور ساتھ ہی إِنَّ لِلَّهِ تَوَابٌ رَجِيمٌ ۝ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔ جس کسی سے جو گناہ ہو گیا ہو اس سے توبہ کرے اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا ہو غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرا لے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا معاف فرمادے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ

نویں نصیحت: اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے چھوٹے بڑے قبیلے بنا دیئے تاکہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا ہے آدمی ہونے میں برابر ہو کیونکہ سب آدم اور حواء (علیہ السلام) کی اولاد ہو لہذا آدمیت میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزت کا معیار بتا دیا ہے۔ اس کے برخلاف لوگوں کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرکب ہوتے ہیں نمازوں کے بھی تارک ہیں زکوٰتیں بھی نہیں دیتے فسق و فجور میں مبتلا ہیں حرام کھاتے اور حرام کھاتے ہیں لیکن نسب کی بڑائی بگھارتے ہیں سید اور ہاشمی اور صدیقی اور فاروقی، مثالی، طلوی، انصاری، شیخ، ملک، چوہدری اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے۔ آ رہے ہیں سید صاحب رازمی، مونڈی ہوئی ہے پتلون پہنے ہوئے ہیں ٹائی لگی ہوئی ہے بیگ کے منجر ہیں اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں، ظاہر اور باطن دشمنوں کے ہاتھ بکا ہو ہے اور ہیں سید صاحب یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء، و صلحاء، نمازی در متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کچھ وگ سفید سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی فضیلت کی خام خیالی میں مبتلا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّكَ لَسَنْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضَلَ بِتَقْوَى (بے شک گورے اور کالے سے بہتر نہیں الا یہ کہ تقویٰ میں بڑھ جائے)۔ (رواہ احمدی سندہ من ابی داؤد، ص ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صفا پر چڑھ کر قریش سے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچالو میں

قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا، بنی کعب، بنی مرہ، بنی عبد شمس، بنی عبد مناف، بنی ہاشم، بنی عبد المطلب، اسے جنت بنی قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا اور ان سے یہی فرمایا: أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ اپنے چچا عباس بن مطلب اور اپنی پھوپھی صفیہ اور اپنی بیٹی فاطمہ سے بھی خاص طور سے یہ خطاب فرمایا۔ (رداء البخاری و مسلم کی منکر العجاج: ۱۶۰)

نب کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر رفع درجات ہوگا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی اہل ایمان ہی کے لیے ہوگی۔

جزوی طور پر جو نبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتہ پر گناہ کرتے چلے جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا یہ بہت بڑے دھوکے کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت (یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی) کو اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے اب تو بس مؤمن متقی ہے یا فاجر مشقی ہے انسان سب آدم کے بیٹے ہیں آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (رداء ابوداؤد و الترمذی کنی المخلوۃ ۴۱۸)

دوسری نصیحت: إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ خَيْرٌ ۝ بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔ استحضار ہے کیونکہ اللہ علیم دخییر ہے کس کا کیا درجہ ہے کون ایمان دار ہے کون بے ایمان ہے کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے سب تقویٰ اختیار کرنے کے لیے فکر مند ہوں تاکہ تقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

لِتَعَارَفُوا لَمْ يَكُنْ تَشْرِيحٌ كَرْتِي هُوَ صَاحِبُ بَيَانِ الْقُرْآنِ فَرَمَاتِي هِيَ "تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتی ہے اور یہ کہ اسے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شریعہ ادا کیے جاتے ہیں اور مثلاً اس سے عصبانیت کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے تو حاب اور محبوب متعین ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اپنا خاندان ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندانوں کی طرف منسوب نہ کرے گا جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے آیت کریمہ میں لَفِظٌ شُعُوبٌ اَوْ لَفِظٌ قَبَائِلٌ مَذْكَورٌ هُوَ شَعْبٌ خَانِدَانِ كِيْزٌ كُوَيْلِيْنِ اَوْ بَدَالِيْنِ خَانِدَانِ كُوْا وُورِ قَبِيْلَةٍ اِسْ كِيْ شَاخٌ كُو كَبْتِيْنِ۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں:

کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے۔ اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ ان کو کہئے اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے نبی کی اطاعت میں آئے ہیں اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان انہام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے جبرائیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ

انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔ پس وہ زینہ بہ زینہ چلے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے انصاف کی طرف آئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے چند لوگوں کو عطا کیا اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعد نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مؤمن ہے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان؟ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعد نے یہ کہا اور حضور ﷺ نے بھی یہی جواب دیا پھر فرمایا اے سعد میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جوان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہے ہے اسے نہیں دیتا ہوں، دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ اونٹن سے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے پس اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے مؤمن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے سے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمد للہ۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے تھے تو مسلمان لیکن اب تک اس کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے نہیں ادب سکھایا گیا۔ حضرت ابن عباس اور ابراہیم نخعی اور قتادہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مؤمن نہ تھے (یہ یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس وقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا اس کا ثبوت بھی موجود ہے واللہ اعلم۔ (مترجم) حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت ابن زید فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم (اسلمنا) کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع ہو گئے ہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن حزمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورۃ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ و اس کے رسول ﷺ کے فرماں بردار رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔ جیسے فرمایا: وَمَا أَكْتَفْتُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (سورہ: ۲۱) ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے برائی سے لوٹ آئے اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی کٹما نیال پیدا ہوتا ہے بلکہ اسی خیال تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جسے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی

پندرہ دولت کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ اللہ کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ اللہ میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پالیا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طبع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اسلام مانے کا احسان نہ جتاؤ تم اگر اسلام قبول کر دو گے میری فرماں برداری کرو گے میری مدد کر دو گے تو اس کا نفع تمہیں کو ملے گا۔ بلکہ دراصل ایمان کی دولت تمہیں دینا یہ اللہ ہی کا احسان ہے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (اب غور فرمائیے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر اللہ پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ ہاں آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہو تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے ارشاد ہے اپنے سلام کا احسان تجھ پر رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت اللہ کا خود ان پر احسان ہے۔ پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتانا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے، مزید دلائل صحیح بخاری شریف وغیرہ ملاحظہ ہوں مترجم) بس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنے ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا جب کبھی حضور ﷺ کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم مسلمان ہوئے عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر لال رہا ہے اور یہ آیت: يَمْشُونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمْتِنُوا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ هَلْ اَللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات: ۱۷) نازل ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی حکمی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

سُورَةُ قَم

س ۷۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ق

سُورَةٌ ۵۰ مَكِّيَّةٌ ۳۷

رُكُوعَاتُهَا

۳

آيَاتُهَا

۲۵

سورہ قم میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو ہے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں ہیں اور اس میں

ق۱ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ ۝ الْكَرِیْمِ مَا اَمَرَ كُفَّارًا مَّكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ
عَجَبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِنْهُمْ رَّسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يُنذِرُهُمْ يَخَافُوهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا
الْاِنْدَارُ شَيْءٌ عَجِیْبٌ ۝ اِذَا بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزِ تَيْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاِذْ خَالَ الْاِلْفِ بَيْنَهُمَا عَلٰی الْوَجْهَيْنِ مِثْلًا
وَكَثَاثَةً اَبَا ۝ تَرْجِعُ ذٰلِكَ رَجْعٌ اَبْعَدُ ۝ فِیْ غَایَةِ الْعَدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ تَاْكُلُ مِنْهُمْ ۝ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ
حَفِیْظٌ ۝ هُوَ اللُّزْخُ الْمَحْفُوْطُ بِهٖ جَمِیْعُ الْاَشْیَاءِ الْمُقَدَّرَةِ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بِالْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِیْ
شَاْنِ النَّبِیِّ وَالْقُرْآنِ فِیْ اَمْرِ قَمْرِیْجٍ ۝ مُّضْطَرِبٍ قَالُوا اَمْرَةٌ سَاجِدٌ وَسَحْوٌ وَمَرَّةٌ شَاعِرٌ وَشِعْرٌ وَمَرَّةٌ كَاهِنٌ
وَكَهَانَةٌ اَلَمْ يَنْظُرُوْا بِعُیُوْنِهِمْ مُّعْتَبِرِیْنَ بِعُقُوْبِهِمْ حِیْنَ اَنْكُرُوا الْبَعْثَ اِلَى السَّمٰوٰتِ لَآئِنۡهٗ فَوْقَهُمْ كَيْفَ
بَيَّنَّهَا بِلَا عَمَدٍ وَّرِیْثُهَا بِالْكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ شُقُوْقٍ تُعِیْبُهَا ۝ الْاَرْضُ مَعْطُوْفٌ عَلٰی مَرٰضِعٍ
اِلَى السَّمٰوٰتِ كَيْفَ مَدَدْنَاهَا دَخُوْنَا عَلٰی وَجْهِ الْمَآءِ وَالْقَيْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ جِبَالًا تُثْبِتُهَا ۝ اَلْبُنٰتُ فِیْهَا مِنْ كُلِّ
رَوْحٍ صَفِیٍّ بِهَیْجٍ ۝ یَهْجُ بِهٖ لِحُسْنِیَّةٍ تُبْصِرًا مَّفْعُوْلٌ لَهٗ اٰیٌ فَعَلْنَا ذٰلِكَ بِجَبِیْرٍ اِمْنَا ۝ وَذَكَرَیْ تَذَكِّرًا
لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ رَجَاعٌ عَلٰی طَاعَتِنَا ۝ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمٰوٰتِ مَآءً مُّبْرَكًا كَثِیْرًا لِّیُبْرِكَ فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَبَلِیَّ بِسَابِغِیْنَ
وَحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِیْدِ ۝ الْمَحْضُوْدِ وَالتَّخْلِیْلِ بِسَقْتٍ طَوَالًا حَالَ مُقَدَّرَةٍ لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝ فَتَرَكَتْ بَعْضُهُ
فَرُوْقٌ بَعْضٌ رَزَقًا لِلْجِبَادِ ۝ مَفْعُوْلٌ لَهٗ ۝ وَاَحْبَبْنَا بِهٖ بِلَدَّةٍ مُّیْتًا ۝ یَسْتَرِیْ فِیْهِ الْمُدْكُرُوْنَ وَالْمُؤَنَّثُ كَذٰلِكَ اٰیٌ مِثْلُ
هٰذِهِ الْاِحْتِیَاءِ الْخُرُوْجِ ۝ مِنَ الْقُبُوْرِ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ ۝ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِیْرِ وَالْمَعْنٰی اَنَّهُمْ نَظَرُوْا وَاعْلَمُوْا اَمَّا

ذَكَرَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ تَأْتِيكَ الْفِعْلُ لِمَعْنَى قَوْمٍ وَأَصْحَابُ الرِّبِّ هِيَ بَيْتٌ كَانُوا مُقِيمِينَ عَلَيْهَا
 بِمَوَاسِيهِمْ يَغْلِبُونَ الْأَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ نُوْحٌ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ رَقِيبٌ غَيْرُهُ وَكُتُوْدٌ قَوْمٌ صَالِحٌ وَعَادٌ قَوْمٌ
 هُوْدٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أَي الْعِظَةِ قَوْمٌ شُعَيْبٌ وَقَوْمٌ تُجَيْعُ هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ
 أَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَكَذَّبُوهُ كَلَّ مِنْ الْمَذْكُورِينَ كَذَّبَ الرَّسُلَ كُفْرٌ فُرَيْشٌ فَحَقُّ وَعَيْدٌ
 وَجَبْتُ زَوْلَ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيعِ فَلَا يَضِيقُ صُدْرَكَ مِنْ كُفْرٍ فُرَيْشٌ بَلَكَ أَفْعَيْتَنَا بِالْحَلْقِ الْأَوَّلِ أَي لَمْ
 نَعْنِي بِهِ فَلَا نَعْنِي بِالْإِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِي كَيْسٍ شَكٍّ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ وَهُوَ الْبَعْثُ

۱۵۹

ترجمہ: سورہ ق کی یہ ہے جز آیت ولقد خلقنا السنوات کے۔ وہ مدنیہ ہے۔ کل ۳۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار مکہ آنحضرت پر ایمان نہیں لائے) بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی۔ کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا (انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جو ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے۔ یہ چار قراءتیں ہوئیں) ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی دور کی) بات ہے۔ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں) بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔ غرض کہ یہ لوگ (آنحضرت اور قرآن کریم کے معاملہ میں) ایک متزلزل حالت میں ہیں (ڈانواں ڈول ہیں کہ کبھی جادوگر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر و شاعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کہ ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقول کو کام میں لا کر، انکار قیامت کرتے ہوئے) آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے (بلاستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی رخسہ (عیب و پھٹن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہو رہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے) اور ہم نے اس میں (مضبوط) پہاڑوں کو جمادیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں اگا دیں (جن سے ان کے حسن میں رونق آگئی) جو ذریعہ ہے پیمائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو پیمائی کیلئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کیلئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا۔ پھر اس سے بہت سے باغ (چمن) اگائے اور (کئی ہوئی) کھیتی کا غلہ (دانے) اور لکھو ایسی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (میتا میں مذکر مونث برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا

(ہے) قبروں سے نکلنا ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو۔ استفہام تقریر کیلئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں) ان سے پہلے قوم نوح (کذبت فعل مونث لایا گیا معنی قوم کی رعایت کرتے ہوئے اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے جانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض راے میں ان کے پیغمبر حضرت حظلہ بن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور ثمود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب اناک (بمعنی جھاڑی بن، قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) تکذیب کر چکے ہیں۔ ان سب نے (ترش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید متفق ہوگئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہو گیا۔ لہذا آپ کو قریش کے سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پید کرنے میں تھک گئے ہیں؟ (یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کر نیکی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: الْكَرِيمُ: یعنی شرافت والا یا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بزرگی والا کلام ہے۔
 قوله: نَزَجُ: کیا ہم لوٹ کر جائیں گے جب کہ ہم مٹی ہو جائیں گے۔ یہ زجج کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔
 قوله: فِي غَايَةِ الْبُعْدِ: عن الوهم، وہ وہم، عادت و امکان سے نہایت دور ہے۔
 قوله: مُضْطَرِبٍ: یہ مرجع الہما تم سے نکلا ہے یہ انگوٹھی جب انگلی میں کھلی ہونے کی وجہ سے حرکت کر لے، اس وقت بلا جاتا ہے۔

قوله: كَاثَّةٌ: حال ہے۔

قوله: إِلَى السَّمَاءِ: حرف کے واسطے سے یہ مفعول بہ ہے۔

قوله: دَحَوْنَا: اس کو بچھا دیا۔ بھیج بمعنی مہونج۔

قوله: فَعَلْنَا ذَلِكَ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ افعال مذکورہ کی علت ہے۔ اگرچہ آخری فعل سے منصوب ہے۔

قوله: الْمَخْضُودِ: جس کو کاٹا جائے جو، گندم وغیرہ۔ طلع، شگوفہ کو کہتے ہیں جو کھجور کا ہو گا بھا۔

قوله: ذُرْقًا: یہ ابتنا کا مفعول بہ ہے۔

قوله: وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّفْرِيرِ: افلم ينظروا میں استفہام تقریر ہے۔

قوله: قَوْمٌ نُّوحٌ: تہید کے معنی میں مؤنث ہے۔

قوله: فِرْعَوْنَ: سے فرعون اور اس کی قوم مراد ہے، تاکہ ما قبل سے مناسبت ہے۔ اور بالبعد سے نہیں۔

تفسیر مقبولین

گذشتہ سورت یعنی سورۃ حجرات کے مضامین آداب و حقوق رسالت پر مشتمل تھے اور اس امر کی توضیح و تفصیل تھی کہ انسانی سعادت و فلاح کا دار و مدار صرف رسول خدا ﷺ کے احکام و فرامین کی اطاعت و پیروی ہی میں منحصر ہے اور بارگاہ رسالت میں انقیاد و فرمان برداری حقیقت ایمان ہے تو اب اس سورۃ ق میں قرآن کریم کی عظمت و برتری بیان کی جا رہی ہے اور یہ کہ یہ جملہ ہدایات اور سعادت و فلاح کے خزانے کتاب الہی قرآن حکیم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

روایات صحیحہ کی رو سے یہ ثابت ہے کہ مفصلات قرآن میں یہ پہلی سورت ہے، امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سنن میں روایت کیا ہے کہ اس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابہ سے یہ دریافت کیا کہ آپ حضرات قرآن حکیم کے حصے کس طرح کرتے ہیں فرمایا تین تین سورتوں اور پانچ۔ سات۔ نو۔ گیارہ۔ اور تیرہ سورتوں کے حصے متعین کر لیتے تھے اور مفصلات کا ایک حصہ (جو سورۃ ق سے شروع ہوتا ہے) تین سورتوں سے مراد بقرہ، آل عمران۔ اور سورۃ نساء ہیں اور پانچ سے مراد مائدہ۔ انعام، اعراف اور انفال و براءۃ ہیں۔

اور سات سے سورۃ یونس۔ ہود۔ یوسف، زمر، ابراہیم، حجر، اور سورۃ نمل ہیں اور نو سے مراد سورۃ سبحان الذی، کہف، مریم، مد، انبیاء، حج، مؤمنون، اور فرقان ہیں اور گیارہ سے مراد سورۃ شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم جود، اجزاب، سبأ، فاطر اور سورۃ یسین ہیں، اور تیرہ سے مراد سورۃ صافات، ص، الزمر، غافر، حم، سجدہ، حم عسق۔ الزخرف۔ دخان، جاثیہ احقاف، قال، سورۃ فتح اور حجرات ہیں اور ان کے بعد مفصل۔

آنحضرت ﷺ اکثر اس سورۃ کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس سورۃ کے مضامین اکثر ابتداء تخلیق کائنات، بعثت بعد الموت، حشر و نشر حساب و وزن اعمال جنت (جنم اور ثواب و عقاب نیز ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہیں ال لحاظ سے یہ سورت گویا قرآن حکیم کے اہم مضامین اور اعظم مضامین کا خلاصہ اور لب لباب ہے اسی عظمت و اہمیت کے باعث آنحضرت ﷺ اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان بیان کرتی ہیں کہ ہمارا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بالکل قریب تھا حتیٰ کہ دو سال تک ہماری روٹی ایک ہی نور پر پکتی رہی تو مجھے سورۃ ق آنحضرت ﷺ کے جمعے کے خطبے میں سنتے سنتے حفظ ہو گئی حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ ابو داؤد لیشی سے دریافت کیا کہ بتاؤ آنحضرت ﷺ عیدین میں کون سی سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے، جواب دیا سورۃ ق و القرآن المجید۔ اور (آیت) "اقربت الساعة و انشق القمر"۔ اور صبح کی نماز میں بھی کثرت سے اس سورت کا پڑھنا ثابت ہے۔

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ

یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آخر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اہم و معارف سے دنیا کو جو حیرت بنا دیا۔ یہ ہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص و عیب نہیں ہے۔

کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے، لیکن منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل اور حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی اس کی مرتزہ رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مرتزہ ہو گئے۔ کیا پھر زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان و عادت سے بالکل بعید ہے۔

بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝

بَلْ كَاعْطَفُوا، بَلْ كَاعْطَفْ كَسْ پَر ہے اس كے بارے ميں صاحب روح المعاني لکھتے ہيں :

فكانه قيل انا انزلناه لتنذربه الناس فلم يومنوا به بل جعلوا ككلام المنذر والمنذره عرضة للنكبة والتعجب (يعني هم نے یہ قرآن نازل كيا تاكه آپ اس كے ذريعه لوگوں كو ذرا ميں ليكن وه لوگ اس پر ايمان نه ااسه انہوں نے ڈرانے والے كو بھی جھٹلایا اور جس چیز سے ڈرایا اس كو بھی جھٹلایا، حتى كونه مانا تكبر اختيار كيا اور تعجب كرنے لگے) کہ ہم ہی ميں سے ڈرانے والا آگيا اور کہنے لگے كه یہ تو عجيب چیز ہے، انہوں نے یہ بھی كہا كيا جب ہم مرجا ميں گے اور مٹی ہو جا ميں گے پھر زنده ہو كر انهيں گے یہ تو بہت ہی بعيد بات ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے ہمارے نزديك تو ايسا نہيں ہو سكتا ان لوگوں نے جو موت كے بعد واپس ہونے كو بعيد كہا اس كا جواب ديتے ہوئے فرمایا: قَدْ عَلَيْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ وَمِنْهُمُ كَمِمْ جانتے ہيں زمين جو ان كے اعضا كو كم كرتي ہے یعنی ان كے گوشوں كو اور ہڈيوں كو اور بالوں كو زمين جو كم كر ديتي ہے ميں اس سب كا علم ہے۔ وَ عِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيفٌ ۝ اور ہمارے پاس كتاب ہے جس نے ان سب چیزوں كو محفوظ كر رکھا ہے (زمين نے جو جزو كم كيا، ہڈيوں كى مٹی بن گئی جانوروں كى غذا ہو گئی) ان سب كا ہم كو پتہ ہے۔ جب صور پھونكا جائے گا تو یہ چیزیں زنده ہو جا ميں گی، اجسام تيار ہو كر روح داخل ہو جا ميں گی اور مردے زنده ہو كر كھڑے ہو جا ميں گے، جو پيدا كرنے والا ہے وہی موت دينے والا ہے، وہی موت كے بعد زنده فرمائے گا، اس كو سب كا علم ہے اور دوباره زنده كرنا اس كے ليے كچھ مشكل نہيں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے كه رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كه جو لوگ دفن كیے جاتے ہيں ان كى سب چیزیں گل جاتی ہيں یعنی مٹی ميں مل كر مٹی ہو جاتی ہيں سوائے ايك ہڈى كے وه باقی رہ جاتی ہے یعنی ريڑھ كى ہڈى كا تھوڑا سا حصہ قیامت كے دن اسى سے نئی پيدائش ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۱)۔

قَدْ عَلَيْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۝

احياء بعد الموت پر مشہور شبہ كا جواب :

قَدْ عَلَيْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۝، كفار و مشركين جو قیامت ميں بعث بعد الموت (يعني مردوں كے زنده ہونے) كا انكار كرتے ہيں ان كى سب سے بڑى دليل یہ تعجب ہے كه مرنے كے بعد انسان كے اكثر اجزاء جسم مٹی ہو جاتے ہيں، پھر وہ مٹی منتشر ہو كر دنيا ميں پھيل جاتی ہے، پانی اور هوا اس كے ذرات كہاں سے كہاں پہنچا ديتے ہيں، قیامت ميں دوباره زنده كرنے كے ليے ساری دنيا ميں بکھرے ہوئے اجزاء كو معلوم ركھنا كه یہ جڑ فساں كا ہے، یہ فساں كا اور پھر ہر ايك كے اجزاء كو الگ الگ

جمع کر دینا کس کے بس کی بات ہے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا کہ انسان اپنے محدود علم و بصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و لامتناہی علم کو قیاس کر کے اس گمراہی میں پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم تو اتنا وسیع اور محیط ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جز اس کی نظر میں ہے، وہ جانتا ہے کہ مردے کے کس کس حصہ کو زمین نے کھالیا ہے، کیونکہ اس کی کچھ ہڈیاں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہیں کہ ان کو زمین نہیں کھاتی اور جن کو زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے پھر وہ مٹی دنیا جہان کے جس گوشہ میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، جب وہ چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا اور ذرا غور کر تو اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلنا پھرنا نظر آتا ہے اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں، کوئی غذا کی صورت میں کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے، پھر اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ دوبارہ ان اجزاء کو دنیا میں منتشر کرنے کے بعد پھر ایک جگہ جمع کر دے اور صرف یہی نہیں کہ اب مرنے اور مٹی ہونے کے بعد انسان کے یہ اجزاء اس کے علم میں آئے ہوں، بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا ہر لمحہ اور اس میں پیدا ہونے والے تغیرات اور پھر مرنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات پیش آئیں گے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے سے لکھا ہوا لوح محفوظ میں موجود ہے۔

پھر جبر ایسا عظیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے، مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور مجاہد اور جہور مفسرین سے منقول ہے۔ (بحر محیط)

فی أمیر قریب ۱۰، لفظ قریب کے معنی لغت میں مخلط کے ہیں، جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط اور التباس ہو اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ نے مرتج کا ترجمہ فاسد سے فرمایا اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری وغیرہ نے مخلط اور ملتبس سے فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ کفار و منکرین رسالت اپنے انکار میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جتتے، کبھی آپ کو ساحر و جادوگر بتاتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن و نجومی کہتے ہیں، ان کا کلام خود ملتبس اور فاسد ہے جو اب کس کا دیا جائے۔

آگے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کاملہ کا بیان ہے جو آسمان و زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا: مَا لَهَا مِنْ فُؤُوجٍ ۱۰ فردج، فردج کی جمع ہے جس کے معنی شت کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ آسمان کا اتنا بڑا عظیم الشان کہ حق تعالیٰ نے بنایا ہے اگر انسان کی بنائی ہوئی چیز ہوتی تو اس میں ہزار جرز و پہوند اور شقوق کے نشانات پائے جاتے مگر تم آسمان کو دیکھتے ہو اس میں نہ کوئی پیوند لگا ہوا ہے نہ کسی جگہ سے جزائی درسلانی کے نشان نظر آتے ہیں اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے دروازے بنائے ہیں، دروازے کو شش نہیں کہا جاتا۔

أَقْلَمَ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ.....

اللہ کے حیر العقول شاہکار:

یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بھی بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے پیش کر رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ، ایک چھید، ایک شکاف، ایک دراڑ نہیں چنانچہ سورۃ تبارک میں فرمایا: (الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفْوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ) (الملك: ۳) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو اللہ کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر اور دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جمادیئے تاکہ مل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل بڑے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ (مہیج) کے معنی خوشنما، خوش منظر، بارونق۔ پھر فرمایا آسمان وزمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ کی طرف رغبت کرنے والا ہو پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے بھجور کے درخت اگادیئے جو بھر پور میوے لاتے اور لدے رہتے ہیں یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تازہ ہو گئی۔ اور چھیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ حیات اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں؟ کہ اللہ مردوں کے جلانے پر قادر ہے چنانچہ آیت میں ہے: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (غافر: ۵۷) یعنی آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَسْجُدْ بِمَخْلُوقِينَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُمْسِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الاحقاف: ۳۳) یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تنہا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلادے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْبَبَهَا لَمُنْجِي الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (نعلت: ۳۰) یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور خمر ہوتی ہے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے کیا یہ میری قدرت کی نشانی نہیں بتاتی؟ کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلا خشک و شہتاد ہے یقیناً وہ تمام تر چیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔

ماہد آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات بتلائے ہیں کہ ہر پیغمبر کو منکرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذا میں پیش آتی ہی ہیں، یہ سنت انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ ساڑھے نو سو برس نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ مزاح طرح کی ایذا میں پہنچتی رہیں

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟

اصحاب التبت لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے، مشہور معنی یہ ہیں کہ کچے کنویں کو رس کہا جاتا ہے، جو اینٹ پتھر وغیرہ سے پختہ نہ کیا گیا ہو، اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے، سخاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرموت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی، اسی لئے اس جگہ کا نام حضرموت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، یہ لوگ یہیں رہ پڑے، پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی، ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا، جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا، ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے: **وہلوا معطلۃ و قصر مشید** یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے نکلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی امت ہیں ان کا واقعہ قرآن میں بار بار پلے پلے ذکر کیا ہے۔

عاد: قوم عاد اپنے ذلیل اور قوت و شجاعت میں ضرب المثل تھی، حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، ان کو تالیان کی نافرمانی کی، آخر کار ہوا کے طوفان کا عذاب آیا اور سب فنا ہوئے۔

اصحاب الایککۃ: ایک گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں، یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام ان کی طرف گیا، مگر بھیجے گئے، انہوں نے نافرمانی کی، بالآخر عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

وقوم ثعیب: جمع یمن کے ایک بادشاہ کا لقب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلَهُ حَالًا بَتَقْدِيرٍ نَحْنُ مَا مَصْدَرِيَّةٌ تَوْسُوْسٌ تُحَدِّثُ بِهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ أَوَّلُ لِلتَّعْدِيَةِ
وَالضَّمِيرُ لِلْإِنْسَانِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ بِالْعِلْمِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ الْإِضَافَةُ لِلْبَيْتَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْفَانِ

لِصَفْحَتِي الْعُنُقِ إِذْ نَاصِبُهُ أَذْكَرُ مُقَدَّرًا يَتَلَقَّى بِأَخْذٍ وَبِثَبْتِ الْمُتَلَقِّينَ الْمَلَكَانَ الْمَوْكَلَانِ بِالْإِنْسَانِ
 مَا يَعْلَمُهُ عَنِ الْيَسِينِ وَعَنِ الشَّمَالِ مِنْهُ قَهْدًا ۝ أَي قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَأُ خَيْرُهُ مَا قَبْلَهُ مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلِ الْأَكْبَدِ
 رَقِيبٌ حَافِظٌ عَتِيدًا ۝ حَاضِرٌ وَكُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمَشَى وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ غَمْرَتُهُ وَشِدَّتُهُ بِالْعُنُقِ
 مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ حَتَّى يَرَاهُ الْمُشْكِرُ لَهَا عَيَانًا وَهُوَ نَفْسُ الشِّدَّةِ ذَلِكَ أَي الْمَوْتُ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَجِيدًا ۝
 تَهْرَبُ وَتَنْفِرُ وَتَفْزَعُ وَتَفْزَعُ فِي الصُّورِ لِلْبُعْثِ ذَلِكَ أَي يَوْمَ النَّفْخِ يَوْمَ الْوَعِيدِ ۝ لِيُكَفَّرَ بِالْعَذَابِ وَجَاءَتْ
 فِيهِ كُلُّ نَفْسٍ إِلَى الْمَحْشَرِ مَعَهَا سَائِقٌ مَلَكَ يَسْؤُهَا إِلَيْهِ وَشَهِيدًا ۝ بِشَهَادَتِهَا بِعِلْمِهَا وَهُوَ الْأَبْدِيُّ
 وَالْأَرْجُلُ وَغَيْرُهَا وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ لَقَدْ كُنْتُ فِي الدُّنْيَا فِي عَقْلَةٍ مِنْ هَذَا النَّازِلِ بِكَ الْيَوْمَ فَكَشَفْنَا عَنْكَ
 غِطَاءَكَ أَرِ لَنَا عَقْلَتَكَ بِمَا شَهِدْتَ الْيَوْمَ قَبْضُكَ الْيَوْمَ حَدِيدًا ۝ حَادُّ تُدْرِكُ بِهِ مَا أَنْكَرْتَهُ فِي الدُّنْيَا وَقَالَ
 قَرِينَةُ الْمَلِكِ الْمَوْكَلِ بِهِ هَذَا مَا أَي الْبَدِي لَدَيْ عَتِيدًا ۝ حَاضِرٌ فِيُقَالُ لِمَالِكِ الْوَقِيَّاتِ جَهَنَّمَ أَي أَنَّ
 الْقِيَامَ أَوْ الْقِيَامِ بِهِ قِرَاءَةُ الْحَسَنِ فَأَبْدَلَتْ التَّوَنُ الْفَاكِلُ كَفَّارٌ عَتِيدًا ۝ مُعَانِدٌ لِلْحَقِّ مُنَاجٍ لِلْخَيْرِ كَالزُّكْرِ
 مُعْتَبِدٌ ظَالِمٌ مُرِيبٌ ۝ شَاكٍ فِي دِينِهِ بِالَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ مُبْتَدَأُضْمِنٌ مَعْنَى الشَّرْطِ خَيْرُهُ قَالِقِيَّةٌ
 فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ تَفْسِيرُهُ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ قَالَ قَرِينَةُ الشَّيْطَانِ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَنَا أَصْلَانَهُ وَلكِنْ كَانَ لَنَا
 صَلْبٌ بَعِيدٌ ۝ فَدَعَوْتُهُ فَاسْتَجَابَ لِي وَقَالَ هُوَ أَطْعَمَنِي بِدُعَائِهِ لِي قَالَ تَعَالَى لَا تَخْضَعُوا لِلدَّيِّ أَي مَا
 يَنْفَعُ الْخِضَامَ هِنَا وَقَدْ كُفِّرْتُمْ إِلَيْكُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْوَعِيدِ ۝ بِالْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ لَوْلَمْ تُؤْمِنُوا وَلَا تَبْتَعُوا مَا
 يَبْدُلُ يَغَيِّرُ الْقَوْلَ لَدَيْ فِي ذَلِكَ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ فَأَعَذَّ بِهِمْ بِغَيْرِ جُزْمٍ وَظَلَامٍ بِمَعْنَى ذِي ظَلَمٍ
 لِقَوْلِهِ لَا ظَلَمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُومٌ لَهُ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے بتقدیر محسن) جو کچھ (ما مصدر یہ ہے) خیالات آئے
 ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (بازاں ہے یا تعدیہ کیلئے ہے اور بہ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے) جی میں اور ہم انسان
 کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (جبل الورد میں اضافت بانیہ
 اور ورد گردن کی دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) افہ
 کرنے والے دو فرشتے (انسان کے عمل پر جو در فرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے

اس کی خبر پہلے ہے (وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگرن) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب و عتید دونوں لفظ تشبیہ کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقتہً آہنچی (یہ آخرت کے متعلق ہے۔ حتیٰ کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے توبہ کرتا تھا (بھاگتا اور گمراہ ہوتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کیلئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہو رہا ہے) سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھا دیا (تیری غفلت دور کر دی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آ رہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (مؤکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے۔ جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، روزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) روزخ میں جھونک دو (یعنی ڈال دو، یا یقین جیسا کہ حسن کی قراءت ہے، نون کو الف سے بدل یا) ہر کفر کرنے والے ضدی کو (جو حق سے ہمنما رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (عالم) شہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا) ہو، جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن حق شرط کو مبتداء ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بچلایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی مہم پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلا یا ضرور تھا، مگر یہ خود میرے بہکانے میں آ گیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی مہم ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو (یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی، ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی۔ (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے لالوں۔ ظلام عالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لا ظلم الیوم مبالغہ کا مفہوم مراد نہیں ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: وَهُوَ الْبَاطِنُ: یعنی وہ ہماری تخلیق اول پر قدرت تو مانتے ہیں، مگر دوسری مرتبہ تخلیق پر قدرت کو نہیں مانتے کیونکہ وہ عادت کے خلاف ہے۔

قولہ: أُولَئِكَ عَدُوٌّ: ما مصدریہ ہو تو تعدیہ کے لیے ہوگا۔

قولہ: الْإِصَافَةُ: یہ اضافت جبل الورد کی قرب کی مثال ہے۔

قولہ: يَتَكَلَّمُ: حفاظت سے کسی چیز کو لینا اور لکھنا۔

قولہ: وَيُنْبِتُ: حفاط کرتا ہے۔ منقلبیاں: حفاط کرنے والے۔

قولہ: فاعِل: واحد اور متعدد کے لیے آتا ہے۔

قولہ: قَاعِدَانِ: بعض اوقات فاعل واحد اور متعدد دونوں کے لیے آتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَالْمَلَكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ۔

قولہ: سَكْرَةُ الْمَوْتِ: کفار کے استبعاد موت کی تردید فرما کر ان کو جتلا یا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کی گھڑی میں برو کو خود سامنے پائیں گے۔

قولہ: بِالْحَقِّ: یعنی سکرات موت واقعہ اسی طرح پیش آگئے۔ جیسے کتب انبیاء میں اس کی نشاندہی کی گئی۔

قولہ: وَعَبْرُهَا: جیسے فرشتے۔

قولہ: حَادٌّ: تیری نگاہ آج کھسی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ آنکھوں کو دیکھنے کے موانع زائل ہو گئے۔

قولہ: هَذَا: اس سے دیوان عمل مراد ہے۔

قولہ: الْقِيَامَ: میں شنی کی ضمیر کو یا فعل کو دوبارہ لانے کی طرح ہے۔

قولہ: بِالْوَعِيدِ: باز آمد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلَهُ مَا تَوَسَّوَسُ بِهِ نَفْسُهُ.....

سابقہ آیات میں منکرین حشر و نشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل و قیاس کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ اس طرح کیا تھا کہ تم نے حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم و بصیرت پر قیاس کر رکھا ہے اس لئے یہ اشکال ہے کہ مردے کے اجزا مٹی ہو کر دنیا میں بکھرنے کے بعد ان کو کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے بتلایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے علم میں ہے، ہمارے لئے ان سب کو جب چاہیں جمع کر دینا کیا مشکل ہے، آیات مذکورہ میں بھی علم الہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے کہ انسان کے اجزائے منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات کو بھی ہر وقت ہر حال میں جانتے ہیں اور اس کی وجہ دوسری آیت میں یہ بات بیان فرمائی کہ ہم انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کی تحقیق:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ کا جہور مفسرین نے یہی مطلب قرار دیا ہے کہ قرب سے مراد قرب علمی اور احاطہ علمی ہے قرب مسافت مراد نہیں۔

لفظ ورید عربی زبان میں ہر جاندار کی وہ رگیں ہیں جن سے خون کا سیلان تمام بدن میں ہوتا ہے، طبی اصطلاح میں:

قسم کی رنگیں ہیں، ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے بدن انسانی میں پہنچاتی ہیں، طبی اصطلاح میں صرف انہی رگوں کو وید اور جمع کو اور وہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیفہ بھاپ جس کو طبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے وہ اسی طرح تمام بدن انسانی میں پھیلاتی اور پہنچاتی ہیں ان کو شریان اور شراہین کہا جاتا ہے، پہلی قسم کی رگیں موٹی اور دوسری باریک ہوتی ہیں

آیت مذکورہ میں یہ ضروری نہیں کہ وید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے جو جگر سے نکلتی ہے، بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے وید کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا خون ہی دوران کرتا ہے اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انسان کے قلبی خیالات اور احوال سے مطلع ہونا ہے، اس لئے وہ زیادہ انبہا ہے اور بہر حال خواہ وید یا اصطلاح طب جگر سے نکلنے والی رگ کے معنی میں ہو یا قلب سے نکلنے والی شریان کے معنی میں، بہر دو صورت جاندار کی زندگی اس پر موقوف ہے، یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے، تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے، ہم اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں

اور صوفیائے کرام کے نزدیک قرب سے مراد اس جگہ صرف قرب علمی اور احاطہ علمی ہی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا اتصال ہے، جس کی حقیقت اور کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی، مگر یہ قرب و اتصال بلا کیف موجود ضرور ہے، قرآن کریم کی متعدد آیت اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَسْجِدْ وَاقْتَرِبْ**، یعنی "سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ" اور ہجرت کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق سے فرمایا: **اللہ معنا** یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: **ان معی ربی** یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے اور حدیث میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو، اسی طرح حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "میرا بندہ میرے ساتھ نقلی عبادات کے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔"

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے لئے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے وہ صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے اور ایسے مؤمنین اور ایسے اللہ کہاتے ہیں جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مؤمن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے، غرض مذکورہ آ یا اور آیات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے، گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے۔

اتصالے بے مثال و بے قیاس، ہست رب الناس را با جان ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ فراست ایمانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے

تفسیر مظہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے اور جمہور مفسرین کا قول پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اتصال سے مراد اتصال علمی اور احاطہ علمی ہے اور ابن کثیر نے ان دونوں معنی سے الگ ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ آیت میں لفظ سخن سے خود حق تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کے فرشتے مراد ہیں جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ

انسان کی جان سے اتنے باخبر ہوتے ہیں کہ خود انسان بھی اپنی جان سے اتنا باخبر نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔ (معارف القرآن مغنی عنہ)

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۝

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے:

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِينَ، تعلقی کے لغوی معنی اخذ کرنے کے لیے اور حاصل کر لینے کے آتے ہیں۔ فتعلق آدم من ربہ کلمت یعنی لے لے اور حاصل کر لئے آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات اس آیت میں متعلقان سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اعمال کو اپنے صحیفوں میں لکھتے رہتے ہیں، عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۝ یعنی ان میں ایک اس کے دائیں طرف رہتا ہے (جو اس کے اعمال صالحہ کو لکھتا ہے) دوسرا اس کے بائیں جانب (جو اس کی سیئات کو لکھتا ہے) قعید بمعنی القاعدہ ہے مفرد جمع دونوں کے لئے لفظ قعید استعمال ہوتا ہے اگرچہ قعید بمعنی قاعد ہے، جیسے جلیس بمعنی جالس، مگر ایک فرق یہ ہے کہ قاعد اور جالس تو صرف بیٹھنے کی حالت میں بولا جاتا ہے اور قعید و جلیس عام ہے جو کسی کے ساتھ ہو خواہ بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا چلتے پھرتے ہوئے ان کو قعید و جلیس کہیں گے، ان دونوں فرشتوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بیٹھا ہو یا کھڑا، چلتا پھرتا ہو یا سو رہا ہو، صرف ایسی حالت میں جب کہ یہ پیشاب، پاخانہ یا جماع کی ضرورت سے ستر کھولے ہوتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں، مگر اللہ نے ان کو اس کا ملکہ دے دیا ہے کہ اس حالت میں بھی وہ کوئی گناہ کرنے کو ان کو معلوم ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر نے احنف بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ ان دو فرشتوں میں سے صاحب یمن نیک اعمال لکھتا ہے اور وہ صاحب شام یعنی بائیں جانب کے فرشتے کا بھی نگران دامن ہے، اگر انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو صاحب یمن صاحب شام سے کہتا ہے کہ ابھی اس کو اپنے صحیفہ میں نہ لکھو اس کو مہلت دو اگر توبہ کر لی تو رہنے دو ورنہ پھر اعمال نامہ میں درج کرو۔

(رولہ ابن ابی مائیم)

اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے:

حضرت حسن بصری نے آیت مذکورہ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۝ تلاوت فرما کر کہا:

”اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک تیری دائیں جانب دوسرا بائیں جانب، دائیں جانب والا تیری حسنت کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کرو اور کم کریا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال ہیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا، جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا: (وکل انسان الزمہ طئره فی عنقه و نخرج له یوم القیمة کتابا لہ منشورا اقرا کتبک کفی بنسک الیوم علیک حسیبا) یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا

ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔
پھر حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس ذات نے بڑا عدل و انصاف کیا، جس نے خود تجھ کو ہی تیرے اعمال کا
حساب بادیہ۔ (ابن کثیر) یہ ظاہر ہے کہ اعمال نامہ کوئی دنیوی کاغذ تو ہے نہیں جس کے قبر میں ساتھ جانے اور قیامت تک باقی
رہنے پر امکان ہو ایک معنوی چیز ہے جس کی حقیقت حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس لئے اس کا ہر انسان کے گلے کا ہار بننا اور
قیامت تک باقی رہنا کوئی تعجب کی چیز نہیں۔

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے:

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ (یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ
کر لیا ہو، حضرت حسن بصری و رقادہ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا
نہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جن پر کوئی ثواب یا عتاب ہو، ابن کثیر نے یہ دونوں قول
قول کرنے کے بعد فرمایا کہ آیت قرآن کے عموم سے پہلی ہی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کہ ہر لفظ لکھا جاتا ہے، پھر علی
بن ابی طلحہ ایک روایت ابن عباس ہی سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں) اس روایت میں یہ ہے
کہ پلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے، خواہ گناہ و ثواب اس میں ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے
مزدور رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو، باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں: يَمْحُوا اللَّهُ مَا
كُفِّرَتْ وَ يُعَذِّبُ مَا كُتِبَ عَلَيْهِ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

۲۰۰ھ میں حضرت بلال بن حارث حزنی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو
پہلے نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں، اسی
لئے انسان کوئی کلمہ اللہ کی بارگشتی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے اور اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ دو بال
کاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضگی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں۔ (ابن کثیر)
حضرت عائشہ حضرت بلال بن حارث کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں

بنان سے نکلنے کو روک دیا ہے۔ (ابن کثیر)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدٌ ۝

سکرات الموت:

سکرة الموت کے معنی موت کی شدت اور غشی جو موت کے وقت پیش آتی ہے، ابو بکر بن الانباری نے اپنی سند کے
ماتم حضرت مروان سے روایت یہ کی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر پر موت کے آثار شروع ہوئے تو صدیقہ عائشہ کو بلایا،

وہ پتھریں تو یہ حالت دیکھ کر بے ساختہ ایک شعر زبان سے نکلا۔

اذا حشرجت يوما وضاق بها الصدر

”یعنی جب روح ایک دن مضطرب ہوگی اور سینہ اس سے تنگ ہو جائے گا“

حضرت صدیق اکبر نے سنا تو فرمایا کہ تم نے فسول یہ شعر پڑھا، یوں کیوں نہ کہا: (وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ) رسول اللہ ﷺ کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپ پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر لے اور فرماتے تھے لا الہ الا اللہ ان للموت سكرات، یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔

بالحقیق، اس میں حرف باء تعدیہ کے لئے ہے، معنی یہ ہیں کہ سنے آئی شدت موت امر حق کو یعنی موت کی شدت نے وہ

چیزیں سامنے کر دیں جو حق و ثابت ہیں اور کسی کو ان سے فرار کی گنجائش نہیں۔ (مطہری)

ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝، تحید حید سے مشتق ہے، جس کے معنی مائل ہونے، جگہ سے ہٹ جانے اور اترار

کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ موت وہ چیز ہے جس سے تو بدلتا اور بھاگتا تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہے۔ موت سے بدکن اور بھاگن طبعی طور پر پوری نوح انسانی میں پایا جاتا ہے، ہر شخص زندگی کو مرغوب اور موت کو آفت و مصیبت سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا ہے، جو شرعاً کوئی گناہ بھی نہیں، لیکن آیت میں بتلانا یہ منظور ہے کہ انسان کی یہ طبعی اور فطری خواہش مکمل طور پر ہرگز پوری نہیں ہو سکتی، ایک نہ ایک دن تو بہر حال موت آنا ہی ہے، خواہ تم اس سے کتنا ہی بھاگنا چاہو۔

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝

انسان کو میدان حشر میں لانے والے دو فرشتے:

اس آیت سے اوپر قیامت قائم ہونے کا ذکر ہے، اس آیت میں میدان حشر میں تمام انسانوں کے حاضر ہونے کی ایک خاص کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک سائق ہوگا، سائق کہتے ہیں اس شخص کو جو جانوروں کے یا کسی جماعت کے پیچھے رہ کر اس کو کسی خاص جگہ پر پہنچانا چاہتا ہے اور شہید کے معنی گواہ کے ہیں، سائق کا فرشتہ ہونا تو با اتفاق روایات سے ثابت ہے، شہید کے بارے میں علماء تفسیر کے اقوال مختلف ہیں، بعض کے نزدیک وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا، اس طرح سائق اور شہید دو فرشتے ہو گئے، ایک کا کام اس کو میدان حشر میں پہنچانا ہے، دوسرے کا کام یہ ہے کہ جب اس کے اعمال پیش ہوں تو وہ اس پر گواہی دیں یہ دو فرشتے وہ بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے داہنے اور بائیں اعمال کی کتابت کے لئے ہر وقت دنیا میں ساتھ رہتے ہیں، یعنی کراما کا تبین اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور دو ہوں۔

اور شہید کے متعلق بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ انسان کا عمل ہوگا اور بعض نے خود اسی انسان کو شہید فرمایا، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت سے یہی ہے کہ وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا جو اس کے اعمال پر شہادت دے گا، حضرت عثمان غنی نے خطبہ میں یہ آیت تلاوت فرما کر یہی تفسیر فرمائی ہے اور حضرت مجاہد، قتادہ، ابن زید مفسرین سے بھی یہی منقول ہے، ابن جریر

بِرَبِّهَا صَبْرًا طَلَامَ نَقُولُ بِالتَّوْنِ وَالْبَاءِ لِيَجْهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ اِسْتَفْهَامٌ تَحْقِيقٌ لِيُوْعِدَهُ بِمَلِكِهَا وَنَقُولُ بِبِسْمِ رِزْقِ
 اِسْتَفْهَامٌ كَالسُّؤَالِ هَلِ مِنْ مُزَيَّدٍ ٥ اَيُّ فَيْئٍ لَا اَسْعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأَتْ بِهِ اَيُّ قِدَامِ امْتَلَأَتْ وَارْتَفَعَتْ الْجَنَّةُ
 فُرُتٌ لِيَسْتَفِينَنَّ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيدٍ ٥ مِنْهُمْ فَمَرُّونَهَا وَيُقَالُ لَهُمْ هَذَا الْمَرْبِيُّ مَا تَوَدُّونَ بِالتَّاءِ وَالْبَاءِ يَمِي
 الدُّنْيَا وَيَبْدُلُ مِنَ الْمُتَقِينَ قَوْلَهُ لِحَلِّ اَوْ اِبْرَجَاعِ اِلَى طَاعَةِ اللّٰهِ حَفِيفٌ ٥ حَافِظٌ لِحُدُودِهِ مِنْ حَشَى الرَّحْمَنِ
 بِالتَّيْبِ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّبِينٍ ٥ مُقْبِلٌ عَلَى طَاعَتِهِ وَيُقَالُ لِلْمُتَقِينَ اَيْضًا اِدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اَيُّ
 سَالِمِينَ مِنْ كُلِّ مَخُوفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِيمًا وَاذْخُلُوا ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي حَصَلَ فِيهِ الدُّخُولُ يَوْمَ
 الْمَوْتِ ٥ اَلْاَوْفَاءُ فِي الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا دَائِمًا وَكَذَلِكَ مُزَيَّدٌ ٥ زِيَادَةٌ عَلَى مَا عَمِلُوا اَوْ طَلَبُوا وَكَذَلِكَ
 فَكَلَّمْنَا قَبْلَهُمْ فِي قُرْآنٍ اَيُّ اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَرُؤْنَا اَمَّا كَثِيرَةٌ مِنَ الْكُفَّارِ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا
 نَزَّةً قَسِيًّا قَسُوا فِي الْبِلَادِ هَلِ مِنْ قَمِيصٍ ٥ لَهُمْ اَوْ لِيُغَيِّرَهُمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوا اِنَّ فِي ذَلِكَ
 الْمَذْكَورِ لِكَلِمَةٍ لِعِظَةِ لِمَنْ كَانَ لَهُ وَلَبَّ عَقْلٌ اَوْ الْقَى السَّمْعِ اسْتَمَعَ الرَّغْطَ وَهُوَ شَهِيدٌ ٥ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ
 وَكَذَلِكَ السُّبُوتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سَكَّةٍ اَيَّامًا ٥ اَوْلَاهَا الْاَحْدَاثُ اِخْرَاجُهَا الْجُمُعَةَ وَمَا مَسْتَأْمِنُ لِقُوبٍ ٥
 نَبِيٌّ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ فِي قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَاخَ يَوْمَ الشُّبُوتِ وَانْتِفَاءِ التَّعْبِ عَنْهُ لِيَتَرَهَبَهُ تَعَالَى عَنْ
 صِفَاتِ الْمُخْلُوقِينَ وَلِيَعْدَمِ اُلْمُجَانِسَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ
 فَاصْبِرْ خَطَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا يَقُولُونَ اَيُّ الْيَهُودِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّكْدِيبِ وَ
 سَبْحٍ وَحَمْدٍ صَلَّ حَامِدًا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ اَيُّ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَ قَبْلَ الْغُرُوبِ ٥ اَيُّ صَلَاةِ الظُّهْرِ
 وَالْمَغْرِبِ وَمِنْ اَلَيْلِ فَسَبِّحْهُ اَيُّ صَلَّ الْعِشَاءَيْنِ وَ اَدْبَادِ السُّجُودِ ٥ يَفْتَحُ الْهَمْزَةَ جَمْعٌ دُبْرٌ وَبِكْسْرِهَا
 مَطْرُوزٌ اَلَيْلِ اَيُّ صَلَّ النَّوَافِلِ الْمَسْتَوْنَةَ عَقِبَ الْفَرَائِضِ وَقِيلَ الْمُرَادُ حَقِيقَةَ التَّسْبِيحِ فِي هَذِهِ الْاَوْقَاتِ
 الْاِسْمَاءِ الْمَعْمُودِ وَاسْتَبِيحَ يَامُ خَاطِبٌ مَقُولِي يَوْمَ يَتَادُ الْبِنَادُ هُوَ اشْرَافُ قَبْلِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ٥ مِنَ السَّمَاءِ

وَهُوَ صَخْرَةٌ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ أَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ يَقُولُ آيَتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْأَوْصَالُ
 الْمُنْقَطِعَةُ وَاللُّحُومُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُورُ الْمُتَفْرِقَةُ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ كُنْ أَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ يَوْمَ بَدَلٍ
 مِنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ يَسْعَوْنَ أَيُّ الْخَلْقِ كُلُّهُمْ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ بِالْبُعْثِ وَهِيَ التَّفْحَةُ النَّائِيَةُ مِنْ اسْرَافِئِيلَ وَبِحَسْبِ
 أَنْ تَكُونَ قَبْلَ نِدَائِهِ أَوْ بَعْدَهُ ذَلِكَ أَيُّ يَوْمِ النِّدَاءِ وَالسَّمَاعِ يَوْمَ الْخُرُوجِ ۝ مِنَ الْمُبُورِ وَنَاصِبِ يَوْمٍ يُنَادِي
 مُقَدَّرٌ أَيُّ يَعْلَمُونَ عَاقِبَةَ تَكْذِيبِهِمْ إِنْ كَانُوا نَجِيًّا وَوَيْبُتٌ وَالَّذِينَ الْبَصِيرُ ۝ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ وَمَا يَسْتَلِمُنَا
 اعْتِرَاضٌ كَتَلَقُّ بِتَحْفِيفِ الشَّيْنِ وَتَشْدِيدِهَا بِإِدْغَامِ التَّاءِ النَّائِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَافًا
 جَمْعُ سَرِيحٍ حَالٍ مِنْ مُقَدَّرٍ أَيُّ فَبِحُجُورِ حُجُورٍ مُسَرِّعِينَ ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيدٌ ۝ فِيهِ فَضْلٌ بَيْنَ الْمَرْصُوفِ
 وَالصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلْإِخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَبْصُرُ ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُحْبَرِ بِهِ عَنْهُ وَهُوَ الْإِحْيَاءُ
 بَعْدَ الْفَنَاءِ وَالْجَمْعُ لِلْمَرْصُوفِ وَالْحِسَابِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ أَيُّ كَفَّارٌ قَرِيشٍ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ
 ۝ نُجِيبُهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدًا ۝ وَهُوَ الْمُؤْمِنُونَ

ترجمہ: جس دن (یوم کا ناصب ظلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھرگئی
 (استفہام ہے دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کیلئے) اور وہ کہے گی (استفہامیہ صورت میں سوال کرتے ہوئے)
 کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائیگی (لمحاذ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے
 ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں۔ یوعدون تا اور یا کے
 ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو جو ع کر نیوالا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابند
 کرنے والا (اللہ کی حدود کی) ہے جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کے باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور
 ایسے دل کے ساتھ آئے جو جو ع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا)
 اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو
 بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا ہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے (ان کے عمل اور ان کی
 طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی استوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم
 تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھگے کی
 جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یا اور کافروں کو موت سے چھٹکارا نہیں کہنچ جائیں) اس (مذکورہ بات) میں نصیحت

(عبرت) ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس دل (عقل) ہو یہ کان ہی لگا لیتا ہو (وعظ سننے کیلئے) متوجہ ہو کر (دل سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور ہمیں نکال (تعب) نے چھو اتک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سچ کو آرام کیا تھا۔ نکال نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جوڑ نہیں۔ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرتؐ کو ارشاد ہے) ان کی باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے (نماز شکر پڑھیے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح پڑھیے (مغرب و عشاء کی نماز پڑھیے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہنزہ کے دبرگی جمع اور کسر ہنزہ کے ساتھ) اور کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح و حمد کرنا مراد ہے (اور اے نبیؐ طب میرے بات) سن رکھ کہ جس دن ایک پکار نیوال (اسرائیل) پاس ہی سے پکارے گا (صحفہ) بہ القدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے۔ صور اسرائیل یہ یولے گا کہ اے پرانی ہڈیو اور جوڑ بندو اہل کے ٹکڑو! پراگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کیلئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل جائے گا) (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا نطقہ اسرائیلی ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرائیل پہلے سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم بنیادی کا ناصب مقدر ہے) کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ان کو پھرتا ہے جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے) کھل جائے گی (تحقیف کفار و مشرکین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا اوغام ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سراعا تہ ہے) مرجح کی مقدر سے حال ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے فیغیر جون مسرعین) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصاص کیلئے اور اس فصل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذمک کفر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جا رہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب و کتاب کیلئے پیشی) ہم خوب سننے والے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی تھوپنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کرنا)۔ یا ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا (یعنی مؤمن)۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

- قولہ: **تَحْفِيفُ لِيَوْمِئِذٍ**: یہ قول بھرنے کے بعد کہا جائے گا۔ گویا استفہام بھرنے کو ثابت کے لیے ہوگا۔
- قولہ: **مِنَّا فَتَقَرَّبْ**: غیر کا نصب ظرفیت کی وجہ سے ہے۔
- قولہ: **مَنْ حَشِيَ**: یہ بدل کے بعد بدل ہے۔
- قولہ: **رَبَّنَا ذُوقْ**: یہ اللہ تعالیٰ کا بلا کیف دیدار ہے۔
- قولہ: **فَتَشُوا**: کریدنا اور تلاش کرنا۔
- قولہ: **لَهُ قَلْبٌ**: اس سے حقائق میں سبق و پکار والا اہل مراد ہے۔
- قولہ: **غَيْرُهُمْ**: اس سے مشرکین مراد ہیں۔
- قولہ: **أَدْبَارًا**: جن زبر، یعنی نمازوں کے بعد۔
- قولہ: **ادبرت الصلوة**: نماز کے پورے اور مکمل ہونے کو کہتے ہیں، یہ فنون الجہم کی طرح ہے۔
- قولہ: **بِالْحَقِّ**: اس کا تعلق مسیح سے ہے۔
- قولہ: **بِالْبَيْتِ**: حق سے مراد بیٹھ بعد الموت ہے۔
- قولہ: **إِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ**: وہ بیٹھ اور جمع ہونے کا دن ہے۔

تفسیر مقبولین

يَوْمَ نَقُولُ لِيَجْهَنَّمَ هَذِهِ امْتَلَأَتْ وَ نَقُولُ هَذَا مِنْ مَمْنُونٍ ۝

دوزخ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب! کیا تو بھرنے گی؟ اس کا جواب ہوگا کیا کچھ اور بھی ہے:

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ اسے پر کر دے گا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈال دیا جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور تنہا رہتی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں تنہا ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی یہاں تک کہ ایک مخلوق پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا، صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر منکبہ اور ہر متعجب کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا

میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ لو ازا دوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آئیں میں سٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کے لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے تکبر کرنے والا بادشاہ اور شریف لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں کمزور ضعیف فقیر مسکین داخل ہوں گے مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات قیامت کے دن دکھائے گا۔ میں سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا پھر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ وہ اس سے خوش ہو جائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی پھر میری امت جہنم کے اوپر کے پل سے گزرنے لگے گی بعض تو نگاہ کی سی تیزی سے گزر جائیں گے بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے بعض تیر گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا گزر جائے گا اور یہ مطابق اعمال ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا پس یہ سٹ جائے گی اور کہے گی بس بس اور میں حوض پر ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ مینھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں سے پانی نہیں ملے گا جو سیراب کر سکے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی، حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس میں جنہی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کہ کیا مجھ میں زیادہ کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریر پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھوے اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آسکے؟ یعنی باقی نہیں رہی پھر ہو گئی۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقین ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ (اداب) کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے رک جانے والا۔ (حفیظ) کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں (اداب حفیظ) وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کر لے۔ جو رحمان سے بن دیکھے ڈرتا رہے یعنی تنہائی میں بھی خوف اللہ رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش اللہ کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہ لکھیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ اللہ کے تمام عذابوں سے

تھیں سلاستی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے یہ خلود کا دن ہے۔ یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں۔ یہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں جہاں سے تہذیبی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہ فرماتے ہیں مزید یہ بھی کہ ال جنت کے پاس سے ایک ہادل گذرے گا جس میں سے مد آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں، پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی حضرت کثیر فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ پر پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پر نڈ کو کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جننی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوالی ہو جائے گی، امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا اور آیت میں ہے آیت (اللذین احسنوا الحسنی و زیادۃ) صہیب بن سنان رومی فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بچوں کے چہرے ایک نکتہ تھا حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے اس میں ایک ایسی سرعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے گا مل جاتا ہے ہمارے یہاں اس کا نام یوم المزید ہے، حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جس میں مشکلی نیلے ہیں جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے اس کے ارد گرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں یہ منبر سونے کے ہیں جس پر جزاؤں جڑے ہوئے ہیں شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکلی نیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی اسی طرح اسے حضرت امام شافعی نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جننی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آب دار آئینے میں وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنی موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے وہ سلام کرے گی یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور

جب تک ایک اور صفائی کی وجہ سے باہری سے اس کی پنڈلی کا گودا تک نظر آئے گا اس کے سر پر جزا واجب ہوگا جس کا ادنیٰ موتی

بے سود کوشش:

سُرِّ مَغْرِبٌ كَرُوشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔
 وَكَلَّمَ اللَّهُ قَوْمَ ثَمُودَ إِذْ كَانُوا فِي أَعْيُنِنَا فَوَلَّوْنَا الْفَيْسُومَ بِطَغْوَانِ فَوَلَّوْنَا الْفَيْسُومَ بِطَغْوَانِ فَوَلَّوْنَا الْفَيْسُومَ بِطَغْوَانِ ۝

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو کیا چیز ہیں؟ ان سے بہت زیادہ قوت و طاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم نے
 دبا کر رکھے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں زمین میں خوب فساد کیا۔ بے سفر کرتے تھے ہمارے
 مذہب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی اللہ کی قضاء و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟
 لہذا ہم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسی کی طرح اڑا دیے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے
 اس میں کافی عبرت ہے اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھ داری کے ساتھ دھیان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پاسکتا ہے یعنی دل کو
 حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اسکے درمیان کی چیزوں کو چھ روز
 میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر اللہ کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً
 پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا
 کر فانی نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحة رکھ چھوڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے
 ان کے اس وہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں ٹھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے: **وَلَقَدْ يَمَّنُّونَ يَكْفُرُونَ** یعنی اللہ تعالیٰ نے
 زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آیت
 میں ہے آیت **تَخْلُقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** (غافر: ۵۷) البتہ آسمان و
 زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے: **بِأَنَّهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ**
 (الاعراف: ۲۷) کیا تمہاری پیدائش سے زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی اسے اللہ نے بنایا ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے
 اور انکار کرنے والے جو کہتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے
 سے پہلے اور رات کو اللہ کی پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ
 کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد ہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اس کے
 بعد معراج دلی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور
 ڈوبنے سے پہلے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے مسند احمد میں ہے ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے
 ۲۰۰۰ رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند
 کو دیکھتے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پہلی نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے
 سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو، پھر آپ نے آیت: **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا**

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَكْبِرْهُ لَعَلَّكَ تَرْضَاهُ (۳۰:۱۵) پڑھی یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ جیسے فرمایا: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَسْبِّحْ بِهِ نَائِلَةَ لَيْلِكَ اَعْنَى اَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُومًا (الاسراء: ۷۹) یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے سندوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباس نماز کے بعد اللہ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مجلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشہ والی نعمتیں حاصل کر چکے آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ بھی تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا آؤ تمہیں ایک ایسا عمل بتلاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ لیا کرو پھر وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مرد مغرب کے بعد کی دو رکعت ہیں۔ حضرت عمر حضرت علی حضرت حسن بن علی حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو امامہؓ کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہد حضرت عکرمہ حضرت شعبی حضرت نخعی حضرت قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ منہ احمد میں ہے حضور ﷺ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے عبدالرحمن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعت ادا کیں پھر گھر سے نماز کیلئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس فجر کے پہلے کی دو رکعت: وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاذْكُرْهُ التَّجْوِيدِ (الطور: ۴۹) ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعت وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاذْكُرْهُ (ق: ۴۰) ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعت آپ کی اقتداء میں ادا کی تھیں اور اس رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ کی باری تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری و مسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباس کا اپنا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَاسْتَبِيحْ يَوْمَ يَنْشَأُ الْمَنَّادُ مِنَ مَسْجِدٍ قَرِيبٍ ﴿٦﴾

جب سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے:

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر یہ آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاء اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے، پس مراد اس سے صور ہے یہ حق اس شک و شبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا ابتداء یہ پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام مخلوق کو ایک جگہ لوٹانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے تمام بھلائی برائی کا عوض ہر شخص کو پالے گا زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کچھڑ میں پڑا ہوا دانہ

بارش سے آگ جاتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت و جلال کی قسم ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلا جائے جسے اس نے دنیا میں آباد رکھا تھا۔ پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر جو پائے کے رگ و ریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اس طرح اس جسم کے رگ و ریشہ میں نور اور روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے: **يَوْمَ يَقْدِرُ بِكُمْ** **فَتَسْتَجِيبُونَ بَعْدَهُ وَتَذُنُّونَ اِنْ لَيْسَ لَكُمْ اِلَّا قَلِيلًا** (الاسراء: ۵۲)، یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعمیریں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا: **وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاَحَدَةٌ كَلْنَحْ بِالْبَصْرِ** (الفر: ۵۰) یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا اور آیت میں ہے: **مَا خَلَقْنَاكُمْ وَلَا نَعْتُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَاَحَدَةٍ اِنْ اللّٰهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ** (لقمان: ۲۸)، یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور ہمارے کرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو سننے دیکھنے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نپٹ لیں گے جیسے اور جگہ ہے: **وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يٰحُضْرِي صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ** (الحجر: ۹۷) واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہیں اور نمازوں میں رہیں اور موت آجانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبر نہیں لاسکتا نہ ہم نے تجھے اس کا مکلف بنایا ہے۔ یہ بھی سچی باتیں ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو، لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبر نہیں ہو یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جائیے جبر معنی میں اجر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہیں جس کے دل میں خوف اللہ ہے جو اس کے غذا بول سے ڈرتا ہے اور اس کی رستوں کا امیدار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آ جائے گا جیسے فرمایا ہے: **وَ اِنْ مَّا لُوْثِيْتُمْ بِغَضِّ الَّذِيْ نَعِدْهُمْ اَوْ نَكَوْ لَيْتِكُمْ فَاِنَّمَا نَعْتِكُمُ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ** (الرعد: ۳۰) یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمے ہے اور آیت میں ہے: **فَلَا يُؤْمِنُ اِلَّا مَن اَتَىٰ مَدْيَنًا** (انعام: ۲۱) تو نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ ہے تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جگہ ہے: **اِنَّكَ لَا تَهْتَدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنْ لِّلّٰهِ يَهْتَدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ** (التقصص: ۵۶)، یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے راہ راست پر لاکھڑا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ثناء اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے (اللهم اجعلنا ممن يخاف وعيدك ويرجو موعدهك يا ارحم الراحمين) یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔

سُورَةُ الذَّرِّيَّتِ

س ۷

آیتوں کی تعداد ۲۰

آیتوں کی تعداد ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الذریٰ

سُورَةُ الذَّرِّيَّتِ ۱۷

سورہ ذریٰت مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور تمہارا شروع

وَالذَّرِّيَّتِ الرِّيحُ تَذُرُ وَالتُّرَابُ وَغَيْرُهُ ذُرًّا وَمُضَرًّا وَيُقَالُ تَذَرِيهِ ذُرِّيَّةٌ تَذُرُ يَأْتِيهِ بِه فَالْحَمَلُ السُّحْبُ
تَحْبِلُ الْمَاءُ وَفَرًّا لِنِقْلًا مَفْعُولُ الْحَامِلَاتِ فَالْجَرِيَّتِ الشُّقْنُ تَجْرِي عَلَى وَجْهِ
الْمَاءِ يُسْرًا بِسَهْوَةٍ مُضَرٌّ فِي مَوْضِعِ الْخَالِ أَيْ بَشْرَةٌ فَالْمَقْسَمِتِ أَمْرًا الْمَلَائِكَةُ تُقْسِمُ
الْأَرْزَاقَ وَالْأَمْصَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ إِنَّمَا تُوعَدُونَ مَا مُضَرِّيَةٌ أَيْ إِنْ وَعَدْتُمْ بِالْبُعْثِ
وَغَيْرِهِ لَصَادِقٌ لَوْ غَدَّ صَادِقٌ وَإِنَّ الدِّينَ الْجَزَائِئِ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ لَا مَحَالَةَ وَالسَّمَاءُ ذَاتُ
الْحَبْكِ حَمْعٌ حَبِيكَةٌ كَطَرِبَةٌ وَطَرِقَ أَيْ صَاحِبَةُ الطَّرِيقِ فِي الْخِلْقَةِ كَالطَّرِيقِ فِي الرَّمْلِ إِنَّكُمْ يَا
أَهْلَ مَكَّةَ فِي شَأْنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لَفِي قَوْلٍ مُخْتَلِفٍ قِيلَ شَاعِرٌ سَاجِرٌ كَاهِنٌ شِعْرُ
سِحْرِ كَهَانَةٍ يُؤْفِكُ يَضْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ أَيْ عَنِ الْإِيمَانِ مَنْ أُوْفِكَ طُصِرَ عَنِ الْهِدَايَةِ
فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى قَتِيلَ الْخُرَّاصُونَ لَعْنَةُ الْكَذَّابُونَ أَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِينَ هُمْ فِي عَمْرُقَاتِ
جَهَنَّمَ يَغْمِرُهُمْ سَاهُونَ غَافِلُونَ عَنْ نَمْرِ الْآخِرَةِ يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ اسْتَهْزَأَ أَيْ أَيَّانَ يَوْمَ الدِّينِ أَيْ
مَتَى مَحِيئُهُ وَخَرَّاهُمْ يَجِيئُ يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ أَيْ يَعْتَدُونَ فِيهَا وَيُقَالُ لَهُمْ جِرْنَ
التَّعْذِيبِ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ تُعْذِيبُكُمْ هَذَا الْعَذَابُ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ فِي الدُّنْيَا
اسْتَهْزَأَ أَيْ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ بِسَائِبِينَ وَعِيُونَ تُخْرِى فِيهَا إِخْدِينَ خَالَ مِنَ الضَّمِيرِ وَفِي خَبَرٍ أَنَّ مَا

اللَّهُمَّ اعْطَانُكُمْ رَبِّهِمْ ۚ مِنَ التَّوَابِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ أَيُّ دُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ مُضِيِّينَ ۖ فِي
 الدُّنْيَا كَانُوا قَلِيلًا مِمَّنْ الْيَلِيلِ مَا يَهْجَعُونَ ۖ يَتَأَمَّرُونَ وَمَا زِلْدُهُمْ وَيَهْجَعُونَ خَيْرَ كَمَا وَ قَلِيلًا ظُرُفِ أَيُّ
 يَتَأَمَّرُونَ فِي زَمَنِ يَسِيرٍ مِنَ اللَّيْلِ وَ يَصَلُّونَ أَكْثَرَ بِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۖ يَتَوَلَّوْنَ اللَّهُمَّ
 اغْبِزْتَانِي فِي أَمْوَالِهِمْ حَتَّى لِلشَّكْلِ وَ الْمَحْرُومِ ۖ الَّذِي لَا يَسْأَلُ لِتَغْفِيهِ وَ فِي الْأَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ
 وَ الْبَحَارِ وَ الْأَشْجَارِ وَ الثَّمَارِ وَ التَّنَابِ وَ غَيْرِهَا أَيُّ دَلَالَاتٍ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَ وَحْدَانِيَّةِ
 الْبَرُّوقِينَ ۖ وَ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ آيَاتٍ أَيْضًا مِنْ مَبْدَأِ خَلْقِكُمْ إِلَى مُشَاهَاةٍ وَمَا فِي تَرْكِيبِ خَلْقِكُمْ مِنْ
 الْعَجَائِبِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۖ ذَلِكَ فَتَشْتَدُّونَ بِهِ عَلَى صَانِعِهِ وَ قُدْرَتِهِ وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ أَيُّ الْمَطَرِ
 الْمُنْتَسَبِ عِنْدَ النَّبَاتِ الَّذِي هُوَ رِزْقٌ وَمَا تَوَعَّدُونَ ۖ مِنَ الْمَاءِ وَ التَّوَابِ وَ الْعِقَابِ أَيُّ مَكْتُوبِ ذَلِكَ
 فِي السَّمَاءِ قَوْرَبِ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنَّهُ أَيُّ مَا تَوَعَّدُونَ لِحَقِّ مِثْلِ مَا أَكَلْتُمْ تَنْطِقُونَ ۖ بِرَفْعِ مِثْلِ صِفَةِ
 وَمَا تَزِيدُهُ وَ يَفْتَحِ اللَّامِ مَرْسَبُهُ مَعَ مَا الْمَعْنَى مِثْلُ نَطْقِكُمْ فِي حَقِيقَتِهِ أَيُّ مَعْلُومِيَّتِهِ عِنْدَكُمْ ضَرُورَةٌ
 ضَرُورِهِ عَنْكُمْ هَلْ أَتَاكَ خِطَابُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمَكْرُمِينَ ۖ
 وَ هُمْ مَلَائِكَةٌ اثْنَا عَشَرَ أَوْ عَشْرَةٌ أَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرِيْلُ إِذْ ظُرِفَ لِحَدِيثِ ضَيْفِ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا
 سَلَامًا ۖ أَيُّ هَذَا اللَّفْظِ قَالَ سَلَامٌ ۖ أَيُّ هَذَا اللَّفْظِ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۖ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذَلِكَ فِي نَفْسِهِ
 وَ هُوَ خَيْرٌ مِنْتَدْرِ أَيُّ هُوَ لَا فَرَّاحَ مَالٍ إِلَى أَهْلِهِ سِرًّا فَجَاءَ بِعَجَلٍ سَبِينِ ۖ وَ فِي سُورَةِ هُودٍ بِعَجَلٍ
 خَبِيرًا أَيُّ مَشْوِيٍّ قَقْرَبَةً إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۖ عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْأَكْلُ فَلَمْ يُجِيبُوا فَأَوْجَسَ أَضْمَرَ
 فِي نَفْسِهِ مِنْهُمْ خَيْفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَ بَشْرُوهُ بِغَلْمِ عَلَيْهِمْ ۖ ذِي عِلْمٍ كَثِيرٍ هُوَ
 إِسْحَاقُ كَمَا ذَكَرَ فِي سُورَةِ هُودٍ فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ سَارَةُ فِي صَرَّةٍ صَبِيحَةٍ خَالَ أَيُّ جَاءَتْ
 صَابِحَةً فَصَلَّتْ وَ جَهَّهَا لِعَمَّتِهِ وَ قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۖ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَ عُمُرُهَا تِسْعٌ وَ تِسْعُونَ سَنَةً
 وَ عُمُرُ إِبْرَاهِيمَ مِائَةٌ سَنَةٌ أَوْ عُمُرُهُ مِائَةٌ وَ عِشْرُونَ سَنَةً وَ عُمُرُهَا تِسْعُونَ سَنَةً قَالُوا كَذَلِكَ ۖ أَيُّ مِثْلِ قَوْلِنَا

ع ۱۸

ع ۱۹

فی البشارة قال ربك انما هو الحكيم في صنعه العليم ۵ بخلفه

ترکیب کے نام: قسم ہے نکیر نے والی (ہواؤں) کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد و غبار اڑاتی ہیں (ذروا مصدر ہے مذریہ ذریا کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجہ (دزن یہ حالات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (یسیر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقع پر ہے بمعنی میسر) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں اور شہریوں پر تقسیم کرنے کیلئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ا) مصدر یہ ہے یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقیناً) ہونے والی ہے، قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (جبکہ جمع ہے حبیکۃ کی جیسے طریقۃ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندو! نبی کریم اور خدا کی شان میں) مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر، سحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے (نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرنا ہوتا ہے (علم الہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنیوالے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لعنت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں پوچھتے ہیں (پنجیر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ) جس روز وہ لوگ آگ پر پتائے جائیں گے۔ (نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا) اپنی اس سزا (عذاب) کا مزا چکھو۔ یہی (عذاب) ہے جس کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے ہوئے (جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلاشبہ سخی لوگ بہشتوں (باغوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس (جنت میں داخلہ) سے پہلے ٹوکا رہتے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (مابہجون میں مازائد ہے اور یہ جوں کان کی خبر ہے اور قلیلاً ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے) اور اخیر شب میں اللهم اغفر لنا کہہ کر (استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا) محروم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے (در زمین میں پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کیلئے اور خود تمہاری ذات میں (بھی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخرت وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا (کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور

قد سے پراسدہ ال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے بڑی پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) جو تم سے دھوا گیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹکانہ ثواب، خطاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے دھوا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل طرح کی صورت میں صفت ہے اور مازائد ہے اور فتح لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے، جیسے بولتا چلتا سب کو معلوم ہے بدھظ سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا اور بیڑے سے موز مہاؤں کی نکابت آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے) تک پہنچے (مراد بارہ یاقوت اللہ سے ہیں۔ انہی میں تیرا ہی ہے) (یہ حدیث ضعیف کا طرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے اور ان کو دیکھا انہی سلام کا ہوا، حضرت ابراہیم نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، اذیت اور انتہا نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی ہولاء قوم مذکورہ) پھر اپنے گھر کی طرف پتے (آجہ سے) اور ایک فریب پھڑالائے (سورۃ ہود میں ہے بھیل حنیبل یعنی بھنا ہوا اور ۱۳ ہوا) اور اس کو ان کے پاس لاکر رکھا۔ یعنی تم نے آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محمودوں یا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈرومت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان، ایک فرشتہ کی بشارت دی۔ جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحاق ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (مارہ) پارتی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی، یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر مات پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ یہ صحیا بانجھ (جس کے کبھی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر نواسے سال اور حضرت ابراہیم کی عمر سو سال تھی یا اذیت ابراہیم کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر نواسے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پیرے دگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کارگیری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق و) جانتے والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- لولہ: تذرہ: ہوا کا چلن خواہ وادی ہو یا یائی۔ الوقر: بوجھ۔ میسرہ: چمنے میں آسانی والی۔
- لولہ: انما: یہ جواب قسم ہے۔
- لولہ: فر الخلقہ: آسمانی پیداہی طور پر ستاروں کی گزرگاہوں والا ہے۔ جیسا ریت کی راہیں محسوس ہوتی ہیں ان طرح سنہن لرق میں۔
- لولہ: کا فر آپ کو سار شاعر کا بن جیسے الفاظ سے طعن زنی کرتے ہیں۔

- قوله: قتل: یہ بدعا ہے۔ جو لعنت کی جگہ لائے۔
- قوله: خراس: جموں کو کہتے ہیں، غمرۃ: ڈھانپنا۔
- قوله: مٹی بجینہ: مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔
- قوله: بیجنی: یوم اسی کی وجہ سے منسوب ہے۔
- قوله: کافرؤا: یہ ان کے احسان کی تفسیر ہے۔
- قوله: خلغکم: ایک حالت سے دوسری میں منتقل ہونا۔
- قوله: مکتوب: یا یہ ہے کہ جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔
- قوله: مثل صفہ: صفت کی ہے یعنی اس کے ساتھ لائق ہے۔
- قوله: مع ما: مع جنی علی اللغ کیونکہ ما کی طرف اس کی اضافت ہے جو غیر ممکن ہے۔
- قوله: هذا اللفظ: یعنی ہم تم کو سلام دیتے ہیں، سلام دینا، ای نسلم سلام علیکم یا علیکم سلام، سلام کو ابھارا۔
- رئع دیا پھنگل کے پیش نظر تاکہ اس کا سلام ان کے سلام سے اچھا ہو۔
- قوله: بعجل حسینذ: کیونکہ سورہ ہود میں صاحب موجود ہے اور الا تاکلون صاف قرینہ ہے۔
- قوله: ذی علم کنیر: یعنی جب وہ بالغ ہوگا۔
- قوله: امراتہ: یعنی اس کے گھر کی جانب وہ ایک کونے میں یہ دیکھ رہی تھی۔
- قوله: لطمثنہ: تعجب والے کی طرح اپنی انگلیوں کے کنارے اپنے ماتھے پر مار لے۔
- قوله: عقیم: یعنی میں بوڑھی بانجھ کیسے بنوں گی۔

تفسیر مقبولین ۲

اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر و نشر ہی پر مشتمل ہیں گذشتہ سورت تخلیق کائنات اور انسان کے جملہ احوال پر حق تعالیٰ شانہ کے علم قدرت کا احاطہ بیان کرتے ہوئے ان حقائق کو ثابت فرمایا گیا تھا کہ کسی بھی مجرم اور نافرمان مگر کو اللہ کی گرفت اور عذاب سے بے نگر اور مطمئن نہ ہو جانا چاہئے اور نہ ہی وہ کسی طرح حق تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکتا ہے اس کے ساتھ اثبات قیامت کے لیے دلائل قدرت اور مشاہدات کوئیہ کو پیش کیا گیا کہ کسی درجہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں تردد باقی نہ رہے اب اس سورت میں وقوع قیامت کی نہایت عظمت اور اہمیت کے ساتھ خبر دہی جارہی ہے اور انسانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں فکر آخرت اور اس کی تیاری میں مصروف ہو جائیں یوں تو قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جو مسئلہ حشر و نشر اور اثبات قیامت پر مشتمل ہیں لیکن جس عظمت و جلال اور پررب انداز سے کلام الہی اس موقع پر قیامت کا ذکر فرما رہا ہے وہ انداز اور طرز تعبیر بھی مستقل ایک معجزانہ شان رکھتی ہے اسکی وجہ سے

مضمون کا آغاز فرمایا جا رہا ہے۔

بابت اور جس سنت رسول ﷺ کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اس پر ابن الکواہب نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا، پوچھا (حالات) سے؟ فرمایا ابر۔ کہا (جاریات) سے؟ فرمایا کشتیاں، کہا (مقسعات) سے؟ فرمایا فرشتے اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے (صحیح) تمہیں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا بتاؤ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا۔ اور اسے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوتا تو میں کبھی یہ مطلب نہ کہتا۔ پوچھ (مقسعات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور ﷺ سے سنا رکھا ہے۔ پوچھا (جاریات) سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں۔ یہ بھی میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو مجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اوجھ ہو گئے تو بلوا کر پھر کوڑے پٹوائے، اور سوار کر کر حضرت ابوموسیٰ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے کچھ دنوں بعد یہ حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدیں قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی اب میرے دل میں بد عقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ امام ابو بکر بزار فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمر کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المؤمنین نے اسے جو پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بد عقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صحیح کے باپ کا نام غسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکر لائے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت جہاد حضرت سعید بن جبیر حضرت حسن حضرت قتادہ حضرت سدی وغیرہ سے مروی ہے۔ امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے ان آجوں کی تفسیر میں اور کوئی قول وارد ہی نہیں کیا، ملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر میں بھی پایا جاتا ہے۔

واسلمت نفسی لمن اسلمت له للزن تحمل عذابا لالا

جہنم میں اپنے آپ کو اس اللہ کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف بیٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں جاریات سے مراد بعض نے ستارے لئے ہیں جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں یہ معنی لینے میں اولیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوگی۔ اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے۔ جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں کبھی کوئی سپرد کردہ کام بحالانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آتی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب جزا سزا ضرور واقع ہونے والا ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی رونق حسن اور برابری والا ہے بہت سے سلف نے یہی معنی (حبک) کے

بیان کئے ہیں حضرت ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں، ریت کے ذرے، کھیتوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پرشکن لہرائے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں اسی کو جبک کہتے ہیں، ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بیکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے جبک جبک ہیں یعنی گھومتے والے۔ ابوصالح فرماتے ہیں جبک سے مراد شدت والا خسیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں اکثر علماء ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم ان تمام اقوال کا حاصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان۔ اس کی بلندی، صفائی، پاکیزگی، بناوٹ کی عمدگی، اس کی مضبوطی، اس کی چوڑائی اور کشادگی، اس کا ستاروں کا جگمگانا، جن میں سے بعض چلنے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں پھر فرماتا ہے اے مشرک تم اپنے ہی اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجماع نہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بہک جاتا ہے صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے زَالَا مَن هُوَ صَالٍ الْجَبِينِ (المعات: ۱۶۳) یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے سوائے جنہی لوگوں کے کسی کو بہکا نہیں سکتے حضرت ابن عباس اور سدی فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں قرآن سے وہی بنتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کم کس لئے ہو پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے بلاک ہوں یعنی جھوٹی باتیں بتانے والے جنہیں یقین نہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم انھائے نہیں جائیں گے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں حضرت معاذ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے، یہ دعوے والے اور بدگمان لوگ ہیں پھر فرمایا جو لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں۔ یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کا مزہ چکھو۔ اپنے کثرت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر ان کی اور زیادہ عقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی چار بے تھے کہ کب آئے گا کب آئے گا، واللہ اعلم۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝

متقی بندوں کے انعامات کا اور دنیا میں اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کا تذکرہ:

مکذبین کی سزائے جہنم کے بعد مؤمنین متقین کا انعام بتایا اور فرمایا کہ متقی لوگ باغوں میں چشموں میں ہوں گے ان کے

رب کی طرف سے انہیں وہاں جو کچھ دیا جائے گا اسے (بڑی خوشی سے) لینے والے ہوں گے، دنیا میں یہ حضرات گناہوں سے توبہ ہی تھے جس کی وجہ سے انہیں متقین کے لقب سے سرفراز فرمایا، اعمال صالحہ بھی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور اس کی وجہ سے انہیں محسنین کے لقب سے ملقب فرمایا ان کے نیک کاموں میں ایک بڑا قیمتی عمل یہ تھا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے نمازیں پڑھتے رہتے تھے دنیا سوتی رہتی اور یہ لوگ جاگتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے لوگاتے تھے۔

قال صاحب الروح: ناقلاً عن الحسن: كابدوا قيام الليل لا ينامون منه الا قليلا، وعن عبد الله بن رواحة رضي الله عنه هجموا قليلا ثم قاموا۔ یہ لوگ راتوں کو نماز پڑھتے اور راتوں کے آخری حصہ میں استغفار کرتے تھے انہیں راتوں رات نماز پڑھنے پر غرور نہیں تھا اپنے اعمال کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے کہ تاہوں کی وجہ سے، استغفار کرتے تھے۔ اہل ایمان کا یہ طریقہ ہے کہ نیکی بھی کریں اور استغفار بھی کریں تاکہ کوتاہی کی قافی ہو جائے۔

ان حضرات کی جسمانی عبادت کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے انفاق مالی کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں حق ہے سوال کرنے والوں کے لیے اور محروم کے لیے یعنی اپنے مالوں کا جو حصہ اہل حاجت کو دیتے ہیں اس کے دینے کا ایسا اہتمام کرتے ہیں جسے ان کے ذمہ واجب ہو اس لیے اسے حق سے تعبیر فرمایا۔

لفظ سائل کا ترجمہ تو معصوم ہے محروم کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ سائل کے مقابلہ میں ہے یعنی جو شخص سوال نہیں کرتا وہ محروم ہے جو سوال نہیں کرتا اس لیے محروم رہ جاتا ہے کہ لوگ اس کا حال جاننے نہیں اور وہ خود بتاتا نہیں لہذا دینے والے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک لقمہ اور دلقمہ اور ایک کھجور اور دو کھجور لیے لیے پھرتے ہوں لیکن مسکین وہ ہے جس کے پاس حاجت پوری کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو اور لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہ چلے (پتہ چل جاتا تو صدقہ کر دیتے) اور وہ سوال کرنے کیلئے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔ (رواہ بخاری جلد ۱)

جی وہ اسی طرح اپنی حاجت دبائے ہوئے وقت گزار دیتا ہے، صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے محروم کا یہ معنی لکھا ہے کہ وہ کمانے کی تدبیریں تو کرتا ہے لیکن دنیا اس سے پشت پھیر لیتی ہے اور وہ لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔

پھر حضرت ربیع بن اسم سے نقل کیا ہے کہ محروم وہ ہے جس کے باغوں کا پھل ہلاک ہو جائے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ جس کے سونٹے ختم ہو جائیں جن سے اس کا گزارا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فَلَا تُشْكِرُكَ حَبِثُ حَبِثٌ رُبُّهُمُ الْمُكْرَمِينَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کا آنا اور صاحبزادہ کی خوشخبری دینا:

بدائع صوره ہوا اور سورۃ حجر میں بھی گذر چکا ہے یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے جنہیں اللہ نے عزت و شرف سے رکھی ہے حضرت امام احمد بن حنبل اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب

ہے۔ یہ بت میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب طویل انداز سے
 دیا گیا اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے۔ اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے فرماتا ہے: **قَالَ اٰتٰنَا مِنْهُ**
فَلْيَتَا اٰخِسْنَ مِنْهَا اَوْ رُوْحًا اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ مِّنْهَا رُوْحٌ حَسِيْبًا (اسراء: ۸۶)۔ یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس
 سے بجز جواب دو یا کہ از کہ اتنا ہی۔ جس ضعیف اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا حضرت ابراہیم چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ
 یہ دراصل فرشتے ہیں ان نے کہا کہ یہ لوگ تو نہ آشنا ماہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل
 علیہم السلام تھے۔ جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے ان کے چہروں پر میت و جلال تھا حضرت ابراہیم اب
 ان سے نئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی رہی میں
 تیار کھانے کا گوشت بن جھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے
 آپ معلوم ہوئے کہ مہمان سے ہم مجھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چپ انہیں خبر کے بغیر ہی
 پتے گئے اور پگھلت پتے سے بہتہ جو چیز پانی سے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فرما کر کم عمر بچہ پڑے کا جھنایا گوشت لے آئے اور
 لہس اور کھڑکھڑانے کی کھینچی تان لے آئے ان کے سامنے ان کے پاس لگا کر رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس
 میں بھی ایسا سم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت آشع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرماتا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی
 شخص کسی نے کہا کہ آپ فضل اکرم احسان اسوہ کرنا چاہیں تو کیجئے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ضعیف اللہ اپنے دل میں ان سے
 خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے: **(فَلْيَتَا اٰخِسْنَ مِنْهَا اَوْ رُوْحًا اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ مِّنْهَا رُوْحٌ حَسِيْبًا**
اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (مرد۔۔۔)۔ یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو درشت زدہ
 ہو گئے اور دل میں خوف کھانے کے اس پر مہمانوں نے کہا زرد مت ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت
 کے لئے آئے ہیں آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ
 تمہارے ہاں حضرت اسحاق پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس
 اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو زاحیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے۔ یہ سخت تر تعجب کی چیز
 ہے فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاسوں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں
 اور برکتیں نازل ہوں۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے سائق اور بڑی بزرگی اور اسی شان والا ہے یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ
 بشارت حضرت ابراہیم کو دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا سبب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ
 صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے سینے دو ہتھ مار کر ایسی عجیب و غریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی
 میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ
 خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچائیں۔ وہ حکمت والا اور
 والا ہے۔ تم جس عزت و آرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس امر میں بچہ ہوگا اس کا
 کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

١٢٤

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَانِكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ٥ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ٥ كَافِرِينَ أَيُّ
 قَوْمِ لُوطٍ لِيُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةٌ مِّنْ طِينٍ ٥ مَطْبُوحٌ بِالنَّارِ قَسُومَةٌ مُّعَلَّمَةٌ عَلَيْهَا اسْمٌ مِّنْ تَرْمِيمٍ
 بِهَا عِنْدَ رَبِّكَ ظَرْفٌ لِّهَا لِلْمُسْرِفِينَ ٥ بِأَيْبَابِهِمُ الدُّكُورُ مَعَ كُفْرِهِمْ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا أَيُّ
 لُوطٍ قَوْمِ لُوطٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ٥ لِأَهْلَاكِ الْكَافِرِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ٥
 زِدْ لُوطًا وَابْتِئَاءً وَصِفْرًا بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ أَيُّ هُمْ مُّصَدِّقُونَ بِقُلُوبِهِمْ عَامِلُونَ بِخَوَارِجِهِمُ الطَّاعَاتِ
 وَرُكْنَا فِيهَا بَعْدَ أَهْلَاكِ الْكَافِرِينَ آيَةٌ عَلَامَةٌ عَلَى أَهْلَاكِهِمْ لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ٥
 فَلَا تَقُولُوا مِثْلَ نِعْلِهِمْ وَفِي مُوسَى مَعْطُوفٌ عَلَى فِيهَا الْمَعْنَى وَجَعَلْنَا فِي قِصَّةِ مُوسَى آيَةً إِذْ أَرْسَلْنَاهُ
 بِالْبُرُوعِ لِنُتَبِّسَ بِسُلْطَنِ مُّبِينٍ ٥ بِحُجَّةٍ وَاضِحَةٍ فَتَوَلَّى أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ بِرُكْنِهِ مَعَ جُودِهِ
 إِلَهُمْ لَهُ كَالرُّكْنِ وَقَالَ لِمُوسَى هُوَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ٥ فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي
 الْبَحْرِ فَعَرِفُوا وَهُوَ أَيُّ فِرْعَوْنَ مَلِيمٌ ٥ ابْتِئَامٌ بِمَائِلًا عَلَيْهِ مِنْ تَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَدَعْوَى الرُّبُوبِيَّةِ
 إِلَى أَهْلَاكِ عَادٍ آيَةٌ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ٥ هِيَ الَّتِي لَا خَيْرَ فِيهَا لِأَنَّهَا لَا تَحْمِلُ الْمَطَرُ
 وَلَا تَنْفُخُ الشَّجَرَ وَهِيَ الدَّابُّورُ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ نَفْسٍ أَوْ مَالٍ آتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ٥
 كَالْمَالِ الْمُنْفَيْتِ وَفِي أَهْلَاكِ ثَمُودَ آيَةٌ إِذْ قِيلَ لَهُمْ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ تَسْتَعْوِجُونَ حِينَ ٥ أَيُّ إِلَى
 الْبُطْحِ اجْتِمَاعُ كَمَا فِي آيَةِ تَمْتَعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَعَتُوا تَكَبَّرُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ أَيُّ عَنْ امْتِنَالِهِ
 لِأَنَّ لَهُمُ الصُّعُقَةَ بَعْدَ مَضِيِّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَيُّ الصَّيْحَةَ الْمُهْلِكَةَ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ٥ أَيُّ بِالنَّهَارِ فَمَا
 اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامِهِ أَيُّ مَا قَدَرُوا عَلَى النَّهْوِضِ حِينَ تُرْوَلِ الْعَذَابِ وَمَا كَانُوا مُتَّصِرِينَ ٥ عَلَى
 مِنْ أَهْلَاكِهِمْ وَقَوْمِ نُوحٍ بِالْبَحْرِ عَطْفٌ عَلَى ثَمُودَ أَيُّ وَفِي أَهْلَاكِهِمْ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ آيَةٌ وَ
 بِالنُّصْبِ أَيُّ وَأَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ٥ أَيُّ قَبْلَ أَهْلَاكِ هَذُلَاءِ الْمَدْكُورِينَ لِأَنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

١٢٤

لَمُوسَى ٥

تو کچھ نہیں: ابراہیم کہنے لگے اچھا تو تمہیں کیا بڑی ہم (کارگزاری) اور پیش ہے۔ اسے فرشتوں! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم (لوط کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنکر کے (آگ میں کپے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر غام نشان لگے ہوئے ہیں (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عدا ربك - مسومہ کا ظرف ہے) حد سے گزرنے والوں کیلئے (جو لوگوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سوہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں کو الگ کر لیا (کافروں کو تباہ کرنے کیلئے) سوہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا۔ پھر وہاں مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھر انہ حضرت لوط اور ان کی صاحبزادیوں کا تھا ان کیلئے ایمان و اسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے۔ اور ظاہراً بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم نے اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں (تاکہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں) اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیہا کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصۃ موسیٰ آیۃ) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن حجت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے) روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادو گر یا دیوانے ہیں۔ سوہم نے اس کو اور اس کے لاڈلے لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا (پیغمبروں کو جھٹلا کر خدائی کا دعویٰ کر کے قابل ملامت کام کئے) اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہترائی نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی جیسے کوئی چیز گل گل کر ریزہ ریزہ (چوراچورا) ہو جاتی ہے اور ثمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اٹنی کی کوئی نہیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا کہ اور تھوڑے دنوں میں لو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی۔ سو ان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آلیا اور وہ (دن میں) دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ ثمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی: واہلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً یہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ: جب ان کو معلوم ہوا کہ اکٹھے فرشتے تو کسی اہم کام کے لیے ہی اترتے ہیں تو یوں مخاطب فرمایا خطب اہم معاملہ ہے۔
 قوله: يطبخ بالنار: آگے سے کپے ہوئے پتھر۔

قوله: **فِيهَا**: اس سے قوم کی بستیاں مراد تھیں، معروف ہونے کی وجہ سے مضمحل لائے۔

قوله: **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**: جو حضرت لوطؑ پر ایمان لاتے تھے۔

قوله: **بِعَلَامَةٍ**: وہ پتھر یا بد بودار پانی۔

قوله: **الْمَغْنَمِ**: اس سے مراد سابقہ پر اس کا عطف ہے ای جعلنا فی قصۃ موسیٰ۔

قوله: **بِرُكْنِهِ**: بائع کے معنی میں ہے، رکن رکن جس کی طرف مائل ہوں، سہارا۔

قوله: **أَنْتَ عَلَيْهِ**: گرز ہونا، البالی: پرانی ہڈیاں۔

قوله: **بِمَا قَدَرُوا**: یعنی اس کے دفاع سے عاجز رہے۔

قوله: **مُنْتَصِرِينَ**: بدلہ لینے والے۔

تفسیر مقبولین

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ

حضرت لوطؑ کی قوم کی ہلاکت:

حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ یقین کر لیا کہ یہ فرشتے ہیں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو سوال فرمایا کہ آپ حضرات کیا ہم لے کر آئے ہیں تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یہ مجرم لوگ ہیں ہمیں ان کو ہلاک کرنا ہے ان کی ہلاکت کا یہ طریقہ ہوگا کہ ہم ان پر آسمان سے پتھر برسادیں گے یہ پتھر مٹی سے بنائے ہوئے ہوں گے (جن کا ترجمہ (کھٹکھر) کیا گیا ہے) ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ پتھروں پر نام لکھے ہوئے تھے جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا یہ مفسرین یعنی حد سے گزر جانے والوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں سورۃ العنکبوت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے فرشتوں نے کہا: **إِنَّا قَامُوا لِيُكْفِرُوا أَهْلَهُمَا** **كَانُوا ظَالِمِينَ** (بے شک ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں) جب فرشتوں نے بستی کا نام لیا تو حضرت ابراہیمؑ نکر مند ہوئے قال ان فدھا لوطا (کہ اس بستی میں تو لوطؑ بھی ہیں) فرشتوں نے جواب میں کہا: **لَنْ نَعْلَمَهُمْ بِمَنْ فِيهَا** (ہمیں ان لوگوں کا خوب پتہ ہے جو اس بستی میں ہیں **لَا نَجِدْنَاهُمْ إِلَّا أَهْلًا** (ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے) یہ سورۃ عنکبوت کا مضمون ہے اور یہاں سورۃ الذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ: **فَاكْفُرْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** (اس بستی میں جو اہل ایمان ہیں ان کو ہم نے بحرین سے علیحدہ کر دیا ہے) یہ لوگ ہمارے علم میں ہیں جو تھوڑے ہی سے ہیں، جس گھر کا تذکرہ فرمایا ہے یہ گھر حضرت لوطؑ کا تھا جس میں ان کے آل و اولاد تھے جو مؤمن تھے ہاں ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے یعنی لوطا وابنتہ یعنی حضرت لوطؑ اور ان کی دو بیٹیاں تینوں افراد نجات پائے اور عذاب سے بچا لیے گئے۔ روح المعانی میں حضرت

سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اہل ایمان میں تیرہ افراد تھے اگر اس بات کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ باقی دس افراد حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ نرٹھے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصے میں بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جانا سے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو دوسرے مجرمین کو پہنچے گا۔ جب یہ حضرات رات کو بستی سے باہر نکل گئے تو سورج نکلنے وقت ان کی قوم کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور ان کا تختہ الٹ دیا گیا یعنی اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا اور ان پر کھنکھر کے پتھر برسادیئے گئے یہ تینوں عذاب سورۃ الحجر میں مذکور ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان کو چیخ نے بھی پکڑا اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور جو لوگ ادھر ادھر باہر نکلے ہوئے تھے وہ انہیں پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ آخر میں فرمایا: **وَتَوَكَّلْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ** (اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لیے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں) واقعہ کا تذکرہ عبرت دلانے کے لیے ہے لیکن لوگوں نے ان کی ہلاک شدہ بستیوں کو سیر و سیاحت کی جگہ بنا رکھا ہے۔ ان بستیوں کی جگہ بحریت کھڑا ہے، لوگ تفریح کے طور پر سفر کرتے ہیں عبرت حاصل نہیں کرتے۔ سارے انسانوں پر لازم ہے کہ سابقہ امتوں کے واقعات سے عبرت لیں اور نصیحت حاصل کریں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ سورۃ انعام (۱۰) ع (۷) میں سورہ ہود (۷) میں اور سورہ الحجر (۴، ۵، ۶) اور سورہ النمل (۵) اور سورہ الانبیاء (۵) اور سورہ الشعراء (۹) اور سورہ العنکبوت (۳، ۴) میں بھی مذکور ہے۔

وَفِي مِثْرَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝

فرعون اور قوم عاد و ثمود کی بربادی کا تذکرہ:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرعون اور عاد و ثمود کی سرکشی اور بدست کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت ہے ہم نے انہیں کھلی ہوئی دلیل دے کر بھی جینی انہیں متعدد معجزات دیئے انہیں دیکھ کر ہر صاحب عقل فیصلہ کر سکتا تھا کہ یہ شخص واقعی اپنے دوائے نبوت میں سچ ہے اور ان کا حق کی دعوت دینے اور خالق اور مالک جل مجدہ کی توحید اور عبادت کی طرف بلانا حق ہے لیکن فرعون نے حق سے اعراض کیا موسیٰ علیہ السلام کو جھنڈایا اور انہیں جادوگر اور دیوانہ بنا دیا اس نے جو یہ حرکت کی یہ اس بنیاد پر تھی کہ اس کے ساتھ اس کی جماعت کے لوگ اور درباری سردار تھے غرور اور تکبر اسے لے ڈوبا وہ بھی ڈوبا اس کے ساتھ اس کے لشکر بھی ڈوبے اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں جن سے اس پر ملامت آگئی، اپنے نفس کی طرف سے بھی مستحق ملامت ہوا اور اپنے عوام کی طرف سے بھی۔

فرعون کی ہلاکت اور بربادی اور ڈوبنے کا قصہ کئی سورتوں میں گزر چکا ہے اور سورہ نازعات میں بھی آ رہا ہے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا سورہ انعام، سورہ ہود، سورہ الشعراء اور سورہ حم سجده میں ان کی ہلاکت کا تذکرہ گزر چکا ہے اور سورہ القمر اور سورہ الحاقہ میں بھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے

حضرت عروہؓ کو بھیجا تھا ان لوگوں نے بڑی سرکشی کی اور کبر اور طاقت کے گھنڈے میں یہاں تک کہ گئے: **مِنْ أَشَدِّ مِمَّا قُوَّةٌ** (ہم سے بڑھ کر طاقت کون ہے) اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت تیز ہوا بھیج دی جو سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی ہوا میں خیر ہوتی ہے جو ہاڑ لے کر آتی ہے لیکن جو ہوا ان میں بھی بھیجی گئی تھی وہ بالکل ہی ہر خیر سے خالی تھی۔ اسی لیے اسے یہاں سورۃ الذاریات میں **الرِّيحُ الْعَقِيْبَةُ** فرمایا، عربی میں عقیم بانجھ کو کہتے ہیں جیسے بانجھ عورت سے کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوتی اسی طرح ہاد کر برباد کرنے والی ہوا میں کچھ بھی خیر نہ تھی۔ سورۃ الحاتہ میں فرمایا کہ جب ہوا چلی تو وہ لوگ ایسے گرے ہوئے پڑے تھے جیسے بھجور کے درخت کے وہ تھے پڑے ہوئے ہوں جو اندر سے خالی ہوں، یہاں سورۃ الذاریات میں اس ہوا کی سختی بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہ جس چیز پر بھی گزرتی اسے ریم یعنی چورا چورا بنا کر رکھ دیتی تھی، جو ہڈیاں گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں یا گھاس پھوس دبدبا کر گھس پت کر بھوسہ بن جائے اس کو ریم کہا جاتا ہے: **قال صاحب الروح ناقلا عن الراغب: يختص الرم بالفتات من الخشب والتين والرمة بالكسر تختص بالعظم البالي**۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افراد تو کھجوروں کے تنوں کی طرح گر گئے تھے اور باقی چیزیں (جانور وغیرہ) ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے جتنے بھی بعد میں ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں یہ ہوا بچھم کی طرف سے آنے والی تھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **(نصرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور)**۔ (مشکوٰۃ الصالح: منہ ۱۳۲ من ابیاری)

باد صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بھیج دی تھی) اور دبور کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی، سب باد ہوا جو مشرق کی طرف سے چل کر آئے اور دبور وہ ہوا جو مغرب کی طرف سے چل کر آئے۔

اس کے بعد شہود کی برابری کا ذکر فرمایا ان کی طرف حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے تھے انہوں نے انہیں توحید کی دعوت دی سمجھایا، بھجایا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے ان کا تذکرہ بھی ان سورتوں میں گزر چکا ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا۔ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پہاڑ سے اونٹنی برآمد فرمائی تھی اور ان لوگوں کو بتا دیا کہ یہ اونٹنی ایک دن تمہارے کنویں کا پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پیئیں گے، یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اونٹنی کو قتل کرنے کا مشورہ کیا اور وہ یہ کام کر گزرے۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا: **تَمْتَعُوا فِي ذَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ** (تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اٹھاؤ) یعنی زبیرہ رو لو اور کھاپی لو، اس کے بعد تمہاری بربادی اور ہلاکت ہے۔ **ذٰلِكَ وَغَدَّ غَيْرُكُمْ كَذُوْبٌ** (یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے بالکل سچا ہے) چنانچہ ان پر عذاب آیا اور انہیں ہلاک کر کے رکھ دیا اس عذاب کو یہاں الصاعقہ فرمایا اور سورہ حم سجدہ میں **ضِعْبَةُ لُعَابِ الْهُوْنِ** سے تعبیر فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ صاعقہ ہر عذاب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اصل لغوی معنی وہ عذاب ہے جو بجلی کے گرنے یا بادلوں کے گرنے سے ہو، سورہ ہود اور سورہ قمر میں ان کے عذاب کو صیغہ سے تعبیر فرمایا ہے وہ چٹخ کے معنی میں ہے۔ بہر حال ان لوگوں پر تین دن بعد عذاب آیا اور یہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ اسی کو فرمایا: **فَاتَّخَذْتَهُمُ الضُّعْبَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ** سورہ ہود میں فرمایا: **فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُشِيْبِيْنَ**، کَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا کہ وہ گھنٹوں کے بل اپنے گھروں میں ایسے گرے کہ گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو عذاب کو دفع نہیں کر سکے، کسی سے مدد نہیں

لے کے، اللہ تعالیٰ سے انتقام نہیں لے سکے۔ وما كانوا منتصرين میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت:

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرمایا یعنی ان لوگوں سے پہلے قوم نوح بھی عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے۔ یہ لوگ بھی فاسق یعنی نافرمان تھے۔ قال فی معالم التنزیل: وَقَوْمَ نُوحٍ قَرَأَ أَبُو عَمْرٍو وَحَمْزَهُ وَالْكَسَامِيُّ وَقَوْمٌ بِجَرِّ الْمِيمِ أَيْ وَفِي قَوْمِ نُوحٍ وَقَرَأَ الْآخِرُونَ بِنَصْبِهَا بِالْحَمَلِ عَلَى الْمَعْنَى وَهُوَ أَنْ قَوْلَهُ: فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ مَعْنَاهُ اغْرَقْنَاهُمْ كَانَهُ۔ رَاغِرْنَا قَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلِ أَيْ مَن قَبْلَ هَذَا وَهُمْ عَادُو ثَمُودَ وَقَوْمَ فِرْعَوْنَ۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدِي بَقْوَةٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۱۰۹﴾ لَهَا ثَابِدُونَ بِقَالَ إِذَا الرَّجُلُ يَبِيدُ قَوِيٌّ وَأَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَثَدْرَةٌ وَالْأَرْضُ فَرَشْنَاهَا مَهْدُنَاهَا فَنَعَمَ الْيَهُودُونَ ﴿۱۱۰﴾ نَحْنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُّتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ خَلَقْنَا رُوحَيْنِ صِنْفَيْنِ كَالذَّكْرِ وَالْأُنثَى وَالسَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالضَّبِيفِ وَالشِّتَاءِ وَالْحُلُوفِ وَالْحَامِضِ وَالتُّورِ وَالظُّلْمَةِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۱۱﴾ بِحَذْفِ إِحْدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَ الْأَرْوَاحِ فَزِدْ تَعْبُدُونَهُ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ أَيْ إِلَى نُورِهِ مِنْ عِقَابِهِ بَأَنَّ تُطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۲﴾ بَيْنَ الْإِنذَارِ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۳﴾ يَقْدِرُ قَبْلَ فِرَارِ أَهْلِ لَهْمُ كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا هُوَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۱۱۴﴾ أَيْ مِثْلَ تَكْذِيبِهِمْ لَكَ بِقَوْلِهِمْ أَنْتَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ تَكْذِيبُ الْأُمَّمِ قَبْلَهُمْ رُسُلَهُمْ بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ أَوْصَاؤُكُمْ كُلُّهُمْ بِهِ ﴿۱۱۵﴾ اسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَآغُوتٌ ﴿۱۱۶﴾ حَسْبُهُمْ عَلَى هَذَا التَّمْزِيلِ طَبِيعَتُهُمْ فَتَوَلَّى أَعْرَضَ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿۱۱۷﴾ لِأَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَهَ وَذَكَرْتَ عِظًا بِالْفُرْزَانِ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ مِنْ عِبَادَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّهُ تَوْسُّلٌ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَلَا يَنْفَعُ ذَلِكَ عَدَمَ عِبَادَةِ الْكَافِرِينَ لِأَنَّ الْغَايَةَ لَا يَلْزِمُ وَحُودَهَا كَمَا فِي مَوْكٍ بِرَيْثِ هَذَا الْقَلَمِ لَا كُتِبَ بِهِ فَإِنَّكَ قَدْ لَا كُتِبَ بِهِ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۱۲۰﴾ مَا أُرِيدُ

بِهِمْ فَمِنْ ذَرَأٍ لِي وَلَا تَنْفُسِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُطِيعُونِ ۝ وَلَا تَنْفُسِهِمْ وَلَا غَيْرَهُمْ إِنْ أَنَا اللَّهُ
 هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ الشَّدِيدُ كَانَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسُهُمْ بِالْكَفْرِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ
 ذُنُوبًا نَصِيبًا مِنَ الْعَذَابِ قِشَلٌ ذُنُوبٌ نَصِيبٌ أَمْصَحِهِمُ الْهَالِكِينَ قَبْلَهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝
 بِالْعَذَابِ إِنْ أَخَّرْتَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَوْلٍ شَدِيدُ عَذَابٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ فِي يَوْمِهِمُ الَّذِي
 يَآجِدُونَ ۝ أَيُّ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

۱۹۷

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں اذالرجل یتبید یعنی
 ٹوٹ والا ہوا۔ وَأَوْسَعَ الرَّجُلُ کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا
 (بچایا) سو ہم اچھے بچانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو (مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا۔ (جوڑے
 جیسے نر و مادہ، آسمان و زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی، سردی، مینا، کھٹا، روشنی، اندھیرا) تاکہ تم سمجھو (تَذَكَّرُونَ ۝
 کی دوتا میں سے ایک تا مخدوف ہوگئی۔ معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جوڑوں کا پیدا کرنا الایکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو)
 سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں
 تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا
 ڈرانے والا ہوں (فَنَفِزْ وَاسِے پہلے قُلْ لَهْمُ مَقْدَرٌ ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر
 ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادو گر یا دیوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ آپ جادو گر یا دیوانہ ہیں ایسے ہی
 پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی
 (ہزارا ستہ نام شی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی
 پر (توجہ) نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کر دی) اور سمجھاتے رہیے (قرآن کے ذریعہ
 فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کو (جن کا مؤمن ہونا علم الہی میں طے ہوتا ہے) نفع دے گا اور میں نے جن اور انسان کو
 اکیلے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کا اللہ کی عبادت نہ کرنا۔ اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کی غرض و غایت کا
 پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے: بویت هذا القلم لا کتب بہ حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا
 کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لیے نہ دوسروں کیلئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور
 نہ اوروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے حاتورا انتہالی مضبوط ہے۔ سو ان خالموں کی
 (کہ والوں اور دوسروں کی جنہوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے
 والوں) پانچوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں (عذاب کو، جبکہ میں نے آخرت پر اٹھا رکھا ہے) غرض بڑی خرابی
 (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کیلئے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قوله: **فَتَعَلَّمُونَ**: پس تمہیں معلوم ہو، تعداد حدیث کے خواص سے ہے اور واجب تقسیم قبول ہی نہیں کرتا۔

قوله: **فَقِرُّوْا**: اس پہلے قل لہم کو مقدر مانا جائے گا۔

قوله: **بِمَعْنَى النَّفْسِ**: اس طرح نہ تھا کہ ان کا ایک دوسری کو اجتماعی طور پر وصیت کرنا ان کے زمانہ کے بعید ہونے کی بناء تھا۔

قوله: **لِيَعْبُدُونِ**: بعض اوقات غایت کا وجود لازم نہیں جیسے کہتے ہیں بریت هذا القلم للكتابة۔ اب کتابت لازم نہیں۔

قوله: **وَلَا تَقْسِبِهِمْ**: اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ اس طرح کا نہیں جیسا آقاؤں کا اپنے غلاموں سے ہوا کرتا ہے۔

ان کو معاش میں اپنے غلاموں سے مدد بھی درکار ہوا کرتی ہے۔

قوله: **ذُنُوبًا**: حصہ، ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں، جس میں سے چھوٹے ڈولوں کے ذریعہ پیمائش سے پانی لیا جاتا ہے۔

قوله: **فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ**: یہ کفار کے قول مثنیٰ هذا الوعد کا جواب ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۱۰﴾

تخلیق کائنات:

زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے اسے محفوظ اور بلند صحت بنا دیا ہے حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ ثوری اور بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں اس کے کنارے ہم نے کشادہ کئے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لئے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے تمام مخلوق کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے جیسے آسمان زمین، دن رات، فحش تری، اجالا اندھیرا، ایمان کفر، موت حیات، بدی نیکی، جنت دوزخ، یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں یہ اس لئے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو تم جان لو کہ ان کا سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ لا شریک اور یکتا ہے پس تم اس کی طرف دوز و اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ اپنے تمام تر کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا میرے کھم کھلا خوف دمانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِن دُؤْبٍ إِلَّا قَالُوا سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۱۱﴾

تبلیغ میں صبر و ضبط کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کا

کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے، کافروں کا یہ قول سلسلہ پہ سلسلہ لٹکایا آیا ہے جیسے آپس میں کافر دوسرے کو دیت کر کے جانتا ہوں تو یہ ہے کہ سرکشی اور مرتابی میں یہ سب یکساں ہیں اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلے اسی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں پس آپ چشم پوشی کیجئے یہ بخون کہیں جاؤ گے کہیں سے آپ ہر وضیعت سے سن لیں ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیے اللہ کی باتیں پہچانتے چلے جائیے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں وہ خوشی ناخوشی میرے مہربان ہوتی ہونے کا اقرار کریں مجھے پہچانیں حضرت سدی فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو گویا بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو، اور حضرت فحاک فرماتے ہیں اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یوں پڑھایا ہے حدیث: **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ** (الذاریات: ۵۸) یہ حدیث ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کیلئے پیدا کیا ہے اب اس کی عبادت کیسوی کے ساتھ جو بجالائے گا کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا وہ اسے پوری پوری جزا عطا فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے دست و پا اور سراسر فقیر ہے خالق رزاق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے، مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرا سید تو گری اور بے نیازی سے پر کر دوں گا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے، امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں خالد کے دونوں لڑکے حضرت عبا اور حضرت سواہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے، ہم بھی اسی کام میں لگ گئے جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا اسرائیل جانے تک روزی سے مایوں نہ ہونا دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک چمکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر مجھے ڈھونڈنا کہ مجھے پالے جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو کچھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کو چکان تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔ پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذاب کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سے پہلے کا کافروں کو پہنچے قیامت کے دن جس دن کالہ سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی۔

سُورَةُ الطُّورِ

رُكُوعَاتُهَا ۲

آيَاتُهَا ۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الطُّورِ
۵۷ مَكِّيَّةٌ

سورہ طور کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں ہیں اور اس میں ۳۹ آیتیں ہیں

وَ الطُّورِ ۱ أَيِ الْجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ مُوسَى وَ كَتَبَ مَسْطُورٍ ۲ فِي رَقٍ مَّنشُورٍ ۳ أَيِ التَّوْرَةِ
 أَوِ الْقُرْآنِ وَ الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۴ هُوَ فِي السَّمَاءِ الثَّلَاثَةِ أَوِ السَّادِسَةِ أَوِ السَّابِعَةِ بِحَيْثُ الْكَعْبَةِ يُرْوَرُ فِي كُلِّ
 يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلِكٍ بِالطُّوْرِ وَ الصَّلَاةِ لَا يَعُوذُونَ إِلَيْهِ أَبَدًا وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۵ أَيِ السَّمَاءِ وَ
 الْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۶ أَيِ الْمَمْلُوءِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۷ لَنَازِلٌ بِمَسْتَحِقِّهِ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۸ عَنْهُ
 يَوْمَ مَعْمُورٍ لَوَاقِعٍ تَمُورٍ السَّهَاءِ مَوْرًا ۹ تَتَحَرَّكُ وَ تَدْوَرُ وَ تَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰ تُصِيرُ هَبَاءً مَّتَشَوْرًا
 وَ ذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ قَوْلٌ شَدِيدٌ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكذِّبِينَ ۱۱ لِلرُّسُلِ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ
 بَاطِلٍ يَلْعَبُونَ ۱۲ أَيِ يَتَسَاغَلُونَ بِكُفْرِهِمْ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ۱۳ يَدْفَعُونَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ
 مِنْ يَوْمٍ تَمُورٌ وَيُقَالُ لَهُمْ تَكَبُّنَا هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ ۱۴ أَفَسِحْرٌ هَذَا أَفَسِحْرٌ هَذَا
 الْعَذَابِ الَّذِي تَرَوْنَ كَمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْوَحْيِ هَذَا سِحْرٌ أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۱۵ إصْلُوهَا
 فَاصْبِرُوا عَلَيْهَا أَوْ لَا تُصْبِرُوا ۱۶ صَبِرْكُمْ وَ جَزَّعْكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۱۷ لَإِنْ صَبِرْكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ إِنَّمَا
 تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۱۸ أَيِ جَزَائِهِ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّةٍ وَ نُعِيمٍ ۱۹ فَكَيْهِنٌ مُتَلَذِّذِينَ
 مَصْدَرِيَّةٌ أَغْطَاهُمْ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۲۰ وَ وَقَّهْمُ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۲۱ عَطْفٌ عَلَى آتَاهُمْ أَيِ
 بِأَيْتَانِهِمْ وَ وَقَّاهُمْ وَ يُقَالُ لَهُمْ كَلُوا وَ اشْرَبُوا هَيْئًا خَالَ أَيِ مُتَهَيِّئِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ۲۲ مُتَكَيِّفِينَ ۲۳ عَلَى خَالَ مِنْ الصَّبِيرِ الْمُسْتَكِينِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فِي جَنَّةٍ سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ ۲۴

تفسير

عظمتها إلى جنب بعض و رَوْجُهُمْ عَطْفٌ عَلَى فِئِ جَنَابِ أَيْ قَرْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝ عِظَامُ
 الْأَنْجِبِينَ جِسَانُهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُبْتَدَأُ وَ اتَّبَعْتَهُمْ مَعَطُوفٌ عَلَى آمَنُوا ذَرِيَّتَهُمُ الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ
 بِالْإِنْسَانِ مِنَ الْكِبَارِ وَمِنَ الْأَبْيَاءِ فِي الصِّغَارِ وَالْخَبِيرِ الْحَقْنَا بِهِمْ ذَرِيَّتَهُمُ الْمَذْكُورِينَ فِي الْحَنَةِ
 فَكُورِينَ فِي ذَرِيَّتِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلُوا بِعَمَلِهِمْ تَكْرِمَةً لِلْأَبْيَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْأَوْلَادِ إِلَيْهِمْ وَمَا لَتَنَّهُمْ بِفَتْحِ
 اللَّامِ زَكْرِيَّا نَقَضْنَا هُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ قَمِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٌ يُزَادُ مِنْ عَمَلِ الْأَوْلَادِ كُلِّ امْرِيٍّ بِمَا
 كَسَبَ عَمِلَ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ رَهِينٌ ۝ مَرْهُونٌ يُؤْخَذُ بِالْشَّرِّ وَيُجَازَى بِالْخَيْرِ وَ أَمَدًا لَهُمْ زِدْنَاهُمْ
 فِي رَقَبَتِ بَعْدَ رَقَبَتِ بِفَاكِهِةٍ وَ لَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَإِنْ لَمْ يَضُرْ حُوا بِطَلَبِهِ يَتَنَازَعُونَ يَتَخَاطَبُونَ
 بَيْنَهُمْ فِيهَا أَيْ الْجَنَّةِ كَأَسَا خَمْرًا لَا لَعُوَ فِيهَا أَيْ بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَمْنَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَأْتِيهِمْ ۝ بِهِ يَلْحَقُهُمْ
 بِخِلَافِ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ يُطَوَّفُ عَلَيْهِمُ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ أَرْقَاهُ لَهُمْ كَانَهُمْ حَسَنًا وَ نِظَافَةً لَوْلَا
 مَلَكُونَ ۝ مَضْمُونٌ فِي الصَّدْفِ لِأَنَّهُ فِيهَا أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِهَا وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ
 يَسْأَلُونَ ۝ يَسْأَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَمَّا كَانُوا عَلَيْهِ وَمَا وَصَلُوا إِلَيْهِ تَلَذُّوا وَ اعْتَرَفُوا بِالنِّعْمَةِ قَالُوا إِنَّمَا
 إِلَى عِلَّةِ الْوُضُولِ إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا فِي الدُّنْيَا مُشْفِقِينَ ۝ خَائِفِينَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ
 عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَ وَقَدْ نَا عَذَابَ السُّومِ ۝ أَيْ النَّارِ لِذُخُولِهَا فِي الْمَسَامِ وَقَالُوا إِنَّمَا أَيْضًا إِنَّا كُنَّا
 مِنْ قَبْلُ أَيْ فِي الدُّنْيَا نَدْعُوهُ أَيْ نَعْبُدُ مَوْجِدِينَ إِذْ كُنَّا بِالْكَسْرِ اسْتَجِينَا فَأَوَّانُ كَانَ تَغْلِيلاً مَعْنَى وَ
 بِالْفَتْحِ تَغْلِيلاً لَفَطًا هُوَ الْبُرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ الرَّحِيمُ ۝ الْعَظِيمُ الرَّحْمَةُ

۴۸

ترجمہ: قسم ہے طور کی (وہ پہر جس پر حق تعالیٰ موسیٰ سے ہم کلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کلمے ہوئے
 کاغذ میں لکھی ہے۔ در بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدہ میں ہے۔ روزانہ جس کو ۷۰ ہزار
 لہٹے زیارت کرتے ہیں طواف اور نماز کی صورت میں کہ پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور
 اسی سے شور کی جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب (مستحق پر) ضرور آ کر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا
 جس روز (ایم، واقع کا معمول ہے) آسمان تھر تھر کانپے گا (گھوم جائے گا) اور پہاڑ ہٹ جائیں گے (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے
 آہستہ کے روز) بڑی کم بختی (حق) ہوگی اس روز (پیغمبروں کے) جھٹلانے والوں کی جو (فضول) مشغلہ میں بے ہودگی کے

ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا (زبردستی دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھکا کر کہا جائے گا کہ) یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے (وہ عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) یا تم کو نظر نہیں آرہا ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر سہارا کرنا یا نہ کرنا (صبر کا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں گے خود دل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں (ما مصدر یہ ہے) ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کی آنج سے محفوظ رکھے گا (وقاہم کا عطف تاہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے سرور ہوں گے۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ) خوب کھاؤ بیومزہ کے ساتھ (ہنیاً حال ہے بمعنی متہنین) اپنے اعمال کے بدلہ میں (باسیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (نی جنت میں جو ضمیر مشتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس پاس) بچھے ہوئے ہونگے اور ہم ان کا بیاہ کر دیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنا دیں گے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لانے میں (بڑی اولاد نے تو خود ایمان لا کر اور چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ نتھی کر دیں گے (درجات جنت میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کیلئے اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا جائے گا) اور ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں (العتا لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ کم نہیں کریں گے) ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد ہے والدین کے عمل میں سے اولاد کے عمل میں اضافہ کر کے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھارے گا (پابند ہوگا۔ برائی کی وجہ سے پکڑ ہوگی اور بھلائی کا صلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا (اگرچہ صراحتہ خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لین دین کرتے ہوئے) چھین چھین کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے ہودہ بات ہوگی (برخلاف دنیا کی شراب کے) اور (خدمت کیلئے) پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کیسے ہوں گے گویا وہ (خوبصورتی اور صفائی میں) محفوظ موتی ہوں گے (جو سیپوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی کی سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آمنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پر سی کر کے سرور و شکر گزار ہوگا) بولیں گے (کامیابی کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے پہلے (دنیا میں رہتے ہوئے) اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کر کے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالیا۔ (جو روئیں روئیں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ) ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ ہمزہ کیساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توجہ و شرح

- قولہ: **کَتِيبٌ**: یہ مکتوب کے معنی میں ہے۔
- قولہ: **فِي رَیْبٍ**: ریل میں اس چڑے کو کہتے ہیں جس میں لکھا جاتا ہے پھر ہر کاغذ کے لیے استعمال ہوا۔
- قولہ: **مَنْشُورٌ**: پھیلا ہوا۔
- قولہ: **الْفَالِیَةُ**: حدیث صحیح میں جس کا تذکرہ ہے وہ ساتویں آسمان پر ہے اور ہر آسمان میں کعبہ کی محاذات ایک بیت موجود ہے اور جو رزم کے لیے اتارا اور پھر اٹھا لیا وہ چوتھے آسمان میں ہے۔
- قولہ: **بِخِیَالِ الْکُعبَةِ**: خیال محاذات کو کہا جاتا ہے۔
- قولہ: **الْمَمْلُوءُ**: گمراہ ہوا۔
- قولہ: **یَذْنَعُزْنَ بَعْنُفٍ**: ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیے جائیں گے اور پیشانیوں قدموں میں اکٹھی ہوں گی پس وہ سختی سے آگ کی طرف دھکیلیے جائیں گے۔
- قولہ: **هَذَا الْعَذَابُ**: اس سے وہی کا مصداق مراد ہے۔
- قولہ: **لَا تُبْصِرُونَ**: یہ اس طرح ہے جیسے تم دنیا میں وہ نہ دیکھتے تھے۔ جو اس پر دلالت کرنے والے ہے۔
- قولہ: **مَنْهَبَتَیْنِ**: خوشگوار معلوم ہوگا۔
- قولہ: **فَرَّ نَاهُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ باب کا تعلق زوجنا ہم سے کیونکہ وہ التحران سے مجاز ہے نہ کہ الصادق سے۔
- قولہ: **الَّتِ بِالْتِ كَم کرنا۔**
- قولہ: **بِرَّ اذْفِی عَمَلِ الْاَوْلَادِ**: یعنی جو اولاد کے عمل میں بڑھ جائیں گے تو ان کے اعمال سے کم نہ کریں گے۔
- قولہ: **بِرَّ مَوْنٌ**: گویا ہر بندے کے نفس میں عمل صالح کے بدلے رہن رکھا ہوا ہے۔ اگر نیک عمل کیا تو چھوٹ گیا ورنہ ہلاک ہوا۔
- قولہ: **خُمْرًا**: اس کو کھل کے اعتبار سے نام رکھا، اسی وجہ سے ضمیر مؤنث لائے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الطور کے مضامین بھی دین کے بنیادی عقائد کی تحقیق و تثبیت پر مشتمل ہیں خاص طور سے توحید و رسالت کا مضمون دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کفار مکہ پر حجت قائم کی گئی اسی طرح بعثت بعد الموت اور جزاء و سزا کا مسئلہ بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ کہ قیامت کے احوال کس قدر شدید ہوں گے ان کی شدت اور ہولناکی ذکر فرمائی گئی اور یہ کہ عذاب خداوندی جب کفار پر مسلط ہوگا تو اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اسی اہمیت کے پیش نظر مضمون کی ابتداء عظیم الشان قسموں سے فرمائی

گنی بھر میں کی سزا و محنت کے بیان کے بعد ال ایمان اور تقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان ہے اور اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو ثابت فرمایا گیا۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے معبودانِ باطلہ کی تضحیح و مذمت کرتے ہوئے ان کو تنبیہ و تہدید کی گئی اور آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اپنے معبودانِ بظلمات سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو تباہ کر دے گا اس سورت کا نام سورۃ الطور اس وجہ سے ہے کہ مضمون کی ابتداء طور پہاڑ کی قسم سے فرمائی گئی اور یہ کہ طور و مقدس جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ ﷺ سے کلام فرمایا تھا تو اس لحاظ سے یہ وہ مقدس جگہ ہوئی جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے جمال و جلال کا درود ہوا۔

وَ الطُّورِ

قیام کے دن منکرین کی بد حالی، انہیں دھکے دے کر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جن کی بڑی اہمیت ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے، قیامت کو جھٹلانے والے اس کے وقوع کے منکر ہیں، ان کے ٹھک اور انکار کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بار قسمیں کھائی ہیں، سورۃ الذاریات کا افتتاح اور سورۃ التازعات کی ابتداء بھی اس طرح سے ہے، ان آیات میں اولاً طور پہاڑ کی قسم کھائی یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد کتابِ مسطور کی قسم کھائی مسطور بمعنی مکتوب ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب، صاحبِ روح المعانی نے اس کی تفسیر میں چند اقوال نقل کیے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے بندوں کے اعمال نامے مراد ہیں جو قیامت کے دن کسی کو داہنے ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بعض حضرات نے اس سے قرآن کریم مراد لیا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے، کتابِ مسطور کی مفت بتاتے ہوئے "فِي رَقِيٍّ مَّنْشُورٍ" فرمایا "رقی" جلد رقیق یعنی پتلے چمڑے کو کہا جاتا ہے جب دنیا میں کاغذ نہیں تھے تو اس میں لکھا کرتے تھے اور منشور کا معنی ہے کھلی ہوئی چیز، جن حضرات نے کتبِ مَنْظُورٍ سے اعمال نامے مراد لیے ہیں ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الاسراء میں اعمال ناموں کے بارے میں: "وَأَخْرِجْ لَهُنَّ هَذِهِ الْقِيَمَةَ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا" فرمایا ہے۔

اس کے بعد بیتِ معمر کی قسم کھائی شبِ معراج میں اسے رسول اللہ ﷺ نے عالم بالا میں دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا یہ بیتِ معمر ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکل کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ کبھی نہیں آتی۔ (صحیح مسلم سنو ۱۵۹)

مسالم الترمذی میں لکھا ہے کہ آسمان میں بیتِ المعمر کی حرمت وہی ہے جو زمین میں کعبہ معظمہ کی حرمت ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی ان کے دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

اس کے بعد فرمایا: "وَالشَّعْبِ الْمَوْجُوعِ" یعنی بلند چھت کی قسم ہے۔ روح المعانی میں حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ اس

عرش الہی مرا ہے جو جنت کی صفت ہے۔
اس کے بعد **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ** کی قسم کھائی جس کا ترجمہ ہے "وہ سمندر جو دبکایا گیا۔" یعنی خوب اچھی طرح خود کی طرح جلایا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر منقول ہے سورۃ اہلکور میں قیامت کے دن کے احوال میں **وَإِذَا الْبِحَارُ سُجُودًا** جو فرمایا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے ہجرت یعنی اُقْبَلت لکھا ہے جب سمندروں کو جلایا جائے گا اور **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ** کا ایک ترجمہ البحر المملو یعنی بھرا ہوا سمندر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سمندر کا سفر صرف وہ آدمی کرے جو حج یا عمرہ کے لیے یا چودنی سبیل اللہ کے لیے روانہ ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔
(رداۃ ابوداؤد ص ۲۲۷: ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے چند امور کی قسم کھائی ہے اول کوہ طور کی قسم کھائی جو وادی مقدس ہے پر کاب مستور کی قسم کھائی جس میں بندوں کے اعمال درج ہیں اس کے بعد بیت المعمور کی قسم کھائی جو فرشتوں کے طواف کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہونے کا مقام ہے پھر **وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ** کی قسم کھائی جو فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے وہاں سے آیات نازل ہوتی ہیں اور جنت بھی وہیں ہے پھر **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ** کی قسم کھائی جو آگ کی جگہ ہے۔ ان قسموں کے بعد فرمایا: **إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ** (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے) **مَآلِكَةٍ** (اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں) یہ جواب قسم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے جو عظیم الشان ہیں اور کائنات میں بڑی چیزیں ہیں اس کی قدرت سے یہ باہر نہیں ہے کہ صالحین کو ثواب اور مکررین کو عذاب دینے کے لیے قیامت قائم کرے، جب قیامت قائم ہوگی تو اسے کوئی بھی دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ حضرت جبریلؑ نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تاکہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں (اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں آپ کے قریب پہنچا تو آپ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے اور مسجد کے باہر آپ کی آواز آرہی تھی میں نے **وَاطَّلَعْتُ** سے لے کر **مَآلِكَةٍ مِنْ دَافِعٍ** تک آپ کی قراءت سنی تو یہ معلوم ہوا کہ جیسے میرا دل پھٹا جا رہا ہے، میں عذاب نازل ہونے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔ میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ یوں سمجھنے لگا کہ گویا یہاں سے اٹھنے سے پہلے ہی عذاب میں مبتلا

ہوا ہاں گا۔ (مسلم الترغیل ج ۳ ص ۴۱)

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ

مَنْ أَوْلَادُهُمْ وَإِنَّمَا

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مؤمنوں کی اولاد بھی ایمان لائے ان کے باپ دادا کی راہ میں لگ جائے لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہو پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا دے گا انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تاکہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور

چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان اللہ انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جو اب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور انکے لئے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کے بچوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے لیکن ان کے جو چھوٹے بچے چھٹ پن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس، شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم قتادہ، ابو صالح، ربیع بن انس، سخاک بن زید بھی یہی کہتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں، پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا مائی صاحبہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے مؤمن مع اپنی اولاد کے جنت میں ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی ملاحظہ ہو مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعۃً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ میرا یہ درجہ کیسے بڑھا گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہیں گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اسی طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔ صدقہ جاریہ علم دین جس سے نفع پہنچتا ہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مؤمنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھادئے گئے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہوگا باپ کا بوجھ بننے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے آیت **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ** (المدثر: ۳۸) ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے گروہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں جس چیز کو جی چاہے جس پر دل آئے وہ یک لخت موجود ہو جاتی ہے شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسرے کو پلار ہے ہیں جس کے پینے سے سرد اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے لیکن بہ زبانی بے ہودہ گوئی نہیں ہوتی ہذیان نہیں بکتے بیہوش نہیں ہوتے سچا سرد و ر پوری خوشی حاصل ہک جھک سے دور گناہ سے غافل باطل و کذب سے دور غیبت و گناہ سے نفور دنیا میں شریوں کی حالت دیکھی ہوگی کہ ان کے سر میں چکر پیٹ میں درد عقل زائل ہو اس بہت بوری چہرے بے رونق اسی طرح شراب کے ہذا نقد اور بد بو یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوہل

دور ہے یہ رنگ میں سفید پینے میں خوش ذائقہ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہونہ بہکیں نہ بھکیں نہ مستی ہونہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے نہی خوشی اس پاک شراب کے جام پلا رہے ہوں گے ان کے غلام کس نوعمر بچے جو حسن و خوبی میں ایسے ہیں جیسے مردارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہوں کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں ان کی آبداری صفائی چمک دمک روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلامان کے حسین چہرے انہیں بھی ماند کر دیتے ہیں اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے آیت: **يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّكَلَّمُونَ** (الانعام: ۱۱) یعنی ہمیشہ نوعمر اور کس رہنے والے بچے آخوڑے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ سر میں درد ہونہ بہکیں اور جس قسم کامیوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لئے چاروں طرف کمر بستہ چل رہے ہیں اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے دنیا کے احوال یاد آئیں گے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذاب سے سخت لرزاں و ترساں تھے الحمد للہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا ہم اسی سے دعا کیں اور التجائیں کرتے رہے اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارے قول پورا کر دیا یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر دست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی اس کا تخت اڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر کو چھوڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی رعایت کی تھی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے حضرت مائی عائشہ نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی (اللھم من علینا وقتنا عذاب السومر انک انت الہد الرحیم) حضرت عائشہ رادی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعائیں المؤمنین نے نماز میں مانگی تھی؟ جواب دیا ہاں۔

فَذَكِّرْهُمْ عَلَىٰ تَذَكُّرِ الْمَشْرِ كَيْفَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَّجْنُونٌ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ
 أَيِّ بَأْسَابِهِ عَلَيْكَ بِكَاهِنٍ خَبْرٌ مَا وَلَا مَجْنُونٍ ۝ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ هُوَ شَاعِرٌ قَتَرْنَا
 بِهِ رِيبَ لَنْبُونَ ۝ حَوَادِثُ الذَّهْرِ يَهْلِكُ كَثِيرٌ مِنَ الشَّعْرَاءِ قُلْ تَوَبُّوْا هَلَا كَيْ قَانِي مَعَكُمْ مَن
 الْمُرْتَضِينَ ۝ هَلَاكُمْ فَعَذِّبُوا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرْبُصُ الْإِنْتِظَارُ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ
 عَزَلْتُمْ بِهَذَا أَيْ قَوْلُهُمْ هُوَ سَاجِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَجْنُونٌ أَيْ لَا تَأْمُرُهُمْ بِذَلِكَ أَمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
 كَالْقَوْمِ ۝ بَعَادِيهِمْ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوْلُهُمْ ۝ اخْتَلَقَ الْقُرْآنُ لَمْ يَخْتَلِفْهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ اسْتِكْبَارٌ أَيْ
 نَالُوا اخْتِفَهُ فَمَا تَوَابُوا بِحَدِيثِ ۝ مَخْتَلَقٌ مِّثْلَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِهِمْ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ

شَيْءٌ أَيْ خَالِقٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿١٠٠﴾ أَنفُسُهُمْ وَلَا يَنْقَلُ مَخْلُوقٌ بِدُونِ خَالِقٍ وَلَا مَقْدُومٌ بِمَخْلُوقٍ فَلَا
بِذَلِكَ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُؤَخِّدُونَهُ وَيُؤْمِنُونَ بِرِسْوَالِهِ وَ كِتَابِهِ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَلَا يَتَّقُونَ عَلَى خَلْقِهِنَّ إِلَّا اللَّهُ الْخَالِقُ فَلِمَ لَا يُعْبُدُونَهُ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ﴿١٠١﴾ وَالْأَلْمُتَّوَابِينَ أَمْ
عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رِزْقِكُمْ مِنَ الثَّبْتِ وَالزَّرْقِ وَ غَيْرِهِمَا فَيَخْضَعُونَ مِنْ شَائِئِهَا بِنَا شَائِئِهَا أَمْ هُمْ
الْمُضْطَرُّونَ ﴿١٠٢﴾ الْمُنْسَلِطُونَ الْجَبَّارُونَ وَفِعْلُهُ صَيِّطٌ وَ مِثْلُهُ يَبْطِطُ وَيَبْقِرُ أَمْ لَهُمْ سُلْمٌ مَرَفَى إِلَى
السَّمَاءِ يَسْتَبْعُونَ فِيهِ أَيْ عَلَيْهِ كَلَامُ الْمَلَائِكَةِ حَتَّى يُمَكِّنَهُمْ مَنَازِعَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِرِغْمِهِمْ إِنْ أَدْعُوا ذَلِكَ فَلَيَأْتِ مُسْتَبْعُهُمْ أَيْ مُدْعَى الْإِسْتِمَاعِ عَلَيْهِ بِسُلْطَنِ قَبِيلِينَ ﴿١٠٣﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ
وَاضِحَةٍ وَلَيْسَ بِهَذَا الزَّعْمُ بِرِغْمِهِمْ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ قَالَ تَعَالَى أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ أَيْ بِرِغْمِكُمْ وَ
لَكُمْ الْبَنُونَ ﴿١٠٤﴾ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا زَعَمُوا أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا عَلَى مَا جِئْتُهُمْ بِهِ مِنَ الدِّينِ فَهُمْ قَرَنَ
مَعْرُوفٍ غَرَمَ لَكَ مُثْقَلُونَ ﴿١٠٥﴾ فَلَا يَسْأَلُونَ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ أَيْ عِلْمُهُ فَهُمْ يَكْتُوبُونَ ﴿١٠٦﴾ ذَلِكَ
حَتَّى يُمَكِّنَهُمْ مَنَازِعَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَيْتِ وَأَمْرٍ الْآخِرَةَ بِرِغْمِهِمْ أَمْ يُرِيدُونَ
كَيْدًا بِكَ لِيُهْلِكَكَ فِي دَارِ النَّدْوَةِ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ الْمَغْلُوبُونَ الْمُهْلِكُونَ
فَحَفِظَهُ اللَّهُ مِنْهُمْ لَمْ أَهْلِكْهُمْ بِنَدْرِ أَمْ لَهُمُ اللَّهُ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٠٨﴾ بِهِ مِنَ الْإِلَهَةِ
وَالْإِسْتِفْهَامِ بِأَمٍّ فِي مَوَاضِعِهَا اللَّتَقْبِيحِ وَالتَّوْبِيخِ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِمَّن السَّمَاءِ سَاقِطًا عَلَيْهِمْ كَمَا
قَالُوا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ أَيْ تَعَذِّبْنَا لَهُمْ يَقُولُوا هَذَا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿١٠٩﴾ مُتْرَاكِبٌ تَرْتَوِي بِهِ
وَلَا يُؤْمِنُوا قَدَرَهُمْ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿١١٠﴾ يَمْؤُتُونَ يَوْمَ لَا يُغْنِي بَدَلٌ مِنْ
يَوْمِهِمْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١١١﴾ يَمْنَعُونَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ وَإِنَّ لِلَّذِينَ
ظَلَمُوا بِكُفْرِهِمْ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ أَيْ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ مَوْتِهِمْ فَعَذَّبُوا بِالْجُوعِ وَالْقَحْطِ سَبْعَ سِنِينَ
وَبِالْقَتْلِ يَوْمَ بَدْرٍ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١١٢﴾ أَنَّ الْعَذَابَ يَنْزِلُ بِهِمْ وَأَصْدِرُ لِحُكْمِ رَبِّكَ بِأَمْعَالِهِمْ

وَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ وَاتَّكُ بِأَعْيُنِنَا بَمَزَايِ مَنَّا نَزَاكٌ وَنَحْفَظُكَ وَسَتَبِخُ مَتَلَبَسَا بِحِصْدِ رِبَاكَ أَيْ قُلْ
 يَنْبَغِي لِلَّهِ وَبِحَمْدِهِ حِينَ تَقُومُ ۝ مِنْ مَنَامِكَ أَوْ مِنْ مَجْلِسِكَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ حَقِيقَةً أَيضًا وَ
 إِذَا هَلَكَ النُّجُومُ ۝ مُتَّضَرِّزًا أَيْ عَقِبَ غُرُوبِهَا مُسَبِّحُهُ أَيضًا أَوْ صَلَّى فِي الْأَوَّلِ الْعِشَاءِ فِي فِي الثَّانِي سُنَّةً ۝
 الْمَجْرُوقِ قَبْلَ الضُّبْحِ

تو آپ سمجھتے رہے (شرکین کو نصیحت کرتے رہے، اس کو اس لئے موقوف نہ کیجئے کہ وہ آپ کو کاہن، مجنون کہہ
 رہے ہیں) کیونکہ آپ بفضل الہی (بفضلہ تعالیٰ) نہ تو کاہن ہیں (ما کی خبر ہے) اور نہ مجنون (یہ خبر پر معطوف ہے) ہاں کیا یہ لوگ
 کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان کے بارہ میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (حوادث زمانہ سے جس طرح اور شعراء ناپید ہو گئے
 ہیں آپ بھی بے نشان ہو جائیں گے) آپ فرمادیتے کہ تم منتظر رہو (میری تباہی کے) سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں
 (تمہاری تباہی کا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین تلوار کی نذر ہو گئے۔ تبص کے معنی انتظار کے ہیں) کیا ان کی عقلیں (سمجھ
 بوجھ) ان کو ان باتوں کی تلقین کرتی ہیں (یعنی ساحر، کاہن، شاعر، مجنون کہنے کی۔ یعنی یہ عقل کا فیصلہ نہیں ہے) یا (بلکہ) یہ لوگ
 شریر (عنادی) ہیں۔ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو خود گھڑنا لیا ہے (قرآن بنا لیا ہے، بنایا نہیں) بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں
 کرتے (سچی کے مارے اور اگر اس کو گھڑنا جانتے ہیں) تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (من گھڑت) لے آئیں اگر یہ سچے
 ہیں۔ کیا یہ لوگ یونہی (بغیر پیدا کرنے والے کے) خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں (اور جب کوئی مخلوق بغیر
 خالق کے اور معدوم خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا، تو ناپڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ کیوں
 نہیں توحید ماننے اور کیوں اس کے رسول و کتاب کو تسلیم نہیں کرتے) یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا (حالانکہ اللہ کے سوا
 کوئی ان کو نہیں پیدا کر سکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے)
 کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں (نبوت و رزق وغیرہ کے کہ جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ
 ماکم ہیں (صاحب سلطنت و سطوت، بصیر، بیہر اور بے فکر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی میزگی ہے (آسمان پر چڑھنے
 کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (یہ یعنی علیہ، فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے گمان کے مطابق حضور
 ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی آریساں) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعویٰ دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل
 پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اس کے مشابہ۔ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے فرمایا) کیا اللہ کیلئے
 بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ
 مواضع کہتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تادان (ڈانڈ) سے دبے جا رہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان
 کے پاس غیب (کاعم) ہے کہ یہ اس کو سمجھ سکتے ہیں (تاکہ اپنے خیال کے مطابق قیامت و آخرت کی نسبت حضور ﷺ
 سے الجھے کا موقع ملتا ہو) کیا یہ وہ کچھ برائے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کیلئے دار اللہ وہ

میں) سو یہ کافر خودی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب و برباد۔ چنانچہ اللہ نے حضور کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا اور کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کر کے کرتے ہیں۔ ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور مرزئش کیلئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے (کسی ایک) نگڑہ کو دیکھ لیں گے کہ گرنا آ رہا ہے (ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے۔ ربنا اسقط علينا كسفا من السماء بطور سزا کے) تو یوں کہہ دیں گے کہ (یہ تو) بتہ جما ہوا ہادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم میرا بی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سوان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں (مرکر) ان کے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ بھی تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کیلئے) کچھ مدد مل سکے گی اور ان خالموں کیلئے (ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا لقمہ بنے) لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔ (کہ ان پر عذاب ہوگا) اور اپنے پروردگار کی تجویز پر مبر سے بیٹھے رہئے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہو جائیے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم جو کسی سے آپ کی نگرانی کر رہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے (سوان اللہ و حمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سو کر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب و عشاء کی نماز پڑھا کیجئے اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: حَوَادِثُ الدَّهْرِ: منون یہ من سے لیا گیا جس کا معنی قطع کرنا ہے اور زمانہ انسانی قوی کو قطع کرتا ہے۔
- قولہ: لَا تَأْمُرُهُمْ: امر احلام سے مراد ادا ہوگی ہے۔
- قولہ: طَاعُونَ: حد سے آگے بڑھنے والے۔
- قولہ: اِخْتَلَقَ: اپنی طرف سے گھڑ لیتا۔
- قولہ: لَا يُؤْمِنُونَ: وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ یہ طعن زنی کرتے ہیں۔
- قولہ: اَمْرٌ خَلِقُوا: یہ ام مقتطع ہے ورنہ ہمزہ انکار کے لیے ہے۔
- قولہ: بہ: جب ان سے اپنی تخلیق کا سوال ہوتا ہے تو یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا اگر وہ اس کو صحیح مانتے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول سے اعراض نہ کرتے۔
- قولہ: الْمَسْسِلُطُونَ: جو چیزوں پر اس طرح غلبہ پائیں کہ اپنی مرضی سے تصرف کریں۔
- قولہ: ضَيْطُونَ: غالب آیا بیٹپڑ۔ رگ کھولنے والا، بیقر۔ پھاڑنا: غلبہ پوشیدہ قتل کرنا۔

کہ کیا ہونے والا ہے اور جو عالم الغیب سے ان پر وحی کیا جاتا ہے۔

قولہ: **كَلَامِ الْمَلَائِكَةِ**: جیسی یہ مصدر مکی ہے۔

قولہ: **مِنْ مَقَرِّهِ**: میرا اب ہوتا۔

قولہ: **بِأُتُوْنِ**: میرا بھیجی کی بات ہے۔

قولہ: **بِنُؤْتُوْنِ**: یعنی ہمارے ہاں آپ کی حفاظت کے بہت اسباب ہیں۔

قولہ: **بِأَعْيُنِنَا**: یعنی ہمارے ہاں آپ کی حفاظت کے بہت اسباب ہیں۔

تفسیر مقبولین

لَذَلِكُمْ قَاتَلْتُمُ الْمَلَائِكَةَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۗ

مکرین اور معاندین کی باتوں کی تردید:

ان آیات میں ابتدائی خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے پھر اسی ذیل میں اہل مکہ سے سوال و جواب ہے گویا آپ کے واسطے ان لوگوں سے بات ہو رہی ہے ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت حق فرماتے رہیں دشمنوں کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں بلکہ آپ کو کافروں اور دیوانہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل و انعام ہے آپ نہ کافروں میں نہ دیوانہ ہیں، نیز ان منکرین کا کہنا یہی ہے کہ آپ شاعر ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ ان کی موت کا حادثہ ہو جائے تاکہ ان سے ہمارا ہٹکارا ہو جائے اور ہم سے جو خطاب کرتے ہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بند ہو جائے جیسے بہت سے شاعر دنیا میں لے شاعری کی اور دنیا سے گزر گئے ان کا بھی یہی حال بننے والا ہے نہ ان کا کوئی ماننے والا رہے نہ جاننے والا نہ ان کی راہ پر چلنے والا، ارشاد فرمایا: **لَنْ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَرِبِينَ** (آپ فرمادیجئے کہ تم لوگ انتظار کرتے رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں) دیکھو تمہارا کیا حال بنتا ہے اور حق قبول کرنے سے پہلو تہمی کرنے پر کیسے ذاب میں مبتلا ہوتے ہو، میری محنتوں کا انجام نلارج اور کامیابی ہے اور تمہارا انجام ناکامی، بربادی اور ہلاکت ہے۔

نصیب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے مشرکین کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بتا رہی ہیں کہ شرک میں مبتلا رہیں جو باطل چیز ہے اور دعوتِ احیاء قبول نہ کریں جو حق ہے، اپنی عقنوں کو بہت بڑی سمجھتے ہیں حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ باطل کو ترک کریں اور حق کو قبول کریں اگر غور و فکر کرتے تو حق کو نہ ٹھکراتے، وہاں تو بس شر ہے اور شرارت ہے اس کو اپنائے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے خود ہی بنا لیا ہے اور اپنی طرف سے بنا کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ان کا یہ قول شرارت پر مبنی ہے۔ ایمان نہیں لاتے ایسی باتیں کر کے درر ہوتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ عربی ہنسنے ہنساں و تبلیغ ہونے کے دعویدار ہیں اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آئیں، ان کو چیلنج کیا جا چکا ہے کہ قرآن جسک ایک سورت بنا کر لے آئیں لیکن نہیں لائے اور نہ لاسکیں گے: **لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا**

مفکرین قرآن پر یہ بہت بڑی مار ہے ڈیڑھ ہزار سال سے چیلنج ہے، کوئی بھی آج تک اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر کے لا۔ غار، نہلائے گا۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۱۰﴾

توحید ربوبیت اور الوہیت:

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے موجود ہو گئے؟ یا یہ خود اپنے موجد آپ ہی ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ کچھ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔ حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورۃ الطور کی تلاوت کر رہے تھے میں کان لگائے سن رہا تھا جب آپ آیت: أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنٌ رَّبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصْتَبِرُونَ (الطور: ۳۷) تک پہنچے تو میری حالت یہ ہو گئی کہ گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے۔ (بخاری) بدری قیدیوں میں ہی یہ جبیر آئے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے قرآن پاک کی ان آیتوں کا سننا ان کے لئے اسلام کا ذریعہ بن گیا پھر فرمایا ہے کہ کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے پھر فرماتا ہے کیا دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ کیا ہر چیز کے خزانوں کے مالک یہ ہیں؟ یا مخلوق کے محاسب یہ ہیں حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عزوجل ہی ہے وہ قادر ہے جو چاہے کر گزرے پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمانوں تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ آریوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے قول و افعال کی کوئی سمانی دلیل پیش کرے لیکن نہ وہ پیش کر سکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں کیا مزے کی بات ہے کہ اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کریں انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتائیں اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی پرستش کریں، پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا اللہ کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب دان ہیں؟ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکو اس کر کے خود رسول کو مسوموں اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں یا درکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور اخروی عذاب سبب نہیں گے پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا شرک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔

وَإِنْ يَدْرَأْ كُفْرًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۱۱﴾

طے شدہ بد نصیب اور نشست و برخواست کے آداب:

مشرکوں اور کافروں کے مناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اللہ کے

عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا اللہ کا عذاب بن کر ان کے سر پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلطی ہے جو پانی برسائے گا اور ہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا آیت: **وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ** (الحجر: ۱۳)، اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق عمل دکھادیے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اسے نبی ﷺ آپ نہیں چھوڑ دیجئے قیامت والے دن خود نہیں معلوم ہو جائے گا اس دن ان کی ساری فریب کاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی پوکڑی بھول جائیں گے اور چالاکی بھول جائیں گے۔ آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے نہ ہمیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے یہی نہیں کہ انہیں صرف نجات کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گزار لیں بلکہ ان ناانصافوں کے لئے اس سے پہلے دنیا ہی بھی عذاب تیار ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے آیت: **وَلَكُلِّئِلَّا يُقْتَلَكُم مِّنَ الْعَذَابِ الْاٰخِرِ حٰوْنُ الْعَذَابِ الْاٰخِرِ لَعَلَّكُمْ تَرٰجِعُوْنَ** (اسجد: ۲۱) یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوں گے اور اللہ کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی۔ یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے۔ کہ گناہ پر گناہ پر ظلم کرتے جائیں پکڑے جاتے ہیں عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن جہاں پکڑا ہوا یہ پھر دیسے کے دیسے سخت دل بدکار بن گئے۔ بعض احادیث میں ہے کہ منافق کی مشا اورنٹ کی سی ہے جس طرح اورنٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا؟ اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار کیا گیا؟ اور کیوں ندرت کر دیا گیا؟ اذرا الہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیوں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے برے بندے کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے ان کی بڑا دہی سے تنگ دل نہ ہو جائے ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لائیے سنے آپ صبر کی حفاظت میں ہیں آپ ہاری آنکھوں کے سامنے ہیں آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں تمام دشمنوں سے آپ کو بچانا ہمارے سپرد ہے پھر حکم دیتا ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے اس کا ایک مطلب یہ کہ کیا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں دونوں مطلب درست ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: (سبحانک اللہم رحمدک وتبارک اسمک وتعالی جددک ولا الہ غیرک) (صحیح مسلم) یعنی اے اللہ تو پاک ہے تمام تعریفوں کا مستحق ہے تیرا نام برکتوں والا ہے تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے۔ تیرے سوا معبود برحق کوئی در نہیں مسند احمد اور سنن میں بھی حضور ﷺ کا یہ کہنا مروی ہے مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو جاگیں اور کہے دعا: (لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شئی قدید سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قو الا باللہ) پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب

کہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اللہ کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے حضرت ابوالاحوص کا قول بھی یہی ہے کہ جب مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے دعا: (سبحانک اللہم وبحمدک) حضرت عطاء بن ابورباح بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی کہ جب کبھی کسی مجلس سے کھڑے ہو تو دعا: (سبحانک اللہم وبحمدک اشهد ان لا الہ الا انت استغفرک وانوب الیک) پڑھو۔ اس کے راوی حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث تو مرسل ہے لیکن مسند حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی) اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ امام حاکم اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند شرط مسلم پر ہے ہاں امام بخاری نے اس میں علت نکالی ہے میں کہتا ہوں امام احمد، امام مسلم، امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ، امام دارقطنی وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج ہیں ہی نہیں، اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے ان کلمات کو کہتے بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضور ﷺ آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے؟ آپ نے فرمایا مجلس میں جو کچھ ہوا ہو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے واللہ اعلم نساء وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔ (ابوداؤد وغیرہ) الحمد للہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام احادیث کو ان کے الفاظ کو اور ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو جیسے فرمان ہے: **وَمِنْ أَلْبَلٍ فَتَهْتَدُ بِهِ كَافِلَةٌ لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَكْرُومًا** (الہراء: ۷۹) رات کے وقت تہجد پڑھا کر وہ تیرے لئے نفل ہے لیکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اٹھائے ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت پڑھی جاتی ہیں چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے ان سنتوں کو نہ چھوڑو گوتہمیں گھوڑے کچل ڈالیں۔ اسی حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں سننے والے نے کہا کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں۔

سُورَةُ النَّجْمِ

النجم

سورة نجم ۲۳ آیتیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِأَنبَاءِ

۳

بِأَنبَاءِ

۷۲

سورة نجم کہ میں نازل ہوئی شروا اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں ہیں اور تم ذکر

وَالنَّجْمِ الثَّوْبَا إِذَا هَوَى ۝ غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحْتَمِدًا عَلَيْهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيقِ الْهِدَايَةِ
وَمَا عَوَى ۝ مَا لَابَسَ الْعَنَى وَهُوَ جَهْلٌ مِنْ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ عَنِ الْهَوَى ۝
هُوَ نَفْسِهِ إِنْ مَا هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ۝ إِلَيْهِ عِلْمُهُ آيَاهُ مَلَكٌ شَدِيدُ الْقُوَى ۝ ذُو مِرَّةٍ فَهُوَ قُوَّةٌ وَشِدَّةٌ أَوْ
مَنْظَرٌ حَسَنٌ أَيْ جَبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاسْتَوَى ۝ اسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَى ۝ أَفْوَى الشَّمْسِ أَيْ
عِنْدَ مَطْلَعِهَا عَلَى طُورَيْهِ الَّتِي خَلَقَ عَلَيْهَا فَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ بِجِزَاءٍ قَدِ سَدَّ الْأَلْفَ
إِلَى الْمَغْرِبِ فَحَزَّ مَغْشِيًا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَأَلَهُ أَنْ يُرِيَهُ نَفْسَهُ عَلَى طُورَيْهِ الَّتِي خَلَقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهُ
بِجِزَاءٍ فَنَزَلَ جَبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَةٍ الْأَدْمِيَّةِ ثُمَّ دَنَا قَرِيبًا مِنْهُ فَتَدَلَّى ۝ زَادَ فِي الْقُرْبِ
فَكَانَ مِنْهُ قَابٌ قَدَرٌ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۝ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى أَفَاقَ وَسَكَنَ رِزْقَهُ فَأَوْحَى تَعَالَى إِلَى
عَبْدِهِ جَبْرِئِيلُ مَا أَوْحَى ۝ جَبْرِئِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُؤَخَّى تَفْخِيمًا لِشَأْنِهِ
مَا كَذَبَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَنْكَرَ الْفُؤَادُ فُؤَادُ النَّبِيِّ مَا رَأَى ۝ بَصُرَهُ مِنْ صُورَةٍ جَبْرِئِيلُ
أَتَمُّرُونَهُ تُجَادِلُونَهُ وَتَعْلِبُونَهُ عَلَى مَا يَرَى ۝ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِينَ الْمُكْرِمِينَ رُؤْيَا النَّبِيِّ لِجَبْرِئِيلَ وَ
لِقَدْرَاهُ عَلَى طُورَيْهِ نَزَلَتْ مَرَّةً أُخْرَى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۝ لَمَّا أُنزِلَ بِهِ فِي السَّمَوَاتِ وَهِيَ
شَجَرَةٌ نَبَقٌ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ لَا يَسْجَاوُزُهَا أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ عِنْدَهَا جَنَّةٌ لِمَا أَوْحَى ۝ تَأْوَى
إِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَأَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ وَالْمُتَّقِينَ إِذْ حِينِ يَغْشَى السِّدْرَةَ؟ مَا يَغْشَى ۝ مِنْ طَيْرٍ وَغَيْرِهِ وَادُّ

مَعْمُولَةٌ لِرَأْيِهِ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَفَى ۝ أَي مَاتَ أَلْ بَصْرَةُ عَنْ مَرَاتِبِهِ الْمَقْصُودِ لَهُ وَلَا حَازِرًا

تِلْكَ الثُّبُلَةُ لَقَدْ رَأَى فِيهَا مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝ أَي الْعِظَامُ أَي بَعْضُهَا فَرَأَى مِنْ عَجَائِبِ

الْمَلَكُوتِ زُفْرًا خَضْرًا سَدَأَتْ فِي السَّمَاءِ وَجَبْرَيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ مِثْرٌ مِائَةٌ جَنَاحُ الْوَعْدِ يَكْتُمُ اللَّهُ

الْعُرَى ۝ وَ مَنُوءَةٌ الْبَالِغَةُ اللَّتِي قَبْلَهَا الْأَخْرَى ۝ صِفَةُ ذِمٍّ لِلنَّائِبَةِ وَ هِيَ أَضْطَامٌ مِنْ حِجَارَةٍ كَانَتْ

الْمُشْرِ كَوْنٌ يَغْبُدُونَهَا وَيُرْعَمُونَ أَنَّهُ تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَنْعُولٌ أَرَأَيْتُمْ الْأَوَّلَ اللَّاتِ وَمَا عَطَفَ عَلَيْهِ

وَالثَّانِي مَحْدُوفٌ وَالْمَعْنَى أَحْمَرُ وَبِي الْيَهْدِيهِ الْأَضْطَامُ قُدْرَةٌ عَلَى شَيْءٍ مَا تَقْبَلُ وَنَهَا دُونَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

الْقَادِرُ عَلَى مَا تَقْدِرُ بِذِكْرِهِ وَتَعَارَ عَمُومًا أَيْضًا أَنَّ الْعَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ مَعَ كَرَاهَتِهِمُ التَّنَاتِ نَزَلَ الْكَلِمَةُ

الذِّكْرُ وَ لَهُ الْأُنْثَى ۝ تِلْكَ إِذَا قَسِمَةُ ضَيْزَى ۝ جَائِزَةٌ مِنْ صَارَاهُ بِصَيْرُهَا إِذْ طَلَعَتْهُ وَ جَارَ عَلَيْهِ إِنْ هِيَ

مَا الْمَذْكُورَاتُ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتَهُنَّ أَي سَمَّيْتُمْ بِهَا أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ أَضْطَامًا تَعْبُدُونَهَا مَا أَنْزَلَ

اللَّهُ بِهَا أَي بَعَادَتِهَا مِنْ سُلْطَانٍ - خُحْبَةٌ وَ تَرْهَانُ إِنْ مَا يَتَّبِعُونَ بِي عِبَادَتِهَا إِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى

الْأَنْفُسَ ۝ مِثْرَانِيَّةٌ لِلْهِمُ الشَّيْطَانِ مِنْ أَنَّهُ تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَى ۝

عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّهْمَانِ الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْحَعُوا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ أَمْرٌ لِلْإِنْسَانِ أَي

عَنْ لِكُلِّ إِنْسَانٍ مِثْلُهُمْ مَا تَمَلَّى ۝ مِنْ أَنَّ الْأَضْطَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَلَيْتَهُ الْآخِرَةُ وَ الْأُولَى ۝

أَي الدُّنْيَا فَلَا يَنْفَعُ فِيهِمَا إِلَّا مَا يَرِيدُهُ تَعَالَى

ترجمہ: قسم ہے (ثریا) ستارہ کی۔ جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) راہ ہدایت سے (نہ تو بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہوئے) (نہ کجروی اختیار کی۔ غویا یہ کے معنی بد عقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بناتے ہیں (وحی کے سلسلہ میں) اپنی (نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سرا سوجی ہے۔ جو (ان پر) بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعظیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدا ان کی قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر) اپنی اصلی صورت میں، آنحضرت نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ سے ہوٹ ہوٹ ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرت نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی شکل پر نہیاں کریں۔ جس کا دوسرا انہوں نے مقام حرا

کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں نمودار ہوئے (پھر وہ فرشتہ نزدیک (قریب) آیا۔ پھر اور نزدیک (قریب) آیا۔ سو دو کماتوں کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (حتیٰ کہ آنحضرتؐ کو افاقہ اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی۔ جو کچھ نازل کیا (حضرت جبریل نے آنحضرتؐ پر۔ خود اس وحی کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب (نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبریل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرتؐ کے جبریل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (جب کہ آنحضرتؐ شب اسری میں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ عرش کی داہنی جانب بیری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی بڑھ نہیں سکتا) اس کے قریب جنت المادئی بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہداء اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہیٰ کو پلٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں پلٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ از معمول ہے راہ کا) نگاہ (نہ) نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا۔ اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بعض بڑی نشانیاں۔ چنانچہ عجائب ملکوت میں سبز رُفرف دیکھا جو ہمارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اور جبریل علیہ السلام کو جن کے چہرے سباز تھے) بھل تم نے لات اور عزرائی اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے۔ (جو پہلے رو کے علاوہ) ایک اور بھی ہے (اختری ثالثہ کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افرایتھ کا مفعول اول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی مخدوف ہے۔ یعنی ذریعہ تبتلاء کہ ان جنوں کو کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کیلئے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے۔ اس پر ناز ہوا کہ) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کیلئے بیٹیاں۔ اس طرح تو یہ بہت بے ذہنگی تقسیم ہوئی (ظالمانہ، ضارہ بظنیرہ سے یعنی ظلم و جور کیا) یہ زے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرایا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (حجت و برہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کیلئے حزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر ﷺ کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ۔ پھر بھی اپنی ہیچ سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے سفارشی ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے

آخرت اور دنیا (لہذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: وَمَا غَوَىٰ: اس سے مراد اس کی لٹی ہے جس کی وہ آپ کی طرف بہت کرتے تھے۔
- قولہ: مِنْ دَاخِلِهَا: یعنی: جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ شدید القوی مضبوط تو توں والا۔ ذمیرہ: عقل میں مضبوط۔
- قولہ: فَوَاقِدٌ: سے حضرت محمد ﷺ کا قلب اطہر مراد ہے، جو آپ نے دیکھا دل اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔
- قولہ: مَرَّةٍ أُخْرَىٰ: نزلہ بروزن لعدہ ہے یہ کثرہ کے قائم مقام لایا گیا ہے تاکہ ارشاد ہو کہ یہ روایت بھی نہایت قرب والی تھی۔
- قولہ: سَدْرًا قَبْرِي۔
- قولہ: الْمَقْصُودُ لَهُ: جس کو دیکھنے کا حکم ہوا۔ رزف بجے یا قالین۔
- قولہ: اللَّتَّ: یہ بتوثیق کا بت تھا۔ یہ توی سے بنا ہے مال ہونا۔
- قولہ: الْعُرَىٰ: یہ ایک ٹیکر کا درخت، بنو مطلقان کے ہاں تھا جس کی پوجا کرتے تھے۔
- قولہ: مَنْوَةٌ: پتھر تھا بنو ہذیل جس کو پوجتے تھے۔
- قولہ: الْأُخْرَىٰ: یہ صفت لازم ہے۔
- قولہ: ضِيْزَىٰ: خالمانہ۔

تفسیر مقبولین

اس سورۃ مبارکہ کا اصل مضمون اور موضوع خاص آنحضرت کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور اسراء و معراج کے خصوصی احوال کا ذکر اور ملکوت سموت کے عجائب کے بیان سے حضور اکرم ﷺ کی عظمت شان ظاہر کرنی مقصود ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہے اس وجہ سے قیامت، حشر و نشر اور جنت و جہنم پر ایمان لانا چاہئے اسی تفصیل کے مطابق جو وحی الہی اور زبان رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

توحید خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے شرک و بت پرستی کی تردید اور اس کا خلاف عقل و فطرت انسانی ہونا ثابت فرمایا گیا اور ان بتوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی گئی جن کی مشرکین مکہ پرستش کیا کرتے تھے پھر قیامت کے روز عدل و انصاف اور جزاء اعمال کی تفصیل فرمائی گئی اور یہ کہ ہر انسان کی سعی اور جدوجہد کا بدلہ اسکو ضرور مل کر رہتا ہے، اختتام سورت پر عباد و شہود اور قوم نوح و لوط جیسی قوموں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کر کے مجرمین و منکرین کو تنبیہ کی گئی تاکہ وہ اس رویہ سے باز آجائیں۔

وَاللَّجْجِمِ إِذَا هَوَىٰ ۝

یہاں سے سورۃ النجم شروع ہے اس کے پہلے رکوع کے اکثر حصہ میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور وحی کی

عاقبت اور وحی لانے والے فرماتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قوت اور ان کی رویت کا تذکرہ فرمایا ہے۔
 ارشاد فرمایا: وَاللَّجُودِ إِذَا هَوَىٰ ۖ (قسم ہے ستارہ کی جب غروب ہونے لگے)۔
 مَا أَصَلَّ صَلَاتَكَ وَمَا هَوَىٰ ۖ (تمہارا ساتھی نہ راہ سے ہٹتا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے)۔
 وَمَا يَطْلُقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ (اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا)۔
 إِنَّ هُوَ إِلَّا وَجْهُ يُوْحَىٰ ۖ (وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی ہے)۔

آیت شریفہ میں جو لفظ انجم وارد ہوا ہے بظاہر یہ صیغہ مفرد کا ہے لیکن چونکہ سم جمع ہے اس لیے تمام ستارے مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے ثریا مراد ہے جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے، ستارے چونکہ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے ہیں اس لیے ان کی قسم کھا کر نبوت اور رسالت اور وحی کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں قلوب کے منور ہونے کا ذریعہ ہیں، رسول اللہ ﷺ تو کبھی بھی مشرک نہ تھے نبوت سے پہلے بھی موحّد تھے اور نبوت کے بعد بھی آپ کا موحّد ہونا توحید کی دعوت دینا قریش کو ناگوار تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ انہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں اور آپ کو کاہن یا ساحر یا شاعر کہتے تھے، ستارہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ بتاتے ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں وہ سب حق ہے ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ راہ سے بھٹک گئے اور غیر راہ پر پڑ گئے ان کا دعوائے نبوت اور توحید کی دعوت اور وہ تمام امور جن کی دعوت دیتے ہیں یہ سب حق ہیں سراپا ہدایت ہیں ان میں کہیں سے کہیں تک بھی راہ حق سے ہٹنے کا نہ کوئی احتمال ہے اور نہ یہ بات ہے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر کہی ہیں، ان کا یہ سب باتیں بتانا صرف وحی سے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر وحی کی گئی ہے اسی کے مطابق سب باتیں بتا رہے ہیں ان کا فرمانا سب صحیح ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے بطریقہ وحی بتایا گیا ہے، درجہ ستاروں کے غروب ہونے سے صحیح سمت معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَاللَّجُودِ کے ساتھ إِذَا هَوَىٰ بھی فرمایا، یعنی جس طرح ستارہ ہدایت بھی دیتا ہے اور صحیح سمت بھی بتاتا ہے اسی طرح تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور سمجھایا حق ہے اور راہ حق کے مطابق ہے۔ ان کا اتباع کرو گے تو صحیح سمت پر چلتے رہو گے یہ شخص تمہارا ساتھی ہے بچپن سے اس کو جانتے ہو اور اس کے اعمال صادق اور احوال شریفہ سے واقف ہو، ہمیشہ اس نے سچ بولا ہے جانتے پہچانتے ہوئے اس کی تکذیب کیوں کرتے ہو (جس نے مخلوق سے کبھی جھوٹی باتیں نہیں کیں وہ خالق تعالیٰ شانہ پر کیسے تہمت رکھے گا)۔

عَلِمَهُ شَيْدٌ الْقَوَىٰ ۖ

تعارف جبرائیل امین علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معلم حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے آیت: زَانَتْ لَقَوْلِ رَسُولٍ كَرِيمٍ (المائدہ: ۴۰) یہ قرآن ایک بزرگ زور آور فرشتے کا قول ہے جو مالک عرش کے ہاں باعزت سب کا مانا ہوا ہے ہاں مستتر ہے یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے آیت (ذومرّة) کی ایک تفسیر تو یہی ہے دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے

حدیث میں بھی (مرآ) کا لفظ آیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں صدقہ مالدار پر اور قوت والے تندرست پر حرام ہے۔ سیدھے کھڑے ہو گئے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو دفعہ دیکھا ہے ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر امین اللہ اپنی صورت میں آپ کو دکھائی دیئے آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے۔ دوبارہ اس وقت جبکہ آپ کو لے کر حضرت جبرائیل اور چڑھے تھے۔ یہ مطلب آیت: وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى (الجم: ۷) کا امام ابن جریر نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول کہا ہے جو کسی نے نہیں کہا اور خود انہوں نے بھی اس قول کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ جبرائیل اور آنحضرت ﷺ دونوں آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے امام ابن جریر کی اس تفسیر کی تائید کسی نے نہیں کی گرام صاحب نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ واقعہ کے خلاف اس لئے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے آپ کی طرف جبرائیل اترے تھے اور قریب ہو گئے تھے اور اپنی اصلی صورت میں تھے چھ سو پر تھے پھر اسکے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہی کے پاس معراج والی رات دیکھا تھا۔ یہ تو دوسری مرتبہ کا دیکھنا تھا لیکن پہلی مرتبہ کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کے وقت کا ہے پہلی وحی آیت: وَإِذْ آهَانِمَ رَبِّكَ الْبَدِيءَ فَخَلَقَ (العلق: ۱) کی چند آیتیں آپ پر نازل ہو چکی تھیں پھر وحی بند ہو گئی تھی جس کا حضور ﷺ کو بڑا خیال بلکہ بڑا اٹال تھا یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ سے گر پڑوں لیکن بروقت آسمان کی طرف سے حضرت جبرائیل کی یہ ندا سنائی دیتی کہ اے محمد ﷺ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔ آپ کا غم غلط ہو جاتا دل پر سکون اور طبیعت میں قرار ہو جاتا وہاں چلے آتے۔ لیکن پھر کچھ انوں کے بعد شوق دا سنگیر ہوتا اور وحی الہی کی لذت یاد آتی تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے اپنے آپ گرا دینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبرائیل تسکین دہلی کر دیا کرتے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ اطلح میں حضرت جبرائیل اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے چھ سو پر تھے جسماست کے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لئے تھے اب آپ سے قریب آ گئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی اس وقت حضور ﷺ کو اس فرشتے کی عظمت و جلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ اللہ کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے۔ مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریر کے قول کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں جو بصرہ کے رہنے والے شخص ہیں۔ ابو قتادہ ایادی ان کی کنیت ہے مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں لیکن امام ابن معین انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، امام احمد فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں امام ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی ابن حبان فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے ان سے احتجاج درست نہیں، پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو اس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیٹھا تھا کہ ایک درخت ہے جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں ایک میں تو حضرت جبرائیل بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ درخت بلند ہونے لگا یہاں تک کہ میں آسمان سے بالکل قریب پہنچ گیا میں

دیکھا بھی کرو میں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا میں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل اس وقت صیبت
 اہلی سے اہلی سے اہلی کے پیچھے جا رہے تھے، اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جلالت و قدر کے علم میں انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔
 آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا اور پردے کے پاس درو یا قوت
 لائے اور حرکت کرنے دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمائی چاہی وہ فرمائی۔ منہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل
 کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے ان کے چہرے پر تھے ہر ایک ایسا جس میں آسمان کے کنارے پر کر دیئے تھے ان سے زبرد
 مونی اور مردار پہ بھڑکے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے جبرائیل ﷺ سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی
 اصلی صورت میں دیکھتا چاہتا ہوں حضرت جبرائیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ
 کو کوئی چیز اڑھکی اٹھتی ہوئی اور چمکتی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ بیہوش ہو گئے جبرائیل فوراً آئے اور آپ کو ہوش میں لائے اور
 آپ کی رخساروں سے لعاب مبارک دور کیا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عقبہ شام کے سڑکی تیار یاں کرنے لگے
 ان کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد ﷺ کے اللہ کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں چنانچہ یہ آیا
 اور کہا اے محمد جو قریب ہو اور اتر اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا میں تو اس کا منکر ہوں (چونکہ یہ
 ہاتھ بڑھتے بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضور ﷺ کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ ہاری تعالیٰ
 اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے، یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا
 چنانچہ مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا اس کی دعا رونہ جائے گی، اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا شام کی سرزمین میں
 ایک راہب کے مہادت خانے کے پاس پڑاؤ کیا راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیے اس طرح پھرتے ہیں جیسے اکریوں کے
 ریڑھیں یہاں کیوں آگئے؟ ابولہب یہ سن کر ٹھنک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم
 ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں آج میں تم سے ایک عرض کرتا ہوں امید کرتا ہوں کہ تم سب اسے قبول کرو
 گے بات یہ ہے کہ مدنی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے تم اپنا سب اسباب اس
 مہادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سداؤ اور تم سب اس کے ارد گرد پہرا دو لوگوں نے اسے منظور
 کر لیا اپنے سب جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سو گھسنے لگا جب سب کے منہ سو گھ چکا اور گویا جسے
 ٹائٹل کر ہاتھ اسے نہ پایا تو پھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھانگ میں اس چپان پر پانچ گیا وہاں جا کر اس
 کا منہ سو گھ اور گویا وہی اس کا مطلوب تھا پھر تو اس نے اس کے پر نچے اڑا دیئے، چیر چھاڑ کر گلے گلے کر ڈالا، اس وقت
 راہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ محمد ﷺ کی بددعا کے بعد یہ بیخ کنس سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرائیل
 آنحضرت ﷺ سے قریب ہوئے و زمین کی طرف ترے یہاں تک کہ حضور ﷺ کے اور حضرت جبرائیل کے درمیان
 صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک ہو گئی یہاں لفظ (اد) جس کی خبر دی جاتی ہے اس کے ثابت
 کرنے کے لئے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو اس کے نفی کے لئے جیسے اور جگہ ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس
 اول غمروں کے ہیں آیت: **أَوَأَشَدُّ قَسْوَةً (البقرہ: ۷۳)** بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں بلکہ

اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں ایک اور فرمان ہے وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے آیت: **أَوْ أَشَدَّ مُخِيبَةً** (النساء: ۷۷) بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور جگہ ہے ہم نے انہیں ایک لاکھ کی طرف بھیجے بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تھے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً وہ ایک لاکھ تھے یا اس سے زیادہ ہی زیادہ۔ پس اپنی خبر کی تحقیق ہے شک و تردد کے لئے نہیں خبر میں اللہ کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ قریب آنے والے حضرت جبرائیل تھے جیسے ام المؤمنین عائشہ، ابن مسعود، ابو ذر ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمان ہے اور اس بابت کی حدیثیں بھی عنقریب ہم وارد کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا جن میں سے ایک کا بیان اس آیت: **لَمَّا كُنَّا فَتَدَلُّ** (الجم: ۸۰) میں ہے۔ حضرت انس والی معراج کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا اور اسی لئے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور کئی ایک غرائب میں ثابت کی ہیں اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح ہے تو وہیں دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہوگی اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جاسکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔ کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبی نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں نبی ﷺ کی ابتداء نبوت کے وقت آپ نے خواب میں حضرت جبرائیل کو دیکھا پھر آپ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ کا نام لے کر آپ کو پکار رہا ہے ہر چند وہیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا تین مرتبہ آیا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ نے اوپر کی طرف دیکھ تو دیکھ کہ حضرت جبرائیل اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہیں، قریب تھا کہ حضور و ہشت زدہ ہو جائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبرائیل ہوں میں جبرائیل ہوں اڑو نہیں لیکن حضور ﷺ سے ضبط نہ ہوسکا، بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا پھر یہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبرائیل اسی طرح نظر آئے آپ پھر خوف زدہ لوگوں کے مجمع میں آگئے تو یہاں کچھ بھی نہیں باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سنا نظر آیا پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے: **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ** (الجم: ۹) آدمی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل پر دو ریشمی حلقے تھے پھر فرمایا اس نے وحی کی اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف وحی کی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرائیل کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی۔ دونوں سنی صحیح ہیں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس وقت کی وحی: **أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ** (الضحیٰ: ۶) اور آیت: **وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** (الشرح: ۴) تھی اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی۔ کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ اس میں نہ جائیں اور امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے اس کی مست داخل نہ ہو جائے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ نے اپنے دل سے اللہ کو دو دفعہ دیکھا ہے حضرت ابن مسعود نے دیکھے کو مطلق رکھا ہے یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا جن بعض حضرات

نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا انہوں نے ایک غریب قول کہا ہے اس لئے کہ صحابہ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت سے ساتھ مروی نہیں، نام بغوی فرماتے ہیں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جیسے حضرت انس، حضرت حسن اور حضرت عمرؓ ان کے اس قول میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گا جس میں فرمایا ہے آیت: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام: ۱۰۳) اسے کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے نور کی پوری چمکی کرے ورنہ آپ نے دودفعہ اپنے رب کو دیکھا۔ یہ حدیث غریب ہے ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباس کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی اور انہیں پہچان کر ان سے ایک سوال کیا جو ان پر بہت گراں گزرا ابن عباس نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی ہے تو حضرت کعب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا حضرت موسیٰ سے دو مرتبہ باتیں کیں اور آنحضرت کو دو مرتبہ اپنا دیدار کرایا۔ ایک مرتبہ حضرت سروق حضرت عائشہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے تو ایسی بات کہہ دی کہ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں نے کہا مائی صاحبہ قرآن کریم فرماتا ہے آپ نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ سنو اس سے مراد حضرت جبرائیل کا دیکھنا ہے جو تم سے کہے کہ محمد نے اپنے رب کو دیکھا یا حضور ﷺ نے اللہ کے کسی فرمان کو چھپایا یا آپ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے یعنی قیامت کب قائم ہوگی؟ بارش کب اور کتنی برسے گی؟ ماں کے پیٹ میں رہے گا؟ کون کل کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی جھوٹ بات کہی اور اللہ پر بہتان باندھا بات یہ ہے کہ آپ نے دو مرتبہ اللہ کے اس جبرائیل امین کو دیکھا تھا آپ نے ان کی اصل صورت میں دیکھا ہے ایک تو سدرۃ المنتہی کے پاس اور ایک مرتبہ جید میں ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے انہوں نے بھر رکھے تھے نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ یہ تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ غلت حضرت ابراہیم کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰ کے لئے اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لئے صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا دو مرا سر نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ کے اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت: مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (نجم: ۱) پڑھی۔ اور روایت میں ہے میں نے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ (نجم: ۸) پڑھی حضرت عمرؓ سے آیت: مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ کی بہت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہاں آپ نے دیکھا اور پھر دیکھا سائل نے پھر حضرت حسن سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس کے جمال عظمت اور چہرہ بریائی دیکھو۔ حضور ﷺ سے ایک مرتبہ یہ جواب دینا بھی مروی ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا یہ حدیث بھی بہت غریب ہے ایک حدیث سند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے لیکن یہ

حدیث سے بڑا خوب کا معنی نکلا ہے چنانچہ مطول حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت لکھا تھا اور وہ
 آدھا (روٹی جتنا ہے) میرے لیموں میں (خواب میں) آدھا اور فرمایا اسے کھانا جانتے ہو بلند مقام والے فرشتے کس مسئلہ پر نظر
 رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا بنا تھا میرے دو بازوؤں کے درمیان رکھا جس کی گھنٹک مجھے میرے سینے
 محسوس ہوتی وہی زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہوتی پھر مجھ سے وہی سوال کیا میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا وہ ان تمام
 کے بارے میں جو تھیں ان کا ذکر وہی جانتی تھا اور جو رہے بڑھاتی ہیں آپس میں پوچھ گچھ کر رہے تھے مجھ سے حق پرستوں
 نے پوچھا پھر تم بھی بتاؤ؟ کہہ رہے کی نیکیوں کو کتنا تمہارا میں نے کہا نمازوں کے بعد میں مسجدوں میں رکنے رہتا تھا اس سے
 لئے چل کر آتا۔ جب وہ سونا و نقرہ زرے ہو بھی طرح طرح کی کروڑوں کرنا۔ جو ایسا کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور
 غیر کے ساتھ انتقال ہو گا اور نہ ہیوں سے اس طرح ایک ہو جائے گا جیسے آج دنیا میں آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا
 اسے کھ چھوڑا جب نوز پڑھو یہ کہو: (اللہم اس اسنک فعل الخیرات و ترک المسکرات و حب المساکین و اد
 اردت و سادک فتنہ ان نفسی انیک عبد مکنون) یعنی یا اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے برائیوں کے چھوڑنے
 مسنیوں سے محبت رکھنے کی توفیق عطا کر دے اور جو اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی
 اپنی طرف انحراف دے دے اور اسے بڑھانے والا میں یہ ہیں کھانا کھانا سلام پھیلا نا لوگوں کی فینڈ کے وقت رات کو تہجد کی ناز
 پڑھنا اس کی مثل روایت سورۃ صافی کی تفسیر سے ملتا ہے پر نوز پڑھنے سے ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے جس
 میں غربت والی روایت اور بھی بتی ہے ان میں کہہ رہے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل چلنے کے قدم پر
 نماز کے بعد اس کی نواز داتا میں نے کہا یا اللہ تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا مخلص بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا اور یہ کہا جس
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ ایسے اعمال نہیں دیا اور یہ ابو جہل بنائیں یا اور لکھا اور لکھا ان انسان تیرے اوپر نہیں کے اور
 اور ایسے انسان تیرے کہ تیرے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں۔ اسی کا بیان ان آیتوں (لقد کنا
 فنسفل) (۱۸) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا
 ست دیکھا۔ اس کی اسٹا وضعیف ہے اور یہ بن ابو بکر کا یہ تھا کہ میں اس تفسیر آئے اور نواز یہ ہونے والے نہیں دیکھا اور
 پر حضور ﷺ کا اس کے لئے بڑا کرا اور شیخ کا ست چار صدیوں پہلے یہ واقعہ راقش میں یہ واقعہ میں ہوا تھا اور
 آنحضرت ﷺ نے پوچھتی فرمادی تھی کہ یہ اس میں جو کچھ ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل و اور اور ابن
 بیان ہو رہا ہے جو معراج وان رات کا واقعہ ہے۔ معراج کی حدیثیں بہت تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے ان کی شروعات آیت کی تفسیر
 میں شروع ہوتی ہیں کہ ابو ربیعہ بن رزاع نے کہا کہ میں نے حضرت جبرائیل سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل ان رات
 دیکھا اور انی تعالیٰ کے ہونے کے قول میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا مخلص بنایا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا
 خدایا میں نے اس کا ہمیں اور اور کہ میں اس سے غافل نہیں ہوتا اور میں نے اسے اپنا مخلص بنایا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا
 روایتیں اور نوز پڑھتی ہیں حضرت جبرائیل سے حضرت موسیٰ کو پھلانا اور آپ کا جواب بھی جبرائیل سے ہے۔ ایسا روایت میں
 ہے کہ صحیحہ اپنے اس جواب سے بعد آیت: لَا تَدْرِي لَاحِظًا وَهُوَ يَدْرِي لَاحِظًا وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

لہذا میں اور ایک قول کے مطابق عکاظ میں تھانیزح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ انا نث بٹٹ سے ام قائل کا صیغہ ہے ایک شخص طائف کے آس پاس رہتا تھا اس کی بکریاں تھیں آنے جانے والوں کو ان کے دودھ کا حریہ بنا کر کھلاتا تھا اور ستو گھول کر پلاتا تھا اس وجہ سے اسے لات کہا جاتا تھا کثرت استعمال کی وجہ سے تاہ کی تشدید ختم ہو گئی، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عامر بن ثمر تھا اور یہ اہل عرب کے درمیان پھیلے گیا کرتا تھا جس شخص کو حریہ پلا دیتا تھا وہ موتا ہو جاتا تھا جب وہ مر گیا تو عمر دین کی نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں ہے پتھر کے اندر داخل ہو گیا ہے لہذا لوگ اس کی عبادت کرنے لگے اور اس کے اوپر ایک گھر بنا لیا۔

(شیخ الہدیٰ صفحہ ۶۱۲ ج ۱۸)

علامہ قرطبی نے عزی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سفید پتھر تھا، اس کی جگہ بطن نخلہ بتائی ہے عالم بن اسعد نے اس کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا اس پر لوگوں نے گھر بنا لیا تھا اس میں سے آواز آیا کرتی تھی اور حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وزی ایک شیطان عورت تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آتی جاتی تھی۔

مشرکین مکہ کا ایک بت بہل بھی تھا ان کے یہاں اس کی بہت بڑی اہمیت تھی غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہو گئی تو ان کے لشکر کے سردار ابوسفیان نے پکار کر جیرکارہ (نعرہ) لگایا: اعل ہبل (اے ہبل! تو اٹھ اٹھ کر جیرکارہ) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو عرض کیا کیا جواب دیں فرمایا ہوں کہو اللہ: اعلیٰ واجل (کہ اللہ سب سے بلند ہے اور سب سے بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا: لانا العزی ولا العزی لکم (ہمارے لیے عزی ہے تمہارے لیے کوئی عزی نہیں) شرک نے ان کا ایسا ناس کھویا تھا کہ خالص موحدین جب اللہ کی عظمت بیان کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے بتوں کی دہائی دیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۹۹، ۱۰۰ ج ۱۷)

تیسرا بت (جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا) منات تھا یہ بھی عرب کے مشہور بتوں میں تھا۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا کہ تقریب حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس کثرت سے خون بہائے جاتے تھے یہ بت بنی ہذیل اور بنی خزاعہ کا تھا۔

اور اس کے نام کی دہائی دیتے تھے مقام مشلل میں اس کی عبادت کرتے تھے، مشلل قدید کے قریب ایک جگہ ہے (جو سب کل مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ میں واقع ہے جسبیت مدینہ منورہ کے مکہ معظمہ کے قریب ہے) نیزح الباری میں لکھا ہے کہ عمرو بن لُحی نے منات کو ساحل سمندر پر قدید کے قریب نصب کر دیا تھا قبیلہ ازاد اور عثمان اس کا حج کرتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر لیتے اور عرفات سے واپس آ جاتے اور منیٰ کے کاموں سے فارغ ہو جاتے تو منات کے لیے احرام باندھتے تھے۔ مذکورہ تینوں بتوں کی عرب قبائل میں بڑی اہمیت اور شہرت تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۚ وَهٰنُوًّا النَّاِیِثَةَ الْاُخْرٰی ۙ (کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے نمبر کے منات کو دیکھا) یعنی تم نے غور کیا تو کیا سمجھ میں آیا؟ کیا انہوں نے کوئی نفع دیا یا ضرر دیا؟ جب ایسا نہیں ہے تو وہ شریک نی العبادۃ کیسے ہو گئے اور تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان تینوں کا ناس کھویا گیا۔

لات کی بربادی:

جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ لات طائف میں تھا وہاں بنی ثقیف رہتا تھا اس قبیلے کے افراد مدینہ منورہ میں آئے اور مشرک باسلام ہو گئے۔ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارا سب سے بڑا بت یعنی لات تین سال تک رہنے دیا جائے آپ نے انکار کر دیا اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیج دیا انہوں نے اس بت کو گرادیا اور توڑتا ز کے رکھ دیا، بنی ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے اور ہم سے نماز پڑھنے کے لیے بھی نہ کہا جائے آپ نے فرمایا کہ بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑو یہ بات تو ہم مان لیتے ہیں مگر یہ نماز تو (وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی) اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔

(سیرت ابن ہشام، ذکر ولد ثقیف و سلاما)

عزی کی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ:

عزی کے بارے میں فتح الباری صفحہ ۶۱۲ ج ۸ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام الفتح یعنی فتح مکہ کے سال حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا انہوں نے اسے گرا دیا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ عزی ایک شیطان (جنی) عورت تھی بطن نخلہ میں تین بہول کے درختوں کے پاس آتی جاتی تھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا اور بتلایا کہ بطن نخلہ میں جاؤ وہاں بہول کے تین درخت ہیں پہلے درخت کو کاٹ دو انہوں نے اس کو کاٹ دیا جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا فرمایا اب دوسرے درخت کو کاٹ دو وہ واپس گئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا پھر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے پھر وہی سوال فرمایا، عرض کیا میں نے تو اب بھی کچھ نہیں دیکھا فرمایا جاؤ تیسرے کو بھی کاٹ دو۔ جب وہ تیسرے درخت کے پاس آئے اور اسے کاٹ دیا تو ایک جہشی عورت کو دیکھ جو اپنے بال پھیلائے ہوئے تھی وراپنے ہاتھوں کو مونڈھے پر رکھے ہوئے تھی اور اپنے لمبے لمبے دانتوں کو گھمرا رہی تھی اس کے پیچھے اس کا مجاڑ بھی تھا جس کا نام دبہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس شیطان عورت کے سر پر ضرب ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور مجاڑ کو قتل کر دیا۔ واپس آ کر پورا واقعہ عرض کر دیا آپ نے فرمایا یہی عورت عزی تھی آج کے بعد کبھی بھی اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۰ ج ۹)

البدایہ والنہایہ (صفحہ ۳۱۶ ج ۱) میں ہے کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ننگی عورت بال پھیلائے ہوئے بیٹھی ہے اپنے چہرے اور سر پر مٹی ڈال رہی ہے اسے انہوں نے تلواریں سے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا، یہ عورت عزی تھی۔

یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ پہلے تو عزی کو سفید پتھر بتایا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ جنی عورت تھی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنات مشرکین کے پاس آتے اور اب بھی آتے ہیں بری بری ڈراؤنی صورتیں لے کر لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں وہ ان کی صورتوں کے مطابق بت بناتے ہیں پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ جنات اسے اپنی عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ بت خانوں میں

اور مشرکین کے استہانوں میں ان کا رہنا سہنا آنا جانا ہوتا ہے اور مشرکین کو بیداری میں اور خواب میں نظر آتے ہیں۔

منات کی بربادی اور تباہی:

اب رہی یہ بات کہ منات کا انجام کیا ہوا تو اس کے بارے میں تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۵۴: ج ۴ میں لکھا ہے کہ اس کے توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے اس کا تیا پانچا کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کام کے لیے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا تھا اہل عرب کے اور بھی بہت سارے بت تھے ان میں ایک ذی اخلصہ تھا یہ قبیلہ دوس اور نغم کا بت تھا اس کو کعبہ یمانیہ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کے منہدم کرنے کے لیے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي کو روانہ فرمایا جنہوں نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

اللَّهُ الذَّكُورُ لَهُ الْآلُفِيُّ ۝

مشرکین کی ضلالت اور حماقت:

مشرکین کے بڑے بڑے بتوں کی عاجزی اور محتاجی اور نفع و ضرر پر قدرت نہ رکھنے کی حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: اللَّهُ الذَّكُورُ لَهُ الْآلُفِيُّ ۝ (کیا تمہارے لیے نہ ہو اور اللہ کے لیے مادہ ہو) اول تو یہ گمراہی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر دی پھر جو اولاد تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا حالانکہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے تھے اسی کو سورۃ الاسراء میں فرمایا: أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنَاتِ وَاللَّاتِ وَالْأَسْتِجَارِ أَتَأْتُوا بِهِمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹیوں کے ساتھ خاص کر دیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بے شک تم بڑی بات کہتے ہو)۔ سورۃ الصافات میں فرمایا: فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ أَلَا إِنَّهُمْ يَمُنُّونَ أَفِيهِمْ لَيْتَقُولُونَ. وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنُونَ. مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ. سو ان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنا لیا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سنو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند کیں تم لوگوں کو کیا ہو گیا، کیسا حکم لگاتے ہو۔

ان لوگوں کی اس تجویز باطل کے بارے میں فرمایا: تِلْكَ إِذْ أَسْمَتُ ضَيْزَى ۝ کہ یہ تقسیم بڑی ظالمانہ ہے بھونڈی ہے باطل ہے خود غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے تجویز کیا۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا

ظن کے مختلف اقسام اور ان کے احکام:

وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا. لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے، ایک معنی یہ بھی ہے کہ سب بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اسی کے زوال کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں، یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعاً مطابق الواقع کو جس میں

کسی حکم و شہد کی راہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم، اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے، مگر یہ دلیل اس درجہ قطع نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے، جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو قطعیات، اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے، قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے، آیت مذکورہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد بے دلیل خیالات ہیں، اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ اٰی كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا اَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَهْمُ فِيْهَا لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَرْضٰی ۝ عِنْدَ لِقَآئِهِ وَا لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ وَ مَعْلُوْمٌ اَنَّهَا لَا تُوْجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بَعْدَ اِلْذْنِ فِيْهَا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيَسْتَوُوْنَ الْمَلَائِكَةَ تَسْوِيَةً الْاِنْسِي ۝ حَبِيْثٌ قَالُوْا هُمْ بَنَاتُ اللّٰهِ وَمَا لَهُمْ بِهِمْ بِهٰذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ مَا يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ اِلَّا الظَّنُّ ۗ الَّذِي تَخْتَلَفُوْهُ وَا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۗ اٰی عَنِ الْعِلْمِ فَيَمَّا الْمَطْلُوْبُ فِيْهِ الْعِلْمُ فَاَعْرَضَ عَنْ مَنْ تَوَلٰى عَنْ ذِكْرِنَا اٰی الْقُرْآنِ وَا لَمْ يُوْدِ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ وَ هٰذَا قَبْلِ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ ذٰلِكَ اٰی طَلَبِ الدُّنْيَا مَبْلَغُهُمْ ۗ مَنْ الْعِلْمِ ۗ اٰی نَهَايَةُ عِلْمِهِمْ اَنْ اَثَرُوْا الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدٰى ۗ اٰی عَالِمٍ بِهِمَا فَيَجَازِيْهِمَا وَا لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَا مَا فِي الْاَرْضِ ۗ اٰی هُوَ مَالِكٌ لِّذٰلِكَ وَا مَنَّهُ الضَّآلُّ وَا الْمُهْتَدٰى يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا مِنْ الشُّرْكِ وَغَيْرِهٖ وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَبُوْا بِالْتَّوْحِيْدِ وَغَيْرِهٖ مِنْ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنٰى ۗ اٰی الْجَنَّةِ وَبَيْنَ الْمُحْسِنِيْنَ بِقَوْلِهٖ الَّذِيْنَ يَجْتَلِبُوْنَ كَثِيْرَ الْاٰثِمِ وَا الْقَوَاحِشِ اِلَّا اللَّئِمَ ۗ هُوَ صِيَغُ الذُّنُوْبِ كَالنَّظَرَةِ وَ الْقُبْلَةِ وَ اللَّمْسَةِ فَهِيَ اسْتِنَاءٌ مُّتَقَطِعٌ وَ الْمَعْنٰى لِكِنَّ اللَّئِمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الْكِبٰئِرِ اِنَّ رَبَّكَ وَا سِعَ الْمَغْفِرَةِ ۗ بِذٰلِكَ وَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَ نَزَلَ فَيَمُنُّ كَانَ يَقُوْلُ صَلَاتِنَا صِيَامِنَا حَجَّتْ هُوَ اَعْلَمُ اٰی عَالِمٍ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اٰی خَلَقَ اَبَاكُمْ اَدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَا اِذْ اَنْتُمْ اَرْجُلٌ جَمْعُ جَبِيْنٍ فِى بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ ۗ فَلَا تُرْكُوْا اَنْفُسَكُمْ ۗ لَا تَمْدَحُوْهَا اٰى عَلَى سَبِيْلِ

الإعجاب آتاعلى سبيل الإعتزاف بالنعمة فحسن هو أعلم أى عالم يتبين الشئ

۲

ترجمہ: اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کیلئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت یَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کیلئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹالیجئے جو ہماری نصیحت (قرآن) کا دھیان نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخرت پر داز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے ہٹا گا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بر اکام (شرک وغیرہ) کرنیوالوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام (توحید وغیرہ) بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنیوالوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نا محرم پر نظر، یا اجنبیہ سے بوس و کنار کرنا، الا استثناء منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ، البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کر دیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور تو بہ قبول کرنے میں اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں، روزے، حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کو مٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجنۃ جمع جنین کی ہے) اپنے ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خود ستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے (وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قولہ: لَا تُوَجَّدُ: جب فرشتوں کی شفاعت فائدہ مند نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی شفاعت بلا اذن ہے ہی نہیں۔

قولہ: عَنِ الْعِلْمِ: حقیقت شئی علم سے ملتی ہے۔ اور زانگان وہ قابل اعتبار ہی نہیں۔

قولہ: **لِيَجْزِيَ**: یہاں کی علت ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے۔

قولہ: **بِأَعْمَلُوا**: اس کی مزا میں جو انہوں نے عمل کیے۔

قولہ: **بِالْحُسْنَى**: عمدہ ثواب کے ذریعہ۔

قولہ: **كَبِيرِ الْأَثْمِ**: وہ گناہ جن پر وعید شدید ہو۔

قولہ: **وَالْفَوَاحِش**: کبائر میں جو شہ ہیں۔

قولہ: **بِقَبُولِ التَّوْبَةِ**: یعنی کبائر میں توبہ ضروری ہے۔

قولہ: **صَلَاتَنَا**: عبادت کی ریاکارانہ طور پر اپنی طرف نسبت کی۔

تفسیر مقبولین

وَ كَذَّبَ مِنْ مَلَائِكَةِ فِي السَّمَوَاتِ

مشرکین کا خیال باطل کہ ہمارے معبود سفارش کر دیں گے:

مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے ان معبودین میں بہت بھی تھے اور فرشتے بھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارش کر دیں ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ یہ شیطان نے نہیں سمجھا تھا، مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ ہم شرک کرتے ہیں یہ اللہ کی رضامندی کے لیے کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان لوگوں کی تردید فرمائی بت تو بچارے کیا سفارش کریں گے وہ تو خود ہی بے حس، بے روح اور بے جان ہیں اپنے نفع و ضرر ہی کو نہیں جانتے جو انہیں توڑنے لگے اسی سے بچاؤ نہیں کر سکتے وہ کیا سفارش کریں گے، فرشتے اور انبیائے کرام اور اللہ کے دوسرے نیک بندے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت تو کر دیں گے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو کہ فلاں فلاں کی سفارش کر سکتے ہو۔

آیت کریمہ: **وَ كَذَّبَ مِنْ مَلَائِكَةِ فِي السَّمَوَاتِ** (الایۃ) میں اس مضمون کو بتایا ہے کہ آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آ سکتی ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجازت دے اور جس سے راضی ہو اس کی شفاعت سے فائدہ پہنچ سکے گا۔

اور چونکہ کافر اور مشرک کی بخشش ہی نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے شفاعت کی اجازت ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کی شفاعت کی امید رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا: **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۚ لَا يُسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ ۗ وَ هُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَ هُمْ فِي**

مُشْرِكِينَ مُشْفِقُونَ (اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر جس کے لیے وہ راضی ہو اور وہ اس کی اہمیت سے ڈرتے ہیں۔
 إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسَّوْنَ الْمَلِكَةَ تَسْبِيَةً الْأُنثَى ۝
 مشرکین نے اپنی طرف سے فرشتوں کا مادہ ہونا تجویز کیا:

مشرکین جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسَّوْنَ الْمَلِكَةَ تَسْبِيَةً الْأُنثَى ۝ (بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو مؤنث یعنی لڑکی کے نام سے نامزد کرتے ہیں) ان کی یہ سب بری حرکتیں ہیں اور برے عقیدے ہیں اور ان کے یہ جو خیالات ہیں فکر آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر آخرت پر ایمان لاتے اور یہ فکر ہوتا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا ایسا تو نہیں کہ ہمارے عقائد اور اعمال ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں تو بغیر قطعی دلیل کے فرشتوں کو نہ عورت بتاتے اور نہ ان کو اللہ کی اولاد جانتے، اپنی عقل کو کام میں نہ لائے ساری باتیں محض گمان سے کرتے رہے نہ دلیل نہ حجت محض انکل بچو باتیں بناتے رہے اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے رہے۔

ایمان اور فکر آخرت کی ضرورت:

اللہ جل شانہ نے جو: إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (الایۃ) فرمایا ہے اس میں ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرکیہ باتیں کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین نہ ہونا کفر و شرک اختیار کرنے اور اس پر جسے رہنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ آخرت پر یقین نہیں اور آخرت کا تصور ہے تو یوں ہی جھوٹا سا دھندلا سا ہے پھر ان کے دینی ذمہ داروں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ تمہیں قیامت کے دن سفارش کر کے عذاب سے بچالیں گے لہذا تھوڑا بہت جو آخرت کا ڈر اور فکر تھا وہ ختم ہوا، مشرکین تو کافر ہیں ہی ان کے علاوہ جو کافر ہیں ان کی بہت سی قسمیں اور بہت سی جماعتیں ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ شانہ کے وجود کو مانتے ہیں نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں انکے عقیدہ میں جب کوئی خالق ہی نہیں تو کون حساب لے گا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا یہ طہرین کا اور دہریوں کا عقیدہ ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دین اور دھرم کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کو بھی خالق اور مالک مانتے ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں اور تباہ یعنی آواگون کا عقیدہ رکھتے ہیں آخرت کے مواخذہ اور مجاہدہ اور عقاب کا تصور ان کے یہاں نہیں ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیائے کرام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ یہ لوگ دوسرے کافروں کی نسبت آخرت کا ذرا زیادہ تصور رکھتے ہیں لیکن دنوں قوموں کو عباد اور ضد نے برباد کر دیا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتے یہودیوں کی آخرت سے بے فکری کا یہ عالم ہے کہ یوں کہتے ہیں: لَنْ نَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً (ہمیں ہرگز آگ نہ پکڑے گی مگر چند روز) یہ جانتے ہوئے کہ دنیاوی آگ ایک منٹ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتے اپنے اقرار سے چند دن کے لیے دوزخ میں جانے کو تیار لیکن ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔

اور نصاریٰ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ آخرت کے عذاب کا یقین رکھتے ہوئے اپنے دینی پیشواؤں اور پارٹیوں کی باتوں پر آگے جنموں نے یہ سبھا دیا کہ کچھ بھی کر لو اتوار کے دن جرج میں آ جاؤ بڑے بڑے گناہ جو کیے ہیں وہ پارٹی کو بتا دو اور پھر معاف کر دے گا اور دوسرے گناہوں کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں۔ پارٹی کے اعلان سے سارے معاف ہو جائیں گے انکی بے دینی کی باتوں کو مان کر آخرت کے عذاب سے غافل ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہیں اب فکری نے ان سب کا پاس کو کیا ہے آخرت کے عذاب کا جو دھندلا سا تصور ذہن میں تھا اسے بھی ان کے بڑوں نے کالعدم کر دیا، دھڑلے سے کفر پر بھی مٹے ہوئے ہیں اور شرک پر بھی اور کبیرہ گناہوں پر بھی، غور کرنے کی بات ہے کہ نافرمانی کی خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اور معاف کر دیں بندے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنا لازم ہے:

انسانوں کو موت کے بعد کا فکر ہی نہیں اور یہ یقین ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے اپنی طرف سے کوئی دین بھیجا ہے جس کے ماننے اور قبول کرنے پر آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے نہ فکر ہے نہ یقین ہے اس لیے کفر و شرک اور گناہ کی زندگی میں مبتلا ہیں، فکر اور یقین بہت بڑی چیز ہے، اگر کسی کو فکر لاحق ہو جائے اور کفر و شرک پر مرنے سے عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے تو نیند نہ آئے اور نہ کھانے میں مزا آئے جب تک اس دین کو تلاش نہ کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اس کے انکار پر دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کی تحقیق کرنے سے پہلے نہ جینے میں مزا آئے نہ خوشیاں مناتے نہ مستیاں کرتے۔ اگر واقعی فکر کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ سب کی سمجھ میں یہی آئے گا کہ صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے اور اسی میں نجات ہے اس کے خلاف کسی کی بات نہ، نہیں نہ کسی سردار کی نہ پیشوا کی، نہ پوپ کی نہ پارٹی کی، اور ہر شخص مذہب کے بڑوں کو جواب دے کہ دین کو اختیار کرنا دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے ہے دنیا میں گروہ بندی کرنے کے لیے نہیں ہے تم اپنی بڑائی باقی رکھنے اور ایک جماعت کا سردار اور پیشوا بننے کی حرص میں ہمارا پاس کیوں کھوٹے ہو اور اپنے ساتھ ہمیں دوزخ میں لے جانے کی فکر میں کیوں مبتلا ہو؟

درحقیقت آخرت پر پختہ ایمان نہ ہونا خواہشات نفس کا اتباع کرنا، انکل پچو اپنے لیے دین تجویز کر لیا ان تین باتوں نے انسانوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہیں آخرت کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن خواہشات نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ لوگ بھی اپنی جانوں کو آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے تیار ہیں، نمازیں چھوڑنے والے، زکوٰۃ نہیں روکنے والے، حرام کھانے والے، حرام کھانے والے اور دوسرے گناہوں میں جو لوگ پھنسے ہوئے ہیں ان کے ایمان کو خواہشات نفس نے کمزور کر رکھا ہے فکر آخرت نہیں اس لیے گناہ نہیں چھوڑتے۔

گمان کی حیثیت:

آیات ہالہ میں گمان کے پیچھے پڑنے کی بھی مذمت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ "گمان حق کا فائدہ نہیں دیتا۔" اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے جو قرآن وحدیث کی تصریحات کے مقابلہ میں اپنے خیال اور گمان کے تیر چلاتے ہیں اور

مجلد شرح صحیح بخاری

دینی مسائل میں دخل دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یوں ہے یا یوں ہونا چاہیے۔ جو لوگ عموماً دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان کی یہ بدگمانی انہیں غیبت اور تہمت پر آمادہ کر دیتی ہے (اپنی آخرت کی فکر نہیں کرتے) یہ لوگ اپنی بہت سی ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے رسوا بھی ہو جاتے ہیں اور آخرت میں گناہوں کا نتیجہ سامنے آنا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بدگمانی سے بچو کیونکہ نتیجہ سامنے آنا جاتا ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۷، عن البخاری و مسلم)

یہ بدگمانی باتوں میں سب سے جھوٹی بات ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۷، عن البخاری و مسلم)

ان آیات میں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جس شخص نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا آپ اس کی طرف سے اعراض فرمائیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کی حرکتوں سے دیکر نہ ہوں ان کو دنیا میں جھٹلانے اور انکار کرنے کی سزا مل جائے گی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے عذاب ہے ہی اس سے چھٹکارہ نہیں۔

جن لوگوں نے قرآن سے اعراض کیا ان کی ایک صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ لَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ (کہ

اس نے صرف دنیا داری زندگی کا ارادہ کیا) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اعراض کرنے والوں کی یہ صفت بھی ہوتی

ہے کہ وہ صرف دنیا ہی کو چاہتے ہیں دنیا ہی انکا مقصود اور مطلوب ہوتی ہے اسی کے لیے کھاتے ہیں اور کھاتے ہیں اور اسی کے

لے جیتے ہیں اور مرتے ہیں جس نے دنیا ہی کو مقصود بنا لیا وہ موت کے بعد کی زندگی کے لیے اور وہاں کام آنے والے اعمال کی

طرف متوجہ ہوتا ہی نہیں اس کا سونا جاگنا اٹھنا، بیٹھنا دنیا ہی کے لیے ہوتا ہے: ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۗ (یہ ہی ان کے علم کی

پہنچ ہے) جتنی بھی ترقی کر لیں اور جتنا بھی پڑھ لیں اور جتنی بھی ڈگریاں حاصل کر لیں، ان کا سب کچھ غور و فکر اور مقصود اور

مطلب دنیا کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا جو دنیا میں فرق ہو گیا آخرت کی فکر سے اسے واسطہ ہی نہ رہا، سورۃ روم میں فرمایا: يٰۤاَعْلَمُوْنَ

ظَاهِرِ الْاٰمِنِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے

غافل ہیں) اصحاب دنیا کو دنیا کی محبت ایمان قبول نہیں کرنے دیتی اور جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے

جتنی دنیا غالب ہوگی اس قدر آخرت سے غفلت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (من احب دنياہ اضر

باخرته ومن احب اخرته اضر بدنياه فائثروا ما يبقي علي من يفتني) (جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا

اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا لہذا تم باقی رہنے والی کو فنا

ہونے والی پر ترجیح دو) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ اسی کو ترجیح دینا ہوش مندی کی

بات ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: حب الدنيا راس كل خطيئة، دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۱)

وَبِهٖ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی

ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں زندگی کا ایک دوسرا غیر قابل سلسلہ قائم کیا جائے جہاں مردوں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکیوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔
الذین یجتنبون کبیر الإثم والقوا حشاً إلا اللہ

آیت شریفہ میں کبیرہ گناہوں سے اور فواحش سے بچنے والوں کو الذین أحسنوا کا مصداق بتایا ہے۔ کبیرہ گناہوں سے ہیں ان کی تفصیل سورۃ نساء کی آیت: **إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ** کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

بڑے گناہوں سے بچنے کے ساتھ فواحش سے بچنے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ فواحش سے بچنا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے اور فواحش بھی کبیرہ الإثم میں داخل ہیں لیکن الگ سے بھی ان کا تذکرہ فرمایا تاکہ ان کبیرہ گناہوں سے بھی بچیں جو بے حیائی اختیار کرنے کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں سے جو بے حیائی کے اعمال صادر ہوتے ہیں لفظ الفواحش ان سب کو شامل ہے دیگر گناہوں کے ساتھ بے حیائی والے اعمال سے بچنے کا خاص اہتمام کریں۔ کبائر اور فواحش کے تذکرہ کے ساتھ **إلا اللہ** بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے گناہ صغیرہ سرزد ہو جائے تو اس کی وجہ سے الذین أحسنوا کی صفت میں خلل نہیں آتا جو لوگ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں ان سے کبھی کبھی صغیرہ گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کا دین مزاج ہوتا ہے اور دل پر خوف و خشیت کا غلبہ رہتا ہے اس لیے جلد ہی توبہ و استغفار بھی کر لیتے ہیں اور گناہ پر اصرار بھی نہیں کرتے اور چھوٹے گناہ نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں **إِنْ أَحْسَنْتَ يُذْهِبَنَّ السَّيِّئَاتِ** فرمایا ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں مطلب استثناء کا یہ ہے کہ الذین أحسنوا کی جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لیے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لیے موقوف علیہ نہیں۔ لہذا عدم اصرار شرط ہے اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ الذین أحسنوا کا مجزی بالحسن ہونا موقوف ہے اجتناب عن الکبائر پر کیونکہ مرکب کبائر بھی جو حد کرے گا اس کی جزا پائے گا **قَوْلَهُ تَحَالَى: فَمَنْ يَعْثَلْ مِنْهَا لَمْ يَحْزَرْهَا** پس اشتراط کا معنی بجزئی کے اعتبار سے نہیں بلکہ تعقیب بالحسن اور محبوبیت خاصہ کے اعتبار سے ہے جس پر عنوان أحسنوا داں ہے۔ اھ

بیان القرآن میں یہ جو فرمایا کہ استثناء جو فرمایا ہے اس میں صغیرہ گناہوں کی اجازت نہیں دی گئی یہ تنبیہ واقعی ضروری ہے، صغیرہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہیں اور نیکیوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں پھر بھی صغیرہ گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر کسی چھوٹے بڑے گناہ کی اجازت ہو جائے تو وہ گناہ ہی کہاں رہا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! حقیر گناہوں سے بھی بچنا کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اللہ کی طرف سے جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں اور ان کے بارے میں محاسبہ اور مواخذہ ہو سکتا ہے)۔ (رواہ ابن ماجہ والدری والبیہقی فی شعب لایبداں فی المغلوۃ ص ۱۸۰)

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَاتِ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے) جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یوں نہ سمجھیں کہ بس عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے بڑی مغفرت والا ہے اس کی طرف رجوع کریں توبہ

استغفار کو لازم کر لیں اور ضائع شدہ حقوق کی تلافی کریں۔ یہ بندہ کا کام ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسے چاہے بغیر توبہ کے ہی معافی فرمادے لیکن کفر و شرک معاف نہیں ہوگا۔
 ﴿وَإِذْ أَنْشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ (وہ تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہے جب وہ آغلکھو یکنکھو اذ انشاءکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امہاتکم) (وہ تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہے جب انہیں زمین سے پیدا فرمایا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے۔)
 یہی آدم کی ابتدائی تخلیق تھی اس کے بعد نسل در نسل انسان پیدا ہوتے رہے بڑھتے رہے پھر ہر انسان کی انفرادی تخلیق کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مرد و عورت جو اپنی ماؤں کے پیٹوں میں مختلف اطوار سے گزرتے ہیں ان کی ان حالتوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

بیزاری کرنے کی ممانعت:

﴿لَا تُزَكُّوا نَفْسَكُم﴾ (لہذا تم اپنے نفسوں کو پاکیزہ نہ بناؤ) ﴿هُوَ أَكْلَهُم مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (جو لوگ شرک اور کفر سے بچتے ہیں وہ ہیں خوب جانتا ہے جسے تمہاری تخلیق سے پہلے تمہارے حالات کا علم ہے ہر شخص کا اور ہر شخص کے اعمال کا علم ہے اور اعمال کی نوبت اور اچھائی اور اعمال کے کھوٹ اور نقص کا بھی علم ہے، وہ ہر شخص کو اپنے علم کے مطابق اس کے عمل کے موافق جزا دے دے پتے پتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں نے ایسا ایسا عمل کیا اتنے روزے رکھے اتنی نمازیں پڑھیں اور اتنے حج کیے اور فلاں ریغ پر حرام سے بچا، بندہ جیسا بھی عمل کر لے وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو ہی نہیں سکتا، عموماً جو حقیقی اور صالح بندے عمل کرتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی اور کھوٹ کی ملاوٹ رہتی ہی ہے پھر اپنی تعریف کرنے کا کسی کو کیا مقام ہے؟
 حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بندہ	ہماں	پ	کہ	بتقصیر	خویش
عذر	برگاہ			خدا	آورد
درد	سزاوار			خدا اور بیش	
کس	خواند			بجا	آورد

اپنی تزکیہ کرنا اور اپنی تعریف کرنا یعنی اپنے اعمال کو اچھا بنانا اور اپنے اعمال کو بیان کر کے دوسروں کو معتمد بنانا یا اپنے نوب پر اترا اور فخر کرنا آیت شریفہ سے ان سب کی ممانعت معلوم ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہ تھا جس سے جتنی بڑائی اور خوبی کی حرف اشارہ ہوتا ہو، سیدہ زینب بنت ابی سلمہ نے بیان کیا کہ میرا نام برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں کا تزکیہ نہ کرو یعنی یوں نہ ہو کہ میں نیک ہوں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں نیکی والے کون ہیں اس کا نام

ربیع الثانی - ۱۰۸۰ھ - ۱۰۷۰ھ

مصعب یہ ہے کہ کسی کا نام برہ (نیک عورت) ہوگا تو اس سے جب پوچھا جائے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گی کہ انابرة یعنی سنیہ عورت ہوں اس میں بظاہر صورتاً خود اپنی زبان سے نیک ہونے کا دعویٰ ہو جاتا ہے لہذا اس سے منع فرمادیا۔ یاد رہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایک لاکھ کا نام زینب رکھ دیا جس کا پہلا نام "برہ" تھا اسی طرح آپ نے ایک لاکھ کا نام جبر رکھ دیا جس کا پہلا نام عاصیہ (گناہگار) تھا۔ (رواہ مسلم)

معلوم ہوا کہ اپنی نیکی کا احوال اور بھی نہ پئے اور اپنا نام اور لقب بھی ایسا اختیار نہ کرے جس سے گناہ گاری عیقت ہو سکی نیک ہوتا ہے لیکن نیکی کو بگھارتا نہیں پھرتا اور کبھی گناہ ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے نیز اپنی ذات کے لیے کوئی ایسا نام و لقب بھی تجویز نہیں کرتا جس سے گناہ گاری کی طرف منسوب ہوتا ہو۔ بہت سے لوگ تو اس میں اپنے نام کے ساتھ العبد العاصی یا عاصی پر معاصی لکھتے ہیں یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سے جو نہیں کھاتا۔

أَفْرَعِيَّتَ الَّذِي تَوَلَّى ۞ عَنِ الْإِيمَانِ أَيْ إِزْتَدَلَّمَا غَيْرَ بِهِ وَقَالَ إِنِّي خَشِيتُ عِقَابَ اللَّهِ فَضَمِنَ لَهُ
 الْمُعِيرُ أَنْ يَحْتَمَلَ عَنْهُ عَذَابَ اللَّهِ إِنْ رَجَعَ إِلَى شُرْكِهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ مَالِهِ كَذَا فَرَجَعَ وَأَعْطَى قَلِيلًا مِنْ
 الْمَالِ الْمُسْنَى وَالْأَدَى ۞ مَنَعَ الْبَاقِي مَا خُوذُ مِنَ الْكُذْبَةِ وَهِيَ أَرْضٌ ضَلْبَةٌ كَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَاوِيَ
 الْبُرِّ إِذَا وَصَلَ إِلَيْهَا مِنَ الْخُفْرِ أَعْنَدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرَى ۞ يَعْلَمُ مِنْ جُمَّلَتِهِ إِنْ غَيَّرَهُ بِحَتْمَلِ عَنْهُ
 عَذَابَ الْآخِرَةِ لَا وَهُوَ الْوَالِدُ بْنُ الْمُعِيرَةِ أَوْ غَيْرَهُ وَجُمَّلَةُ أَعْنَدَهُ الْمَفْعُولُ الثَّانِي لِزَيْتٍ بِمَعْنَى الْخَيْرِ
 أَمْ نَبَلٌ كَمْ يُنْبَأُ بِمَا فِي صُحْفٍ مُوسَى ۞ أَسْفَارُ التَّوْرَةِ أَوْ صُحُفٌ قَبْلَهَا وَصُحُفٌ وَابْرَاهِيمَ الَّذِي
 وَفَى ۞ تَمَّ مَا أَمَرَ بِهِ بِحَقِّ وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ بِكَلِمَاتٍ فَاتَمَّهِنَّ وَبَيَانُ مَا أَلَّا تَزُرُّ وَإِرَادَةُ وَرَدُّ
 الْآخِرَى ۞ إِلَى آخِرِهِ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَيْرِهَا وَأَنَّ أَيْ أَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ
 إِلَّا مَا سَعَى ۞ مِنْ خَيْرٍ فَلَيْسَ لَهُ مِنْ سَعَى غَيْرِهِ الْخَيْرُ شَيْءٌ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ۞ أَيْ يَتَصَدَّرُ فِي
 الْآخِرَةِ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوَّلَى ۞ الْأَكْمَلُ يُقَالُ جَزَيْتُهُ سَعْيَهُ وَبِسَعْيِهِ وَكَانَ بِالْمَشْحِ عَطْمًا وَفُرِي
 بِالْكَسْرِ إِشْبِينًا فَأَوْ كَذَا مَا بَعْدَهَا فَلَا يَكُونُ مَضْمُونُ الْجَمَلِ فِي الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِي إِلَى رَبِّكَ
 الْمُنْتَهَى ۞ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِيرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيَجَارِيهِمْ وَأَنَّ هُوَ أَصْحَابُكَ مَنْ شَاءَ أَفْرَحَهُ وَابْتَلَى ۞ مَنْ
 شَاءَ آخِرَتَهُ وَأَنَّ هُوَ أَمَاتَ فِي الدُّنْيَا وَأَحْيَا ۞ لِلْبُعْثِ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الصِّفَتَيْنِ الذَّكَرَ
 الْأُنثَى ۞ تُطْفِئُ إِذَا تَمَّتْ ۞ نُصِبَ فِي الرَّحْمِ وَأَنَّ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشَاءُ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ الْآخِرَى ۞
 الْخَلْقَةُ الْآخِرَى لِلْبُعْثِ بَعْدَ الْخَلْقَةِ الْأُولَى وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى النَّاسَ بِالْكَفَايَةِ بِالْأَمْوَالِ وَأَقْنَى ۞

أَغْطَى السَّمَاءَ الْمَشْحُودَةَ وَ إِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَى ۝ هِيَ كَوْكَبٌ خِلْفُ الْجُوزَاءِ كَانَتْ تُغْبِطُ فِي
 الْجَاهِلِيَّةِ وَ إِنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ۝ وَ فِي قِرَاءَةِ بَادِعَاتِ الْجَمَلِ فِي اللَّامِ وَ ضَمِّهَا بِلا هَمْزَةٍ هِيَ قَوْمُ
 مُؤَدَّةٍ وَ الْأُخْرَى قَوْمُ صَالِحٍ وَ ثَمُودًا بِالضَّرْفِ اسْمٌ لِلْأَبِ وَ بِلا ضَرْفٍ اسْمٌ لِلْقَبِيلَةِ وَ هُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى
 عَادٍ قِيمًا أَبْقَى ۝ مِنْهُمْ آخِذًا وَ قَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۝ أَيْ قَبْلَ عَادٍ وَ ثَمُودَ أَهْلَكْنَا هُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ
 أَظْلَمَ وَ أَظْغَى ۝ مِنْ عَادٍ وَ ثَمُودَ لِيَطُولَ لُبِّ ثَرْحٍ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا وَ هُمْ مَعَ عَدَمِ
 إِيْمَانِهِمْ بِهِ يُؤَذَّرُونَ وَ يُصْرَبُونَ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ وَ هِيَ قُرَى قَوْمِ لُوطٍ أَهْوَى ۝ اسْقَطَهَا بَعْدَ رَفْعِهَا إِلَى
 السَّمَاءِ مُثَلَّثَةً إِلَى الْأَرْضِ بِأَمْرِ جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ بِذَلِكَ فَغَشَّهَا مِنَ الْجِجَارَةِ بَعْدَ
 ذَلِكَ مَا غَشَّى ۝ أَنَّهُمْ تَهْوِيلًا وَ فِي هُوْدٍ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَابِلَهَا وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهَا جِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ
 يَا أَيُّ الْأَنْبِيَاءِ رَبَّنَا بِأَنْعَمِهِ الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ وَ قُدْرَتِهِ تَتَّكِرُ ۝ تَشْكُ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ أَوْتَكْذِبُ هَذَا
 مَعْتَدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَى ۝ مِنْ جِسْمِهِمْ أَيْ رَسُولٌ كَمَا رُسِلَ قَبْلَهُ أُرْسِلَ
 فِيكُمْ كَمَا أُرْسِلُوا إِلَى أَقْوَامِهِمْ أَرْقَتِ الْأَرْقَةَ ۝ قَرَّبَتِ الْقِبْلَةَ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ نَفْسٌ
 كَاشِفَةٌ ۝ أَيْ لَا يَكْشِفُهَا وَ يُظْهِرُهَا إِلَّا هُوَ كَقَوْلِهِ لَا يَجْلِبُهَا لِقَبْلِهَا إِلَّا هُوَ أَقِيمَنَّ هَذَا الْحَدِيثِ أَيْ
 الْقُرْآنِ تَعْجَبُونَ ۝ تَكْذِبِيًا وَ تَضْحَكُونَ اسْتَهْزَاءً وَ لَا تَبْكُونَ ۝ لِيَسْمَعَ زَعْدُهُ وَ زَعْدُهُ وَ أَنْتُمْ
 سِيدُونَ ۝ لَا هُمْزٌ غَافِلُونَ عَمَّا يَطْلُبُ مِنْكُمْ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَ اعْبُدُوا ۝ وَ لَا تَسْجُدُوا
 لِلْأَسْنَامِ وَ لَا تَعْبُدُوا

سج

تو کچھ نہیں: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے یعنی مرتد ہو گیا عاوردلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عاوردلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا زمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آ گیا تو عذاب الہی کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کو ملی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہو گیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (بائی مال نہیں دیا، اگلی)۔ کدی سے ماخوذ ہے۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آجائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جاننا ہے مجھ سے اس کے یہ بھی ہے کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ اِعْتَدَاؤہ مفعول ثانی ہے۔ رایت بمعنی خبرنی کا) کیا (بلکہ) اس

مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحفیوں میں ہے (تورات کے سفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں) اور نیز ابراہیم کے صحیفے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جو ان کو حکم دیا گیا اس کو بجلائے اور جب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس میں کامیاب رہے۔ ماکابین آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان مخففہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمانی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی بے جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آجائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (کامل طریقہ پر، کہا جاتا ہے جزئیہ بمعنی سہیہ - سہیہ) اور یہ کہ (ان فتحہ کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ متانفہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے۔ البتہ دوسری صورت میں مضمون جملہ صحیف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچتا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے۔ لہذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنستا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے) اور ملاتا ہے (جسے چاہتا ہے رنجیدہ کر دیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نرمادہ کو نطفہ (مٹی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (عد اور کسر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کیلئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کا کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کیلئے مال عطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعری کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قرأت میں وال کی توین کالام میں ادغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور "عاد آخری" قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ ساڑھے نو سو سال حضرت نوحؑ ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستایا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) اٹنی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک دیا تھا (آسمان پر سے جا کر زمین پر پلٹ اور پتک دیا حکم انہی سے جبرئیل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پتھر اڑانے اس کے بعد) جس چیز نے کہ گھیر لیا (دہشت ناک بنانے کے لئے اس کو مبہم ذکر کیا گیا ہے اور سورہ ہود میں ہے: لَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّنْ سَجِيلٍ) سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی واحدانیت و قدرت پر دلالت کر نیوال ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے مخلص پہلے رسووں کے ہیں جس طرح وہ اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اسی طرح آپ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آتی ہے (قیامت نزدیک آگئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹائیو الائنس ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لاسکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ: لَا يُحِيطُ بِهَا لَوْ قُتِلَتْهَا إِلَّا هُوَ فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعد و وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو چاہا جاتا ہے اس میں پھر پھر اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی

کلمے تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **صُحُفٌ مُّوسَىٰ**: تورات یہی زیادہ معروف ہے۔

قولہ: **بِآيَاتِهِ**: ضمیر شان ہے۔

قولہ: **وَلْيَبْشُرْ لَهُ مَنْ صَعَى**: سوائے ان کاموں کے جن میں خود شرع کی طرف سے وکالت کا ثبوت ہے۔

قولہ: **بِحِزْيٍ**: یہ بھی حرف جار کے ساتھ اور کبھی بغیر متعدی ہوتا ہے۔

قولہ: **الْمُتَّعَى**: یہ مصدر سی ہے اور مرجع اور معبر بھی۔ یہ ظرف نہیں ہے۔

قولہ: **أَقْنَى**: یعنی مال جمع کرنا۔

قولہ: **الشَّعْرَى**: اس کی دو قسمیں ہیں: العیور: تیز روشنی والا، العیصاء: کم روشنی والا۔

قولہ: **بِأَمْرِهِ**: یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

قولہ: **لَا تُهْمُونَ**: غفلت برتنے والے۔

تفسیر مقبولین

قُرْبَاتِ الَّذِي تَوَلَّى

کافر و کفر میں ہیں کہ قیامت کے دن کسی کا کام یا عمل کام آجائے گا:

روح البانی صفحہ ۶۵: ج ۲۷ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت سنی تو ہاتھ ہوا اور اسلام کے قریب ہو گیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کے اسلام کے قبول کرنے کی امید بندھ گئی پھر اسے مشرکین میں سے ایک شخص نے طامت کی اور کہا کیا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ہٹ رہا ہے تو بھتا ہے کہ محمد ﷺ کا دین قبول نہ کیا تو موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہوگا ایسا کرتو اپنے دین پر واپس آ جا اور تجھے جو عذاب کا ڈر ہے تیری طرف سے میں برداشت کر لوں گا مگر یوں ہی مفت میں نہیں شرط یہ ہے کہ تو مجھے اتنا مال دیدے۔ ولید اس پر راضی ہو گیا اور جو کچھ تھوڑا بہت ارادہ اسلام قبول کرنے کا کر لیا تھا اس سے باز آ گیا اور جس شخص نے اس سے یہ بات کہی تھی اسے کچھ مال دید یا بھی اتنا مال نہیں دیا تھا جتنے مال کی بات ہوئی تھی کہ کسبجو سوار ہو گئی اور باقی مال جس کا وعدہ کیا تھا وہ روک گیا، اللہ تعالیٰ شانہ نے آیات کریمہ نازل فرمائی۔ **أَفْرَهَتِ الَّذِي تَوَلَّى** (اے مخاطب کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی) **وَ أَعْطَى قَلِيلًا وَ الْكَذِبِي** (اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا) **أَعْنَدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُؤْيِي** (کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے) یعنی اس کو کیسے

پتہ چلا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لے سکتا ہے اور کافروں نے جو کفر اور شرک کا جرم کیا ہے اس کے بجائے دوسرے شخص کو عذاب دے دے گا ان کے پاس علم غیب تو ہے نہیں پھر قیامت کے دن کے فیصلہ کا انہیں کیسے علم ہوا؟ نہ نہیں علم غیب ہے نہ وہاں ایسا ہونے والا ہے اپنے پاس سے ہاتھ بناتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جس طرح چاہیں گے اس طرح ہو جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

مشرکین مکہ حضرت اسمعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور مدینہ منورہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بتاتے تھے دونوں قوموں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا لہذا ان دونوں حضرات کے صحیفوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے صحیفوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا دوسرا کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہر شخص کو اپنے ایمان اور کفر کی جزا سزا ملے گی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا: وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ مِنْ حُطْبُكُم مِّنْ شَيْءٍ اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ بات ہے کہ کسی ایک شخص کو دوسرے شخص کے بدلہ عذاب دیدیا جائے جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا، مؤمن ایمان کا پھل پائے گا اور کافر کو کفر کی سزا ملے گی، ہر شخص کی محنت اور سعی سامنے آ جائے گی لہذا اس بل بوتہ پر کفر پر جمار ہنا کہ میں دنیا میں کسی کو مال دے دیتا ہوں وہ میری طرف سے عذاب بھگت لے گا یا کسی سے یوں کہہ دینا کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا قانون الہی کے خلاف ہے، دنیا میں بیٹھ کر باتیں بنا لینے اور خود ہی فیصلے کر لینے سے عذاب آخرت سے چھکارا نہ ہوگا۔

وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ﴿۱۰﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف میں الَّذِي وَفَّى ﴿۱۰﴾ فرمایا انہوں نے مامورات الہیہ کو پورا کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں رسالت کا کام سپرد کیا اور دعوت و ارشاد کے لیے انہیں مامور فرمایا اور جن اعمال کے کرنے کا حکم فرمایا ان سب کو پورا کیا سورۃ بقرہ میں جو وَإِذِ ابْنَتِي إِذْ هَمَّتْ دَلَّةً يَّكْفُرُنَّ فَأَمْتَهُنَّ فَرَمَا يَہُ اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ، نے انہیں حکم دیا أَسْلِبْكُمْ کہ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا أَسْلَبْتُمْ يٰرَبِّ الْعَالَمِينَ کہ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ، نے انہیں امتحان میں ڈالا جان مال اور اولاد میں ایسے احوال سامنے آئے جن پر صبر کرنا اور احکام ربانیہ پر قائم رہنا بڑا اہم کام ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وَفَى قِصَّةِ الذَّبْحِ مَافِيهِ كِفَاةٌ۔ یعنی انہوں نے جو اپنے بیٹے کو اپنے رب کے حکم سے ذبح کرنے کے لیے لانا دیا اور اپنی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی رب جل شانہ، کے فرمان پر عمل کرنے کے لیے مثال قائم کرنے کے لیے یہی قصہ کافی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کے زمانہ کے لوگ ایک شخص کو دوسرے شخص کے عوض پکڑ لیتے تھے جس شخص نے قتل نہ کیا ہوا سے اس کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور چچا اور ماموں اور چچا کے بیٹے اور بیوی اور شوہر اور غلام کے قتل کر دینے کے عوض قتل کر دیتے تھے یعنی قصاص لینے کے لیے کسی بھی رشتہ دار کو قتل کر دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچایا: أَلَا تَتَذَرُونَ وَإِذْ قَالَ وَذَرُواخِي ﴿۱۱﴾ کہ

ایک جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی)۔
 بعض مفسرین نے یہاں دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ علی الصبح چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور انہیں اخیر تک پڑھتے رہے۔ یہ حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے ایک حدیث یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کے بارے میں الَّذِي وَفَى ﴿۱﴾ کیوں فرمایا؟ پھر آپ نے خوری ارشاد فرمایا کہ وہ صبح شام: لَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ (الایہ) پڑھا کرتے تھے۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۱۲: ۱۷)

یہ جو فرمایا ہے: وَ اَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَى ﴿۱﴾ (کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی) اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر ایصالِ ثواب کا کوئی فائدہ نہ رہا کیونکہ جو شخص عمل کرتا ہے آیت کریمہ کی رو سے اس کا ثواب صرف اسی کو پہنچنا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے شخص کو۔ اس اشکال کو حل کرنے کے لیے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں جو اَلْاِنْسَانِ فرمایا ہے اس سے ایمان مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی ایمان کا ثواب ملے گا اس بات کو سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کا اشکال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کسی شخص کا ایمان کسی ایسے شخص کو فائدہ نہیں دے سکتا جو کافر ہو اور کافر کو ایصال کرنے سے بھی ثواب نہیں پہنچتا۔ ذریت کو جو آباء کے ایمان کا ثواب پہنچے گا (جس کا سورۃ طور میں ذکر ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی توجیہ میں آ رہا ہے) اس میں اَتَّبِعْتَهُمْ فَذَرَيْتَهُمْ کے ساتھ ایمان بھی مذکور ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کا مفہوم عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہے کیونکہ احادیث شریفہ میں حج بدل کرنے کا ذکر ہے اور حج بدل دوسرے شخص کا عمل ہے پھر بھی اس کا حج ادا ہو جاوے گا جس کی طرف سے حج ادا کیا ہے اور بعض احادیث میں (جو سند کے اعتبار سے صحیح ہیں) دوسرے کی طرف سے صدقہ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص ذکر یا تلاوت کا ثواب پہنچائے جبکہ ذکر و تلاوت محض اللہ کی رضا کے لیے ہو کسی طرح کا پڑھنے والے کو مالی لالچ نہ ہو تو اس میں ائمہ کرام علیہم السلام کا اختلاف ہے حضرات حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک بدنی عبادات کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور حضرات شوافع اور مالکیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا، جن حضرات کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے وہ حج بدل اور صدقات پر قیاس کرتے ہیں اور اس بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد بھی مروی ہے:

فقد روى ابو داود بسنده عن ابى هريرة رضي الله عنه قال من يضمن لى منكم ان يضمن لى فى مسجد العشار ركعتين او اربعا ويقول هذا لى ابى هريرة سمعت خليلى ابا القاسم رضي الله عنه يقول ان الله يبعث من مسجد العشار يوم القيامة شهداء لا يقوم مع شهداء بدر غيرهم قال ابو داود هذا المسجد مما يلى النهر۔
 (ابن الفرات ص ۳۳۶ ح ۲)

نال فى الدر المختار الاصل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وان نراها عند الفعل نفسه لظاهر الادلة واما قوله تعالى (وان لى للانسان الا ما سعى) اى الا اذا وهبه له (انتهى) قال الشافعى فى رد المحتار (قوله له جعل لى ثوابها لغيره) خلافا للمعتزلة فى كل العبادات والمالك والشافعى

فی العبادات البدنیة المحضة كالصلوة والتلاوة فلا یقولان بوصولها بخلاف غیرها كالصدقة والحج،
ولیس الخلاف فی ان له ذلك اولا كما هو ظاهر اللفظ بل فی انه یجعل بالجعل اولا بل یلغو جعله افاده
فی الفتح ای الخلاف فی وصول الثواب وعدمه (قوله لغيره) ای من الاحیاء والاموات (بحر عن
البدائع) (صفحة ۲۳۶: ج ۲) وقد اطال الكلام فی ذلك الحافظ ابن تیمیة فی فتاواه (صفحة ۳۰۶ الى
صفحة ۳۲۴: ج ۲۴) وقال یصل الی المیت قرأة اهلہ تسبیحهم وتکبیرهم وسائر ذکرهم لله تعالیٰ
واجاب عن استدلال المانعین وصول الثواب بأیه سورة النجم ثم اطال الكلام فی ذلك صاحبہ ابن
القیم فی کتاب الروح (من صفحه ۱۵۶ الى صفحه ۱۹۲) والیک ما ذکر فی فتاوی الحافظ ابن تیمیة
فی آخر البحث، وسئل هل القرأة تصل الی المیت من الولد اولا؟ علی مذهب الشافعی۔ فاجاب:
اما وصول ثواب العبادات البدنیة: كالقرأة، والصلاة، والصوم۔ فهذه احمد، وابی حنیفة، وطائفة
من اصحاب مالک، والشافعی، الی انها تصل، وذهب اکثر اصحاب مالک، والشافعی، الی
انها لا تصل، والله اعلم وسئل: عن قرأة اهل المیت تصل الیه؟ والتسبیح والتحمید، والتهلیل والتکبیر،
اذا اهداه الی المیت یصل الیه ثوابها ام لا؟ فاجاب: یصل الی المیت قرأة اهلہ، وتسبیحهم، وتکبیرهم،
وسائر ذکرهم لله، اذا اهدوه الی المیت، وصل الیه، والله اعلم (صفحة ۳۲۴: ج ۲) وقال ابن قیم فی
آخر البحث (صفحة ۱۹۲) وسر المسألة ان الثواب ملک للعامل فاذا تبرع به واهداه الی اخیه المسلم او
صله الله الیه، فما الذي خص من هذا ثواب قرأة القرآن وحجر علی العبدان یوصله الی اخیه وهذا عمل
الناس حتی المنکرین فی سائر الاعصار والامصار من غیر تکبیر من العلماء

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت کریمہ کا عموم منسوخ ہے کیونکہ دوسری آیت میں: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ** فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کے ایمان کا ان کی ذریت کو بھی ذمہ پہنچے گا۔
صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ والیٰ خراساں نے حضرت حسین بن الفضل سے دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک
طرف **وَاللَّهُ يُضِعُّ لِمَنْ يُشَاءُ** فرمایا ہے اور دوسری طرف **وَأَنْ كَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** فرمایا ہے دونوں میں تطبیق کی
کیا صورت ہے حضرت حسین بن الفضل نے فرمایا کہ سورة نجم کی آیت میں عدل الہی کا تذکرہ ہے کہ جو بھی کوئی اچھا عمل کرے
اسے بقدر عمل ضروری اجر ملے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کا استحقاق ہے اس کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا اور **وَاللَّهُ يُضِعُّ لِمَنْ يُشَاءُ** میں فضل کا بیان ہے وہ جسے جتنا چاہے زیادہ سے زیادہ دیدے اسے اختیار ہے۔

والیٰ خراساں کو یہ جواب پسند آیا اور حضرت حسین بن الفضل کا سرچوم لیا صاحب روح المعانی نے بھی اس جواب کو پسند کیا
پھر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عطیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ: **وَأَنْ كَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** صرف گناہ کے ساتھ مخصوص ہے
نیکی کا ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا جس کی تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں اور قرآن مجید میں

جو نہ لانا بیخلف یعنی بقاء ہے وہ اعمال صالحہ سے متعلق ہے جو شخص گناہ کرے گا اس کا گناہ اتنا ہی لکھا جائے گا جتنا اس نے کیا ہے اور ایسی پر مواخذہ ہوگا گناہ بڑھا کر نہیں لکھا جاتا۔ (وہذا توہیہ حسن)

صاحب معالم التنزیل نے حضرت عمرؓ سے ایک جواب یوں نقل کیا ہے سورۃ النجم کی آیت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی قوم کے بارے میں ہے کیونکہ یہ مضمون بھی ان حضرات کے صحیفوں میں ہے ان کی قوموں کو صرف اپنے ہی کیے ہوئے عمل کا کام دہ پہنچاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل بھی فرمایا کہ کوئی دوسرا مسلمان ثواب پہنچانا چاہے تو وہ بھی اسے پہنچ جائے گا۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اور مؤمنین کے لیے جو ان کے عمر میں داخل ہوں مغفرت کی دعا کی جیسا کہ سورۃ نوح کی آخری آیت میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کے لیے اور اپنی قوم کے لیے مغفرت کی دعا کی جو سورۃ اعراف رکوع ۱۸ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں ایک دوسرے کے لیے دعائے قبول ہوتی تھی (ہاں اگر دعائے مغفرت کو مستثنیٰ کیا جائے تو یہ دوسری بات ہے)۔

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو (۳) وہ صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔ (اور بعض روایات میں سات چیزوں کا ذکر ہے) ان کا ثواب پہنچنے سے کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ یہ مرنے والے کے اپنے کیے ہوئے کام ہیں، اولاد صالح جو دعائے کرتی ہے اس میں والد کا بڑا دخل ہے کیونکہ اسی کی کوششوں سے اولاد نیک بنی اور دعائے کرنے کے لائق ہوئی۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۝

فرمان ہے کہ بازگشت آخر اللہ کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے حضرت معاذ نے قبیلہ بنی اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا اے بنی اود میں اللہ کے پیغمبر کا قاصدین کر تمہاری طرف آیا ہوں تم یقین کرو کہ تمہارا سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ یا جہنم میں دھکیلے جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں، جیسے اور حدیث میں ہے مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو لیکن ذات خالق میں گہرے نہ اترو۔ اسے عقل و ادراک فکر و ذہن نہیں پاسکا، گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں مگر صحیح حدیث میں یہ بھی مضمون موجود ہے اس میں ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ پھر اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا تو اونکو پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کر دے، سنن کی ایک حدیث میں ہے مخلوقات اللہ میں غور و فکر کرو لیکن ذات اللہ میں غور و فکر نہ کرو سنو اللہ تعالیٰ نے یک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے کان کی لوسے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے اوکا قال پھر فرماتا ہے کہ بندوں کو مٹانے والے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کئے ہیں جو بالکل مختلف ہیں دینی موت و حیات کا خالق ہے جیسے فرمایا آیت: **الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (الک: ۲)** اس نے موت و حیات کو

پیدا کیا اسی نے لفظ سے ہر جاندار کو جوڑ جوڑ بنایا، جیسے اور جگہ فرمان ہے آیت: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُتْرَكَ سُدًى (القیامہ: ۳۶) کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ مٹی کا قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا اور اس سے جوڑے یعنی نرو مادہ بنائے کیا (ایسی قدرتوں والا) اللہ اس بات پر قادر نہیں؟ کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ پھر فرماتا ہے اسی پر دوبارہ زندہ کرنا یعنی جیسے اس نے ابتداء پیدا کیا اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش بھی اسی کے ذمہ ہے اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنا دیا اور مال ان کے قبضہ میں دے دیا ہے جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے کہ بعض سے مروی ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیئے اس نے دیا اور خوش ہوا اسے غنی بنا کر اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنا دیا جسے چاہا غنی کیا جسے چاہا فقیر لیکن یہ پچھلے دونوں قوں لفظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ شعری اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے، عاد و اولیٰ یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح بھی کہا جاتا ہے اسی نے ان کی نافرمانی کی بنا پر توبہ کر دیا جیسے فرمایا آیت: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلْنَا بِعَادٍ (الفرج: ۶)، یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا یہ قوم بڑی قوی اور زور آور تھی ساتھ ہی اللہ کی بڑی نافرمان اور رسول سے بڑی سرتاب تھی ان پر ہوا کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن بربرہا اسی طرح خمود یوں کو بھی اس نے ہلاک کر دیا جس میں سے ایک بھی باقی نہ بچا اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے جو بڑے ناانصاف و شریر تھے اور لوط کی بستیاں جنہیں رحمن دقہار نے زیروز بر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کا ہلاک کر دیا انہیں ایک چیز نے ڈھانپ یا یعنی (پتھروں نے) جن کا مینہ ان پر برس اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے آبادی کی کل زمین کی آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی حضرت قتادہ کا یہی قول ہے جو بہت غریب سند سے ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ پھر فرمایا پھر تو اے انسان اپنے رب کی کس کس نعمت پر جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت اولیٰ ہے ابن جریر بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْاُولَىٰ ۝

نذیر کا مفہوم نذیر کہتے کسے ہیں:

یہ خوف اور ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ آپ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ سے پہلے رسولوں کی رسالت تھی جیسے اور آیت میں ہے: (قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيٓ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَيْتُ الْاُمَمَ لَمَّا يُوْحٰىرَاتٍ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ) (الرحاف: ۹) یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں قریب آنے والی کا وقت آئے گا جیسی قیامت قریب آگئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے۔ نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ذرا وئی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈر اور خوف سنانے والا جیسے اور آیت میں ہے آیت:

بَابُ تَلْبِيزِ الْكُفْرِ تَلْبِيزُ تَلْبِيزِ تَلْبِيزِ عَذَابِ شَدِيدٍ (سہ: ۲۶) میں تمہیں سخت عذاب سے مطلع کرنے والا ہوں حدیث میں ہے کہ تمہیں حکم کلا زرنے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہوا ہی میں درڑا بھاگا آ جائے اور قوم کو دفعۃً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے فوراً تدارک کر لو اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے: (اَفَتُؤْتِبِ السَّاعَةَ وَانْتَشَى الْقَمْرُ) (اتمر: ۱) قیامت قریب آ چکی منہ اندہ کی حدیث میں ہے لوگو گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ از اسب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے تو چاہے ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں پک جائیں اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر زہر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا میری اور قیامت کی مثال دو ساعتوں کی سی ہے میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو اطلاع لانے کے لئے بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کہیں گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھ یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتا دیا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پردہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پردہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں چاہے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے عبرت حاصل کرتے جیسے مؤمنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے دھوتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع و خضوع میں ڈھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (سم) گانے کو کہتے ہیں یہ یعنی نعت ہے آپ سے (سامدون) کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں حضرت علی اور حسن فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔ پھر اپنے بندوں کا حکم دیتا ہے کہ توحید و اخلاص کے پابند رہو خضوع، خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ نے مسلمانوں نے مشرکوں نے اور جن وانس نے سورۃ النجم کے سجدے کے موقع پر سجدہ کیا مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسالہ اللہ ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے راوی حدیث مطلب بن نبی و داعہ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھا یا اور سجدہ نہ کیا یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اسلام کے بعد جس کسی کی زبان سے سورۃ مہر کہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔

سُورَةُ الْقَمَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة القمر
مكية
٥٥ آيات

سورة القمر
مكية
٥٥ آيات

سورة القمر مكية ٥٥ آيات

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ اُنْفَلَقَ فَلَقْتَيْنِ عَلَى اَيِّ قَتْبَيْسٍ وَقَعْبَقَانِ اَيَّةٌ لَكَ ضَلَى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَمِعَهَا فَعَالَ اَشْهَلُوْا رِوَاةُ الشَّيْحَانِ وَاِنْ يَرَوْا اَيُّ كُفَّارٍ فُرَيْسِ اَيَّةٌ مُفْعِرَةٌ
صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ شَفَاةٌ لِمَنْ يَخْرُجُ وَيَقُولُ هَذَا بِسْمِ اللَّهِ مُسْتَقَرٌّ ۝ قَوِيٌّ مِنَ الْمَرْةِ الْقُوَّةِ
دَائِمٌ وَكَذَّبُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتَّبَعُوا اَهْوَاءَهُمْ فِي النَّاطِلِ وَكُلِّ اَمْرٍ مِنَ الْخَيْرِ وَالسَّلْبِ
مُسْتَقَرٌّ ۝ مَا هُوَ فِي الْحَنَةِ اَوْ التَّارِ وَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ اَخْبَارٌ هَلَاكَ الْاُمَمِ الْمَكْدِنِيَّةِ سَلْبُهَا
مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۝ لِهَمِ اسْمٍ مُضَدَّرٌ اَوْ اسْمٍ مَكَانٍ وَالذَّالِ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاَفْتَعَالِ وَارْدُ حَرْثُهُ وَزَحْرُهُ
بِهَيْئَتِهِ مَغْلَطَةٌ وَمَا مَوْضُوعَةٌ اَوْ مَوْضُوعَةٌ حِكْمَةٌ ۝ خَيْرٌ مُشْتَدًّا مُخْدُوفٌ اَوْ بَدَلٌ مِنْ مَا اَوْ مِنْ مُرْدٍ دَجْرًا بِالْعَمَلِ
تَامَةٌ وَمَا تَعْنِي تَعْنِي فِيهِمُ التَّدْرُ ۝ حَمْعٌ نَذِيرٌ بِمَعْنَى مُتَدِّرٍ اَيُّ الْاُمُورِ الْمُشْتَدَّةِ لَهُمْ وَمَا لِلنَّفْيِ اِذْ
لِلْاِسْتِعْمَالِ الْاِنْكَارِيَّ وَهِيَ عَنِ الشَّيْءِ مَفْعُولٌ مُقَدَّمٌ قَوْلَ عَنْهُمْ ۝ هُوَ فَائِدَةٌ مَا قَبْلَهُ وَبِهِ تَمُّ الْكَلَامِ
يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ هُوَ اِسْرَافِيلُ وَنَاصِتٌ يَوْمَ يَخْرُجُونَ نَعْدًا اِلَى شَيْءٍ تُكْرَهُ ۝ نَعْتَمُ الْكَافِ وَشُكْرِهِ
اَيُّ مُكْرَمٍ تُكْرَهُ الشُّمُوسُ لِشِدَّتِهِ وَهُوَ الْحِسَابُ خُشْعًا ذَلِيلًا وَبِحِي قِرَاءَةٍ حُشْفًا ضَمُّ الْخَاءِ وَفَتْحُ الشَّيْبِ
مُشَدَّدَةٌ اِبْصَارُهُمْ خَالَ مِنْ فَاعِلٍ يَخْرُجُونَ اَيُّ اِنْسَانٍ مِنَ اَرْجَادَاتِ الْقُنُورِ كَالَّذِي جَرَادٌ مُشْتَبِرٌ ۝
لَا يَدْرُونَ اَيُّ يَدْعُونَ مِنَ الْحُوفِ وَالْخَيْرِ وَالْجُمْلَةُ خَالَ مِنْ فَاعِلٍ يَخْرُجُونَ وَكَذَلِكَ مُهْطِعِينَ
اَيُّ مُسْرِعِينَ مَادِي اَعْتَابِهِمْ اِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكُفْرُونَ مِنْهُمْ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ اَيُّ ضَمَّتْ عَنِ

الْكَافِرِينَ كَمَا فِي الْمَذِيرِ يَوْمَ عَسِيرٍ عَلَى الْكَافِرِينَ كَذَابَتْ قَبْلَهُمْ قَبْلَ فُرْيَسٍ قَوْمِ نُوحٍ تَابِتُ
 الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ فَكَذَابُوا عِبَادَنَا نُوحًا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَأَزْدُجَرَ ۝ أَيْ ائْتَهَرُوا بِهِ بِالنِّسْبِ وَغَيْرِهِ فَدَاعَا
 رَبَّهُ أَيْ بِالْفَتْحِ أَيْ بَانِي مَغْلُوبٍ فَانْتَصِرَ ۝ فَفَتَحْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ
 مُنْهَبٍ ۝ مُنْهَبٍ انْصَبْنَا شَدِيدًا وَفَجَرْنَا الْأَرْضَ عِيُونًا تَبَعُ فَالتَّكْلِ الْمَاءِ مَاءَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
 عَلَى أَمْرِ خَالٍ قَدْ قَدَّرَ ۝ بِهِ فِي الْأَزْلِ وَهُوَ هَلَاكُهُمْ غَيْرَ قَائِمٍ وَحَصَلَتْهُ أَيْ نُوحًا عَلَى سَفِينَةِ ذَاتِ
 الْأَوَّاقِ وَدُسِرَ ۝ وَهِيَ مَا تَشُدُّ بِهِ الْأَلْوَابَ مِنَ الْمَسَامِيرِ وَغَيْرِهَا وَاحِدًا دِسَارٌ كَكِتَابٍ تَجْرِي
 بِأَعْيُنِنَا بِمَرَأَى مَنَا أَيْ مَحْفُوظَةٍ بِحِفْظِنَا جَزَاءً مَشْهُوتٍ بِفِعْلِ مُقَدَّرٍ أَيْ أُعْرِقُوا النَّصَارَ لِمَنْ كَانَ
 كُفْرًا ۝ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفُرِيَ كُفْرَ بِنَائِ لِلْفَاعِلِ أَيْ أُعْرِقُوا عِقَابًا لَهُمْ وَ لَقَدْ تَرَكْنَاهَا أَيْ اتَّبَعْنَا
 هَذِهِ الْفِعْلَةَ آيَةً لِمَنْ يَتَّبِعُ بِهَا أَيْ شَاعَ خَيْرُهَا وَاسْتَمَرَّ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝ مَعْتَبِرٍ وَمَشِعْطُ بِهَا وَأَصْلُهُ
 مُذَكِّرٌ أَبْدَلَتْ النَّاءُ دَالًا مُهْمَلَةً وَ كَذَا الْمُعْجَمَةُ وَأَدْعِمَتْ فِيهَا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَ نُذِرِ ۝ أَيْ
 إِذْ ذَرَيْ اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرو وَكَيْفَ خَيْرٌ كَانَ وَهِيَ لِلسُّوَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنَى حَمَلُ الْمُخَاطَبِينَ عَلَى
 لِإِقْرَارِ بِيُقُولِ عَذَابِهِ تَعَالَى بِالْمُكَذِّبِينَ بِنُوحٍ مَوْقَعَهُ وَ لَقَدْ يَسْرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ سَهَلْنَا لِلْحِفْظِ
 أَوْهَانًا لِلتَّذْكَرِ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝ مَشِعْطُ بِهِ وَ حَافِظُ لَهُ وَالِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ أَحْفَظُوهُ وَاتَّعِظُوا
 وَ لَيْسَ بِحِفْظٍ مِنْ كُتْبِ اللَّهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرُهُ كَذَابَتْ عَادٌ نَبِيَّهُمْ هُوَذَا فَعَدَبُوا فَكَيْفَ كَانَ
 عَذَابِي وَ نُذِرِ ۝ أَيْ إِذْ ذَرَيْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ تَرْوِيهِ أَيْ وَقَعَ مَوْقَعَهُ وَبَيَّنَّهُ بِقَوْلِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
 رِيحًا صَرْصَرًا أَيْ شَدِيدَةً الصُّوتِ فِي يَوْمٍ نَحْسٍ شَوْمٍ مُسْتَبِيرٍ ۝ دَائِمِ الشُّومِ أَوْ قَرِيئَةً وَكَانَ يَوْمٌ
 الْأَرْبَعَاءِ اخِرَ الشَّهْرِ تَنْزِعُ النَّاسُ تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفْرِ الْأَرْضِ الْمُنْدَسِينَ فِيهَا وَ نَصَرَ عَلَيْهِمْ عَلَى رَأِ
 رُسِهِمْ فَتَلَقُوا رِقَابَهُمْ فَتَبِينَ الرِّاسِ عَنِ الْجَسَدِ كَالْهَمِّ وَحَالَهُمْ مَا ذَكَرَ أَعْجَابُ أُصُولِ نَحْلِ مُنْقَعِرٍ ۝
 مُنْقَعِرٍ سَاقِطٍ عَلَى الْأَرْضِ وَ شَبَّهُوا بِالنَّحْلِ لِطُولِهِمْ وَ ذُكِرَ هُنَا وَأَنْتَ فِي الْحَاقَةِ نَحْلٍ حَاطِيَةٌ مُرَاعَاةٌ

لِنُؤَافِلٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَ نُذِرٌ ۝ وَ لَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنَ لِإِذْكَ قَهْلَ مِنْ

بِجْ مَذْكُورٌ

تو کچھ نہیں: قیامت نزدیک آئی (قریب آگئی) اور چاند مشق ہو گیا (ابلی قنیس اور قعیقان دو پہاڑوں پر دو گڑے ہو کر ایک ایک ہو گیا۔ یہ آنحضرت کا معجزہ شیخین کی روایت کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ جس کی فرمائش کفار نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ (کفار قریش) اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی جیسے شق قر) دیکھتے ہیں تو نال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ زبردست جادو ہے (مضبوط، مسترۃ مرۃ سے ماخوذ ہے قوی یاد آگئی کے معنی میں) اور (آنحضرت کو) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط بات میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر و شر میں سے) ہر بات کو قرار آ جاتا ہے (اہل خیر و شر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی تہی کی اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے (ان کے لئے مزدجر اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افتعال تاء سے تبدیل ہو گیا۔ از جرۃ، زجرۃ کے معنی ہیں۔ میں نے اس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ اور موصولہ یا موصوفہ ہے) دانشمندی (مبتدئ عن مذکور) خبر ہے۔ یا ما سے یا مزدجر سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سوان کو کوئی ناکہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف اللانیوالی چیزیں (نذر، نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔ مانفی کیلئے ہے یا استفہام انکاری کیلئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے) تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہو گیا) جس روز ایک بلانے والا (سرافیل مراد ہیں یوم کا ناصب آگے بحر جون آ رہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائے گا (مکرمہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے صیغہ تیس گھبراتی ہیں۔ حساب مراد ہے) جھگی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعاً ضمہ خا اور فتح شین مشدو کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے بحر جون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے نڈی پھیل جاتی ہے (دہشت و حیرت کے) رہے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ بحر جون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی گلے جملہ بھی (دوڑے چلے جا رہے ہوں گے) گردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) جانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورہ مدثر میں ہے: یوم عسیر علی الکافرین) ان (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کاموث ہونا معنی قوم کی وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں ورنہ نوح کو دھمکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انی فتح ہمزہ کے ساتھ یعنی ہانی ہے) عاجز ہوں۔ سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے کھول دیئے (تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کیلئے (جو حال ہے) مل گیا جو تھوڑا سا چکا تھا (ازل میں ان کی تہا ہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح کو کشتی پر) سوار کر دیا جو تختوں اور میٹھوں والی تھی (دسریں وغیرہ کو کہتے ہیں جن سے تختے جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری گرائی میں رواں

- قولہ: ذَلِيلًا: آنکھیں جھکتا، ذلت سے کنایہ، بجز جون کے فاعل سے حال ہے۔ جراد: بکری۔
- قولہ: مَجْتُونًا: مبتدأ ممدود صوکی خبر ہے۔ انحراد اثنا۔
- قولہ: مَغْلُوبًا: یعنی میری قوم نے مجھ پر غلبہ کر لیا۔
- قولہ: اُغْرُقُوا: یہ فعل مقدر کا مفعول لہ ہے۔
- قولہ: لَلَّذِكْرِ: مواضع امید کا بار بار بیان کرنا۔
- قولہ: كَالْهَمِّ: یہ الناس سے حال ہے۔
- قولہ: مُنْقَرِعًا: اکڑ کر کرنا۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا نام القمر ہے اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات عظیمہ میں سے ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جس کو قرآن کریم نے دلیل نبوت کے طور پر بیان کرنے کے ساتھ قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آ جانے کی علامت بتایا روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ہم کو کوئی نشانی دکھائیے جس سے ہم سمجھیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان کے آئیں گے ان کے اس وعدہ پر آپ ﷺ نے دعائی یہ چودھویں رات تھی دعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت عظیمہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور کفار قریش نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ اس کا نصف حصہ صفا پہاڑ پر تھا اور نصف جبل قعیقہ پر اور آپ ﷺ نے انکو فرمایا، دیکھو لو اے لوگو! نہ صرف یہ کہ اہل مکہ ہی نے اس کا مشاہدہ کیا بلکہ جو لوگ اطراف و جوانب سے آئے انہوں نے بھی یہی حال بتایا کہ ہم نے فلاں شب چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا اس عظیم الشان معجزہ کے بیان سے سورت کی ابتدا فرمائی گئی جو سید البشر ﷺ کی نبوت و رسالت کا واضح اور روشن ترین ثبوت تھا اس کے بعد ان لوگوں پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اللہ پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوئے۔

پھر اختتام سورت پر اہل شقاوت کی محرومی اور ہلاکت کا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان و تقویٰ کا ذکر فرمایا گیا جیسا کہ قرآن کریم کا طرز بیان ہوتا ہے کہ تریب کے مضامین کے بعد ترغیب کے مضامین مائے جائیں تو اس اسلوب عیب کے مطابق: ان المستقین فی جنت و نهری مقعد صدق عند ملیک مقتدد . پر سورت ختم فرمائی گئی۔

رَأْتَبَتِ السَّاعَةَ وَالشَّقِ الْقَمَرُ ۝

قیامت قریب آگئی چاند پھٹ گیا، منکرین کی جاہلانہ بات اور ان کی تردید:

ان آیات میں انشقاق قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود

طلب کیا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھادیں
 ہذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۲۲: ۲۶)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا
 پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آ گیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری صفحہ ۲۱: ۲۶)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ پیش آیا جس پر سورۃ قمر کی شروع کی دو
 آیتیں نازل ہوئیں۔ تفسیر معالم التنزیل (صفحہ ۲۵۸: ج ۱) میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا
 ہے پھر جب باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر
 آیت کریمہ: **اِقْتَابَتِ السَّاعَةُ وَالْقَمَرُ** نازل ہوئی، سنن ترمذی میں ہے کہ جب مسافروں سے تصدیق ہو گئی تو ان
 میں سے بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا۔
 بہر حال چاند پھٹنا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا ہوا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ
 وجود میں آ گئی اس سے قیامت کا وقوع سمجھ میں آ جانا چاہیے۔

وَاِنْ يُّرَادِ آيَةٌ يُعْرَضُونَ وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۱۰﴾ مگرین کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو امراض کرتے
 ہیں۔ حق کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے۔ جس کا اثر دیر پائیں ہے مغرب ہی ختم ہو جائے گا۔ وَ كَذَّبُوا
 بِآيَاتِنَا هُمْ (اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا) اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور ان کے نفسوں
 میں جو باطل نے جگہ پکڑ رکھی تھی اسی کو امام بنایا اور اسی کے پیچھے چلتے رہے اور انکار نبوت پر اصرار کرتے رہے۔ وَ كَذَّبُوا
 بِآيَاتِنَا ﴿۱۰﴾ (اور ہر بات قرار پانے والی ہے) یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا متعین ہو جاتا ہے، اگر عناد یا کفر ہی کی وجہ
 سے اب نہیں سمجھے تو کچھ عرصہ بعد سمجھ میں آ ہی جائے گا کہ یہ سحر نہیں ہے۔ وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ﴿۱۰﴾ کی یہ ایک تفسیر ہے اور صاحب
 معالم التنزیل نے حضرت قتادہ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ خیر اہل خیر کے ساتھ اور شر اہل شر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے، خیر
 اہل خیر کو لے کر جنت میں اور شر اہل شر کو لے کر دوزخ میں ٹھہر جائے گا۔

اہل مکہ جو توحید اور رسالت کے منکر تھے ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ
 مَا يَظُنُّونَ مُنْذِرًا** یعنی ان کے پاس پرانی امتوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبریں آ چکی ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان
 خبروں میں عبرت نہ سوعظمت اور نصیحت ہے، یہ چیزیں غافل کو جھڑکنے والی اور چونکار کھنے والی ہیں جو مہربانیت کی باتیں
 لہا اور جروتوشا میں کامل ہیں لیکن یہ لوگ متاثر نہیں ہوتے، کفر و شرک سے باز نہیں آتے جو سنتے ہیں سب ان سنی کر دیتے ہیں
 ڈرنے والی چیزیں انہیں کچھ نفع نہیں دیتی ہیں۔

کا قال تعالیٰ فی سورۃ یونس: **وَمَا تُغْنِي الْأَيْتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ** اور آیت اور ڈرنے والی چیزیں ان
 لوگوں کو نفع نہیں دیتی ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

معجزہ شمس القمر کا واقعہ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور اور مروی ہے، دشمنان اسلام کو محض

دھسنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت رہی ہے، انہوں نے معجزہ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہونا ضروری تھا۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اول تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے۔ تصنیف اور تالیف کا دور نہیں تھا پھر اگر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرون گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کی کثرت کا زمانہ بھی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن رہتا ہے کہیں رات ہوتی ہے، چاند شق ہونے کے وقت جہاں کہیں دن تھا وہاں تو اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو عرب میں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اول رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منی میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے لوگ دیکھ سکتے تھے لیکن بہت سے لوگ، بچے کاموں میں تھے بہت سے سو رہے تھے، بہت سے گھروں میں تھے، بہت سے دکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھیلے گا، ان حالات میں لوگوں کو باہر آنے اور چاند پر نظر جمانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی، چاند پھینا تو ڈی ڈیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے جن لوگوں کو اس کا پھینا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا، اگر سارا عالم دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب ہی دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی جس پر وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا جنہوں نے پھینا ہوا دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا کہ چاند پھینا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا پڑتا یہ انہیں گوارا نہ تھا، پھر کیوں وہ کتابیں لکھتے اور کیوں شہرت دیتے؟ یہ ایک صاحب بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچھے کی بات نہیں پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے صاحب فیض الباری صفحہ ۶۰:

ج ۴ میں فرماتے ہیں: (وقد شاهد ملك بهو پال من الهند اسمہ بهو ج پال ذکرہ الفر شنتہ فی تاریخہ)

دیکھئے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا پہلے سے اخبارات میں اطلاع دیدی جاتی ہے اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا اور کتنی بار ہو تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتا سکتے اور وہ کون سی تاریخ کی کتاب ہے جن میں تاریخ اور سورج گرہن ہونے کے واقعات لکھے ہوں، جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے جو بارہا ہوتا رہتا ہے تو چاند کا پھینا جو ایک نیا بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذری دیر کو ہوا اور اسی وقت پھٹ کر دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کونسی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر مجرہ شق القمر کا انکار کیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے آیت کریمہ میں جو لفظ **الْشَّقُّ الْقَمَرُ** فرمایا ہے۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ دشمنوں کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتہام صولی ہے پھر آیت قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیث شریفہ جو صحیح اسناد سے مروی ہیں ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذات پاک جلالت قدرت کی مشیت اور ارادہ سے نفع صورت سبب شق القمر ہو سکتا ہے۔ اسی کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا بعد ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

كَذَٰبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَحْجُونُونَ وَادُّجِدُوا

دیرینہ انداز کفر:

یعنی اے نبی ﷺ آپ ﷺ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبی کو جو ہمارے بندے حضرت نوح سے مکرذب کیا اسے محنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا، صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے، ہمارے بندے اور رسول حضرت نوح نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور معیف ہوں میں کسی طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔ موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے اورا لیتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے ہر طرف پانی بھر جاتا ہے نہ آسمان سے برساتا رہتا ہے نہ زمین سے ابلتا تھمتا ہے پس حد حکم تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب الہی پانی کی شکل میں برسا رہا تھا نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے پس ریل پیل ہو گئی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی بہا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچ لیا انہیں کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں میں ٹیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دوسرے معنی کشتی کے دائیں بائیں طرف کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑے اور اس کی اصل کے بھی کئے گئے ہیں وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح دسالم آ رہا جارہی تھی۔ حضرت نوح کی مدد تھی اور کفار سے یہ انتقام تھا ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا۔ یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا، حضرت تادہ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے ٹمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں، جیسے اور آیت میں ہے آیت: **وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ** (یس: ۲۱) یعنی ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے نس آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر لیا اور کشتی کے مانند اور بھی ایسی سواریاں دیں، نہا پر وہ سوار ہوں، اور جگہ ہے آیت: **إِنَّا لَنَاطِقُوا الْمَاءِ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ** (الحاق: ۱۱) یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم

نے تمہیں کشتی میں لے لیا تاکہ تمہارے لئے نصیحت و عبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں، پس کوئی ہے جو ذکر اعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے (مذکر) پڑھایا ہے، خود حضور ﷺ سے جنگ سے لفظ کی قراءت اسی طرح مروی ہے، حضرت اسود سے سول ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا زال سے؟ فرمایا میں نے میدان سے دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ سنا ہے، پھر فرماتا ہے میرا غراب میرے ساتھ کھر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت نہ حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کے دشمنوں سے بدلہ لیا اور کس طرح ان دشمنان دین حق کو نیست و نابود کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم سے الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لئے آسان کر دیا جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے، جیسے فرمایا: **كَيْتَبُ الْقُرْآنِ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ يَتَذَكَّرُونَ أَمِيحَهُ وَيَلْتَمِذُ كَرُ أُولُوا الْأَلْتَبِ (ص: ۲۹)** ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے جو لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس لئے کہ عظیم لوگ یاد رکھ لیں اور جگہ ہے آیت: **فَلْيَأْتِنَا بَشْرًا نَلِيقَنَّهُ يَتَذَكَّرُونَ (الذوق: ۵۸)**، یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لئے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگاروں کو خوشی سادے اور غمخواروں کو ڈر دے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس کی قراءت اور تلاوت اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو توفیق کی طاقت نہ تھی کہ بندہ مزاجوں کے کلمہ کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں کہ آسانوں میں سے یہ آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں نہ رہی تھی کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے،

وَقَدْ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ يُدْرِكُ أَصْوَابَهُمْ مِنْ مَقَادِمِهِ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن و آسان فرما دینا:

یہ آیت کریمہ سورۃ آل عمران میں یاد رکھنے کی بات ہے: **وَلَقَدْ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ يُدْرِكُ أَصْوَابَهُمْ مِنْ مَقَادِمِهِ** اور حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیت کو پڑھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے پاس سے آواز آ رہی ہے اور میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ اس میں قرآن ہر منہ میں آتا ہے اور ہر منہ کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسا آسان بنا دیا ہے کہ ہر منہ میں آتا ہے اور ہر منہ کو پہنچتا ہے۔ **فَلْيَأْتِنَا بَشْرًا نَلِيقَنَّهُ يَتَذَكَّرُونَ (الذوق: ۵۸)** (سو ہر کوئی نصیحت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اسے نصیحت حاصل کرے) **وَقَدْ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ يُدْرِكُ أَصْوَابَهُمْ مِنْ مَقَادِمِهِ** اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسا آسان بنا دیا ہے کہ ہر منہ میں آتا ہے اور ہر منہ کو پہنچتا ہے۔

مذہبوں میں نصیحت حاصل کرنا عبرت لینا سب سے پہلا عمل ہے اور وہ سب سے پہلا عمل ہے جس میں حضرت سعید بن جبیر کا قول نقل ہے کہ اس سے سنت اور قراءت مراد ہے اور قرآن کا پڑھنا اور سنت کرنا بھی اس سے مراد ہے اور معنی اور مفہوم اور احکام (کچھ بھی سب سے) اور ہے وہ سب سے پہلا عمل ہے جو ہر شخص کو سمجھنا چاہیے اور قرآن میں یہ سنت بھی نہیں کہ ہر منہ میں آتا ہے اور ہر منہ کو پہنچتا ہے اور جو ہر شخص کے لیے آسان کر دیا ہے بہت سے لوگوں کو آیت شریفہ اور قرآن کریم کا مستحب بننے سے پہلے سے تجویز کرتے ہیں اور صرف صحابہ کے خلاف تعبیر کرتے ہیں بہت عربی لغت اور قواعد عربیہ کو بھی نہیں جانتے ہیں ایسے لوگ شہ

گرامی میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسہیل اور تیسیر ہے کہ اس نے پورے قرآن کو مومن بندوں کے سینوں میں بالفاظِ درود محفوظ فرمادیا، اگر بالفرض خدا نخواستہ سارے مصاحف ختم ہو جائیں تو قرآن مجید پھر بھی محفوظ رہے گا ایک نو عمر حافظ بچے کے لئے ہو کر پورا قرآن مجید لکھوا سکتا ہے، اہل کتاب نے لکھے ہوئے صحیفوں پر بھروسہ کیا اس لیے اپنی کتاب ضائع کر دی، اب ان کے پاس ترجمے ہی ترجمے ہیں، کتابیں نہیں ہیں جن سے ترجموں کا ملاپ کیا جاسکے۔

قرآن کا اعجاز اور لوگوں کا تغافل:

قرآن مجید کا ایک یہ معجزہ ہے جو سب کے سامنے ہے کہ اسے عورتیں، بوزھے بچے، جو ان سب ہی حفظ کر لیتے ہیں۔ اتنی بڑی کتاب کوئی بھی شخص اپنی زبان کی لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف یاد نہیں کر سکتا۔

دنیا اور دنیا کی محبت نے ایسے لوگوں کو قرآن سے اور اس کے حفظ کرنے سے اس کی تجوید اور قرأت سے محروم کر دیا جو خود بھی آخرت سے بے فکر ہیں اور بچوں کو بھی طالب دنیا بنا کر ان کا ناس کھوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں میں نسلی مسلمان رہ گئے۔ یعنی ان کے باپ دادا مسلمان تھے یہ بھی ان کے گھروں میں پیدا ہو گئے، اسلام کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نہ پڑھا نہ سمجھا، جیسے خود ہیں ویسے ہی اولاد کو بنا نا چاہتے ہیں۔ جو لوگ اصلی مسلمان ہیں وہ لوگ قرآن کو سینہ سے لگاتے ہیں، حفظ کرتے ہیں، تجوید سے پڑھتے ہیں، بچوں کو بھی حفظ کرواتے ہیں اس کے معانی بتاتے ہیں، عالم بنا تے ہیں، علماء کی صحبتوں میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانو! اپنے بچوں کو حفظ میں لگاؤ یہ بہت آسان کام ہے۔ جاہلوں نے مشہور کر دیا ہے کہ قرآن حفظ کرنا لوہے کے چنے چانے کے برابر ہے، یہ بالکل جاہلانہ بات ہے۔ قرآن حافظ سے یاد نہیں ہوتا معجزہ ہونے کی وجہ سے یاد ہوتا ہے۔

بہت سے جاہل کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رناتے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ روپے پیسے کو فائدہ سمجھتے ہیں ہر حرف پر دس نیکیاں ملتا اور آخرت میں ماں باپ کو تاج پہنایا جانا اور قرآن پڑھنے والے کا اپنے گھر کے لوگوں کی سفارش کر کے دوزخ سے بچا دینا فائدہ میں شمار ہی نہیں کرتے کہتے ہیں کہ حفظ کر کے ملا بنے گا تو کہاں سے کھائے گا، میں کہتا ہوں کہ حفظ کر لینے کے بعد تجارت اور ملازمت سے کون روکتا ہے، ملا بننا تو بہت بڑی سعادت ہے جسے اپنے لیے یہ سعادت مطلوب نہیں وہ اپنے بچے کو تو حفظ قرآن سے محروم نہ کرے جب حفظ کر لے تو اسے دنیا کے کسی بھی حلال مشغلے میں لگایا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کی برکات:

ہم نے تجربہ کیا ہے کہ دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے اور سکول، کالج میں پڑھتے ہوئے بہت سے بچوں نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بہت لوگوں نے سفید ہال ہونے کے بعد حفظ کرنا شروع کیا اللہ جل شانہ نے ان کو بھی کامیابی عطا کی، جو بچہ حفظ کر لیتا ہے اس کی قوت حافظہ اور سمجھ میں بہت زیادہ، ضافہ ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ جو تعلیم بھی حاصل کرے ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا ہے، قرآن کی برکت سے انسان دنیا و آخرت میں ترقی کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ دوگوں نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں کوئی قرآن کی طرف بڑھے تو قرآن کی برکات کا پتہ چلے۔

قرآن کو بھول جانے کا وبال:

جس طرح قرآن کو یاد کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قرآن کو یاد رکھنے کا دھیان رکھو (یعنی نماز میں اور خارج نماز اس کی تلاوت کرتے رہو) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبض میں میری جان ہے جو اونٹ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں جس طرح وہ اپنی رسیوں میں بھاگنے کی کوشش میں رہتے ہیں قرآن ان سے بڑھ کر تجزی کے ساتھ نکل کر چلا جانے والا ہے۔" (رواہ البخاری، مسلم، مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۱۹۰)

بات یہ ہے کہ قرآن جس طرح جلدی یاد ہو جاتا ہے اور محبت کرنے والوں کے دل میں سما جاتا ہے اسی طرح وہ یاد رکھنے کا دھیان نہ کرنے والوں کے سینوں سے چلا جاتا ہے کیونکہ وہ غیر مت مند ہے جس شخص کو اس کی حاجت نہیں ہے جب وہ یاد رکھنے کی کوشش نہ کرے تو قرآن کیوں اس کے پاس رہے، جبکہ وہ بے نیاز ہے۔ قرآن پڑھ کر بھول جانے والے کے لیے سخت وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص قرآن پڑھتا ہے، پھر بھول جاتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ جذای ہوگا" (یعنی اس کے اعضاء اور دانت گرے ہوئے ہوں گے)۔

(رواہ ابو داؤد و لداری، مشکوٰۃ الصالح ص ۱۱۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے تو میں نے ثواب کے کاموں میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اور کوئی شخص اسے نکال دے اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اس کو بھول جائے۔" (رواہ الترمذی و ابوداؤد، مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۶۹)

بچوں کو قرآن کی تعلیم پر لگانے والے دنیا کے چند دن چمک مہک نہیں دیکھتے بلکہ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔ فَأُولَٰئِكَ كَانُوا لَمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنَ النَّارِ كَاتِبِينَ ﴿۱۰۰﴾

قوم عاد کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب:

ان آیات میں قوم عاد کی تکذیب اور تعذیب کا ذکر ہے انکی طرف اللہ تعالیٰ شانہ، نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی توحید کی دعوت دی، یہ لوگ بری طرح پیش آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو تم کم عقل ہو بیوقوف ہو، تم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ جہنم نے عذاب عذاب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ دھمکی ہم پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو چلو عذاب کو بلا لو، بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ شانہ، نے ہوا کا عذاب بھیج دیا بہت سخت تیز ہوا آئی جو ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی یہ دن ان کے لیے نامہارک اور منحوس تھے۔ ہوا چلتی رہی اور یہ لوگ مرتے رہے تیز ہوانے انہیں لٹا لٹا کر پھینک دیا یہ لوگ بڑی جسامت والے تھے قد آور تھے اپنی قوت اور طاقت پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا ان کے سامنے جب دین و ایمان کی بات آئی تو کہنے لگے: مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً؟ (ہم سے بڑھ کر قوت کے اعتبار سے کون زیادہ سخت ہوگا) اللہ

فقال نے ہوا جی تو ساری شیخی دھری رہ گئی ہوانے انہیں اپنی جگہوں سے ایسا اٹھا اٹھا کر پھینکا کہ ان میں کوئی جان ہی نہ تھی۔
 یہاں سورۃ القمر میں فرمایا: **كَانَهُمْ آعْجَازٌ لَّحْلٌ مُنْقَلَبٌ** (گویا کہ وہ کجور کے درختوں کے تھے جو اکڑا اکڑ کر زمین پر گر پڑے) اور سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے: **فَكَذَّبُوا الْقَوْمَ فَجَعَلْنَاهُمْ نَجَلًا يُعْلَىٰ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِئِن لَّمْ يَكْفُرُوا لَأُولَٰئِكَ لَئِيْفٌ كَانَ عَذَابِيْ وَذَلَّلِيْ ۗ** (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ارادہ) **وَلَقَدْ يَتْرَكْنَا الْكُرْآنَ الَّذِيْ كُوْنُ مِنْ ذِكْرِهِ ۗ**
 اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

كَذَّبَتْ كَمُوْدًا بِالنُّذْرِ ۗ جَعَلَ نَذِيرٌ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ أَيْ بِالْأُمُوْرِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ ضَالِحٌ لَمْ يُوْمَرْ بِمُؤَايَةِ
 وَتَبِعُوْهُ فَقَالُوا أَكَلْنَا مِنْ شَجَرٍ عَلَى الْإِسْتِغَالِ هَهُنَا وَهَهُنَا صِفَتَانِ لِنَشْرِائِئِبَعُهُ مُفْسِدٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ
 لَهُ وَالِاسْتِغْمَالُ بِمَعْنَى التَّفْيِ الْمَعْنَى كَيْفَ تَبِعُوهُ وَتَحْرُجُ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ وَهِيَ وَاحِدٌ مِّنَّا وَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ أَيْ
لَكَيْفَ ۗ إِنْكَ إِذَا أَيْ إِنْ أَتَبَعْنَا ۗ لَفِي ضَلَالٍ ذَهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ وَ سَعِيرٌ ۗ جُنُوْنٌ ۗ أَلَيْ ۗ بِتَحْقِيْقِ
الْمُهْرَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ النَّائِبَةِ وَادْخَالِ الْفِي بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِيهِ الدِّكْرِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا
أَيْ لَمْ يُوْحِ إِلَيْهِ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ فِي قَوْلِهِ أَنَّهُ أُوْحِيَ إِلَيْهِ مَا ذِكْرُهُ أَشْرٌ ۗ مُتَكَبِّرٌ بَطُوْرٌ قَالَ تَعَالَى
سَيَعْلَمُونَ غَدًا أَيْ فِي الْآخِرَةِ كَمِنِ الْكَذَّابِ الْأَشْرُ ۗ وَهُوَ هُمْ بِأَنْ يَعْدُوْا عَلَى تَكْذِيْبِهِمْ لِنَبِيِّهِمْ ضَالِحٍ
إِنَّا مُرْسِلُوْا النَّاقَةَ مُخْرِجُوْهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا سَأَلُوا فِتْنَةً مِّمَّنْهُ لَهُمْ لِنُحْتَبِرَهُمْ
فَأَرْقَبَهُمْ يَا ضَالِحُ أَيْ ائْتَلِزْ مَا هُمْ صَابِعُونَ وَمَا يَصْنَعُ بِهِمْ وَأَصْطَلِبُ ۗ الطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ ثَاءِ الْإِفْتِعَالِ أَيْ
إِضْرِبْ عَلَى إِذَاهُمْ وَتَبِعَهُمْ أَنْ الْمَاءَ قَسِيْمَةً مَّفْسُوْمٌ بَيْنَهُمْ ۗ وَبَيْنَ النَّاقَةِ فَيَوْمٌ لَهُمْ وَ يَوْمٌ لَهَا كُلٌّ
لَشْرَبٍ نَصِيْبٌ مِنَ الْمَاءِ مُحْتَضِرٌ ۗ يَحْضُرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمَهَا ذُوْا عَلَى دَلِكِ ثُمَّ مَلُوْا فَهَمُّوْا
بِفِئْلِ النَّاقَةِ فَتَادَوْا صَاحِبَهُمْ فُدَارًا لِيَقْتُلَهَا فَتَحَاطَى تَنَاوَلَ السَّيْفَ لَعَنَهُ ۗ بِهِ النَّاقَةُ أَيْ قَتَلَهَا مُرَافَقَةً
لَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَذَلَّلِيْ ۗ أَيْ ائْتَدَارِيْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ تَرْوِيهِ أَيْ وَقَعَ مَرَاتِعُهُ وَبَيَّنَّهُ بِقَوْلِهِ إِنْكَ
أَسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَبِيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيْمِ الْبُحْكَلِ ۗ هُوَ الَّذِي يَجْعَلُ لِنَبِيْهِ حَظِيْرَةً مِنْ نَابِسِ
الشَّجَرِ وَالشُّوْكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيْهَا مِنَ الدِّيَابِ وَاسْتِبَاعٍ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذِيْكَ فَذَاسْتُهُ هُوَ الْهَشِيْمُ وَ لَقَدْ

يَسْرِنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنَّذْرِ ۝ أَيُّ بِالْأُمُورِ الْمُنذِرَةِ لَهُمْ

عَلَى لِسَانِهِ إِذَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا ۝ رِيحًا تَرْمِيهِم بِالْحَصْبِ ۝ وَهِيَ صِفَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةُ ذُرٌّ مِثْلُ

الْكُفِّ فَهَلِكُوا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۝ وَهُمْ ابْتِئَاءُ مَعَهُ لَتَجِيئَهُمْ بِسَحَابٍ ۝ مِنَ الْأَسْحَابِ أَيُّ وَقْتُ الضُّبْحِ مِنْ

يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ أُرِيدَ مِنْ يَوْمٍ مُعَيَّنٍ لَمَنَعَ الضَّرْفُ لِأَنَّهُ مَعْرِفَةٌ مُعَدُّوْلٌ عَنِ السَّحْرِ لِأَنَّ حَقًّا أَنْ

يَسْتَعْمَلَ فِي الْمَعْرِفَةِ بِأَلٍ وَهَلْ أُرْسِلَ الْحَاصِبُ عَلَى آلِ لُوطٍ أَوْ لَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْإِسْتِثْنَاءِ عَلَى

الْأَوَّلِ بِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِيَةِ بِأَنَّهُ مُنْقَطِعٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ نَسَمًا حَاصِبًا مُضَدُّو أَيُّ إِتْمَانًا مِمَّنْ

عِنْدَنَا ۝ كَذَلِكَ ۝ أَيُّ مِثْلُ ذَلِكَ الْجَزَاءِ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝ أَنْعَمْنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ أَوْ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ تَعَالَى وَ

رُسُلِهِ وَأَطَاعَهُمْ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ حُرُوفُهُمْ لُوطٌ بَطْشَتْنَا أَخَذْتَنَا أَيُّهُمُ بِالْعَذَابِ فَتَمَارَوْا تَجَادَلُوا وَكَذَّبُوا

بِالنَّذْرِ ۝ بِأَنْذَارِهِ وَلَقَدْ رَأَوْهُ عَنِ ضَيْفِهِ أَيُّ سَأَلُوهُ أَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ آتَوْهُ فِي

صُورَةِ الْأَضْيَافِ لِيُحِبُّوْا بِهِمْ وَكَانُوا مَلَائِكَةً فَطَسَّنَا أَعْيُنَهُمْ أَعْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَاسِقٍ كِتَابِي

الْوَجْهِ بِأَنْ صَفَّقَهَا جِبْرِئِيلُ بِجَنَاحِهِ فَذُوقُوا وَقُوا فَقُلْنَا لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِيرِي ۝ أَيُّ إِذْذَارِي وَتَخَوِّفِي

أَيُّ تَعْرِئِهِ وَفَائِدَتِهِ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً وَقْتُ الضُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ ۝ دَائِمٌ مُتَّصِلٌ

عِذَابِ الْآخِرَةِ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِيرِي ۝ وَلَقَدْ يَسْرِنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

ترجمہ: شہود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر، نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلادیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ نے یہ کہہ کر ڈرایا تھا کہ اگر یہ ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کو (بشر) منصوب ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے) جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو (منا اور واحد دونوں بشر کی صفتیں ہیں) پیروی کریں (منصبہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی ہم کس طرح اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی گرامی (غلط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی، اسی پر ہم سب میں سے؟ (یعنی اس پر وحی نازل نہیں ہوئی) بلکہ یہ بڑا جھوٹا (اپنی) اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے) شیخی باز (اترانے والا اکثر باز) ہے (فرہ یا) ان کو عنقریب (قیامت میں) معلوم ہو

جائے گا۔ کہ جو باطنی باز کون تھا؟ (پتھر یا ٹھنڈی مٹی، اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کیلئے۔ سو ان کو دیکھتے بھالتے رہتا رہتا (اس صانع دیکھتے رہو کہ یہ کیا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے انتقال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان لوگوں کو یہ بتا دینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان) کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی (باریک (پانی کی اپنی مقررہ) باری پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ذکر پر چلتے رہے پھر اکتانے لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سو انہوں نے اپنے ساتھی کو (قدار کو اونٹنی مار ڈالنے کیلئے) بلایا۔ سو اس نے (تکوار لے کر) وار کیا اور مار ڈالا (کو نہیں کاٹ ڈلیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آ کر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک ہی چیز ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے اونٹوں کی بازو لگانے والے کا چورا (سو کھے درختوں اور کانٹوں کی بازو جو بکریوں کی حفاظت کیلئے بنائی جاتی ہے تاکہ بھیڑیے اور بندوں سے بچا رہیں۔ اس میں سے گر کر جو چورا ہوتا رہتا ہے اس کو کشیم کہ جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ (یعنی ان ہدایات کی جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسا دیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ صاف ایسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک ٹھکی بھر ہوتا ہے کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوط (جن میں ان کے ساتھ ماجزایاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچا لیا (ایک غیر معین صبح کو۔ لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے عدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے۔ لیکن متعلقین لوط پر پتھر اڑا ہوا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی ہزارا استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کر کے (مصدر بمعنی انعاما ہے) اپنی جانب سے۔ ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مومن ہو یا شکر سے مراد اللہ ورسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوط نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے دار و گیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سو انہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوط کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوط سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط کیلئے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقع دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خباثت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چوہٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل پاٹ چہرہ ہو گیا جبریل کے پر مار دینے سے) کہ بو چکھو (ہم نے ان سے کہہ دیا) میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ (یعنی میرے خوف دلانے کا مزہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آپہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سو لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

- قوله: كُلُّ شَيْءٍ: پانی سے فائدہ لھانا۔
- قوله: تساور: موائفت کی اصبحہ: چنچ۔
- قوله: الہٰشیم: ٹوٹی ہوئی۔
- قوله: المُحْتَظِر: باز۔ فدانا: روزِ دیا ہو۔
- قوله: بِسَحَرٍ: با طریت کے لیے ہے۔ من الاسحار: یعنی محر کی غیر معین گھڑی اس۔
- قوله: رِعْمَةً: یہ انجینکا مفعول لہ ہے۔
- قوله: انصن: ہاتھ پر ہاتھ مارنا جس کی آواز سنائی دے۔
- قوله: لِلذِّكْرِ: کو بار بار لائے تاکہ بتلادیا جائے کہ عذاب کا متقاضی کھذیب رسول تھا اور آپ کا تذکرہ نہیں کیا کہ آپ کی کھذیب تو بدرجہ اولیٰ اس کی سخت بتائے والی ہے۔

تفسیر مقبولین

كَذٰبٌ لُّمُوْدٌ يٰٓاٰسِدِرٖٓ ۝

قوم ظمود کی کھذیب اور بلاکت و کھذیب:

ان آیات میں قوم ظمود کی کھذیب ہم ان کی بدکت اور کھذیب کا تذکرہ فرمادیتے۔ یہ قوم قوم کے بعد تھے پر زور و کثرت کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے ان تھوں شرک، نے ان کی طرف سے مٹا کر اور موت فرما دیا انہوں نے ان کو پھینک دیا اور وہی خیر کار راستہ دیا۔ لیکن ان پر کلمہ سوار ہو گیا اور یہ نے قریبی تو اس سے دور ہو گیا۔ ان میں ہم سو بھی تم ہمیں میں سے تم میں کون کی خاص بات ہے ہم میں وہی ہے تم کی، نامہ کے ہم اپنے ہی میں سے یہ آئی ہیں اور تو یہ بڑی گراہی کی بات ہے ہم کوئی ایسا تو نہیں ہیں اور اتنی بات بھی نہ ہمیں ہم اپنے ہی میں سے آئی ہے اور ان کی نہیں سے تو یہ ہے اب میں ہی ہو رہی ہے ہم میں تو یہی آجاتے۔ ان نہیں اور سات نہیں ہی اپنی زبان سے کہنے سے اپنے اپنے کے لیے ان نے یہ بات نکالی ہے کہ میں رسول ہوں ان میں ہوں تاکہ قوم ان کو برا مانے کے اور انہوں نے ان کے اور یہ سیغملوں خدا قس ان کذاب الاشیور۔ نہیں کھذیب کل وہی ہمیں جو نے گا کہ وہ تے بہت بھوتاتی ہیں۔ ان کی اور ان کے بھوتے ہیں اور ان کے ہیں اسی لیے اللہ کے نبی کو نہیں دانتے۔ اپنے بھوتے گا اور پھینکے جانے والے ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے معجزہ کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہاری نبوت کے قراری ہو جائیں گے، اللہ جل شانہ، نے ایک بڑی اونٹنی ظاہر فرمادی سب نے دیکھ لیا کہ اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی۔ چونکہ اللہ کی اونٹنی تھی جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی اس لیے خوب زیادہ کھاتی پیتی تھی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا: خَلِدِيهَا كَأَنَّكَ كَلِمَةٌ تَنْتَقِلُ فِي فَمِّهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ آيَاتِهِ (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے بڑی تکلف الہیہ قلدو و ما تاكل فی ارض اللہ ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب آياتہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے بڑی تکلف الہیہ قلدو و ما تاكل فی ارض اللہ ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب آياتہ (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے بڑی تکلف الہیہ قلدو و ما تاكل فی ارض اللہ ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب آياتہ) یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے بڑی تکلف الہیہ قلدو و ما تاكل فی ارض اللہ ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب آياتہ

لے گا۔ ان لوگوں کا ایک کتواں تھا جس سے پانی بھرتے اور اپنے موشیوں کو پلاتے تھے اللہ کی اس اونٹنی کو بھی پانی پینے کی ضرورت تھی حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتا دیا: يَا بَنِي إِدْرِيذَ إِنَّكُمْ يَتَّبِعُونَ مَعْلُومًا (اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہارے پینے کے لیے باری مقرر ہے) اس مضمون کو یہاں سورۃ قمر میں یوں بیان فرمایا: إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْامِرَ اللَّهِ وَارْجِعُوا إِلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ الْبَاقِي الرَّحِيمُ الَّذِي يَتَّبِعُ أَهْلَهُ فَارْتَدُّوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمْ لِيُحْضَبُوا (کہ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان لوگوں کی آزمائش کے لیے) (اے صالح) ان کو دیکھتے رہئے اور

میرے سچے)۔
وَيَذَرُهُمْ فِي الْمَاءِ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ (اور انہیں بتا دیجئے کہ بیشک پانی ان کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوا کرے)۔ یہ لوگ اس اونٹنی سے تنگ آ گئے اس کا اپنے نمبر پر پانی پینا ناگوار ہوا لہذا آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے ان میں سے ایک آدمی قتل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکارا اس نے ہاتھ میں تلوار لی اور اونٹنی کو مار ڈالا پہلے سے ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ لگاؤ تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، جب اسے قتل کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتا دیا۔ تَمَشُّوعُوا فِي دَارِكُمْ فَلَمَّا أَتَاهُمْ (اپنے گھروں میں تم تین دن بسر کر لو) (اس کے بعد عذاب آ جائے گا) ذَلِكَ وَعَذَابٌ غَيْرٌ مِّمَّنْ ذُو ب (یہ وعدہ سچا ہے جھوٹا نہیں) پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تین دن بعد عذاب آیا اور تمام کافر ہلاک کر دیئے گئے اور مومنین عذاب سے محفوظ رہے۔ ارشاد فرمایا: إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْامِرَ اللَّهِ وَارْجِعُوا إِلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ الْبَاقِي الرَّحِيمُ الَّذِي يَتَّبِعُ أَهْلَهُ فَارْتَدُّوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمْ لِيُحْضَبُوا (بلاشبہ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی سو وہ سب اس طرح ہلاک ہو کر رہ گئے جیسے کھیتی کی حفاظت کے لیے باز لگانے والے کی باز کا چورا چورا ہوتا ہے) یعنی ان کی جانیں تو گئیں جسم بھی باقی نہ رہے، چورا چورا ہو کر رہ گئے۔ یہ بات تقریباً وہی ہے جیسے اصحاب لیل کے بارے میں: فَجَعَلَهُمْ كَعَضِيقِ كَلْبٍ تُمْنٍ فَمَا كُنُوا يَتَّقُونَ (انہیں ایسا بنا دیا جیسے کھایا ہوا بوسہ ہو)۔ سورۃ ہود اور سورۃ قمر میں فرمایا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے لیے ایک چیخ بھیجی گئی اور سورۃ الاعراف میں فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ كَرِيمٌ فَاعْلَمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) اور

آخر میں آیت کریمہ: وَلَقَدْ بَشَّرْنَا النَّعْمَانَ إِنْ يُؤْمِنُ فَلْيُؤْمِرْ بِعِبَادِهِ لِيُنصَرِفَ عَنْكُمْ وَرَأْسُ الشُّعْرَىٰ يُعْرَبُ وَأَنْتُمُ الْمُؤْمِنُونَ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنَّبِيِّ إِذْ يُرَاوِدُ عَنْكَ الْمَلَائِكَةَ بِالْعُدْوَةِ دُونِ الدُّرِّ إِذْ يَخْبَوْنَ مِنْكَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) اور

كذبت قوم لوط بالنبي ©

سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا، اور قوم کا کفر پر اصرار کرنا، معاصی پر جمار ہنا اور آخر میں ہلاک ہونا:

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور ہلاکت کا ذکر ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے وطن سے ہجرت کر کے آئے تھے دونوں نے ملک شام میں قیام فرمایا حضرت لوط علیہ السلام چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ان میں بڑی بستی کا نام سدوم تھا ان بستیوں کے رہنے والے برے لوگ تھے۔ برے اخلاق اور برے اعمال میں مشغول رہتے تھے مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا تو حید کی دعوت دی برے افعال سے روکا لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی اور اپنی بد مستی میں مشغول رہے، بالآخر ان پر عذاب آ ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے جو فرشتے بھیجے وہ اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا: اِنَّا مُقْتَلُكُمْ اَهْلِي هَلِيهِ الْقَرْيَةِ (کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں تو لوط علیہ السلام ہیں پوری بستی کیسے ہلاک ہوگی؟ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے، ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچا میں گے ہاں ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی پھر وہاں سے چل کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ یہ فرشتے انسانی صورت میں تھے اور خوبصورت شکل میں آئے تھے اس لیے ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور انہیں خیال آیا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ خوبصورت ہیں اندیشہ ہے کہ گاؤں والے ان کے ساتھ بری حرکت کا ارادہ نہ کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ لوگ جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آئے اور اپنا مطلب پورا کرنا چاہا جسے وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ حَتِيْفِهِ مِّنْ بِيْتَانِ فَرَمَا يٰۤا هـ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی امت کی لڑکیاں جو گھروں میں موجود ہیں ان سے کام چلاؤ یعنی نکاح کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور یہ بھی بتایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ، ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ لوگ نہ مانے، حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے اور عذاب آنے میں بھی شک اور تردد کرتے رہے جب انہوں نے بات نہ مانی تو اولاً یہ عذاب آیا کہ ان کی آنکھوں کو مسطوس کر دیا گیا یعنی ان کے چہرے بالکل سپاٹ ہو گئے آنکھیں بالکل ہی نہ رہیں۔ اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہو گیا۔ قَدْ وُفُوْا عَذَابِيْ وَنُذِرًا ۝ (سو تم میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ چکے لو)۔

جب ہلاکت والا عذاب آنے کا وقت قریب ہوا تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنی بیوی کے علاوہ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائے اور برابر چلتے جائے تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے صبح کے وقت ان لوگوں پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھ کر پلٹ دیا نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسادیئے جو کنکھر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے، بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو سورۃ ہود میں مسؤمۃ یعنی نشان زدہ فرمایا ہے۔

(کہ ذکرہ فی معالم القرین دنیا نوال اخ)

جس میں سرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان پر زمین اتنے کا ظاب آیا اور جو لوگ اس علاقہ کے
 حصے تھے ان پر پتھر برسائے گئے اور پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعی سے کسی نے پوچھا کہ تم لوہ
 میں سے کوئی رو گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زبردستی گیا تھا جو کہ سطر میں نہارت کے لیے گیا
 وہ وہاں پچیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔
 ہر آدمی میں ان لوگوں کی زمین کا تختہ اتنے کا اور پتھروں کی بارش کا ذکر ہے اور یہاں سورہ انعام میں آنا آرسلنا عنہم
 ضالینا فرما ہے علامہ قرطبی نے اوانا ابوعبیدہ سے نقل کیا کہ اس سے پتھر ادا ہیں پھر سماج سے نقل کیا ہے کہ: الحاصب
 نوح السبلہ التی نظیر الحصبہ کہ حاصب اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو ٹکریاں اڑاتی ہوئی طے اس آیت سے معلوم ہوا
 کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے۔ ان پتھروں کو نیز ہوائے کرا آئی تھی۔

وَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَهُ النَّذْرُ ۖ الْإِنذَارُ عَلَىٰ لِسَانِ مُوسَىٰ وَهَارُونَ فَلَمْ يُولَئُوا آلَ فِرْعَوْنَ
 مَا بَتُوا بِهَا ۚ أَيُّ شَيْءٍ أُوتِيَتْهَا مُوسَىٰ فَأَخَذْتَهُمْ بِالْعَذَابِ ۚ أَخَذْنَا عَذَابَهُمْ قَوْمِي مُقْتَدِرِينَ ۗ قَادِرٌ
 عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ الْعَاقِلُ ۗ بِالْفُرْيَسِ خَيْرٌ مِّنْ أَوْلِيَّكُمْ ۚ الْمَذْكُورِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ ۚ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ فَلَمْ يَعْدِلُوا
 لَهُ لَكُم بِكَفَارٍ فُرْيَسٍ بَرَاءَةٌ ۖ مِنَ الْعَذَابِ فِي الرَّبِّ ۗ الْكُفْبُ وَالْأَسْتِفْهَامُ فِي الْمَرْصُوعِينَ سَخِي
 سِي أَيُّ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ أَمْ يَقُولُونَ ۗ أَيُّ كَفَارٍ فُرْيَسٍ نَحْنُ جَبِيحٌ أَيُّ خَلْعٍ مُنْتَصِرٌ ۗ عَلَىٰ
 نَعْبِدُ وَنَتَقَالُ الْبُؤْسَ يَوْمَ نَذِيرٍ ۗ أَنَا جَمْعٌ مُنْتَصِرٌ نَزَّ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدَّبِيرَ ۗ مَهْرٌ مُّؤَسَّدٍ
 زَيْبِرٌ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ بِالْعَذَابِ وَالسَّاعَةُ أَيُّ عَذَابِهَا أَدْوَىٰ
 نَعْمٌ نَّبِيَّةٌ وَأَمْرٌ ۗ أَشَدُّ مَرَارَةً مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا ۚ إِنَّ الْبُحْرَيْنِ فِي ضَلَالٍ هَلَاكِ دَأْبِ قَتْلِ فِي الدُّنْيَا
 سَقَرٌ ۗ نَارٌ مُسْفَرَةٌ بِالتَّشْدِيدِ أَيُّ مَهِيحَةٌ فِي الْأَحْزَةِ يَوْمَ يُسْجَبُونَ فِي النَّارِ عَلَٰ وَجُوهِهِمْ ۗ أَيُّ مِ
 الْأَحْزَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرٍ ۗ إِصَابَةُ حَيْثُمْ لَكُمْ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ مُنْطَوِّبٌ بِعَمَلٍ بِمَسْرُوعٍ خَلْقُهُ
 بِسَقَرٍ ۗ إِنْ كُلُّ أَيُّ مُقَدَّرٌ وَفَرَىٰ كُلُّ بِالرَّفْعِ مُنْتَدَأُ خَيْرُهُ خَلْقُهُ وَمَا أَمْرُنَا لَشَيْءٍ رُبُّدٌ خَوْلُهُ إِلَّا
 مَرَّةً وَاحِدَةً كَلْبَحٍ بِالْبَصِيرِ ۗ لِي الشَّرْعَةُ وَهِيَ كُنْ فَيُوجَدُ أَنَا الْمَرَّةُ إِذَا ارَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ
 يَكُونُ وَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فِي الْأَنْفِ الْمَاضِيَةِ فَهَلْ مِنْ مَّذْكَبٍ ۗ اسْتِفْهَامٌ

مَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ أَذْكَرُ وَإِذَا نَعِظُوا وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ أَيْ الْعِبَادَةُ مَكْتُوبَةٌ فِي الرَّبُّوبِ ۝ كُتِبَ الْحِفْظَةُ وَ
 كُنْ صَغِيرًا وَ كَهَيْبَةٍ مِنَ الذَّنْبِ أَوْ الْعَمَلِ ۝ فَسَتَطْرُقُ ۝ مَكْتُوبٌ فِي اللَّوْحِ الْمُحْفُوظِ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي
 جَنَّاتٍ نَسِيبٌ وَ لَهْرٍ ۝ أُرِيدُ بِهِ الْجِنْسَ وَ فُرِي بِضَمِّ النَّوْنِ وَالْهَاءِ جَمْعًا كَأَسَدٍ وَأَسَدٌ الْمَعْنَى الْهَلَا
 بِشَرِّ نَوْنٍ مِنْ أَنْهَارِهَا الْمَاءُ وَاللَّبَنُ وَالْمَسَلُ وَالْخَمْرُ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ مَجْلِسٍ حَقٌّ لَا لَعْنُ فِيهِ وَلَا تَأْنِيهِ
 وَأُرِيدُ بِهِ الْحَشْسَ وَ فُرِي مَقَاعِدُ الْمَعْنَى أَنَّهُمْ فِي مَجَالِسٍ مِنَ الْجَنَاتِ سَالِمَةٌ مِنَ اللَّعْنِ وَ التَّائِبِينَ بِخِلَافِ
 مَحَاسِنِ الدُّنْيَا نَقَلَ أَنْ تَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ وَاعْرَبَ هَذَا خَيْرٌ ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِقٌ بِبَدَلِ الْبَعْضِ وَغَيْرِهِ
 بَعْدَ عِنْدَ مِلْيَتِكَ مِثَالِ مُبَالَغَةٍ أَيْ عَزِيزِ الْمُنْكَ وَاسِعُهُ مُقْتَدِرٌ ۝ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَعِنْدَ
 شَارِهِ اسْمِ الرَّبُّوبَةِ وَ لَقْدَرَةٌ مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى

ترجمہ: اور فرعون (اور اس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی
 زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ) ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا (یعنی وہ نونشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا
 ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا (اے قریشیو!)
 تم میں جو کافر ہیں، ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی قوم نوح سے لے کر آل فرعون تک ہوا
 ہے) کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا (یا تمہارے لئے) (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کتابوں میں (دونوں
 جگہ استقبال معنی میں نفی کے ہے یعنی یہ بات نہیں ہے) یا یہ لوگ (کفار قریش) کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے
 جو غالب ہی رہیں گے (محمدؐ کے مقابلہ میں ابو جہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ نَحْنُ جَبِيحٌ مُنْتَصِرٌ ۝ تو
 جواب نازل ہوا) منقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور
 آنحضرتؐ کی ان کے مقابلہ میں بدر ہوئی) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے (عذاب کیلئے) اور قیامت (کا عذاب) بڑی
 سخت (بھاری مصیبت) ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ بحر میں نری غلطی (دنیا کی تباہی)
 اور دکھتی آگ میں ہوں گے (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے
 جائیں گے (آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کے (تمہیں) چھوڑنے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز
 کو (یہ منصوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) اعزاز سے پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے "کُلُّ
 شَيْءٍ" سے بمعنی مقدر اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خَلَقْنَاهُ ہے) اور ۱۸

تمہاری چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا یکبارگی ہو جاتا ہے جیسے پلک جھپکنا ("تَاثَاتَا بِنِي كُنْ تَعَزِيْرًا" جو گزشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کر چکے ہیں۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والے ہے (استقامت امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کر دو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی ہوئی اعمالوں میں ہے) کرنا کا تین کے دفتروں میں (اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے) اور خطوں میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نہر سے جنس مراد ہے ایک قرآء میں نون اور ہائے ضم کے ساتھ ہے جیسے اسد اور اسد۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں، جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس سے جنس مراد ہے۔ ایک قرآءت میں مقاصد ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول کرلی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہیں۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی اور بدل ہو سکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ در عند مرتبہ عظمت کیلئے ہے جو فضل الہی سے حاصل ہوگا)۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قولہ: أَخَذَ عَزِيْرًا: زبردست۔ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای احذ شخص عزیز۔

قولہ: مُنْتَصِرًا: بدلہ لینے والا۔

قولہ: بِهَيْبَةٍ: بھڑکانے والا۔

قولہ: يَسْحَبُونَ: کھینچا جائے گا۔

قولہ: مَسَّ سَقَرًا: سگ کی حرارت۔ جہنم کی تکلیف۔

قولہ: نَهْرًا: کی جو نہر، پانی چلنے کا نالہ۔

قولہ: مِبَالِغَةً: کرامت میں مبالغہ کے طور پر ذکر فرمایا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ

سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام:

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں اللہ کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ فرعون ان سب کو جھٹلاتے ہیں جس کی بد بختی میں ان پر عذاب الہی نازل ہوتے ہیں اور انہیں بالکل ہی سوکھے تنکوں کی طرح اڑا دیا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے اللہ نے اپنی کتابوں میں چھوٹ دے رکھی ہے؟ کہ ان کے کفر پر تو انہیں عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ جائے؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں آپ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنی قیام گاہ میں رسول اللہ ﷺ اپنی دعا فرما رہے تھے اے اللہ تجھے تیرا عہد و پیمانہ یاد دلاتا ہوں اے اللہ اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت و وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ بس کیجئے آپ نے بہت فریاد کر لی۔ اب آپ اپنے خیمے سے باہر آئے اور زبان پر دونوں آیتیں: سَبِّحْهُمُ الْجَنَّةَ وَيُؤْتُونَ الذُّبْنَ (القر: ۴۵) جاری تھیں، حضرت عمر فرماتے ہیں اس آیت کے اترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کوئی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے، اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ بخاری میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی۔ اپنی ہجو یوں میں کھلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بِي السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةَ آدَاهُمْ وَانكُرُوا (القر: ۴۶) اتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقع پر مطول مروی ہے مسلم میں یہ حدیث نہیں۔

أَلْقَاكُمْ خَيْرًا مِّنْ أَوْلِيَّكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ لِّيَ الْزُبُرُ

اہل مکہ سے خطاب تم بہتر ہو یا ہلاک شدہ قومیں بہتر تھیں:

اس کے بعد اہل مکہ سے خطاب فرمایا: أَلْقَاكُمْ خَيْرًا مِّنْ أَوْلِيَّكُمْ کہ اے اہل مکہ حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت صالح کی قومیں اور فرعون اور آل فرعون یہ سب لوگ جو ہلاک کیے گئے ان کے اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہارے کافر بہتر ہیں یا وہ لوگ بہتر تھے، یعنی ان کی قوت اور سامان اور تعداد زیادہ نہ تھی؟ یا تم ان سے قوت میں بڑھ کر ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قوت و طاقت اور مال و اسباب میں تم سے کہیں زیادہ تھے، انہوں نے حضرات

مذہب کی تہذیب اور انکار کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے تم نے اپنے ارے میں جو یہ بکھر رکھا ہے کہ ہم پر کفر کا
 جہل جو کفر کے باوجود تمہاری حماقت کی ذمہ دار اور ضمانت لے رہی ہو، جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو کفر پر اصرار کرنا
 وقت نہیں تو کیا ہے۔
 جہل جو کفر کے باوجود تمہاری حماقت کی ذمہ دار اور ضمانت لے رہی ہو، جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو کفر پر اصرار کرنا
 وقت نہیں تو کیا ہے۔

بیتہ فیض و یوں الذبیر

ان لوگوں کو اپنی جمعیت اور جتنے اور اپنی طاقت و قوت پر جونا زہ اور جو زعم اور گھمنڈ ہے کہ ہم بڑی مضبوط قوت کے مالک
 ہیں اور جتنے والے ہیں ہمیں اپنی جگہ سے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ بلکہ ہم ہمیشہ اور ہر حال میں غالب ہی رہیں گے، تو یہ محض ان
 کی خام خیالی اور ان کا زعم باطل ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آگے ٹکنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہو سکتا۔ وہ قادر مطلق بڑی ہی
 قوت اور عظمت والا ہے۔ سو مادہ پرست ابناء دنیا کو چونکہ اپنے مادی ذرائع و وسائل پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے، اس لئے ان کو یہ بات
 سمجھ نہیں آتی کہ ان پر عذاب کہاں سے اور کس طرح آئے گا۔ اس لئے وہ اپنے حریفوں کی کسی تہدید اور وعید کو خاطر میں نہیں
 لاتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنے رسولوں کے انذار پر بھی کان نہیں دھرتے، یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہتا ہے،
 اور وہ ان میں گھر کر رہتے ہیں، مگر اس وقت ان کے پچھتانے سے ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوتا۔ سو ان کے لئے تنبیہ کے طور
 پر فرمایا گیا کہ مغرب ہی ان کی یہ جمعیت ٹکست کھائے گی جس کا ان کو بڑا گھمنڈ ہے، اور ان کو پینٹہ پھیر کر بھاگنا پڑے گا۔ پس
 ان کیلئے صحت و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ یہ آج اپنی اس باغیانہ روش اور اپنے کبر و غرور سے باز آ جائیں، ورنہ ان کا انجام بڑا ہی
 برا و نہایت ہی ہولناک ہوگا۔

بِالسَّاعَةِ مُوقَدًا لَهُمُ وَالسَّاعَةُ آذَى وَآمْرٌ

اس ارشاد سے صاف و صریح طور پر اس اہم حقیقت کو واضح فرمایا گیا کہ اسی دنیاوی ہزیمت و پامالی اور تذلیل و رسوائی پر
 برہنہ نہیں، بلکہ ان کے اصل عذاب کا وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کی وہ گھڑی انتہائی ہولناک اور بڑی ہی تلخ گھڑی
 ہوگی۔ اتنی تلخ اور اس قدر ہولناک کہ اس کی ہیبت و دہشت اور تلخی و مرارت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، ہزیمت اور پامالی سے تو یہ
 کوئی مغرب اس دنیا میں ہی دو چار ہوں گے، لیکن اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے عذاب کا اصل مقام اور وعدہ آخرت میں ہے،
 اور ان کے لئے بڑا ہی کٹھن اور نہایت ہی کڑوا ہوگا۔ یہاں پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ حضرات انبیاء و رسل کی تہذیب کرنے
 والے اس دنیا میں بھی لازماً ٹکست و عذاب سے دو چار ہوتے ہیں لیکن بات اسی عذاب پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ ان کے لیے
 اصل عذاب آخرت کے اس جہاں میں ہوتا ہے اور وہ اس دنیا کے خاتمے کے فوری اور متصل بعد قائم ہوگا بالکل اسی طرح جس
 طرح آج کے بھگانے والے اکل، اسی حقیقت کے اظہار و بیان کیلئے دوسرے مقام پر اس کیلئے غدی یعنی آنے والے اکل کا لفظ استعمال

مقبول شدہ حلالین (اولت نظر نفس ما قدمت لعدا) یعنی ہر نفس دیکھ لے کہ اس نے آنے والے اکل کے لئے کیا فرمایا گیا، اور ارشاد ہوتا ہے: (ولتتظر نفس ما قدمت لعدا) یعنی ہر نفس دیکھ لے کہ اس نے آنے والے اکل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور آخرت کا جو کہ جزاء و سزا کا جہاں ہے اور وہ عذاب اس دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھ کر سخت اور ہولناک ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ (کلذک العذاب وللعذاب الاخرة اکبر لو کانوا یعلمون) [اہم: ۳: ۲۱] سو اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۱۰﴾

شکوہ و شبہات کے مریض لوگ:

بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک و اضطراب کے خیالات میں ہیں۔ یہ لوگ خواہ کفار ہیں خواہ اور فرقوں کے بدعتی ہوں۔ ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹوائے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہاں اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لئے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آئیں دوزخ کے نکلنے کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو طے شدہ منصوبہ سے پیدا کیا ہے جیسے اور آیت میں ہے ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا پھر اس کا مقدر مقرر کیا۔ اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور محور عمل مقرر کیا اور راہ دکھائی۔ یعنی تقدیر مقرر کی پھر اس کی طرف رہنمائی کی ائمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی ہے یعنی ہر چیز اپنے ظہور سے پہلے اللہ کے ہاں لکھی جا چکی ہے فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے یہ لوگ صحابہ کے آخر زمانہ میں ہی نکل چکے تھے۔ اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور اس مضمون کی احادیث بھی اور اس مسئلہ کی مفصل بحث میں ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ دی ہیں یہاں صرف ۱۱ حدیثیں لکھتے ہیں جو مضمون آیت کے متعلق ہیں، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے اس پر یہ آیتیں اتریں (مسند احمد مسلم وغیرہ) بروایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابی عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید میں اترتی ہیں (بزار) ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اترتی ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ حضرت عطاء بن ابورباح فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباس کے پاس آیا آپ اس وقت چاہہاں زمزم سے پانی نکال رہے تھے آپ کے کپڑوں کے راسن بھگے ہوئے تھے میں نے کہا تقدیر کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے لوگ اس مسئلہ میں موافق و مخالف ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے واقعی ایسا ہی کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: (ذوقوا مس سقر انا کل شیء خلقناہ بقدر) یاد رکھو یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو ان کے مرووں کے جنازے نہ پڑھو ان میں سے اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی آنکھیں نکال دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو لوگوں نے کہا آپ ناپینا ہے آپ اس کے پاس چل کر کہا کریں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرا بس چلے تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آگئی تو مردوں گا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ

برائی جو تمہیں خدو جہالت سے آ رہی ہو اور وہ طواف کرتی پھرتی ہیں ان کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ شرک و مرتس ہیں اس امت کا پہلا شرک
 یہاں ہے اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی بے سمجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے
 والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک دوست شامی تھا جس سے
 آپ کی خط و کتابت تھی حضرت عبداللہ نے کہیں سے سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے آپ نے جنت
 سے اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط و کتابت کی امید نہ رکھنا
 آج سے بند بھٹا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو بھلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد)
 رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر امت کے مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں اگر وہ بیمار
 پڑیں تو ان کی عبادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے نہ پڑھو (مسند احمد) اس امت میں مسخ ہو گا یعنی لوگوں کی صورتیں
 بدل دی جائیں گی یاد رکھو یہ ان میں ہو گا جو تقدیر کو بھلا لیں اور زندہ عقیت کریں (ترمذی وغیرہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک
 کی تقدیر مقرر کردہ اندازے سے ہے یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی (مسلم) صحیح حدیث میں ہے اللہ سے مدد طلب کرو اور
 عاجز و قوف نہ بنو پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقدر کیا ہوا تھا اور جو اللہ نے چاہا کیا پھر یوں نہ کہہ کہ
 اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لئے کہ اس طرح اگر کہنے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابن
 عباس سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچا
 سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے قلمیں خشک ہو چکیں اور
 زہریلیٹ کر تہہ کر دیئے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہ نے اپنے باپ حضرت عبادہ بن صامت کی بیماری میں جبکہ ان کی حالت
 بالکل غیر تھی کہا کہ اباجی ہمیں کچھ وصیت کر جائے آپ نے فرمایا اچھا مجھے بٹھا دو جب لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا
 اے میرے پیارے بچے ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے ہے اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا
 جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی پر پکا نہ ہو میں نے پوچھا اباجی میں یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کے خیر و
 شر پر پختہ ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہ ملا وہ ملنے والا ہی نہیں اور جو تجھے پہنچا وہ ملنے والا ہی نہ تھا میرے بچو
 سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ
 لہو وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو ہونے والا تھا سب لکھ ڈالا اے بیٹے اگر تو انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ
 رہے تو تو جہنم میں داخل ہو گا ترمذی میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح غریب ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے
 ہیں تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو گواہی دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ
 ہی ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی
 برائی و خوب اللہ ہونے کو مانے (ترمذی وغیرہ) صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے
 قلوب کی تقدیر لکھی جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ پھر پروردگار عالم اپنی چاہت اور
 احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے وہ اگر دعویٰ ہوتا ہے تو
 ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے دوبارہ تاکید احکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی
 ہے ایک آنکھ جھکنے کے برابر وہ کام میری حسب چاہت ہو جاتا ہے عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے

اذا ما اراد الله امر افانما يقول له كن قوله فيكون

یعنی اللہ تعالیٰ جب بھی جس کسی کام کا ارادہ کرتا ہے صرف فرمادیتا ہے کہ ہو جاوہ اسی وقت ہو جاتا ہے ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لئے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا: وَجِئِلْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاءِهِمْ مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ (سہ: ۵۳)۔ یعنی ان کے اور ان کی چاہ کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے جیسے کہ ہم نے ان جیسے پہلے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامہ اعمال میں مکتوب ہے جو اللہ کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ ہے اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو تحریر میں نہ لکھا ہو حضور ﷺ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکانہ سمجھو اللہ عزوجل کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ پورا ہونے والا ہے (نسائی اور ان ماجہ وغیرہ) حضرت سلیمان بن مغیرہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں نے حقیر سمجھا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان

لا تحقرن من الذنوب صغیر ان الصغیر غدا یعود کسیرا
ان الصغیر ولور تفاد م عہدہ عند اللہ مسطر تم طیرا
فارجر هوک عبد البطلانہ لانکن صعب الفیاد و شمرن تشمیرا
ان للحب اذا احب الہم طر الفواد والہم التفکیر
فاسال ہدایتک الالہ فتد فکفی برک ہادی او بصیرا

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ، یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو۔ اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو۔ کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک، جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے اللہ کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام ہو جاتی ہے اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نبی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہوگی وہ تو مضالمت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، لیکن یہ نیک کار جنتوں میں ہوں گے بہتے ہوئے خوشگوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و کرام، رضوان و فضیلت، جود احسان، فضل و امتنان نعمت و رحمت آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے باری تعالیٰ ہلک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہوگا جو تمام چیزوں کا خالق ہے سب کے انداز مقرر کرنے والا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے وہ ان پر ہیزگار رحم دل لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا ایک ایک چاہت عطا فرمائے گا مسند احمد میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں یہ حدیث صحیح مسموم اور نسائی میں بھی ہے۔

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اٰیٰتِهَا ۷۸
 اٰیٰتِهَا ۷۸
 شروع اللہ کے نام سے جو ہے حمد میں ان نہایت رحم والا ہے اور اس کی اکثر آیتیں ہیں اور تم میں شروع

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۱ مَنْ شَاءَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۳ اٰی الْحِجْسِ عَلَمَهُ الْبِیَّانَ ۴ التَّلَطُّقِ الشَّمْسِ وَ
 الْقَمَرِ ۵ بِحِسَابِ یَجْرِیَّانِ وَ النَّجْمِ مَا لَا سَاقَ لَهُ مِنَ التَّنَابُتِ وَ الشَّجَرِ مَا لَا سَاقَ یَسْجُدْنَ ۶
 یَنْفُضَانِ بِمَا یُرِادُ مِنْهُمَا وَ السَّمَاءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ۷ اَثْبَتَ الْقَدْلَ اَلَّا تَطْغَوْا اِنِّیْ لَا
 تَخْزُوْنَ فِی الْمِیْزَانِ ۸ مَا یُوزَنُ بِهِ وَ اَقْبِمُوا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَ لَا تَحْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۹
 تَنْفُصُوا الْمُتَّوْزِنَ وَ الْاَرْضَ وَ وَضَعَهَا اَثْبَتَهَا لِلا تَنَامَ ۱۰ لِلْخَلْقِ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ وَ غَیْرِهِمْ فِیْهَا فَارِکَهُ ۱۱ وَ
 النَّخْلُ النَّعْهُودُ ذَاتُ الْاَکْکَامِ ۱۲ اَوْ عِیْنُهُ طَلَبُهَا وَ الْحَبُّ كَالْحِطَّةِ وَ الشَّعِیْرُ ذُو الْعَصْفِ الْبِیِّنِ وَ
 الْزَیْتَانِ ۱۳ الْوَرَقِ اَوْ الْمَسْمُومِ فِیْ اٰی الْاٰءِ نَعَمْ رَبِّکُمْ اٰیٰتِهَا الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ تُکَذِّبْنَ ۱۴ ذُکِرَتْ اِخْدَى
 زَیْتِیْنِ مَرَّةً وَ الْاِشْتِیْهَامِ فِیْهَا لِلتَّقْرِیْرِ لِمَا رَوَى الْخَاکِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَیْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
 عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ سُورَةَ الرَّحْمٰنِ حَتّٰی خَنَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لَیْ اَزْکَمُ سُکُوْنَا لِلْجِنِّ کَانُوْا حَسَنَ مِنْکُمْ وَ ذَا مَا
 قَرَأَتْ عَلَیْهِمْ هَذِهِ الْاٰیةُ مِنْ مَرَّةٍ فَبَايَ الْاِءِ رَبِّکُمْ اٰیٰتِهَا الْاِنْسِ اَلَّا قَالُوْا اَوْ لَا شَیْءٍ مِنْ نَعْمِکَ رَبَّنَا تُکَذِّبُ
 فَلَکَ الْحَمْدُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اِذْ مِنْ صَلْصَالٍ طَیْنٍ یَابِسٍ یُشْمَعُ لَهُ صَلْصَلَةُ اٰی صَوْتٍ اِذَا نَفَرَ
 کَالْفَخَّارِ ۱۵ وَ هُوَ مَاصِیخٌ مِنَ الطَّیْرِ وَ خَلَقَ الْجَانَّ اَبْنَ الْجِنِّ وَ هُوَ الْبَلِیْسُ مِنْ قَارِیجٍ مِّنْ نَّارٍ ۱۶ هُوَ لَهَا
 الْخَاطِرُ مِنَ الدَّخَانِ فِیْ اٰی الْاِءِ رَبِّکُمْ اٰیٰتِهَا الْاِنْسِ رَبُّ الْمَشْرِقِیْنِ مَشْرِیْقِ الشِّتَاءِ وَ مَشْرِیْقِ الصَّیْفِ وَ
 رَبُّ الْمَغْرِبِیْنِ ۱۷ کَذِبْکَ فِیْ اٰی الْاِءِ رَبِّکُمْ اٰیٰتِهَا الْاِنْسِ رَبُّ الْبَحْرِیْنِ الْعَدَابِ وَ الْمَلْحِ

يَلْتَوِيْنَ ۝ فَبِي زَايِ الْعَنَبِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ خَاجِزٌ مِّنْ قُدْرَتِهِ تَعَالَى لَا يَبْغِيْنَ ۝ لَا يَبْغِيْ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا
 عَلَى الْاٰخِرِ فَيَسْتَغْلِطُ بِهٖ لِبَايَةِ الْاٰءِ رَبِّكُمَا فَكَلِّبَيْنِ ۝ يَخْرُجُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مِنْ
 مَّجْمُوْعِهِمَا الضَّادِيُّ بِاَخْذِهِمَا وَهُوَ الْمَبْلَغُ اللَّوْلُو وَالْمَرْجَانُ ۝ خِزْرًا اَحْمَرًا وَصِغَارًا لِّلْوَلُو فَبَايَةِ
 الْاٰءِ رَبِّكُمَا فَكَلِّبَيْنِ ۝ وَ لَهُ الْجَوَادِ السُّفُنُ الْمُنْتَشِطَةُ الْمُعْدِنَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ كَالْجِبَالِ

عظمتا وارتفاعا فباي الاء ربكما فكليبين

ترجمہ: زمین نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھایا۔
 سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تناور درخت (جن ہزیوں کے تناہیں ہوتا) اور تناور درخت دونوں
 تابعدار (قدرت کو جو کچھ ان سے منظور ہے وہ پورا کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے ترازور کھدی (انصاف
 قائم کیا) تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین و
 خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کیلئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے (خاص) درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے
 (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گیہوں جو) جس میں بھوسا (تکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سوتم دونوں
 (اے انس و جن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں
 استفہام تقریر کیلئے ہے۔ حاکم نے جابر سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورہ رحمن پوری پڑھ کر فرمایا کہ تم خاموش
 کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فَبَايَةِ الْاٰءِ رَبِّكُمَا فَكَلِّبَيْنِ ۝ سن کر یہ کہا۔ ولا بشئ من
 نعمك ربنا نكذب فلک الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ نے
 حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بھتی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح
 (مٹی جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابو الجن، ابلیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں
 دھواں شامل نہ ہو) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق (سردیوں، گرمیوں) اور
 اور دونوں (سردیوں، گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ
 گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو کہ باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں نے
 درمیان ایک حجاب ہے (قدرت الہی کی آڑ) کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سوتم دونوں اپنے
 پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجبور و معروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ
 سے جو دریائے شور پر صادق آتا ہے) موتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی
 نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہڑوں کی طرح (بڑائی
 اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَلَّمَ الْبَيَانَ: فیر کے سامنے مالی الغمیر کی تعبیر کو بیان کہتے ہیں۔

قوله: بِخُضَعَانٍ: الامت کرنا۔

قوله: وَضَعَهَا: پانی پر بجا کر حفاظت کی۔

قوله: أَرْعَبْنَا الْأَكْمَامَ: فکونے یا گامے کا غلاف۔

قوله: ذَوِ الْعَصْفِ: خشک چارہ، بھوسہ۔

قوله: وَالرَّيْحَانُ: رزق مریحان اشدا سے رزق للہ۔

قوله: الْمُشْمُومُ: خوشبو۔

قوله: الْمَخَارِ: ٹھیکری۔

قوله: مِن كَالِ: یہ مارچ کا بیان ہے۔

قوله: اللؤلؤ: بڑے موتی، مرجان: چھوٹے موتی۔

قوله: بِنَفْسٍ: یہ تہدید کے لیے استعارہ استعمال کیا ہے۔

قوله: مَارِجٍ: پلٹ۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الرحمن مدنی ہے عام طور پر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کے نزول کے بعد صحابہ کو ایک مجمع میں یہ سورت اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی اس کی اٹھتر آیات اور تین رکوع ہیں۔ سورۃ الرحمن کے کلمات کی عظمت و خوبی اور انکا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان لكل شيء عروسا وعروس القرآن الرحمن" کہ ہر چیز کی ایک زینت و خوبصورتی ہوتی ہے جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہ کی ایک ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم و فہم کے ذکر کے بعد شمس و قمر، نجم و شجر اور ہوا و آبی عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کا پروردگار عالم کے سامنے مطہج و فرماں بردار

ہونا بیان کیا اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم و جاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اسکی نافرمانی شقاوت و بد نصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے غافل نہ ہونا چاہئے اس ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ مطیعین پر انعام و کرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور ان کی ذلت و رسوائی کیسی ہوگی،

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے اور اس مجمع میں آپ ﷺ نے از اول تا آخر سورۃ الرحمن تلاوت فرمائی حضرات صحابہ خاموش بیٹھے سنتے رہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ اسکی تلاوت کو سن کر اچھا جواب دیتے رہے بہ نسبت تمہارے (کرم خاموش رہے) میں دوران تلاوت جب بھی یہ آیت پڑھتا: "فبأبي الآء ربكما تكذبن" کہ اے جن انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے تو جن ہر مرتبہ اس آیت کو سن کر کہتے: لا بشيء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد۔ نہیں اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے بس تیرے ہی واسطے ہر طرح تعریف و خوبی ہے۔

فقہاء حنفیہ و مالکیہ اور اکثر ائمہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوة جب بھی سورۃ الرحمن تلاوت کی جائے تو سننے والوں کے لیے سنت طریقہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ سنتے ہوئے جواباً یہ کلمات کہے جائیں، البتہ دوران نماز کیونکہ استماع و انصات لازم ہے اس لئے دل ہی دل میں اس مضمون کا تصور کر لے،

الرَّحْمٰنُ ۝

رابطہ سورت اور حمد فبأبي الآء ربكما کے تکرار کی حکمت:

اس سے پہلی سورت القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب الہی آنے کے متعلق تھے اسی لئے ہر ایک عذاب کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک خاص جملہ بار بار استعمال فرمایا ہے، یعنی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَعَذَابِي، اور اس کے متصل ایمان و اطاعت کی ترغیب کے لئے دوسرا جملہ وَلَقَدْ يَسْتَكْبِرُونَ فَالْقُرْآنُ بَار بَار لایا گیا ہے۔

سورۃ الرحمن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین حق تعالیٰ کی دنیوی اور اخروی نعمتوں کے بیان میں ہیں اسی لئے جب کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا تو ایک جملہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکر نعمت کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا: فبأبي الآء ربكما فَكَيْفَ بَيْنَ ۝ اور پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس مرتبہ لایا گیا ہے، جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے وہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں خصوصاً قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جس جملے کا تکرار ہوا ہے وہ تو صورت کے اعتبار سے تکرار ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے، کیونکہ سورۃ قمر میں برتنے عذاب کے بعد اس کے متعلق (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي) آیا ہے، اسی طرح سورۃ الرحمن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے بعد (فبأبي الآء) کا تکرار کیا گیا ہے جو ایک نئے مضمون کے متعلق ہونے کے سبب تکرار محض

ہیں، علامہ سیوطی نے اس قسم کے تکرار کا نام تردید بتلایا ہے، وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا، بشر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں، یہ موقع ان کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں۔

آج پوری سورت میں حق تعالیٰ کی دنیوی اور دینی نعمتوں کا ذکر مسلسل ہوا ہے، عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی گئی اور سب سے بڑی نعمت قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم انسان کے معاش اور معاد، دین اور دنیا دونوں کی خیرات و برکات کا جامع ہے، جنہوں نے قرآن کو لیا اور اس کا حق ادا کیا، جیسے صحابہ کرام حق تعالیٰ نے ان کو آخرت کے درجات اور نعمتوں سے تو سرفراز فرمایا ہی ہے دنیا میں بھی وہ درجہ اور مقام عطا فرمایا جو بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں۔

قاعدے کے مطابق لفظ علم کے دو مفعول ہوتے ہیں، ایک وہ علم جو سکھایا جائے، دوسرے وہ شخص جس کو سکھایا جائے، یہاں آیت میں وہ چیز تو بتلا دی گئی جو سکھائی گئی ہے، یعنی قرآن، دوسرا مفعول یعنی قرآن جس کو سکھایا گیا اس کا ذکر نہیں کیا، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ نے جن کو تعلیم دی، یعنی رسول اللہ ﷺ ہی مراد ہیں، پھر آپ کے واسطے سے ساری مخلوقات اس میں داخل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنزیل قرآن کا مقصد ساری ہی خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانا اور سب ہی کو اخلاق و اعمال صالحہ کا سکھانا ہے، اس لئے کسی خاص مفعول کی تخصیص نہیں کی گئی، دوسرا مفعول ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسی عموم کی طرف ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ انسان کی تخلیق خود حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، اور ترتیب طبعی کے اعتبار سے وہی سب سے مقدم ہے، یہاں تک کہ تعلیم قرآن جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ تخلیق کے بعد ہی ہو سکتی ہے، مگر قرآن حکیم نے نعمت تعلیم قرآن کو مقدم اور تخلیق انسان کو موخر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ جنی میں نے جن و انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم الہی کے نہیں ہو سکتی، اسی کا ذکر پھر قرآن ہے، اس لئے اس حیثیت میں تعلیم قرآن تخلیق انسان سے مقدم ہو گئی۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو عطا ہوئیں وہ بے شمار ہیں، ان میں خاص طور پر تعلیم بیان کو یہاں ذکر فرمانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نعمتوں کا تعلق انسان کے نشوونما اور وجود و بقا سے ہے مثلاً کھانا پینا، سردی گرمی سے بچنے کے سامان، رہنے بسنے کا انتظام وغیرہ ان نعمتوں میں تو ہر جان دار انسان اور حیوان شریک ہے، وہ نعمتیں جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں سے پہلے تو تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا اس کے بعد تعلیم بیان کا، کیونکہ تعلیم قرآن کا افادہ استفادہ بیان پر موقوف ہے۔

اور بیان میں زبانی بیان بھی داخل ہے، تحریر و خط اور افہام و تفہیم کے جتنے ذرائع حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ بیان کے مفہوم میں شامل ہیں اور پھر مختلف خطوں، مختلف قوموں کی مختلف زبانیں اور ان کے کاودرات سب اسی تعلیم بیان کے اجزاء ہیں جو وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا کی عملی تفسیر ہے، فترک الله احسن الخلقین۔

الْكَوْمُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝

انسان کے لئے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس و قمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام کاران دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے اور لفظ حُسْبَان بضم الحاء بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنی میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، قرآن، اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس و قمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور انداز سے کے مطابق چل رہا ہے، اور اگر حُسْبَان کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورہ کا الگ الگ حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔

یہ زمانہ سائنس کی معراج کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اس کی حیرت انگیز نئی نئی ایجادوں نے عقلاء کو حیران کر رکھا ہے، لیکن انسانی مصنوعات اور ربانی تخلیقات کا کھلا ہوا فرق بردیکھنے والا دیکھتا ہے کہ انسانی مصنوعات میں بگاڑ اور سنوار کا سلسلہ ایک لازمی امر ہے، مشین کوئی کتنی ہی مضبوط و مستحکم ہو کچھ عرصہ کے بعد اس کو مرمت کی اور کم از کم گریس وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت تک کے لئے وہ مشین معطل رہتی ہے، حق تعالیٰ کی جاری کی ہوئی یہ عظیم الشان مخلوقات نہ کبھی مرمت کی محتاج ہے نہ کبھی ان کی رفتار میں کوئی فرق آتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝

نجم اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بیل پھیلتی ہے تانہیں ہوتا اور شجر تندہ دار درخت کو کہتے ہیں، یعنی ہر قسم کے درخت خواہ بیل والے ہوں یا تنے اور شاخوں والے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنا چونکہ انتہائی تعظیم اور اطاعت کی علامت ہے، اس سے مراد یہاں یہ ہے کہ ہر ایک درخت، پودے اور بیل اور اس کے پتوں اور پھلوں اور پھولوں کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں اور انسان کے فوائد کے لئے بنایا ہے اور گویا ہر ایک کی ایک ڈیوٹی مقرر کر دی ہے کہ وہ فداں کام کیا کرے، ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے اور حکم ربانی کے تابع، اس میں رکھے ہوئے فوائد اور خواص سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اسی تکوینی اور جبری اطاعت حق کو اس آیت میں سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (روح بظہری)

وَالسَّمَاءَ رُفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝

رفع اور وضع دو متقابل لفظ ہیں، رفع کے معنی اونچا اور بلند کرنے کے ہیں اور وضع کے معنی نیچے رکھنے اور پست کرنے کے آتے ہیں، اس آیت میں اول آسمان کو بلند کرنے اور رفعت دینے کا ذکر ہے، جس میں ظاہری بلندی بھی داخل ہے اور معنوی یعنی درجہ اور رتبہ کی بلندی بھی کہ آسمان کا درجہ زمین کی نسبت بالا و برتر ہے، آسمان کا مقابل زمین سمجھی جاتی ہے اور پورے قرآن میں اسی تقابل کے ساتھ آسمان و زمین کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں رفع سماء کا ذکر کرنے کے بعد وضع میزان کا ذکر کیا گیا ہے جو آسمان سے تقابل میں نہیں آتا، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی

جنتہ آسمان کے قتل میں زمین کو لایا گیا ہے جیسا کہ تین آیتوں کے بعد (وَالْأَرْضُ وَنَحْنُ بِالْأَعْيُنِ) آیا ہے تو دراصل
 کل سطح ۱۰۰ اور سطح ارض ہی کا ہے۔ مگر ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز یعنی وضع میزان کا ذکر کسی خاص حکمت سے کیا
 گیا ہے یہاں معلوم ہوتا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وضع میزان اور پھر اس کے بعد میزان کے صحیح استعمال کا حکم جو بعد کی
 نبی آیتوں میں آیا ہے اس سب کا خلاصہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے اور کسی کی حق تلفی اور ظلم و جور سے بچانا ہے، یہاں وضع
 میزان وضع ارض کے درمیان آیات میزان کے ذکر میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق کی اصلی غایت و
 مشورہ کی ہالہ میں عدل و انصاف کا قیام ہے اور زمین میں اس دامن بھی عدل و انصاف ہی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے، ورنہ فساد
 ہی بنا ہوتا، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں حضرت قتادہ، مجاہد، سدی وغیرہ نے عدل سے کی ہے، کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی
 ہے اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معروف معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل و
 انصاف سے کام لیا جائے اور میزان کے معنی میں ہر وہ آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے، خواہ وہ دوپٹے والی
 زازوہ یا کوئی جدید آلہ ہی تلاش۔

اللَّهُ تَقْوَىٰ الْيَتِيمَانِ ﴿۱۰﴾ پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے،
 لغز، غلیان سے مشتق ہے، جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں، مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم
 وزن میں کمی بیشی کر کے ظلم و جور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

وَالْعَصْفُ دُوَّ الْعَصْفِ، لفظ حب بفتح حاء وتشدید باء دانے یعنی نلے کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم، چنا، چاول، ماش، مسور وغیرہ
 اور عصف اس بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر پیک کیا ہو دانہ بقدرت خداوندی حکمت باللہ پیدا کیا جاتا ہے، عصف یعنی
 بوسے کے غلاف میں پیک ہو کر خراب ہواؤں اور مکھی مچھر وغیرہ سے پاک و صاف رہتا ہے، دانے کی پیدائش کے ساتھ دُو
 الْعَصْفِ کا لفظ بڑھ کر نافع انسان کو اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی، دال وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس
 کا ایک ایک دانہ مالک و خالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا اور پھر کس طرح اس کو حشرات الارض
 سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ تمہارا اقمہ تر بنا، اس کے ساتھ شاید عصف کو ذکر کرنے سے
 یہ بھری لبت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ عصف (بھوسہ) تمہارے سونٹھی کی نذاجتا ہے، جن کا تم دودھ پیتے ہو اور سواری و
 ہیناری کی خدمت ان سے لیتے ہو۔

وَالزُّبْحَانَ ﴿۱۱﴾ اور بحان کے مشہور معنی خوشبو کے ہیں اور ابن زید نے یہی معنی آیت میں مراد لئے ہیں کہ اس نے زمین
 سے نیا ہونے والے درختوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں اور خوشبودار پھول پیدا فرمائے اور کبھی لفظ زبحان بمعنی مطر اور
 زنگی استعمال کیا جاتا ہے، خربت اطلب ریحان اللہ، یعنی میں نکلا اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے حضرت ابن عباس نے
 آیت میں ریحان کی تفسیر رزق ہی سے کی ہے۔

لَقَدْ كَانَ آيَاتُ رَبِّكَ مُتَعَدِّينَ ﴿۱۲﴾ لفظ آلاء جمع ہے نعمتوں کے معنی میں اور مخاطب اس کا انسان اور جن ایسا، جنی اے جن و

اس اور پر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کسی کسی کے جھلانے کی جرات کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جاسکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت: **فَبِأَيِّ آيَةٍ ذَكَرْتُمْ إِنَّا نَكْتُبُ الْوَجْهَ** سے تو جواب دے: **بِأَيِّ آيَةٍ ذَكَرْتُمْ إِنَّا نَكْتُبُ الْوَجْهَ** (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھلاتے۔ سب حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے)

التخذ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھلاتے۔ سب حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے) (تسبیح) مگر جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا۔ لیکن امام میں وہ شامل ہیں۔ اور (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي) (الذاریات: ۵۷) میں دونوں کا عبادت کے لیے پیدا ہونا مذکور ہے۔ یہ اس آیت کے بعد متصل ہی آدی اور جن کی کیفیت مختص بتائی گئی ہے، اور چند آیات کے بعد: **سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيَّةَ الثَّقَلَانِ** اور **يَا مَعْشَرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ** میں صریحاً جن و انس کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ قرآن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝

انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق:

یہاں بیان ہوا ہے کہ انسان کی پیدائش یعنی والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تمامہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے پیدا کئے گئے ہیں پھر اپنی کسی نعمت کے جھلانے کی ہدایت کر کے فرمایا ہے جازے اور گرمی کے دوسورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے دو سے مراد سورج نکلنے اور ڈوبنے کی دو طرف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی جگہیں رحمتی ہیں ہر دن انقلاب لاتا ہے جیسے دوسری آیت میں مشرق و مغرب کا رب وہی ہے تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ تو یہاں مراد جنس مشرق و مغرب ہے اور دوسری مشرق و مغرب سے مراد طلوع و غروب کی دو جگہ ہیں، اور چونکہ طلوع و غروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت جتنی تھی اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ اس کی قدرت کا مظاہرہ دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جاسکے یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں۔

سورہ فرقان کی آیت: **وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَجَنًّا مَبْثُورًا** (الفرقان: ۵۳) کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح مگر رکھی ہے امام ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا تھلا ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لالہ پیدا ہوتا ہے واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو

اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے آسمان و زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا۔ ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے۔ جیسے اور جگہ جن دنس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسان میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریا پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے لولؤ یعنی موتی کو کہتے ہیں کہ اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جو اہر کو کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں سرخ ہرے کا نام ہے اور آیت میں ہے: (وَمِنْ كُلِّ تَاكُوفٍ لَّحْيَا ظَرِيًّا وَتَسْتَغْرِجُونَ حَبْلَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَكْرِي الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ زِيْرًا كَالْتِي هُوَ خَيْرٌ مِّمَّالِي تَوَكْهَارِي اُوْرِيْطُصَّ دُونُوں پَانِي سَ نَكْتِي هَ اُوْر مَوْتِي مَوَكَّي سَرَفِ كَهَارِي پَانِي مِي سَ نَكْتِي هِي بِيْطُصَّ مِي سَ نَهِسَ نَكْتِي حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لولؤ بن جاتا ہے اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے منہ برستے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بی شمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کر دو گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انہوں کو ادھر سے ادھر لے آتے ہیں یہ بھی تو اس اللہ کی ملکیت میں ہیں اس مالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ انکار کئے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عیسیٰ بن سوید فرماتے ہیں میں اللہ کے شیر حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا ایک بلند وبال بڑا جہاز آ رہا تھا اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو امواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمان غنی کو قتل کیا نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا نہ ان سے خوش نہ ان پر نرم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا اَيُّ الْاَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ فَاِنْ هَالِكٍ وَعَبَّرَ بِمَنْ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ وَيَبْقَى وَجْهَ رَبِّكَ ذَاتَهُ ذُو الْجَلْلِ الْعَظْمَةِ وَالْاَكْرَامِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْعَمِهِ عَلَيْهِمْ فَبِأَيِّ آيَةٍ رَبِّكُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَيُّ يَبْطِقُ اَوْ حَالٍ مَا يَحْتَاجُوْنَ اَلَيْهِ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ كُلِّ يَوْمٍ وَقْتٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ اَمْرٌ يَظْهَرُهُ فِي الْعَالَمِ عَلَى وَفْقِ مَا قَدَّرَهُ فِي الْاَزَلِ مِنْ اَحْيَائِهِ وَاَمَاتِهِ وَاَعْزَازِ وَاذْلَالِ وَاَعْنَاءِ وَاَعْدَامِ وَاَحَابِيَةِ ذَاعٍ وَاَعْطَاءِ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَبِأَيِّ آيَةٍ رَبِّكُمْ

تُكَذِّبِينَ ۝ سَنَفَعُ لَكُمْ سَتَقِصِدُ لِحِسَابِكُمْ آيَةَ الثَّقَلَيْنِ ۝ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ قِبَايَ آيَةِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبِينَ ۝ يَعْشُرُ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ نَوَاحِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۝ أَمْرٌ تَعْجِيزٌ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ۝ بِمَقُورَةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ قِبَايَ آيَةِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوَاكِبٌ مِنْ نَارٍ ۝ هُوَ لَهَا خَالِصٌ مِنَ الدُّخَانِ أَوْ مَعَهُ وَنَحَاسٌ أَيْ
دَخَانٌ لَا لَهَا فِيهِ فَلَا تَنْتَصِرِينَ ۝ تَمْتَتِعَانِ مِنْ ذَلِكَ بَلْ يَسْؤِفُكُمْ إِلَى الْمُخْشِرِ قِبَايَ آيَةِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبِينَ ۝ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَسُجَّتْ أَسْوَابُ السَّمَاءِ ۝ فَمَا تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ فَكَانَتْ وَرْدَةً أَيْ مِثْلَهَا مُخْمَرَةٌ
كَالدِّهَانِ ۝ كَالْأَدِيمِ الْأَحْمَرِ عَلَى خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا وَجَوَابِ إِذَا فَمَا أَغْطَمَ الْهَوَلُ قِبَايَ آيَةِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ عَنْ ذَنْبِهِ وَيَسْأَلُونَ فِيهِ وَقْتُ آخِرِ
فَوْرَتِكَ لَتَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ وَالْجَانَ هُنَا وَفِيهَا سَيَاتِي بِمَعْنَى الْجِنِّي وَالْإِنْسِي فِيهِمَا بِمَعْنَى الْإِنْسِي
قِبَايَ آيَةِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيَاهِهِمْ أَيْ سَوَادِ الْوُجُوهِ وَزُرْقَةِ الْعُيُونِ فَيُؤْخَذُ
بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ قِبَايَ آيَةِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ أَيْ تَصْمُ نَاصِيَتُهُ كُلِّ مِثْلَهُمَا إِلَى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْفِ
أَوْ قُدَامِ وَيُلْقَى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ يَطُوفُونَ يَبْعُثُونَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَبِيبٍ ۝ حَارِ أَنْ ۝ شَدِيدِ الْحَرَارَةِ يُسْقَوْنَ إِذَا اسْتَعَاثُوا مِنْ حَرِّ النَّارِ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ
كَقَضِ قِبَايَ آيَةِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ: جس قدر دئے زمین پر (جاندار چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ سن لانا بطور تغلیب عقدا ہے) اور
آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مؤمنین پر اندام کر کے) سو تم دونوں
کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی سے سب زمین و آسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی
قوت ہو یا رزق و مغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازلی کے مطابق
ہوتا ہے خواہ جلا تا ہو یا مارا، عزت دینا ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم
دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ عنقریب ہم تمہارے (حساب کے) کیلئے فارغ ہو چاہتے ہیں۔ (اے
انس و جن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اے جن اور انسانوں کے گردہ اگر تمہیں یہ قدرت

ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم ماجر کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر آگ یا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھوئیں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم نہ ہٹا سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں ڈھکیل دیں گے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (کلاب کی طرح) جیسے سرخ زری (لال چمرا جو اصلی ہیئت کے خلاف ہو اذاکا جواب فنا عظیم الحول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز نہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس کے گناہ کے متعلق، البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ قَوْرَبِيكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ہے اور الجان یہاں اور آگے بمعنی جنی ہے اور الانس بھی دونوں جگہ بمعنی انسی ہے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیاں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلا یا کرتے تھے۔ وہ لوگ گھومیں (دوڑیں) گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہوگا۔ آگ کی گرمی سے بہلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔ آن، قاض کی طرح قاضی پائی ہے) سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ: معلومات کے لیے پوچھا نہ جائے۔ تفتیش کے لیے سوال ہوگا یا طویل دن میں سوال ہوگا اور کسی نہ کبھی ہوگا۔
 قوله: جَانُّ: ابوالجن۔
 قوله: الْأَقْدَامِ: اکٹھا کر کے۔
 قوله: الدَّهَانِ: سرخ چمرا۔
 قوله: اِنْ: نہایت حرارت والا۔ یہ قاضی کی طرح ہے۔

تفسیر مقبولین

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٌ ۝

اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا:

فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا کل جائیداد مخلوق کو موت آ جائے گی اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکیں گے مگر جسے اللہ چاہے صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک ہے جو موت و فوت سے پاک ہے حضرت لادہ فرماتے ہیں اولاد تو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔ حضور ﷺ سے ایک منقول دعائیں یہ بھی ہے (یا حسنی یا قیوم یا بدیع السموات والارض یا ذا الجلال والاکرام لا الہ الا انت برحمتک نستغیث اصلح لنا شاننا کلمہ ولا تکلنا الی انفسنا طرفہ عین ولا الی احد من خلقک) یعنی اے ہمیشہ جینے اور ابدال آ باد تک باقی اور تمام قائم رہنے والے اللہ اے آسمان و زمین کے ابتدا پیدا کرنے والے۔ اے رب جلال اور بزرگی والے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہمارے تمام کام تو بنادے اور آکھ بھینکنے کے برابر بھی تو ہماری طرف نہ سوچ اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف۔ حضرت شبلی فرماتے ہیں جب تو آیت (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٌ ۝) پڑھے تو ٹھہر نہیں اور ساتھ ہی آیت: وَتَبْتَغِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (رضن: ۲۷) پڑھ لے۔ اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں ان الفاظ سے ہے آیت: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ لَهٗ الْحُكْمُ وَاللّٰهُ لَوَّجَعُوْنَ (القصص: ۸۸) سوائے ذات باری کے ہر چیز ناپید ہونے والی ہے پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے وہ ذوالجلال ہے یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کا جاہ و جلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رک جائے۔ جیسے اور جگہ ہے آیت (وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدُوَّةِ الْعَرِیْبِیَّةِ لَیُؤْتُوْا وَجْهَهُمْ وَلَا تَعْدُ عَیْنُکَ عَنْهُمْ (الکہف: ۲۸) جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں تو انہی کے ساتھ اپنے نفس کو دابستہ رکھ اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے پلاتے ہیں وہ کبریائی بڑائی عظمت اور جلال والا ہے پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور پھر اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا اللہ ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا ساتھ ہی فرمایا اب تم اے جن و انس رب کی کوئی نعمت کا انکار کرتے ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے سب کے سب سائل ہیں وہ غنی ہے سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے ہر مخلوق اپنے حال و حال سے اپنی حاجتیں اس کی بارگاہ میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا ہونے کا سوال کرتی ہے۔ وہ ہر دن نئی شان میں ہے اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے۔ مانگنے والے کو عطا فرمائے تنگ حالوں کو کشادگی دے مصیبت و آفات و انلوں کو رہائی بخشے بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے غم و ہم دور کرے

بے زاری مقرر کی کے وقت کی دعا کو قبول فرما کر اسے فرار اور آرام عنایت فرمائے۔ گنہگاروں کے واویلا پر متوجہ ہو کر خطا و گنہگاروں کو فرمائے گناہوں کو بخشنے زندگی وہ دے موت دے تمام زمین والے لکل آسمان والے اس کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوتے اور دامن پھیلائے ہوئے ہیں چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے نیک لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے ان کی پکار کا مدعا ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے غلاموں کو آزاد کرنے کی رغبت وہی دلانے والا اور ان کو اپنی طرف سے علیہ وہی عطا فرماتا ہے یہی اس کی شان ہے ابن جریر میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ وہ شان کیا ہے؟ فرمایا گناہوں کا بخشنا دکھ کو دور کرنا لوگوں کو ترقی اور تنزیل پر لانا ابن ابی حاتم میں اور ابن عباس میں بھی اسی کے ہم معنی ایک حدیث ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداء کے قول سے مروی ہے بزار سے کہ میں بھی اسی کے ساتھ مروفا مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے دروں تھے سرخ یا قوت کے ہیں اس کا علم نوری ہے اس کی جوڑائی آسمان زمیں کے برابر ہے۔ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ لے لے رکھتا ہے ہر نگاہ پر کسی کو زندگی دیتا اور مارتا اور عزت و ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

سُبْحٰنَ لَكَ اَيُّهَا الثَّقَلَيْنِ ﴿۱۰﴾

تاریخ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ یہ بہ طور تشبیہ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پہنچ تو جہ زمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی بلکہ صرف تمہارا حساب ہی ہوگا، مجاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نہ لوں گا تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا۔ (ثقلین) سے مراد انسان اور جن ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے اور حدیث صورتوں میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن و انس پھر تم اپنے رب کی نیند میں سے کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر چاہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس کا ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے جہاں میدان محشر میں واقع ہوگا کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے چاروں جانب ان کی سات سات ٹہلیں ہوں گی کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے، مرالہی یعنی حکم اللہ کے اور کچھ نہیں انسان اس لئے لگا لگا بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور آیت میں ہے: **اَلَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِ السُّبْحٰتُ جَزَاءً سَيِّئَةٍ مِّمَّا كَفَرَتْ عَلَيْهِمْ وَ تَزَهَّقُهَا ذَلٰلَةً** (پونس: ۲۷)، یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے انزال ملے گی ان پر ذلت سوار ہوگی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہوگا ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ککڑوں کے ٹھکانے پر چنٹی گردہ ہے جو ہمیشہ جنم میں ہی رہے گا۔ (شواظ) کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا لہنے والے ہوں۔ بعض کہتے ہیں بے دھوئیں کا آگ کا اور پر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے (نحاس) کہتے ہیں کہ یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قراءت نون کے پیش سے ہی ہے۔ نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی

گلی میں جہاں حضرت عیسیٰ جہاں سے مروی ہے کہ شیطاں سے مراد وہ شیطاں ہے جس میں دعوایں نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں مہینتی صحت کا شکر چاہ کر سنا۔ اور نعمت کے سوا کسی آپ نے کے ہیں محض دعوایں جس میں شیطاں نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایسا ہی شکر چاہ کر سنا۔ حضرت جبرائیل نے جہاں سے مروی ہے جو پھلایا جائے گا اور ان کے سرواں پر پہلایا جائے گا۔ ہم صحت طلب یہ ہے کہ اگر نعمت کے دن میدانِ محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جنم کے مدد سے فرپا آگ برسا کر دوں پھرتا کر قہر سے مر پر پھلتا ہوا حیل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ کسی فتح رہتے ہو نہ ان سے حکام لے سکتے ہو۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے۔

تَتَخَفَّرُ الْهَيْبَةُ وَالْإِلَاسُ

پہل آیت میں عین ہنس کو کھتہ حسین صاحب کر کے بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے روز ایک ہی کام ہوگا کہ سب جن و انس کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے بارے میں جزا و سزا ہوگی، اس آیت میں یہ بتلانا منظور ہے کہ روز جزا کی حاضری اور حساب اعمال سے کوئی شخص راضی و اختیار نہیں کر سکتا، کسی کی مہن نہیں جو موت سے یا روز قیامت کے حساب سے کہیں بھاگ کر نکلے، اس آیت میں عین کے ہائے متخفرتا نہیں و الیاس کے صریح نام ذکر فرمائے اور جن کو اس پر مقدم کیا شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ آسمان وزمین کے اظہار سے پار نکل جانا بڑی قوت و قدرت چاہتا ہے، جنات کو حق تعالیٰ نے ایسے امور کی قوت انسان سے زیادہ بخشی ہے، اس لئے جن کے ذکر کو مقدم کیا گیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اسے جنات اور ان نواہر تمہیں پر گمان ہو کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے اور اس طرح ملک الموت کے تصرف سے بچ جائیں یا میدانِ محشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے اور حساب کتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزمادیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان وزمین کے دائروں سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے تو بہت بڑی قوت و قدرت درکار ہے، جو جن و انس کی دونوں قوتوں کو حاصل نہیں، اس کا حاصل ان کا اقرار سما، واراض سے باہر نکلنے کا امکان و احتمال بتانا نہیں، بلکہ بطور فرض کرنا ان کا عاجز ہونا دکھانا ہے۔

آیت میں مراد ارموت سے فرار ہے تو یہی دنیا اس کا مصداق ہے کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ زمین سے آسمانوں تک کی حدود کو پھلانگ کر باہر نکل جائے اور موت سے بچ جائے، ان حدود کو پار کرنے کا ذکر بھی انسانی خیال کے مطابق کیا گیا ہے ورنہ بالفرض کوئی آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے بھی باہر نہیں اور ارموت محشر کے حساب کتاب اور جواب دہی سے فرار کا نام نہیں ہونا بتلانا ہے، تو اس کی عملی صورت قرآن کریم کی دوسری آیت اور روایات حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان شق ہو کر سب فرشتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے اور ہر حرف سے محاصرہ ہو گا، اس قیامت کی ہولناکی چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے، ہر سمت میں فرشتوں کا محاصرہ، دیکھو رپہرا اپنی بدونت آئیں گے۔ (روا)

فضائی سفر جو آج کل مصنوعی سیاروں اور راکٹوں سے ہو رہے ہیں ان کا اس آیت سے کوئی جوڑ نہیں:

اس زمانہ میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلے اور خلا میں سیارات پر نکلنے کے اثرات اور ہے ہمیں اس کا ہر ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں، بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے اور ہے ہیں، انظار اسماوات سے باہر اٹھ جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ انظار اسماوات کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے باہر اٹھنا تو کہا، اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان غامبی مسطوروں اور سیارات پر نکلنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں، بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو غامبی مسطوروں کے امکان و جہاز کے لئے پیش کرتے تھے، جو معالی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔

يَوْمَ تَأْتِي سَائِرَاتُ دُونِ كَذِبٍ كَانُوا يُعْتَدُونَ فَلَا تَلْمِزُنَّهُمْ

قیامت کے دن کفار انس و جان کی پریشانی، مجرمین کی خاص نشانی، پیشانی اور اقدام پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جائے:

ان آیات میں قیامت کے دن کا کچھ حال بتایا ہے اور مجرموں کا دوزخ میں داخلہ اور وہاں جہان کی بد حالی ہوگی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان حالات کا منطقی اظہار دینا بھی اہمیت ہے تاکہ لوگ کفر سے اور بد اعمالیوں سے بچیں اور قیامت کے دن بد حالی اور دوزخ کے داخلہ سے بچیں اس لیے ہر آیت کے شتم پر: *فَمَا كُنِيَ الْآدَمُ ذُرِّيَّتًا فَكُلُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّنْ دُونِهَا* فرمایا۔

اول تو یہ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم دونوں پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے اور دھواں بھی پھینکا جائے گا یہ دھواں بھی آگ ہی سے نکلا ہوا ہوگا چونکہ اس میں روشنی نہ ہوگی اس لیے اسے سماس یعنی دھوئیں سے تعبیر فرمایا، اس کے سخت گرم ہونے میں تو کوئی شک نہیں سورۃ الرسالت میں فرمایا ہے: *إِنظَلِقُوا إِلَىٰ جِلِّيٰظٍ يَخْتَلِفُ أَلْوَانُهُ فَسَوْدٌ مُّؤْتَمِرَةٌ كَالسَّمُومِ أَسْوَدٌ كَاللَّيْلِ أَوْ بَيْضٌ كَالصَّبْغِ أَوْ سَوْدِيٌّ كَالْحَمِيمِ أَوْ يَسْفِرُ كَالْبَرْقِ أَوْ كَالسَّمَاءِ الْوَهَّاجِ أَوْ كَالسَّمَاءِ الْوَهَّاجِ أَوْ كَالسَّمَاءِ الْوَهَّاجِ أَوْ كَالسَّمَاءِ الْوَهَّاجِ* (چاروں طرف جس کی تین شاخیں ہیں جو سیاہ والا نہیں ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے، بیشک وہ دوزخ بڑے بڑے انکارے پھینک رہا ہے جیسے بڑے بڑے ٹھل ہوں گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں، اس روز جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہوگی)۔ سورۃ الرسالت کی آیات میں بتا دیا کہ دوزخ سے جو دھواں نکلے گا بظاہر ایک سا تباہ معلوم ہوگا، دنیا میں جو سامان ہوتے ہیں وہ دھوپ اور سردی سے بچنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ دھواں اگر چہ تاریک ہوگا لیکن سخت گرم ہوگا اس دھوئیں سے بچنا نہ سکو گے نہ کوئی شخص اپنی در کھٹکانہ کسی دوسرے کی۔

پھر آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ فرمایا کہ جب وہ پھٹ جائے گا تو رنگت کے اعتبار سے ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے لال رنگ کا پڑا ہوا ہے، سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے: *وَيَوْمَ تَشْفَقُ السَّمَاوَاتُ بِالْغَمَامِ وَتُؤَلُّ السَّمَاوَاتُ تَنزِيلًا* (اور جس دن آسمان یک بدلنے پر سے پھٹ پڑے گا اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے) یہ قیامت کا دن ہوگا جس میں اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

پھر فرمایا اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ (مجرم سے سوال کبھی تحقیق حال کے لیے ہوتا ہے کیونکہ پوچھنے والے کو پوری طرح صورت حال معلوم نہیں ہوتی اور کبھی اسے بتانے اور جاننے کے لیے ہوتا ہے کہ تم نے ایسا کیا، اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے ہر چیز کی ہمیشہ سے اسے خبر ہے، بندوں کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے اعمال سے باخبر ہے، جو کبھی مجرمین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اسے اپنے علم میں لانے کے لیے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں

ہے، اس آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین سے ان کے اعمال کا سوال اس لیے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا جرم آجائے، سورۃ القصص کی آیت: **وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ الْمُجْرِمُونَ** میں بھی یہی بات بتائی اور دوسری قسم کا پوجنا جو اقرار کرنے اور جتانے کے لیے ہوتا ہے قیامت کے دن اس کا وقوع ہوگا جسے سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ: **فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِينَ** اور **أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ** میں بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ مجرموں کو ان کی علامت اور نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔ ان نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے: **وَنُحْشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُرْيًا وَّ بُهْمًا وَّ ضُمًّا** (اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا اور گونگا اور بہرہ کر کے منہ کے بل چھائیں گے) اور سورۃ طہ میں فرمایا: **وَنُحْشِرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَ بَيْدَا زُرْقًا، يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ** (اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے) کافروں کا چہروں کے بل چلنا پھر اندھا گونگا اور بہرہ ہونا اور آنکھیں نیلی ہونا یہ سب ان کی پہچان کی نشانیاں ہوں گی ان کے ذریعے کافروں کو پہچان لیا جائے گا اور ان کے قدموں اور پیشانی کے بال پکڑ کر گٹھڑی سی بنا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ جب جہنم میں ڈالے جانے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے مجرمین جھٹلاتے تھے اب جب دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے تو مختلف قسم کے غذاؤں میں مبتلا کیے جائیں گے دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان پکر لگاتے ہوں گے۔

جہنم تو آگ ہی آگ ہے اور آگ کے علاوہ بھی اس میں طرح طرح کے عذاب ہیں انہی عذابوں میں سے عذاب **الْحَبِيبِ** یعنی گرم پانی کا عذاب بھی ہے گرم پانی ان کے سروں پر بھی ڈالا جائے گا جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: **يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَبِيبُ** اور پینے کے لیے پانی طلب کریں گے تو گرم پانی دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الکہف میں فرمایا: **وَإِنْ يَسْتَعِينُوا يَأْتِيهِمْ مَاءٌ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ** (اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، وہ چہروں کو بھون ڈالے گا)۔

اور سورۃ محمد میں فرمایا: **وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ** (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا) اور سورۃ المؤمن میں فرمایا ہے: **يَسْعَبُونَ** «... فِي الْحَبِيبِ» ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ (وہ لوگ گرم پانی میں کھپڑے جائیں گے پھر انہیں آگ میں جلا یا جائے گا)۔

یہاں سورۃ رحمن میں فرمایا: **يَطْوِفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَبِيبٍ** اِنْ (وہ دوزخ کے اور سخت گرم پانی کے درمیان پکر لگائیں گے) مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ کبھی انہیں آگ میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا اور کبھی گرم پانی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

سورۃ الصافات کی آیت: **ثُمَّ إِنَّ مَرَجِعَهُمْ لَا إِلَىٰ الْحَبِيبِ** سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم پانی پلانے کے لیے انہیں گرم پانی کی جگہ لے جایا جائے گا پھر وہ اس جہنم یعنی آگ کی جگہ واپس لوٹا دیا جائے گا۔ بعض علماء نے آیت کے ظاہری الفاظ لے کر یہ کہا ہے کہ جہنم یعنی گرم پانی کی جگہ جہنم سے باہر ہوگی لیکن چونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دخول جہنم کے بعد پھر خروج ہو اس لیے دیگر

پانی کی گرم پانی کی جگہ بھی روزی ہی کی حدود میں اندر ہی ہوگی۔ گرم پانی پل کر واپس اپنے ٹھکانہ پر لائے جائیں گے۔ جو آگ ہی میں ہوگا حدود جہنم سے باہر جانا مراد نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ لفظان اسم قائل کا صیغہ ہے جو جم کی صفت ہے اس کا مادہ ایما ہے مفسرین نے اس کا ترجمہ بتاتے ہوئے لکھا ہے تقداسی حرہ یعنی وہ انتہائی حرارت کو پہنچ چکا ہوگا۔

وَمِنْ خَافٍ أَى لِكُلِّ مِثْلِهِمَا أَوْ لِمَجْمُوعِهِمْ مَقَامٌ رَّبِّهِمْ قِيَامِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِيَتَهُ
 جَنَّاتٍ ۖ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۝ ذَوَاتَا تَنْبِيئَةٍ ذُرَابٍ عَلَى الْأَصْلِ وَلَا مِثْلَهُمَا تَأْتَى أَفْئَانٍ ۖ أَعْصَانِ
 جَنَّةٍ قَدْ كَطَّلَ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ فِيهِمَا عَيْنٌ تَجْرِي ۖ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا
 تُكذِّبِينَ ۖ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهِةٍ فِي الدُّنْيَا أَوْ كُلِّ مَا يَتَمَكَّهُ بِهِ رُوحٌ ۖ تَوْعَانِ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَالْمُرْتَضِينَ
 مِثْلَهُمَا فِي الدُّنْيَا كَالْحَنْظَلِ حُلُوٌّ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ مُتَكِبِينَ عَلَى خَالٍ عَامِلِهِ مَحْدُوفٍ أَى
 يَتَمَتُّونَ فَرَشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ اسْتَبْرَقٍ ۖ مَا غَلِظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَخَسَنَ وَالظُّهَاهِيزِ مِنَ الشُّنْدُسِ وَجَنَّا
 الْجَنَّتَيْنِ نَمْرُهُمَا دَانٍ ۖ قَرِيبٌ يَنَالُهُ الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ
 فِيهِمَا فِي الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اشْتَمَلْنَا عَلَيْهِ مِنَ الْعَالِيَةِ وَالْقُصُورِ قُصُورَاتِ الظَّرْفِ ۖ الْعَيْنِ عَلَى أَرْوَاجِهِنَّ
 الْمُتَكِبِينَ مِنَ الْأَنْسِ وَالْحَجْرِ كَمْ يَطْمِئُنُّنَّ يَفْتَضُهُنَّ وَهِنَّ مِنَ الْجُورِ أَوْ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْيَا الْمُنْشَاتِ رَأْسِ
 نِبَاهِهِمْ وَلَا جَانٍ ۖ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ صَفَاءً وَالْمَرْجَانُ ۖ أَى اللُّوْلُؤُ
 يَأْضَأُ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ هَلْ مَا جَزَاءُ الْإِحْسَانِ بِالطَّاعَةِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۖ بِالنَّعِيمِ قِبَايَ
 الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ وَمِنْ دُونِهِمَا أَى الْجَنَّتَيْنِ الْمُدْكُورَتَيْنِ جَنَّاتٍ ۖ أَيْضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ
 قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ مُدْهَامَتَيْنِ ۖ سَوْدًا وَإِنْ مِنْ شِدَّةِ خُضْرَتَيْهِمَا قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا
 تُكذِّبِينَ ۖ فِيهِمَا عَيْنٌ لَصَّا حَاتِنٌ ۖ فَوَارِقَانِ بِالنَّاءِ لَا يَنْقُصَانِ قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ فِيهِمَا
 لَكِهُةٌ وَنُحْلٌ وَرُمَّانٌ ۖ هُمَامِنَهَا وَبَيْلٌ مِنْ غَيْرِهَا قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ فِيهِمَا أَى
 الْجَنَّتَيْنِ وَالْقُصُورِ هُمَا خَيْرَاتُ أَخْلَاقًا حِسَانٌ ۖ رُجُوهَا قِبَايَ الْأَعْرَافِ رِبِّكُمَا تُكذِّبِينَ ۖ حُورٌ شَدِيدَاتُ
 سَوَادِ الْعَيْنِ وَيَبَاضُهَا مَقْصُورَاتٌ مَشْهُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۖ مِنْ دُرِّ مَجُوفٍ مَضَافَةٌ إِلَى الْقُصُورِ

خَبِيثَةٌ بِالْمَعْنَىٰ قَبِيحَةٌ وَرَبُّهَا مَكْتُوبٌ لَمْ يَكُنْ يَتْلُمُهُنَّ لَأَنَّ قَبْلَهُمْ جَلَّ أَرْوَاجُهُنَّ وَوَجَّ
 جَاءَ لِي قَبِيحٌ قَبِيحٌ وَرَبُّهَا مَكْتُوبٌ لَمْ يَكُنْ يَتْلُمُهُنَّ عَلَىٰ أَيْ أَرْوَاجُهُنَّ وَاعْتِرَافًا كَمَا تَقَدَّمَ وَكَرَبٌ حَطَبٌ
 خَشَعٌ زَوْفِيَةٌ نَمِي تَسْعُ نُورًا مَبْدُؤُهَا وَتُخْبِرُ فِي حَسَابِهَا خَشَعٌ عَجْفَرِيَّةٌ أَيْ طَنَافِسُ قَبَائِحِ الْآلَاءِ وَرَبُّهَا
 كَيْفَ مَكْتُوبٌ تَبَيَّنَ لَنَا نَهْجُهَا وَتَجَنَّبَ الْكَوَامِرُ تَقَدَّمَ وَلَقَطْنَا اسْمَ زَائِلَةٍ

تو کچھ نہیں: مہرہ خمس (جن و منن و دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے لڑتا رہتا ہو (حساب
 کیلئے اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کیلئے دوہرے باغ ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے
 پہنچا گا کہ کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے دونوں باغ (ذواتا، ذوات کا مشابہ ہے اپنی اصل پر۔ اور اس میں لام تاہر
 کہ) گئے ہوں گے (اعمال ہستی اخلاقیات ہے جس کی جمع ہے جسے طلل کی جمع اطلاق ہے) سوائے جن و انس تم دونوں
 اپنے پہنچا گا کہ کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں اور نقشے جاری ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے
 پہنچا گا کہ کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر
 انٹ اور حرد اور چینل) دوہرے ہوں گے (مازہ اور خشک) دونوں طرح کے میوے ہوں گے۔ دنیا کا کڑوا پھل جیسے
 اندامین، دوہرے ہوں گے (ہاں شریعہ ہوگا) سوائے جن و انس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ
 گمراہ گئے (یہ حال نہیں کا کامل مخالف ہے یعنی یسنعون) ایسے فرشتوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر و ہیز ریشم کے ہوں
 گے (ریشمی ہونے اور کھردرے اور فرش کے برے پار یک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب
 ہوں گے (اپنے کھڑے ہنٹے، لیٹے ہر طرح میسر آ جائیں گے) سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر
 ہو جاؤ گے۔ ان میں (ہفت اور ان کے متعلقات بالا خانے اور کلمات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے
 خاندانوں پر رہتی ہے جو جن و انس میں سے منہ نشین ہوں گے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن و شوکی کے معاملات نہیں ہوئے
 ہوں گے۔ یہ حوران جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح نئی پیدا کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن
 نے۔ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ گویا وہ (مٹائی میں) یا قوت ہیں اور (سفیدی
 میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا اطاعت
 (فرمانبرداری) کا بدلہ اتنی ہی سعادت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی
 نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم
 اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (انہ کی جانب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کیلئے) وہ باغ گہرے
 سبز رنگ کے ہوں گے (گہری ہیزی کی وجہ سے) کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت
 کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں دو نقشے اعلیٰ رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہوں گے) سوائے جن و انس تم اپنے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ایک دل بنا دیا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا گھر ہے جہاں وہ اپنے اپنے دکھ، غم، اور سزا کو رکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا دفتر ہے جہاں وہ اپنے اپنے راز، اسرار، اور حقیقتوں کو لکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا گنجینہ ہے جہاں وہ اپنے اپنے خزانوں، دولتوں، اور نعمتوں کو رکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا مینار ہے جہاں وہ اپنے اپنے نور، روشنی، اور حقیقتوں کو دکھاتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا آئینہ ہے جہاں وہ اپنے اپنے چہرے، صورتوں، اور حقیقتوں کو دیکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا گھر ہے جہاں وہ اپنے اپنے دکھ، غم، اور سزا کو رکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا دفتر ہے جہاں وہ اپنے اپنے راز، اسرار، اور حقیقتوں کو لکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا گنجینہ ہے جہاں وہ اپنے اپنے خزانوں، دولتوں، اور نعمتوں کو رکھتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا مینار ہے جہاں وہ اپنے اپنے نور، روشنی، اور حقیقتوں کو دکھاتا ہے۔ دل انسان کے لیے ایک ایسا آئینہ ہے جہاں وہ اپنے اپنے چہرے، صورتوں، اور حقیقتوں کو دیکھتا ہے۔

کلمۃ تفسیر یوں جیسی تھی

- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔
- قوله لا یفکون بقیۃ من الذل والذلۃ - ایسا تھی۔

تفسیر یوں جیسی تھی

دل تفریق کی دو جنتیں ہر انسان کی صفات:

ان آیت میں دل جنت کے بعض خصوصیات کا ذکر فرمایا اور ہر نعت بیان کرنے کے بعد یہ آئی آذکارہ و تہناتنا تہناتنا
فرمایا ہے کہ اسے جس میں نماز ہے، جس میں نماز ہے، پہلے رکوع میں دنیاوی جنتوں کا ذکر فرمایا اور پھر
رکوع میں آخر تک جنت کا ذکر فرمایا اور دوسرے رکوع میں جنت ہر انسانوں کے عذاب کا ذکر فرمایا جس میں قیامت کے
دن ہر اس کے بعد روزانہ میں ہر جن جہنم میں ہے۔

ذکر ہوا آیات میں دل تو یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہوں گے۔
جنت لہو بہت زیادہ ہے ہر باغ میں ایک باغ ہے جو حسب اعمال جنتیوں کو دیے جائیں گے۔ جو حضرات
گناہوں سے بچتے ہیں اور نیک اعمال سے ڈرتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو دو باغ
میں سے نیک اعمال کا ثواب ان سے دیا جائے گا۔ یہ سورہات اور عبادات پر لکھے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ تَقُونَ لَأُولَئِكَ نَجِّنَا مِنَ عَذَابِ النَّارِ (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے
سے ڈرا اور اللہ تعالیٰ کو انہوں سے ڈرا اس کا ثواب جنت ہوگا)۔

حضرت ابوسلمہ نے آیت کریمہ: وَأَنْتُمْ خَلْقٌ مُّخْتَلَفٌ لِّرَبِّهِمْ جَلِّسُ لِمَنْ يَّشَاءُ لِمَنْ يَّشَاءُ کی پھر فرمایا کہ دو جنتیں ہونے کی ہیں جو
ساہمین کے لیے ہیں اور دو جنتیں چاندنی کی ہیں جو ان دونوں کی ہوں گی جو ان کے تابع ہوں گے۔

(اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مرضی سے جو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی اعلم بالصواب)

ذکر ہوا ہالا دونوں جنتوں کی تین صفات ہیں: اول یہ کہ ان میں جو درخت ہوں گے انکی شاخیں خوب زیادہ ہوں
گی جو ہری بھری ہوں گی دیکھنے میں خوب اچھی اور پھل کی خواہش ہے کہ جب شاخیں اور ٹہنیاں خوب زیادہ ہوں گی تو پھل
بھی خوب زیادہ ہوں گے، دوسری صفت یہ بتائی کہ ان دونوں باغوں میں دو خوشے جاری ہوں گے، یہ خوشے روانی کے ساتھ بہتے
ہوں گے، دیکھنے سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی، اہل جنت کے چشموں کا ذکر سورہ الدھر اور سورہ اطفالیف میں بھی فرمایا ہے
سورہ الدھر میں ایک چشمہ کا نام سلسیل بتایا ہے اور سورہ اطفالیف میں ایک چشمہ کا نام تسنیم بتایا ہے، سورہ الدھر میں یہ بھی فرمایا
ہے إِنَّ الْأَكْثَرَ لِلْمُتْرَبُونَ مِنْ فَكَّاسٍ كَانَ يَمْزُجُهُمْ فِي الْكَلْبِ وَتَتَلَقَّ الْأَنْبِيَاءُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ حَقٌّ
ایسے جام شراب سے نہیں گئے جس میں کافور کی آمیزش ہوئی یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے خاص بندے نہیں گئے جس کو
وہ بہا کر لے جائیں گے)۔

منظموں کے دونوں باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ان میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی ایک قسم معروف یعنی
جانی پھلنی ہوگی جسے دنیا میں دیکھ ہوگا اور دوسری قسم دور ہوگی جسے پہلے نہیں جانتے تھے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک قسم
رطب یعنی تازہ اور دوسری قسم یا بس یعنی خشک ہوگی اور لذت میں دونوں برابر ہوں گی اور حضرت ابن عباس سے نقل ہے کہ

دنیا میں جتنے بھی پھل ہیں بیٹھے اور کڑوے سب جنت میں موجود ہوں گے حتیٰ کہ خشک بھی ہوگا اور جو پھل یہاں کڑوا تھا وہاں میٹھا

ہوگا (ابن ماجہ ص ۱۱۷: ۱۱۷)

يَتَجَمَّعُ فِي قَوْلِهِمْ بَطْلَانُهُمْ مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَوَجْنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۱۷﴾

تقی حضرت کے بستر:

تقی حضرت کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ان کے بستروں اور بیویوں کا بھی تذکرہ فرمایا، بستروں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ ایسے بستروں پر کیے لگائے ہوئے ہوں گے جس کا استر یعنی اندر کا کپڑا استبرق یعنی دبیز ریشم کا ہوگا، دنیا میں جو بستر بچھائے جاتے ہیں ان میں ایک استرا اور ایک استریچے کا ہوتا ہے اوپر والا نقش و نگار والا خوبصورت ہوتا ہے اور نیچے والا نقش و نگار والا نہیں ہوتا قیامت میں اوپر والے کی نسبت گھٹیا ہوتا ہے، آیت میں اہل جنت کے بستروں کے نیچے والے حصے کے بارے میں بتایا کہ وہ دبیز یعنی سونے ریشم کے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تمہیں جنت کے بستروں کے نیچے والے بستروں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ دبیز یعنی سونے ریشم کے ہوں گے اسی سے سمجھ لو کہ اوپر والے استر کیسے خوش نما اور آرام دہ ہوں گے۔ (رداء الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین و اقر الذہبی فی حلیہ)۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے سوال کیا گیا کہ اندر والی بستر استبرق کے ہوں گے اوپر کے بستروں کا کیا حال ہوگا تو اس کے جواب میں سورۃ الم حمدہ کی یہ آیت سنادی: قُلَّا تَقَلُّمُ نَفْسٍ مَّا اُخْلِقَ لَهُمْ مِمَّنْ قُتِرَ اَعْدُوًّا (کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپایا گیا ہے) مطلب یہ تھا کہ اس کے بارے میں دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جنت میں دیکھ کر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیسے ہیں؟

دو دنوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے:

وَجَنَّ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۱۷﴾ (دو دنوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ جنت میں ہوں گے اگر چاہیں گے کھڑے ہو کر پھل توڑ لیں گے اور اگر چاہیں گے بیٹھے بیٹھے توڑ لیں گے اور اگر چاہیں تو لیٹے لیٹے لے سکیں گے ہر حال میں درخت ان کے قریب آجائیں گے۔ (روح المعانی)

قول جنی هو ما یجننی من الثمار بالالف المقصورة اصله یاء فی آخره، ودان اسم فاعل من دنابدنو۔
یَبْنُونَ ثَمَرَاتُ الظَّرْفِ اَلَمْ یَطْمِئِنُّوْا اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۱۷﴾

اہل جنت کی بیویاں:

اس کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا یہ بیویاں دنیا والی بھی ہوں گی اور وہ حورمیں بھی ہوں گی جن سے وہاں ناکھ کیا جائے گا، ان سب کا حسن و جمال بھی بہت زیادہ ہوگا، وہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھیں گی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کو ذرا ناظر بھی اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔

مزید فرمایا: اَلَمْ یَطْمِئِنُّوْا اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ اِن ان کے جنتی شوہروں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن نے ان کو اپنے غیبت والے کام میں استعمال نہیں کیا ہوگا وہ بالکل بکر یعنی کنواری ہوں گی کسی مرد نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور ہر مرتبہ ان کے

پاس جائیں گے تو کواری عیائیں گے۔ قال صاحب الروح: واصل الطمث خروج الدم ولذلك يقال للمعبوس طمت ثم اطلق على جماع الابكار لما فيه من خروج الدم ثم عمم لكل جماع وهو للروى هنا من عكرمة والى الاول ذهب الكثير وقيل ان التعبير به للاشارة الى انهن يوجدن ابكارا اكلمها جو معن

(مسلم ۱۷۵: ۱۹۹)

پھر ان بی بیوں کا حسن و جمال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: كَانَتْهُنَّ الْيَاكُوتَ وَالسَّوْجَانُ (گویا کہ وہ یاقوت ہما اور مرجان ہیں) یہ دونوں موتیوں کی قسمیں ہیں مرجان کا تذکرہ گزر چکا ہے، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یاقوت کی صفائی اور لہو کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چہرے کی سرخی کو یاقوت سے اور باقی جسم کو موتیوں کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں ایسی ہوں گی جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ پھر جو دوسری جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی خوب روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہو، ان میں سے ہر شخص کے لئے حور عین میں سے دو بیبیاں ہوں گی ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودہ حسن کی وجہ سے ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے مسند احمد ۱۶: ۱۶۱ اور سنن ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے اس کی پنڈلی کا گودا باہر نظر آئے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۷)

حدیث ہلامی دو بیبیوں کا ذکر ہے جو کم سے کم ہر شخص کو دی جائیں گی اور ان کے علاوہ جتنی زیادہ جس کو ملیں وہ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم بالائے کرم ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنی کو اسی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیبیاں دی جائیں گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۹ از ترمذی)

خلاصہ قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ دنیا والی عورتوں میں سے دو بیبیاں اور حور عین سے ستر بیبیاں ملیں گی۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ

احسان کا بدلہ احسان:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ ہے) یعنی جس بندہ نے اچھی زندگی گزار لی اور جسے عمل کے موعدہ ہاشرک سے بچا ایمان لایا اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہی ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب فرمائے گا اور وہاں کی نعمتوں سے نوازے گا جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں ہے احسان کے بارے میں ان تعبد للہ کانتک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک فرمایا ہے اس کے مضمون کو بھی آیت بالا کے مضمون شامل ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۷: ۱۵) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ احسان کیا ہے آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہو سو اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا

دوسرے درجہ کی جنتوں اور نعمتوں کا تذکرہ:

گزشتہ آیات میں دو جنتوں کا ذکر فرمایا، اب یہاں سے دوسری دو جنتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے، یہ دونوں جنتیں پہلی دو جنتوں سے مرتبہ اور فضیلت میں کم ہوں گی یہ جن بندوں کو دی جائیں گی وہ اپنے احوال اور اعمال کے اعتبار سے ان حضرات کے ہوں گے جن کو پہلی دو جنتیں دی جائیں گی گو صفت ایمان سے سب متصف ہوں گے، آئندہ سورت واقعہ میں سابقین اولین اور اصحاب یمن جنت میں جانے والی دو جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی دو جنتیں سابقین اولین کے لیے اور بعد والی دو جنتیں (جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے) اصحاب یمن کے لیے ہوں گی جو درجہ کے اعتبار سے سابقین اولین سے کم ہوں گے۔

لفظ مُدْهَاقْمٰتِیْن کی تحقیق:

مُدْهَاقْمٰتِیْن (یہ دونوں جنتیں بہت گہرے سبز رنگ والی ہوں گی) یہ کلمہ لفظ ادھیام باب العیال سے اسم فاعل مؤنث کا مشبہ کا صیغہ ہے جو لفظ دھمہ سے مشتق ہے۔ دھمت سیاہی کو کہتے ہیں جب سبزی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو سیاہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اس لیے مُدْهَاقْمٰتِیْن فرمایا جس کا ترجمہ سبز گہرے رنگ کا کیا گیا ہے قرآن مجید میں یہی ایک آیت ہے جو کہ واحد پر مشتمل ہے۔

لِیُنْهَنَ خَیْرٰتِیْنَ حَسٰنٌ

جنتی بیویوں کا تذکرہ:

لِیُنْهَنَ خَیْرٰتِیْنَ حَسٰنٌ (ان چاروں جنتوں میں اچھی اور خوبصورت عورتیں ہوں گی) معالم التنزیل میں حضرت ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خَیْرٰتِیْنَ حَسٰنٌ کا مطلب بتائیے۔ آپ نے بتایا نورات الاخلاق حسان الوجوه یعنی وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی مزید فرمایا: حُوْدٌ مَّقْصُوْرٰتِیْنَ فِی الْفُجَیْاۃِ (وہ عورتیں جو ریس ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی) یہ خوبصورت عورتیں پردوں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف کو جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان جتنی جگہ ہے اس سب کو روشن کر دے اور سب کو خوشبو سے بھر دے، اور فرمایا کہ اس کے سر کا دوپٹہ ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۵: عن البخاری)

جنت کے خیموں کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں عورتوں کے لیے ایک ہی موتی سے بنایا ہوا خیمہ ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اس کی چوڑائی (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا لمبائی) ساٹھ میل کی مسافت تک ہوگی اس کے ہر گوشے میں اس کے اہل ہوں گے جنہیں دوسرے گوشہ والے نہ دیکھ

پائیں گے۔ مؤمن بندہ اپنے اہل کے پاس آنا جانا کرتا رہے گا۔ مؤمنین کے لیے دو جنتیں ایسی ہوں گی جن میں برتن اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہے اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف ردا، الکبریا، حاجب ہوگی یہ سب کچھ جنت عدن میں ہوگا۔

(رداء البخاری و مسلم کافی المجلد ۴ صفحہ ۱۹۰)

پہلے کسی انسان یا جن نے ان حوروں کو استعمال نہ کیا ہوگا۔

لَمْ يَطْلُبْهُنَّ اِنَّسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۱﴾ (ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ان حوروں کو استعمال نہ کیا ہوگا۔)
یہ یوں کی خوبی اور ان کا حسن و جمال بیان کرنے کے بعد فرمایا: مُتَّكِئِينَ عَلٰی رَفْدٍ خَضِيْرٍ وَ عَبَقْرِوٰتٍ حِسَانٍ ﴿۲﴾
(ان جنتوں میں داخل ہونیوالے لوگ سبز رنگ کے نقش و نگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے) اللہ
عبرقی کی شرح میں متعدد اقوال ہیں ایک قول کے مطابق اس کا ترجمہ نقش و نگار والا کیا گیا ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں
کہ ہر وہ چیز جو عمدہ اور بڑھیا نخر کے قابل ہو اہل عرب اسے عبرقی کہتے ہیں اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے
بارے میں فرمایا عبرقی یا فری فریہ۔

تَبٰرَكَ اَسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۱﴾ (بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے) یہ
سورۃ الرحمن کی آخری آیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اکرام کے بیان پر ختم ہو رہی ہے۔

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الواقعة
٥١ آية

الواقعة
٥١ آية

سورة الواقعة من نزل بول شوق الله كنام سے جو ہے حد مہر بان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چھ آیتیں ہیں اور نون رکوع

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ قَامَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ نَفْسٌ لَكَذِبٍ بَانَ تَنْفِيهَا كَمَا تَنْفَتَهَا فِي
 الدُّنْيَا خَافِضَةٌ ۝ رَافِعَةٌ ۝ هِيَ مَظْهَرَةٌ لِحَفْضِ أَقْوَامٍ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَرَفْعِ آخَرِينَ بِدُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ
 إِذَا رَجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝ حَرَكَتْ حَرَكَةً شَدِيدَةً ۝ وَبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً
 مُنْبَثًا ۝ مُتَشِيرًا ۝ وَإِذَا الثَّالِثِيَّةُ بَدَلٌ مِنَ الْأُولَى ۝ وَكُنْتُمْ فِي الْغَيْمَةِ أَزْوَاجًا ۝ أَصْنَانًا
 ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَهُمْ الَّذِينَ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۝ فَبِئْسَ خَيْرُ مَا أَصْحَابُ
 الْمَيْمَنَةِ ۝ تَعْظِيمٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ الْكُفْرَانُ بَانَ يُؤْتَى كُلُّ مِنْهُمْ كِتَابَهُ
 بِشِمَالِهِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ تَحْقِيقٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ ۝ وَالشُّقُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ
 بِئْسَ الشُّقُونَ ۝ تَاكِيدٌ لِعَظِيمِ شَانِهِمْ وَالْخَيْرِ أَوْلِيكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ فِي جَنَّتِ التَّوْبِيمِ ۝ ثَلَاثَةٌ مِّنَ
 الْأُولَى ۝ مُبْتَدَأُ أَيِّ جَمَاعَةٍ مِنَ الْأُمَّمِ الْمَاضِيَةِ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْأُخْرَى ۝ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ السَّابِقُونَ مِنَ الْأُمَّمِ الْمَاضِيَةِ وَهَذِهِ الْأُمَّةُ وَالْخَيْرُ عَلَى سِرِّ مَوْضُوعَةٌ ۝ مَسْجُوعَةٌ
 بِفَضْلِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ مُتَّكِينَ عَلَيْهَا مُتَّقِلِينَ ۝ خَالَانِ مِنَ الضَّعِيفِ فِي الْخَيْرِ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ
 وَلَهُنَّ مُخَلَّدُونَ ۝ أَيُّ عَلَى شَكْلِ الْأَوْلَادِ لَا يَهْرُمُونَ ۝ بِأَكْوَابِ أَتْدَاحٍ لَا غَرَى لَهَا وَابَارِقُ لَهَا
 غَرَى وَخَرَاتِيمِمْ وَكَأْسِ إِنْ شَرِبَ الْخَمْرُ مِّنْ مَّعِينٍ ۝ أَيُّ خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَتَبِعٍ لَا يَنْقَطِعُ أَنْتَا لَا
 يَصْلَحُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۝ بِفَتْحِ الرَّأْيِ وَكُثْرِهِمَا مِنْ تَرْفِ الشَّارِبِ وَتَرْفِ أَيُّ لَا يَحْصِلُ لَهُمْ

مِنْهَا ضِدَاعٌ وَلَا ذِمَاتٌ عَقَلٍ بِخِلَافِ خَيْرِ الدُّنْيَا وَفَاكِهَةٌ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَكُحْرٌ طَلْحٌ وَمَا

يَسْتَهُونَ ۝ وَ لَهُمُ الْإِسْتِمْتَاعُ وَ حُورٌ نِسَاءٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَ يَبَاضُهَا عَيْنٌ ۝ ضِعْفُ

الْعُيُونِ كَسَبْرَتْ عَيْنُهُ بَدَلُ ضَعْفِهَا لِجَانِسَةِ الْبَيَاءِ مُفْرَدُهُ عَيْنَاهُ كَحَمْرَائِي وَ فِي قِرَاءَةِ بَجْرِ حُورٍ عَيْنِ

كَامثالِ اللُّوْلُو الْبَكْتُونِ ۝ الْمَضْرُوعُ جَزَاءٌ مَفْعُولٌ لَهُ أَوْ مُضَدَّرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرٌ أَيْ جَعَلْنَا لَهُمْ مَا

ذَكَرْنَا لِلْجَزَاءِ أَوْ جَزَيْتَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَسْعَوْنَ فِيهَا فِي الْجَنَّةِ لَعْنًا فَاحْشَا مِنْ الْكَلَامِ وَ

لَا تَأْتِيهَا ۝ مَا يَزْنِمُ إِلَّا لَكِنْ قِيلًا قَوْلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝ بَدَلُ مِنْ قِيلًا فَإِنَّهُمْ يَسْمَعُونَ وَأَصْحَابُ

الْبَيْتِينِ مَا أَصْحَابُ الْبَيْتِينِ ۝ فِي سِدْرِ شَجَرِ النَّبِيِّ مَحْضُودٌ ۝ لِأَشْوَكٍ فِيهِ وَ طَلْحٌ شَجَرِ الْمَنْزِلِ

مَنْضُودٌ ۝ بِالْحَمَلِ مِنْ أَسْفَلِهِ إِلَى أَعْلَاهُ وَ ظِلٌّ مَمْدُودٌ ۝ دَائِمٌ وَ مَاءٌ مَسْكُوبٌ ۝ حَارٍ ذَائِي مَاءٍ وَ

فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ ۝ لَا مَقْطُوعَةٌ فِي زَمَنِ وَلَا مَمْنُوعَةٌ ۝ بِشَمَنِ وَ قُرَيْشٍ مَرْقُوعَةٌ ۝ عَلَى الشَّرْبِ

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝ أَيْ الْحُورِ الْعَيْنِ مِنْ غَيْرِ وَلَا ذِمَّةٌ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عَذَارَى كَلَّمْنَا أَنَا فَمَنْ

أَرَوَّجْنَهُنَّ وَ جَدُّوهُنَّ عَذَارَى وَلَا وَجَعَ عَرَبِيًّا بِضَمِّ الرَّاءِ وَ شَكُونُهَا جَمْعُ عَرُوبٍ وَ هِيَ الْمُتَخَيَّرَةُ إِلَى

زَوْجِهَا عَشْقَالَهُ أَثْرَابًا ۝ جَمْعُ تَرْبٍ أَيْ مُسْتَوِيَاتٍ فِي التَّسْوِيَةِ لِأَصْحَابِ الْبَيْتِينِ ۝ ضَلَّةٌ أَنْشَأْنَا فَمَنْ

أَوْجَعْنَا هُنَّ وَ هُمُ ثَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ ثَلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ وَ أَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ

الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ رِيحٌ حَارَةٌ مِنَ النَّارِ تَنْفُذُ فِي الْمَسَامِ وَ حَمِيمٌ ۝ مَاءٌ شَدِيدُ الْحَرَارَةِ وَ ظِلٌّ

مَنْ يَحْتَمِيهِ ۝ دُخَانٌ شَدِيدُ السَّوَادِ لَا بَارِدٍ كَثِيرُهُ مِنَ الظَّلَالِ وَ لَا كَرِيمٌ ۝ حُسْنُ الْمَنْظَرِ

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتَبَرِّفِينَ ۝ مُتَعَبِّينَ لَا يَتَعَبَّوْنَ فِي الطَّاعَةِ وَ كَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى

الْحِنثِ الذَّنْبِ الْعَظِيمِ ۝ أَيْ الشِّرْكِ وَ كَانُوا يَقُولُونَ ۝ إِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَ عِظَامًا عَرَانَا

كَلْبَعُوثُونَ ۝ فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيقِ وَ تَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَ ادْخَالِ الْإِفِّ بَيْنَهُمَا عَلَى

الزَّجْهَيْنِ أَوْ أَبَاؤَنَا الْأَوَّلُونَ ۝ يَفْتَحُ الرَّوَّاءُ لِلْعَطْفِ وَ الْهَمْزَةُ لِلِاسْتِفْهَامِ وَ هُوَ فِي ذَلِكَ وَ قِيمًا قَبْلَهُ

الْأُولَئِكَ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُمْ مَقِيلًا ۝ وَإِلَىٰ مِيقَاتِ لَوْ تَبِتِ يَوْمَ مَعْلُومٍ أَيُّ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ
 لَأنتهنا الضَّالُّونَ الْمَكِيدُونَ ۝ لَا يَأْكُلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ ۝ بَيَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَا لَئِن مِّنْهَا مِنْ
 لشَجَرِ الْبَطُونِ ۝ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ أَيُّ الزُّقُومِ الْمَأْكُولِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝ فَشَرِبُونَ شُرْبَ بَيْتَحِ
 لِيْنِ وَضَنِيهَا مَضْدَرُ الْهَيْمِ ۝ الْإِبِلُ الْعُطَاشُ جَمَعَ هَيْمَانَ لِلذَّكْرِ وَهَيْنَى لِلْأُنثَى كَعَطْشَانَ وَ
 عَطَشَى هَذَا شُرْبُهُمْ مَا عَدَلَهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

۱۴۸

ترجمہ: جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکے گا جس طرح
 کہ دنیا میں اس کو جھٹلادیا کرتے تھے) پست کر دے گی بلند کر دے گی (لوگوں کو دروزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کر دے
 گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کر دے گی) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا (سخت بھونچال آجائے
 گا) اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پر آگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر۔ دوسرا اذی پہلے سے
 بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے۔ چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نائے
 دیئے جائیں گے یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ
 جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نائے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں
 (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے
 یعنی انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں (السا بقرون تاکید ہے تعظیم شان کیلئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو
 "آرام باغوں" میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور
 توڑے پھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقوں پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے
 ہوں گے۔ خبر آگے ہے) وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے)
 کیلئے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی
 لڑائے آمدورفت کیا کریں گے (جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے) آنخورے (پیلے جن میں پکڑنے کی ہتھی
 نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھی اور پینے کی ٹونٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب پینے کے پیمانے) بہتی شراب سے
 لریزیے ہوں گے (ایسی شراب جو صراحی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے درد سر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے
 (لَا یَلْزَمُونَ) فتح زکاء کے ساتھ تَرَفِ الشَّارِبِ وَانْتَرَفِ سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے سر گرانی ہوگی اور نہ عقل میں اتورا
 لے آھیا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور

(ان کی لذت کیلئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (خوب سفید و سیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (عین کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ ضمہ کی بجائے یاہ کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حمراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قرأت میں "عور عین" جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محموظ) موتیوں کی طرح ہوں گی۔ یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے)۔

عالم مقدر ہے یعنی جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ أَوْ جَزِيَّتَاهُمْ (ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت میں) نہ بک (نضول بات) نہیں گے اور نہ یہود (گناہ کی) بات ہوگی بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلاماً قلیلاً سے بدل ہے۔ کیوں کہ جنتی سلام میں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) ہے کیوں کہ جنتی سلام میں گے) اور کیلئے (کے درخت) نہ بتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلئے (کے درخت) نہ بتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لباً (داہنی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعہ) روک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر ولادت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکر ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوب ہیں (ضمہ اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کیلئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اتراب۔ ترب کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں) یہ سب چیزیں داہنے والوں کیلئے (انشائناھن یا جعلناھن کا صلہ ہے اور وہ اصحاب الیمین) ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لو میں ہوں گے (آگ کی آنج جو مسامات میں گھستی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں (جو بے حد کاٹا ہوگا) جو (اور سایوں کی طرح) نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا میں) بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، طاعت میں تعب برداشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے تو کہا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمزہ تحقیق اور دوسری میں ہمزہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہزراؤں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (افتحہ واؤ کے ساتھ عطف کیلئے ہے اور ہمزہ استفہام کیلئے ہے اور یہاں اور پہلے استفہام کیلئے بھی ہے اور ایک قرأت میں واؤ پر عطف کرتے ہوئے سکون واؤ ہے اور معطف علیہ ان اور اس کے اسم کا نخل ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے دن) پھر تم کو اے گمراہ، جھلانے والو درخت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم۔ شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا۔ گا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شین کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے) پیاسے اونٹ کا سا ہوگا (ہیم جمع ہے ہیمان مذکر کیلئے اور بھی مونث کیلئے آتا ہے جیسے عطشان عطشی) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمان کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قولہ: إِذَا وَقَعَتْ: اذا ذکر کا مفعول ہے اور لَيْسَ لَوْقَعَتْهَا۔ یہ جملہ مستانہ ہے۔

قولہ: لَوْقَعَتْهَا: میں لام وقت کے لیے ہے۔

قولہ: بِئْسَتْ: باریک پینا۔

قولہ: مَا أَصْحَابُ الْيَمِينَةِ: استفہام عجیبی ہے۔

قولہ: بِقُضْنَانٍ: سونے کی شاخیں ہوں گی۔

قولہ: لَا يَهْرُؤُونَ: ان پر بڑھا پانہ آئے گا۔

قولہ: يَا كُوَيْبِ: آنجورے۔ جن کا دستہ نہ ہو۔

قولہ: بِخَوَاطِيمٍ: ٹوٹیوں والے۔

قولہ: وَأَنْزَفَ: عقل کو دور کرنا۔

قولہ: بِإِلْسَيْنِ: یہ حور عین کی خبر ہے۔

قولہ: فَنَضُّوْا: نیچے سے اوپر تک پھل۔

قولہ: فَرُوشٍ: عورتیں۔

قولہ: بِشُؤْبَاتٍ: عمر میں برابر۔

قولہ: بِرَهْمٍ: اس سے اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ یہ مبتداء مخذوف کی خبر ہے اور وہ رَهْمٌ ہے۔

قولہ: لَا كَرِيْمٍ: نفع بخش۔

قولہ: لَا يُتَّبِعُونَ: دوند نہ تھکیں گے۔

قولہ: بِمَخْلَرَانٍ: اسم ان کے محل پر عطف جائز ہے۔

قولہ: وَأَسْمَاءُ: بے اسم سمیت۔

قولہ: بِوَيْفَاتٍ: بمعنی وقت ہے۔ اور یوم کی طرف اس کی اضافت بیانہ ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ واقعہ کی ہے اس کی چھانوے آیات اور تین رکوع ہیں یہ سورت خاص طور سے احوال قیامت کے مضامین پر مشتمل

ہے اور یہ مضامین اپنے سیاق و سباق سے قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کی عظمت و ہیبت و کلوب پر قائم کرنے میں ایک عجیب تاثر رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بوزمے ہو گئے (جب کہ اچانک آپ پر ضعف کے آثار اس طرح واقع ہوئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ آپ ﷺ پر پوری طرح بڑھاپا آ گیا حالانکہ آپ ﷺ کے قوی توانا اور صحت مند تھے) تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو سورۃ ہود، واقعہ، مرسات، عم ینسا، ملون اور اذالہ نفس کورت نے بوزہا بنا دیا یعنی ان کے مضامین کی ہیبت نے مجھ کو اچانک ایسا مضمحل کر ڈالا۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرہ میں عمرو بن الربیع اعصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جب بیمار ہوئے اور یہ مرض انکا مرض وفات تھا تو حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف لائے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ فرمایا میرے گناہ (بس یہی تکلیف ہے) فرمایا کسی چیز کے لئے خواہش ہے؟ جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی، حضرت عثمانؓ فرمانے لگے کیا میں آپ کے واسطے کسی طبیب کا حکم دوں (کہ انتظام کیا جائے) کہنے لگے طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے (یعنی اصل طبیب جو شفاء کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہر صحت و مرض اور موت و حیات ہے اسی کے حکم سے تو بیمار ہوا ہوں) پوچھا کہ کیا میں آپ کے واسطے کسی مقدر مال اور بخشش کا حکم نہ کر دوں جواب دیا مجھے کوئی حاجت نہیں فرمایا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق فقر کا کوئی اندیشہ ہے حالانکہ میں نے ان کو اس بات کی ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کر لیا کریں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر و فاقہ پیش نہیں آئے گا۔

الْوَاقِعَةُ ۝ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس وجہ سے کہ قیامت بلاشبہ واقع ہونے والی ہے اور اس سے زائد قطعی اور یقینی کوئی چیز باعتبار وقوع نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد ہے: "فَيَوْمَذُوقَعَتِ الْوَاقِعَةُ" اور فرمان ہے کہ: "سأل سائل بعدذاب واقع للكافرين ليس له دافع" روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز فجر میں اس سورت کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ابتداء سورت میں قیامت کے واقع ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت و ہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد انکے انجام اور سعادت و شقاوت اور جزاء و سزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بد نصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتے ہیں۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے:

اس سورت میں وقوع قیامت اور قیامت واقع ہونے کے بعد جو فیصلے ہوں گے اور ان کے بعد جو اہل ایمان کو انعامات

ہیں اور ان کو جہنم میں جلا ہوں گے اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں، درمیان میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی

لذتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

آیات بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا آج تو دنیا میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے قیام کے منکر ہیں جب وہ آئی جائے گی جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے اسے منکر سے دیکھ لیں گے اور جھٹلانے والے پریشان حال جھلائے عذاب ہوں گے، اس دن مان لیں گے اور زَلَّوْنَا أَهْضًا قَاوُیْمَعْنَا کَیْسَیْ، قیامت کی یہ خاص صفت ہوگی کہ وہ خَافِضَةٌ بھی ہوگی اور زَافِعَةٌ بھی، یعنی پست کرنے والی بھی اور بلند کرنے والی ہوگی، بہت سے لوگ جو دنیا میں اونچے تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے قوموں کے سردار تھے مال کی ریل پیل کی وجہ سے اہل دنیا نہیں بڑا سمجھے تھے لیکن کافر مشرک منافق یا کم از کم فاسق تھے یہ لوگ قیامت کے دن برے حال میں ہوں گے، اس دن کی گرفت دنیا والی ساری بڑائی کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گی، اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر اور کمزور سمجھے جاتے تھے احباب دنیا کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن ایمان والے تھے متقی اور پرہیزگار تھے اعمال صالحہ سے مزین اور متصف تھے قیامت انہیں بلند کر دے گی، بہت بڑی تعداد میں تو یہ لوگ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے اور بہت سوں سے آسمان صاب ہوگا اور بہت سوں سے تھوڑا بہت حساب ہو کر چھٹکارہ ہو جائے گا۔ حضرات انبیائے عظام اور شہداء کرام اور علماء اصحاب

ہر اہم کی سفارشیں کام دے جائیں گی۔

وَلَنَنْتَهُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝

بیدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں:

ابن کثیر نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک قوم عرش کے دائیں جانب ہوگی، دوسری قوم عرش کے بائیں جانب سے پیدا ہوئے اور ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کو عرش کی دائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا، یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے، ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا اور یہ سب لوگ جہنمی ہیں (نعوذ باللہ من صنہم)

ادنیٰ قسم حائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا، جن میں انبیاء و رسل، صحابہ کرام، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے، ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر ہر دو میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہونا لگے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔

فَلَمَّا أَصْحَبُ الیَمِیْنَةِ ۝

قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی تین قسمیں:

ان آیات میں اصحاب الیمین کی دونوں قسموں یعنی مقررین اور عام مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے انعامات بتائے ہیں۔ ہونے والے ایمانوں فرمایا: **فَأَصْحَابُ الْيَمِينِ** ﴿۱﴾ (سورہ بقرہ) ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں واسطے اچھے والے) **وَأَصْحَابُ الشَّقِيمِ** ﴿۲﴾ (اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے) پہلی قسم کے افراد **أَصْحَابُ الْيَمِينِ** ﴿۱﴾ (دائیں ہاتھ والے) کس اعتبار سے فرمایا؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے دو قول بیان کیے ہیں، اول یہ کہ ان حضرات کے صحائف اعمال (یعنی اعمال نامے) دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، دوم یہ کہ جب یہ حضرات جنت میں جانے لگیں گے تو میدان حشر سے ہٹ کر دائیں ہاتھ کو چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل نے تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جب طلب آدم سے نکالے گئے تو یہ لوگ ان کے دائیں طرف سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ یمن (یعنی مبارک) سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات مبارک ہیں۔ ان کی زندگیوں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزری ہوں گی، ان کے مقابل **وَأَصْحَابُ الشَّقِيمِ** کو سمجھ لیا جائے۔ مذکورہ اقوال میں سے ہر بات کا مقابل ذہن میں لے آنا چاہئے یعنی **وَأَصْحَابُ الشَّقِيمِ** کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور جب ان کو روزخ کی طرف لے جائیں تو میدان حشر سے بائیں طرف لے جایا جائے گا جدھر روزخ ہوگا اور جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا تو یہ ان کے بائیں طرف سے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں نے انہیں روزخ کے لیے پیدا کیا اور یہ لوگ نامبارک (یعنی بدبختی کے کام کرنے والے) تھے اپنی عمریں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہیں لگائے تھے) اس کے بعد سابقین (یعنی آگے بڑھنے والوں) کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: **أَصْحَابُ الْيَمِينِ** ﴿۱﴾ کی وجہ تسمیہ بیان کرنے ہوئے جو صفات بیان کی گئیں ان کے اعتبار سے یہ حضرات مقررین بھی اصحاب الیمین ہی ہیں لیکن اعمال میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ان کو سابقین کا لقب دیا گیا ان کے انعامات بھی خوب بڑے بڑے بتائے، اس اعتبار سے میدان حشر میں حاضر ہونے والوں کی مذکورہ دو قسموں (**فَأَصْحَابُ الْيَمِينِ** اور **وَأَصْحَابُ الشَّقِيمِ**) کے علاوہ تیسری قسم یہی مقررین کی جماعت ہوگی۔

وَالشَّقِيمُونَ الشَّقِيمُونَ ﴿۱﴾

سابقین اولین کون سے حضرات ہیں؟

سابقین کے بارے میں فرمایا: **وَالشَّقِيمُونَ الشَّقِيمُونَ ﴿۱﴾** **أُولَئِكَ الْمَقَرَّبُونَ ﴿۲﴾** (اور آگے بڑھنے والے وہ آگے بڑھنے والے ہیں وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں)۔

جن حضرات کو سابقین کا لقب دیا اس سبقت سے کون کی سبقت مراد ہیں؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ہجرت کی طرف سبقت کی اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے اسلام قبول کرنے کی طرف سبقت کرنے والے مراد ہیں حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے

بہن کی طرف اشارہ فرمایا۔
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے
 میں سچے کی اور حضرت علیؑ نے فرمایا جو حضرات پانچوں اہل بیت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اس بات سے وہ حضرات مراد
 تھیں جو حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا جو حضرات توہم کی طرف اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں وہ حضرات سابقین
 تھے۔ اسی شانہ نے ارشاد فرمایا: **بِئْسَ مَا لَكُمْ يَا قُلُوْبُ الْاِنْسَانِ لَكَ اِنَّ رُكْبَةً وَّارْتَابًا** اولیك یسر خون لی الخلاب و خذ لنا سہلون
 ذکریہم اقول میں کوئی تعارض نہیں ہے سب سے زیادہ جامع قول حضرت سعید بن جبیرؓ کا ہے جو دیگر اقوال کو بھی شامل ہے۔

لَقَدْ لَعْنَةُ الْمُفْرِقُونَ ﴿۱﴾
 ص لِّلۡلۡہِمْ ؕ جماعت کہتے ہیں اور دشمنی نے کہا کہ بڑی جماعت کو لہ کہا جاتا ہے۔ (رواج)

اولین و آخرین سے کیا مراد ہے:

یہاں اولین و آخرین کی تقسیم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، اول سابقین مقررین کے سلسلہ میں، دوسرا اصحاب الیمین
 یعنی عاصمہ مہاشین کے سلسلے میں، پہلی جگہ یعنی سابقین میں تو یہ فرق کیا گیا ہے کہ یہ سابقین مقررین اولین میں سے تھے یعنی
 بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے کم ہوں گے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے اور دوسری جگہ اصحاب الیمین کے بیان
 میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ملہ وارد ہوا ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب الیمین اولین میں سے بڑی جماعت
 ہوگی، اسی طرح آخرین میں سے بھی بڑی جماعت ہوگی: **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱﴾ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۲﴾**

اب تامل فرمائیے امر ہے کہ اولین سے مراد کون ہیں اور آخرین سے کون، اس میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ
 کہ آدم ﷺ سے لے کر قرب زمانہ خاتم الانبیاء تک کی تمام مخلوقات اولین میں داخل ہیں اور خاتم الانبیاء ﷺ سے لے کر
 نبوت تک آنے والی مخلوق آخرین میں داخل ہے، یہ تفسیر مجاہد اور حسن بھری سے ابن ابی عاتم نے سند کے ساتھ نقل کی ہے اور
 ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، بیان القرآن کے خلاصہ تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور
 اس کی دلیل میں حضرت جابر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے، یہ حدیث ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے کہ
 بب علی آیت جو سابقین مقررین کے سلسلے میں آئی ہے نازل ہوئی: **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱﴾ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۲﴾** تو حضرت
 ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم ہوں
 گے؟ اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی، جب ایک سال کے بعد آیت نازل ہوئی: **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱﴾ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۲﴾**
 لَقِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اسمع یا عمر ما قد انزل الله ثلثة من الاولین و ثلثة من الاخرین الا وان من ادم الی ثلثة و امتی ثلثة
 الحلیث۔ (ابن کثیر)

اے عمر! سنو! جو اللہ نے نازل فرمایا کہ اولین میں سے بھی تھلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے بھی ثلثہ یعنی

مقبلہ شرح جلالین

بڑی جماعت ہوگی اور یاد رکھو کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک فئۃ ہے اور میری امت دوسرا فئۃ۔
 اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے
 کہ جب آیت: **فِئْتَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ** و **قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر شاق ہوا کہ ہم پہ نسبت ام سابقہ
 کے کم رہیں گے، اس وقت دوسری آیت نازل ہوئی، **فِئْتَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ** و **قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** اس وقت رسول اللہ
 ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، تہائی، بلکہ نصف اہل جنت
 ہو گے اور باقی نصف میں بھی کچھ تمہارا حصہ ہوگا، (ابن کثیر) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجموعی طور پر اہل جنت میں اکثریت امت محمدیہ
 کی ہو جائے گی، مگر ان دونوں حدیثوں سے استدلال میں ایک اشکال یہ ہے کہ: **وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** تو سابقین مقررین کے
 متعلق آیا ہے اور دوسری آیت میں جو: **فِئْتَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** آیا ہے وہ سابقین مقررین کے متعلق نہیں بلکہ اصحاب البیعت کے
 متعلق ہے۔

اس کا جواب روح المعانی میں یہ دیا ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت عمر کو جو پہلی آیت سے رنج و غم ہوا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے
 کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جو نسبت سابقین میں ہے وہی شاید اصحاب البیعت اور عام اہل جنت میں ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا
 کہ کل اہل جنت میں ہماری تعداد بہت کم رہے گی، جب اصحاب البیعت کی تشریح میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ **ثُمَّ** نازل
 ہوا تو اس شبہ کا ازالہ ہو گیا کہ مجموعی اعتبار سے اہل جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت رہے گی، اگرچہ سابقین اولین میں ان کی
 تعداد مجموعہ ام سابقہ کے مقابلہ میں کم رہے خصوصاً ان وجہ سے کہ مجموعہ ام سابقہ میں ایک بھاری تعداد انبیاء، ہم السلام کی ہے،
 ان کے مقابلہ میں امت محمدیہ کے لوگ کم رہیں تو کوئی غم کی چیز نہیں۔

لیکن ابن کثیر، ابو حیان، قرطبی، روح المعانی، مظہری وغیرہ نے سب تفسیروں میں دوسری تفسیر و ترجیح دی ہے جس کا حاصل
 یہ ہے کہ یہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں، اولین اس امت کے قرون اولیٰ یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ ہیں،
 جن کو حدیث میں خیر القرون فرمایا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔

ابن کثیر نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث جو پہلی تفسیر کی تائید میں اوپر لکھی گئی ہے، اس کی سند کے متعلق کہا ہے: **وَلٰكِنْ
 فِي اسنادہ نظر، دوسری تفسیر کے لئے استدلال میں، دو آیات قرآنی پیش کی ہیں جن میں امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مذکور ہے
 جیسے **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ وَّغَيْرَہَا** اور فرمایا کہ یہ بات بہت مستحب ہے کہ سابقین مقررین کی تعداد خیر الامم میں دوسری امتوں کی نسبت
 سے کم ہو، اس لئے راجح یہ ہے کہ **ثُمَّ مِّنَ الْأَوَّلِينَ** سے مراد اسی امت کے قرون اولیٰ ہیں، اور **وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** سے
 مراد بعد کے لوگ ہیں کہ ان میں سابقین مقررین کی تعداد کم ہوگی۔**

اس قول کی تائید میں ابن کثیر نے حضرت حسن بصری کا قول بروایت ابن ابی حاتم یہ پیش کیا ہے کہ حضرت حسن نے یہ
 آیت **وَالشُّرَاقُونَ الشُّرَاقُونَ** طحاوی کے فرمایا کہ سابقین تو ہم سے پہلے گزر چکے، لیکن یا اللہ ہمیں اصحاب البیعت میں داخل
 فرما دیجئے اور حضرت حسن سے دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ **ثُمَّ مِّنَ الْأَوَّلِينَ** کی تفسیر میں فرمایا **اُمْتِ مَنْ
 مِّنْہَا** یعنی اولین سے مراد اسی امت کے سابقین ہیں۔

اسی طرح محمد بن سیرین نے فرمایا کہ: ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ کے متعلق علماء یہ کہتے اور ترویج کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی امت میں سے ہوں۔ (ابن کثیر)

اور روح المعانی میں اس دوسری تفسیر کی تائید میں ایک حدیث مرفوعہ حسن حضرت ابو بکرہ کی روایت سے یہ نقل کی ہے:

اخرج مسدد فی مسنده و ابن المنذر و الطبرانی و ابن مردويه بسند حسن عن ابی بكرة عن النبی

ﷺ فی قوله سبحانه ثلثة من الاولین و ثلثة من الاخرین قال هما جميعا من هذه الامة

مسدد نے اپنی سند میں اور ابن المنذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو بکرہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے آیت: ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امت

محمدیہ میں سے ہوں گی

اور حضرت ابن عباس سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوعہ بہت سے حضرات محدثین نے نقل کی ہے، جس کے

الفاظ یہ ہیں جامعیا من امتی، یعنی یہ دونوں اولین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں كُنْتُمْ آذْوَاجًا ثَلَاثَةً کا مخاطب امت محمدیہ ہی ہوگی اور یہ تینوں قسمیں امت

محمدیہ ہی کی ہوں گی۔ (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں پہلی تفسیر کو اس لئے بہت بعید قرار دیا ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ امت محمدیہ تمام ام

سابقہ سے افضل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کسی امت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے، اس لئے یہ بات

بعید ہے کہ افضل امام کے اندر سابقین مقررین کی تعداد کم ہو آیات قرآن کتھم خیر امة اخرجت للناس اور لتکونوا

شهداء عن الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا سے امت محمدیہ کی افضلیت سب امتوں پر ثابت ہے۔ اور ترمذی، ابن

ماجدداری نے حضرت بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انتم تسمون سبعین امة انتم اخیرها واکرمها علی اللہ تعالیٰ

تم ستر سابقہ امتوں کا تمہارے گے جن میں تم سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم و افضل ہو گے

اور امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل

جنت کے چوتھائی تم لوگ ہو جاؤ گے، ہم نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس پر راضی ہیں تو آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انی لارجو ان تکونوا نصف اہل الجنة (از مظہری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے یہ امید ہے کہ تم (یعنی امت محمدیہ) اہل جنت کے نصف ہو گے

اور ترمذی، حاکم و بیہقی نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے، الفاظ

حدیث کے یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اہل الجنة مائة و عشرون صفاتہا انون منها من هذه الامة و اربعون من سائر الامم (مظہری)

اہل جنت کل ایک سو بیس صفوں میں ہوں گے جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی باقی چالیس صفوں میں ساری

اشم شریک ہوں۔

مذکورہ صدر روایات میں اس امت کے اہل جنت کی نسبت دوسری امتوں کے اہل جنت سے کہیں چوتھائی کہیں نصف اور اس آخری روایت میں دو تہائی مذکور ہے، اس میں کوئی تعارض اس لئے نہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا اندازہ بیان کیا گیا ہے اس اندازہ میں خلف اوقات میں زیادتی ہوتی رہی۔ واللہ اعلم

عَلَى سُرَّةٍ مَوْضُوعَةٍ ۞

سابقہ میں اولین کی مزید نعمتیں:

سابقہ میں اولین کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: عَلَى سُرَّةٍ مَوْضُوعَةٍ ۞ (یہ حضرات ایسے تختوں پر ہوں گے جو بنے ہوئے ہوں گے) قرآن کریم میں صرف لفظ مَوْضُوعَةٍ ۞ ہے کس چیز سے بنے ہوئے ہوں گے اس کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سونے کے تاروں سے اور جواہر سے ان کی بناوٹ ہوگی۔ مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَّقِيبِينَ ۞ (ان تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ۹۷ منے سامنے ہوں گے) اہل جنت کا تختوں پر بیٹھنا اس طرح سے ہوگا کہ کوئی کسی کی پشت نہیں دیکھ پائے گا۔ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۞ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے) بِالْكَوَابِرِ وَآبَارِيقٍ اَوْ كَابِيسٍ مِّنْ مَّيْمُونٍ ۞ (آنخوڑے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا) اول تو خادم کے بارے میں فرمایا کہ وہ لڑکے ہوں گے اور ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور ہمیشہ خادم بنے رہیں گے نہ انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھا پائے۔ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۞ کو سورۃ الطور میں عَلَمَانِ لَهُمْ كَمَا تَلَّهُمْ لُؤْلُؤًا مَّيْمُونًا ۞ یہ وِلْدَانِ اہل جنت کے پاس چھوٹے بڑے برتنوں میں پینے کی چیزیں لے کر آئیں گے۔ اُكُوَابٍ كُوبٍ كِىِّجٍ ۞ گول منہ کا پیالہ جس میں پلانے کا کڑا نہ ہوا سے کوب کہا جاتا ہے اور اباریق، ابریق کی جمع ہے ان سے وہ برتن مراد ہیں جن میں ٹونٹیاں لگی ہوئی ہوں، ان پینے کی چیزوں میں شراب بھی ہوگی جس کا سورۃ محمد کی آیت: خَمْرٌ لَّذِيْقٍ لِّلْبَشَرِ بَلِيْنٌ ۞ میں تذکرہ فرمایا ہے لفظ خمر سے کسی کو نوشہ آنے کا شہ نہ ہو اس شہ کو در کرتے ہوئے: لَا يُصْنَعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُزْوَفُوْنَ ۞ فرمایا (نہ اس سے ان کو در دسر ہوگا، ورنہ عقل میں فتور آئے گا)۔

پینے کی چیزوں کے بعد کھانے کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا: وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۞

(اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے) وَكُلُوْهُم مِّنْهُم مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۞ (اور پھر برتنوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا)۔

کھانے کی چیزوں کے تذکرہ کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا: وَحُودٍ عِيْنٍ ۞ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۞ (اور ان کے لیے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی ہو) لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو والے اس کو مفرد ہی سمجھتے ہیں) جس کا معنی ہے گوری سفید رنگت والی عورت اور عین عیناء کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہے بڑی آنکھوں والی عورت ان دونوں میں جنسی عورتوں کی خوبصورتی بیان فرمائی ہے پھر ان کے رنگ کی صفائی بیان کرتے ہوئے: كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۞ فرمایا یعنی وہ چمپے ہوئے موتیوں کی طرح سے ہوں گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ (یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا)۔

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾

صحابِ الیمین کی نعمتیں:

اس کے بعد اصحابِ الیمین کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: **وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾** (اور وہ اپنے ہاتھ والے) کیا خوب ہیں وہ اپنے ہاتھ والے (فی سبیلِ قُلُوبِهِمْ ﴿۳﴾) (وہ ان بانگوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی) سدر کو لفظ مقصور کے ساتھ متصف فرمایا یعنی ان کے درختوں میں کانٹے نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا والی بیریاں میں کانٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو ایذا دینے والا ہے، آپ نے فرمایا ہے وہ کون سا درخت ہے عرض کیا وہ سدر بیریا کا درخت ہے اس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے: **وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾** فرمایا ہے یعنی وہ بیریا کے درخت ایسے ہوں گے جن میں کانٹے کالے ہوئے ہوں گے اللہ اس کے ہر کانٹے کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دے گا اس میں ایسے پھل لگیں گے کہ ایک پھل پھنسنے کا تو اس سے بہتر (۷۲) رنگ کے پھل نکل آئیں گے ایک رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہ ہوگا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الا سنن دار القریۃ الذہبی مطبوعہ: ۱۷۴: ۷۳)

دوسری نعمت بیان کرتے ہوئے: **وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾** فرمایا (یعنی وہاں تہہ بہ تہہ لگے ہوئے کیلے ہوں گے) کیلون کا مزہ اور مٹھاں اور مخصوص کیف جو یہاں دنیا میں پر لطف ہے دنیا والے اس سے واقف ہیں۔ آخرت کے کیلون میں جو مزہ ہوگا وہ تو اہل دنیا کے تصور سے باہر ہے، تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾** کہ اصحابِ الیمین خوب زیادہ وسیع پہلاؤں والے سایہ میں ہوں گے، جنت کا سایہ سراسر آرام دینے والا ہوگا اور سایہ بھی اصلی ہوگا، جھوٹا سایہ نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں دھوپ کا سایہ ہوتا ہے اسی لیے سورۃ نساء میں فرمایا ہے: **وَأَنْتُمْ خِلَافَةُ ظِلِّ ظَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾** اور ہم انہیں گہرے سایہ میں داخل کریں گے، یہ سایہ چونکہ آرام دہ ہوگا اس لیے اس میں ذر بھی گرنی اور سردی نہ ہوگی سورۃ الدھر میں فرمایا: **مُنْتَهَىٰ ظِلُّهَا عَلَى الْأَعْرَابِ لَا يَأْتِيهِمُ فِيهَا شَمْسٌ وَلَا نَفْثٌ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا سَمٌّ وَلَا يَمُوتُ فِيهَا غُلٌّ ﴿۱۰۲﴾** (اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سواری پر چلنے والا سو سال تک چلتا رہے گا اس کی مسافت کو قطع نہ کر سکے گا۔ (رواہ البخاری)

مزید فرمایا: **وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾** کہ اصحابِ الیمین کو ماء جاری کی بھی نعمت دی جائے گی۔ صاحبِ معالم التزیل لکھتے ہیں کہ یہ پانی برابر زمین پر جاری ہوگا اس میں کھدی ہوئی نہریں، ندی نالے بنے ہوئے نہ ہوں گے جہاں چاہیں گے یہ پانی پہنچ جائے گا۔ ذیل اور رسی کی ضرورت نہ ہوگی۔ (مطبوعہ: ۱۱: ۱۱۴)

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲﴾ اور اصحابِ الیمین خوب زیادہ خواہ کہ یعنی میووں میں ہوں گے یہ

سب سے پیشہ رہنے کے کبھی بھی ٹیم نہ ہوں گے اور کبھی بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ جب چاہیں گے کھائیں گے، جتنا چاہیں گے کھائیں گے حدیث شریف میں ہے کہ جنتی آدمی جب بھی جنت میں کوئی پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔ (مجمع الزوائد، ص ۱۱۶: ۱۰۵)

وَقُلُوبُهُمْ كَقُلُوبِهِمْ (اور اصحاب الیمین بلند بستروں پر ہوں گے) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَقُلُوبُهُمْ كَقُلُوبِهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی بلندی اتنی ہوگی جیسے آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے یعنی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر۔ (رواہ ترمذی وصال فریب کافی المکتوب، ص ۱۹۷)

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝

بوڑھی مؤمنات جنت میں جوان بنا دی جائیں گی:

اس کے بعد جنتی عورتوں کا تذکرہ فرمایا، وہاں جو بیویاں ملیں گی ان میں حور عین بھی ہوں گی جو مستقل مخلوق ہے اور دنیا والی عورتیں جو ایمان پر وفات پائیں وہ بھی اہل جنت کی بیویاں بنیں گی۔ یہ دنیا والی عورتیں وہ بھی ہوں گی جو دنیا میں بوڑھی ہو چکی تھیں اور وہ بھی ہوں گی جو شادی شدہ یا بے شادی شدہ یا چھوٹی عمر میں وفات پائی تھیں یہ سب جنت میں اہل ایمان کی بیویاں ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل جنت میں سے جو بھی کوئی چھوٹا یا بڑا وفات پائے گا قیامت کے دن سب کو جنت میں تیس سال کی عمر والا بنا دیا جائے گا ان کی عمر کبھی بھی اس سے آگے نہ بڑھے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۹۹)

لہذا بوڑھی عورتیں جنہوں نے دنیا میں وفات پائی تھی جنت میں داخل ہوں گی تو جوان ہوں گی تیس سال کی ہوں گی۔ آیت بالا میں اسی کو فرمایا ہے۔

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، جنتی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لیے ہیں) جنتی عورتیں حسن و جمال والی بھی ہوں گی محبوبات بھی ہوں گی اور ہم عمر بھی ہوں گی۔

ایک بوڑھی صحابیہ عورت کا قصہ:

شائل ترمذی میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ نے فرمایا کہ اے فلاں کی ماں جنت میں بڑھیا داخل نہ ہوگی، یہ سن کر وہ بڑی بی روتی ہوئی واپس چلی گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس سے کہہ دو کہ جنت میں جب وہ داخل ہوگی تو بڑھیا نہ ہوگی (یعنی جنت میں بڑھا با باقی نہ رہے گا داخل ہونے سے پہلے ہی جوان بنا دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے:

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ شانہ کے فرمان: إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے طور سے زندگی دیں گے ان میں وہ عورتیں بھی ہوں گی

جود پائیں چند می نہیں اور جن کی آنکھوں میں میل اور چہرے پر برے رہتے تھے۔ (۱۱۱) ترمذی فی تفسیر سورہ اہلۃ
چند می اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھیں پوری طرح نہ کھلیں عام طور سے آنسو بہتے رہتے ہیں۔
لَا اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ لَ

لُذَّةٌ میں معنی بڑی جماعت اور اولین و آخرین کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اور سابقوں کے بیان میں مذکور
اوپر ہے، اگر اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے حضرات اور آخرین سے آپ کی
امت تا قیامت ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تو اس آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الیمین یعنی مؤمنین متقین کی تعداد
پہلی امتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی اور تہامت محمدیہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو امت
محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی برابر یہ امت ہو جائے جس کا زمانہ بہت
فصل ہے، اس کے علاوہ لفظ لُذَّةٌ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ یہ دَفْئَةٌ مِّنَ الْاَوْحَادِ لَیِّنٌ سے بڑھ جائے گا۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس سے بغوی
نے اور حضرت ابو بکرہ سے مسدد، طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہمارے
من امتی یعنی یہ اولین و آخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و
تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک بالکل محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ کم ہوں گے اور مؤمنین و
متقین داو لیباء اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے اور امت محمدیہ کا کوئی دور کوئی طبقہ اصحاب
الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہ سے منقول ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفتوں کے زرعے میں بھی وہ
اپنا رش و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت
اپنے کام میں لگی رہے گی۔

رُاصِبُ الشُّبَّالِ لِمَا اَصْحَبُ الشُّبَّالِ

اصحاب شمال اور عذاب الہی:

اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا دھوکے کے سخت سیاہ سائے
میں جیسے اور جگہ: اِنظَلِقُوْا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِہٖ تُكْتَبُوْنَ (المرسلات: ۲۹) فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے
تھے چلو تنہا شرخوں والے سایہ کی طرف جو نہ گھٹا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے، وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر
ہنگاریاں پھینکتی ہے، یہاں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ سرد اونٹنیاں ہیں۔ آج تکذب کرنے والوں کی خرابی ہے۔ اسی طرح یہاں
کئی فرمان ہے کہ یہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوکے میں ہوں گے جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ
آنکھوں کو بھلا معلوم ہو، یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائی بیان کر لی ہو وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس

کے بعد (ولا کریم) کہہ دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرمایا ہے یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جبرائیل کے نصیحتیں نہیں مٹی تھیں ان میں یہ سب ہو گئے۔ رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔ بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی۔ (حنت عظیم) سے مراد بقول حضرت ابن عباس کفر شرک ہے، بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے، پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے، اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ سر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ تمام اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر اور ایک میدان میں جمع ہوگی، کوئی ایک وجود بھی ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو، جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع ہو کر اور ایک میدان میں جمع ہوگی، تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت اللہ کے کر دیے جائیں گے یہ حاضر باشی کا دن ہے، تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت اللہ کے بھی ہلا سکے انسان روہم پر تقسیم کر دیے جائیں گے نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے، کمی زیادتی تقسیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہوگی۔ پھر تم اے گمراہ اور جھٹلانے والو قوم کے درخت سے کھاؤ گے اور خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گے اور اس کے اوپر سخت گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو، ہم جمع ہے اس کا واحد ایم ہے اونٹ ہمارا ہے ہائیم اور ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے، اسی طرح یہ جنت جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہوگا جھلا اس سے پیس کیا کرتی ہے؟ حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لیے مکروہ ہے پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے، جیسے تمہیں کے بارے میں اور جگہ ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ ۖ أَوْ جَدْنَاكُمْ عَنْ عَدَمٍ فَلَوْلَا هَلَّا تُصَدِّقُونَ ﴿۵۰﴾ بِالْبُعْثِ إِذَا الْقَادِرُ عَلَى الْإِنشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْإِعَادَةِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۵۱﴾ تَرْتَفُونَ الْمُنَبِّعِ فِيهِ أَرْحَامِ النِّسَاءِ ۖ أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزِ تَجِرُونَ ۖ إِبْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاءَ وَنَسْبِهَا وَإِذْ خَالِ الْبَيْتِ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ تَخْلُقُونَهُ أَيْ الْمُنْبِي بَشَرًا أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۲﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بِاللشَّدِيدِ وَالشَّخْفِيفِ بَيْنَكُمْ الْمَوْتِ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۵۳﴾ بِعَاجِزِينَ عَلَىٰ عَنَّا أَنْ نُبَدِّلَ نَجْعَلُ أَمْثَالَكُمْ مَكَانَكُمْ وَنُنشِئُكُمْ نَخْلُقُكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ مِنَ الصُّورِ كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ ۖ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ وَفِي قِرَائَةِ بِسُكُونِ الشَّيْنِ فَلَوْلَا تَدَاكُرُونَ ﴿۵۵﴾ فِيهِ إِذْ غَامَ النَّاءُ الثَّانِيَةَ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۵۶﴾ يُبْرِتُونَ الْأَرْضَ وَتُلْقُونَ الْبَدْرَ فِيهَا ۖ أَنْتُمْ تَزْعَمُونَ ۖ تُبْرِتُونَ ۖ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۵۷﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا ۖ نَبَاتًا يَابِسًا لَّا حَبَّ فِيهِ فَظَلَّمْتُمْ أَصْلَهُ ظَلَلْتُمْ بِكثْرِ اللَّامِ فَحَذَفَتْ تَحْفِيفًا

فَسَلِّمْ نَهَارًا تَفْكُهُونَ ﴿٥٠﴾ حَذَفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّائِبِينَ فِي الْأَصْلِ تَعْجِبُونَ مِنْ ذَلِكَ وَتَقُولُونَ إِنَّا
 لَنَعْرَمُونَ ﴿٥١﴾ نَفَقَةٌ زَرَعْنَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٥٢﴾ مَمْنُوعُونَ رِزْقًا أَوْعَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي
 تَنْزَلُونَ ﴿٥٣﴾ وَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ السَّحَابِ جَمْعٌ مُزْنَةٌ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٥٤﴾ لَوْ نَشَاءُ
 جَعَلْنَاهُ أَجَاغًا بَلْخَالًا يَمْكِنُ شُرْبُهُ فَلَوْلَا فَهَلَّا تَشْكُرُونَ ﴿٥٥﴾ أَوْعَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُودُونَ ﴿٥٦﴾
 لَمْ يَجُزْ مِنْ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ وَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلْبِ أَمْ نَحْنُ
 الْمُنْشِئُونَ ﴿٥٧﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكُرًا لِنَارِ جَهَنَّمَ وَمَتَاعًا بَلْفَعَةً لِلْمُقْوِينَ ﴿٥٨﴾ لِلْمَسَافِرِينَ مِنْ أَقْوَى
 الْقَوْمِ أَيْ صَارُوا بِالْقَوِي بِالْقَصْرِ وَالْمَدَايِ الْقَفْرِ وَهُوَ مَفَازُهُ لِأَنبَاتِ فِيهَا وَلَا مَاءَ فَيَسْبِغُ نَزْرُهُ بِاسْمِهِ
 زَيْنُ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٩﴾ اللَّهُ

۱۵

تو کچھ نہیں ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تہدین کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں
 زندہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو مٹی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں مٹی
 ڈالنے ہو) اس کو تم (دونوں ہنزہ کی تحقیق اور دوسری ہنزہ کو الف سے بدل کر اور تسبیل کر کے اور ہنزہ مسبلہ اور غیر مسبلہ کے
 درمیان الف داخل کر کے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) آدمی بتاتے ہو (یعنی مٹی کو انسان) یا ہم
 بنائے والے ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدر نامشاید اور تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے
 عاجز نہیں ہیں۔ تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بتائیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بند اور خنزیر کی
 مثل پر) اور تمہیں ہلکی پیدائش کا علم ہے (نشأت ایک قرأت میں سکون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل
 لیا مائے ثانیہ کو ذال بنا کر ادغام کر دیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بولتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (اگالتے ہو) یا ہم اگاتے
 والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں (بخیر دانہ کے بھوسے) پھر تم رہ جاؤ (فَطَلْتُمْ) اصل میں ظَلِلْتُمْ تھا کسرہ
 لام کے ساتھ تخفیفاً لام کو حذف کر دیا یعنی تم دن بھر رہو (حیران) تَفْكُهُونَ ﴿٥٠﴾ کی اصل میں دو تاء تھیں ایک کو حذف کر دیا گیا
 الہا پر فوج کرنے ہوئے بول اٹھو گے) کہ ٹوٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے
 غلہ ہاتھ) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مُزْنَةٌ کی جمع ہے) یا ہم
 برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں (ایسا شور کہ بیانہ جاسکے) سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ
 جس آگ کو تم سلگاتے ہو (سربزر رخت کا چھتاق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرخ، عفار اور کلخ نامی
 درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اس آگ کو (دوزخ کی) یاد دہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع)

کی چیز بنایا ہے (مقویں یعنی مسافرن "اقوی القوم" سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی۔ قوی قصود کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کلام میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہونہ پانی) سوائے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاک بیان) کیجئے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **قَدَّرْنَا**: یعنی ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔
 قوله: **إِنَّا لَنُخْرِمُونَ**: ہمیں تو چینی پڑ گئی۔
 قوله: **لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ**: یہاں لام ناصل کو حذف رکھا گیا ہے۔
 قوله: **مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ**: سرخ و سفید گیل شاخیں رگڑ کر آگ نکالتے ہیں۔
 قوله: **لِلْمُتَّقِينَ**: یہ اقوی القوم سے ماخوذ ہے۔

تفسیر مقبولین

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿۲۷﴾

مکرمین قیامت کو جواب:

اللہ تعالیٰ قیامت کے مکرمین کو لا جواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ جبکہ تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جبکہ کچھ نہ کچھ تو تم ہو گے ہی۔ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطرے کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں کوئی تدبیر نہیں، پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے۔ کل آسمان و زمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیلی کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے آیت: **وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيُعَيِّنُهَا وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْفَتْحُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الرؤم: ۲۷)** اللہ ہی نے پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ

موت ہو جائی، بہت سی آسمان ہے، سورۃ یاسین میں آیت (اولہ یرسلناک من قبلنا) سے علیحدہ تک ارشاد فرمایا یعنی ہم
 نہ نفع سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ جنت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا ہے اور کہتا پھر تا
 ہے نہ ہی وہ کی طرف سے پیدا کرتے ہیں اور کہتا ہے کہ تم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس
 نے انہیں پہلے ہلکے پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے سورۃ قیامہ میں فرمایا: اَلْجَنَّتِ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّذَكَّرَ سُدًى
 اذْ بَعَثْنَا مِنْهُ آفْرَسُوْرًا تَمَّكُ لَعْنٰی کَیْمًا اِنْسَانٌ یَّہِیْضَا ۙ کَہ اَسَہٗ یُوْنٰحٰی اَوَّارَہٗ یُحْمَزُوْرًا یَا جَانِّہٖ ۙ کَیْمًا یَا یٰکَیْفَ یُظَلِّفُ
 نَیْلِہٖ مِنْ مَّوَاہِجِہٖ یُخْرَجُوْنَ ۗ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا
 اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ اَلْیَوْمَہٗ ہِیَ السَّوْرٰتُ فِی ہٰذَا ۙ

آگ اور پانی کا خالق کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم جو کہتیاں بولتے ہو زمین کھود کر تباہ ڈالتے ہو پھر ان بیٹوں کو گانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟
 نہیں نہیں بلکہ انہیں آگ انہیں پھول پھول دینا ہمارا کام ہے۔ این جریر میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا زرع نہ کہا کرو بلکہ
 زرع کہا کرو یعنی ہوں کہو میں نے بویا یوں نہ کہو کہ میں نے آگایا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت
 کیا ہمارے جگر دلی ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو کہتے (عل انت یا ربی) ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے
 پانے ہی۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے
 کہ پکادیں اور مضبوط نہ ہونے دیں برباد کر دیں اور بے نشان بنائیں۔ اور تم ہاتھ ملتے اور باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔ کہ ہائے ہم
 ہانت آگئی ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی بڑا نقصان ہو گیا نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی غم اور غم سے نہ جانیں کیا کیا
 بہت ہمت کی بولیاں بولنے لگ جاؤ۔ کبھی کہہ کاش کہ اب کی مرتبہ بولتے ہی نہیں کاش کہ یوں کرتے دوں کرتے، یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ (تفکد) کا لفظ اپنے میں دونوں معنی رکھتا ہے نفع کے اور غم کے مزاج
 بنا کہتے ہیں۔ پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اس کا برسا نا بھی میرے قبضہ میں ہے کوئی ہے جو اس کو باطل
 سے اتار لائے؟ اور جب اترا آیا پھر بھی اس میں شفا، کڑواہٹ پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے۔ یہ مٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں
 گندلاں جس سے تم نہاؤ دھوؤ کپڑے صاف کرو کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرو جانوروں کو پلاؤ پھر کیا تمہیں یہی چاہئے کہ میرا
 شکر ہی ادا نہ کرو جناب رسول اللہ ﷺ پانی پی کر فرمایا کرتے دعا (لحمد لله الذی سقاناہ عذبا فرائنا برحمۃ ولم
 یجعلہ ملحا اجابا بنوننا)۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے لایا اور ہمارے گناہوں
 سے کبابت سے کھاری اور کڑوا نہ بنا دیا۔ عرب میں ودورخت ہوتے ہیں مرغ اور عفاران کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے
 تڑکی ہو گئی تو آگ لگتی ہے اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر
 رہے ہو پھر آگ لگتی ہے اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر
 رہے ہو پھر آگ لگتی ہے اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر

کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو۔ حضرت قتادہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری یہ نیکی آگ روزخ کی آگ کا سزاں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضور ﷺ یہی بہت کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر یہ سزاں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے، اب یہ اس قابل ہوا کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو۔ یہ مرسل حدیث میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے۔ مقولین مراد مسافر ہیں، بعض نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے ہر جگہ مراد ہے۔ غرض دراصل ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو۔ امیر فقیر شہری دیہاتی مسافر مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے، پکانے کے لئے اپنے ساتھ لے جائسکے اور ضرورت کے وقت اپنا کام نکال سکے۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ کھانا اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں رکھنے کا کسی کو حق نہیں۔ ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے۔ لیکن اس کی نہ ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہیے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا۔ جس نے پانی کو کھاری اور کڑوا نہ کر دیا کہ تم یہاں کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا، دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر ادا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی اندازہ تم کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ۔

فَلَا أُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۱﴾ بِمَسَاقِطِهَا لِنُجُومِهَا وَإِنَّكَ أَيُّ الْقَسِمِ لَقَسِمٌ لَوْ تَطَلَّعْتَ

عَظِيمٌ ﴿۲﴾ أَيُّ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِي الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عَظْمَ هَذَا الْقَسِمِ إِنَّكَ أَيُّ الْمَثَلِ عَلَيْكُمْ لَقُرْآنٌ

كَرِيمٌ ﴿۳﴾ فِي كِتَابٍ مَكْتُوبٍ مَكْنُونٍ ﴿۴﴾ مَضْنُونٌ وَهُوَ الْمَصْحَفُ لَا يَمْسُهُ خَبَرٌ بِمَعْنَى التَّهْوِي الْأَ

الْمُطَهَّرُونَ ﴿۵﴾ أَيُّ الَّذِينَ طَهَّرُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ الْأَحْدَاثِ تَنْزِيلٌ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّ

الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾ أَفِي هَذَا الْحَدِيثِ الْقُرْآنِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿۷﴾ مَتَهَاوِثُونَ مَكْدِبُونَ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ مِنَ

الْمَطْرِ أَيُّ شُكْرَهُ أَلكُمْ تَكْلِيبُونَ ﴿۸﴾ بِسَقْيَا اللّٰهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطِرْنَا بِنُورِ كَذَا فَلَوْ لَا فَهَلَا إِذَا بَلَغَتِ

الرُّوحُ رِقَّتَ النَّزْعِ الْحَلْقُومِ ﴿۹﴾ وَهُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ وَأَنْتُمْ يَا حَاضِرِي الْمَيِّتِ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ

إِلَيْهِ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ بِالْعِلْمِ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۱۰﴾ مِنَ الْبَصِيرَةِ أَيُّ لَا تَعْلَمُونَ ذَلِكَ فَلَوْ

فَهَلَا إِنْ كُنْتُمْ عَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۱۱﴾ مُجْزِينَ بِأَنْ تُبْعَثُوا أَيُّ غَيْرَ مَبْعُوثِينَ بِرَعْمِكُمْ تَرْجِعُونَهَا مُرْتَدِّ

الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوغِ الْحَلْقُومِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۲﴾ فَيَمَازُ عَمَّتُمْ فَلَوْلَا النَّبِيَّةُ تَأْكِلُ اللَّذَّةَ

وَأَنظُرُ لِيَرَّ جَفُونَ الْمُتَعَلِّقِينَ بِالشَّرْطَانِ وَالْمَعْنَى هَلَّا تَرَجَعُونَ نَهَا إِنْ نَفَيْتُمْ الْبُعْثَ صَادِقِينَ فِي نَفِيهِ آيٍ
 يَتَّقِي عَنْ مَخْلِهَا الْمَوْتَ فَأَمَّا إِنْ كَانَ الْمَيْتُ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۰﴾ فَرَوْحٌ آيٍ فَلَهُ اسْتِرَاحَةٌ وَ
 رِزْقٌ خَسَنٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَهَلِ الْجَوَابُ لِأَمَّا أَوْلَانِ آلِ لَهَا أَقْوَالٌ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ
 أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۱۲﴾ فَسَلَّمَ لَكَ آيٌ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۱۳﴾ مِنْ جِهَةِ أَنَّهُ مِنْهُمْ
 وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمَكِيدِينَ الضَّالِّينَ ﴿۱۴﴾ فَذُلٌّ مِنْ حَيْبٍ ﴿۱۵﴾ وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ﴿۱۶﴾ إِنْ هَذَا لَهُوَ
 حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۱۷﴾ مِنْ إِضَافَةِ الْمُوصُوفِ إِلَى صِفَتِهِ فَسَبَّحَ بِأَسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۱۸﴾ تَقَدَّمَ

۲
۱۱

توجہ رہتا ہے۔ سو میں قسم کھاتا ہوں۔ (لازماً ہے) ستاروں کے چھنے کی (غروب ہونے کے لیے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کر دو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (صحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی لگا، بجز پاک فرشتوں کے) جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (جو) ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمولی سمجھ کر جھٹلا رہے ہو) اور بنا رہے ہو اپنی غذا (بارش) یا اس کی شکر گزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر کہ بلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح نکلتی ہے (نزع کے وقت) طلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تک کرتے ہو (ایت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لا تہمرون بہرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے حساب میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آ جانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو اپنے اعتقاد میں۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا، تو جمعوں کا ظرف ہے جس سے دونوں شرحوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نئی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آنی چاہیے) پھر (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہے تو اس کیلئے چین ہے (یعنی اس کیلئے راحت ہے) اور غذا میں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ انما کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا اول کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص داہنے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن وامان ہے (غلاب سے چھٹکارا) تو داہنے والوں میں سے ہے (تیرا انہی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو اور کھولنے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور روزخ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**: یہ کیوں کہ لہذا اللہ ہے۔
- قولہ: **عَظِيمٌ**: یہ قسم عمت والی ہے۔ کیونکہ مقسم بہ عظیم قدرت پر دلالت کرنے والا ہے اور کمال قدرت اور فرما دینا بہت کرتا ہے۔
- قولہ: **بَسْمٌ**: کذا: نومسترسکی منزل کو کہتے ہیں، چاندی کی انعامیں منازل ہیں۔
- قولہ: **وَأَنْتُمْ**: وہاں ہے۔
- قولہ: **لَا تَطْلُقُونِ دَيْكُ**: اس کی حقیقت نہیں جانتے جس پر وہ چلتا ہے۔
- قولہ: **عِنْ مَحَلِّهَا**: حائیر نفس کی طرف لوتی ہے۔
- قولہ: **بِكَانَتِ**: جیسا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔
- قولہ: **جَنَّتْ نَجِيمٌ**: ای ذات نعیم یعنی نعمتوں والی۔
- قولہ: **لَا السَّلَامَةَ مِنَ الْعَذَابِ**: ضمیر غائب غائب کے معنی میں ہے۔
- قولہ: **بِإِنْ جَنَّةً أَمْ مَبْلَغٌ**: من اہل ہے، ابتدا یہ نہیں۔
- قولہ: **حَسْبٌ**: گرم پانی۔
- قولہ: **هَذَا الَّذِي**: هذا کی مشارالہ جو صورت میں مذکور ہے۔
- قولہ: **بِصِفَتِهِ**: یعنی وہ نفسی حق ہے۔

تفسیر مقبولین

فَلَا تُفَسِّرُوا بَيِّنَاتِ الْكُفْرِ

قرآن کا مقام:

حضرت ضحاک فرماتے ہیں اللہ کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ بہ فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار بھی ہے، بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لازماً ہے، آیت **وَإِنَّ الْكُفْرَانَ كُبْنَةٌ** جواب قسم ہے اور لوگ کہتے ہیں لا کوزائد بتانے کی کوئی وجہ نہیں کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے، جبکہ جس چیز پر قسم کھائی جائے وہ منطقی ہو، جیسے حضرت عائشہ کے اس قول میں ہے: (لا والله۔۔۔) مسند پدر رسول اللہ ﷺ بد امر اذ قطع) یعنی اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں جی

پت میں اور ان سے صحابہ نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بھی لاقسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد۔ تو کلام کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں یہ جاوے یا کہاوت ہے غلط ہیں۔ بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لاسے ان کے کلام کا انثار ہے پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے آیت: **فَلَا أُقْبِلُ بِمُزَوَّجِ الضُّمُورِ** (ابن ماجہ) سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے، لوح محفوظ سے تالیف القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اترا آیا پھر حسب ضرورت نمودار نمودار وقت بروقت اترتا رہا یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا اترا آیا۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طوق اور ظاہر ہونے کی آسمان کی جگہیں ہیں۔ مواقع سے مراد منازل ہیں۔ حسن فرمانے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے۔ لٹاک لڑاتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے معظم و محفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے۔ جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ابن مسعود کی قراءت میں (ایسے) ہے ابو العالیہ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد صاف فرمایا: **وَمَا تَكْرَأُكَ بِهِنَّ الشَّيْطَانُ** (اشرا: ۲۱۰) یعنی اسے نہ تو شیاطین لے کر اترا ہیں نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں۔ یہی قول اس آیت کی تفسیر میں دل کو زیادہ لگتا ہے۔ اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ فراء نے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف با ایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد جنات اور حدیث سے پاک ہونا ہے گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشاء ہے۔ اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسے دشمن کچھ نقصان پہنچائے۔ (مسلم) نبی ﷺ نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ (مولانا) مرسل ابوداؤد میں ہے زہری فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے کہ اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں لیکن ہر ایک قابل غور ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قرآن شعر و سخن جاوہر اور فن نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی جانب سے اترا ہے، یہ امر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا اس کے خلاف جو ہے باطل اور یکسر مردود ہے۔ پھر تم ایسا پاک بات کا کیوں اللہ کرتے ہو؟ کیوں اس سے ہٹاؤ اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق و فکر کے معنی میں آتا ہے۔ سند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے۔ یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر بارش کے موقع پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے۔ موطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے رات کو بارش ہوئی صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے بھی ہو آج شب تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو معلوم۔ آپ نے فرمایا سنو یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ کافر ہو گئے اور بہت سے ایماندار بن گئے۔ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے پانی برسوا میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا اور جس نے کہا فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا۔

اسلم کی حدیث میں موم ہے کہ ان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت عباس سے پوچھا تھا کہ شاید ستارہ کتنا ہوتی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افاق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا ابھی کہ اس سوال جواب اور استفسار کے سات روز گزرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ معمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہے اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے، اس بار سے کی بہت سی حدیثیں بننا نفع اللہ للہا میں ومن رزقہ فلا تحبک لہا ونا تحبک لہا فلا من رزقہ لہ من تغذیہ وہو العیال المکینہ (۴: ۲۰) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ ایک شخص کو حضور ﷺ نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برساتی ہوئی ہے، یہ رزق الہی ہے۔ ایک مرحلہ حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے مگر سات سال تک سال رہے اور پھر اللہ اپنے فضل و کرم سے بارش برسائے تو بھی یہ جھٹ سے زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں ستارے نے برسایا۔ پھر فرماتے ہیں اپنی روزی بکذیب کو عی نہ بنا لو یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فرشتے کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس یہ بھی مطلب ہے اور یہ بھی کہ قرآن میں ان کا حصہ کچھ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ بات جھوٹا کہتے رہیں اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

لَا يَمْسِكُ إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۱﴾

یہاں دو مسئلے فوراً مطلب اور ائمہ تفسیر میں مختلف فرمے ہیں، اول یہ کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس جملے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس کتاب کی ایک صفت کنون آئی یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے اور ضمیر لایمسک کی اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کتاب کنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مطہرون کی مراد صرف فرشتے ہی دیکھتے ہیں، جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں فقط مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا، بلکہ مس کرنے اور چھونے کے معناری اور لازمی معنی مراد لینے ہوں گے، یعنی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین پر مطلع ہونا کیونکہ لوح محفوظ کو ہاتھ سے چھونا کسی مخلوق فرشتے وغیرہ کا کام نہیں۔ (ترجمی) بیان القرآن کے مذکورہ صدر نظامہ تفسیر میں یہی ترکیب اور مفہوم اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔ دوسرا احتمال اس جملے کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر آیت لَقَدْ أَنْزَلْنَا كِتَابَنَا میں مذکور ہے اس صورت میں لَا يَمْسِكُ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہے اور لفظ مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں رہے گا، معناری ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے اور امام مالک نے فرمایا کہ آیت: لَا يَمْسِكُ إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۱﴾ کی تفسیر میں کچھ میں نے سنا ہے ان سب میں بہتر یہ قول ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو سورہ ص میں آیت کا ہے یعنی لِيَضْرِبَ لَكُم مَثَلًا فَمَنْ فُتِنَ فَرْتَدَّ فَهُوَ مِنْكُمْ إِلَّا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ (ترجمی) انسانی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جملہ کشیدہ لکھنے والی کی صفت نہیں بلکہ قرآن کی صفت ہے اور قرآن سے مراد وہ صحیفہ ہے جو حق لانے والے فرشتوں کے ہاتھ میں رہے جاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ فوراً مطلب اور مختلف فرمے اس آیت میں یہ ہے کہ مطہرون سے کون مراد ہیں، صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک

بڑی بیعت کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہیں جو معاصی اور ذمائل سے پاک و معصوم ہیں، یہ قول حضرت انس اور سعید بن جبیر سے منقول ہے (فرہی) حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے (ابن کثیر) امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فرہی) اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور مطہرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدیث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدیث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے اور حدیث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، یہ تفسیر حضرت عطاء، طاؤس، سالم اور حضرت محمد باقر سے منقول ہے (روح) اس صورت میں جملہ لایسہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس خبر کو حکم انشاء یعنی نئی و ممانعت کے معنی میں قرار دیا جائے گا اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو اور بے وضو بھی نہ ہو اور حدیث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرہی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

فارق اعظم کے، سلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اور اقرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اور اقرآن ان کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا کہ اسکو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوس سکتا، فارق اعظم نے مجبوراً ذکر غسل کیا، پھر یہ اور اقرآن پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے اور روایات حدیث جن میں غیر ظاہر قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے، ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کیلئے پیش کیا ہے۔ مگر چونکہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس وغیرہ کا اختلاف ہے جو اوپر آچکا ہے، اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلے میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا (در المعانی) وہ احادیث یہ ہیں:-

امام مالک نے مؤطاء میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے: لا یمس القرآن الا طاهر (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو ظاہر نہ ہو۔ اور روح المعانی میں روایت مسند عبد الرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی واہن مردویہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا یمس القرآن الا طاهر (روح المعانی) یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

مسئلہ: روایات مذکورہ کی بنا پر بہورامت اور نکتہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے صہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ پاک ہونا، بے وضو ہونا، صحت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰ، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عطاء اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ سب کا یہی مسلک ہے، اوپر جو اختلاف، قول نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت اور بہورامت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم اور احادیث مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا اور اس آیت اور احادیث مذکورہ کے مجمعہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، دوسرے

حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف سماجی اصطلاح کی لیکن احادیث مذکورہ کی بناء پر مسلک سب کے یہی اختیار کیا کہ بے وضو بے طہارت قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اس لئے خلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔ مسئلہ: قرآن مجید کا خلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہوا بھی بحکم قرآن ہے، اس کو بھی بلیغ وضو بلیغ طہارت کے ہاتھ لگانا باطلاق احمد اور بعد ناجائز ہے، البتہ قرآن مجید کا جزوان جو طبعہ و کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جزوان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگانا بلا وضو بوضو ابوضیفہ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام مالک اور شافعی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ (مطہری) مسئلہ: جو کپڑا آری نے پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ بلیغہ ورومال یا چادر سے چھوا جاسکتا ہے۔ (مطہری)

مسئلہ: علماء نے فرمایا کہ اسی آیت سے بدرجہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی جائز نہیں، جب تک غسل نہ کرے کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف و نقوش کی جب یہ تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جز بان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہئے، اس کو مقتضی تو یہ تھا کہ بے وضو آدی کو بھی تلاوت قرآن جائز نہ ہو، مگر حضرت ابن عباس کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں مسند احمد میں ہے اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن فرمانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس لئے فقہاء نے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے۔ (تفسیر مطہری)

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝

اگر تمہیں جزا ملنی نہیں ہے تو موت کے وقت روح کو کیوں واپس نہیں لوٹا دیتے:

ان آیات میں اولاً انسانوں کی بے بسی ظاہر فرمائی ہے جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے، ثانیاً انسانوں کی انہیں تینوں جماعتوں کا عذاب و ثواب بیان فرمایا ہے جن کا پہلے رکو ع میں تذکرہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں بہت سے اعمال کرنے کا حکم دیا اور بہت سے اعمال سے منع فرمایا تاکہ بندوں کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا امتحان لیا جائے، سورۃ الملک میں فرمایا: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ وَإِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ۚ (موت اور حیات کو پیدا فرمایا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں اچھے عمل والا کون ہے؟)

لہذا زندگی کے بعد موت بھی ضروری ہے اور ان دونوں میں سے بندوں کو کسی کے بارے میں کچھ بھی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی دی، وہی موت دے گا، اس نے دونوں کا وقت مقرر اور مقدر فرمادیا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ خود سے پیدا ہو جائے یا وقت مقرر سے پہلے مر جائے۔

خالق تعالیٰ شانہ کی قضاء اور قدر کے خلاف اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا

ارشاد فرمایا: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ کہ جب مرنے والے کی روح حلق کو پہنچ جاتی ہے تو تم وہاں موجود ہوتے ہو

اسے حسرت کی آنکھوں سے ٹک ٹک دیکھا کرتے ہو اور اس پر ترس کھاتے ہو اور تمہاری آرزو ہوتی ہے کہ اسے موت نہ آئے

ہوتا ہے لیکن سرے پر ہیں قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جدا گانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی پشم آتی ہیں، انج - مسند احمد میں ہے حضور ﷺ کی قراءت فروع را کے پیش سے تھی۔ لیکن تمام قاریوں کی قراءت را کے زیر سے ہے یعنی فروع مسند میں ہے حضرت ام ہانی نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے بیٹھے گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو درختوں کے میوے چکے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائیگی، اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی شاہد ایک حدیث ہے جس کی اسناد بہت بہتر ہے اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں ہزر رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں، ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں اور عرش تے لنگی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمن بن ابویعلیٰ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا روتے کیوں ہوں؟ صحابہ نے کہا حضور ﷺ بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو سنو مطلب سکرانے کے وقت سے ہے اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام وہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تاکہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرمی پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار نہ ہوؤں پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمن میں سے ہے، اللہ کے عذاب سے تو سلامتی پائے گا ورنہ فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: (إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ) (الاحقاف: ۱۳) یعنی سچے بچے توحید و لوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں کچھ رنج غم نہ کہ جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے، دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے جو تمہارا تم کرد گے پوری ہو کر رہے گی، غفور و رحیم اللہ کے تم ذی عزت مہمان ہو۔ بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمن میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو، واللہ اعلم اور اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیانت اس گرم جیم سے ہوگی جو آنتیں اور کھال تک جھلسا دے پھر چاروں طرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنستا رہے گا۔ پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح کرتا رہے۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور آیت (سبح اسم ربك الاعلیٰ) اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ فرماتے ہیں جس نے حدیث (سبحان الله العظيم وبحمده) کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا یا جاتا۔ (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں بوجھ ہیں اللہ کو بہت پیارے ہیں۔

سُورَةُ الْحَدِيدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 سورتہ الحدید ۲۹ آیات
 اور اس کی آیتیں ہیں اور چار رکوع

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَيْ تَرَاهُ كُلَّ شَيْءٍ فَاللَّهُمَّ مَزِيدُهُ وَجِيءَ بِمَا دُونَ مِنْ تَعْلِيْقِ الْإِلَّا كَثُرَ
 وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ يُعْجِبُ بِالْإِنشَاءِ وَيُؤَيِّتُ
 بَعْدَهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِأَبْدَانِيَّةٍ وَالْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِأَنْهَائِيَّةٍ
 وَالظَّاهِرُ بِالْأَدِلَّةِ عَلَيْهِ وَالْبَاطِنُ ۗ عَنْ إِذْرَاكِ الْخَوَاسِ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَبِيدٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنَ الدُّنْيَا أَوْلَهَا الْأَخْذَ وَآخِرَهَا الْجُمُعَةَ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى
 الْعَرْشِ ۗ الْكُرْسِيِّ اسْتَوَىٰ يَلِيقُ بِهِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ يَدْخُلُ فِي الْأَرْضِ كَالْمَطَرِ وَالْأَمْوَاتِ وَمَا
 يَخْرُجُ مِنْهَا كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِنِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ وَمَا يَعْرُجُ يَصْعَدُ
 فِيهَا كَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ وَهُوَ مَعَكُمْ بِعِلْمِهِ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
 بَصِيرٌ ۝ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ الْمُؤْجُودَاتِ جَمِيعُهَا يُوَلِّجُ اللَّيْلَ
 يَدْخُلُهُ فِي النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلَ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۗ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارَ وَهُوَ عَلِيمٌ
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ بِمَا فِيهَا مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقِدَاتِ أَمِنُوا دُومُوا عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ
 أَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ ۗ مِنْ مَالٍ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَبَسَخَلْفَكُمْ فِيهِ مَنْ
 بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِي غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبْرُكٍ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا إِشَارَةً إِلَى عُثْمَانَ رَضِيَ
 اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ خِطَابَ لِلْكَافِرِ أَيْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْإِيمَانِ

بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوكُمْ لِمُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَثُرَ الْخَاءُ وَبِفَتْحِهَا وَنُصِبَ
 مَا بَعْدَهُ مِثْقَالَكُمْ عَلَيْهِ أَيْ أَخَذَهُ اللَّهُ فِي عَالَمِ الدُّرُجَاتِ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا
 بَلَىٰ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ أَيْ مُرِيدِينَ الْإِيمَانَ بِهِ فَبَادَرُوا إِلَيْهِ هُوَ الَّذِي يُكْرِئُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ
 بِكَلِمَاتٍ آيَاتِ الْفُرْقَانِ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ الَّتِي كُفِّرْتُمْ إِلَى النُّورِ ۝ الْإِيمَانُ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَعَلَّ
 إِخْرَاجِكُمْ مِنَ الْكُفْرِ إِلَى الْإِيمَانِ لَعُؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِلَّا فِيهِ إِذْ غَامُ تُؤْنِنُ أَنْ فِي
 لَامٍ لَا إِلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ مِيزَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ بِمَا فِيهِمَا فَيَصِلُ إِلَيْهِ أَقْوَامٌ مِمَّنْ
 غَيْرِ آجِرِ الْإِنْفَاقِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَنْفَقْتُمْ فَتُؤْجَرُونَ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَن أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ
 وَقَتْلًا ۝ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا مِّنَ الْفَرِيقَيْنِ وَفِي قُرْآنِهِ
 نَجٍ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۝ وَالْجَنَّةُ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۝ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں (یعنی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور من کی بجائے ما استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کارگیری میں) حکمت والا ہے آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اول ہے (سب سے پہلے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دلائل کی روشنی میں) اور وہی (حواس کی گرفت سے) مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش پر قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے ہزیاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت و رحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے و برے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار و اعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے آؤ (ایمان پر برقرار رہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ

مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت مزید یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اظہار غمہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں لغو اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے استبرکم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کرو تو فوراً کار بند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو (کفر کی) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ خرچ نہیں کرتے (الا۔ ان لا یحیوا۔ نون کا لام میں ادغام کر دیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رو جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان وزمین میں ہیں۔ یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو حج مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے) وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: فَاللّٰمُ مَزِيْدَةٌ: جیسے کہتے ہیں کہ میں نے اس کو نصیحت میں نصیحت کی۔

قوله: يُنَجِّي: یہ جملہ مستأنف یا محذوف ہو کی خبر ہے۔

قوله: وَيَنْسَخِلْفُكُمْ: تمہارا حال بنزلہ وکیل و بواب کے ہے اس میں نفق پر ابھارا۔

قوله: وَالرَّسُوْلُ: یہ حال ہے۔

قوله: وَقَدْ اَخَذْنَا: یہ يَذْعُوْكُمْ کے مفعول سے حال ہے۔

قوله: وَقَتْلٌ: قاتل کا تذکرہ بطور اسطراد ہے اور یہ مَنْ اَنْفَقَ محذوف کا قسم ہے۔ اس پر مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا

مِنْ بَعْدُ دلالت کرتا ہے۔

قوله: كَلَّا وَعَدَدًا: مرفوع پر ہیں تو مبتداء ہے۔

تفسیر مقبولین

یہ سورت بھی ان مدنی سورتوں میں ہے جو شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہیں مگر اخلاق اور محاسن اعمال پر بھی کلام فرمایا گیا اور یہ کہ انسان کو دین و دنیا کی سعادت کیلئے ضرورت ہے کہ اپنے باطن کو اخلاقِ روزیہ کی گندگیوں سے پاک رکھتے ہوئے احسان اور انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرے۔

اس سورۃ سہارک میں بالخصوص تین اہم موضوع ذکر فرمائے گئے ہیں۔

اولیٰ یہ کہ جملہ کائنات موجودات اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہی اس کا مالک اور خالق ہے اور صرف اسی کا تصرف اور حکم جاری ہے اس کی خالقیت اور حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ دین خداوندی کی سر بلندی کے لیے انسان کو کسی قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔
ثالثاً: دنیا اور دنیا کے ساز و سامان اس کے نیش اور لذتوں کی حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ زیب و زینت اور مال و محتاج محض ایک دھوکہ اور فریب ہے ان چیزوں سے انسان کو چاہئے کہ دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ یہ سمجھے کہ دنیا کی زندگی صرف چند روزہ اور یہاں کا قیام آخرت کی تیاری کے واسطے ہے۔

ان مضامین کی ابتدا حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و کبریائی اور اسکی پاکیزہ صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح و پاکی بیان کرنے میں مصروف ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اسکی قدرت و عظمت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے پھر یہ کہ وہ ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتدا نہیں اور ایسا آخر ہے کہ اسکی کوئی نہایت نہیں وہ ظاہر ہے کہ اسکی قدرت کا جلوہ ہر موجودہ مخلوق میں ظاہر ہے اور باطن ہے ایسا کہ نگاہوں اور افکار و عقول کی پرواز سے بالا ہے اسکے بعد اہل ایمان کو انفاق و ایثار کی دعوت دی گئی ساتھ ہی ایمان کا وہ اکرام و اعزاز بھی بیان کیا گیا جو میدانِ حشر میں انکو نصیب ہوگا کہ: لودھہ یسعی بطن اہدیبہ الخ

اختتام سورت پر اللہ رب العزت نے اپنے رسولوں کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور انکی تعلیمات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی امت کو ایمان و تقویٰ کی دعوت دیتے تھے۔

سورۃ حدید کی بعض خصوصیات:

پانچ سورتوں کو حدیث میں سموات سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبَّحُ آیا ہے، ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جم، پانچویں تغابن، اوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ سموات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آجروں سے افضل ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورۃ حدید کی یہ آیت ہے: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)

ان پانچ سورتوں میں سے تین یعنی مدید، حشر، صف میں تو لفظ صبح بصریہ ماضی آیا ہے اور آخری دو یعنی جمعہ اور تقوان میں صبح بصریہ مضارع، اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ہر زمانے ہر وقت ماضی مستقبل اور حال میں جاری رہنا چاہئے۔ (مطبری)

مَتَّبِعْ يَلْبَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾

کُل کائنات ثناء خواں ہے:

تمام حیوانات، سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، ساتوں آسمان، زمینیں، ان کی مخلوق اور ہر ایک چیز اس کی تعریف کرنے میں مشغول ہے گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو اللہ حلیم و غفور ہے۔ اس کے سامنے ہر کوئی پست دعا جزو و ما چاہے، اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان و زمین ہیں وہی ہے، خلق میں منحرف وہی ہے، زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے، وہی فنا کرتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے۔ جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد کی آیت: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٥﴾ وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گزرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ حضرت ابو ذریب حضرت ابن عباس سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے لیکن زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا اس پر حضرت ابن عباس نے مسکرا کر فرمایا شاید کچھ شک ہوگا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے: فَاِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ مَا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَسْئَلِ الْاَلِيْفَنَ يَخْرُجُ مِنَ الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاۤءَكَ الْحَقُّ مِنَ رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنُ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یس: ۱۳) یعنی اگر تو جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک میں ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے۔ پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید: ۳) اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اقوال ہیں۔ بخاری فرماتے ہیں یعنی کا قول ہے کہ ظاہر باطن سے مراد از روئے علم ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ یہ یعنی زیا فرما کے لڑکے ہیں ان کی ایک تصنیف ہے جس کا نام معانی القرآن ہے۔ منہاج میں ہے رسول اللہ ﷺ سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے۔

اے اللہ سے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات و انجیل کے اتارنے والے! اے دانوں اور گھلیوں کو اگانے والے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے تو اوائل ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا تو وہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں تو ظاہر ہے تجھ سے اور جی کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تجھ سے چھپی کوئی چیز نہیں ہمارے قرض ادا کرادے اور ہمیں فقیری سے غنا دے۔ حضرت ابو صالح اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے سوتے وقت داہنی کرٹ پر ہینت کر یہ دعا پڑھ لیا کرو، لفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم۔ ابو یعلیٰ میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا آپ آ کر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے، پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخرات میں با آواز بلند یہ دعا پڑھتے

(جراہ پر بیان ہوئی) الفاظ میں کچھ میر بھیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سے تشریح فرماتے تھے کہ ایک بادل سر پر آ گیا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے باادب جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے والے ہیں۔ فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں ان لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو اللہ کے شکر گزار ہیں نہ اللہ کے پکارنے والے پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہے فرمایا بلند محفوظ صحت اور لپٹی ہوئی موج، جانتے ہو تم میں اس میں کس قدر فاصلہ ہے وہی جواب ملا، فرمایا پانچ سو سال کا راستہ۔ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اسی طرح آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔ پھر سوال کر کے جواب سن کر فرمایا اس ساتویں کے اوپر اتنے ہی فاصلہ سے عرش ہے، پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے اور جواب وہی سن کر فرمایا دوسری زمین ہے، پھر سوال جواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسرے کے نیچے بتائیں، پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی، لیکن یہ حدیث غریب ہے اس کے راوی حسن کا ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد وہی اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غیب تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت بیشک ہر جگہ ہے لیکن وہ اپنی ذات سے عرش پر ہے جیسے کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا۔ ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کے درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے۔ امام بزار نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرت ﷺ سے بغیر حضرت ابو ہریرہ کے اور کوئی نہیں۔ ابن جریر میں یہ حدیث مرسلہ مروی ہے یعنی لٹاؤ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں صحابی کا نام نہیں لیتے۔ لیکن ہے یہی شیک ہو، واللہ اعلم، حضرت ابو ذر غفاری سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور متن میں غربت و نکارت ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریر آیت (وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلُنَّ) (الملاق: ۱۲) کی تفسیر میں حضرت لٹاؤ کا قول لائے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے اللہ عزوجل نے بھیجا ہے اور میں نے اللہ کو وہیں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے اللہ نے بھیجا تھا اور اللہ وہیں تھا، تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا جو تھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لٹاؤ والی اوپر کی روایت جو مرسلہ بیان ہوئی ہے ممکن ہے وہ بھی حضرت لٹاؤ کا اہتمام ہو جیسے یہ قول خود لٹاؤ کا اپنا۔ واللہ اعلم

مَنْ آتَى خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ...
ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے:

اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اسے بخوبی علم ہے کہ کس قدر بارش کی بوندیں زمین میں گئیں، کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارہ پیدا ہوا کس قدر کھیتیاں ہوئیں اور کتنے پھل کھلے، جیسے اور آیت میں ہے: **وَعِنْدَنَا مَفَاحُ الْغَيْبِ لَا يَخْلُقْنَهَا إِلَّا اللَّهُ (الانعام: ۵۹)** غیب کی کھیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں سوائے اس کے اور کوئی جانتا ہی نہیں وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں، زمین کے اندھیروں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی ترد خشک چیز ایسا نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو، اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش، اولے، برف، تقدیر اور احکام جو برتر فرشتوں کے ہذیر نازل ہوتے ہیں، سب اس کے علم میں ہیں، سورۃ بقرہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو اللہ کی بتائی ہوئی جگہ پہنچا دیتے ہیں، آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں، جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیے جاتے ہیں، وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں، راتیں ہوں یا دن ہوں، تم گھر میں ہو یا جنگل میں، ہر حالت میں اس کے علم کے لئے یکساں ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے تمام کلمات سننا رہتا ہے تمہارا حال دیکھتا رہتا ہے، تمہارے چمپے کھے کا سے علم ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ اس سے جو چھبنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے بھلا ظاہر باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے؟ ایک اور آیت میں ہے پوشیدہ باتیں ظاہر باتیں راتوں کو ان کو جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔ یہ سچ ہے وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرائیل کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک شخص آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرمنا جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیم زاندا سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو، یہ حدیث ابو بکر اسماعیل نے روایت کی ہے سند غریب ہے۔ حضور ﷺ کا اثر ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا مزہ اٹھالیا۔ ایک اللہ کی عبادت کی اور اپنے مال کی زکوٰۃ انہی خوشی راضی رضا مندی سے ادا کی۔ جانور اگر زکوٰۃ میں دینے ہیں تو بوزھے بیکار دبلے پتلے در بیمار نہ دے بلکہ در میانہ راہ اللہ میں دیا اور اپنے نفس کو پاک کیا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور ﷺ نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ (ابو نعیم) اور حدیث میں ہے افضل لہذا یہ ہے کہ تو جان رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حمار) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان دو

شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اذا ما اخلت ورت امدھر يوم ان لا تقبل
 خلوت ولك من قبل على رقيب
 ولا تحبب الله يغفل ل ساعته
 ولا ان ما يغفل على يغيب

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں۔ بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ کسی سماعت اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے

جیسے اور آیت میں ہے
 وَإِن لَّنَا لَآخِرَةٌ وَأَوَّلَىٰ (المیل: ۱۳) دنیا آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔ اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی

ہمارا فرض ہے۔ فرماتا ہے

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْمُلْكُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْمُحْكَمُ وَالْيَهُ تُزَجَعُونَ (قصص: ۷۰) وہی معبود برحق ہے اور وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایک اور آیت میں ہے اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا خبردار ہے۔ پس ہر وہ چیز جو آسمان وزمین میں ہے اس کی بادشاہت میں ہے۔ ساری آسمان وزمین کی مخلوق اس کی غلام اور اس کی خدمت گزار اور اس کے سامنے پست ہے۔ جیسے فرمایا
 إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مریم: ۶۳)، آسمان وزمین کی کل مخلوق رحمن کے سامنے غلام کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے، اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں، اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے، وہ عدل ہے ظلم نہیں کرتا، بلکہ ایک نیکی کو دس گن بڑھا کر دیتا ہے اور ہر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے، ارشاد ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيُبْوِيَ الْقَائِنَةَ فَلَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِن تَكُن مِّنْ عِشْقَالٍ حَبَّةٍ مِّنْ حَوْثٍ لَّآتَيْنَا بِهَا وَكَلِمًا يَنْبَأُ خَسِيبِينَ (الانبیاء: ۴۷) قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کئی ہر ظلم نہ کیا جائے گا رانگی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے و لینے میں کافی ہیں۔ پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ ہے اپنی حکمت سے گھٹاتا بڑھاتا ہے کبھی دن لمبے کبھی راتیں اور کبھی دلوں یکساں، کبھی جاڑا، کبھی گرمی، کبھی بارش، کبھی بہار، کبھی خزاں اور یہ سب بندوں کی خیر خواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے ہے۔ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم:

اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے اوپر اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کا ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت

لزوری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے قربت حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بد ہو اور اپنی مستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے نہ تو چھوڑتا نہ وہ اڑاتا۔ حضور ﷺ سورۃ (الحکم) پڑھ کر فرمانے لگے انسان کو کھتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھالیا پہن لیا صدقہ کر دیا کھالیا ہوا فنا ہو گیا پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا، ہاں راہ اللہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا (مسلم) اور جو باقی رہے گا وہ تو اوروں کا مال ہے تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے رسول ﷺ تم میں موجود ہیں وہ تمہیں ایمان کی طرف بلتا رہے ہیں وہیں دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں، صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصہ کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء فرمایا ان پر توحی اور کلام اللہ آتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم فرمایا داہم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے، میں تم میں زندہ موجود ہوں، سنو بہترین اور عجیب تر ایماندار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے، محیفوں میں لکھ دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے، سورۃ البقرہ کے شروع میں آیت: (الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَ يُعْتَمِدُونَ الصَّلَاةَ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ) ○ (البقرہ: ۳) کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں، پھر انہیں روز بیثاق کا قول قرار یاد دلاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: (وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اطعنا وَ اتقوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ) (النمل: ۷)، اس سے مراد رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا ہے اور امام ابن جریر فرماتے ہیں مراد وہ بیثاق ہے جو حضرت آدم کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا، مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔ وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن جنتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ تر آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم و جہل کی گھنٹھور گھنٹاؤں اور رائے قیاس کی بڑبڑ اندھیوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن صاف اور سیدھی راہ حق پر لاکھڑا کر دے۔ اللہ رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے یہاں کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں اتاریں، رسول بھیجے، شکوک و شبہات دور کر دیئے، ہدایت کی وضاحت کر دی۔ ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر نہیں رہتا، ابی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی، اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور فقیری سے نہ ذرو، اس لئے کہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا تہا مالک ہے، عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیرات کے بدلے انعام کا وعدہ کر چکا ہے۔ فرماتا ہے: (وَ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَ هُوَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ) (سہ: ۳۹) جو کچھ تم راہ اللہ دو گے اس کا اجر تم پر بدلہ دے گا اور روزی رساں درحقیقت وہی ہے اور فرماتا ہے: (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ) (الاحقاف: ۱۰) اگر یہ کافی مال تم خرچ کر دو گے وہ اپنے پاس کا ہمیشگی والا مال تمہیں دے گا۔ توکل والے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش نہیں لگی ترشی سے محفوظ رکھتا ہے، انہیں اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہان میں

ہمیں قطعاً کر رہے گا۔ پھر اس امر کا بیان ہو رہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ اللہ خرچ کیا اور جہاد کیا اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا گو بعد فتح مکہ کیا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی ترشی زیادہ تھی اور قوت طاقت کم تھی اور اس لئے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا، پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے، انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں، بعض نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف میں کچھ اختلاف ہو گیا جس میں حضرت خالد نے فرمایا تم اسی پر اکتا رہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دو تو بھی ان کے اعمال کو پہنچ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالد کے مسلمان ہوجانے کے بعد کا ہے اور آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں ہے بنو ہذیمہ کے بارے میں ہوا تھا حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد کی امارت میں اس کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا ہم مسلمان ہو گئے ہم صابی ہوئے یعنی بے دین ہوئے، اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو یہی لفظ کہا کرتے تھے حضرت خالد نے غالباً اس کلمہ کا اصلی مطلب نہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دے دیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے انہیں قتل کر ڈالنے کا حکم دیا اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کی مخالفت کی اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے تین پاؤں اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤں کو بھی نہ پہنچے گا۔ ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضور ﷺ کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یعنی نہایت نرم دل نہایت خوش اخلاق سادہ مزاج۔ ہم نے کہا حضور ﷺ پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤں بلکہ ڈیڑھ پاؤں اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے پھر آپ نے اسی آیت (لَا يَسْتَوِي) کی تلاوت کی، لیکن یہ روایت غریب ہے، بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کمتر شمار کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے صحابہ نے پوچھا کیا وہ تریشیوں میں سے ہوں گے آپ نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں اور آپ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر فرمایا وہ یعنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے ہم نے پوچھا کیا

دراہم سے بھی افضل ہوں گے؟ فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ اللہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مدیا آدمے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں اور چھن گیا کو دراز کر کے فرمایا خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہو، جیسے کہ سورۃ منزل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ: **وَآخِرُونَ يُفَاتِنُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ** (الزلزلہ: ۲۰) یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ اللہ دیا ہے کسی کو اس سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے قوی مؤمن اللہ کے نزدیک ضعیف مؤمن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے۔ اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان بعد والوں کی سبکی کا خیال گزرے اس لئے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بتایا۔ پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے وہ درجات میں جو تقادرت رکھتا ہے وہ بھی انداز سے نہیں بلکہ صحیح علم سے۔ حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس کے سردار ہیں آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا کل مال راہ اللہ دے دیا تھا جس کا بدلہ سوائے اللہ کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب میں تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے۔ صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی، اگر بیان کانٹے سے الٹائے ہوئے تھے جو حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابو بکر نے فقط ایک مہا پکن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ اللہ خرچ کر ڈالا ہے اب ان کے پاس کچھ نہیں، حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا ان سے کہو کہ اللہ انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناخوش ہو؟ آپ نے حضرت صدیق کو یہ سب کہہ کر سوال کیا۔ جواب ملا کہ اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں میں اس حال میں بہت خوش ہوں۔ یہ حدیث سداً ضعیف ہے واللہ اعلم۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ بِإِتِّفَاقٍ مَا يَهِيَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا بَانَ يُفْقَهُ لِلَّهِ تَعَالَى فَيَضَعِفَهُ لَهُ
 وَفِي قِرَاةٍ فَيَضَعِفَهُ بِالتَّشْدِيدِ مِنْ عَشْرِ إِلَى أَكْثَرٍ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ كَمَا ذُكِرَ فِي الْبَقَرَةِ وَ لَهُ مَعَ
 الْمَضَاعِفَةِ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ مُقْتَرَنٌ بِهِ رَضَى وَأَقْبَالَ أذْكَرُ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى
 نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ أَمَامَهُمْ وَ يَكُونُ بَأْيَابِهِمْ زَيْقَالٌ لَهُمْ بُشْرُكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتٌ أَيْ دُخُولُهَا

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ
الْمُنْفِقْتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْظِرُونَا أَبْصِرُوا وَأَنْزِلْنَا فِي رَاثَةِ بِنْتِ الْهَمْرَةِ وَكَسِرِ الظَّاهِرِ أَيْ أَمِيلُونَا لِقَبَسِ
تَاخُذُ الْقَبَسَ وَالْإِضَافَةُ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ لَهُمْ اسْتَهْزَأُوا بِهِمْ ارْجِعُوا وِرَاءَكُمْ فَاتَّبِعُوا أُنُورًا
فَرَجَعُوا فَفُصِّبَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ بِسُورِ قَبْلِ هُوَ سُورَةُ الْأَعْرَافِ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ
مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَظَاهِرُهُ مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِينَ مِنْ قَبْلِ الْعَذَابِ ۝ يَتَادَوْنَهُمْ أَلَمْ تَكُنْ
مَعَهُمْ عَلَى الطَّاعَةِ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِالتَّفَاقُحِ وَتَرَبَّصْتُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ الذَّاهِبِينَ
وَأَرَبْتُمْ شَكَّكُمْ فِي دِينِ الْإِسْلَامِ وَغَرَّكُمْ الْأَمَانِيُّ الْأَطْمَعُ حَتَّى جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ الْمَعْرُوفُ
غَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝ الشُّبُهَانُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالنَّيِّبَاتِ مِنْكُمْ فِدَايَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ
كَفَرُوا مَا أَوْلَكُمْ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ أُولَىٰ بِكُمْ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ۝ هِيَ أَلَمْ يَأْنِ يَخْرُجَ لِلَّذِينَ
آمَنُوا نَزَلَتْ فِي شَأْنِ الضَّحَاةِ لَمَّا كَثُرُوا الْمَزَاحَ أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ
بِالتَّحْفِينِ وَالتَّشْدِيدِ مِنَ الْحَقِّ الْقُرْآنِ وَلَا يَكُونُوا مَعْطُوفٍ عَلَى تَخْشَعٍ كَالَّذِينَ آوَوْا إِلَيْهِ
مِنْ قَبْلِ هَذِهِ الْيَهُودِ وَالتَّصَارِي فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ الزَّمَنُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ آبَائِهِمْ فَتَسَّتْ قُلُوبُهُمْ
تَلَىٰ لِذِكْرِ اللَّهِ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ اعْمُوا خِطَابُ لِلسُّؤْمِيَّةِ السُّكُورِيِّينَ أَنَّ أَنَّ اللَّهَ يُلْقَى
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بِالتَّنَابِ فَكَذَلِكَ يَفْعَلُ بِقُلُوبِكُمْ بَرْدَهَا إِلَى الْحُشُوعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ
الدَّالَّةِ عَلَى قُدْرَتِنَا بِهَذَا وَغَيْرِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ مِنَ الْمُصَدِّقَاتِ أَدْخَلَتْهُنَّ
الضَّادِ أَيِ الَّذِينَ تَصَدَّقُوا وَالْمُصَدِّقَاتِ الْأُنثَى تَصَدَّقْنَ وَفِي قِرَاءَةِ تَحْسِبُ ضَادٍ بَيْنَهُمَا مِنَ التَّضَامَةِ
الْإِيمَانِ وَاقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا رَاجِعًا إِلَى الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِالتَّمْيِينِ وَتَطْفُؤُ الْعَمَلِ عَلَيْهِ
وَفِي صَلَاةِ الْأَلَاةِ فِيهِ خَلٌّ مَخْلُ النَّعْرِ وَذِكْرُ الْقُرْصِ بِرُصْعِهِ تَعْدُ لِلتَّضَامِ تَمْيِينًا يَضْحَفُ وَفِي فَرْ
بُضْعَفُ التَّشْدِيدِ أَيِ قَرْضُهُمْ لَهُمْ وَ لَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ

الْمُبَالِغُونَ فِي التَّضَدِّيقِ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ عَلَى الْمُكَذِّبِينَ مِنَ الْأَمَمِ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾

۱۰

التَّارِ

توجیہ: کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کیلئے صرف کر کے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا سے زیادہ تک جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے) اور اس کیسے (اس بڑھوتری کے ساتھ) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایات بھی شامل ہوں گی۔ آپ یاد کیجئے) جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) اور داہنی طرف ددڑتا ہوگا۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوشخبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو۔ ایک قراءت میں نظر و ناحتہ ہمزہ اور کسرہ ظا کے ساتھ ہے یعنی ہر را انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں (شعلہ و چمک حاصل کر لیں) تمہارے نور سے (ان کو) جواب دیا جائیگا (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ فوراً ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کی) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کیلئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے لوگراہی (خفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں کے) خطرہ کرتے تھے اور تم (دین اسلام میں) شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں (آرزوں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آپہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج تم سے ایسا نہیں جائے گا (یوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) فدیہ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ستمی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لیے (صحابہ جب بکثرت ہنسی مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخشع پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہو گئے (اللہ کی یاد سے زمانے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مؤمنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے (ہریالی آگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں یہاں بھی اور دوسرے مقامات

میں بھی) تاکہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (صدقہ سے ماخوذ ہے تاکہ صاف میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے اللین تصدقوا) اور صدقہ کر نیوالی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں۔ ایک قرأت میں دونوں لفظ تخفیف صاف کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد عورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کی صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسی صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قرأت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کیسے اور ان کیلئے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور (تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف) گواہ ہوں گے اپنے پروردگار کے حضور۔ ان کیلئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری وحدانیت معصوم ہو رہی تھی) یہی لوگ روزِ نعی ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: فِيضُحِفَةً: جواب استفہام ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
- قوله: ذُخُوْهُنَّ: اس سے اشارہ ہے کہ کلام میں مجاز ہے اور خبر سے مضاف مخدوف ہے۔
- قوله: ذَلِكَ: اس کا اشارہ الیہ النور اور بشری ہے۔
- قوله: يَوْمَ يَقُولُ: یہ یوم ترکی سے بدل ہے۔
- قوله: أَبْصُرُوْنَا: یہ انظر نظر سے ہے، جب وہ ان کو دیکھیں گے اور چہرے ان کی طرف کریں گے تو وہ ان کے نور سے روشنی چاہیں گے۔
- قوله: تَأْخُذُ الْقَبَسِ: ہم شعلہ لیں۔
- قوله: وَرَاءَ كُمْ: تم مصارف حاصل کرنے کے لیے دینا کی طرف یا موقف کی طرف لوٹ جاؤ۔ نور وہاں سے ملتا ہے۔
- قوله: بِسُوْرٍ: دیوار من قبلہ: اس والی جانب جو آگ کے قریب ہوگی۔
- قوله: الدَّوَابِّرُ: حواث۔ اطماع یعنی طوالت عمر۔
- قوله: كُفْرًا: انہوں نے ظاہر و باطن میں کفر کو اختیار کیا۔
- قوله: أُولَىٰ بِكُمْ: تمہارے زیادہ مناسب ہے۔
- قوله: أَلَمْ يَأْنِ: کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔
- قوله: يَخْنِ: یہ خن ہے ہے شوق مند ہونا۔

نقلہ: وَمَا تَزَلْ: اس کا عطف الذکر پر ایک وصف کے دوسرے پر عطف کی طرح ہے۔

نقلہ: تَنْطَوْفُ: وہ نصب کی وجہ بتاتی۔

نقلہ: لَيْسَقُونَ: وہ ان کے مابین سے نکلنے والے ہیں۔

نقلہ: تَعْقِلُونَ: تاکہ تمہاری عقل کامل ہو۔

نقلہ: بِالتَّغْلِبِ: کیونکہ اقرضو ایہ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔

نقلہ: عَطْفُ الْفِعْلِ: فعل کا اسم پر عطف الی کی وجہ سے آیا کیونکہ وہ الذین اصداقوا کے معنی میں ہے۔

نقلہ: تَنْقِيذُ: اس سے یہ دلالت مل گئی کہ ایسا صدقہ معتبر ہے جو خوش دلی اور صحت نیت سے دیا جائے۔

تفسیر مقبولین

پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو، پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور جنت میں پاکیزہ تر روزی ملے گی، اس آیت کو سن کر حضرت ابو دحداح انصاریؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیکھئے آپ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی وہ لپک کپتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چل آئیں، حضور ﷺ فرمانے لگے جنتی رزق وہاں کے پانچ سو برس سے لے ہوئے اور جن کی شاخیں یا قوت اور موتی کی ہیں ابو دحداح کو اللہ نے دے دیں۔

يَوْمَ تَوَدَّى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن کے ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر سب سے کم نور جس گنہگار مؤمن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا۔ (ابن جریر) حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بعض لوگوں کے لئے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے مدین دور ہے اور امین دور ہے۔ اور صنعاء دور ہے۔ بعض اس

سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔ حضرت جناد بن ابوامیہ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہرے ہاں نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ یا اللہ ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تاکہ اس اندھیری جگہ سے با آرام گزر جائیں۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سراٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا میں آگے چھپے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضور ﷺ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے میری امت کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے یہ دمف کی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہی ہوگی۔ ضحاک فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا عمل نامہ ہوگا جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چہرے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں، یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ دکھائے گی۔ سلیم بن عامر فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا، اندھیرے کا، کیڑوں کا اور تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے وسعت دے دے۔ یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے۔ ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے، پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائیں گے، اسی کا ذکر آیت (اولیٰ المات) الخ میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں تو جس طرح یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب کرتے تھے آج ان سے کہہ جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے، یہی اللہ کا وہ مکر ہے جس کا بیان: **إِنَّ الشُّبُهَاتِ لَجُلْدِعُونَ لِلَّهِ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُتَالاً يَرَوْنَ النَّاسَ وَلَا يُدْرِكُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا** (النساء)

۳۶) میں ہے۔ اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مؤمنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہے۔ پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑ رہے گا نور ل جانے پر بید کھل جائے گا تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کال اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے۔ جب مؤمن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آواز دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن بل صراط پر تمیز ہو جائے گی مؤمنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا یہ مؤمنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مؤمن خوف زدہ ہو رہے ہوں گے یہ وہ وقت ہوگا کہ ہر ایک آپادھالی میں ہوگا، جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل ہوگی اسی کا ذکر: **وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيْمَتِهِمْ وَكَانُوا خَضِبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِمَتْ عَلَيْهِمْ لَنْفِهِمْ يَنْفُسُهُمْ وَهُمْ يَوَسْوَسُونَ** (الاعراف: ۴۶) میں ہے۔ پس جنت میں رحمت اور جہنم میں عذاب۔ ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی دادی کے پاس ہوگی، ابن عمر سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی ثرتی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ یعنی یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب کے معنی میں آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان ٹھیک کے لئے کھڑی کی جائے گی مؤمن تو اس کے دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت شک و حیرت کی اندھیروں میں تھے، اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جمعہ جماعت ادا کرتے تھے عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے واجبات ادا کرتے تھے۔ ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو گناہوں میں نفسانی فحاشیوں میں اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے اور آج تو یہ کر لیں گے کل بد اعمالیوں چھوڑ دیں گے اسی میں ہے۔ انظار میں ہی عمر گزاری دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ آیا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی پھر تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک اللہ کی طرف یقین خلوص کے ساتھ چلنے کی توفیق میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا۔ یہاں تک کہ آج تم جہنم داخل ہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے یہ کاری میں رہے اور دل لگا کر ماد الہی کرنا بھی تمہیں نصیب نہ ہوا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ منافق

مؤمنوں کے ساتھ تھے نکاح بیاہ مجلس جمع موت زیت میں شریک رہے۔ کہ خبردار ان کا رنگ تم پر نہ چڑھ جائے۔ اصل دفتر میں ان سے بالکل الگ رہو، ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن حدیث کی محاسن تو مسلم عیاشی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بے حد محبوب اور مرغوب ہے آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی الہامی کتاب پر کچھ زمانہ گزر گیا تو ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو ان کے اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لئے تھے، اب مزے لے لے کر زبانیں موز موز کر انہیں پڑھنے لگے ان میں سے اکثر مسائل اللہ کی کتاب کے خلاف تھے جن جن احکام کے ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لئے تھے اور انہی پر عامل بن گئے، اب انہیں سوچھی کہ لوگوں کو بھی منوا میں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو شرعی کتابیں سمجھیں اور مدار عمل انہیں پر رکھیں اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے، یہاں تک کہ جو ان کی ان کتابوں کو نہ مانتا اسے یہ ستائے تکلیف دینے مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے، ان میں ایک شخص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے انہوں نے ان کی طاقت سے اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک زنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا، ان لوگوں کا شر و فساد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا، پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو کہ یوں ایک ایک کو کب تک قتل کرتے رہیں گے؟ ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری چاندی ہی چاندی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو پھر ہماری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں ماننے لگیں گے، چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم، عامل اس بزرگ کو پکڑوا منگوا لیا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اسے سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ ان پر تیرا ایمان ہے یا نہیں؟ اس اللہ ترس کتاب اللہ کے ماننے والے عالم نے کہا اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ تو، انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لئے جزات کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکا کہ نہیں، نسا بلکہ اپنے اس زنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا سپر ایمان ہے وہ مجھ بیٹھے کہ اس کا اثر رہا ہماری اس کتاب کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی ایذا رسانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار و انفعال سے کھٹکتے ہی رہے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تعینیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو آخروہ زنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا پڑھا تو اس میں اصلی مسائل کتاب اللہ کے موجود تھے اب بات بنائی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے ایسی باتیں ہمارے دین کی نہیں چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر کردہ ہو گئے ان سب میں بہتر کردہ جو راستی پر اور حق پر تھا وہ تھا جو اس زنگھے والے مسئلہ پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعود نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ لوگوں میں سے بھی جو باتیں رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہوگا ان بری کتابوں کے مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہوگی، پس ایسے مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ ان سب کو برا جانتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت

نفل کی ہے کہ عمر یس بن عرقوب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو عبداللہ جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہوگا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے، پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔ پھر ارشاد باری لیکن اب یہاں بالکل الگ کر دیئے گئے۔ سورۃ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ مسلمان مجرموں سے انہیں جہنم میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ آخر تم یہاں کیسے پھنس گئے اور وہ اپنے بد اعمال گنوا میں گئے۔ تو یاد رہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہوگا ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے۔ پھر یہ جیسے وہاں فرمایا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی، یہاں فرمایا آج ان سے فدیہ نہ لیا جائے گا گوزمین بھر کر سونا دیں قبول نہ کیا جائے گا نہ منافقوں سے نہ کافروں سے ان کا مرجع و ماویٰ جہنم ہے دعویٰ ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ يَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ

کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خشوع والے بن جائیں:

ان آیات میں ان اہل ایمان کو خطاب اور عتاب فرمایا ہے جن کے اعمال صالحہ میں کمی آگئی اور جن کے دلوں میں ذکر اللہ اور کتاب اللہ کی طرف توجہ درجہ مطلوبہ میں نہیں رہی، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے وہاں کچھ اصحاب ہنس رہے تھے آپ نے اپنے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی جو سرخ ہو رہا تھا اور فرمایا کہ کیا تم ہنس رہے ہو؟ اور تمہارے رب کی طرف سے یہ امان نازل نہیں ہوئی کہ اس نے تمہیں بخش دیا؟ (اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگاتے اور ہنسی مذاق میں وقت خرچ نہ کرتے) تمہارے ہنسنے کے بارے میں مجھ پر آیت کریمہ: اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ يَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اس ہنسنے کا کیا کفارہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قدر ہنسے ہو اسی قدر روؤ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی اس وقت یمامہ والے کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ بہت روئے ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ہم بھی اس طرح رویا کرتے تھے حتیٰ کہ بعد میں ایسے لوگ آگئے جن کے دل سخت ہو گئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۷۹-۱۸۰-۱۷۸)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اللہ کے ذکر میں اور قرآن کی تلاوت کرنے اور سمجھنے کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا چاہئے، جب دل میں خشوع ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی کتاب کی طرف جھکاؤ ہوگا تو ایمان میں پختگی رہے گی۔ اگر دل میں خشوع نہ ہو تو شدہ شدہ آہستہ آہستہ دلوں میں تساوت یعنی سختی آ جائے گی۔ جب تساوت آ جاتی ہے تو دنیا ہی کی طرف توجہ رہ جاتی ہے۔ دین پر چلنے کا اہتمام اور آخرت کی فکر نہیں رہتی نماز بھی یوں ہی چلتی ہوئی پڑھتے ہیں ایک منٹ میں دو رکعتیں نمنا دیتے ہیں اور نماز میں دکان کی بکری کا حساب لگاتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ باتیں کرنا تساوت قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی دل ہے جو سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک تاریخی واقعہ:

حضرت فضیل بن عیاض مشہور محدث ہیں اکابر صوفیاء میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے یہ پہلے صحیح راستہ پر نہ تھے (اکہ زنی کہا کرتے تھے اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک لڑکی سے عشق ہو گیا اس لڑکی کے پاس پہنچنے کے لیے دیواروں پر چڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک تلاوت کرنے والے شخص کی آواز کان میں پڑ گئی وہ آیت کریمہ: **اللَّهُ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا...** پڑھ رہا تھا (کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر کے لیے ان کے قلوب جھک جائیں)۔ فضیل نے جب اس آیت کو سنا تو فوراً منہ سے نکلا: **یٰٰلٰہِ یارب قداٰن** (اے میرے پروردگار ہاں وہ وقت آ گیا) یہ کہہ کر واپس لوٹے تو ایک ویران گھر کی طرف چلے گئے وہاں کچھ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ چلو سفر شروع کر دیں دوسرے نے کہا کہ صبح تک ٹھہرو کیونکہ یہاں کہیں فضیل ہوگا وہ ڈاکو ہے کہیں ہم پر ڈاکہ نہ ڈال دے، یہ سن کر فضیل اپنے دل میں کہنے لگے اے میرا یہ حال ہو گیا کہ رات بھر گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہوں اور مسلمان مجھ سے ڈرتے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج کی رات یہاں اسی لیے بھیجا ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دوں اس کے بعد بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کیا: **اللہم انی قد نبت الیک وجعلت توبتی مجاورۃ البیت الحرام** (اے اللہ میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی توبہ میں یہ بھی شامل کرتا ہوں کہ اب البیت الحرام یعنی مکہ معظمہ میں زندگی گزاروں گا) اس کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں پوری زندگی عبادت میں گزاری اور یہ حال تھا کہ جب ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تو اتنا روتے تھے کہ پاس بیٹھنے والوں کو ان پر رحم آنے لگتا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ن کا ذکر کیا ہے: **اقام بالبیت الحرام مجاوزاً مع الجهد الشدید والودع الدائم والخوف الوافی والبکاء الکثیر والتخلی بالوحدة ورفض الناس وما علیہ اسباب الدنیا الی ان مات بہا** (مکہ معظمہ میں قیام کیا سخت مجاہدہ کے ساتھ اور دائمی پرہیزگاری کے ساتھ اور خوب زیادہ خوفِ الہی کے ساتھ اور خوب زیادہ رونے کے ساتھ اور تنہائی میں وقت گزارنے کے ساتھ اور لوگوں سے بے تعلق رہنے کے ساتھ، دنیا کے اسباب میں سے موت آنے تک ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا)۔

حضرت فضیل بن عیاض نے ایک مرتبہ علمِ حدیث کا اشتغال رکھنے والوں کو دیکھا کہ آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے ہیں اور نس رہے ہیں، ان کو پکار کر فرمایا کہ اے انبیاء کرام **ﷺ** کے ورثہ! اس کرو بس کرو، تم امام ہو تمہارا اقتداء کیا جاتا ہے۔ (سیرا علام النبلاء ص ۴۲۳ ۴۲۶ ج ۸۔ تہذیب التہذیب ص ۲۹۴ ۲۹۶ ج ۸) ایک مرتبہ ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا میں تجھے ایک اچھی بات سناؤں؟ اس نے کہا فرمائیے! آپ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ لِلّٰہِ لَا مِحْبَۃَ الْفَرِحِیْنَ (اترا یا نہ کر بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔

اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ جن کے دلوں میں قساوت تھی:

وَلَا یَكُونُوا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِ فَطَالَ عَیْیٰہُمْ الْاَمَدُ فَنَقَسَتْ قُلُوْبُہُمْ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب ملی تھی (ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہے) ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (دونوں اپنی اپنی کتاب اور اس

کے احکام سے نافل ہو گئے معاصی میں منہمک رہے اس طرح زمانہ گزر رہا چلا گیا اور توبہ نہ کی جب یہ حالت ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے جب دل سخت ہو جاتے ہیں تو نیکی بڑی کا احساس نہیں ہوتا اور دین حق پر باقی رہنے کی منفعت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے بہت سے لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ وَكَشِيرٌ مِّنْهُمْ لَيْسُوا بِإِيمَانٍ (اہل کتاب کا یہی حال ہوا کہ ان میں سے اکثر فاسق یعنی کافر ہو گئے جن کا بقیہ آج بھی دنیا میں موجود ہے)۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ دلوں کو خشوع والا بنا لیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں قرآن کی تلاوت میں لگے رہیں اس کے احکام پر عمل کرتے رہیں، خدا نخواستہ یہود و نصاریٰ جیسا حال نہ ہو جائے: قَوْلَهُ تَعَالَى: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا مَضَارِعَ مِنْ أَمْرِ الْأَمْرَانِ يَا أُولِي الْأَبْصَارِ إِذَا جَاءَ أَمْرًا مِنْ رَبِّكَ فَارْجُوعًا وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ لِقَوْمٍ كَانُوا لَا يُفْقَهُونَ (ذکر فی الروح صفحہ ۱۷۹: ج ۲۷)

إِنَّ الْمُصَلِّينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ

صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے اجر کریم کا وعدہ اور شہداء کی فضیلت:

فقیر مسکین محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص اللہ کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے اللہ کی راہ میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گئے اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا ان کے ثواب بے حساب ہیں ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔ اللہ رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق و شہید ہیں، ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف با ایمان لوگ ہیں، بعض حضرات نے الشہداء کو الگ جملہ مانا ہے، غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین صدیقین شہداء جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ ہیں، پس صدیق و شہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف نبیاء کے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری مسلم) ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف ال آیت میں اسی مؤمن کے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے مؤمن شہید ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روئیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تا کہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے

مطابق ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں۔ 1- وہ بکے ایمان والا مؤمن جو دشمن اللہ سے بھڑکیا اور بڑے رہا یہاں تک کہ کڑے کڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل عشر اس طرح سراٹھاٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنا سر اس قدر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمر نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ 2 دوسرا وہ ایمان دار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرات کم ہے کہ یا ایک ایک تیر آگیا اور روح پرواز کر گئی ہی دوسرے درجہ کا شہید بنتی ہے۔ 3 تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرمایا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی تیسرے درجے میں ہیں۔ چوتھا وہ جس کے کناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور اللہ نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوایا۔ ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بد لوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ وَ زِينَةٌ تَزِينُ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَ

الْأَوْلَادِ أَيْ الْأَسْتِغَالِ فِيهَا وَ أَمَا الطَّعَاثُ وَ مَا يَعِينُ عَلَيْهَا فَمِنْ أَمْوَالِ الْآخِرَةِ كَمَثَلِ أَيْ هِيَ فِرْدِ

إِعْجَابِهَا لَكُمْ وَ اضْمِحَالِهَا كَمَثَلِ غَيْثٍ مَطَرٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ الزَّرَّاعَ نَبَاتُهُ النَّاشِئُ عَنْهُ ثُمَّ

يَهْبِجُ يَبْسُ فْتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حَطَامًا فَتَأْتِي تَضْحَلُ بِالرِّيحِ وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ

لِمَنْ أُنزِلَتْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَ مَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٌ لِمَنْ لَمْ يُوَثِّرْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَا

الْتَمَعُ فِيهَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَ

الْأَرْضِ لَوْ وَصِفَتْ إِحْدَهُمَا بِالْأُخْرَى وَ الْعَرْضُ السَّعَةِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ ۚ ذَلِكَ

فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ

بِالْجُدِّ وَ لَا فِي أَنْفُسِكُمْ كَالْمَرِيضِ وَ قَبْدِ الْوَلَدِ إِلَّا فِي كِتَابٍ يَعْنِي اللُّوحَ الْمَحْفُوظَ مِنْ قَبْلِ أَنْ

تَبْرَأَهُمْ ۚ نَحَلَقَهَا وَ يُقَالُ فِي النِّعْمَةِ كَذَلِكَ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا كُنِيَ نَاصِبَةً لِلْفِعْلِ

بِمَعْنَى أَنْ أَيْ أَخْبَرَ بِذَلِكَ تَعَالَى لِئَلَّا تَأْسُوتَ حَزَنًا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوا فَرِحَ بِطَرِيقِ فَرِحَ

شَكَرَ عَلَى النِّعْمَةِ بِمَا أَنْتُمْ ۚ بِالْمَدِّ أَعْطَاكُمْ وَ بِالْقَصْرِ جَاءَكُمْ مِنْهُ وَ اللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

مُشَكِّرٍ بِنَاؤُنِي فَخُورٌ ۝ بِهِ عَلَى النَّاسِ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ وَ يَأْمُرُونَ النَّاسَ

بِالْبُخْلِ بِهِ لَهُمْ وَعَيْدٌ شَدِيدٌ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَنَّا يَجِبْ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ ضَمِيمٌ فَضْلٍ وَفِي قِرَاءَةِ
 بِسْمِ اللَّهِ الْغَنِيِّ عَنِ غَيْرِهِ الْحَمِيدِ ۝ لِأَرْبَابِنَاهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا الْمَلَائِكَةَ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ بِالْبَيِّنَاتِ
 بِالْحُجَجِ الْقَوَائِمِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَالْمِيزَانَ أَنْعَدَلْ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ
 وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ أَحْرَجْنَاهُ مِنَ الْمَعَادِنِ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ لِنُقَاتِلَ بِهِ وَمَنَافِعَ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ
 عِلْمَ مُشَاهِدَةٍ مَعْطُوفٌ عَلَى لِيَقُومَ النَّاسُ مَنْ يَنْصُرْهُ بَانَ يَنْصُرْهُ دِينُهُ بِالْأَبَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيدِ وَ
 غَيْرِهِ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ ۝ حَالٌ مِنْ هَاهُنَا يَنْصُرُهُ أَيْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا
 يَنْصُرُونَهُ وَلَا يَبْصُرُونَهُ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ لَا حَاجَةَ لَهُ إِلَى النَّصْرَةِ لَكِنَّهَا تَنْفَعُ مَنْ يَأْتِي بِهَا

۳۱۹

ترجمہ: تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل کو اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شیخی بگھارنا اور اموال و اولاد
 میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ
 آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو لہانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل بینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی
 بازی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد
 دکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مرجھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو
 آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور بخشندگی ہے (جو دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگی
 (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف دوڑو۔ اور ایسی جنت کی طرف جس کی
 وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان وزمین سب کو ایک دوسرے کے برابر بنا لیا جائے۔ عرض بمعنی
 وسعت ہے) ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور وہ اپنا فضل
 جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے (قطعاً سال) اور نہ خاص تمہاری جانوں پر
 (جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوروں کو پیدا کیا
 (نہا یا اور نعمت کا حال بھی یہی ہے) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ (کئی فعل کا ناصب ہے۔ یعنی اللہ اس کی اطلاع اس
 لئے رہا ہے کہ) تم رنج نہ کرو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتر آؤ (شیخی کے طور پر اترنا۔ البتہ بطور شکر نعمت خوش ہو
 سکتے ہو) اس چیز پر جو تمہیں عطا فرمائی ہے (انکم مد کے ساتھ ہے بمعنی اعطا کمہ اور بغیر مد کے بمعنی جاء کم ہے) اور اللہ تعالیٰ
 کا اتارنے والے (عطیہ پر تکبر کر نیوالے) شیخی (لوگوں کے سامنے) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی
 (ادباجات میں) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (ایسے لوگوں کیلئے اس میں سخت وعید ہے) اور جو شخص
 (ادباجات سے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (ھومیر ہے اور ایک قراءت میں ہونے سے) بے نیاز ہیں (سب سے) سزاوار

حمد ہیں (اپنے دوستوں کیلئے) ہم نے اپنے رسولوں کو (جو فرشتے انبیاء کے پاس آئے) کھلے کھلے احکام (دلائل قطعیہ) اسے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب (بمعنی کتب) اور عدل (انصاف) کو اتارا۔ تاکہ لوگ اعتدال پر رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا (کانوں سے برآمد کیا) جس میں سخت ہیبت ہے (کہ اس سے قتل کیا جاسکتا ہے) اور لوگوں کیلئے اور بھی طرح طرح کے منافع ہیں۔ تاکہ اللہ جان لے (مشاہدہ کر لے) لیس قوم الناس پر اس کا عطف ہے (کہ کون اس کی مدد کرتا ہے) (لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے اس کے دین کی مدد کر کے) اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے (بالغیب۔ بنصرہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی دنیا میں رہ کر غائبانہ مدد کرتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اور اس کو دیکھتے نہیں) اللہ طاقتور زبردست ہے (اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تاہم جو اس کی مدد کرے گا اس کا اپنا فائدہ ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: لَهُوَ: جس سے وہ اپنے نفوس کو بہلاتے ہیں۔
 قولہ: زَيْنَةً: کپڑوں کی طرح اور انساب کی طرح باہمی فخر وال چیز۔
 قولہ: بِكَأْتُرُ: گنتی میں مقابلہ۔
 قولہ: الزَّرَاعِ: کسان۔
 قولہ: يَبْسُ: کسی آفت سے خشک ہو جائے۔
 قولہ: فَنَاتَا: بریزہ جمع فت ثلثہ اجزاء کو کہتے ہیں۔
 قولہ: وَالْعَرْضِ: وسعت جیسا ذود عاء عریض۔
 قولہ: أُعِدَّتْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ جنت تیار ہو چکی ہے وہاں نقلی جائیں گے۔
 قولہ: بِالْجَذْبِ: قوط سالی۔
 قولہ: تَبْرَأَهَا: ضمیر مصیبت کی طرف لوٹتی ہے۔
 قولہ: لَهُمْ وَعَيْنٌ: اشارہ ہے کہ ان الَّذِينَ يَبْخُلُونَ مبتداء ہے، اسکی خبر محذوف ہے۔ وہ لَهُمْ وَعَيْنٌ شَدِيدٌ ہے۔
 قولہ: لِيَقُومَ النَّاسُ: تاکہ عدل کے سبب ریاست قائم ہو۔ اور ظلم و ظالم کو دفع کیا جائے۔
 قولہ: بِأَسْ شَدِيدٌ: اس میں مضبوطی ہے کہ جنگی ہتھیار اس سے بنتے ہیں۔
 قولہ: مَنَافِعٍ: صنعت کا سامان۔
 قولہ: مَن يَأْتِي بِهَا: یہ تنفع کی ضمیر سے بدل ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّمَا آتَاكُمُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے:

امردنیا کی تحقیر تو ہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو سوائے لہو ولعب زینت و فخر اور اولاد و مال کی کثرت کی چاہت کے اور ہے بھی کیا؟ جیسے اور آیت میں ہے (زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْإِنْفِصَةِ وَالْفُتَيْلِ الْمَسْوُومَةِ وَالْإِنْعَامِ وَالْمَخْرَبِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِلَّهِ عِندَهُ حُسْنُ النَّهَايِ (آل عمران: ۱۴) یعنی لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے وغیرہ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بر سے۔ جیسے فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَالِي الْحَمِيدُ (شوری: ۲۸) اللہ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔ پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی نکتھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں، لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تروتازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے، دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھاپا ہے، ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جائے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھے، کہاں جوانی کے وقت اس کا جوش و خروش زرد طاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری تھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کر اور بے طاقت ہڈیاں؟ جیسے ارشاد باری ہے: (اللَّهُ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس وقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔ اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے، پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذاب اور سزا کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندی رب کو لائے گی، پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ، دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا اسی کی دھن میں روز و شب مشغول رہتا ہے بلکہ اس کی دالی اور زوال والی کمین دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے، شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (ابن جریر) آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث صحیح میں بھی ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک

سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تمہارا اور اسی طرح جہنم بھی۔ (بخاری) پس معلوم ہوا کہ خیر و شر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لئے اسے چاہئے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے۔ تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑ دو اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی جنس کے برابر ہے، جیسے اور آیت (وسارعوا الی مغفرة) میں ہے چاہئے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہاں فرمایا یہ اللہ رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے اسی لئے اس بڑے فضل و کرم والے نے اپنی نوازش کے لئے انہیں جن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔ پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پائے آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ کہا نماز روزہ تو وہ اور ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلس کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں، دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمد للہ۔ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر حضور ﷺ ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ ...

جو بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے اس کا وجود میں آنا پہلے سے لکھا ہوا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے جو اس نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی، فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی برائی آئے یا جس کسی شخص کی جان پر کچھ آ پڑے اسے یقین رکھنا چاہئے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہے، لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہے، امام حسن سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے سبحان اللہ ہر مصیبت جو آسمان و زمین میں ہے وہ نفس کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی، قحط وغیرہ ہے اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے، جس کسی کو کوئی خرابی لگتی ہے یا الغرض پاپ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آ جاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور رحیم اللہ بخش دیتا ہے، یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ کی تردید میں جس کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں اللہ انہیں ذلیل کرے۔ صحیح مسلم شریف ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیر مقرر آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے کی اور روایت میں ہے اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ترمذی) پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا، ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ وہی تو ان کا پیدا

کرنے والا ہے۔ جس کا محیط علم ہونے والی، ہورہی، ہو چکی، ہوگی تمام چیزوں کو شامل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں یہ خبر اس لئے دی ہے کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت نلنے والا نہ تھا، پس مصیبت کے وقت صبر و شکر قتل و ثبات قدمی مضبوطی اور روحانی طاقت تم میں موجود ہے، ہائے وائے بے مبری اور بے ضبطی تم سے دور ہے جزع فزع تم پر چھانہ جائے تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی، اسی طرح اگر مال دولت غلبہ وغیر مل جائے تو اس وقت آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اسے عیب الہی مانو تکبر اور غرور تم میں نہ آجائے ایسا نہ ہو کہ دولت و مال وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور اللہ کو بھول جاؤ اس لئے کہ اس وقت بھی ماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہوگی کہ یہ میرے دست و بازو کا میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ ایک آراء اس کی آتمک ہے دوسری اتکم ہے اور دونوں میں تلازم ہے، اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے جی میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے دوسروں پر فخر کرنے والے اللہ کے دشمن ہیں، حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ رنج و راحت خوشی و غم تو ہر شخص پر آتا ہے خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گزار دو، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی برار استہ بتاتے ہیں۔ جو شخص اللہ کی حکم برداری سے ہٹ جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزا اور حمد ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یعنی اگر تم اور تم رومے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ ساری مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے۔

لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبینات

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو واضح احکام دے کر بھیجا، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور لوگوں کو انصاف کا حکم دیا:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا اور انہیں واضح احکام کے ساتھ بھیجنے کا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے کتاب جنس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابیں مراد ہیں اور عربی میں المیزان ترازو کہتے ہیں بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ترازو ہی کیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے صحیح ناپ تول کی جاتی ہے اور وہ آلہ عدل و انصاف ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ”انصاف“ کیا ہے دونوں صورتوں کا مطلب اور مآل ایک ہی ہے، ارسال رسل اور انزال کتاب اور انزال میزان کام آل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا لِيُقْوَمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

لوہے میں ہیبت شدیدہ ہے اور منافع کثیرہ ہیں:

اس کے بعد فرمایا: وَ انزلنا الحديدَ فيه بائس شديدٌ اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدید ہیبت ہے، جہاد کے لیے جو ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔ نیزہ، تلوار، خنجر، بندوق لوہے ہی سے بنتے ہیں اور ان کے علاوہ جو ہتھیار ہیں حتیٰ کہ آج کل کے برائل، بم اور دوسرے ہتھیاروں کی تیاری میں بھی لوہے کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے ان ہتھیاروں کا ڈرو لوگوں پر سوار رہتا ہے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے انہیں ہتھیاروں کو استعمال کر کے کفر کو مٹانے کے لیے کافروں پر حملہ کرتے رہتے ہیں اور اس سے اسلام اور مسلمان کی دھاک بیٹھتی ہے ساری دنیا کے کافروں کو ڈر ہے تو یہی ہے کہ

مسلمان جہاد شروع نہ کریں۔

وَمَنَافِعِ لِلنَّاسِ (اور لوہے میں لوگوں کے لیے طرح طرح کے منافع ہیں) شیشیں تو لوہے کی ہیں ہی، دوسری جتنی بھی چیزیں بنی آدم کے استعمال میں ہیں تقریباً سب ہی میں کسی نہ کسی درجہ میں لوہے کا دخل ضرور ہے اگر لکڑی کی چیز ہے تو اس میں لوہے کی کیل ٹھونگی ہوئی ہے اور وہ بھی لوہے کے ہموڑے سے ٹھونگی گئی ہے، تعمیرات میں لوہے کا استعمال ہے، کھیتی میں مل اور ٹریکٹر کی خدمات ہیں، جانوروں کے موٹوں میں لوہے کی لگا میں ہیں پائیدان بھی لوہے کے ہیں۔ پٹرول لوہے کے آلات کے ذریعے نکلتا ہے۔ ہوائی جہاز اور گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ الی ما لا یحصى

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ (یعنی بہت شدیدہ اور دیگر مانع کے علاوہ لوہے کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ (بطور علم ظہور) جان لے کہ بغیر دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے) یعنی اللہ کے دین کی تقویت پہنچانے اور اس کے آگے بڑھانے کے لیے اور اس کی دعوت دینے کے لیے کون تیار ہوتا ہے۔ جب جہاد کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ کے مخلص بندے یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل بھی ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنے کے لیے ہتھیار لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی نہیں پھر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے پھر جس جس چیز کا ظہور ہوتا ہے اس کے علم میں آتا رہتا ہے کہ یہ بھی وجود آیا ہے بلکہ وجود ہی وہ بخشتا ہے اس علم کو علم ظہور کہا جاتا ہے۔

قوله وليعلم الله عطف على محذوف ای لبتعلمهم وليعلم الله تعالیٰ علما يتعلق به الحزاء من ينصره ورسوله باستعمال آله الحرب من الحديد فی مجاهدة اعداء وقوله بالغيب حال من فاعل ينصر او من مفعوله ای عندهم او غائبين منه (روح المعاني ص ۱۸۹ ج ۲۷)

آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (بیشک اللہ تعالیٰ قوی ہے عزیز ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ کے دین کی مدد کا ذکر ہوا وہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے وہ تو قوی ہے اور غالب ہے، جو کچھ اس کے دین کی خدمت کرو گے اس میں تمہارا ہی ناکمہ ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النَّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ يَعْنِي الْكِتَابَ الْأَرْبَعَةَ النَّبُوَّةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْفُرْقَانَ فَإِنهَا فِي ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَمِنْهُمْ مَّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً هِيَ رَفِضُ النِّسَاءِ وَاتِّخَادِ الصَّوَامِعِ بِإِيتَادِ عَوْهَا مَا مِنْ قَبْلِ أَنْفُسِهِمْ كَتَبْنَا عَلَيْهَا مَا آمَرْنَاهُمْ بِهَا إِلَّا لِكُنْ فَعَوْهَا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ مَرْضَاةِ اللَّهِ فَمَا عَوْهَا

حق رعایتہا اذ تزكها كثير منهم و كفروا بدين عيسى عليه الصلوة والسلام و دخلوا الى دين
 ملكهم و بنى على دين عيسى كثير منهم فامتزا بيننا فأتينا الذين آمنوا به منهم أجرهم و
 كثير منهم فسقون ۝ يأيها الذين آمنوا بعيسى أقوال الله و آمنوا برسوله محمد صلى الله عليه
 وسلم ز على عيسى يؤتكم كفلين نصيبين من رحمته لإيمانكم بالنبيين و يجعل لكم نوراً
 تمشون به على الصراط و يغفر لكم ۝ و الله غفور رحيم ۝ لئلا يعلم أى أعلمكم بديك
 لينلم أهل الكتب النور الذى لم يؤمنوا بمحمد صلى الله عليه وسلم الآن مخففة من الثقل و
 استهاضبير الشأن والمعنى أنهم يقدرون على شئ من فضل الله خلاف ما فى زعيمهم أنهم
 اجابوا الله و أهل رضوانه و أن الفضل بيد الله يؤتیه من يشاء ۝ فاتى المؤمنين منهم
 أجرهم مرتين كما تقدم و الله ذو الفضل العظيم ۝

جمع

ترجمہ: اور ہم نے نوح و ابراہیم کو پیغمبر بنا یا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (چاروں کتابیں
 تورات، زبور، انجیل، قرآن مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب ابراہیم کی اولاد میں ہیں) سوال میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت
 سے نافرمان نکلے، پھر ان کے بعد اور پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی
 اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا اور رہبانیت کو (جس میں بیویوں کو چھوڑ
 چھڑ کر جوں کو اپنا لینا ہوتا ہے) انہوں نے خود ایجاد کر لیا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا (اس کا حکم
 نہیں دیا تھا) لیکن (انہوں نے اس کو پسند کر لیا) اللہ کی خوشنودی کی خاطر مگر انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی (کیونکہ بہت
 سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے اور بادشاہ وقت کے مذہب کو قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے دین
 عیسوی کو اختیار کئے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے) سو ان میں سے جو لوگ (آنحضرت پر) ایمان لے
 آئے۔ ہم نے ان کو ان کا صلہ دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ اے (عیسیٰ پر) ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے
 رسول (محمد عیسیٰ علیہما السلام) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دوہرا حصہ عنایت کرے گا (کہ تم دونوں پر ایمان
 لائے ہو) اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لے کر (پس صراط پر) چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم
 ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے (تورات والے جو آنحضرت پر ایمان نہیں لائے) کہ ان کو (ان مخففہ ہے اس کا اسم
 ضمیر نشان ہے یعنی انہیں) دسترس نہیں ہے اللہ کے فضل پر ذرا بھی (ان کے زعم کے برخلاف کہ وہ اللہ کے محبوب اور پسندیدہ
 ہیں) اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دے دے (عطا کر دے) وہ جس کو چاہے (چنانچہ اہل کتاب مؤمنین کو اس نے دوہرا اجر

عنايت فرمایا۔ جیسا کہ بیان ہوا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **عَلَىٰ أَقَارِهِمْ**: ایک رسول کے بعد دوسرا رسول بھیجا، ہم کی ضمیر نوحؑ و ابراہیمؑ اور ان کے بعد والے رسولوں کی طرف راجع ہے۔

قولہ: **رَهْبَانِيَّةً**: یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسی ابتداء و رہبانیت اپنی طرف سے ایجاد کی۔

قولہ: **وَإِتِّخَاذِ الصُّوَامِعِ**: ریاضت اور لوگوں سے انقطاع۔ خوف و رعیت میں مہالنت۔

قولہ: **فَمَارَعَوْهَا**: تمام نے اس کی رعایت نہ کی، بعض کر سکے۔

قولہ: **بِذُنِّ عَيْسَىٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ**: اس میں تثلیث اور پینا تجویز کر لیا۔ مریم کو انوم بنایا۔

قولہ: **نَصِيْبَتَيْنِ**: بعید نہیں کہ سابقہ دین پر قائم رہنے سے ان کو ثواب ملے، اگرچہ وہ اسلام کی وجہ سے منسوخ ہو گیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی فضیلت:

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اس فضیلت کو دیکھئے کہ حضرت نوح کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیم تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے ہوئے جیسے و آیت میں ہے: **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَبًا وَكَيُودًا مِّنْهُمْ لَيْسُقُونَ** (الحمدیہ: ۲۶) یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری سنا لی۔ پس نوح اور ابراہیم صوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا حضرت عیسیٰ تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحمد اور نرم مزاج واقع ہوئی، خشیت الہی اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف۔ پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد لی تھی، اس کے بعد کے جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ ان کا مقصد نیک تھا کہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے یہ طریقہ نکالا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت ثارودؑ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا ہاں ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی واجب کی تھی۔ پھر فرماتا ہے یہ اسے بھی نبھانہ سکے جیسا چاہیے تھا ویسا اس پر بھی نہ جسے، پس دوسری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین اللہ میں ایجاد کرنے کی دوسرے اس پر بھی قائم نہ رہیں کی، یعنی جسے وہ خود

جب کہ ان کا رعبہ اپنے ان سے بڑھ گئے بالآخر اس پر بھی پارے نہ اترے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ نے فرمایا سلو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے
 ہوسہ بنائی، پہلے فرقہ نے ۷۰ بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جائیں تحصیلوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ
 شروع کی لیکن آخر وہ لوگ ہمدان و نعال پر اترے آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی
 کی اور انہیں قتل بھی کیا، چہر بھی کیا ان لوگوں نے تو جماعت حاصل کر لی، پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلہ کی طاقت تو نہ
 تھی چہ ہونے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق کوئی شروع کی اور اللہ کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ
 کے اصلی سنک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے، ان بد نصیبوں نے انہیں قتل بھی کر آیا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا
 تھے اس جماعت نے مبروہ شکر کے ساتھ برداشت کیا اور جماعت حاصل کی، پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے
 ان میں وقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا ہوا اسی میں سمجھا کہ
 جنگوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں انہی کا ذکر رہبانیت والی
 آیت میں ہے، یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں ہتھرتوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجراء نہیں ملے گا
 جو جھ پر ایمان نائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ایسے ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا خلاف کریں،
 حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ کے بعد تورات و انجیل میں تبدیلیاں کر لیں،
 لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات و انجیل ان کے ہاتھوں میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ
 ان لوگوں نے (جنہوں نے کتاب اللہ میں رد و بدل کر لیا تھا) اپنے بادشاہوں سے ان سچے مسلمانوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ
 کتب اللہ کہ جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب کے
 مطابق سخن نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے
 تھے، ہم آپ انہیں دربار میں بنوائے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ
 بیان کریں جیسا کہ ہے ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجئے، چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا
 گیا کہ یہ تو وہی اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو الہامی کتابیں انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ
 دجوو کر گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ، اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں تم اونچی عمارت بنا دو
 جسے اب ہونچو دو اور ذوری چھڑی دیدوہ رکھنا بیٹا اس میں ڈال دیا کہ وہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی
 نہیں ورنہ تم آئیں گے ہی نہیں، ایک جماعت نے کہا سنو ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں جنگوں اور پہاڑوں میں نکل
 جاتے تھے تیرے بد و شہرت کی سرزمین سے جا رہو جاتے ہیں چشموں، نہروں، عریوں، نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی
 گردن لٹک کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پت ل جائیں گے ان پر گزارا کر لیں گے۔ اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک
 محمودین کو دیکھو گردن اڑا دیتے، تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دیدو اور وہاں حصار کھینچ دو
 تہہ بھرتوں کو نہیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے تم میں ہرگز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس اللہ پرست جماعت سے ان لوگوں کی

قریبی رشتہ دار یاں تمہیں اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے، لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا تقلید آساتھ ہو لیے، ان کے بارے میں یہ آیت: **وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ إِلَّا الْإِتْقَانَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷)** نازل ہوئی، پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں سے بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی جس کا ذکر اس آیت میں ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بَرُّسُوا بِيُوتِكُمْ كَفَلِينَ مِنْ رَحْمَةٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ لَنْ يَكْفُرَ اللَّهُ بِكُمْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ لَنْ يَكْفُرَ اللَّهُ بِكُمْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ** تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن و سنت) تاکہ اہل کتاب جان میں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا انہیں اختیار نہیں اور سارا فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آرہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ابو یعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانہ میں آئے، آپ اس وقت امیر مدینہ تھے جب یہ آئے اس وقت حضرت انس نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی، میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی، ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقیہ خانقاہوں میں اور گھروں میں اب بھی دیکھ لو ترک دنیا کی ہی وہی سختی تھی جسے اللہ نے ان پر واجب نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آئیے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت انس نے فرمایا بہت اچھ ہم سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو مالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے ماشدوں سے بھی انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اسے بچ ثابت کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کیلئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک شخص حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی، یہی تمام نیکوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر۔ وہی آسمان میں زمین میں تیری راحت و روح ہے اور تیری یاد ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال:

اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب کے مومن ہیں اور انہیں دو ہر اجر ملے گا جیسے کہ سورہ قصص کی آیت میں ہے اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین فتنوں کو اللہ تعالیٰ دو ہر اجر دے گا ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دو ہر اجر ہے اور وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور اللہ کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو ہر اجر ہیں اور وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے یعنی شرعی ادب پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے وہ بھی دو ہرے اجر کا مستحق ہے (بخاری و مسلم) حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دو ہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس آیت کے حق میں نازل فرمائی۔ پس انہیں دو ہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریر) اسی مضمون کی ایک آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا الَّذِي يُبَيِّنُ لَكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (انفال: ۲۹) ہے یعنی اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا اللہ بڑے فضل والا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے اس نے کہا ساڑھے تین سو تک، آپ نے اللہ کا شکر کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دو ہر اجر ملا ہے۔ حضرت سعید نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح جمعہ کا دو ہر اجر ہے، مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے، اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا، اس پر نصرانی تیار ہوئے کام کیا اور اجرت لی اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے دو قیراط دوں گا پس وہ تم مسلمان ہو، اس پر یہود و نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے۔ ہمیں کم دیا گیا۔ تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں، را؟ انہوں نے کہا ایسا تو نہیں ہوا۔ جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دو، صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا اجرت ٹھہرائی اور کہہ دن بھر کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں جو ہم نے کیا اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام بھی نہیں کریں گے، اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ لیکن انہوں نے صاف، نکار کر دیا اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لئے بغیر چلتے بنے، اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا، یہ کام پورے گئے، لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے ٹھک ہو سکتا ہمیں آپ کی جرت نہیں چاہئے اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے تم کام پورا کرو۔

اجرت لے جاؤ لیکن یہ نہ مانے اور چلے گئے، اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا لو تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی اجرت بھی لے گئے، پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نوری کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا۔ پھر فرماتا ہے یہ اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں کہ اللہ جسے دے یہ اس کے لوٹانے کی اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ نفل و کرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے، اس کے فضل کا کوئی اندازہ و حساب نہیں لگا سکتا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت (لَعَلَّآ یَعْلَمَہ) کا معنی (یَعْلَمَہ) ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں (لکی یعلما) ہے، اسی طرح حضرت عطاء بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قراءت مروی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لاصلہ کیلئے آتا ہے جو کلام کے اول آخر میں آجاتا ہے اور وہاں سے انکار مراد نہیں ہوتا جیسے آیت: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: ۱۲) میں ہے اور آیت وَمَا یُشْعِرُکُمْ اَنَّهُمْ اِذَا جَاءَتْ لَا یُؤْمِنُونَ (الانعام: ۱۰۹) میں اور آیت: وَحَزَمْنَا عَلٰی قُرْبٰنِیۡہِمْ اَہْلَکُمْ اَنَّهُمْ لَا یَدْرِیۡعُونَ (الانبیاء: ۹۵)

الحمد للہ سورۃ حدید کی تفسیر ختم ہوئی

انڈ کوزہ حدودُ اللہِ وَاَللّٰفِیْنِ بِهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ مُؤَلِّمٌ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادِّثُوْنَ بِمَخَالِفُوْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ کَبُرُوْا اِذْلًا کَمَا کَلِمَتِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فِیْ مَخَالِفَتِهِمْ وَاَسْلَمُوْا وَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتِیْنَ بَدِیْلٰتِهَا ذٰلِیْقَ عَلٰی صِدْقِ الرَّسُوْلِ وَاَللّٰفِیْنِ ۝ بِالْاَلْمٰتِ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ ذُرٰثٰنَیْةٌ یُّوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ۝ فَمَنْ یُّنْفِقْ مِمَّا عَمِلُوْا اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاَللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝

تو کچھ نہیں: اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس سے اظہار کرتے ہوئے اَنْتِ عَلٰی كَظْمِہِ اِنِّیْ كہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ ظہار سے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خود بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تمہائی اور فاقہ اور کسین بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس ہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہتے تو بھوکے مر جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بات چیت) سن رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ کرتے ہیں (بظہاروں، اصل میں بظہاروں تھا۔ تاکو قلمیں اور غلام کر دیا گیا۔ اور ایک قرأت میں قار اور حار اور خفیف کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت یقاتلون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں (الاولیٰ ہمزہ اور ما کے ساتھ اور بغیر ما کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ (ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کریں) اختلاط کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پورے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو تنقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو۔ شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مددے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ ورسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ ورسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں کی مخالفت کر کے) ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیئے ہیں (پیغمبر کے سچے ہونے پر) اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو

مجلد ۲۸ - المجادلہ ۵۸

۳۶۱

نزلہ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

نولہ: **بِئْرَجَعُكَ فِي الْكَلَامِ**: جب آپ ﷺ نے اس عورت کو خبر دی کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے تو اس نے لکھنات بار بار دہرائی۔

نولہ: **وَوَاقَتْهَا**: اپنی بھوک اور ضرورت ذکر کی۔

نولہ: **بِأَنْ ضَمَّتْهُمْ**: اگر میں چھوٹے بچے خاوند کی طرف بھیجوں۔

نولہ: **بِئْرَجَعُكُمْ**: باہمی گفتگو۔

نولہ: **يُظْهِرُونَ**: نون خفیہ سے بھی پڑھتے ہیں۔

نولہ: **بِكَيْفَاتِلُونَ**: یہ ظاہر سے ہے۔

نولہ: **مَنْكُورًا**: جس کو شرع نے ناپسند کیا۔

نولہ: **بِالْمُظَاهِرِ مِنْهَا**: عورت کی حالت ذکر کی ہے۔ جس عورت سے ظہار کیا گیا اس کو طلاق بعد میں نہ دینا ہی عود ہے (عند الشافعی) امام ابو حنیفہ عود طہی کا قصد کرنا ہے۔

نولہ: **بِیَوْمٍ**: یہ اذکر سے منسوب ہے۔

نولہ: **أَخْصَهُ اللَّهُ**: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو شمار کرنے والا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔

نولہ: **بِسُوءٍ**: کثرت کی وجہ سے بھلا دیا۔

تفسیر مقبولین

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے ابتداء سورت اس مجادلہ اور جھگڑے کے قصہ سے فرمائی گئی جو خولہ بنت ثعلبہ کا اپنے خاوند سے پیش آیا تھا کہ ان کے خاوند اوس بن صامت نے ظہار کر کے ان کو اپنے اد پر حرام کر لیا تھا تو خولہ بنت ثعلبہ شکایت کرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت تک کوئی حکم شرعی اس بارہ میں نازل نہیں ہوا تو زہد جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے پر حرام کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو کہہ دیتا، ”انت علی نظھرامی“ کہ تو مجھ پر میری ماں کی بیٹی کی طرح ہے، تو یہ آہ و زاری کرتی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس تو اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے خولہ بار بار کہتی رہی یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے

طلاق نہیں دی اور مسلسل آنحضرت ﷺ سے التجا کرتی رہیں اور اس دوران یہ بھی کہا یا رسول اللہ میرا خاوند نے میرا مال مجھ سے لے لیا میری جوانی بھی گزر گئی عمر بڑی ہو چکی میری اولاد مجھ سے جدا ہو چکی اب میں کیا کروں پھر پروردگار کی طرف رخ کر کے دعا مانگی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنے رنج و غم کا شکوہ پیش کرتی ہوں تو ہی اس کو دور فرمانے والا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، (آیت) قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ... کہ اے ہمارے پیغمبر اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ ﷺ سے جھگڑ رہی ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ ابن کثیر جلد رابع)

اپنے خاوند کے معاملہ میں اور اللہ کی طرف وہ اپنی شکایت پیش کر رہی ہے تو ابتداء سورت میں ظہار کر لینے پر کفارہ اور کفارہ ظہار کا حکم بیان فرمایا گیا پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آ کر کیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہوتی تھی اسی کے ساتھ منافقین کے بھی احوال ذکر کئے اور اخیر سورت میں ایمان کی اصل بنیاد و اساس کا ذکر کیا گیا کہ ہو حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے اور جب تک کوئی شخص ایمان کے ان تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کا عملی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرمایا کسی بابرکت اور عظمت والی وہ ذات ہے جو تمام عام کی آوازوں کو سنے۔

یہ عورت جھگڑالے کر آئی اور میرے حجرہ کے گوشے میں بیٹھی وہ جھگڑ رہی تھی اور میں حجرہ کے گوشہ میں ہونے کے باوجود اس کی کچھ باتیں نہیں سن سکی تھی مگر سبحان اللہ، کہ رب العزت سات آسمانوں کی بلندی سے اس کی باتیں سن رہا تھا جب وہ یہ کہہ رہی تھی: اللھم انی اشکو الیک چنانچہ تھوڑی دیر گزری کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔
(صحیح بخاری۔ ابن ماجہ)

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ

ظہار کی مذمت اور اس کے احکام و مسائل:

ان آیات میں ایک صحابی خاتون کے ایک واقعہ کا اور شوہر دیوبندی سے متعلق ایک مسئلہ کا ذکر ہے، جس عورت کا یہ واقعہ ہے اس کے بارے میں چونکہ: الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي ذَوْجِهَا فرمایا ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الجادلۃ معروف اور مشہور ہو گیا، آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں لفظ طلاق کے علاوہ عورت اپنے اوپر حرام کرنے کے دو طریقے اور بھی تھے ایک ایلاء اور ایک ظہار، ایلاء اس بات کو کہتے تھے کہ شوہر دیوبندی کو خطاب کر کے قسم کھا لیتا تھا کہ میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اس کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت: لِلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِسَائِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

(نور الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ یوں کہہ دیتے تھے: انت علی نظھرامی (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے یعنی حرام ہے) اس کو ظہار کہا جاتا تھا چونکہ اس میں لفظ ظہر آتا تھا جو پشت کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام ظہار معروف ہو گیا، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بھی اس کو ظہار ہی کے عنوان اور نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

آیت ظہار کا شان نزول:

اب آیات کا سبب نزول معلوم کیجئے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت کون تھی جس کا واقعہ یہاں ذکر فرمایا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ سیدہ خولہ بنت ثعلبہؓ اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں ایک دن ان کے شوہر نے اپنا مخصوص کام کرنے کا ارادہ کیا سیدہ خولہؓ نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان کے شوہر کو تکلیف تھی اور شوہر کی خیر خواہی پیش نظر تھی جیسے ہی بیوی نے انکار کیا شوہر نے یوں کہہ دیا: انت علی کظہرامی کہہ تو دیا لیکن بعد میں پچھتائے اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ ب تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔

یہ سن کر سیدہ خولہؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ طلاق نہیں ہے اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے شوہر نے جب مجھ سے نکاح کیا تھا اس وقت میں جوان تھی مالدار تھی میرے شوہر نے میرا مال بھی کھایا اور میری جوانی بھی فنا کر دی اب جبکہ میرے خاندان والے منتشر ہو گئے اور میری عمر بڑی ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا اب اسے اس پر ندامت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ میں اور وہ مل کر رہتے رہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ سیدہ خولہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! قسم اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں بولا اس سے میری اولاد بھی ہے اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی خولہؓ نے کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں میں اپنے شوہر کے ساتھ عرصہ دراز تک رہی ہوں آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی اور میرے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، وہ اسی طرح اپنی بات کرتی رہیں اور آنحضرت ﷺ اسی طرح جواب دیتے رہے، آخر میں اس نے کہا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھ لوں تو بھوکے مرجائیں گے یہ کہا اور آسمان کی طرف سراخایا اور کہنے لگیں کہ اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنی تکلیف کو پیش کرتی ہوں آپ اپنے نبی ﷺ پر ایسا حکم نازل فرمائیے جس سے میری پریشانی دور ہو جائے یہ زہ نہ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔

حضرت عائشہؓ نے خولہؓ سے کہا کہ تو اپنی بات بس کر دے دیکھتی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر کیا آثار ظاہر ہو رہے ہیں، (اس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی تھی) آپ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لکڑی کی نیند میں ہوں، جب وحی ختم ہو گئی تو آپ نے خولہؓ سے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کو بلا کر لاء، جب وہ آگئے تو آپ ﷺ نے قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ سے آیات پڑھ کر سنائیں جن میں ظہار اور کفارہ ظہار کا حکم ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ جو تمام آوازوں کو سنتا ہے، جو عورت رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہی تھیں میں اس کی بعض باتیں اسی گھر میں ہوتے ہوئے نہ سن پائی جہاں بات ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کا بات سن لی اور آیت کریمہ نازل فرمادی۔

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنكُمُ... چونکہ حضرت خولہؓ کے شوہر نے ظہار کر لیا تھا اور ان کے شوہریوں سمجھ رہے تھے کہ طلاق ہو گئی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ طلاق نہیں ہوئی اور اس بات کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اس لئے اولاً ظہار کی شرعی حیثیت بتائی پھر اس کا کفارہ بیان فرمایا ارشاد فرمایا: **الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنكُمُ مِّن لِّسَانِهِمْ مَا هُنَّ أَفْئِدَتُهُمْ** کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں (یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے) ایسا کہہ دینے سے وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں، نہ وہ پہلے ان کی مائیں تھیں اور نہ اب ان پر ماؤں کا حکم نافذ ہوگا (جس کی وجہ سے آئندہ کے لئے حرمت آ جائے)۔
إِنَّ أَفْئِدَتَهُمْ إِلَّا إِلَٰهِي وَكَذَّبْتُهُمْ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جتا ہے مائیں ہونے کے اعتبار سے حرمت مؤبدہ کا تعلق انہیں سے ہے۔

ظہار کی مذمت

وَأَنَّهُمْ لَيَكْفُرُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، رہی یہ بات کہ شوہر اگر اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تم میرے لئے ماں کی طرح سے ہے تو ان کا یہ کہنا بری بات ہے اور جھوٹی بات ہے اس بات کے کہنے سے حرمت دائمی کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن گناہ ضرور ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قانون کو بدلنا لازم آتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لئے حلال کر دیا تو اب وہ کیسے کہتا ہے کہ یہ مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت ہے۔
وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ عَلِيمٌ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے بخشنے والا ہے) گناہ کی تلافی کر لی جائے اور ظہار کا جو کفارہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کی ادائیگی کر دی جائے اللہ تعالیٰ گناہ کو معاف فرما دے گا۔
وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِن لِّسَانِهِمْ....

کفارہ ظہار:

اس کے بعد ظہار کا کفارہ بیان فرمایا: **وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِن لِّسَانِهِمْ (الی قورہ تعالیٰ) فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا** اس میں علی الترتیب تین چیزیں ذکر فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ جو بات کہی ہے اس کی تلافی کریں سو جس کسی نے بھی ایسا کیا ہو وہ ایک غلام آزاد کرے اور غلام آزاد کرنے سے پہلے میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو نہ چھوئیں، یہ **مِن قَبْلِ أَنْ يَتَمَآسَا** کا ترجمہ ہے یہ لفظ فرما کر یہ بتا دیا کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے نہ جماع کریں نہ دوائی جماع یعنی بوس و کنار اور مس و قبیل کے ذریعہ استمتاع اور استلذ اذ کریں، **ذَلِكُمْ تُوَعِّظُونَ** ۶۹۔ (یہ وہ چیز ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے) یعنی یہ کفارہ گناہ معاف کرانے کا ذریعہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے الفاظ بولنے سے روکنے والا بھی ہے۔

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) اگر کسی نے حکم کی خلاف ورزی کی کفارہ،

پہلے جماع کا ارتکاب کر لیا تو اس کی سزا مل سکتی ہے۔

رس سے پہلے جماع کا ارتکاب کر لیا تو اس کی سزا مل سکتی ہے۔
 پھر فرمایا: قَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامًا شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ آتَا (سو جو شخص غلام نہ پائے تو اس کے ذمہ
 دو ماہ روہینے کے روزے رکھنا ہے اس سے پہلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو چھوئیں) یہ کفارہ ظہار کا حکم نمبر ۲ ہے اور علی سمیل
 انٹرنل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو (مال ہی نہ ہو یا غلام ہی نہ ملتے ہوں جیسا کہ آج کل
 شری جہاد نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان غلاموں اور باندیوں سے محروم ہیں) تو درماہ کے لگانا روزے رکھے اور جب تک
 بلا تہ پر سے درماہ کے روزے نہ رکھے لے دونوں میاں بیوی الگ رہیں۔

بلا تہ پر سے درماہ کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ
 پھر فرمایا: قَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ قَطْعًا مِثْلَيْنِ وَسِكِّينًا (سو جسے مذکورہ روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ
 سکیوں کو کھانا کھلانا ہے۔ ذَلِكْ لِيُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے) یعنی
 اس کے سب احکام کی تصدیق کرو اور ایمان پر جسے رہو، (اور یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے مطابق عمل کرو حد سے آگے مت
 بڑھو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے) جو اللہ کے احکام کی تصدیق نہیں کرتے۔

مسائل ضروریہ متعلقہ ظہار:

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے پیٹ ران یا شرم گاہ سے تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔
 مسئلہ: اگر اپنی بہن یا پھوپھی یا رضاعی والدہ کے مذکورہ بالا اعضاء پشت، پیٹ، ران، شرم گاہ، سے تشبیہ دی تب بھی ظہار
 ہوئے گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں کی طرح سے ہو (کسی عضو سے تشبیہ نہیں دی) تو اس کے بارے میں اس
 سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری نیت کیا تھی اگر یوں کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو طلاق بائن مانی جائے گی اور
 لڑاں کہے کہ میری نیت ظہار کی تھی تو ظہار کا حکم نافذ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری کچھ بھی نیت نہ تھی یا یوں کہا کہ میرا یہ مطلب
 ناکہ ہے میری والدہ محترم ہیں اسی طرح تم بھی قابل احترام ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ: غلام آزاد کرنے میں غلام کا مرد اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر بالغ ہو یا نابالغ ہر
 ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا مگر اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے نہ ہوں۔

مسئلہ: جب دو مہینے کے روزے رکھے تو اس میں رمضان کے روزے حساب میں نہیں لگ سکتے کیونکہ وہ پہلے سے فرض
 تھا نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی روزہ ان دنوں میں نہ ہو جن میں شرعاً روزہ رکھنا منع ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کفارہ ظہار کے روزے رکھنے کے درمیان رات کو جماع کر لیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا
 اور ان کو جماع کرنے سے تو روزہ ہی ٹوٹ جائے گا جس سے لگانا رات کو شرط کا فوت ہو جانا ظاہر ہے اور چونکہ مِنْ قَبْلِ أَنْ
 تَمَّ آتَا کا عموم رات کے جماع کرنے کو بھی شامل ہے اس لئے رات کو جماع کرنے سے بھی لگانا رات کو شرط کی مخالفت
 ہو جائے گی۔

مسئلہ: کھانا کھلانے کی صورت میں اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن صبح شام پیٹ بھر کھانا کھلایا یا ساٹھ مسکینوں کو ایک دن میں صبح شام پیٹ بھر کھانا کھلادیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا، اگر ساٹھ دن تک کسی مسکین کو آدھا صاع گیسوں یا ایک صاع مہجور یا نودا ان کی قیمت دیتا رہا تو ان صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر ظہار کرنے کے بعد عورت کو طلاق دیدی یا مرگئی تو کفارہ ساقط ہو جائے گا لیکن توبہ کرنا پھر بھی لازم ہے۔

قال صاحب روح المعانی: والموصول مبتداء، وقوله تعالى فتخبرنا خبره مقدر اي فعلیهم تخبر رقبه او فاعل فعل مقدر اي فيلزمهم تخبر، او خبر مبتدا مقدر اي فالواجب عليهم (تخبر) وعلى التقادير الثلاثة الجملة خبر الموصول ودخلته الفاء لتضمن المبتدا معنى الشرط وما موصولة او مصدرية واللام متعلقة (يعودون) وهو يتعدى بها كما يتعدى بالى وبفى. فلا حاجة الى تاويله باحدهما كما فعل البعض، والعود لما قالوا على المشهور عند الحنفية العزم على الوطاء كانه حمل العود على التدارك مجازا لان التدارك من اسباب العود الى الشىء والذين يقولون ذلك القول للنكر ثم يتدار كونه بنقضه وهو العزم على الوطاء فالواجب عليهم اعتناق رقبه.

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ...

احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم:

فرمان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادا پارخواست اور پھنکار کے لائق ہیں جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے، اسی طرح واضح، اس قدر ظاہر، اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل میں سرکشی ہو کوئی ان سے انکار کر نہیں سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کیلئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں، یہاں ان کے تکبر نے اللہ کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا، نوب روندا جائے گا بقیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا۔ گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا۔ نہ تو اللہ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں اللہ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں اللہ کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اسے ہرزبان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے، وہ زمین و آسمان کی تمام تر کائنات سے با علم ہے، تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی، رازداری کے ساتھ اپنی باتیں ظاہر کریں نہیں وہ سنتا ہے اور وہ اپنے آپ کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا اللہ کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہیں وہ چھٹا اللہ کو جانیں پھر جو اس سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں، وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے یعنی ان کے حال و حال سے مطلع ہے ان کے کلام کو

ان رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے بھی لکھتے جا رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: اَللّٰهُ
 يَتْلُو اَنَّ اللّٰهُ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (التوبہ: ۷۸) کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ
 باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے، اور جگہ ارشاد ہے آیت: اَمَّ
 يَتَسَوَّوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ تَبٰلٰی وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (الزخرف: ۸۰) کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ
 باتوں اور غیبی مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں،
 اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا
 علم ہر جگہ ہے، ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے تبارک و تعالیٰ۔ بیشک و شبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا
 چاہئے کہ یہاں مراد ذات سے ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم سے ہر جگہ موجود ہونا ہے، ہاں بیشک اس کا سنا دیکھنا بھی اسی طرح اس
 علم کے ساتھ ساتھ ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مطلع ہے ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں، پھر قیامت کے دن
 انہیں ان کے تمام اعمال پر تہیہ کرے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس آیت کو
 شرع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی اللہ کے علم بیون پر کیا (مطلب یہ ہے کہ درمیان میں اللہ کا ساتھ ہونا جو بیان
 کرتا ہے اس سے بھی از روئے علم کے ساتھ ہونا ہے نہ کہ از روئے ذات کے)

اَلَمْ تَرَ نَعَلَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ
 رَايَهُمْ بِعِلْمِهِ وَا لَا خَفِيَّةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَا لَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَا لَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا
 كَانُوْا ثُمَّ يَنْتَبِهُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
 نَهَوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نَهَوْا عَنْهُ وَيَتَنَبَّوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ
 فَمَنْ يَهْدُوْهُنَّهَا هُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ مِنْ شَاْءِهِمْ اَيُّ لِحْذٍ لَّهُمْ سِرًّا نَاظِرِيْنَ
 اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُوقِعُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرَّيْبَ وَاِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ اَتٰهَا النَّبِيُّ بِمَا لَمْ يَحِثُّ بِهٖ اللّٰهُ رَهُوْ
 فَرَلَهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ اَيُّ الْمَرْثِ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا هٰذَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ مِنَ التَّحِيَّةِ
 وَاِنَّ لَيْسَ بِنَبِيِّ اِنْ كَانَ نَبِيًّا حَسِبُهُمْ جَهَنَّمَ يَصْلُوْنَهَا فَيَسَّسُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ هِيَ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ وَ تَتَاجَرُوْا بِالْبُرِّ وَالتَّقْوٰى وَاَتَّقُوا
 اللّٰهَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۲ اِنَّمَا النَّجْوٰى بِالْاِثْمِ وَنَحْرِهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ بِغُرُوْرِهِ لِيَحْزَنَ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوۡا لَا يَخۡفٰٓءُ لَكُمۡ مِّنۡ شَآءِ رَبِّكُمۡ شَيْۡآ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ اٰىۤ اَرَادۡتَہٗ وَ عَلٰى اللّٰهِ فَلَيَتَوَكَّلِ الْمُؤۡمِنُوۡنَ ۝
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا قِيۡلَ لَكُمۡ تَفَتَّحُوۡا فَاَفۡتَحُوۡا لِكُلِّ مَجۡلِسٍ مِّنۡ مَّجۡلِسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا
 قِيۡلَ لَكُمۡ تَفَتَّحُوۡا فَاَفۡتَحُوۡا يَفۡسَحَ اللّٰهُ لَكُمۡ فِىۡ الْجَنَّةِ وَاِذَا قِيۡلَ
 لَكُمۡ اٰمَنُوۡا فَاٰمَنُوۡا وَاِذَا قِيۡلَ لَكُمۡ اٰقِمُوۡا الصَّلٰوةَ فَاَقِمُوۡا لَهَا وَرِزۡقًا مِّنۡ حَيْثُ رَزَقَ اللّٰهُ
 النَّاسَ فَارۡزُقُوۡا مِنْ حَيْثُ رَزَقَ اللّٰهُ النَّاسَ وَرِزۡقًا مِّنۡ حَيْثُ رَزَقَ اللّٰهُ النَّاسَ
 اٰمَنُوۡا بِالطَّاعَةِ فِىۡ ذٰلِكَ وَ يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الْعِلۡمَ دَرَجٰتٍ فِىۡ الْجَنَّةِ وَاللّٰهُ بِمَا
 تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوۡلَ فَارۡدُّوۡا كَلِمٰتِہٖ بَيْنَ يَدَيۡہِ
 لَعَلَّكُمْ تَخۡشَوۡنَ ؕ قَبۡلَہَا صَدَقَۃٌ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطۡهَرٌ لِّذُنُوۡبِكُمۡ فَاَنۡ كُنۡتُمْ
 تَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ عَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۱ بِكُمۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاَعَلَيْتُمۡ فِىۡ الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ
 صَدَقَۃٍ ثُمَّ نَسِخَ ذٰلِكَ بِقَوْلِہٖ ؕ اَسۡفَقْتُمۡ بِتَحۡقِيقِ الْهَمَزِيۡمِ وَاِبۡدَالِ الْاٰنۡبِيۡئِ الْاَلۡفَا وَاِذۡخَالِ الْاَلۡفِ بَيْنَ الْمُسۡفَلِہِ
 وَالْاٰخَرِى وَاَتَرَكِيہِ اٰى اٰخِغْتُمۡ مِنْ اَنۡ تَقۡدِمُوۡا بَيْنَ يَدَيۡہِ نَجۡوٰتِكُمۡ صَدَقَۃٌ لِّلۡفَقْرِ فَاِذَا لَمۡ تَقۡلُوۡا
 الصَّدَقَۃَ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ رَجَعۡ بِكُمۡ عَنْہَا فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَہٗ

پس جو کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین

میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھوا نہ ہو اور نہ
 اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مکروہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے
 کیے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی
 سے منع کیا گیا ہے۔ پھر وہی کام کرتے ہیں۔ جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی
 سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی یہود جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کر دیا تھا۔ یہ یہود آپس میں سرگوشیاں
 کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دکھلا کر تاکہ مسلمان و مسواں میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اسے پیغمبر) یہ لوگ آتے
 ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السلام علیک بمعنی موت) اور
 اپنے جی میں کہتے ہیں اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا
 کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے لئے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے۔ سرور براٹھکانہ ہے۔ اسے ایمان والو! جب تم

سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے فریب) کی وجہ سے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدون اللہ کے ارادہ کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو، جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو (سیخ کر دو)۔ (آنحضرت کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آنے والے کے لئے گنجائش ہو جائے۔ ایک قراءت میں مجاس آیا ہے) تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو (نماز وغیرہ اچھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہو کرو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔ تم میں ایمان والوں کے (جو اس حکم کو ماننے والے ہیں) اور (بلند کرے گا) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو (اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (گناہوں سے) پھر اگر تمہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔ تم پر رحم کرنے والا ہے (یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ کر دیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہزموں کی تحقیق اور دوسری ہزموں کو الف سے بدل کر، اور دوسری ہزموں کی الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل، یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکتے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ ورسول کا کہنا مانا کرو (یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توشیح و شریعہ

قولہ: **مِنْ كُجُوبٍ**: تین کی باہمی سرگوشی، یہ نجوۃ سے ماخوذ ہے۔ بلند زمین کو کہتے ہیں، راز و دل میں محفوظ ہوتا ہے۔

قولہ: **بِالْبُيُوتِ**: وہ میٹنگ جس میں معصیت رسول سے بچا جائے اور ایمان والوں سے متعلق اصلاح ہو۔

قولہ: **نَجْوَاهُ**: اس سے دشمنی مراد ہے۔

قولہ: **أَسْنُوا**: اپنے دھم کے مطابق۔

قولہ: **يَرْفَعُ اللَّهُ**: ان کا دنیا میں اچھا تذکرہ، آخرت میں جنت۔

قولہ: **يَذِيئُ نَجْوَاهُمْ**: جن کو طاقت تھی ان کے لیے عاصیہ مقرر فرمایا۔

قولہ: **أَخْفَيْتُمْ**: کیا صدقہ کی بجائے فقر کا خطرہ لیے بیٹھے ہو؟

قولہ: **تَرْجِعُ بَعْضُهُمْ**: ایسا نہ کرنے میں رخصت میں رخصت دی۔

تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

شان نزول:

اسباب نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں، اول یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی، لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالات پریشان کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی کرنے لگتے، وہ مسلمان سمجھتا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، حضور ﷺ نے یہود کو اس سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر (آیت): أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ مَكَرُوا عِنْدَ النَّجْدِيِّ... نازل ہوئی۔

دوم: اسی طرح منافقین بھی باہم سرگوشی کیا کرتے اس پر آیت: إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا اور آیت: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ مَكَرُوا عِنْدَ النَّجْدِيِّ... نازل ہوئی، سوم: یہود آپ کے حضور میں آتے تو ازراہ شرارت بجائے السلام علیکم کہنے کے السلام علیکم کہتے، سام: بمعنی موت کے ہیں، چہارم منافقین بھی اسی طرح کہتے ان دونوں واقعوں پر (آیت): وَإِذَا جَاءُوكَ وَكَانَ كَهَيْئَتِكَ نَازِلًا ہو اور ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح سلام کر کے خفیہ کہتے: كَوْلَا يَعْلَمُ بِنَا اللَّهُ. یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، پنجم: ایک بار آپ صفحہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، چند صحابہ جو غزہ بدر کے شرکاء میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہ ملی اور نہ اہل مجلس نے ایسا کیا کہ مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ کھل جاتی، آپ نے جب دیکھا تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرما دیا، منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سولوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا... نازل ہوئی، رواہ ابن کثیر عن ابی حاتم، مجموعہ اجزا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ادل آپ نے جگہ کھولنے کے لئے فرمایا ہوگا، بعضوں نے تو جگہ کھول دی، جو کافی نہ ہوئی ہوگی اور حضوں نے جگہ نہیں کھولی، آپ نے تادیا جیسے مدارس کے طلبہ میں ہوتا ہے ان کو اٹھ جانے کے لئے فرمایا جو کہ منافقین کو ناگوار ہوا۔

ششم: بعض اغنیاء حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے اور فقراء کو استفادہ کا وقت کم ملتا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گزرتا اس پر آیت: إِذَا تَنَاجَيْتُمْ الرُّسُولَ... نازل ہوئی، فتح البیان میں زید بن اسلم سے بلا سند نقل کیا ہے کہ یہود و منافقین بلا ضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے، مسلمانوں کو اس خیال سے کہ شاید کسی نقصان دہ بات کی سرگوشی ہونا گوارا کرتا، اس پر ان کو منع کیا گیا، جس کا ذکر آیت: مِّنْهُنَّ عَنِ النَّجْوَى میں ہے مگر جب وہ باز نہ آئے تو یہ حکم نازل ہوا: إِذَا تَنَاجَيْتُمْ الرُّسُولَ... اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل باطل اس سرگوشی سے رک گئے، کیونکہ جب مال کی وجہ سے صدقہ ان کو گوارا نہ تھا۔

بھی ان کے شریک حال تھے، مسلمانوں کو ان کی حرکتوں سے تکلیف ہوتی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کو پیش کر دیا اور ان لوگوں کی شکایت کی، آپ نے ان لوگوں کو منع کر دیا کہ سرگوشی اور خفیہ بات چیت نہ کریں اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان لوگوں نے ہدایت پر عمل نہ کیا ممانعت کے باوجود اپنی حرکتیں کرتے رہے اس پر آیت کریمہ: **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوا عَنِ التَّجْوِيْ... نازل ہوئی جس میں ان کی حرکت بدکا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ کہا کے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں۔**

یہودیوں کی شرارت:

یہودیوں کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب حاضر خدمت ہوتے تو السلام علیک کی بجائے السام کہتے تھے زبان دبا کر لام کو کہ جاتے تھے، سام عربی میں موت کو کہتے ہیں موت کی بددعا کرتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم نے سلام کیا، ان کی اس حرکت کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: **وَ اِذَا جَاءُوكُمْ فَخَبِّوْكُمْ بِمَا لَمْ يُحِبَّتْ بِهٖ اَللّٰهُ۔** (اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ میں تجہیہ کرتے ہیں یعنی سام کی ظاہری صورت اختیار کرتے ہیں، جن الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا)۔

ایک مرتبہ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبان دبا کر وہی السام علیک کہہ دیا حضرت عائشہ نے محسوس فرمایا اور آڑے ہاتھوں لیا اور جواب میں علیکم السام واللعنة فرمایا (یعنی تم پر موت ہو اور لعنت ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! ٹھہر (زنی اختیار کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا تو نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟ میں نے ان کے جواب میں علیکم کہہ دیا یعنی (ان کی بات ان پر لوٹادی) انہیں موت کی بددعا دی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶)

وَيَقُولُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ كَوْلَا يَحِبُّوْنَ اِلٰهًا بِمَا نَقُوْلُ یعنی یہودی برے الفاظ بھی زبان پر لاتے ہیں پھر اپنے دلوں میں یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہماری باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا، مقصد ان کا یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے نبی ہیں اور ہم ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں تو اب تک اللہ کا عذاب آ جانا چاہئے تھا جب اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دیتا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا کہ نبی کے جھٹلانے کی اور گناہوں کی سزا اسی دنیا میں ضرور دیدی جائے گی اور جلد دے دی جائے گی۔ بہت سے کافروں کو دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملتی ہے اور بعض کو صرف آخرت میں دی جاتی ہے یہ دلیل بنا لینا کہ چونکہ ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا اس لئے ہمارا عمل درست ہے جہالت اور حماقت کی بات ہے۔

حَسِبْتُمْ جَهَنَّمَ يَصْلُوْنَهَا فَيُصَيِّرُ اس میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دے دیا اور بتا دیا کہ ان کو دوزخ میں جانا ہی جانا ہے وہ برا ٹھکانا ہے اگر دنیا میں عذاب نہ دیا گیا تو یوں نہ سمجھیں کہ عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

اہل ایمان کو نصیحت کہ یہودیوں کا طریقہ کار استعمال نہ کریں:

یہود اور منافقین کی بد حالی بتا کر مؤمنین مخلصین کو نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِاللِّغْوِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ** (اے ایمان والو! جب تمہیں خفیہ مشورہ کرنا ہو (آہستہ آہستہ باتیں کرنی ہوں) تو گہنگاری اور زیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو)۔ **تَنَاجَوْا بِاللِّغْوِ وَاللُّغْوَى** (اور نکی اور تقویٰ کا مشورہ کرو)۔

وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَخْشَوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) یعنی آخرت کے دن میں حاضر ہو گے۔

إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ

یعنی منافقین کی کاناپھوسی (سرگوشی) اس غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں۔ کہ نہ معلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کر رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع و نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورے کر لیں اور منصوبے کا نٹھ لیں، تمہارا ہال بیکانہ ہوگا۔ لہذا تم کو غمگین و دل گیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (تنبیہ) حدیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کاناپھوسی کرنے لگیں۔ کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی ایک طرح آئی ہے ہذا کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ

آداب مجلس باہم معاملات اور علمائے حق و باعمل کی توقیر:

یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال و لحاظ رکھو۔ تو فرماتا ہے کہ جب مجلس جمع ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر ادھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو۔ مجلس میں کشادگی کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنا دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا، جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے اور بھی اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہے مثلاً وعظ ہو رہا ہے حضور ﷺ کچھ نصیحت کی باتیں بیان فرما رہے ہیں لوگ بیٹھ کر رہے ہیں اب جو دوسرا کوئی آتا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تا کہ اسے بھی جگہ مل جائے۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو اور کھل جایا کرو تا کہ آئے والے کی جگہ ہو جائے۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری، رسول

اللہ ﷺ اس دن صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپرے تلے جگہ ٹک تھی اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے اس دن اتفاق سے چند بدری صحابی ہمارے سے آئے تو آنحضرت ﷺ کے آس پاس کھڑے ہو گئے آپ سے سلام علیک ہوئی آپ نے جواب دیا پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہا جو ان کیلئے جگہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو نہ رہا گیا نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں کو بیٹھے کوفرا مایا، جو دوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا بھاری پڑا دھر منافقین کے ہاتھ میں ایک مشغلہ لگ گیا، کہنے لگے لیجئے یہ عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شق سے آئے پہلے آئے اپنے نبی کے قریب جگہ لی اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوا دی کس قدر نا انصافی ہے، ادھر حضور ﷺ نے اس لئے ان کے دل میلے نہ ہوں دعا کی کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کیلئے مجلس میں جگہ کر دے۔ اس حدیث کو سنتے ہی صحابہ نے نوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (بن ابی ماتم) بخاری مسلم مند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہئے کہ ادھر ادھر سرک کر اس کیلئے جگہ بنا دو۔ شافعی میں ہے، تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کر دو۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کیلئے کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت دیتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ، بعض علماء منع کرتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کیلئے سیدھے کھڑے ہوں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنا لے، بعض بزرگ تفصیل بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو حاکم کیلئے عہدہ حکمرانی کے سبب لوگوں کا کھڑے ہو جانا درست ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جن کیلئے کھڑا ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذ تھے۔ بنو قریظہ کے آپ حاکم بنائے گئے تھے جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ (بطور تعظیم کے نہ تھا بلکہ) صرف اس لئے تھا کہ ان کے اقدام کو بخوبی جاری کرائے واللہ اعلم۔ ہاں اسے عادت بنا لینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن تاہم آپ کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، جانتے تھے کہ آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ سنن کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپ تشریف فرما ہو جاتے وہی جگہ صدارت کی جگہ ہو جاتی اور صحابہ کرام اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے۔ حضرت لصدیقؓ کے آپ دائیں جانب، فاروقؓ آپ کے بائیں اور عموماً حضرت عثمان دلیؓ آپ کے سامنے بیٹھتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ کا تب دنی تھے آپ ان سے فرماتے اور یہ وحی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند، صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی

بجس، یعنی وجہ تھی کہ صف والی مجلس میں جس کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے آپ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری صحابہ کو دوائی، گواہ کے ساتھ اور وجوہات بھی تھیں مثلاً ان لوگوں کو خود چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہ کا خیال کرتے اور لحاظ و ادب برت کر خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے جب انہوں نے از خود ایسا نہیں کیا تو پھر حکمان سے ایسا کرایا گیا، اسی طرح پہلے کے لوگ حضور ﷺ کے بہت سے کلمات پوری طرح سن چکے تھے اب یہ حضرات آئے تھے تو آپ نے چاہا کہ یہ بھی بہ آرام بیٹھ کر میری حدیثیں سن لیں اور دینی تعلیم حاصل کر لیں، اسی طرح امت کو اس بات کی تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو امام کے پاس بیٹھنے دیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی صفوں کی رتی کے دفت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے سیدھے رہو بیڑھے ترجھے نہ کھڑے ہوا کرو، دانائی اور عقلمندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ دوسرے لوگ۔ حضرت ابو مسعودؓ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے اس حکم کے باوجود افسوس کہ اب تم بڑی ٹیڑھی ٹھنڈی صغیریں کرتے ہو، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے ظاہر ہے کہ جب آپ کا یہ حکم نماز کیلئے تھا تو نماز کے سوا کسی اور وقتوں میں تو بطور اولیٰ یہی حکم رہے گا، ابو داؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست کرو، مونڈھے ملائے رکھو، صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو اپنے بھائیوں کے پاس صف میں نرم بن جایا کرو، صف میں شیطان کیلئے سوراخ نہ چھوڑو صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے، اسی لئے سید القراء حضرت ابی بن کعبؓ جب پہنچتے تو صف اول میں سے کسی ضعیف العقل شخص کو چھپے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کو دلیل میں لانے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقل مند کھڑے ہوں پھر درجہ بہ درجہ دوسرے لوگ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گزری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ مل کوئی اور نہ بیٹھے، یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آئے چلتے ہیں بسط و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں نہ یہ موقع ہے، ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آ کر بیٹھ گئے دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنالی تیسرے واپس چلے گئے، حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی، دوسرے نے شرم کیا۔ اللہ نے بھی اس سے حیا کی، تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کو حال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے، ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابوداؤد ترمذی) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، حضرت ابن عباسؓ حضرت حسن بصریؓ وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے، اسی طرح اٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آ جاؤ، حضرت مقاتلؓ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کیلئے بلایا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جاؤ، حضرت عبدالرحمن بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ جب حضور ﷺ کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی کہ سب سے آخر حضور ﷺ سے جدا میں ہوں، بسا اوقات آپ کو کوئی کام کاج ہوتا تو بڑا حرج ہوتا لیکن آپ مروّت

سے کچھ نہ فرماتے اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو، جیسے اور جگہ ہے: وان قبل لکم ارجعوا فارجعوا اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جگہ دینے کو جب کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر کرنا ہے اسے اللہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا، جو شخص احکام الہیہ پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے۔ ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ بلند مرتبوں کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ حضرت نافع بن عبدالمبارک سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی ملاقات عسفان میں ہوئی ہے حضرت عمر نے انہیں مکہ شریف کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم کہہ شریف میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو حضرت عمر فاروق نے فرمایا وہ تو ہمارے مولیٰ ہیں یعنی آزاد کردہ غلام انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے آئے ہو؟ کہا ہاں اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور ہما وعظ کہنے والا ہے، حضرت عمر نے اس وقت فرمایا حج فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور بعض کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا۔ (مسلم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ

مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیا کرتے تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو شوق گزرنے لگا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سوالات میں تخفیف کرانے کے لیے یہ حکم دیا کہ صدقہ کر کے آپ کی خدمت میں آیا کریں جب ایسا ہوا تو بہت سے لوگ سوال کرنے سے رک گئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں وسعت دے دی یعنی بغیر صدقہ کئے بھی حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی اکرم ﷺ سے خلوت میں گفتگو کرنے کی درخواست کرتے تھے جب آپ سے سرگوشی کرتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو خیال ہوتا تھا کہ شاید ہمارے بارے میں کوئی بات چیت ہو رہی ہے، جب عامۃ المسلمین کو تنہائی میں وقت لینے والوں کا طریقہ کار ناگوار گزرتا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ جنہیں سرگوشی کرنا ہو وہ صدقہ دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تاکہ خلوت میں وقت مانگنے کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی، ص ۱۰۱، ج ۲: ۱۷)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کو دس درہم میں بٹو دیا تھا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خفیہ مشورہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو ایک درہم صدقہ کر کے آتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔

(ابن کثیر، ص ۳۶۶، جلد ۱)

جن لوگوں کے پاس صدقہ دینے کو کچھ نہ تھا: فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾ فرما کر پہلے ہی سے ان کو مستثنیٰ

فرمایا تھا، سن ترمذی میں حضرت علیؑ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَابْتُمْ إِلَى الرَّسُولِ فَقَبِلْهُ مُؤَابَاتِينَ يَدْعِي نَجْوَكُمْ صَدَقَةً نازل فرمائی تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے (مسلمان) ایک دینار (صدقہ کر کے آئیں گے) میں نے عرض کیا نہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا آدھا دینار؟ میں نے عرض کیا نہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو (کے برابر سونا) ہو فرمایا تم تو بہت تھوڑے پر آگئے اس پر آیت کریمہ: وَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقْبِلُوا بِئِنَّ يَدْعِي نَجْوَكُمْ صَدَقَاتٍ نازل ہوئی حضرت علیؑ نے فرمایا میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف فرمادی۔ (قال الترمذی حدیث غریب حسن من حدیث الوجہ معنی قومہ شیعہ یعنی شیعہ من زہب)

صدقہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَأَشْفَقْتُمْ... کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی رکعتوں سے پہلے صدقات کرو سوا گراں پر تم نے عمل نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ فرمادیا) تو تم دوسرے احکام دینیہ پر پابندی سے عمل کرتے رہو نماز کے پابند رہو زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: وَقَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ میں بتا دیا کہ صدقہ دینے کا جو حکم ہوا تھا اس سے ڈرنا یہ گناہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا اور قَدْ لَمْ تَفْعَلُوا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "اذ" ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے اور شرطیہ بھی، پھر لکھا ہے: وَاللَّعْنَةُ عَلَى الْاُولَ الْاُولِ انکم ترکتم ذلك فيما مضى فتداركوه بالثابرة على اقامة الصلوة وابتداء الزکوة۔

"یعنی جب تم نے حکم پر عمل نہ کیا تو اس کا اس طرح تدارک کرو کہ نمازوں کی خوب پابندی کرو اور زکوٰۃ میں ادا کیا کرو۔"

قلت ومعنى الشرطية يؤل الى ذلك۔

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا لَهُمُ الْمُنَافِقُونَ قَوْمًا هُمْ الْيَهُودُ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ أَيْ
 الْمُنَافِقُونَ مِنْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا مِنْهُمْ ۗ مِنَ الْيَهُودِ بَلْ هُمْ مُذَبِّحُونَ وَيَخْلِفُونَ عَلَى الْكُذِبِ
 أَيْ قَوْلِهِمْ أَنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ وَهُمْ يَعْمَلُونَ ۖ أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۗ إِنَّهُمْ
 سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ مِنَ الْمَعَاصِي إِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرًا عَنْ أَنفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ
 فَصَادُوا بِهَا الْمُؤْمِنِينَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ الْجِهَادِ فِيهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَأَخَذِ أَمْوَالِهِمْ فَلَهُمْ عَذَابٌ
 مُهِينٌ ۖ ذُرَاهَانِيَةٌ كُنْ تَعْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا ۗ مِنَ الْإِغْتَاءِ
 أَيْ أَصْحَابِ النَّكَارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۖ أَدْمُرُ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُخَلِّفُونَ لَهُ ۗ إِنَّهُمْ

مُؤْمِنُونَ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ مِنْ نَفْعِ خَلْفِهِمْ فِي الْآخِرَةِ كَالَّذِينَ آوَىٰ
 إِلَهُهُمْ هُمُ الْكٰذِبُونَ ۝ اسْتَحْوَذَ اشْتَوْلَى عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ بِطَاعَتِهِمْ لَهُ فَاسْتَهْمُ ذَكَرَ اللهُ أَوْلِيكَ
 حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۗ اتَّبَاعُهُ إِلَّا إِنْ حِزَّبَ الشَّيْطٰنُ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُحٰدِثُونَ بِيَخْلِفُونَ اللهُ رَسُوْلَةَ
 أَوْلِيكَ فِي الْاٰذْلٰلِيْنَ ۝ الْمَغْلُوْبِيْنَ كَتَبَ اللهُ فِي اللّٰوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْقَضَى لَأَغْلِبَنَّ اَنَا
 رَسُوْلِيْ ۗ بِالْحِجَّةِ اَوِ السَّيْفِ اِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ
 يُوَادُّوْنَ بِضٰدِيْنَ مَن حٰدَا اللهُ وَ رَسُوْلَهُ وَ لَوْ كَانُوْا اَيُّ الْمُوْحٰدِيْنَ اَبَاؤَهُمْ اَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ
 اَبْنَاؤُهُمْ اَوْ اِخْوَانُهُمْ اَوْ عَشِيْرَتُهُمْ ۗ بَلْ يَفْصِدُوْنَ لَهُمُ بِالسُّوْءِ وَ يُقَاتِلُوْنَ لَهُمْ عَلٰى الْاِيْمٰنِ كَمَا وَفَعِ
 لِحِجْمَاعِيَةٍ مِّنَ الصَّحٰبَةِ اَوْلِيكَ الَّذِيْنَ لَا يُوَادُّوْنَ لَهُمْ كَتَبَ اَنْبَتٌ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمٰنَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ
 بِنُوْرِ قِيْنَتِهِ ۗ تَعَالٰى وَ يَدْخُلُهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِيْ مِّنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ
 بِطَاعَتِهِ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۗ بِنَوَابِيْهِ اَوْلِيكَ حِزْبُ اللهِ ۗ يَتَّبِعُوْنَ اَمْرَهُ وَ يَجْتَنِبُوْنَ نَهْيَهُ اِلَّا اِنْ حِزَّبَ اللهُ هُمْ
 اَفْعَالُ الْمَفْلِحُوْنَ ۝ الْفٰلِغُوْنَ

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے۔ یہ لوگ (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانواڈول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں (یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں) اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ اس بات میں جھوٹے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال و جان کی حفاظت کے لئے) سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل نہ کر کے مال لوٹ کر) سو ان کے لئے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال و اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ روزِ خزاں ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور یوں سمجھیں گے ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہو جائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کر لیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد

بھاری۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیر و کار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (شکست خوردہ) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرما دیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تموار کے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقتور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان (یقین) رکھتے ہیں۔ آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں گودہ (مخالفین) باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے)۔ بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو گئے) اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ اور ان کو مضبوط کر دیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا۔ اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: تَوَلَّوْا هُمْ: یعنی موالات مراد ہے۔
 قولہ: هُمُ الْكٰذِبُوْنَ: جھوٹ میں انتہاء کو پہنچنے والے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی بولنے میں باقی نہیں رکھتے۔
 قولہ: فِي الْاٰذٰنِ: من جملہ ان لوگوں میں سے کر دیا جائے گا جو مخلوق خدا میں ذلیل تر ہیں۔
 قولہ: يُوَادُّوْنَ: ان سے دوستی مناسب نہیں۔
 قولہ: بِئْسَ مِثْلُهٗ: یہ نور قلبی یا نور قرآن یا دشمنوں کے خلاف نور نصرت ہے۔
 قولہ: الْفٰئِزُوْنَ: یعنی دونوں جہاں کی کامراناں پانے والے ہیں۔

تفسیر مقبولین

اَللّٰهُ تَعَالٰی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۗ

دوستے لوگوں کا کردار:

مناقضوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں گودہ اصل میں ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں ہیں

حقیقت میں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں، ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سے کہنے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی اس غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھوک قسمیں کھا لیتے ہیں، ان کی ان بد اعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے اس دھوکہ بازی کا برابر بدلہ انہیں دیا جائے گا یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں، ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور تا وقت لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں، چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے اللہ تعالیٰ کے پر از صد ہزار حکم کریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں زلت و اہانت والے عذاب ہوں گے جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولاد انہیں کچھ کام دے سکے گی یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کمی نہ ہوگا۔ قیامت والے دن جب ان کا حشر ہوگا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہے گا سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹ بات کو قسموں سے سچ بات کر دکھاتے تھے آج اللہ کے سامنے بھی اپنی ہدایت و استقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھا لیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا اللہ کے سامنے چال بازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں سے بیان فرما چکا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے کے سامنے میں تشریف فرماتے اور صحابہ کرام بھی آس پاس بیٹھے تھے سایہ دار جگہ کم تھی بمشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا تھوڑی دیر میں ایک کبریٰ آنکھوں والا شخص آیا حضور ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں اور فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضور ﷺ نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور پھر تو قسموں کا تانا بانا بندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضور ﷺ کی کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں۔ یہی حاس مشرکوں کا بھی دربار الہی میں ہوگا، قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کے دل کو اپنی منہی میں کر لیا ہے یا اللہ ذکر اللہ سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ، بھیڑ یا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوز سے الگ ہو۔ حضرت سائب فرماتے ہیں یہاں مرد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر کو فراموش کرنے والے اور شیطان کے قبضے میں پھنس جانے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں، شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی:

پہلی آیات میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں مومنین مخلصین کا حال ان کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے، اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہ کرام سب ہی کا حال یہ تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ ﷺ کے خلاف آئی تو سارے تعلقات کو بھگا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ نے منع فرمایا، حضرت ابو بکر کے سامنے ان کے باپ ابو قحافہ نے حضور کی شان میں کچھ کلمہ گستاخانہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے والد جراح غزوہ احد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتے وہ ان کے درپے تھے یہ سامنے سے ٹل جاتے جب انہوں نے یہ صورت اختیار کیے رکھی تو ابو عبیدہ نے ان کو قتل کر دیا، یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابہ کرام کے پیش آئے، ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

مسئلہ: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمان کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے، دل میں دوستی کسی فاجر و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جرائم خود اس کے اندر موجود ہوں گے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے اللهم لا تجعل لفاجر علی ید، یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے، کیونکہ شریف انفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے، حضرت ﷺ نے اس سے بھی پناہ مانگی۔ (قرطبی)

وَأَيُّهُمْ يَرْجُو عِقْدَهُ، یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے اور بعض حضرات نے دوسری تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مومن کی اصل طاقت و قوت ہے۔ (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

سُورَةُ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ
۵۹ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۲۴
رُكُوعَاتُهَا ۳

سورہ حشر مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چوبیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَيُّ نَزَاهَةٍ فَعَالِمٌ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا تَعْلَمُ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَهوَ يَتَوَلَّى الْعَرْشَ عَظِيمَ ۗ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدْرَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۗ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فِي مَلِكِهِ وَضَعِيهِ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ

مِنَ الْيَهُودِ مِنْ دِيَارِهِمْ مَسَاكِينَهُمْ بِالْمَدِينَةِ لِأَقْوَالِ الْحَشْرِ ۗ هُوَ حَشَرَهُمْ إِلَى الشَّامِ وَآخِرُهُ أَنْ

جَلَاهُمْ غَمْرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ إِلَى خَيْبَرَ مَا ظَنَنْتُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ أَنْ يَخْرُجُوا

ظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ خَيْبَرَ أَنْ حُصِّنَتْ لَهُمْ فَأَعْلَاهُ بِتَمَّ الْخَيْرُ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ آتِيَةً

وَعَذَابُهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۗ لَمْ يَحْطَرُوا بِنَالِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدَّكَ أَلْفَى فِي قُلُوبِهِمْ

الرُّعْبَ بِسَكُونِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ بِقَتْلِ سَبَدِهِمْ كَعَبِ بْنِ الْأَسْرَفِ يُخْرِبُونَ بِالتَّشْدِيدِ

وَالتَّخْفِيفِ مِنْ أَحْرَبَ بِبُيُوتِهِمْ لِيَنْقُلُوا مَا اشْتَحَسُوهُ مِنْهَا مِنْ حَشَبٍ وَعَثِيرِهِ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي

الْمُؤْمِنِينَ ۗ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ۝ وَكُلَّ مَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ قَضَى عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ الْخُرُوجَ مِنَ

الْوَطَنِ لِعَذَابِهِمْ فِي الدُّنْيَا ۗ بِالْقَتْلِ وَالسَّبِي ۗ كَمَا فَعَلَ بِقَرْيَةَ مِنَ الْيَهُودِ وَكَهَمُ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ

النَّارِ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا خَالِفُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ وَمَنْ يُشَاقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لَ

مَا قَطَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ مِنْ لَيْبِنَةٍ نَخْبَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ أَيُّ خَيْرٍ كُمْ فِي

ذَلِكَ وَلِيُعْزِمِي بِالْإِذْنِ فِي الْقَطْعِ الْفَرِيقَيْنِ ۝ الْيَهُودُ فِي اعْتِرَاضِهِمْ بِأَنْ قَطَعَ الشَّجَرِ الْمُشْبِرِ فَسَادَ

مَا أَقَاءَ رَدَّ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ أَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ عَلَيْهِ مِنْ زَائِدَةِ خَيْلٍ وَلَا

الْحَشْرِ

رَبِّكَ اِبْرٰهٖمَ اٰتٰى لَمْ تُنَاسِوْا فِيْهِ مُشَقَّةً وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَسِيْطُرُ رُسُلَهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيْرٌ ﴿١٠﴾ فَلَاحِقٌ لَّكُمْ فِيْهِ وَيَخْتَصُّ بِهٖ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ فِي الْاٰيَةِ الثَّانِيَةِ مِنْ
 الْاَضْنَافِ الْاَرْبَعَةِ عَلٰى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ اَنْ لِّكُلِّ مِنْهُمْ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الْبَاقِي يُفْعَلُ فِيْهِ مَا يَشَآءُ فَاَعْطٰى مِنْهُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَثَلَاثَةَ مِنْ الْاَنْصَارِ لِغُفْرِهِمْ مَا اَقَامَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ
 مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى كَالضَّمْرَاءِ وَوَادِي الْقُرٰى وَيَتَّبِعُ قَوْلَهُ يَأْمُرُ فِيْهِ بِمَا يَشَآءُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي صَاحِبِ
 الْقُرْبٰى قِرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَبِيِّ هَاشِمٍ وَنَبِيِّ الْعَطَلِبِ وَالْيَتْمٰى اَطْفَالِ الْمُسْلِمِيْنَ
 الَّذِيْنَ فَلَكَ اَبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءٌ وَالْمَسْكِيْنَ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ اَلَمْ نَقْطِعْ
 فِي سَفَرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اٰى يَشْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ وَالْاَرْبَعَةُ عَلٰى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ اَنْ لِّكُلِّ مِنَ الْاَرْبَعَةِ
 خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ الْبَاقِي كَمَا لَا كَيْفَ بِمَعْنٰى اللّٰمِ وَاَنْ مُقَدَّرَةٌ بَعْدَهَا يَكُوْنُ الْفِيءُ عِلَّةَ الْقِسْمَةِ
 كَذٰلِكَ دَوْلَةٌ مُتَدَاوِلَةٌ بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۗ وَمَا اَنْتُمْ اَعْطَاكُمْ الرَّسُوْلُ مِنْ الْفِيءِ وَغَيْرِهِ
 فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهَوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ لِلْفُقَرَاءِ مُتَعَلِّقٌ
 بِمُخْرَفِ اٰى اَعْجَبُوا الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
 رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٢﴾ فِيْ اٰيْمَانِهِمْ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ
 الْمَدِيْنَةَ وَالْاِيْمَانَ اٰى الْفُرُوْةَ وَهُمْ الْاَنْصَارُ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجِبُوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ
 صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً خِشْدًا مِّمَّا اُوْتُوْا اٰى اَتٰى النَّبِيُّ الْمُهَاجِرِيْنَ مِنْ اَمْوَالِ نَبِيِّ النَّصِيْرِ الْمُخْتَضِ بِهٖ
 وَيُوْرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ حَاجَةٌ اِلٰى مَا يُؤْتُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ يُوقِ شَحْنًا نَفْسِهٖ
 حُرْضَهَا عَلٰى الْمَالِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٣﴾ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِيْنَ
 وَ الْاَنْصَارِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
 قُلُوْبِنَا غِلًا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾

١٤

تو تجھ پہم: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کارگیری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنو نضیر کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔ (یہ) اخراج شام کی طرف ہوا۔ پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں۔ ان کو خیبر میں جلا وطن کر دیا) تمہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) ان کے قلعے (یہ) فاعل ہے جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سوائے (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچے کہ ان کو خیال کبھی نہ تھا۔ (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سر کردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاز رہے تھے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ اخب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تاکہ جو اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جا سکیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سوائے دانشور و عبرت حاصل کرو اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلا وطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کر چکا ہوتا) تو ان کو دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کر کر، جیسا کہ یہود قرظہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے۔ کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تاکہ (کانٹے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کی اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا۔ سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! من زائد ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا۔ بلکہ وہ حضور کیلئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آیا ہے۔ یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصہ میں سے پانچواں مرحمت فرمادیا۔ باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں۔ تو تجھ پہم: چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلویا (جیسے صفراء وادی القرئی، بنی نعج کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قرابت داروں کا (آنحضرتؐ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مر گئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجت مندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے بچھڑ جائیں۔ یعنی آنحضرتؐ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرتؐ نے مرحمت فرمایا۔ یعنی ان چار قسموں کو خمس الحامس دیا اور باقی خود رکھا) تاکہ (کئی بمعنی

لام ہے۔ اس کے بعد ان مقدر ہے (وہ قبضہ میں نہ آجائے تمہارے دوست مندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنایت (عطا) فرما دیا کریں (کئی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں، تم رک جایا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ان حاجت مندوں کے لئے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے۔ یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے۔ وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔ اور وہ اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو وادالاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے۔ انصار مراد ہیں) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے (یعنی آنحضرتؐ نے اپنے خاصہ بنو نضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عنایت فرمادیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مال) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد آئے (مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق و رحیم ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: لَاؤَلِ الْحَشْرِ: یعنی جزیرہ عرب سے پہلے حشر میں۔ حشر: ایک گروہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔
 قولہ: أَنْ يُخْرَجُوا: ان کے جنگجو اور محفوظ ہونے کی وجہ سے۔
 قولہ: بِالْقَتْلِ: آپ نے کعب بن اشرف یہودی کو اس کے معاندانہ رویہ اور گستاخانہ سازشوں کی وجہ سے قتل کا حکم دیا۔
 قولہ: مِنْ لَيْبِنَةَ: جمع لیبان۔ عمدہ کھجور۔
 قولہ: لِيُخْزِي: یہ محذوف کی علت ہے اسی فعلتتم یا تم کو کانٹے کی اجازت ان کو رسوا کرنے کے لیے دی۔
 قولہ: مَّا آفَاءَ اللَّهُ: جو اموال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف لوٹائے۔ یہ لام میردوت کے معنی میں ہے۔
 قولہ: لَمْ نَقْأَسُوا: اس کے لیے کوئی جنگ نہیں کرنا پڑی۔
 قولہ: رَثَلَانَةٌ فقراء: ابو دجانہ، سہیل بن حنیف، حارث بن مسہ۔
 قولہ: مَّا آفَاءَ اللَّهُ: یہ پہلے کا آفاء اللہ کا بیان ہے۔
 قولہ: يَكُونُ: تاکہ فقراء کا حق ان کو پہنچے۔

قوله: الْفُرْقَةُ: اس سے اشارہ کیا کہ ایمان کا لفظ فعل محذوف سے منصوب ہے۔
 قوله: يُجِبُّونَ: وہ جہت کرتے ہیں، ان پر گراں بار نہیں۔
 قوله: مِنْ بَعْدِهِمْ: اسلام کے مضبوط ہونے کے بعد۔

تفسیر مقبولین

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سورت کو سورۃ بنی النضیر بھی کہا کرتے تھے اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں بنو نضیر کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

حشر کے معنی لغت میں جلا وطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلا وطنی اور ذلت و خواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافات مدینہ سے جلا وطن کئے گئے جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا، اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح و تقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح و تہلیل پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال و جلال کو بھی ذکر فرمایا تاکہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد رضی اللہ عنہ اور زہری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ اور مضافات مدینہ میں بسنے والے یہود سے صلح و معاہدہ فرمایا تھا معاہدہ کی اصل بنیادی تھی کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف کوئی اقدام فرمائیں گے نہ خود قتال کریں گے اور نہ کسی قتال کرنے والی قوم کی مدد کریں گے، اسی طرح یہودی نہ قتال کریں گے اور نہ قتال کرنے والی کسی قوم کی مدد کریں گے مگر یہودیوں نے فوراً نقض عہد کیا قریش مکہ سے ساز باز شروع کی اور ان کو جنگ پر آمادہ کیا، ان کا ایک بڑا سردار کعب بن الاشرف چالیس سو اوروں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ کے سامنے قریش مکہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔

غزوہ احد کے بعد ان یہودیوں کی خیانت و دروغنت میں اور اضافہ ہو گیا جب یہ دیکھا کہ احد میں مسلمانوں کو پریشانی اٹھانی پڑی اور بظاہر شکست کی صورت پیش آئی تو اپنی سازشیں اور زائد کر دیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خون بہا کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بنو نضیر کے یہود کے یہاں تشریف لے گئے تو ان خیشوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ تشریف فرما ہوں وہاں اوپر سے بڑے بڑے پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے چند رفقاء کا خاتمہ کر دیا جائے جس پر اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کر دیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر واپس آ گئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اب ہمارا اور تمہارا کوئی عہد باقی نہ رہا اور تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ پھر جہاد و قتال ہے ان مفردوں نے قریش سے خفیہ معاہدہ اور در پردہ منافقوں کے تعاون کے دھوکہ میں اپنے احاطوں اور قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور سمجھے کہ ان محفوظ قلعوں سے ہمیں کوئی نکال نہیں سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو لے کر انکا محاصرہ کر لیا جب یہودی اپنے مکانوں اور قلعوں میں محصور ہو گئے تو مرعوب و خوفزدہ ہو کر صلح کی التجا کی۔

حضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے یہ علاقے خالی کر دیں یہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے کسی کی جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ مال و اسباب کوئی ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے مگر اب یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتا۔

حاضرہ کے دوران ان کے باغات و کھیتوں کو کاٹا اور جلایا بھی گیا اس طرح اس قوم بنو نضیر کو پہلی مرتبہ جلا وطن کیا گیا اور اریاء و حیشام کے علاقوں میں جا کر بسے اور کچھ یہودی جیسے ابوالقیق اور حیی بن اخطب خیبر چلے گئے اور یہ زمین و باغات وہاجرین و انصار کو تقسیم کیے گئے، تو اس سورۃ مبارکہ میں بنو نضیر کی جلا وطنی انکی ذلت و شکست کا ذکر ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کا مد سے کس طرح ان کو ان کی زمینوں قلعوں اور باغات سے نکالا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا وارث بنایا جب کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ نے انہی کا حشر اور جلا وطنی کا منظر انکو دکھلایا اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ حشر مقرر ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، طبعی)

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

یہودیوں کی مصیبت اور ذلت اور مدینہ منورہ سے جلا وطنی:

یہاں سے سورۃ الحشر شروع ہو رہی ہے حشر عربی میں جمع کرنے کو کہتے ہیں اپنی جگہ چھوڑ کر جب کسی جگہ کوئی قوم جمع ہو جائے اس کو حشر کہا جاتا ہے قیامت کے دن کو بھی حشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف اطراف و اکناف کے لوگ جمع ہوں گے۔ یہاں اول الحشر سے یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا اور خیبر میں جمع ہونا مراد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے سو میل کے فاصلہ پر شام کے راستہ میں پڑتا ہے ان لوگوں کا یہ ترک وطن رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا تھا پھر دوبارہ ان کو حضرت عمرؓ نے خیبر سے بھی نکال دیا اور شام کے علاقہ اریحہ اور حماء اور اذرعات میں جا کر بس گئے تھے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اول الحشر سے ان کا پہلی بار مدینہ منورہ سے نکل جانا مراد ہے اور حشر ثانی سے وہ اخراج مراد ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا، اسی لفظ لاؤل الحشر کی وجہ سے اس سورۃ کو سورۃ الحشر کہا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بنی نضیر کے اخراج کا ذکر ہے اس لیے حضرت ابن عباسؓ اس کو سورۃ بنی نضیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

شروع سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمین پر جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرتے ہیں پھر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے زبردست ہے غلبہ والا ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور حکیم بھی ہے وہ حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے:

- (۱) قبیلہ بنی نضیر (۲) قبیلہ بنی قریظہ (۳) قبیلہ بنی قینقاع

یہ قبیلے ذرا قوت والے تھے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہوگا تو آپ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑا قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ بنی قینقاع کا انجام سورۃ آل عمران کی آیت

شریفہ: قُلْ لِلّٰہِ ٱلْءِیۡمٰنُ کَفَرُوۡا سَنُغَلِبُوۡنَ وَ نَحْنُ نُوۡنُ اِلٰہِ جَہَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، یہاں ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلا وطنی کا سبب:

۲ ہجری میں غزوہ بدر کا اور ۳ ہجری میں غزوہ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلا وطنی کا واقعہ کسی نے غزوہ احد سے پہلے اور کسی نے غزوہ احد کے بعد لکھا ہے واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہودی نضیر کے پاس آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ ان دو شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کو ان کی دیت ادا کرنی تھی آپ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو، ان لوگوں نے کہا آپ تشریف رکھیے ہم مدد کریں گے، ایک طرف تو آپ سے یہ بات کہی اور آپ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھر پھینک دے ان کی موت ہو جائے تو ہمارا ان سے چھٹکارا ہو جائے، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جاش تھا اس نے کہا یہ کام میں کروں گا وہ پتھر پھینکنے کے لیے اہل چڑھا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آگئی کہ ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے آپ کے ساتھ حضرات ابو بکر، عمر، علیؓ بھی تھے آپ جلدی سے اٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے شہر میں تشریف آ کر آپ نے اپنے صحابی محمد بن مسلمہؓ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، آپ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کڑھوکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہودی نضیر کے دنوں کو وقتی طور پر تقویت ہوئی اور انہوں نے کہا بھینجا کہ ہم نہیں نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا آپ ابن مکتومؓ کو امیر مدینہ بنا کر صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا جب بنی نضیر کے پاس کھالے کا سامان ختم ہو گیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیئے اور اور جلا دیئے گئے۔ اور ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہو گئے تو خود رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمیں جلا وطن کر دیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو ماں ہم ادنیوں پر لے جا سکیں وہ لے جانے دیں۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول کر لی، پہلے تو انہوں نے تڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلا وطن ہونا منظور کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رغب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے در مقابلے کی ڈیکھیں سب دھری رہ گئیں، آپ نے چھ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور مورخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبر دار اترتے چڑھتے رہیں۔ مورخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جتنے

اٹھ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لیے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیت کریمہ میں: **يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ** سے تعبیر فرمایا ہے، یہ لوگ اونٹوں پر سے سامان لے کر روانہ ہو گئے ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہو گئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہو گئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا، یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلا وطن ہونے پر تیار ہو گئے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کے لیے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریش مکہ بدر میں قتل کیے گئے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلا وطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لیے دنیا میں اس وقت جلا وطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہر حال ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ اس مضمون کو **وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَائِ** میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: **ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** یعنی یہ سزا ان کو اس لیے دی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، بنی قینقار کو پہلے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلا وطن کیے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پرگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی۔ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور کئی چند قبیلے مدینہ منورہ میں آبا تھا۔ ان کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبی ﷺ میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقار اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بنی قینقار سے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹)

مَا نَقَطْنَاهُمْ مِنْ لَيْبَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْرِجَ الْفَاسِقِينَ ⑤

یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے:

حضرات صحابہؓ نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں اپنے خیال میں محفوظ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جانے کا حکم دے دیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابو القاسمؓ تو زمین میں فساد سے منع کرتے ہیں کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجوروں کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گے۔ اور بعض

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دے دی تھی پھر منع فرمایا تھا اس پر صحابہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مواخذہ کی بات ہے؟

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ (تیسرا بن کثیر ص ۳۲۲ ج ۱)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے۔ جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور اپنی ضرورت سے ہو اس میں گناہ گار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو دَلِّیْخُوْیَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ میں فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کے جلانے میں بددین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے بانگوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی طپس گے اور ذلت بھی ہوگی اور اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہو گئے کہ ہمیں مدینہ سے جانا منظور ہے پھر وہ مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیر چلے گئے جس کا قصہ اوپر گزرا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو، تحریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے گناہ کا احتمال ہی نہیں۔

وَمَا آفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْهُنَّ

مال فے کی تعریف و وضاحت اور حکم رسول ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے:

مال فے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کی صفت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ یہ سب یہاں بیان ہو رہا ہے۔ فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، جیسے بنو نضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آنے سے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ ان کے مال اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے، اسے قبضے میں آتے ہیں اور یہ مال حضور ﷺ کا ہو گیا، آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، پس آپ نے نیکی اور اصلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری روایت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنو نضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلویا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول ﷺ کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر ک چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی، سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا بھی حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے، یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنو نضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھروالوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو فاقہ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے۔ (سنن وسند وغیرہ) ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوس سے مروی ہے

کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کر دو میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو میں نے کہا بہت بہتر، اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علی کا تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچائیے، حضرت مالک فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو، پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ان چاروں نے اس کا اقرار کیا، پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا، پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا پھر آپ نے یہی آیت: وَمَا آتَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُنَظِّمُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الحشر: ۶) پڑھی اور فرمایا بنو نضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور نے کے اپنے رسول ﷺ کو دیئے تھے اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ ہی خود ہی اس میں سے کچھ لے لیا، رسول اللہ ﷺ اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضور ﷺ کے فوت ہونے کے بعد ابو بکر والی بنے اور تم دونوں خلیفہ رسول ﷺ کے پاس آئے، اے عباس تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچا زاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہی جتنی حضرت علی اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہ کی طرف سے ان کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابو بکر یقیناً راست گو، نیک کار، رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے، چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کی، آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ تھا، ہاں اور وہ مال میری ولایت میں رہا، پھر آپ دونوں ایک صلح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا، جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضہ میں کرو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں، تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کوچم میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لے لی، پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج

تک ہوتا رہا۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے اموال آپ کے قبضہ میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کو دیئے ہوئے مال واپس دیئے شروع کئے، حضرت انس کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں میں نے جا کر حضور ﷺ کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا، لیکن یہ سب حضرت ام ایمن کو اپنی طرف سے دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت ﷺ تجھے یہ نہیں دیں گے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے حضور ﷺ نے فرمایا ام ایمن تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں، آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں، آپ نے فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دیئے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا، یہ نے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورۃ انفال میں ان کی پوری تشریح و توضیح کے ساتھ کال تفسیر الحمد للہ گزر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ مال نے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے کہ یہ مالداروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ بن جائے اور اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر ﷺ تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے (یعنی چمڑے پر یا تھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بناتی ہیں) اس سے اور بالوں میں بال ملانے سے (جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں) منع فرماتے ہیں تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول ﷺ میں؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں اس عورت نے کہا اللہ کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت: وَمَا أَسْأَلُ الرَّسُولَ فَعَلُوْا وَمَا تَهَكَّمْتُ عَنْهُ فَاذْعَبُوْا (الحشر: ۷) نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول ﷺ اور ممانعت رسول ﷺ قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو، وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی، آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ اللہ کے نیک

بندے (حضرت شعیب (علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا: وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَصَالِفَكُمُ إِلَى مَا أَنْهَكُمُ عَنْهُ (صورت: ۸۸) یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں، مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے، یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت بن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے، اس نے کہا میں نے ہر قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے اول سے آخر تک پڑھ لیکر میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا، آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھیں تو ضرور پاتیں کیا تم نے آیت: وَمَا أَنْهَكُمُ الزُّسُومُ فَتُلُونَهَا وَمَا أَنْهَكُمُ عَنْهُ فَاتْتَلُوا (الحشر: ۷) نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے پھر آپ نے وہ حدیث سنائی، اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور غدر خواہی کی اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ، نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباسؓ ماسے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کدو کے برتن میں، سبز ٹھلیا میں، کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رگی ہوئی ٹھلیا میں بنیز بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یا در ہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ مترجم) پھر فرماتا ہے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کے احکام کی ممنوعات سے بچتے رہو، یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب دیتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ

مال نے کے حقدار:

اوپر بیان ہوا تھا کہ فی مال یعنی کافروں کا جو مال مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا اس کے مالک رسول اللہ ﷺ ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جھج کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا، اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی مدد میں برابر مشغول ہیں، اللہ کے فضل و خوشنودی کے متلاشی ہیں، یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا، یہ اوصاف حالات مہاجرین میں تھے۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت شرافت کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے، ان کی کشادہ دلی، نیک نفسی، ایثار اور سخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دارالہجرت مدینہ میں اپنی بود

دبائش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا، مہاجرین کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لاپکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن گئے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے، ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی، ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی کر لے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کر جو بھی راہ اللہ میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھردیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں، مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں، مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں، حضور ﷺ ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو منسلک جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثناء اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار یوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصار یوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے آپ نے فرمایا نہیں، پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو، انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدردانہ منزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے، جو نہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا، اسی مطلب پر اس حدیث کی داللت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے، تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بایں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے دائرگی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن اہصاح آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہوئے اور انصاریؓ سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھ ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزار دوں انہوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ حضرت عبد اللہ ﷺ نے یہ تمنا راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے انہیں ہاں یہ ضروری

بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا، جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوتی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتباً حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتباً آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کوئی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول ﷺ آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اور اس سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا اب جا رہا ہوں لیکن ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتائیے آخر وہ کونسا عمل ہے جس نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی، حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا، حضرت عبداللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں، غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انکس نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے، بنو نضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت: **مَّا آتَاكُمُ اللَّهُ عَلَىٰ رِسْوَالِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ قَبْلَهُ وَ لِلرَّسُولِ وَ لِلَّذِي الْقُرَىٰ وَ النَّبِيِّ وَ النَّسِيبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ** (الحشر: ۷) اتری، آپ حضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مہاجر بھائی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں انصار نے کہا پھر حضور ﷺ ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضور ﷺ کا ارشاد ہوا آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کر دو انصار نے اسے بھی بدکشاہ پیشانی منظور کر لیا۔ پھر فرمایا ہے کہ خود کو حاجت ہونے کے باوجود بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں اپنی ضرورت خواہ باقی رہ جائے۔ لیکن دوسرے مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر دقت کی خواہش ہے، ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کی اور نکت ہو خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ اللہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت محنت لائے صرف کرتے ہیں، محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی اس وقت کا خرچ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ اللہ دے دینا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا صدقہ اسی قسم سے ہے کہ آپ نے اپنا کل مال لا کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ڈھیر لگا دیا آپ نے پوچھا تبھی ابو بکر کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بال کھا یا ہوں، اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا کہ میدان جہاد

میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کہ کراہ رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں، سخت تیز دھوپ پڑ رہی ہے، پیاس کے مارے طلق چنچ رہا ہے، اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر منگ لٹکائے آجاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پلاؤ دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ وہ ابھی تیسرے تک پہنچا ہی نہیں کہ ایک شہید ہو جاتا ہے، دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا، تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ ابھی سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جا ملا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہو اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوائے آپ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس خود کچھ نہیں یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں اپنا مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضور ﷺ میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا چنانچہ یہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں آج گو ہمیں کچھ بھی کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے بچوں کے لئے البتہ کچھ کھڑے رکھے ہوئے ہیں انصاری نے فرمایا اچھا بچوں کو تو بھلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر ناناتے سے رات گزار دیں گے، کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل ہم کھائیں گے نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا صبح جب یہ شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہو اور انس ریا انہی کے بارے میں: **وَيُؤْتِيهِمْ مِنْ عَمَلِهِمْ جَزَاءً** کَانَ يَهْتَفُ خُصَاصَةً (احشر: ۱۰) نازل ہوئی، صحیح مسلم کی روایت ہے میں ان انصاری کا نام ہے حضرت ابو طلحہ۔ پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پائی۔ مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو! قیامت کے دن یہ ظلم اندھیرا بن جائے گا لوگو بخیلی اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ نفس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ نفس باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے، حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث انہوں نے ظلم کے فسق و فجور کئے اور قتل رحیمی کی۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے، یعنی راہ اللہ کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اس کے دل میں ایمان کی رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی، حضرت عبداللہ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا اے ابوعبدالرحمن میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچ دیا گیا اس نے فلاح پائی اور میں تو مال کو بزاروکنے والا ہوں، خرچ کرتے ہوئے دل رکھتا ہے آپ نے فرمایا اس کجی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے، ہاں بخیلی بمعنی کجی بھی ہے بہت بری چیز ہے۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابولہیاج اسدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں۔ (دعا اللہم فی نسخ نفسی) الہی مجھے

حضرات انصارؓ کے اوصاف جمیلہ:

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْأَيْمَانَ مَبْجَرِينَ پر عطف ہے اور ان سے حضرات انصار مدینہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فنی کے جو اموال ہیں انصار بھی اس کے مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ انصار کی تعریف کرتے ہوئے اولیوں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کو پہلے ہی سے اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا، یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے برس ہا برس پہلے ہی مدینہ منورہ میں یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جو بعد میں دارالایمان بن گیا پھر جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور حج کے موقع پر منیٰ میں آپ سے ملاقات ہو گئی تو ایمان بھی قبول کر لیا۔ وہاں تو چند آدمیوں نے قبول کیا تھا پھر سارے مدینہ والوں نے ایمان قبول کر لیا اور ایمان کو بھی ایسے چپکے کر گواہ وہ ان کا گھر ہے (جس سے کبھی بھی جدا ہونا نہیں ہے)۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو حضرات ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں ان کے دلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ دوسرے علاقہ کے لوگ ہمارے یہاں آئے ان کی وجہ سے ہماری معیشت پر اثر پڑے گا، یہی نہیں کہ ان کے آنے سے وکیر نہیں ہوتے بلکہ سچے دل سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

تیسری تعریف یوں فرمائی کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اپنے سینوں میں کوئی حاجت یعنی حسد اور جلن کی کیفیت محسوس نہیں کرتے یعنی وہ اس کا کچھ اثر نہیں لیتے کہ مہاجرین کو دیا گیا اور ہمیں نہیں دیا گیا۔ اور چوتھی تعریف یوں فرمائی کہ حضرات انصار اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود حاجت ہو۔

حضرات مہاجرین و انصارؓ کی باہمی محبت:

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرات انصارؓ کے حب المہاجرین اور ایثار و قربانی کے متعدد واقعات لکھے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے اور ان مہاجرین کے درمیان ہمارے بھجوروں کے بانگوں کی تقسیم فرما دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں (میں ایسا نہیں کرتا) اس پر انصار نے مہاجرین سے کہا اچھا آپ لوگ پیداوار کی محنت میں مدد کریں اور ہم آپ لوگوں کو پھلوں میں شریک کر لیں گے۔ اس پر مہاجرین نے کہا یہ ہمیں منظور ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تکلیف میں ہوں (بھوک سے دوچار ہوں) آپ نے (اس کے کھانے کے لئے) اپنی ازواج مطہراتؓ سے کچھ طلب فرمایا آپ کے گھروں سے جواب آیا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ ایسا کون شخص ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے، یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے کہا کہ میں ان کو ساتھ لے جاتا ہوں چنانچہ انہیں ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے اس کا اکرام کرنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو بجز بچوں کی خوراک کے کچھ بھی نہیں ہے۔ شوہر نے کہا کھانا تیار کرو اور بچوں کو سلا دو چنانچہ اس نے کھانا پکایا اور بچوں کو

سارے باہر جب کھانے بیٹھے تو عورت اس انداز سے اٹھی کہ گویا چراغ کی بتنی درست کرتی ہے لیکن درست کرنے کی بجائے اس سے چراغ بجھ دیا مہمان کھانا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ دونوں بھی میرے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا یا اور رات بھر بھوکے رہے صبح کو جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضری ہوئی تو یہ میزبان صحابی حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تمہارا عمل پسند آیا کہ تم بھوکے رہے اور مہمان کو کھلا دیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ: **وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَّاصَةٌ** نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری صفحہ ۵۶۱: ۱)
 یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بچے مہمان کی بہ نسبت زیادہ مستحق تھے پھر مہمان کو ان کی خوراک کیوں کھائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے اس وقت رات کا کھانا کھا چکے تھے اب خوراک کی ضرورت صبح ناشتہ کے لئے تھی اگر وہ اصلی بھوکے ہوتے تو سامنے سے بھی نہ سوتے۔

اور اشکال یہ ہے کہ چراغ جلا کر تین آدمی جو ساتھ بیٹھے اس میں بے پروگی ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے اکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

فائدہ: یہ صحابی کون تھے جو مہمان کو ساتھ لے گئے تھے؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کا اور بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا نام بتایا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعوت کرنے والے صحابی تیسرے بن ثابتؓ تھے۔

جو نفل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے:

آیت کے آخر میں فرمایا: **وَمَنْ يُؤْتِ شَيْخًا نَفْسِيهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰلِحُونَ** اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا وہ دلوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس میں کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے اور نفس کی کنجوس سے بچنے کو کامیاب ہونے والوں کی ایک امتیازی شان بتائی ہے۔ کنجوس کی انسانیت جو نفس کی طرف کی ہے اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دل تو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن نفس کو مانع کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

منسقر ظلمی لکھتے ہیں کہ بعض اہل لغت کا قول ہے کہ شیخ بخل سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ پھر صحاح (لغت کی کتاب) سے نفل کا ہے کہ شیخ اس نفل کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم اندھیریاں پھیلے گا اور شیخ (کنجوسی) سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے انہیں آپس میں خون منانے لگا اور ہر حرام چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کر دیا۔ (رواہ مسلم) انسان کے مزاج میں کنجوسی ہے جسے سورۃ نساء میں **وَالْحَصِيْبَةُ الْاَلْفُسُ الشُّعْ** سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدترین چیز جو انسان کے اندر ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈال دے اور بزدلی ہے جو جان کو نکال دے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ کنجوسی اور ایمان کبھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ دو چیزیں بندے میں جمع نہیں ہو سکتیں ایک بخل اور دوسری بد خلقی (رواہ الترمذی) انسان کا مزاج ہے کہ مال لینے کو تیار ہو جاتا ہے دینے کو تیار نہیں ہوتا اسی لئے زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔ نفس خرچ کرنے کو نہیں چاہتا لیکن پھر بھی نفس کے تقاضوں کو دبا کر مومن آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ ثواب کے اعتبار سے کون سا صدقہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ سب سے بڑا ہے کہ تو اس حال میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو نفس میں کنجوسی ہو تنگدستی کا خوف ہو، مالدار بننے کی امید لگا رکھی ہو پھر فرمایا کہ تو خرچ کرنے میں دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے گا فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب کہنے سے کیا ہوتا ہے) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا (دم نکلنے ہی دوسروں کا ہے)۔

(رواہ البخاری صفحہ ۱۱۱:۱۱۲)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم کا صدقہ کرے۔ (رواہ ابو داؤد)

بہت سے لوگ دنیاوی ضرورتوں گناہوں اور ریاریوں میں تول کھول کر خرچ کرتے ہیں، بے تحاشا فضول خرچ میں مال اڑا دیتے ہیں لیکن مال سے متعلق فرائض و واجبات ادا نہیں کرتے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روک رکھتے ہیں حج فرض ہو جاتا ہے تو اس کے سنے ہمت نہیں کرتے اور اگر ہمت کر بھی لیں تو اسے زیاداداری یعنی ریاری کاری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزرنے لگے گا عمل کم ہو جائے گا اور (دلوں میں) کنجوسی ڈال دی جائے گی اور نشتے ظاہر ہوں گے اور قتل زیادہ ہوں گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۶:۱۰۷)

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں:

(۱) تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے تقویٰ کے تقاضوں پر چلنا۔ (۲) رضامندی میں اور ناراضگی میں حق بات کہنا۔ (۳) مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔ ۱۔ خواہشوں کا اتباع کیا جانا۔ ۲۔ کنجوسی (کے جذبات) کی فرمانبرداری کرنا۔ ۳۔ انسان کو اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا۔ (مشکوٰۃ لمصاب صفحہ ۴۲)

کنجوسی بری بلا ہے نفس پر قابو پائے اللہ تعالیٰ کی رضا میں مال خرچ کرے اور گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے اور فضول خرچی سے بھی بچے یہ کامیابی کا راستہ ہے جسے: وَمَنْ يُؤْتِ شَيْءًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ ...

مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کا بھی اموال فنی میں استحقاق ہے:

اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی المہاجرین پر معطوف ہے اور اس میں بعد میں آنیوالے حضرات کا اموال فنی میں حصہ بتایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد دیگر مسلمان جو قیامت تک آئیں گے ان سب پر مال فنی میں سے خرچ کیا جائے۔ مفسر ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت شریفہ: **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ** کی آخریک تلاوت کی، پھر فرمایا کہ یہ صدقات ان لوگوں کے لئے ہیں (جن کا آیت میں ذکر ہوا) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ** آخریک تلاوت کی پھر فرمایا کہ اموال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں پھر آپ نے **مَا آتَاكُمُ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ** سے **وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ** جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ تک تلاوت کی اور یوں فرمایا کہ یہ آیات تمام مسلمین کو شامل ہیں جو بھی کوئی مسلمان ہوگا اموال فنی میں اس کا حق ہوگا پھر فرمایا اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک بکریاں چرانے والا جو سرد جمیر (ایک قبیلہ کا نام جو مدینہ منورہ سے دور رہتا تھا) میں چرا رہا ہوگا اپنے حصہ کو وہیں پالے گا، اس کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی میں پسینہ تک نہ آیا ہوگا۔ (ابن کثیر ص ۲۱۰: ۱۶۵)

مفسر ابن کثیر نے آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ: **هو لاءهم الثالث من يستحق فقراءهم من مال الفئ و هم المهاجرون ثم الانصار۔**

یعنی اموال فنی کے مستحقین کی یہ آخری قسم ہے تینوں قسموں میں سے ان میں سے جو فقراء ہوں گے مال فنی کے مستحق ہوں ہوا کہ اموال فنی میں روافض کا بالکل حصہ نہیں جو حضرات مہاجرین و انصار کا اتباع تو کیا کرتے ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں کافر کہتے ہیں۔ **وسيجع من قول الامام مالك ان شاء الله تعالى۔**

یہ تو اموال فنی کے مستحقین کا بیان ہوا آیت کریمہ میں بعد میں آنے والے مومنین کی دو دعاؤں کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے۔ پہلی دعا یہ ہے کہ وہ بارگاہ الہی میں یوں عرض کرتے ہیں کہ **”اے ہمارے رب ہماری بھی مغفرت فرما دے اور جو ہمارے بھائی ہم سے پہلے با ایمان گزر گئے ان کی بھی مغفرت فرما دے۔“** معلوم ہوا کہ اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنے کے ساتھ ان مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعا مغفرت کرنا چاہئے جو اس دنیا سے گزر گئے دعا مغفرت سے مغفرت کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور نفع درجات کا بھی۔

دوسری دعا یہ ہے کہ **”اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما“**، لفظ غل جس کا ترجمہ کھوٹ کیا گیا ہے بہت عام ہے کینہ، بغض، حسد، جلن یہ لفظ ان سب باتوں کو شامل ہے اس میں **الَّذِينَ آمَنُوا** فرمایا ہے یعنی جو بھی اہل ایمان گزر گئے دنیا سے چلے اور جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے اللہ تعالیٰ ان سب کی طرف سے ہمارے دلوں کو صاف اور پاک رکھے کسی سے کینہ نہ ہو اور نہ کسی کی طرف سے دل میں برائی لائی جائے۔

حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کی مذمت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس کے بگاڑ سے بچو، کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض چپکے چپکے تمہاری طرف چل کر آ گیا ہے وہ مرض حسد اور بغض ہے یہ مونڈ دینے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہیں بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ہر اس شخص کے بارے میں جس کے دل میں مسلمان بھائی سے دشمنی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ (رواہ الترمذی) یہ سب روایات مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۸ پر مذکور ہیں

رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض تمہارے اندر چل کر آ گیا ہے یہ اس زمانہ میں تھوڑا ہی سا تھا۔ لیکن اب تو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں لڑائیاں بھی ہیں بغض بھی ہے ایک دوسرے کی مخالفت بھی ہے، مار کاٹ بھی ہے اور قتل و قتل بھی، ان حالات میں سچے دل سے کیا دعاء نکل سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو، دلوں میں کھوٹ بھرا ہوا ہے اور اسے نکالنا بھی نہیں چاہتے۔ جب جمع ہوں گے غیبتیں کریں گے، جہتیں دھریں گے مسلمانوں کے عیب اچھالیں گے ان حالات میں سینہ کیسے صاف رہ سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میرے صحابہؓ سے متعلق کوئی بات مجھے نہ پہنچائے (جس سے دل برا ہو) کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ (اپنے گھر سے) ان کی طرف سے حال میں نکل کر آؤں کہ میرا سینہ باسلامت ہو۔ (رواہ الترمذی عن عبداللہ بن فضل، ارواح النبی)

روافض کی گمراہی:

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات مہاجرین و انصار کے لئے دعا کرے والوں کے میدح فرمائی لیکن روافض کا یہ حال ہے جو قرآن کریم کو اللہ نازل کی ہوئی کتاب مانتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی کے پاس ہے جو غار میں چھپے ہوئے ہیں حضرات صحابہ کرامؓ کے بغض سے ان کے سینے بھرے ہوئے ہیں پنے ایمان کی تو لنگر نہیں اور تین چار کے علاوہ باقی صحابہ کو کافر کہتے ہیں ان کے دلوں میں حضرات صحابہ سے بھی بغض ہے اور ان کے طریقہ پر چلنے والوں سے بھی۔

تفسیر ابن کثیر (ج: ۴، ص: ۲۲۹) میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا لیکن لوگوں نے انہیں برا کہا شروع کر دیا پھر انہوں نے آیت کریمہ: **وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ** آخر تک تلاوت فرمائی۔

حضرت عامر شعبیؓ نے مالک بن مغفلؓ سے فرمایا کہ ایک بات میں یہود و روافض سے بڑھ گئے جب یہودیوں سے پوچھا

ہم کہ تم میں سب سے بڑھ کر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کے اصحاب ہم میں سب سے بہتر ہیں اور نصاریٰ سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سب سے بہتر ہیں، جب روافض سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے برے لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سب سے برے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ہے اور وہ انہیں برا کہتے ہیں۔

(معالم التنزیل ص ۲۲۱: ۱ ج)

مفسرین کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے اس آیت کریمہ سے کیا اچھا استنباط کیا انہوں نے فرمایا کہ کسی رافضی کا اموال فنی میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ قرآن نے جن لوگوں کو حضرات مہاجرین اور انصار کے بعد اموال فنی کا مستحق بتایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد دنیا میں آئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی روافض دعا کے بجائے ان حضرات کو برا کہتے ہیں لہذا انہیں اموال فنی میں کوئی استحقاق نہیں کیونکہ ان میں وہ صفت نہیں ہے جو صفت اللہ تعالیٰ نے مستحقین فنی کی بیان فرمائی ہے۔

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَهُمْ بَنُو النَّصْرَةِ وَإِخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ لَئِنْ لَمْ قَسَمِ فِي الْأَرْبَعَةِ أُخْرَجْتُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ لَنُخْرِجَنَّكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ فِي خُدَايَكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ حُدِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُزْطَقَةُ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۝ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُوهُمْ ۝ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ خَانُوا النَّصْرَةَ لِيُوَلِّنَ الْأَدْبَارَ ۝ وَاسْمَعْنِي بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ أَيِ الْيَهُودِ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهَبَةً خَوْفًا فِي صُدُورِهِمْ أَيِ الْمُنَافِقِينَ مِنَ اللَّهِ ۝ لِتَأْخِيرِ عَذَابِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَا يَقَابِلُوكُمْ أَيِ الْيَهُودِ جَمِيعًا مُجْتَمِعِينَ إِلَّا فِي قَرْيٍ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۝ سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ جُدُرٍ بِأَسْمِهِمْ حُرْبُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدًا ۝ تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا مُجْتَمِعِينَ ۝ وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى مُتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحِسَابِ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ مِثْلُهُمْ فِي تَرْكِ الْإِيمَانِ كَمِثْلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا بِزَمَنِ قَرِيبٍ ۝ وَلَمْ يَلْ نَدِرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ذَا قُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۝ عَقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤَلِّمٌ فِي الْأَجْرَةِ مِثْلَهُمْ أَيْضًا فِي سَمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَتَحْلِفُهُمْ عَنْهُمْ كَمِثْلِ الشَّيْطَانِ إِذْ

قَالَ لِلْإِنْسَانِ أَكْفَرُ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنْ بَرَىٰ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ كَذَّبَ مِنْ

وَرِيَاءٍ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَيْ الْغَاوِي وَالْمَغْوِيُّ وَقُرِئَ بِالرُّفْعِ إِسْمُ كَانَ أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا

وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ الْكَافِرِينَ

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (بنو نضیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملہ میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ گراہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جو شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب مؤخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر محفوظ بستوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار یعنی دیوار۔ اور ایک قراءت میں جدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے۔ اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے۔ حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تشبیل دی ہے ان لوگوں کی کسی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں تل وغیرہ کے ذریعہ) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا۔ یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے۔ ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو چاہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور یہ کاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بہکانے والے اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے۔ جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں (کافروں) کی یہی سزا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمَقْدَرِ: یہ قسم کی صفت ہے۔
 قوله: أَلَيْهَؤُذُ: ان کو منافقین کی مدد کچھ کام نہ دے گی۔
 قوله: أَشَدُّ رَهْبَةً: رَهْبَةً یہ فعل مجہول کا مصدر ہے بمعنی مرہوبیۃ۔

قوله: **بِئْسَ صُورُهُمْ**: وہ اپنے اندر مسلمانوں کا خوف چھپاتے تھے۔
 قوله: **مِنَ اللّٰهِ**: جو وہ نفاق کے طور پر ظاہر کرتے ہیں، تمہارے ڈر کا ان کے دلوں میں پیا جانا یہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کا ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قوله: **لَا يَفْقَهُوْنَ**: اس کی عظمت کو نہیں سمجھتے۔
 قوله: **مُحَصَّنَةٌ**: تلخہ بند ہیں دیواروں، گلیوں کی ادٹ وغیرہ کی آڑ میں۔

قوله: **بَشْكِيٍّ مُتَفَرِّقَةٍ**: کیونکہ ان کے عقائد ان کے مقاصد کے اختلاف سے الگ الگ ہیں۔
 قوله: **لَا يَعْقِلُوْنَ**: کہ کس چیز میں ان کی بھلائی ہے۔

قوله: **بِزَمَنِ قَرِيبٍ**: "ب" نفی کے معنی میں ہے۔ قریباً کا نصب کمال کی وجہ سے ہے کیونکہ تقدیر عبارت و جو دم مثل ہے۔
 قوله: **بِنَبِيٍّ سَمَاعِهِمْ**: یعنی یہود کے منافقین سے سننے میں۔

قوله: **لِلْاِنْسَانِ**: اس سے جنس انسان مراد ہے جو کفر و ارتداد اختیار کرنے والا ہو۔

تفسیر مقبولین

اللّٰهُ تَوَالِيّ الْاَذْيَانِ نَافِقُوْا

تلبیس ابلیس کا ایک انداز:

عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چال بازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیوں، بنو نضیر کو ہزبانغ دکھا کر جھوٹا دلاسا دلا کر غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے لڑوادی، ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے، لیکن بوقت وعدہ ہی ایذا کرنے کی نیت تھی اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں نہ لڑائی میں ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں، اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی نیزہ و تلوار کی صورت دیکھتے ہی روٹنے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے، پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی، یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں، جیسے اور جگہ بھی ہے۔ **اِذَا قَرَّبْتَ قَوْلًا فَاَتَتْهُ الْجِنَّةُ السَّمِيَّةُ الْاِنْسَاءُ** (۷۷) یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں، ان کی نامردی اور بزدلی کی یہ حالت ہے کہ یہ میدان کی لڑائی بھی لڑ نہیں سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کارروائی کرنے کا موقع ہو تو خیر بہ سبب ضرورت کر گزریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان سے کوسوں دور ہے، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں، جیسے اور جگہ سے: **وَيُذِيقُ بَعْضُكُم مِّنْ اٰمِنِ بَعْضٍ** (الانعام: ۶۵) بعض کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے، تم انہیں

جمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن دراصل یہ تفرق و مختلف ہیں ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا، منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں، وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں، پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے، اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہو گئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پٹے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے اللہ نے ان پر اپنے نبی ﷺ کو غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں لیکن اس وقت کہ کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی، زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے واللہ اعلم، منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے بھرے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا پھر ان منافقین کا انہیں موقعہ پر کام نہ آنا لڑائی کے وقت مدد پہنچانا نہ جلا وطنی میں ساتھ دینا، ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے، اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے، بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا ساٹھ سال اسے عبادت الہی میں گزر چکے تھے شیطان نے اسے درغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستار ہے ہیں ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ دوسر ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی، ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا، وروہ عورت حاملہ ہو گئی۔ اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا، ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوا یا وہ دوڑے آئے، شیطان راہب کے پاس آیا اور کہہ رہا کہ لوگ آ رہے ہیں اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی۔ اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر، عابد نے اسے سجدہ کر لیا یہ کہنے لگا تھ ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، جو رب العالمین ہے (ابن جریر) ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گزارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالا کہ اب بڑی رسوائی ہوگی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہ دینا، بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلا جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجازت جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتادی صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہمی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے

اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آئی ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے، چنانچہ انہوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی، کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کتوت ہیں ب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا اس نے کہا جو تو کہے کروں گا، کہا مجھے سجدہ کر لے اس نے یہ بھی کر دیا، پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے ڈرتا ہوں، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پوری صاحب کو قتل کر دیا گیا، مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود، طاہر اس، مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کئی پیشی کے ساتھ مروی ہے، واللہ اعلم، اس کے بالکل برعکس جرتج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے اس پر تہمت لگا دی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت جرتج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور انہیں نہایت بے ادبی سے زد و کوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے اور عبادت خانے کو ڈھا دیا یہ بیچارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع آپ سے باہر ہے آخر کسی نے کہا کہ اللہ کے دشمن اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی۔ حضرت جرتج نے فرمایا اچھا ٹھہر و صبر کرو اس بچے کو لاؤ چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا حضرت جرتج نے اپنی عزت کی بقا کی اللہ سے دعا کی پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے بتا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو اللہ نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لئے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا فرمادی اور اس نے اس صاف فصیح زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے۔ یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے یہ اس بزرگ کے سامنے عذر معذرت کرنے لگے معافی مانگنے لگے انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو لوگوں نے کہا ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا رہتے ہیں آپ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ایسے ہی رہنے دو۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم داخل ہوئے، ہر ظالم کئے کی سزا پائی لیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۗ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
 بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَسَبُوا اللَّهَ نَرًا كُفْرًا طَاعَتَهُ فَأَسْهَمُوا فِي أَنفُسِهِمْ ۗ أَنْ يُفْعِدَ مَزَالَهُمْ خَيْرًا
 لَّوْلِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۱﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۗ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ
 الْفٰلِقُونَ ﴿۱۲﴾ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهِ قِيمًا كَالْإِنْسَانِ لَرَأَيْتَهُ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا
 مُّسْتَفْتِنًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَ تِلْكَ الْأَمْثَالُ ۗ لِمَذْكُورٍ نُضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾

فَيُؤْمِنُونَ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ

الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الطَّاهِرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ السَّلَامُ

ذُو السَّلَامَةِ مِنَ النَّقَائِصِ الْمُؤْمِنُ الْمُضْطَرِئُ رُسُلُهُ بِخَلْقِ الْمُعْجَزَةِ لَهُمُ الْمُهَيِّمِينَ مِنْ هَيْمَتِ الْهَيْمِينَ

إِذَا كَانَ رَقِيبًا عَلَى الشَّيْءِ أَيْ الشَّهِيدِ عَلَى عِنَادِهِ بِأَعْمَالِهِمُ الْعَزِيزُ الْقَرِيءُ الْجَبَّارُ جَبَّرَ خَلْقَهُ عَلَى مَا

أَرَادَ التَّنَكُّبُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ نَزَّةً نَفْسَهُ عَمَّا يَشْرِكُونَ ۝ بِهِ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ لِبَارِئِ

الْمُنْشِئِ مِنَ الْعَدَمِ الْمُبْصِرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى التِّسْعَةُ وَالتِّسْعُونَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيثُ وَالْحُسْنَى

عِ مَوْنَتْ الْأَحْسَنِ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ تَقَدَّمَ آوَالُهَا

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ۔ جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپرواہی کی۔ سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجے سے) لاپرواہ بنا دیا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں۔ جنتی ہی کامیاب ہیں۔ اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے ارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (کھڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری (بھی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (نامناسب باتوں سے) پاک ہے۔ صحیح سالم (نقص سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعہ پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) گہبائی کرنے والا (سمین۔ سمین سے ماخوذ ہے۔ کسی کانگراں ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے۔ (نالائم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (ننالوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں۔ حسنی، احسن کا مؤنث ہے) اس کی تسبیح کرتی ہیں آسمان وزمین کی سب چیزیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے (شروع سورت میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: **هُمُ الْفَائِزُونَ**: یعنی وہ ہمیشہ کی نعمتوں سے کامیاب ہونے والے ہیں۔
 قوله: **مِنْ مَّيْمَنٍ**: یہ مفیعل کا وزن ہے جس کی اصل امن ہے۔ ہمزہ کو حاء سے بدلہ ہے۔
 قوله: **بِذَوِ السَّلَامَةِ**: یہ مصدر ہے جو مبالغہ کے لیے صفت کا معنی دے رہا ہے۔
 قوله: **الْخَالِقُ**: یعنی حکمت کے مطابق اشیاء کا اندازہ کرنے والا۔
 قوله: **الْبَصُورُ**: صورتوں کو ایجاد کرنے والا اور ان کی کیفیت جیسے چاہے بنانے والا ہے۔
 قوله: **التَّسْعَةُ**: کیونکہ یہ اسما عمده معالی پر دلالت کرنے والے ہیں۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ...

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کے لئے فکر مند ہونے کا حکم:

ان آیات میں اہل ایمان کو موت کے بعد کے احوال درست کرنے اور وہاں کے لئے فکر مند ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان یہ غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے اپنے آگے کیا بھیجا ہے پھر دوبارہ اتَّقُوا اللَّهَ فرمایا اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلے اتَّقُوا اللَّهَ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے اور دُورِ اتَّقُوا اللَّهَ جو فرمایا ہے اس میں آئندہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلا حکم ارادے فراغ اور واجبات کی اہمیت دلانے کے لئے ہے اور دوسرا حکم گناہوں سے بچنے کے لئے ہے۔ آیت کے ستم ہونے پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، اس کا عموم ہر طرح کے اعمال کو شامل ہے اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اچھے اعمال کی بھی خبر ہے وہ ان کی اچھی جزا دے گا اور اسے بندوں کے برے اعمال کا بھی پتہ ہے۔ مشرکین و کفار اور گنہگاروں کو بدکار، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اعمال سے اللہ تعالیٰ شرم نہ بخبر ہے اسے سب کچھ علم ہے، اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا دے گا یہ جو فرمایا کہ ہر جان غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟ یہ بہت اہم نصیحت ہے، لوگ دنیا میں آگے بناں ہمیشہ بنا نہیں ہے سب کو مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے۔ قیامت کے دن حاضری ہوگی حساب کتاب ہوگا اچھے برے اعمال پیش ہوں گے اور روزِ آخرت میں جانے کے فیصلے ہوں گے۔

زندگی کی قدر کرو:

ایمان والوں کو خطب کر کے فرمایا تم غور کر لو۔ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے کیا بھیجا؟ جو شخص جو بھی کوئی ملال نہ لے گا اس کا بدلہ پالے گا اگر نیکیاں بھیجی ہیں اور کم بھیجی ہیں تو اصول کے مطابق ان کا ثواب مل جائے گا اور اگر نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو ان کا ثواب بھی خوب زیادہ ملے گا، جو گناہ بھیجے ہیں وہ وبال ہوں گے۔ عذاب بھگتنے کا ذریعہ بنیں گے، انسان اس دنیا میں آیا کھایا پیا اور یہیں چھوڑا، یہ کوئی کامیاب زندگی نہ ہوئی۔ اعمال صالحہ جتنے بھی ہو جائیں اور مہول طیبہ جتنے بھی اللہ کے لیے خرچ ہو جائیں اس سے دریغ نہ کیا جائے فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے بعد ذکر تلاوت عبادت، سخاوت جتنی بھی ہو سکے کرتا رہے۔ اپنی زندگی کو گناہوں میں یا یعنی کاموں میں برباد نہ کرے۔

ذکر اللہ کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں سبحان اللہ والحمد للہ واللاہ الا اللہ واللہ اکبر تو مجھے یہ ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم کافی مشکوٰۃ ص ۱۰۰)

معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کو یاد خدا میں لگائے رکھے اور زندگی کے ان لمحوں کی قدر کرے ورنہ کو اپنی آخرت کی زندگی سدھارنے کے لئے صرف کرے، جو لوگ اپنی مجلسوں کو بیکار باتوں اور اشتہاری خرافات اور اخباری کذبات میں صرف کر دیتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں یہ مجلسیں ان کے لئے سراسر خسراں اور گھانے کے اسباب ہیں۔

عمر انسان کے پاس ایک پونجی ہے جس کو لے کر دنیا کے بازار میں تجارت کرنے کے لئے آتا ہے، جہاں دوزخ یا جنت کے ٹکٹ خریدے جاتے ہیں اور ہردن اور رات اور گھنٹہ اور منٹ اسی عمر کی پونجی کے اجزا اور ٹکڑے ہیں جو ہر گھڑی انسان کے پاس سے جدا ہوتے جا رہے ہیں کوئی اس کے بدلہ جنت کا پروانہ (عمل صالح) خریدتا ہے اور کوئی دوزخ کا پروانہ (برائے عمل) خرید لیتا ہے، افسوس ہے اس شخص پر جس کی پونجی اس کی ہاکت کا سبب بنے۔ وہاں جب نیکیوں کا اجر و ثواب ملنا شروع ہوگا تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی اور افسوس ہوگا کہ ہائے ہائے ہم نے یہ عمل نہ کیا اور یہ عمل نہ کیا، حسرت اور افسوس سے کوئی فائدہ ہوگا لہذا جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر لیں اور یہیں کر لیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سبحان اللہ العظیم و بحمدہ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھ کو میرا کئی گئی (یعنی معراج کی رات) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجیو اور ان کو بتلا دیجیو کہ جنت کی اچھی منی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (مشکوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ جنت میں اگر چہ درخت بھی ہیں، پھل اور میوے بھی مگر ان کے لئے چٹیل میدان ہے جو نیک عمل سے

نال لیا، جنت کی ایسی مٹی ہے جیسے کوئی زمین بھیتی کے لائق ہو اس کی مٹی اچھی ہو اس کے پاس بیٹھا پانی ہو اور جب اس کو پودیا جائے تو اس کی مٹی کی اپنی صلاحیت اور پانی کے سینچاؤ اور قدرت خداوندی کی وجہ سے اس میں اچھے عمدہ درخت اور بہترین غلہ پیدا ہو جائے بالکل اسی طرح جنت کو سمجھ لو کہ جو کچھ یہاں بود و گدے وہاں کاٹ لو گے ورنہ وہ خالی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص صبح کو سومرتبہ سبحان اللہ کہے اور شام کو سومرتبہ سبحان اللہ کہے، اس کو سو حج کا ثواب ملے گا اور جو شخص سومرتبہ صبح کو اللہ کی حمد بیان کرے (الحمد للہ کہے) اور سومرتبہ شام کو اللہ کی حمد بیان کرے تو اسے چارہین کو سونگھوڑے دینے کا ثواب ملے گا اور جس نے سومرتبہ صبح کو اور سومرتبہ شام کو لا الہ الا اللہ کہا اس کو اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سوغلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور جس نے سومرتبہ صبح کو اور سومرتبہ شام کو اللہ اکبر کہا تو اس دن کوئی دوسرا شخص اس کے برابر عمل کرنے والا نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ (یہ مذکورہ) کلمات کہے ہوں۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۲ عن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جہود قال حسن ربیہ)

عہد نبوت کا ایک واقعہ:

حضرت جریر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ہم ایک روز دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس ایسے لوگ آئے جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انہوں نے اون کی چادریں یا عبائیں پہنی ہوئی تھیں، گروں میں تواریں لٹکائی ہوئی تھیں ان میں سے اکثر افراد بلکہ سب ہی قبیلہ بنی مضر میں سے تھے۔ ان کی حاجت مندی کا حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے۔ (اتنے میں زوال ہو چکا تھا) آپ نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی اقامت کہی آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور سورہ نساء کی آیت: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ آیت کے ختم یعنی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْنَا رَحِيْمًا تک تلاوت فرمائی اور دوسری آیت سورہ حشر کی یعنی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ لِنَنْظُرَ نَفْسًا مَّا قَدَّمَتْ اَمَدَاتِ فَرَمَائِیْ اور حاضرین کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا (لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا) کوئی شخص دینا رلا یا کسی نے درہم کا مدد کیا، کسی نے کپڑے دیے اور کوئی شخص گیہوں کا ایک صاع لے آیا اور کسی نے چھوڑوں کا ایک صاع پیش کر دیا (حسب توفیق حاضرین چیزیں لاتے رہے) یہاں تک کہ راوی نے آدھی کھجور کا تذکرہ بھی کیا یعنی لوگ آدھی کھجور لے آئے۔ تھوڑی دیر میں انصار میں سے ایک شخص (درہم یا دنانیر) کی تھیلی لے کر آیا جو اتنی بھاری تھی کہ اس کا ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو چکا تھا، پھر دیگر افراد بھی لگاتار مختلف چیزیں لاتے رہے یہاں تک کہ میں نے کھانوں کی چیزوں اور کپڑوں کے لادھیر دیکھے یہ سب کچھ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا۔ گویا کہ اس پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور دوسرے کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(ترمذی فرمایا) جس نے اسلام میں براطریقہ جاری کر دیا اس کو اس کے جاری کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو

تہذیب و تمدن کے لیے جو ایسے لوگوں کو پیدا کرنا چاہیے جن کی زندگی میں اللہ کی رضا ہو اور اللہ کی رضا میں ان کی زندگی ہو۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۲۱)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا۔ یعنی ان لوگوں کی خدا فراموشی کا نتیجہ ان کا خود فراموشی کی صورت میں نکلا، جس کے باعث وہ اپنی فز و فدا سے غافل و محروم ہو کر دائمی خسارے اور وبال میں مبتلا ہو گئے، سو ذکر و یاد خداوندی دراصل داریں کی سعادت و سرخوردگی کی شاہد ہے اور اس سے غفلت والا پراپی خرابیوں کی خرابی اور ہلاکت و بربادی کی جڑ بنیاد ہے، کیونکہ یاد خداوندی سے محرومی سے ہر انسان غافل ہو جاتا ہے، اپنے مال و انجام سے، اپنے مقصد حیات سے، اور اپنے فرائض و واجبات سے، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی متاع حیات کو لائی یعنی اور بے کار مشغول میں ضائع کر کے اپنے رب کے حضور خالی ہاتھ ہوتا ہے، اور یہ یہ بڑا خسارہ اور اس قدر ہولناک نقصان و ضیاع ہے کہ پھر اس کی تلافی و تدارک کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ ۙ

بلند و عظیم مرتبہ قرآن مجید:

قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں، رو گئے کھڑے ہو جائیں، کیچے کیچے پکپکائیں، اس کے سچے وعدے اور اس کی حقیقی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بیدار طرح تھرا دے، اور دربار اللہ میں سر بسجود کرادے، اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرما اور اسے غور و فکر اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، پھر انسانوں کے دلوں پر جو نہایت نرم اور چھوٹے ہیں۔ جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے، اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہئے، ان مشاغل کو لوگوں کے سامنے ان کے فکر و فکر کے لئے اللہ تالی نے بیان فرمادیا، مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈرا اور عاجزی چاہئے، متواتر حدیث میں ہے کہ منبر بنا ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خصبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا۔ کھجور کا تنہ اور حضور ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تادور ہو گیا، تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ ہلکے ہلکے کر رہتا ہو۔ اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ وہ ذکر و وحی کے سننے سے کچھ دور ہو گیا تھا۔ امام بصری اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو ایک کھجور کا تنہ اس قدر اللہ کے رسول ﷺ کا شائق ہوتا تھا کہ چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ حدیث ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہوتا تھا کہ چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے گے رہو اور جگہ فرمان اللہ ہے (ترجمہ) یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کا ٹکڑی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا اور جگہ فرمان مالی شان ہے (ترجمہ) الخ، یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں بعض وہ ہیں

پہنچ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پائے اور پرورش کرنے والا ہے، نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کوئی کرے اس کے سوا نہ جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں، وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے، جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں وہ جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں، خواہ آسمان میں، خواہ زمین میں، ہوں خواہ چھوٹی ہوں، خواہ بڑی ہوں۔ جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں انہیں ہم بھی اس پر ظاہر ہیں، وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے، یہ سب تک کہ اندھیروں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں، وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے، اور یہی وہ آخرت میں رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے، قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔ (ترجمہ) میری رحمت نے تمام چیزوں کو ڈھک دیا ہے اور جگہ فرمان ہے (ترجمہ) تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم و رحمت لکھی ہے۔ اور فرمان ہے (ترجمہ) کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ ہی خوش ہونا چاہئے تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے۔ اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں، تمام چیزوں کا تئوادی مالک و مختار ہے ہر چیز کا میرا پھیر کرنے والا سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے، وہ قدوس ہے یعنی ظاہر ہے، مہارک ہے، ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح و تقدیس میں ملی اللہ وہام مخلوق ہے کل بیبیوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اپنے افعال میں بھی اس کی ذات پر طرح کے نقصان سے پاک ہے، وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو، اس نے یہ فرما کر کہ یہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے، اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تمہین کرتا ہے، وہ مہین ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور شاہد ہے اور نگہبان ہے، جیسے فرمان ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور فرمان ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے اور جگہ فرمایا (ترجمہ) اللہ تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، وہ عزیز ہے ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے کل مخلوق پر وہ غالب ہے پس اس کی عزت و عظمت جبروت کبریائی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، وہ جبار اور متکبر ہے، جبریت اور کبر صرف اسی کے شایان شان ہے صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تمہارے اور کبریائی میری چادر ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب کروں گا، اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے، کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے، وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے، جو لوگ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا ٹھیک ٹھیک ٹھہرا رہے ہیں وہ ان سب سے بیزار ہے، اس کی الوہیت شرکت سے مبرا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے یعنی مقدر مقرر ہے وہ والا، پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا، کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تقید دونوں پر قادر ہو جو چاہے ناز و نمر کرے اور پھر اسی کے مطابق اسے چلائے بھی کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے، بہت سے ترتیب دینے والے ہونا ظاہر کرنے والے ہیں جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں، تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تعمیر بھی قدرت رکھنے والی اللہ کی ہی ذات ہے، پس خلق سے مراد تقدیر اور برء سے مراد تفسید ہے، عرب میں یہ الفاظ ان معنیوں میں برابر بطور مثال کے بھی مردوح ہیں، اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جاوہ

اسی طرح اسی صورت میں ہو جاتی ہے جیسے فرمان ہے (ترجمہ) جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی، اسی لئے یہاں فرماتا ہے ہو تصور بے مثل ہے یعنی جس چیز کی ایجاد جس طرح کی چاہتا ہے کہ گزرتا ہے۔ پیار سے پیارے بہترین اور بزرگ تر ناموں والا وہی ہے، سورۃ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے، نیز وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جو بخاری مسلم میں ہے۔ روایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک ایک سو نام ہیں جو انہیں شمار کر لے یا درکھ لے وہ جنت میں داخل ہو گا وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے، ترمذی میں ان ناموں کی سراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی، رحمن، رحیمی، ملک، قدوس، سلام، مومن، مہمکن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری، مصور، غفار، تہار، وہاب، رزاق، قہار، علیم، قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مسبح، بصیر، حکم، عدل، لطیف، خبیر، حلیم، عظیم، غفور، شکور، علی، کبیر، حفیظ، مقیت، حسیب، جلیل، کریم، رقیب، مجیب، واسع، حکیم، ودود، مجید، باعث، شہید، حق، وکیل، قوی، متین، ولی، حمید، محسن، مہدی، معید، محی، ممیت، حی و قیوم، واجد، ماجد، واحد، صبر، قادر، مقتدر، مقدم، موخر، اول، آخر، ظاہر، باطن، والی، متعال، بر، تواب، منتقم، غفور، رؤف، مالک الملک، ذوالجلال، والا کرام، مقسط، جامع، غنی، معنی، معطی، مانع، ضار، نافع، نور، ہادی، بدیع، بانی، وارث، رشید، صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم تاخیر کی زیادتی بھی ہے الغرض ان تمام احادیث وغیرہ کا بیان پوری طرح سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے باقی سب کو دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان وزمین کی کل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے (ترجمہ) اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بیشک وہ بردہ راوور بخشش کرنے والا ہے، وہ عزیز ہے اس کی حکمت دالی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے تقدیر میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی اعتراض قائم کیا جاسکے۔

سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الممتحنة
سورة المدنية ۹۱

آياتها ۱۳
آياتها ۲

سورة ممتحنہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس کی تیرہ آیتیں اور دو رکعتیں ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ تُوصِلُونَ إِلَيْهِمْ
فَضَلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَوْهُمْ الَّذِي أَسْرَهُ إِلَيْكُمْ وَوَزَىٰ بِحَبِيرٍ بِالْمُودَّةِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
كُنْتَ حَاطِطٌ بِنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذَلِكَ لِمَالِهِ عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِ الْمَشْرِكِينَ فَاسْتَرَدَّهُ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَرْسَلَهُ بِأَعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَىٰ لَهُ بِذَلِكَ وَقَبْلَ عُدْرٍ حَاطِطٍ فِيهِ وَقَدْ كَفَرُوا
بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ أَي دِينَ الْإِسْلَامِ وَالْقُرْآنِ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ مِنْ مَكَّةَ تَضَيِّقُهُمْ
عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا أَي لَا جُلَّ أَنْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِي سَبِيلِ وَ
إِنْفَعَاءِ مَرْضَاتِي وَحَوَابِ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَي فَلَا تَتَّخِذُوا أَوْلِيَاءَ تُسْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ
وَلَمَّا أَظْمَرْنَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ أَي اسْرَأَرَ حَبِيرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَيْهِمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْهُدَىٰ وَالسَّوَاءِ فِي الْأَصْلِ الْوَسْطُ إِنْ يَتَّقِفُوكُمْ
يَنْظُرُوا إِلَيْكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ وَالسِّنِّهِمْ بِالسَّوَاءِ
بِالنَّبِيِّ وَالسُّنَنِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
تُسْرَتُونَ الَّذِينَ لَا جِلَّةَ لَهُمْ اسْرَرْتُمْ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصَلُ بِالْبِنَاءِ
لِتَنْفَعُونَ وَالْعَاقِلِ بَيْنَكُمْ ۝ وَيَسْتَهْمُ فَتَكُونُونَ فِي الْجَنَّةِ وَهُمْ فِي جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ وَاللَّهُ بِمَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ لَكُمْ أُسْوَةٌ بِكُفْرِ الْهَمْزَةِ وَضَعَهَا فِي الْمُرْضَعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي
 إِبْرَاهِيمَ أَيُّ بِه قَوْلًا وَفِعْلًا وَالَّذِينَ مَعَهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُوكُمْ جَمْعُ بَرِيءٍ
 كَطَرِيفٍ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ أَنْكُرْنَاكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ
 وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَابْتِدَالِ الْفَاتِيئَةِ وَأَوْحَى تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ الْإِقْوَالُ إِبْرَاهِيمَ
 لِأَبِيهِ لَا اسْتَعْفِرَنَّ لَكَ مُسْتَشِي مِنْ أُسْوَةٍ أَيُّ فَلَيْسَ لَكُمْ التَّأْسِي بِهِ فِي ذَلِكَ بَأَنَّ تَسْتَعْفِرُوا وَاللُّكْمَارُ
 تَوْلَهُ وَمَا أَمَلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ أَيُّ مِنْ عَذَابِهِ وَتَوَابِهِ مِنْ شَيْءٍ كُنِيَ بِهِ عَنْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ لَهُ
 غَيْرُ الْإِسْتِعْفَارِ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَيْهِ مُسْتَشِي مِنْ حَيْثُ الْمُرَادُ مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرِهِ مِمَّا يَتَأَسَى بِهِ
 فَلِ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَاسْتِعْفَارَةٌ تَجِبُ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ كَمَا ذَكَرْتَنِي بَرَاءَةَ رَبَّنَا عَلَيْكَ
 تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ مِنْ مَقُولِ الْخَلِيلِ وَمَنْ مَعَهُ أَيُّ وَقَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَيُّ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَبَطَلْنَا أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتِنُوا أَيُّ تُذْهَبِ عَقُولُهُمْ بِنَا وَاعْفِرْ لَنَا
 رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فِي مَلِكِكَ وَضَعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ بَأْتَمَةٌ مُحَمَّدٌ جَوَابٌ فَسَمِ
 مَقْدَرٌ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ بَدَلِ اسْتِعْمَالِ مِنْكُمْ بِإِعَادَةِ الْجَارِ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
 أَيُّ يَخَالِفُهُمَا أَوْ يَطْرُقُ الثَّوَابُ وَالْعِقَابُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ بِأَنَّ يُؤَالِي الْكُفَّارِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَفِيفُ عَنْ خَلْفِهِ
 الْحَيِّدُ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) کو دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجتے ہو پیغام (آنحضرت) کے ارادہ کے متعلق جو کفار مکہ پر چڑھائی کرنے کا تھامے نخلی حور پر تمہیں تو آپ نے بتلادیا تھا۔ مگر خیر کی طرف تو یہ کیا تھا (دوستی کی وجہ سے) اپنے اور ان کے درمیان۔ حاطب ابن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار مکہ کو لکھا۔ کیونکہ ان کے اہل دعیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرت نے اس خط کو واپس منگوا لیا بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں حاطب کا عذر قبول فرمایا) حالانکہ وہ منکر ہیں۔ اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہید کر چکے ہیں پیغمبر کو اور تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستہ میں اور میری خوشنودی کی خاطر نکلے ہو (جو اب شرط مانگ

معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی فلا تتخذوہم اولیاء تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرتؐ کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہِ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستے سے چوک گیا۔ سواء اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں بری طرح (گالم گلوچ کر کے) اور وہ اس بات کے خواہشمند (متنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قربانتار) اور اونا دکام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذابِ آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجھوں و معروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لیے ایک نمونہ ہے (اسوہ کسرہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ بمعنی نمونہ) عمدہ ابراہیم میں (یعنی ان کے قولِ فعل میں) اور ان (مومنین) میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (برائی بری کی جمع ہے ظریف کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا (اہلِ اہل دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واؤ سے بدل کر ہے) جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفر کے لئے استغفار کرنے لگو، اور ان کا یہ قول کہ) اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب و ثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لا استغفرق پر معطوف و مرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملک من اللہ شیئاً کی وجہ سے قابلِ تقلید معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورہ برأت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملہ بھی چونکہ ابراہیم دورانِ مکہ رنقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برحق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے۔ بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی سلطنت و صنعت میں) بے شک تمہارے لئے (اے امت محمدیہ! قسم مقدر کا یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے۔ یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لا کر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے (ان دونوں سے ثواب و عذاب کا دھیان کرتا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بالکل بے نیاز (اپنے فرمانبرداروں کے لئے) لائق ستائش ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: المبتحنہ: کسرہ حاء کے ساتھ ہو تو مومنین کے اعتبار سے ہے اور فتح حاء کے ساتھ ہو تو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہوں گی۔ جو عبدالرحمن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔
 قولہ: لا تتخذوا عدوی: محبت و عداوت دونوں میں اگرچہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الاجتماع ہونے کو بتلا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جا رہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کر دکہ وہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطبؓ کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ: اما صاحبکم فقد صدق سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہئے۔

- قولہ: فَصَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یہ تَلْقُونِ کا مفعول ہے۔
 قولہ: الَّذِي أَسْرَهُ: کفار کے ساتھ غزہ کے سلسلہ میں آپ نے چھایا اور تم کفار کو ظاہر کرتے ہو۔
 قولہ: وَتَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غزہ مکہ کے لیے آپ ﷺ نے خیبر کی طرف رخ کر کے تو یہ کیا۔
 قولہ: وَقَدْ كَفَرُوا: یہ حال ہے۔ اس کا حال يُخْرِجُونَ ہے۔
 قولہ: تَسْمُرُونَ: یہ تلقون سے بدل ہے۔
 قولہ: اسْتِزَارَ: آپ کی اطلاع کا خفیہ بھیجا۔
 قولہ: الْوَسْطُ: یہ صنت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔
 قولہ: لَوْ تَكْفُرُونَ: لہذا یہاں ان مصدریہ کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ تمہارے ارتداد کے خواہاں ہیں۔
 قولہ: بِلِمَفْعُولٍ: وہ تمہارے اور فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔
 قولہ: أَسْوَأًا: قد وہ مومنہ جس کی اقتداء کی جائے۔
 قولہ: فِي إِبْرَاهِيمَ: یہ اسوہ کی دوسری خبر یا کان کی خبر ہے۔ لکم لغو ہے۔
 قولہ: لَكُمْ التَّاسِي: اقتداء و پیروی۔
 قولہ: وَإِنْ كَانَ مِنْ خَيْثُ: مجموعہ کے استثناء سے تمام اجزاء استثناء لازم نہیں تذبذب۔
 قولہ: فَمَنْ يَمْلِكُ: یہ دلیل ہے کہ آپ کو اس کی اقتداء کا حکم ہے۔
 قولہ: مَا اَمْلَكَ لَكَ: یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر

موضوع کہ معنی میں استعمال کیا جائے۔ مفسر اس موقع پر ایک شبہ کا ذمہ کرنا چاہتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ وما املك لك من اللہ حضرت ابراہیم وغیرہ کا یہ قول تو قابل تقلید ہے۔ حالانکہ اس کا عطف متشبی یعنی الاستغفرون لك پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو معترض کے پیش نظر ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت ”فہو مبسئ علیہ“ کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول الاستغفرون پر مرتب ہے۔ بطریق عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیم نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے کچھ نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرمادی۔ مفسر کا توں قل فمن یملک لکم من اللہ شیئاً۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسر کے ”یناسی بہ فیہ“ کہنے پر اور خطیب کہتے ہیں کہ مالک یہ تمہ ہے لا استغفرون کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہر حال اس آیت میں آنحضرت کا حضرت ابراہیم سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرت کو ما اتاکہ الرسول مخلوہ... میں مطلقاً قابل تقلید مانا ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہ کا وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے لیے فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کے اس ارادہ کی اطلاع قریش مکہ کو کر دی تھی اور ایک عورت کے ذریعے ایک خطر روانہ کیا تھا جس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مطلع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین میں سے تھے اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد اور بچے تھے قریش سے کوئی ایسی قربت نہ تھی، حضرت عثمان غنی کے حلیف تھے، صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا قریش مکہ نے جب اس کو توڑ ڈالا تو آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو حاطب بن ابی بلتعہ نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں اگر میرے اہل و عیال کی وہاں کوئی حفاظت کی صورت ہو جائے تو اچھا ہے قریش مکہ کو قافلہ کی رداگی کی اطلاع کر دی، حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اور زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود کو حکم فرمایا تم لوگ روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو تاکہ تم روضہ خاں نامی مقام تک پہنچ جاؤ تو اس جگہ تم کو ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا، بیان کرتے ہیں ہم گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ روضہ خاں پر جب پہنچے تو ایک عورت ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال کر ہمیں دے لے، اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں، ہم نے اس پر سختی کی اور کہا یا تو خط دیدے ورنہ تجھ کو کپڑے اتار کر برہنہ کر دیں

گے اور وہ خط کسی نہ کسی طرح ہم تجھ سے لے ہی لیں گے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور اس کو لینے کے ہم مامور ہیں! تو اس نے ایک خط اپنے بالوں کے جوڑے سے نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی مکہ کی طرف روانگی کی اطلاع تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے حاطب یہ کیا ہے، حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اظہار حقیقت کی مہلت عنایت فرمائیے، اصل حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کے خاندانوں کے ساتھ وابستہ تھا اور میری ان کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہ تھی جیسا کہ دوسرے مہاجرین کی ان کے ساتھ قرابتیں ہیں میں نے خیال کیا یہ ایک ظاہری سلوک ان کے ساتھ کر دوں تاکہ وہ میرے بچوں کی (ایسے زمانہ میں) کچھ دیکھ بھال کر لیں (خدا گواہ ہے) میں نے یہ بات کفر اور اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ میں اسلام کے بعد کفر سے کوئی وابستگی رکھ سکتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا، اس پر عمر فاروقؓ اس ظاہری عمل پر برا فروختہ ہونے کے باعث کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ ﷺ نے فرمایا، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں (اور بدین کا مقام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نفاق سے پاک فرمایا ہے تو حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اے عمر یہ بات نفاق کی وجہ سے نہیں ہے البتہ رائے اور فہم کی غلطی ہے کہ یہ صورت کی) اور فرمایا اے عمر! تمہیں خبر بھی ہے؟ اللہ نے تو اہل بدر کو اپنی خاص شان عنایت سے جھانک کر یہ فرمایا: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم۔ (اے بدریو! اب تم جو کچھ چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے) یہ سن کر عمر فاروقؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ (صحیح بخاری، مسلم، جامع ترمذی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں اور انہی کے فرماں پر میرا ایمان ہے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جان بازی اور سرفروشی دکھائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عرش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا، خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقابلہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے نشہ میں ایسے خمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے (آیت) 'رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ...' اور 'او شئت کتب فی قلوبہم الایمان' کا زین تمہ ان کو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے ان کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی: "فقد غفرت لکم" بصیغہ ماضی فرمایا اور: "فاغفر لکم" بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تاکہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اعملوا ما شئتم۔ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرہ غنہ اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے، اعملوا ما شئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لیے نہ تھا، ایسا خطاب الہی مجبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنه ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان مدنی اور اخلاص کی ایک سند ہے لہذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو وہ: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اور: اولئک کتب فی قلوبہم الایمان سے باہر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ اس عظیم و عظیم کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ان سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس ازلی اور ابدی علم کے پھر ان کو: "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنه کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو انکی اس نیکی کو جو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنه ہی آئندہ کی غلطی کا گناہ بن جائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ: "ان الحسنات یبدلھن السیئات"۔ یعنی تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

و اذا الحبيب اتى بذنب واحد جاءت محاسنه بالف شفيع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارش لاکر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی ذمہ اور زہر یا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

الا من تاب وامن و عمل صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات وکان اللہ غفور ارحیما۔ (القرآن العظیم) مگر جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا تو خداوند ذوالجلال نے اس کی سیئات کو حسنات سے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

یہ آیت عامہ مومنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہر یا مادہ اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار اطاعت و عبادت بھی اس کے لیے مفید نہیں جیسے اہلیس لعین اور بیلم باعوراء، خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ در لاکھ عبادت کریں، مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفرادی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستعمل الی الصفراء ہو جائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ: فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القوی اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لیے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی،

حضرت عمرؓ نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو نساد مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی، سرخیل اطہار روحانی نداء روحی و جسمانی، ﷺ نے جواب دیا کہ اے عمرؓ، حاطبؓ کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پر ہیزی ہو گئی ہے صحیح المزاج کو کبھی کبھی نزعہ اور زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لیے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمایا: (ماہذا یا حاطب رضى الله تعالى عنه) اسے حاطب یہ کیا معاملہ ہے، ان کی عارضی شکایت کے لیے یہی جوشاندہ کافی تھا پتے ہی بد پر ہیزی کا اثر ایسا کا فور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی۔ "وارضاء۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شاہ اسکندر یہیہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمرؓ تشخیص، در علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطبؓ کے خط کا مضمون:

حاطب بن ابی بلتعہؓ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا نشاء عیاذ باللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا۔
اما بعد یا معشر قریش فان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم جاءكم بجيش كالليل يسير كالسيل فوالله لو جاءكم وحده لنصره الله وانجز له وعده، فانظروا لانفسكم۔۔ والسلام۔
اے گروہ قریش رسول اللہ ﷺ رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا، خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ ضرور آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: لا تقولوا له الا خيرا۔ کہ ان کے حق میں خیر کے سوا اور کچھ مت کہو، علامہ زرقانی رحمہ اللہ اور بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقویٰ ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے: یا معشر قریش ان عمدا یجیئ الیکم بجیش کالیلن ویسیر الیکم کالسیل وانہ لو جاء وحده لانجز الله وعده ونصر نبیہ وانظروا لانفسکم۔ السلام

اور دائمی رحمہ اللہ کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں: ان عمدا قد نصر فاما الیکم اوالی غیر کم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد ﷺ روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہر حال تم احتیاط کرو اور اپنی نگر کرو تو اس کا مطلب گویا ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لیے آمادہ کرنا تھا۔

اور پھر ان کے متعلقہ احکام کیا ہیں، ان احکام کے بعد سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات

دوسری پر تنبیہ کر دی گئی جس سے مضمون سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ سورۃ حشر میں منافقین کے خصائل ذمیرہ کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اس کے بعد سورۃ ممتحنہ میں ان باتوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے جس سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا اور ان چیزوں کی مذمت کی جا رہی ہے، جو نفاق کی خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ

اس سورت کا ابتدائی حصہ کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و ممانعت میں آیا ہے اور اس کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے:-

مذکورہ نزلہ تفسیر قرطبی میں قشیری اور ثعلبی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو تو کہا کہ نہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گزارہ مشکل ہو گیا، میں سخت حاجت و ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے) اس نے کہا کہ واقعہ بدر کے بعد (ان کی تقریبات اور جشن طلب فتم ہو چکے ہیں) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو، ادھر مہاجرین اولین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ تھے جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، ان کے اہل و عیال بھی مکہ ہی میں تھے، رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین کہ ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے تانے اور پریشان کرتے تھے، جن مہاجرین کے خویش و عزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حاطب کا کہ یہ گلہ تھی کہ میرے اہل و عیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انہوں نے اپنے اہل و عیال کے تحفظ کا مرقع غنیمت جانا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کر دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائے گی، یہ غلطی ان سے ہو گئی کہ ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی

گرت سارہ کے سپرد کر دیا۔ (قرطبی و مظہری)

رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دے دی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت

اس وقت روضہ خانہ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس عورت کا تعاقب کرو وہ تمہیں روضہ خانہ میں ملے گی اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط بنام مشرکین مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپایا ہے تو اب ہم نے اس کو کہا کہ یا تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اترادیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا، ہم یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن خطاب نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حاطب بن ابی بلتعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل و عیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات مہاجرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب کا بیان سن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، حضرت فاروق اعظم نے (اپنی غیرت ایرنی سے) پھر اپنی بات دہرائی اور ان کے قتل کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر (یعنی غزوہ بدر کے شرکاء) میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب شرکاء غزوہ بدر کی مغفرت کا اور ان کے لئے وعدہ جنت کا اعلان فرما دیا ہے، یہ سن کر حضرت فاروق اعظم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں (یہ بخاری کی روایت کتاب المغازی غزوہ بدر میں ہے، از ابن کثیر) اور بعض روایات میں حاطب کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپ کو فتح ہی ہوگی، اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بناء پر سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ "یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو دوستی کے پیغام دو، اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا

لہذا اگر کلمتان کو دوستی کا پیغام دینا ہے اور آیت میں لفظ کفار کو چھوڑ کر عدوی اور عدد کم کا عنوان اختیار کرنے میں اول تو اس قسم کی ملت اور دلیل کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو۔ دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہو سکتا، "وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَبْنَا"۔

وَقَدْ كَفَرْنَا بِهِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِنَّا لَهُمْ لَنَدِيمٌ أَن تَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۗ إِنَّكُمْ تَكْفُرُونَ ۗ

اسلام ہے، اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اس کا بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انہوں نے تم کو اور تمہارے رسول کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمہارا ایمان اس کا سبب تھا، تو یہ بات کھل گئی کہ جب تک تم مسومن ہو وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جیسا طالب نے خیال کیا تھا کہ ان پر کچھ احسان کر دوں گا تو وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے، یہ خیال غلط ہے کیونکہ وہ تمہارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں، جب تک خدا نخواستہ تمہارا سلب نہ ہو جاوے ان سے کسی دوستی و تعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

إِن كُنْتُمْ حَوَاحِشَ جَهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۗ اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمہاری ہجرت واقعی اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمن خدا سے اس کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمہاری کوئی رعایت کرے۔

لَيَسْزُونَ إِلَيْكُمْ يَا هُمُومًا ۗ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَمْتُمْ ۗ اس میں یہ بھی بتلادیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کو ان کے چھپے اور کھلے ہر حال اور عمل کی خبر ہے، جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی خبردار کر کے سازش کو پکڑا دیا۔

فَمَا كَانَتْ لَكُمْ أُنُوفًا حَسَنَةً فِي إِبْرَاهِيمَ ۗ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ قبول اقداء ہے اور کافر کے لئے استغفار ممنوع ہے:

ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنی باپ سے مہانے ہوئے جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مدافعت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کرتے ہو ان سے بھی بیزار ہیں، اس اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ہم تمہارے منکر ہیں، ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان بھینس ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی جب تک تم اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان نہ لاؤ۔

اہل ایمان کو اسی طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہئے کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دین حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں

ایمان کے خلاف ہیں۔ ذکے کی چوٹ اعلان کر دیں کہ ہم تم میں سے نہیں اور تم ہم میں سے نہیں، کافروں سے کسی قسم کی مواصلات و مداخلت کا معاملہ نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ سے باتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی لَاَسْتَغْفِرُونَ لَكَ کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اور ساتھ یہ بھی کہ تھا: وَمَا أَقْبَلُكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ (میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں) یعنی ایمان قبول نہ کرو گے اور کفر ہی اختیار کئے رہو گے تو میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا اس میں مغفرت کی دعاء کا جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق انہوں نے دعا بھی کی تھی جس کا سورہ شعراء میں ذکر ہے۔ وَالْغَفِيرُ لِأَبِيهِ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ان کو ایمان کی توفیق دے اور مغفرت فرما، سورہ توبہ میں فرمایا ہے: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَيَّنَ آمِنَهُ (جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی یہ یقین ہو گیا کہ کفر پر باپ کی موت ہوگی تو بیزاری ظاہر کر دی)۔

سورہ ممتحنہ میں جو: إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ فَمَا يُغْنِيكَ عَنْكَ اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور ان کے ساتھ جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَنَّا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○ کے اصحاب کی دعاء ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں تو لو ا مقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کو حکم دیا ہے کہ یوں دعا کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے آپ پر بھروسہ کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور آپ ہی کی طرف جاتا ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مِنْ كُفَّارٍ مَكَّةَ طَاعَةً لِلَّهِ تَعَالَى مَوَدَّةً
بِأَنْ يَهْدِيَهُمْ بِإِيمَانٍ فَيَصِيرُوا أَوْلِيَاءَ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ○ عَلَى ذَلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَاللَّهُ غَفُورٌ
لَهُمْ مَا سَلَفَ رَحِيمٌ ○ بِهِمْ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا تِلْكَ مِنْ الْكُفَّارِ فِي الدِّينِ وَلَكُمْ
يُخْرِجُكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ ○ بَدَلِ اسْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ وَتُقْسَطُوا تَقْضُوا إِلَيْهِمْ ○
الْقِسْطُ أَي الْعَدْلِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○ الْعَادِلِينَ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ
عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَاوِنُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ○
بَدَلِ اسْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ أَيْ تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ ○ وَمَنْ يَتَّوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

مَنَّا ذَا جَاءَهُمُ الْمُؤْمِنَاتُ بِالسِّيَرِ مُهَجَرَاتٍ مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدُودِ عَلَى أَنْ
 مَن خَابَتْهُمُ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يَرُدُّ فَاثْمُوهُنَّ بِالْحَلْفِ أَنَّهُنَّ مَا خَرَجْنَ إِلَّا رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ لَا نَفْضًا
 لِأَرْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِحَالِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُهُنَّ
 اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيَّانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتَهُنَّ طَنَسْتَهُنَّ بِالْحَلْفِ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تُرْجَعُوهُنَّ تَرُدُّهُنَّ
 إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ جِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَجْلُونَ لَهُنَّ وَأَتَوْهُمُ أَيُّ أَعْطَا الْكُفَّارَ أَرْوَاجَهُنَّ مَا
 أَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمَهْرِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ بِشْرَطِهِ إِذَا اتَّيَمُّوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
 لِهَزْزَلِهِنَّ وَلَا تَنْسِكُوا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِعَصَمِ الْكُوفَرِ رُؤُوسِكُمْ لِقَطْعِ إِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشْرَطِهِ
 وَاللَّاحِقَاتِ بِالْمُشْرِكِينَ مَثَرَاتٍ لِقَطْعِ إِزْتِدَادِهِنَّ نِكَاحِكُمْ بِشْرَطِهِ وَسَأَلُوا مَا أَطْلَبُوا أَنْفَقْتُمْ
 عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمَهْرِ فِي ضُورَةِ الْإِزْتِدَادِ مِمَّنْ تَرَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَيْسَلُوا مَا أَنْفَقُوا عَلَى
 الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَ ذَلِكَ حُكْمُ اللَّهِ يُحْكَمُ بَيْنَكُمْ بِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَإِنْ
 قَاتَلْتُمْ شَيْءًا مِنْ أَرْوَاجِكُمْ أَى وَاحِدَةً فَكَثُرَ مِنْهُنَّ أَوْ شَيْءٌ مِنْ مَهْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ إِلَى الْكُفَّارِ
 تَرُدَّتْ فَعَاقِبْتُمْ فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ فَأَتَوْا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَرْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا
 الْغَنَائِمَ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا أَمَرُوا بِهِ
 مِنَ الْإِتْيَانِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ انْتَفَعَ هَذَا الْحُكْمُ بِأَيَّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ عَلَى
 أَنْ لَا يَسْرِقْنَ بِأَلَدِهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ بِى
 الْعَامِلِيَّةِ مِنْ أَوْدِ النَّبَاتِ أَى ذَفْنِهِنَّ أَحْيَاءَ خَرَفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْقَرِيتهَ بَيْنَ
 الْأَيْدِي وَارْجَاهِنَّ أَى بَوْلِدٍ مُلْقُوطٍ يُسَبِّتُهُ إِلَى الزَّوْجِ وَوَصَفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ بَانَ الْأُمُّ إِذَا
 وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ بَدْيِهَا وَرِجْلِهَا وَلَا يَعُوبُكَ فِي مَعْرُوفٍ هُوَ مَا زَانَقَ طَاعَةَ اللَّهِ تَعَالَى كَثْرَكَ
 السَّخَاةَ وَتَمْرِيْقِ النَّيَابِ وَحَزَّ الشَّعْرَ وَشَقَّ الْجَيْبَ وَخَمَّشَ أَوْجِهَ قَبَائِعُهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ ذَلِكَ بِالْقُرْآنِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ وَاسْتَعْفَرَ لِهِنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّكِلُوا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ قَدْ يَسُومُونَ الْآخِرَةَ أَيُّ مِنْ ثَوَابِنَا مِمَّنْ

إِيْقَانِهِمْ بِهَا الْعِبَادِ هِمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهِ كَمَا يَكْفُرُ الْكَافِرُونَ مِنَ

أَصْحَابِ الْقُبُورِ أَيُّ الْمُتَقَبِّرِينَ مِنْ خَيْرِ الْآخِرَةِ إِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ كَانُوا يَشْعُرُونَ

وَمَا يَصْبِرُونَ إِلَيْهِ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کر دے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کر دیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے۔ ان پر) رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔ ان (کافروں) کے ساتھ احسان و انصاف کا برتاؤ کرنے سے (ان تیروہم بدل اشتمال ہے الذین سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے۔ جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو۔ اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو۔ (ان تو لوہم بدل اشتمال ہے۔ الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کرے گا۔ سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔ اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کر کے آئیں (کفار کو چھوڑ کر۔ اس فیصلہ کے بعد جس حدیبیہ کے موقع پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا) تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو (یہ قسم دلا کر کہ ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے۔ کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے اور مسلمانوں سے عشق و کی وجہ سے نہیں ہوا چنانچہ آنحضرت اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ کرنا وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کر دو جو انہوں نے فرج کیا ہے (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر نہ دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے۔ کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جا میں مرتد ہو کر۔ کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کر دیا ہے) اور مطالبہ کر لو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے فرج کیا ہے (بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہو کر کافروں سے نکاح کر لیا ہو) اور وہ ننگ لیں جو کچھ ان کافروں سے

اہمیت کرنے والی عورتوں پر) خرچ کیا ہو (جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم و حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی۔ یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہو کر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (زود کر کے مال غنیمت میں تم نے حاصل کر لی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے کیا نرانا تم دے دو (کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور موثرین کو مال دیا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا) اے پیغمبر جب مسلمانوں کی عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ مار اور نعرے خیزل سے ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی۔ جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بنا لیا ہو (جنی کر پیڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کر دیں اور حقیقی اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جنے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی۔ (مشروع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں۔ مثلاً مین کر کے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال وغیرہ نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پینٹنا) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے (آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا۔ لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔ بلاشبہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو۔ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے۔ (یعنی ثواب سے۔ باوجودیکہ ان کا اس کا یقین ہے۔ آنحضرت ﷺ سے دشمنی کرتے ہوئے۔ حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جا کر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں ناامید ہوں گے۔ جنت کا مقام ان کو دکھلا یا جائے گا۔ جو کو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا۔ اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)۔

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قوله: طَاعَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى: اللہ تعالیٰ کی خاطر تمہاری طاعت کی برکت سے کفار مکہ ایمان لے آئیں گے تو مودت قائم ہو جائے گی۔

قوله: يَنْقُضُوا بَيْنَ الْبَيْنِ وَالْعَدْلِ: ان کی طرف فیصلہ کرو۔

قوله: بِشَرْطِهِ: بشرط نکاح، ان کا حلف ہے۔

قوله: بِبَعْضِ الْكُوفَرِ: جس کے ذریعے کافر عورتوں کے نکاح سے حفاظت ہو سکتی ہے۔

قوله: زُرُّوْا كُمْ: یعنی وہ کافرات تمہارے اسلام سے تمہاری بیویاں تھیں۔

قوله: فَأَكْثَرُ مِنْهُمْ: اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو اس میں مذکر و مؤنث برابر ہیں۔

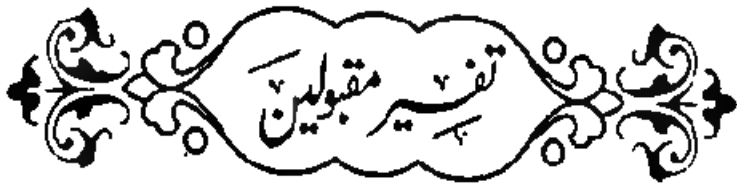
قوله: فَعَزَّوْنَهُمْ: تمہاری اداہ مہر کی باری آئے تم ان کو غنیمت میں پاؤ۔

قوله: مِنَ الْغَنِيمَةِ: یہ یا تو اسے متعلق ہے۔

قوله: الْآلِي الزَّوْجِ: عورتیں کسی اور کی اولاد کو بطور افتراء خاوند کی طرف منسوب کر دیتیں۔

قوله: بِصِفَةِ الْوَالِدِ: وہ اس کا قول بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَ اَرْجُلِهِمْ ہے۔

قوله: مِنْ نَوَابِهَا: اس بات کو جاننے کے باوجود کہ ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔



عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ

ہجرت کرنے کے بعد وطن سابق کے لوگوں سے تعلق رکھنے کی حیثیت:

جیسا کہ معلوم و معروف ہے جو حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے مکہ معظمہ میں ان کے رشتہ دار تھے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا طبعی طور پر مہاجرین کے دلوں میں اس کا احساس ہونا ممکن تھا کہ ان لوگوں سے تعلقات ٹوٹ گئے (لیکن ایمان و کفر کے مقابلہ کی وجہ سے تعلقات ٹوٹنا بھی ضروری تھا) اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی ہے اور امید دلائی ہے کہ ایمان کی وجہ سے جن رشتہ داروں سے تعلقات ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان مودت یعنی محبت پیدا فرمادے گا (یہ محبت اس طرح وجود میں آئے گی کہ جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق دیدے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ لوگ فتح مکہ سے پہلے اور کچھ اس دن اور کچھ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے جس کی وجہ سے رشتہ داریوں کے تعلقات استوار ہو گئے ابوسفیان بن حرب حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام مسلمان ہو گئے ان میں ابوسفیان وہ شخص ہیں جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کے لشکر کی قیادت کرتے تھے اور سہیل بن عمرو ہی شخص ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ کے نمائندہ بن کر آئے تھے اور صلح نامہ میں محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا۔

کافروں کو ایمان کی توفیق دینا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دینا اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے اسی لیے آیت کے اختتام پر فرمایا: وَاللَّهُ قَدِيرٌ (اور اللہ قادر ہے) نیز: وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ بھی فرمایا جس میں یہ بتایا کہ کفار جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان کا پچھلا سب معاف کر دیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ معاف فرمادے گا تو اہل ایمان کو ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ آدی توکل تک دشمن تھا آج دوستی کیسے کریں۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا ان میں دو قسم کے آدی تھے اول وہ لوگ جنہوں نے نہ جنگ میں حصہ لیا اور نہ اہل ایمان کو کالنے میں کوشش کی اور نہ اس سلسلہ میں مدد کی اور دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں سے قتال بھی کیا اور نہ

سنانے پر مل گئے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی آیت کریمہ: لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَكُمْ يُقَاتِلُوكُمْ پیلے گروہ کے بارے میں اور اس کے بعد والی آیت: إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ دوسرے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہی آیت: لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان سے متصف نہیں ہوئے تھے۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ایمان قبول کر لیا تھا مگر ہجرت نہیں کی، ہذا بن و انصار ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے فرض کے تارک تھے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں رہ گئے تھے ہجرت نہ کر سکے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے آیت کا سبب نزول ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مومن کافر دونوں فریق امن و امان سے رہنے لگے اسما بنت ابی بکرؓ کی والدہ مدینہ منورہ آئیں اور کچھ اپنی ضرورت کا اظہار کیا حضرت اسماؓ کو مشرک عورت پر بال خرچ کرنے میں تامل ہوا لہذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال پیش کر دیا اور عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہیں ان کی طرف سے کچھ حاجت مندی ظاہر ہو رہی ہے کہ میں صلہ رحمی کے طور پر انہیں کچھ دے دوں آپ نے فرمایا یا ہاں صلہ رحمی کرو۔ راوی حدیث حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے کہ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ: لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَكُمْ يُقَاتِلُوكُمْ فی الذین نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۴: ۶ ج)

صاحب روح المعانی نے بحوالہ مسند امام احمد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے یوں حدیث نقل کی ہے کہ قبیلہ بخت عبداحزی لینی بنی اسما بنت ابی بکرؓ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر آئیں قبیلہ مشرک تھیں۔ سیدہ اسماؓ سے ان کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیا اور سیدہ عائشہؓ کے پاس خبر بھیجی کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے لائیں۔ سیدہ عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی اور ہدیہ قبول کرنے اور گھر میں بلانے کی اجازت دے دی۔

آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں قتال کیا در تم لوگوں سے لانا اور کٹانے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵﴾ کہ جو لوگ اس قسم کے کافروں سے دوستی کا تعلق رکھیں گے وہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جانوں کو مستحق عذاب بنانے والے ہیں۔

بِأَيِّهَا الذِّينَ مَتَّوًّا إِذَا جَاءَهُمْ ...

معادہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

روز فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ صلح کی طرف سے لے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دین و صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت

محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام میں اس پر غم و غصہ کا اظہار ہوا، مگر رسول اللہ ﷺ باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مفلوہیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمایا اور پھر سب صحابہ کرام بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ اس کو واپس کر دیں گے، اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد و عورت دونوں داخل تھے، یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو آپ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ ﷺ مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل کا ہے، جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈال ہوا تھا، وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، صحابہ کرام میں ان کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں، یہ کیسے ہوگا؟ مگر رسول اللہ ﷺ معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصول شریعت کی حفاظت اور ان پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے اور اس کے ساتھ آپ کی چشم بصیرت عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا شاہدہ کر رہی تھی، طبعی رنج و تکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ کو بھی یقیناً ہوگی، مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بنا پر ان کو سمجھ بجا کر رخصت کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سعیدہ بنت امارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں مگر صیغی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر الخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں، ساتھ ہی ان کا شوہر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ نے یہ شرط قبول کر لی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی۔

اس واقعہ پر یہ آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقد مناکحت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا ہے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے، وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی (تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباس کی روایت سے نقل کیا)۔

غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کر دیا کہ صلح نامہ کی یہ شرط کہ جو بھی مسلمان آپ کے پاس پہنچے آپ واپس کریں گے اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں، یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جا سکتی

ہے، عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں، ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا، ان آیات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرمایا اور اس کے مطابق سعیدہ مذکورہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عموم شرط کی وجہ سے کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ اور ان کے ساتھ ان کے دو بھائی مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آ کر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ ﷺ سے کیا آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید کو واپس کر دیا مگر ام کلثوم کو واپس نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں، اس پر یہ آیات آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں۔

اس طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والی دوسری عورتوں کے بھی کچھ واقعات روایات میں مذکور ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات سب ہی پیش آئے ہوں۔

شرط مذکور سے عورتوں کا استثناء نقض عہد نہیں بلکہ ایک شرط کی وضاحت بقبول فریقین ہے:

مذکورہ صدر روایت قرطبی سے تو معلوم ہوا کہ معاہدہ کی شرط کے الفاظ اگرچہ عام تھے، مگر آنحضرت ﷺ کے نزدیک دو عورتوں کے لئے عام اور شامل نہیں تھے، اس لئے آپ نے اس کی وضاحت وہیں حدیبیہ کے مقام پر فرمادی اور اسی کی تصدیق یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمایا تھا جس میں عورتیں بھی شامل تھیں، ان آیات کے نزول نے اس کے عموم کو منسوخ قرار دیا اور آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ پر اسی وقت یہ واضح کر دیا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہ ہوں گی، چنانچہ عورتوں کو آپ نے واپس نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت نہ نقض عہد کی تھی جس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی امکان ہی نہ تھا اور نہ یہ ہلد عہد کی صورت تھی یعنی معاہدہ کو ختم کر دینے کی، بلکہ ایک شرط کی وضاحت کا معاملہ تھا، خواہ خود رسول اللہ ﷺ کی مراد پہلے ہی سے یہ ہو یا نزول آیت کے بعد آپ نے اس عموم کو صرف مردوں تک محدود کرنے کے لئے فرمادیا ہو، بہر حال ہوا یہ ہے کہ اس توضیح کے بعد بھی معاہدہ صلح کو طرینین نے قبول کیا اور اس بار یک مدت تک طرینین سے عمل ہوتا رہا، اس صبح کے نتیجے میں راستے مامون ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے طوک دنیا کے نام نطوط بھیجے اور اسی کے نتیجے میں ابوسفیان کا قافلہ بے فکری کے ساتھ ملک شام تک پہنچا، جہاں ہر قافلے نے ان کو اپنے دربار میں بلا کر رسول اللہ ﷺ کے حالات و واقعات کی تحقیق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط صلح کے عام الفاظ میں، عورتوں کا شامل نہ ہونا خواہ پہلے ہی سے آنحضرت ﷺ کی نظر میں تھا یا نزول آیت کے بعد آپ نے عورتوں کو اس عموم سے خارج کیا، بہر دو صورت کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان یہ معاہدہ

اس وضاحت کے بعد بھی مکمل ہی سمجھا گیا اور ایک عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا، اس لئے اس شرط کی وضاحت کو نقض عہد یا بند عہد میں داخل نہیں کیا جاسکتا، واللہ اعلم، آگے آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کے تحت دیکھئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۗ مراد آیت کی یہ ہے کہ عورتوں کو شرط صلح سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ ان کا مسلمان اور مومن ہونا ہے مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں احتمال اس کا بھی تھا کہ ان میں سے کوئی اسلام و ایمان کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص سے محبت کے سبب یا کسی دوسری دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس کو واپس کرنا شرط صلح کے تحت ضروری ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ایمان کا امتحان لو، اس کے ساتھ ہی یہ جملہ فرمایا کہ: اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۗ اس میں اشارہ کر دیا کہ حقیقی اور اصل ایمان کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے، جس پر اللہ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، البتہ آدمی کے زبانی اقرار اور قرائن سے ایمان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بس مسلمان اس کے مامور و مکلف ہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ان کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجر عورت سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت کی وجہ سے نہیں آئی اور نہ مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے اور نہ کسی دوسری دنیوی غرض سے بلکہ اس کا آنا خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف کر لیتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیتے اور اس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے شوہر کو واپس دے دیتے تھے۔ (قرطبی)

اور حضرت صدیقہ عائشہ سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ان کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر آگلی آیت میں تفصیل سے آیا ہے: إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ...، گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آئی ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات ان سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے۔ واللہ اعلم

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تُرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان سے کر تم کہ مومن قرار دے دو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مردان کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مسئلہ: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود نسخ ہو گیا، یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کیلئے حلال نہیں رہی۔

وَأَشْفَقْنَا مَا أَفْقُوا یعنی مہاجر مؤمنہ کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی، جو بوجہ ان کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی، مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں، کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو، اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے۔ (سنن القزلبی)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوا نِسَاءَ الْكُفْرَانِ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِمِثْلِ مَا كُنْتُمْ تَنْكِحُوا فِيهِمْ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ حُدُودِ الْمَدِينَةِ فَأْتُوا بُحْرَانَ الْكُفْرَانِ بِمِثْلِ مَا كُنْتُمْ تَنْكِحُوا فِيهِمْ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ حُدُودِ الْمَدِينَةِ فَأْتُوا بُحْرَانَ الْكُفْرَانِ بِمِثْلِ مَا كُنْتُمْ تَنْكِحُوا فِيهِمْ

آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے نسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، اس آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے یہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح نسخ ہو چکا ہے، اس لئے دوسرے مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح نسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا، اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ نکاح نسخ ہو جائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فریق کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو، دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آدے تو شوہر سے اسلام لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں فریق کا فیصلہ کیا جاسکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے، یعنی ایک دارالکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق تکمیل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

اور اس آیت میں جو: إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے مہر دیدہ، یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا العقاد ادائے مہر پر موقوف اور شرط نہیں ہے، البتہ نکاح پر مہر کی ادائیگی واجب و لازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کر لیا جا چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ مہر تو

ہا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمانوں عورتوں کے مہران کو ادا نہ کئے تو ان کے ال عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لے لو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو تم مہاجرات کے مہر کی ادا کرتے تھے تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو تو اس کا حکم یہ ہے کہ: فَاتُوا الَّذِينَ ذَقَبْتُمْ أَزْوَاجَهُمْ بِمِثْلِ مَا أَنْفَقْتُمْ، یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی، ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کرو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آگئی ہیں۔

دوسرے معنی عاقبتنم، عقبتم، اعقتنم کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں اور اس آیت میں لفظ ماقتنم کی یہ تینوں قراتیں بھی مختلف قراء سے منقول ہیں اور حضرت قتادہ و مجاہد سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صحیح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔ (قرطبی)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟

اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔ اور حضرت ابن عباس نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے ایک تو ہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجہ میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں، جن کا مہران کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے ان کا یہ حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی واقعہ تھا، باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کافر تھیں اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بناء پر نکل گئیں، اس لئے ان کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا ہے اور ایک عورت جس کو مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں پھر مسلمان ہو گئیں (قرطبی) اور نبوی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ (مطہری) لَئِنَّمَا الْبَنِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

عورتوں کی بیعت:

اس آیت میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیلی بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان و عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی اپنی کا بھی معاہدہ ہے، سابق میں یہ آیت بیعت آئی ہے وہ اگرچہ ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے اور یہ بیعت ان کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے، لیکن الفاظ آیت عام ہیں، نو مسلم مہاجرات کے

ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا کہ بیعت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں امام عطیہ سے اور بسند بغوی امیمہ بنت رقیہ سے منقول ہے، حضرت امیمہ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فیما استطعتن واقتن، یعنی ہم ان چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے، امیمہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت و شفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ نے اس شرط کی تلقین فرمادی، تاکہ کسی اضطرابی حالت میں خلاف درزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو۔ (مظہری)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ (مظہری)

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضور ﷺ کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیا کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں، کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل:

مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے، عمل احکام کی تفصیل اس میں نہیں ہے، بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہے جو آگے آ رہی ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان و اطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے، اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور عورتیں عموماً عقل ذہن میں مردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی، یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی، مردوں سے بھی انہی چیزوں کی بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے۔ (کماروی عن معاویہ بن اصبغ)، (قرظی) اس کے علاوہ جن احکام کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا عموماً عورتیں ان میں بے راہی اختیار کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے بھی خصوصیت سے ان کی بیعت میں مندرجہ ذیل تفصیل آتی، *يٰۤاَيُّهَا بَنَاتُ عِمِّي اَنْ لَا يَشْرِكَنَّ بِاللّٰهِ فَيَا، اَلْ اَيُّهَا*

میں پہلی بات تو وہی ایمان کی اور شرک سے بچنے کی ہے، جو عام مردانہ بیعتوں میں بھی آتی ہے، دوسری بات چوری نہ کرنا، بہت سی عورتیں اپنے شوہر کے دل میں چوری کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے ذکر کیا گیا، تیسری بات زنا سے پرہیز کرنا ہے جس میں عورتیں پختہ ہو جائیں تو مردوں کو بھی نجات آسان ہو جائے، چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی بچوں کو قتل نہ کریں۔

زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے ہلاک کر دینے کا رواج تھا، اس کو روکا گیا، پانچویں بات یہ ہے کہ افتراء اور بہتان نہ باندھیں، اس بہتان کی ممانعت کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں **بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَوْخِطِمْ** یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان بہتان نہ باندھیں، ان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ قیامت کے روز انسان کے ہاتھ پاؤں ہی اس کے اعمال پر شہادت دیں گے، مطلب یہ ہوا کہ ایسے گناہ کے ارتکاب کے وقت یہ خیال رہنا چاہئے کہ میں چار گواہوں کے درمیان یہ کام کر رہا ہوں جو میرے خلاف گواہی دیں گے۔

یہاں لفظ بہتان عام ہے اپنے شوہر پر ہو یا کسی دوسرے، کیونکہ افتراء و بہتان ہر شخص پر یہاں تک کہ کافر پر بھی حرام ہے، خصوصاً اپنے شوہر پر بہتان اور بھی شدید گناہ ہے اور شوہر پر بہتان لگانے کی ایک صوت یہ بھی ہے کہ عورت کسی اور شخص کا بچے لے کر اس کو اپنے شوہر کا بچہ ظاہر کر لے اور اس کے نسب میں داخل کر دے اور یہ بھی کہ معاذ اللہ بدکاری کرے اور حمل رہ جائے جس کے نتیجے میں یہ بچہ شوہر کے نسب میں داخل سمجھا جائے۔

چھٹی بات ایک عام ضابطہ ہے کہ: **دَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوْفٍ** یعنی وہ کسی نیک کام میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، یہاں "مَعْرُوْفٍ" یعنی نیک کام کی قید لگانا جب کہ یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم معروف اور نیکی کے سوا ہو ہی نہیں سکتا، یا تو اس لئے ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی گئی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں معاملہ عورتوں کا ہے، ان سے عام اطاعت کہ ان کے کسی حکم کے خلاف نہ کریں گی، کسی کے دل میں اس سے شیطان گراہی کے وسوسے پیدا کر سکتا ہے اس کا راستہ روکنے کے لئے یہ قید لگادی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ...

اہل کفر سے دوستی نہ کرنے کا دوبارہ تاکید حکم:

شروع سورت میں اور درمیان سورت میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت کا تذکرہ تھا یہاں اس آیت میں خصوصی طور پر یہودیوں سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، یوں تو تمام کافروں پر اللہ کا غضب ہے لیکن بعض آیات میں چونکہ یہودیوں کے غضوب علیہم ہونے کا خصوصی تذکرہ آیا ہے۔ (کہافی سورۃ البقرہ فباء و بغضب علی غضب) و کمالی سورۃ آل عمران و بباء و بغضب فمن اللہ و طہرث علیہم المتسکنتہ اسی لیے بعض مفسرین نے یہاں **قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ** سے یہودیوں کو مراد لیا ہے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض فقراء مسہین یہودیوں کو مسہین کی خبریں پہنچا دیتے تھے اور کچھ بھول جاتا تھا اس آیت میں ان کو منع فرمادیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ: **قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ** سے یہود

و نصاری دونوں قومیں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منافع مراد ہیں۔

در حقیقت عموم الفاظ میں تمام کافروں کو مراد لینے کی گنجائش ہے، ابتداء سورت میں جو دشمنان اسلام سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی تھی آخر سورت میں پھر بطور تاکید اس حکم کو دہرایا ہے۔ قَدْ يَسْؤُا مِنَ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْا مِنْ مَّوْتِهِمْ اَنْ يَّعْتَبُوْا وَيَلْقَوْهُمْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ ابْنِ عَسَّاسٍ وَالْحَسَنِ وَفَتَاةٍ فَالْمُرَادُ بِالْكَفَّارِ اَوْ لَانْكَ لِقَوْمٍ وَوَضَعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ ضَمِيْرِهِمْ تَسْجِيْلًا لِّلْكَفْرِ هَمْ وَاشْعَاظًا بِاِعْلَالِ يَاسِهِمْ۔ (راجع روح المعاني صفحہ ۸۲: ۲۹)

ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کافر مر گئے قبروں میں چھ گئے اب دنیا میں آنے سے اور کسی طرح کی خیر ملنے سے ناامید ہو گئے اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں جن پر اللہ کا غصہ ہوا، آخرت سے ناامید ہو گئے یہ ایمان قبول نہیں کرتے اور آخرت کو نہیں مانتے ان کا ذہنک یہ ہے کہ جیسے ان کے عقیدہ میں قیامت قائم نہیں ہوگی اور میدان حشر میں حاضر نہیں ہوں گے جب ان کا یہ حال ہے تو ایسے لوگوں سے دوستی کرنے کا کیا موقع ہے۔

هذا اذا كانت "من" بيانية كما اختاره جماعة واختار ابو حيان كونها لابتداء الغاية والمعنى ان هولاء القوم المغضوب عليهم قد يشسوا من الاخرة كما يشسوا من موتاهم ان يعيشو ويلقوهم في دار الدنيا وهو مروى عن ابن عساس والحسن وفتادة فالمراد بالكفار او لانك لقوم ووضع الظاهر موضع ضميرهم تسجيلا للكفرهم واشعازا بعللة ياسهم۔ (راجع روح المعاني صفحہ ۸۲: ۲۹)

اور صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ چونکہ جس طرح آیت: يَغْرُقُونَ كَمَا يَغْرُقُونَ اٰتَاءَهُمْ اَبَیْ كِي نُبُوْتِ كُو اُو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں گو وہ عار و حسد کی وجہ سے اتباع بھی نہ کرتے تھے اس لیے ان کو دوس سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں تو شیخی کے مارے ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی اس کو دل سے تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضروری ہے؟ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے جو از دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید ہو جائے گا اور شاید تخصیص یہودی کی اس جگہ اس لیے ہو کہ مدینہ میں یہودز یادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر و منسوخ بھی بہت تھے۔

سورة الصافات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آياتها ۱۳

الصف ۱۹

مکرمہ صفت میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو ہے حد میں بیان نہایت دم والا ہے اور اس کی جودہ آیتیں ہیں اور وہ اسکا

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ اَيُّ نَرْهٰهُ فَاَلَا مَرْيَدًا ۗ وَجِيءَ بِمَا تُدْعَوْنَ مِنْ تَحْتِ الْاَلْسِنَةِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مَلِكِهِ الْحَكِيْمُ ۝۱

فِيْ ضَنْعِهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ فِيْ طَلْبِ الْجِهَادِ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲

اِذَا نُهَزَمْتُمْ بِاِحْدٍ كَبْرٍ عَظِيْمٍ مَّقْتًا تَمَيِّزُ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا فَاَعْلَ كَبْرٍ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَنْصُرُوْكُمْ وَيُكْرِمُ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا ۗ خَالَ اَيُّ صٰفِيْنَ كَانَتْهُمْ بَيِّنٰتٌ مُّرْصُوْصٌ ۝۴

مَلَزَقَ بَعْضُهُ اِلَى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَّ اذْكَرٌ اِذْ قَالَ مُوْسٰى بِقَوْمِهِ يُقُوْمُوْا لِمَ تُؤَدُّوْنَ بِيْ فَاَلَا اِنَّ اِدْرَ اَيُّ مُنْتَفِعِ الْخُصِيَّةِ وَّلَيْسَ كَذٰلِكَ وَّ كَذَّبُوْهُ وَاَقْدًا لِلتَّحْفِيْقِ تَعْلَمُوْنَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِيَكُنَّ الْجُنْدُ خَالَ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا زَاعَوْا اَعْدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاِيْدَانِهِ اَزَاعَ اللّٰهُ قُؤُبَهُمْ مِّنْ مَّهَارِجِ الْهُدٰى عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهُ فِي الْاَزْلِ وَاَللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

الْكٰفِرِيْنَ فِيْ بَلَدِهِ وَاذْكَرٌ اِذْ قَالَ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ لِمَ تَقُوْلُوْنَ لِمَ يَأْتِيْكُمْ لِمَ يَكُنْ لَهُ فِيْهِمْ قَرٰبَةٌ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ قَبْلِيْ مِنَ التَّوْرَةِ وَاْمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّآتِيْ مِنْ بَعْدِي سُبْحٰنَ اَحَدًا ۗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا جَاءَهُمْ جَاءَ اَحْمَدُ الْكُفٰرَ بِالْبَيِّنٰتِ الْاٰيٰتِ وَالْعَلٰمٰتِ قَالُوْا هٰذَا اَيُّ الْمَحْيٰى بِهِ سِحْرٌ وَّفِي قِرْاٰةٍ سَاحِرٌ اَيُّ اَسْجَاطِيْ بِهِ مُهَيِّنٌ ۝۶

بَيْنَ وَاَمَنْ لَا اَحَدٌ اَظْلَمَ اَشَدُّ ظُلْمًا مِّنْ اَفْكَرِيْ عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَصَفِ اٰيٰتِهِ بِالسِّحْرِ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى

الإِسْلَامُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الْكَافِرِينَ يُرِيدُونَ لِيُطْفَؤُا مُنْقَذُوا بِأَن مَّقَدَرُهُ
وَاللَّامُ مَزِيدُهُ نُوْرُ اللَّهِ شَرْعَهُ وَبَرَاهِينُهُ بِأَقْوَاهِهِمْ بِأَقْوَاهِهِمْ أَنَّهُ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ وَاللَّهُ مُتَمَرٌّ
مُظَهَّرٌ نُوْرُهُ وَفِي قِرَائَةِ بِالْإِضَافَةِ وَكَو كِرَاهِ الْكُفْرُونَ ۝ ذَلِكُ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ
دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ لِبَعِيْنِهِ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ لَاجِمِيعِ الْأَدْيَانِ الْمُخَالَفَةَ لَهُ وَكَو كِرَاهِ الْمُشْرِكُونَ ۝

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (اللہ میں لام زائد ہے اور من کی بجائے ما کا ہا اکثریت کی تغلیب کے طور پر ہے) اور وہی (اپنے ملک میں) زبردست (صنعت میں) حکمت والا ہے۔ اے اہل ایمان (جہاد کی خواہش کے سلسلہ میں) ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (جب تمہیں غزوہ احد میں شکست ہوئی) یہ بات بہت (بڑی) ناراضگی کی ہے (یہ تمیز ہے) اللہ پاک کے نزدیک کہ ایسی بات کہو (کبر کا فاعل ہے) جو کرو نہیں اللہ تعالیٰ تو پسند کرتا ہے (مدد اور اکرام کرتا ہے) ان لوگوں کو جو اس کے رستے میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں (صفا حال ہے ہی صافین) کہ گویا وہ ایک ثمارت ہے سیرہ پائی ہوئی (ایک دوسرے میں گچی ہوئی، مضبوط) اور (یاد کرو) جب کہ موئی نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو (لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو فتح کی بیماری ہے یعنی ان کے خصبے بڑھے ہوئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ جھوٹ بکتے تھے) حالانکہ (قد تحقیق کے لئے ہے) تم جانے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جملہ حل ہے۔ اور رسول واجب الاحترام ہوتا ہے) پھر جب وہ لوگ بڑھے ہی رہے (موئی کو ستانے کی وجہ سے حق سے ہٹ گئے) تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا (ہدایت سے پھیر دیا۔ تقدیر ازلی کے مطابق) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (جو علم الہی میں کافر ہوں) اور (یاد کیجئے) جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل (یا قوم نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ ان کے قرابت وار نہیں تھے) میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اپنے سے پہلی تہمت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانیوں اور نلامات) لے کر آئے تو دو کہنے لگے کہ یہ (یعنی جو لایا گیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ستر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا۔ اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے۔ (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور داد کا نسبت اس کی طرف کر کے۔ اور اس کی آیات کو جو دکھ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بھادیں (ان مقدرہ کے ذریعہ یطفؤا منصوب ہے اور لام زائد ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اس کے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر جادو ہے۔ شعر ہے۔ کہانت ہے) حالانکہ اللہ سال تک پہنچا کر (ظاہر کر کے) رہے گا اپنے نور کو (ایک قراءت میں 'متنہ نورہ' اضافت کے ساتھ ہے) گو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں۔ وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے

قالف) دینوں پر غائب (بلند) کر دے۔ گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **بِئْسَ الَّذِي يَدْعُو إِلَى الْجِهَادِ**: کہ تم کہہ رہے تھے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ترین عمل جان لیں تو اس میں اپنے مال و جان خرچ کریں۔

قولہ: **صَافِيْنِ**: یہ مصدر ہے جس کو صفت کے معنی میں لایا گیا ہے۔

قولہ: **فَلَنْزِي**: چکا ہوا۔ ثابت۔ مضبوط۔

قولہ: **بِخَيْرٍ**: قابل احترام جس کی بے عزتی ممنوع ہو۔

قولہ: **لَمْ يَكُنْ لَهُ**: کیونکہ نسب و قرابت تو آباؤ اجداد سے ہے۔

قولہ: **إِلَى الْإِسْلَامِ**: جس میں دونوں جہاں کی سعادت ہے۔ تو وہ اس کی بات قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر انزواء ہونے لگے۔

قولہ: **بِأَنَّ مُقَدَّرَةً**: بیری دون کا مفعول لیطفوا ہے۔

قولہ: **وَاللَّامِ مَزِيدَةٌ**: لام تاکید کی لائے کیونکہ اس میں ارادہ کا معنی ہے۔

قولہ: **فَنُظِّهُ**: پھیلا کر اس کو انتہاء تک پہنچانے والے ہیں۔

قولہ: **بِالْهُدَى**: اس سے قرآن مجید مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورۃ مبارکہ کے فضائل میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت باسناد عبداللہ بن سلام نقل کی ہے بیان کیا میں صحابہ کرام کے ایک مجمع میں موجود تھا کہ ہم باہم یہ گفتگو کرنے لگے کاش اگر ہماری حاضری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتو یہ دریافت کریں کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ خود حاضر ہو کر یہ پوچھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع کے ایک ایک شخص کو بلا یا اور جب سب جمع ہو گئے تو ہمارے سامنے یہ سورۃ صف تلاوت فرمائی اور گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اس صورت کی تلاوت اللہ کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے۔

سورۃ کا آغاز اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح و پاکی و حمد و ثناء سے کیا پھر اس بات پر وعید فرمائی گئی کہ انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی نازیبا ہے کہ وہ جس بات کا عہد کرے اس کو پورا نہ کرے اور اس کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کے بعد مسلمانوں کو دشمنان اسلام سے جہاد و قتال کی ترغیب دی گئی اور ان کو اس کے لئے ہمت دلائی گئی کہ پوری طاقت اور بہادری

کے ساتھ کافروں کے مطالبہ کے لیے متحد و متفق ہو کر ڈٹ جائیں اور اتحاد و اخوت میں ان کو چاہئے کہ وہ سیدہ پلائی دیور کے مانند ہو جائیں، ساتھ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا دعوۃ الی اللہ میں اسوہ نمونہ بھی بیان کیا گیا اور یہ کہ انہوں نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں اور اہل ایمان کو اس امر کے متعلق اطمینان دلایا گیا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور دین کے مددگاروں کو غالب و کامیاب فرماتا ہے اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی ہر سازش اور کوشش ناکام ہوتی ہے، ان مضامین کو ذکر کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں اہل ایمان کو ایک کامیاب اور نفع بخش تجارت کی دعوت دی گئی اور اس کی وضاحت کی گئی کہ وہ نفع بخش تجارت کون سی ہے جس سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت کی سعادت و فلاح بھی اس کو نصیب ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۗ

جو کام نہیں کرتے ان کے دعوے کیوں کرتے ہو؟

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپس میں ہم نے (اچھے) اعمال کا تذکرہ کیا اور ہم نے کہا کہ اگر ہمیں پتہ چل جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اس پر اللہ جل شانہ نے: سَبَّحَ بِحَمْدِهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۗ نازل فرمائی۔ (سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ النصف)

اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اور ہم اپنے جان و مال خرچ کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَالَّذِينَ بُنِيَانَ مَرُوضًا ۝ نازل فرمائی پھر قریب ہی غزوہ احد کا واقعہ پیش آ گیا جب اس میں ابتلا ہوا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۗ نازل فرمائی کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جب شہداء بدر کا ثواب سنا تو صحابہ نے کہا کہ اگر آئندہ ہم کسی جہاد کے موقع پر حاضر ہوئے تو پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گے پھر اگلے سال جب غزوہ احد کا موقع آیا تو بھاگ کھڑے ہوئے لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں ہو۔

روح المعانی میں ابن زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو وہ مسلمانوں سے جھوٹے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہم مدد کریں گے پھر ساتھ نہیں دیتے تھے۔

مفسر قرہمی نے ایک اور بھی قصہ لکھا ہے کہ وہ یہ کہ ایک شخص مسلمانوں کو بہت ایذا دیتا تھا۔ حضرت صہیبؓ نے اسے قتل کر دیا قتل تو کیا انہوں نے لیکن ایک آدمی نے اس عمل کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خدمت عالی میں جا کر عرض کیا کہ فلاں شخص کو میں نے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سے خوشی ہوئی اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت صہیبؓ کو توجہ دلائی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر کیوں نہ دی کہ میں نے قتل کیا ہے

دوسرے شخص نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ (اور رسول اللہ ﷺ کو غلط خبر دیدی) اس پر صہیبؓ نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح صورت حال بتادی۔ اس پر آیت کریمہ: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۰۲﴾ نازل ہوئی۔ جس میں غلط خبر دینے والے آدمی کو تنبیہ فرمادی۔

آیت کریمہ کا سبب نزول اگر وہ سب امور ہوں جن کا تذکرہ بالا روایات میں تذکرہ کیا گیا ہے تو اس میں کچھ بعد نہیں ہے آیت میں مسلمانوں کو جو عمومی خطاب فرمایا ہے سب کو اس میں غور کرنا لازم ہے ہر شخص آیت کے مضمون کو سوچے اور اپنی جان پر ناز نہ کرے اور یہ دیکھے کہ زندگی میں کیا کیا جھول جھال ہیں اور قول اور فعل میں جو یکسانیت ہونی چاہئے وہ ہے یا نہیں، ہر مسلمان ایمان کے تقاضے پورے کرے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کرے جو نذر کرے اسے پوری کرے جس کی سے جو وعدہ کرے اسے بھی پورا کرے۔ (بشرطیکہ گناہ کا وعدہ نہ ہو، گناہ کا وعدہ کرنا بھی گناہ ہے اور اسے پورا کرنا بھی گناہ ہے) جو کوئی کام خیر کا نہ کیا ہو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے، لوگوں کے سامنے دینی باتیں بیان کرے اور امر و نہی دینی آیات اور احادیث پڑھ کر سنائے اور اس پر خود بھی عمل کرے۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۰۲﴾ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: كَذِبًا مَّقْتَدِعِينَ ۗ إِنَّ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۰۳﴾ (اللہ کے نزدیک یہ ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو)۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی ہر شخص کوشش کرے اور اپنے قول اور فعل میں یکسانیت رکھے۔

ان خطباء کی بد حالی جن کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی تینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۴۳۸)

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ اپنے قول و فعل میں یکسانیت رکھو جو بات کرو تمہارا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہو اس میں دعوت و تبلیغ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی آ گیا۔

آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عمل نہیں کرتے تو دینی باتیں بھی نہ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ خیر کی باتیں بھی کرو اور ان پر عمل لگائے، یہ بات اس لئے واضح کی گئی کہ بہت سے وہ لوگ جو بے عمل ہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب ہم عمل نہیں کرتے تو ہم تبلیغ کر کے گناہگار کیوں نہیں یعنی کہ سورۃ القف کی مخالف کیوں کریں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے اور نفس کی شرارت ہے۔

قرآن کریم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ نہ حق کہو نہ عمل کرو، قرآن کریم کا مطلب تو یہ ہے کہ دونوں عمل کرو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ احکام پر عمل کرنے کا مستقل حکم ہے اور حق بات کہنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کا مستقل حکم ہے۔

ایک حکم چھوٹا ہوا ہے تو دوسرے حکم کو چھوڑ کر گناہگار کیوں ہوں جس جس موقع پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرمان انجام دینے کا حکم ہے اسے پورا کریں دونوں حکموں کو چھوڑ کر دوسرے گناہگار کیوں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان کے بارے میں سوال ہوگا جن کی نگرانی سپرد کی گئی ہے۔ (رواہ بخاری ص ۷۸۳ ج ۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فقلبہ وذلک اضعف الایمان۔) (تم میں سے جو کوئی شخص منکر یعنی خلاف شرع کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے سواگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے سواگر زبان سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے بدل دے یعنی دل سے خلاف شرع کام کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔ (رواہ مسلم ص ۵۱ ج ۱)

اس حدیث میں ہر شخص کو برائی سے روکنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ بھی کرو اور عمل بھی کرو۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کرو نہ تبلیغ کرو۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُومٌ ۝

اگلی آیات میں اس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُومٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صف قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم دہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ ان کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں دشمنوں کی ایذا میں سہنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے اس میں بھی بہت سے علمی و عملی فوائد اور ہدایات ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے ماننے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی تو دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں، انوکھی باتیں لے کر نہیں آئے بلکہ وہ باتیں ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کہتے آئے ہیں اور پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں اور وہ میں بھی جو آخری پیغمبر آنے والے ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہدایات لے کر آئیں گے۔

یہاں پہلی کتابوں میں سے تورات کا خصوصیت سے ذکر غالباً اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی قرآنی کتاب وہی تھی ورنہ تصدیق انبیاء تو سب پچھلی کتابوں کو شامل اور عام ہے، نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شریعت موسوی اگرچہ مستقل شریعت ہے مگر اس کے اکثر احکام شریعت موسوی اور تورات کے احکام ہی کے مطابق ہیں، صرف چند احکام ہیں جو بدلے گئے ہیں، یہ تو پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کا مضمون تھا، دوسری چیز یہ کہ بعد میں آنے والے رسول کی خوشخبری سنائی، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی ہدایات بھی اسی کے مطابق ہوں گی، اس لئے اس پر ایمان

الانہین نقاضائے عقل و دیانت ہے۔

ساتھ ہی جس آنے والے رسول کی خوشخبری عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سنائی، اس کا نام پتہ بھی انجیل میں بتلا دیا گیا، اس میں بنی اسرائیل کو اس کی ہدایت ہے کہ جب وہ رسول تشریف لائیں تو تمہارا فرض ہوگا کہ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی اہانت کرو۔ **مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ** میں اس کا بیان ہے، اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتلایا گیا ہے، ہمارے نبی خاتم الانبیاء ﷺ کا نام محمد بھی تھا اور احمد بھی اور بھی متعدد نام تھے، مگر انجیل میں آپ کا نام احمد بتلانے میں شاید یہ مصلحت ہو کہ محمد نام رکھنے کا عرب میں قدیم سے دستور تھا، اس لئے اس نام کے دوسرے آدی بھی عرب میں تھے، بخلاف احمد کے، یہ نام عرب میں معروف نہیں تھا، وہ آپ کی ذات ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت:

یہ سب کو معلوم ہے اور خود یہود و نصاریٰ کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ تورات و انجیل میں تحریف ہوئی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف اتنی ہوئی ہے کہ اصل کلام کا پہچانا بھی آسان نہیں رہا، موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بنا پر آج کل کے عیسائی قرآن کی اس خبر کو تسلیم نہیں کرتے کہ انجیل میں کہیں رسول اللہ ﷺ کا نام احمد لے کر خوشخبری دی گئی ہو، اس کا مختصر جواب وہ کافی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔

اور مفصل جواب کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی علیہ السلام کی کتاب اظہار الحق کا مطالعہ کیا جائے جو مذہب ینسایت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اس میں رسول اللہ ﷺ کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بیظیر کتاب ہے، خود بڑے عیسائیوں کے مقولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر ”دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہتی تو عیسائیت کا کبھی زردغ نہیں ہو سکتا“۔

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی پھر ترکی، انگریزی میں اس کے ترجمے چھپے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں کہ عیسائی مشن نے اس کتاب کو گم کر دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، اس کا اردو ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا، حال میں اس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی کے مدرس مولانا اکبر علی صاحب نے اور تحقیقات جدیدہ مفیدہ موجودہ زمانے کی مطبوعہ انجیلوں سے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دارالعلوم نے لکھی ہیں جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کی تیسری جلد میں صفحہ 182 سے صفحہ 362 تک انہی بشارتوں کی تفصیل موجودہ انجیلوں کے حوالے سے اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

وَلَا تَقَالُ مَوْلَىٰ لِقَوْمِهِ يُقْوِرُ لَهُمُ تُوذُونِي ---

شکوہ موی کلیم اللہ ﷺ از ایذا رسائی قوم:

لہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے، چنانچہ آپ بھی جب شائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے

اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کو ایذا نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپ کا دل دکھتا ہو، جیسے اور جگہ ہے اٹخ ایمان والو تم ایسے نہ ہونا جیسے مومن کو ایذا دینے والے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا، پس جبکہ یہ لوگ علم کے باوجود اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو نہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیے شک و حیرت ان میں سا گئی، جیسے اور جگہ ہے اٹخ، یعنی ہم ان کے دل سے آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکش کی حالت میں مجبور دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے اور جگہ ہے اٹخ، جو رسول ﷺ کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اس موہوں کے راستے کے سوا کسی دوسرے کی تابعداری کرے ہم اسے ایسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالاخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے، یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَلْبِغِي إِسْرَائِيلَ

حضرت عیسیٰ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشین گوئی:

پھر حضرت عیسیٰ کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپ نے بنی اسرائیل میں پڑھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ توراہ میں میری خبر پڑی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سنا تا ہوں جو نبی امی عربی کی احمد یعنی حضرت مصطفیٰ ﷺ ہیں، پس حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کا انبیاء اور رسول کے خاتم ہیں، آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے نہ رسول، نبوت و رسالت سب آپ پر من کل الوجوه ختم ہو گئی، صحیح بخاری شریف میں ایک نہایت پاکیزہ حدیث وارد ہوئی ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں محمد، احمد، ماجی، کنان و جب سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹا دیا اور میں حاضر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں، یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے، ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے جو ہمیں محفوظ رہے ان میں سے یہ چند ہیں، فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاضر ہوں میں مقفی ہوں، میں نبی الرحمہ ہوں، میں نبی التوبہ ہوں، میں نبی المکرمہ ہوں، یہ حدیث بھی صحیح مسلم شریف میں ہے، قرآن کریم میں ہے۔ اٹخ جو پیروی کرتے ہیں ان رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھ ہوا پاتے ہیں توراہ میں بھی اور انجیل میں بھی، اور جگہ فرمان ہے اٹخ، اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے سچ کہتا ہو جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرورت کرو گے کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ نے کہا ہمیں اقرار ہے فرمایا پس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد ﷺ مبعوث کے جائیں تو آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی عہد لے لیں، ایک مرتبہ صحابہ دریافت کیا کہ حضور ﷺ آپ ہمیں اپنی خبر سنائیے آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت

ہماری خوش خبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہو تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور لگتا ہے جس سے ہماری خوش خبری کے محلات چم اٹھے (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں، مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم الانبیاء تھا اور آٹھ ایک حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتدا سناؤں۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعا، حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ اسی طرح خواب دکھائی جاتی ہیں، مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے، مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیج دیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے۔ ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت جعفر حضرت عبداللہ بن رواحہ حضرت عثمان بن مظعون حضرت ابوسوی وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید ان کے ساتھ دربار شاہی کے لئے تھے بھی بھیجے جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں ہمارے نام نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حالے کر دیجئے، نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہمیں اسی شہر میں ہیں حکم دیا کہ انہیں حاضر کر دینا چنانچہ یہ مسلمان صحابہ دربار میں آئے ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفر تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا ذرا یوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے، پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ﷺ ہماری طرف بھیجا اور اس رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نمازیں پڑھتے رہیں زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہوا ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے دربار یوں اور بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں، اس پر بادشاہ نے پوچھا بتاؤ تم حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا کہ وہ کلمہ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں جنہیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقع تھا بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو اور اے واعظو عالمو اور درویشو کا اور ہمارا اس کے بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے اللہ کی قسم ان کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین تمہیں مرجا ہوا اور اس رسول ﷺ کو بھی مرجا ہوا جن کے ہاں سے تم آئے ہو میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں یہ وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو ہو سہو اللہ کی قسم اگر ملک کی اس جھنجٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں یقیناً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی جوتیاں اٹھاتا آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو حنفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں اپس کر دیا جائے۔

ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جلد ہی حضور ﷺ سے آٹے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اس شاد حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ان کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفر اور حضرت ام سلمہ سے مروی ہے۔ تفسیری موضوع سے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں مختصراً اور دریا زریہ تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو، ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالی جناب حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم السلام برابر پیشگوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفات سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور نصرت کا نہیں حکم کرتے رہے، ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے باپ تھے اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوئی جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر نبوت کی نسبت داء ظیل اور نوید مسیح کی طرف کی ہے اس سے بھی مراد ہے ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے خواب کا ذکر کرنا اس لئے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شہرت کا باعث یہ خواب تھا، اللہ تعالیٰ آپ پر بیشمار درود و رحمت بھیجے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیشگوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو مخالفین نے اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ تُنَجِّبُكُمْ مِّنْ عَذَابِ النَّارِ ۖ تَأْتِيهِمْ قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ تَوَمِّنُونَ تَدُوْمُونَ عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۗ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ إِنَّهُ خَبَّرَكُمْ فَأَفْعَلُوهُ يُغْفِرْ جَزَاءَ شَرْطِ مُقَدَّرِ أَىٰ أَنْ تَفْعَلُوهُ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۗ أَقَامَةِ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۗ يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً وَأُخْرَىٰ تَحِبُّونَهَا ۗ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ لِدِينِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالإِضَافَةِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّونَ كَذَٰلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۗ أَىٰ مِنَ الْأَنْصَارِ الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعِيَ مُتَوَجِّهًا إِلَى نَصْرَةِ اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۗ وَالْحَوَارِيُّونَ أَصْفِيَاءُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُمْ أَوَّلَ مَنْ آمَنَ بِهِ وَكَانُوا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحَوَارِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيلَ كَانُوا قَصَارِينَ يَحْوَرُونَ النَّيَابَ يَبِيضُونَهَا فَأَمَّنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِعِيسَى وَقَالُوا إِنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ ۗ لِقَوْلِهِمْ

إِنَّهُ ابْنُ اللَّهِ رَفَعَهُ إِلَيْهِ فَأَقْتَلَتِ الطَّاغُفَّتَانِ فَأَيَّدْنَا قَوْنَنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الطَّاغُفَّتَيْنِ عَلَى عَدُوِّهِمْ
الطَّاغُفَّةُ الْكَفْرَةُ فَاصْبَحُوا أَظْهَرِينَ ۝ غَابِئِينَ

۱۰۰

ترجمہ: اے اہل ایمان! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلا دوں۔ جو تم کو بچالے (تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے جواب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جبرے رہو) اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدر کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیئے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مومنین کو (نصرت و فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اس کے دین کے۔ ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ ولالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے۔ حواری حور سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) سوئی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے (عیسیٰ پر ان کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو آسمان پر اٹھ لیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سو وہ غالب ہو گئے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: خَيْرٌ لَّكُمْ: یعنی یہ مذکور ایمان و جہاد سے بہتر ہے۔
- قوله: ذَلِكَ الْفَوْزُ: اس سے مغفرت اور دخول جنت کی طرف اشارہ کیا۔
- قوله: يُؤْتِكُمْ: اس سے اشارہ ہے۔ اُخْرَىٰ يَوْمَ تَكْم مَضْرُوعٌ منصوب ہے۔
- قوله: انصُر: وہ مخدوف مبتداء ہی کی خبر ہے۔
- قوله: وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ: اس کا عطف مخدوف پر ہے۔ مثلاً يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔

قولہ: وَفِي قِرَاءَةِ: اہل جاز نے الصبار میں تئیں اور لفظ اللہ کے شروع میں لام جارہ پڑھی ہے۔
 قولہ: الْخَوَارِثُونَ: اس سے مراد ان کے معاون ہونے کو تشبیہ دینا ہے نہ کہ ان کو حواری کہنا۔
 قولہ: كَذَلِكَ: انصاری نے۔

قولہ: مَعْنَى مُتَوَجِّهًا: یہ مقدر، تاکہ قَالَ الْخَوَارِثُونَ کے مطابق ہو جائے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

سو فیصد نفع بخش تجارت:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ والی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ پوچھا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کونسا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی، جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتاؤں جس میں گھانے کی کوئی صورت ہی نہیں جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان لاؤ پنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تمل جاؤ، جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کدو کاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے، اگر میری اس بتائی ہوئی تجارت کے تاجر تم بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے ہر گناہ سے میں درگزر رکروں گا اور جنسوں کے پاکیزہ محلات میں اور بلند و بانا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا، تمہارے ہالا خانوں اور ان ہیٹنگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری رودانی سے جاری ہوں گی، یقین مانو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصدوری یہی ہے، اچھا اس سے بھی زیادہ سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ (ترجمہ) ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عنایت فرمائے گا، اور فرمان ہے (ترجمہ) یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے، یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین اللہ کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں اسی لئے فرمایا کہ اے نبی ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچا دو۔

وَ أَخْرَىٰ تُجِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَ فَتْحٌ قَرِيبٌ ۙ ، لفظ أَخْرَىٰ نعمت کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب یعنی دشمنوں کے ملک کا فتح ہونا، یہاں قریب اگر بمقابلہ آخرت کے لیا جائے تو بعد میں آنے والی سلامی فتوحات عرب و عجم کی سب اس میں داخل ہیں اور قریب عربی مراد لیا جائے تو اس کا پہلا مصداق فتح خیبر ہے اور اس کے بعد فتح

کہ کریم ہے اور اس فتح قریب کے متعلق تجویز کیا گیا یعنی یہ تقدیر تمہاری پسندیدہ اور محبوب ہے کیونکہ انسان فطری طور پر بخت پسند واقع ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے: **وكان الانسان غفولاً** یعنی ہے انسان جلد باز اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ان کو محبوب نہ تھیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں کی طلب و محبت تو ظاہری ہے، مگر طبعی طور پر کچھ تقدیرت دنیا میں بھی تمہیں مطلوب و محبوب ہے، وہ بھی عطا کی جائے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ

عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۲ صحابہ کی روداد:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لمحہ جان مال عزت آبرو قول فعل نقل و حرکت سے دل اور زبان سے اللہ کی اور اس کے رسول کی تمام تر باتوں کی تعمیل میں رہیں، پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ کی آواز پر فوراً الیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلا غور علی انصاری کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں، چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا، حج کے دنوں میں سرورِ رسل ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں اللہ کی رسالت کو پہنچا دوں قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں، چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی انہوں نے آپ سے بیعت کی آپ کی باتیں قبول کیں، اور مضبوط عہد و پیمانہ کئے کہ اگر آپ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ و سیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے ہم آپ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپ پر کوئی آج نہ آنے دیں گے، پھر جب حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی اسی لئے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا اللہ ان سے خوش ہوا اور انہیں بھی راضی کرے آمین! جبکہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا ان یہودیوں پر اللہ کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لئے راہِ اندہ درگاہ بن گئے، پھر انے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے میں نئی حد سے گزر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا، پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے، بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں بعض نے کہا تین میں کے تیسرے ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس اور بعض نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا، ان سب کا ذکر سورۃ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو، سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسول ﷺ کی بعثت سے تائید کی ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ کا راہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھا لے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں لیکن پھر

میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دود دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ، پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے، ایک نوجوان جو ان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابیؓ کھڑے ہوئے، حضرت عیسیٰ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھادیا، پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل و صورت بالکل حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰؑ اس گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے، پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا، جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے، ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھ لیا، انہیں سطوریہ کہا جاتا ہے، تیسری جماعت حق پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰؑ ہم میں تھے، جب تک اللہ کا ارادہ رہا آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا، یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دے بھی ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا، ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا، آنحضرت ﷺ کا غالب آجانا اور دین اسلام کا تمام اریان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی۔ پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آجائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

سُورَةُ الْجَعْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الجمعة
سورة جعدہ میں نازل ہوئی
۱۱ آیتیں ۱۰

آیتھا
۱۱

سورة جعدہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور اس کی

يَسْجُدُ لِلَّهِ يَنْزِعُهُ فَأَلَّامٌ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ فِي ذِكْرِ مَا تُغَلِّبُ لِلْكَثَرِ الْمَلِكِ
 الْقُدَّاسِ الْمُتَنَبِّهِ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فِي مَلِكِهِ وَصُنْعِهِ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ
 الْقُرْبِ وَالْأُمَمِينَ مَنْ لَا يَكْتُوبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا رَسُولًا مِنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
 آيَاتِهِ الْقُرْآنَ وَيُزَكِّيهِمْ يَطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ ۝ مَا فِيهِ مِنْ
 الْأَحْكَامِ وَإِنْ مَحْقَقَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمُهَا مَحْدُوفٌ آيٌ وَإِنَّهُمْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ مَجِيئِهِ لَفِي ضَلَالٍ
 مُبِينٍ ۝ بَيْنَ وَآخِرِينَ عَطَفَ عَلَى الْأُمَمِينَ آيَ الْمُؤَجُّودِينَ مِنْهُمْ وَالْأُمَمِينَ مِنْهُمْ بَعْدَهُمْ لَمَّا لَمْ
 يَلْحَقُوا بِهِمْ ۝ فِي السَّابِقَةِ وَالْفُضْلِ وَهُمْ التَّابِعُونَ وَالْإِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِي بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ
 الْمُبْتَدِئِينَ فِيهِمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بَعَثَ إِلَيْهِمْ وَأَسْتَوْابِهِ مِنْ جَمِيعِ الْإِنْسِ
 وَالْجِنِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ مِمَّنْ يَلِيهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فِي مَلِكِهِ وَصُنْعِهِ ذَلِكَ
 فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۝ النَّبِيُّ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ حَبَلُوا
 أَمْوَالَهُمْ كَبْفًا عَلَى أَنْ لَا يُعْمَلُوا بِهَا فَإِنَّهَا مِنْ تَحْتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ
 كَسَلٌ الْجَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۝ آيٌ كُتِبَ فِي عَدَمِ انْتِفَاعِهِ بِهَا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ
 اللَّهِ الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٍ وَالْمَحْضُورِ بِالْذَّمِّ مَحْدُوفٌ تَقْدِيرُهُ هَذَا الْمَثَلُ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الْكَافِرِينَ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ

يَلَهُ مِنْ دُونَ النَّاسِ فَتَمَتُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ تَعَلَّقَ بِتَمَتُّهِ الشَّرْطَانَ عَلَى أَنْ الْأَوَّلُ قَبْلَهُ
 فِي الثَّانِي أَيْ أَنْ صَدَقْتُمْ فِي رَعِيَّتِكُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ وَالْوَلِيُّ يُؤْتِي الْأَجْرَةَ وَتَبَدُّرُهَا الْمَوْتُ فَتَمَتُّوهُ وَلَا
 يَتَمَتُّونَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَهُمْ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَيْدِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ
 بِالظَّالِمِينَ ۝ بِالْكَافِرِينَ قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تَرُدُّونَ

ع ۱۱ اِلَىٰ عَلَيْهِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ

ترجمہ: آسمان وزمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے۔ اور باکثرت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے) جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے (تمام نامناسب باتوں سے) زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے۔ امی اسے کہتے ہیں جو نہ کچھ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے) انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھلاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان ثقیلہ تھا جس کو مختلف کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانہم) پہلے سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف اسمین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آئندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آنے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہلے کرنے میں اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی تابعین، ان پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضور تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں، جن کی طرف آنحضرت کا تشریف لانا ہوا اور وہ انس و جن میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے۔ کیونکہ ہر پہلا قرن بچھے قرن سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا (اپنی سلطنت و صنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرت اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا۔ حضور کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ نفع نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے آنحضرت کی تصدیق ہوتی تھی۔ مخصوص بالہدست محذوف ہے۔ یعنی ہذا اللہ اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ کہہ دیجئے کہ اے یہود! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلا شرکت فیہ تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلے شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: إِنْ صَدَقْتُمْ فِي رَعِيَّتِكُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ اور وہی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے جس کا مبداء موت ہے۔ لہذا تم موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ) اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کرے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کیے ہیں (حضور کے ساتھ کفر کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم

مقبولین شرح جلالین جلد ۲۵۷
 الجزء ۲۸ - الجمعة ۲۲
 ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان عالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجئے جس نبوت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (نازائد ہے) آپ کے گی، پھر تم پیش کیے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سروعلانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تم کو ہدایت کے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: مَنْ لَا يَكْتُمُ: اکثر عرب ان پڑھ تھے۔ آپ ﷺ ان کی طرح ہی تھے۔
 قولہ: يَسْأَلُوا: امی ہونے کے باوجود وہ آیات ان کو پڑھ کر سنا تے ہیں۔
 قولہ: وَالْآيِينَ: آپ کی دعوت تمام کے لیے عام تھی۔
 قولہ: حُتِلُوا التَّوْرَةَ: اس کو سیکھا۔
 قولہ: يَحْتَلُّ أَسْفَارًا: يَحْتَلُّ حال ہے اور اس کا عامل مثل کا معنی ہے۔
 قولہ: مِثْلُ الْقَوْمِ: یعنی تکذیب کرنے والوں کا حال۔ پس الَّذِينَ مخصوص مضاف مقدر کے ساتھ ہے۔
 قولہ: وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ: مگر صاحب مدارک اور قاضی نے اس کو جزا قرار دیا ہے۔ قدر۔

تفسیر مقبولین

”گزشتہ سورت میں خاص طور پر حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان کیا گیا تھا آنے والے پیغمبر آفران محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و نبوت کی بشارت سنانا تھا اور بنی اسرائیل کو اس بات پر مامور کرنا تھا کہ جب وہ نبی آفران مان ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر وہ لوگ ایمان لائیں تو اب اس سورت میں اللہ کی پاکی اور حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر فرمایا
فَوَالَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

امیین، امی کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت خواندگان درج نہیں تھا بہت آدمی لکھے پڑھے ہوتے تھے، اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر ان کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی انہی میں سے ہے یعنی امی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا نیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی امی اور جو فرانس اس رسول کے سپرد کئے گئے جن کا ذکر آگلی آیت میں آیا ہے وہ سب علمی تعلیمی اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی امی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ امی قوم ان کو سیکھنے کے قابل ہے۔
 یہ صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کا منہ سے رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے جب تعلیم و اصلاح کا

کام شروع فرمایا تو انہی امین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنالو ہا منوالیا۔

بعثت نبوی کے تین مقصد:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۗ اِس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے تین وصف نمائے الہیہ کے ضمن میں بتلائے گئے ہیں ایک تلاوت آیات قرآن یعنی قرآن پڑھ کر امت کو سنانا، دوسرے ان کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے تعلیم کتاب و حکمت۔

یہ تینوں چیزیں امت کے لئے حق تعالیٰ کے انعامات میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بھی۔
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ تلاوت کے اصل معنی اتباع و پیروی کے ہیں، اصطلاح میں یہ لفظ کلام اللہ کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور آیات سے آیات قرآن کریم مراد ہیں، لفظ ہم سے یہ بتلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک منصب اور مقصد بعثت یہ ہے کہ آیات قرآن لوگوں کو پڑھ کر سنادیں۔

آیت مذکورہ میں بعثت نبوی کا دوسرا مقصد يُزَكِّيهِمْ بتلایا ہے، یہ تزکیہ سے مشتق ہے، جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں، بیشتر مغوی اور باطنی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے، یعنی کفر و شرک اور برے اخلاق و عادات سے پاک ہونا اور کبھی مطلقاً ظاہری اور باطنی پاکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں بظاہر یہی عام معنی مراد ہیں۔

تیسرا مقصد يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں، اسی لئے بہت سے حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔

ایک سوال و جواب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ تلاوت کے بعد تعلیم کا ذکر کیا جاتا اس کے بعد تزکیہ کا، کیونکہ ان تینوں وظائف کی ترتیب طبعی یہی ہے کہ پہلے تلاوت یعنی تعلیم الفاظ پھر تعلیم معانی اور ان دونوں کے نتیجے میں اعمال و اخلاق کی درستی جو تزکیہ کا مفہوم ہے، مگر قرآن کریم میں یہ آیت کئی جگہ آئی ہے، اکثر جگہوں میں ترتیب بدل کر تلاوت اور تعلیم کے درمیان تزکیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

روح المعانی میں اس کی یہ کیفیت بتلائی ہے کہ اگر ترتیب طبعی کے مطابق رکھا جاتا تو یہ تینوں چیزیں مل کر ایک ہی چیز ہوتی جیسے مجالبات کے نسخوں میں کئی دوائیں ل کر مجموعاً ایک ہی دو کہلاتی ہے اور یہاں اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل نعمت خداوندی ہیں اور تینوں کو الگ الگ فرائض رسالت قرار دیا گیا ہے، اس ترتیب کے بدلنے سے اس طرف اشارہ دے سکتا ہے۔

وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَأَيِّلِحَقُّوا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اہل عجم کی اسلام کی خدمتیں:

جب حد و عرب سے نکل کر آپ کا لایا ہوا پیغام توحید شرفا غر با عجم میں پھیل گیا تو عجمیوں نے قرآن کو لیا حفظ کیا قراءت میں اور دانتیں مخلوط کیں، طرق ادا کیے، معانی سمجھے، قرآن کی تفسیریں لکھیں اور احکام قرآن پر کتابیں تالیف کیں، قرآن کے مواظبات میں پھیلا یا حتی کہ کثیر تعداد میں علماء و صلحاء وجود میں آئے اہل عرب کے بعد اہل عجم کا خدمات اسلام میں بہت بڑا حصہ ہے اسی کو فرمایا: **وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَأْتِيَهُمْ لَنَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ** (اور ان امینین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ان ہی کو رسوا بنا کر بھیجا جاوے گا) یعنی ان تک اسلام نہیں پہنچایا انہوں نے ابھی قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے اس وقت سورۃ الحمد نازل ہوئی جس میں **وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَأْتِيَهُمْ لَنَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ** فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا اس وقت وہاں مسلمان فارسی موجود تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان پر ہاتھ رکھ دیا (اور اس طرح بتا دیا کہ وہ لوگ ان میں سے ہوں گے) پھر فرمایا اگر تریا (ستاروں) کے نزدیک بھی ایمان ہو تو ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو وہاں سے لے لیں گے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۷: جلد ۲)

حضرت سمان فارس کے رہنے والے تھے حضور اقدس ﷺ نے اہل فارس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان تریا کے پاس بھی ہوگا تو یہ لوگ وہاں سے لے لیں گے یہ بطور مثال ہے ان کے علاوہ جو غیر عرب ہیں انہوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی۔ جب اہل فارس نے ایمان اور قرآن کو چھوڑ دیا اور شیعیت اختیار کر لی اس وقت سے دوسری اقوام نے الحمد للہ تعالیٰ اسلام کو خوب بڑھایا اور طرح طرح سے اس کی خوب خدمات انجام دیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْبَةَ

کتابوں کا بوجھ لا داکدھا اور بے عمل عالم:

ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی کتابوں کا بوجھ لا دوا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیلی و تحریف کرتے رہتے ہیں، پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ (ترجمہ) یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے ہنگم ہوئے، یہ نالوگ ہیں۔ یہاں فرمایا اللہ کیا آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے، ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں ہت کرے، وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔ پھر فرماتا ہے اے یہود! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب ناحق یہ ہیں تو آؤ اور دعائے انکو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے،

پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر، فحور، ظلم، نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آ، دگی نہیں کریں گے، ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت قل ان کانت ایشیاء تفسیر میں یہودیوں کے اس مہاٹے کا پورا ذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر گروہ گمراہ ہوں تو ان پر تو یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں موت کی بددعا کریں، جیسے کہ نصرانیوں کے مہاٹے کا ذکر سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر آیت فمن حاجک عن الحج، مشرکین سے بھی مہاٹے کا اعلان کیا گیا ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ مریم: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَبْتَذِلْهُ الرِّجْسَ مِنْهَا (مریم: ۷۵) یعنی اے نبی ﷺ ان سے کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہو رخصت اسے اور بڑھا دے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابو جہل لعنت اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے رکینے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مہاٹے کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و مال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری، ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے، پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ نہیں سکتا، جیسے سورۃ نساء میں ہے (ترجمہ) یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پائیے گی گو مضبوط محلوں میں ہو، محکم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے، بھاگے، بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر دو پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بَعْضِ الْمَجْمَعِ فَأَسْعَوْا فَاْمضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ
 أَي الصَّلَاةِ وَذَرُوا الْبَيْعَ أَي اتْرُكُوا عَقْدَهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَنَّهُ خَيْرٌ فَاْمضُوا
 فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ آمُرُ بِابْحَاةٍ وَابْتِعُوا أَي أَطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ
 اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ تَقْرَأُونَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ
 الْجُمُعَةِ فَقَدِمَتْ عَيْزٌ وَضُرِبَ الْقُدُومُهَا الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرِ انْتِزَاعِ
 عَشْرَ رَجُلًا فَتَزَلَّ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُوا إِلَيْهَا أَي التِّجَارَةَ لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ دُونَ اللَّهْوِ وَ
 تَرَكُوا فِي الْخُطْبَةِ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنْ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ
 تِجَارَةِ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يُرْزَقُ عَائِلَتَهُ أَي مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَى

مقبولین شرح جلالین جلد ۱۱ ص ۲۶۱

ترجمہ: اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من یعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑا (لگ جایا) کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کہ کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو)۔ آنحضرت ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا اور سب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پڑے، بجز بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں (یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو و لہب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے۔ ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: إِذَا نُودِيَ: اذان دی جائے۔
 قولہ: الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ: قافلہ اور جنگ کے لیے طبل بجائے۔
 قولہ: لَهَوًا: طبل۔
 قولہ: لِأَنَّهُمَا مَطْلُوبُهُمْ: افراد تجارت تو کناہ کی؟؟ ہیں۔
 قولہ: يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ: حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے، دوسرے انسان وغیرہ لغوی حد تک رازقین میں شامل کیے گئے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ

جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟

جمعہ کا غلط جمع سے مشتق ہے، وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں اللہ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے چھٹا دن جمعہ کا ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے، اسی دن میں قیامت قائم

ہوگی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عمارت فرماتا ہے، جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان سے پوچھا جانتے ہو جو صبح کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم و حوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔ اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فاللہ اعلم، پہلے اسے یوم العروہ کہا جاتا تھا، پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا، لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی، یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی، نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا، جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی، پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصرانی پرسوں، مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا، یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے، سنی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کر دکام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے: ومن اراد الاخرة فوسعی لها سعیا یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے، یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو، دوڑ نہیں، جو پاؤ پڑھ لو، جو فوت ہو ادا کر لو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور زور سے سنی، فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جدی جلدی نماز میں شامل ہوئے فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو، حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لئے آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع و خضوع ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو، جیسے اور جگہ ہے فلما بلغ معد السعی حضرت ذبیح اللہ جب ظیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے، بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے، اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے، سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سننے لگے کام نہ کرے تو اسے ہر ایک قدم کے بدلے سال بھر کے رزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے، بخاری مسلم میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ

میں تہران کیا دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے، تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ
 اللہ میں تہدیق کرنے والے کی طرح ہے، پانچویں ساعت میں جانے والا نذرا راہ اللہ دینے والے جیسا ہے، پھر جب امام
 آئے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں، مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو
 لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے، ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی
 مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے، مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور
 اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کے ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے
 نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر
 دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں
 نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس
 کے علاوہ دیکھنے پر خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی
 چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کر لو۔ جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان
 ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے منبر
 پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی، اس سے پہلے کی اذان حضور ﷺ کے زمانے
 میں تھی اسے امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے
 نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر
 خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا، حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ
 مکان پر کھلوائی زیادہ کی اس مکان کا نام زور تھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔ حضرت کھول سے ابن ابی حاتم
 میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی، جب نماز کھڑی ہونے لگے، اسی
 اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع
 ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں، غلاموں اور بچوں کو نہیں، مسافر مریض اور تیماردار در ایسے ہی اور
 غداراے بھی معذور گئے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروغ میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے
 لئے محل پر تجارت کو ترک کر دو، جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے عشاء کرام کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام
 ہے اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ
 لکھو گے گا واللہ اعلم، پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دینی کی بہتری کا
 باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا،
 تمہارے لئے حلال ہے۔ عراق بن مالک جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ
 لہاڑتے (ترجمہ) یعنی اسے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضر کر دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق

اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرماتو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم) اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ آخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں (ترجمہ) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے یک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیئے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا رہے۔

جمعہ کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آیا اس کا نام پہلے اور جو بعض میں آیا اس کا نام بعد میں لوگوں کی آمد کے اعتبار سے نام لکھتے رہتے ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص دو پہر کا وقت شروع ہوتے ہی جمعہ کے لئے روانہ ہو گیا اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ گویا اس نے بدنہ یعنی اونٹ کی ہڈی پیش کی پھر جو اس کے بعد آیا اس کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے گائے کی ہڈی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے مینڈھا ہڈی میں پیش کیا اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے جیسا کہ اس نے مرغی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا کہ اس نے انڈا پیش کیا، پھر جب امام (اپنے حجرہ سے کمرہ آنے کے لئے) نکلتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(رواہ بخاری صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، مسلم صفحہ ۲۸۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ میں حاضر ہوا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور مزید تین دن کی مغفرت ہوگی (کیونکہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا زیادہ دیا جاتا ہے) پھر فرمایا کہ جس نے کنکریوں کو چھولیا اس نے لغو کام کیا (کیونکہ جو شخص خطبہ کی طرف سے غافل ہو گا وہ ہی کنکریوں سے کھیلے گا یا ناکا طرح کا اور کوئی لغو کام کرے گا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۳: ۱۷۵)

اس حدیث میں اچھی طرح وضو کر کے آنے کا حکم ہے اور بعض روایات میں غسل کرنے، تیل یا خوشبو لگانے، اور پیدل چل کے جانے اور مسواک کرنے اور اچھے کپڑے پہننے اور امام کے قریب ہو کر خطبہ سننے کی بھی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

(مشکوٰۃ العالی)

جو شخص خطبہ کے درمیان بات کرنے لگے اس کو یوں کہنا کہ خاموش ہو جا یہ بھی ممنوع ہے (کیونکہ اس میں دھیان سے خطبہ سننے میں فرق آتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے بات کرنے والے سے یوں کہہ دیا کہ چپ ہو جا نے لغو کام کیا۔ (رواہ بخاری صفحہ ۱۲۷: ۱۷۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب دلوں سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے (ان کا وہاں سے نکالا جانا دنیا میں ان کی نسل بڑھنے کا اور ان میں سے انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین اور عام مومنین کے وجود میں آنے کا سبب بنا۔ جنہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوا) اور فرمایا کہ قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۸۲: ۱۷۵)

ترک جمعہ پر وعید:

فانذلق: مریض اور مسافر اور عورت اور غلام پر جمعہ کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ بالغ مرد جسے کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جو نماز کو جانے سے مانع ہو اس پر خوب ہمت کر کے کاروبار چھوڑ کر اور آداب کا خیال کر کے حاضر ہونا لازم ہے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے رک جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ لوگ غفلتوں میں سے ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۲۸۲: ۱۷۵)

حضرت ابو جعد صمریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں میں نے ان کے بارے میں پکا ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر پیچھے سے جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ کی نماز کی حاضری سے رہ جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۲۱)

ساعت اجابت:

فانذلق: جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعاء ضرور قبول ہوتی ہے بعض روایات میں ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان دعاء قبول ہونے کا وقت ہے۔ (رواہ مسلم ص ۲۸۱)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جمعہ کے دن جس گھڑی میں دعا قول ہوتی ہے اس گھڑی کو عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔ (رواہ الترمذی ص ۱۱۱: ۱۷۵)

سورہ کہف پڑھنے کی فضیلت:

فانذلق: جمعہ کے دن سورہ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ تین آیات پڑھ لیا کرے وہ دجال کے قتل سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ الترمذی ص ۱۱۶: ۱۷۵) بعض روایات میں جمعہ کے دن سورہ کہف کی آخری آیات پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھ لی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہے گا یعنی جمعہ کے دن اس سورہ کے پڑھنے کی وجہ سے اس کی قبر میں یا قلب میں ایک ہفتہ کے بقدر روشنی رہے گی۔ (رواہ الترمذی فی دعوات الکبیر)

فانذلق: جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھنے کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ (رواہ الدارمی ص ۳۲۶)

جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت:

فائدہ: جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے یوں تو درود شریف پڑھنے کا ہمیشہ ہی بہت زیادہ ثواب ہے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر آپ ﷺ نے درود پڑھنے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۰)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ

نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے اباحت اور اجازت کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ جب نماز ختم ہوگئی تو مسجد کی حاضری والا کام ختم ہو گیا اب اپنے دنیاوی مشاغل میں لگ سکتے ہو مسجد سے فارغ ہو کر بازار میں جاؤ۔ اللہ کا رزق حاصل کرو۔ جمعہ کی حاضری کے لیے جو کاروبار چھوڑ کر آئے تھے چاہو تو اس میں لگ جاؤ چونکہ یہ امر اباحت کے لیے ہے اس لئے اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر عصر تک یا مغرب تک مسجد میں رہ جائے اعتکاف، تلاوت ذکر، ساعت اجابت کی تلاش میں وقت گزارے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔

خرید و فروخت کی اجازت دینے کے بعد: وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ بھی فرمایا اور یہ بتا دیا کہ خرید و فروخت کی مشغولیت یا دوسرے کام اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، مومن کو ہر حال میں اللہ کے ذکر میں لگا رہنا چاہئے جو حاصل زندگی ہے، نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے جیسا کہ سورۃ طہ میں فرمایا ہے۔ وَاتَّقِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (کہ نماز کو میرے ذکر کے لئے قائم کرو) سورۃ العنکبوت میں فرمایا: وَادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، وَسَبِّحُوا بُكْرَةً وَأَصِيلًا (اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب زیادہ اور صبح و شام اس کی تسبیح میں مشغول رہو) پھر فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ (تا کہ تم کا سیاب ہو جاؤ) اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے اس سے قلب کو راحت ہوتی ہے اطمینان حاصل ہوتا ہے چونکہ بازار میں بیچ بھار ہوتی ہے خرید و فروخت کی آوازیں لگتی ہیں۔ غفلت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس لئے طلب رزق کے ساتھ کثرت ذکر کا بھی حکم فرمایا۔ ذیل میں لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے:

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو حي لا يموت بيده الخيرو هو على كل شىء قدير (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمہارے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز کا قادر ہے)۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرما دیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرما دیں گے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلوں کی طرف متوجہ ہو نیوالوں کو تنبیہ:

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے۔ اچانک (مدینہ منورہ) میں ایک اونٹوں کا قافلہ آگیا جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا (جب حاضرین کے کانوں میں اس کی جھنک پڑی تو) اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور بازار کی طرف چل دیئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ آدمی رہ گئے اس پر آیت کریمہ **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً** نازل ہو گئی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۸، جلد ۱ صفحہ ۷۲۷: جلد ۲) صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم صفحہ ۲۸۴ میں اس روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے کو نماز پڑھنے سے تعبیر کر دیا۔

(قال النووی فی شرح مسلم والرواد بالصلوة (فی روایة البخاری) انقار حال مال الخطبة کما وقع فی روایات مسلم صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ جو بارہ افراد رہ گئے تھے ان میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ بھی تھے مراسل ابوداؤد صفحہ ۷ میں متعل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عیدین کی طرح جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر خطبہ میں مشغول تھے کہ ایک شخص اندر مسجد میں آیا اور اس نے کہا کہ وحیہ بن خلیفہ اپنی تجارت کا سامان لے کر پہنچ گیا ہے (اس وقت وحیہ مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ جب وہ باہر سے تجارت کا سامان لے کر آتے تھے تو ان کے گھروا لے دے، بجا کر استقبال کیا کرتے تھے جو لوگ خطبہ سن رہے تھے وہ یہ سمجھ کر کہ خطبہ چھوڑ کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مسجد سے باہر نکل گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا** نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد سے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا اور نماز سے خطبہ پہلے پڑھا جانے لگا۔

مراسل ابوداؤد کی روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ اس موقع پر مسجد سے نکل گئے تھے انہوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ لازماً وہی گئی ہے خطبہ نماز کا جزء نہیں ہے اور نصیحت کی باتیں رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہی رہتے ہیں، اس لیے خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی یہ اجتہادی غلطی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ تجارت کو دیکھتے ہیں یا کسی لہو کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چل دیتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ لہو سے طبل مراد ہے (جسے مراسل ابوداؤد میں دف بتایا ہے) معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنے لوگ مسجد میں رہ گئے؟ عرض کیا بارہ مرد اور ایک عورت باقی رہ گئے آپ نے فرمایا اگر یہ لہو بانی نہ رہتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسا دیتے جاتے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سب یکے بعد دیگرے چلے جاتے اور کوئی بھی مسجد میں نہ رہتا تو یہ وادی آگ بن کر بہ پڑتی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۱۵، ۱۶: ج ۱)

بات یہ ہے کہ وہ زمانہ خوراک کی کمی کا بھی تھا اور بھاؤ کے مہنگے ہونے کا بھی دجیہ بن خلیفہ تجارت کا سامان لے کر آئے جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھی تھیں۔ اس ڈر سے کہ ممکن ہے اور لوگ خرید لیں اور ہم کو کچھ بھی نہ ملے حاضرین سجدے سے اس طرف چلے گئے۔

ایک تو چیزوں کی نایابی کا زمانہ تھا دوسرے انہوں نے یہ سمجھا کہ نماز کے بعد خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مال خریدنے میں یہودی اور منافق بھی ہیں اس لیے ہمیں بھی مال جلدی خرید لینا چاہئے۔ اس خیال نے خطبہ چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ کر دیا۔

اگر معاملہ کی ساری صورت حال سامنے رکھی جائے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابہؓ نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن غلطی، غلطی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمبیہ فرمادی: قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِو وَمِنَ التِّجَارَةِ (آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے لہو سے اور تجارت سے) اس میں یہ بتا دیا کہ نماز میں اور خطبہ کی مشغولیت میں بڑی برکات ہیں۔ ان چیزوں میں مشغول ہوتے ہوئے جو اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں خیر ملے گی وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کے لئے اللہ کے ذکر کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے مومن بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے احکام پورے کریں اور اسی سے مانگیں۔

وَاللَّهُ خَيْرٌ مِنَ الزُّقَيْنِ ﴿۱﴾ (اور اللہ تعالیٰ تمام دینے والوں سے بہتر ہے)۔ اسی نے ارزاق و اسباب پیدا فرمائے ہیں اور مقدر بھی فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دینے والا نہیں ہے جو کچھ ملتا ہے اس کی مشیت سے ملتا ہے جو کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے دل میں ڈال جاتا ہے۔

ناکہ 1: جمعہ کا خطبہ اداء صلاۃ کے یہ شرط ہے خطبہ پڑھے بغیر دو رکعتیں پڑھ لیں تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

ناکہ 2: نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ اذا جاءك المنفقون پڑھنا مسنون ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۷: ۱۵) اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں اور صلوٰۃ جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ پڑھتے تھے اگر کسی دن ایسا ہو گیا کہ عید بھی ہے اور جمعہ بھی تو دونوں نمازوں میں هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸: ۱۵)

سورة المنفقين

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المنفقين ۲۱ - منقولات ۱۰۴

سورہ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور درج

تفسیر

إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا بِالسِّنِّتِهِمْ عَلَىٰ جِلَافٍ مَا نَفَىٰ قُلُوبِهِمْ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿١﴾ فِيمَا أَضْمَرُوا مَخَالِفًا لِمَا قَالُوا

وَإِذَا تَوَلَّوْا أَبَانَ لَهُمْ جُنَّةٌ سُرَّةً عَنْ أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدَّوْا بِهَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيُّ عَنِ الْجِهَادِ فِيهِمْ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾ ذَلِكَ أَيُّ سُوءِ عَمَلِهِمْ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوا بِالْقُلُوبِ أَيُّ اسْتَمَرُّوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ بِهِ فَطَبَعَ خُنْمٌ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾

الْإِيمَانَ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ لِحِمَالِهَا وَإِنْ يَقُولُوا تَسْبِخْ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهِ كَانَهُمْ مِنْ عَظْمِ أَجْسَامِهِمْ فِي تَرْكِ التَّفَهُمِ حُشْبٌ بِسُكُونِ الشَّيْنِ وَضَمِّهَا مُسْتَدَّةٌ مَمَالَةٌ إِلَى الْجِدَارِ يُحْسِبُونَ كُلَّ صِيْحَةٍ تُصَاحُ كِنْدَايَ فِي الْعُسْكَرِ وَأَنْشَادِ ضَايَةٍ عَلَيْهِمْ لِمَا نَفَىٰ قُلُوبِهِمْ مِنَ الرُّغْبِ أَنْ يَتْرَلَ فِيهِمْ مَا يَبِيحُ دِمَاءَهُمْ هُمُ الْعُدَاؤُ فَاحْذَرَهُمْ فَإِنَّهُمْ يُفْشِرُونَ سِرَّكَ لِلْكَفَّارِ فَتَلَهُمُ اللَّهُ أَهْلَكَهُمْ أَنْ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾ كَيْفَ يَضْرِبُونَ عَنِ الْإِيمَانِ بَعْدَ نَيْامِ الْبُرْهَانِ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُتَّعِدِينَ يَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ عَطْفًا رَوَّوْهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ يُعْرِضُونَ عَنْ ذَلِكَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لِأَصْحَابِهِمْ مِنَ الْأَنْصَارِ لَا تَنْفِقُوا عَلَيَّ مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ

مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حَتَّى يَنْقَضُوا وَيَنْفَرُوا عَنْهُ وَ لِلّٰهِ حَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ بِأَلْتَرْزُقِ فَهَوَ الرَّازِقُ
 لِلْمُهَاجِرِينَ وَ غَيْرُهُمْ وَ لَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَىٰ مِنْ غَزْوَةِ بَنِي
 الْمُضَلَّتِّ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَدَّ عَنْوَإِهِ أَنْفُسَهُمْ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۝ عَنوَإِهِ الْمُؤْمِنِينَ وَ لِلّٰهِ
 الْعِزَّةُ الْغَلْبَةُ وَ لِرَسُولِهِ وَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ لَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ذَلِك

ترجمہ: یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو (دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے (مال و جان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ (جہاد) سے رد کتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ (ان کی بد عملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جمے رہے) سوال کے دلوں پر (ان کے کفر کی وجہ سے) مہر کر دی گئی اس لئے یہ (ایمان کو) نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قدم و قامت (خوب صورتی میں) آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو (نصاحت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ذیل ڈول کے باوجود نا سمجھ ہونے میں) لکڑیاں ہیں (شین کے سکون و ضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لنگر میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز یہی اگلتے ہیں) اللہ انہیں غارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کر رہے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھیر لیتے ہیں (تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں۔ تکبر کرتے ہوئے۔ ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس (مہاجرین) ہیں۔ ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر (ترتر) ہو جائیں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب آسمانوں اور زمین کے خزانے (رزق کے لہذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رسا ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوہ بنی مصطلق سے) مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو نکال باہر کرنے کا عزت والا (مرد خود ہی) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غلبہ) اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔

کلمات تفسیر کی توضیح و شرح

- قوله: **عَنِ الْجِهَادِ فِيهِمْ**: کہ مؤمن منافقین کے ساتھ قتال سے جہاد کریں۔
 قوله: **كَانَهُمْ**: قولہم کی ضمیر مجرور سے حال ہے۔ تم ان کی باتیں سنو ان کا حال خشک لکڑی جیسا ہے۔
 قوله: **مُسْتَدَّةٌ**: بیکار لکڑی جو دیوار سے سہارا لگائی گئی ہو۔
 قوله: **عَلَيْهِمْ**: محسبون کا دوسرا مفعول ہے۔
 قوله: **بِغْيُونٍ**: کفار کے شرک میں معاونت کرتے ہیں۔
 قوله: **فَاتَّكَمُ اللَّهُ**: یہ بددعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مسلمانوں کو کہنے کی تعلیم دی۔
 قوله: **عَطْفُوا**: اعراض و تکبر کی وجہ سے۔
 قوله: **مُسْتَكْبِرُونَ**: یہ عذر کرنے سے تکبر کرنے والے ہیں۔
 قوله: **بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ**: ان کے تنگ دست لوگ۔
 قوله: **حَتَّى يَنْفَضُوا**: یہ عبد اللہ بن ابی نے اپنے گروہ کو کہا کہ ان پر خرچ مت کر دیا تک کہ بھاگ جائیں۔

تفسیر مقبولین

یہ سورت بھی دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی احکام اور شریعت کے اہم فیصلوں پر مشتمل ہے، سورت کے مضامین خفا کی گندگی اور منافقین کی بدترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل ہیں ابتداء میں منافقین کی اخلاقی برائیاں ذکر فرمائی گئیں اور یہ کہ دھوکہ فریب اور جھوٹ ان کی زندگی کا حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ذلیل کردار کی مثال دینا میں نہیں مل سکتی ان کے بیہودہ اقوال اور لغو عقائد و خیالات کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ کہ آخرت میں ان منافقوں کے واسطے نہایت شدید عذاب اور دنیا میں ذلت و رسوائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

سورت کے آخر میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ دنیا کی زیب و زینت میں مشغول ہو کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ بنیں اگر ایسا ہوا تو یہ بہت بڑی بد نصیبی ہوگی اس پر سورت ختم فرمائی گئی۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ.....

منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کا بیان:

یہاں سے سورۃ المنافقون شروع ہو رہی ہے۔ اس میں منافقین کی بے ایمانی اور بات کر کے مکر جانے اور جھوٹی قسم کھانا کا تذکرہ ہے۔ منافقین جو اوپر اوپر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے یہ لوگ نمازوں میں بھی برے

دل سے شریک ہو جاتے تھے نیز جہاد کے مواقع میں بھی حاضر ہوتے تھے اور اپنی حرکتیں جاری رکھتے تھے، شرارتوں سے اور ناگوار باتوں سے باز نہیں آتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے گئے (شرح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا واقعہ ہے اور سنن نسائی میں اس کی تصریح ہے) منافقین بھی حسب عادت ساتھ لگ گئے تھے وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھپ مار دیا۔ اس پر انصاری نے مدد کے لئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا رسول اللہ ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا یہ کیا جاہلیت کی دہائی ہے (کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی گروہ بندی کی عصبیت کام کرنے لگی)۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاری کو ایک دھپ مار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جاہلیت کی دہائی کو چھوڑو۔ یہ بدبودار چیز ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی مہاجرین اور انصار کے جھگڑنے والی بات سن لی اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے کہ مہاجرین انصار کو مارنے لگے۔ یہ لوگ جو باہر سے آئے ہیں ہم نے انہیں کھلا یا پلایا تو یہ اتنے چڑھ گئے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ جس کا کھانے اس پر غرائے۔ اب ان لوگوں پر خرچ نہ کرتا کہ خود ہی منتشر ہو جائیں کھانے کو نہیں ملے گا تو خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے اور اس نے یہ بھی کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے (عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا کیونکہ انصاری پہلے سے مدینہ میں رہتے تھے اور ذلت والا مہاجرین کو کہا جو مکہ مکرمہ سے آ کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے)۔

یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقم و حضرت جابرؓ دونوں سے مروی ہے جو کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۲۱۲۸ پر مذکور ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن ابی منافق کی بات نقل کر دی، جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو عبداللہ زوردار قسم کھا گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، عبداللہ کے دوسرے ساتھی تھے انہوں نے بھی جھوٹی قسم کھالی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمادی اس پر مجھے اتنی ندمت ہوئی اور طبیعت پر بوجھ ہوا اور رنج کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اذاح آء ک المفسقون سے لُجْر جَحْنِ اللّٰعْرِ مِنْهَا لَآ ذٰلْکَ تَکْ آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمادی، حضرت عمرؓ ایسے مواقع پر اپنے جذبات پر قابو پانے والے کہاں تھے جو بات انہوں نے حاطب بن ابی بلتہ کے بارے میں کہی تھی وہ ہی بات یہاں بھی عرض کر دی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن مار دوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑو اگر ایسا کرو گے تو لوگ یوں کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

رئیس المنافقین کے بیٹے کا ایمان وال طرز عمل:

سنن الترمذی میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت مذکور ہے اس میں یہ ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کا قصہ ہے علماء کرام نے اس دور کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی یہ بات اس کے بیٹے نے سنی کہ عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا تو اس نے باپ سے کہا کہ

مدینہ میں واپس نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں چنانچہ جب اس نے یہ اقرار کر لیا تو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی یاد رہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ تھا جو مسلمان تھے۔ اب آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھئے اور بات سمجھتے جائیے۔ (الدر السور)

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنی گواہی اور اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ یہ بات تو سچ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن ان کا اس انداز سے گواہی دینا اور قسم کھانا کہ وہ آپ کو دل سے اللہ کا رسول مانتے ہیں اس میں وہ جھوٹے ہیں، آدمی اس لئے قسم کھاتا ہے کہ وہ سننے والوں کو یہ بتائے کہ میرا ظاہر و باطن ایک ہے اور جو کہہ رہا ہوں وہ ہی دل میں ہے چونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے ان کی اس قسم ادھر کی کو اور اپنے اس دعوے کو کہ ہم دل کی گہرائی سے آپ کے رسول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں جھوٹا قرار دیدیا درمیان میں یہ بھی فرمادیا۔ وَ اذِيقُمْ اَنْتُمْ لِرَسُوْلِكُمْ (اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) آپ کی رسالت کے لئے ان کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جھوٹا ہی قسمیں زیادہ کھایا کرتا ہے سچے آدمی تو بہت کم کبھی قسم کھالتے ہیں جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے وہ ہی اپنی زبان اور دل کی موافقت ثابت کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں۔

وَ اذِيقُمْ اَنْتُمْ لِرَسُوْلِكُمْ تَعَالَوْا يَسْتَخْفِرْ لَكُمْ

منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب:

ملوں منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہانے لگتے ہیں وراعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں اور اس بات کو حقارت کے ساتھ رد کر دیتے ہیں، اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں نبی کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا، بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایات کہاں؟ سورۃ براءہ میں بھی ان مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب و تکبر کے ساتھ ترجمی آنکھ سے گھور کر دکھایا تھا اسی کا ذکر ال آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبد اللہ بن ابی بن سلول کا ہے جیسے کہ تقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا جب نماز جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا کرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت و تکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا، احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور ﷺ کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے

فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع لائبر تشریف لائے جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہا جاتا تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن اللہ بیٹھ جاتا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بک دے، یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بدیات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آگئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بڑی بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں، حضرت قتادہ اور حضرت سدی فرماتے ہیں یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تھیں حضور ﷺ نے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا، انصاریوں نے صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا سمجھا اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کر تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلادیا اور نہ گیا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نمر نہ پڑھ لیں، غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ عبد اللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا اسے کہا گیا کہ حضور ﷺ کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر اس کا بیان اس آیت میں ہے، اس کی اسناد سعید بن جبیر تک صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تو اس غزوہ میں تھے ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تولوٹ گیا تھا، کتب سیرہ منغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مرسیع یعنی غزوہ بنو المصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت عمر بن حبیب بن حبان اور حضرت عبد اللہ بن ابوبکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقع پر حضور ﷺ کا ایک جگہ قیام تھا، وہاں حضرت جمحہ بن سعید غفاری اور حضرت سان بن یزید کا پانی کے ازدہام پر کچھ جھگڑا ہو گیا جمحہ بن حضرت عمر کے کارندے تھے، جھگڑے نے طول پکڑا سان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جمحہ نے مہاجرین کو اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصاری کی ایک جماعت عبد اللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا لو ہمارے ہی شہر میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ پنے کتے کو منا تازہ کرنا کہ تجھے ہی کانے اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بے مقدوروں کو وہاں سے نکال دیں گے پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت نم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا تم نے انہیں اپنے مال آدھوں آدھ حصہ دیا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کر دو یہ خود جنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے حضرت زید بن ارقم نے یہ تمام باتیں سنیں آپ اس وقت بہت

آمر نے یہ سب سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا اس وقت آپ کے پاس حضرت عمر بن خطابؓ بھی پہنچے تھے غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ عباد بن بشر کو حکم فرمائیے کہ اس کی گردن الگ کر دے حضور ﷺ نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو، عبد اللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تو بہت سٹ پٹایا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت اور حیلے حوالے تادل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا، چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں ذی عزت اور با وقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضور ﷺ شاید اس بچے نے ہی غلطی کی وہ اسے دہم ہو گیا ہوا واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں، حضور ﷺ یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چے راتے میں حضرت اسید بن نصیرؓ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قائل با ادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضور ﷺ آج کیا بات ہے کہ وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں طوم نہیں کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیزان ذلیلوں کو نکال دیں گے حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ ﷺ عزت واے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی ان باتوں کا خیال بھی نہ فرمائیے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے سنئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب اعلمت آپ کو لایا اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے، حضور ﷺ چلتے رہے، دو پہر کو ہی چل دیئے تھے شام ہوئی رات ہوئی صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آگئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تا کہ لوگ اس بات میں پھر نہ الجھ جائیں، چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے ادھر یہ سورت نازل ہوئی (سیرۃ ابن اسحاق) بیہوشی میں ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے ایک مہاجر نے ایک انصار کو پتھر مار دیا اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے اس فضول خراب عادت کو چھوڑو، عبد اللہ بن ابی بن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگے اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم ذی عزت ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے، اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے، حضرت عمر کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضور ﷺ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے روک دیا، مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضور ﷺ کے سامنے بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا کہ حضور ﷺ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا ہے اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری ہم الذین انما یہدوا اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے، مسند احمد میں ہے حضرت زید بن ارقم کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اسے چچا کے ساتھ ایک غزوے میں تھا اور میں نے عبد اللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور سے عرض کیں جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا۔ حضور ﷺ نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا

میرے ہونے کی بجائے برا بھلا کہا مجھے اس قدر غم اور غمناک ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ
 سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ سنائی۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقع پر ہنس
 مہ کوئل پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ آپ نے
 لئے استغفر کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا، قرآن ریم نے انہیں یک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا ہے کہ یہ ان
 جیسے جس جسم والے تھے، ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور ﷺ کے
 ساتھ نکلے، ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں
 رہتے تھے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر بیضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے ارد گرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے پڑ
 پھیا، دیا ایک انصاری نے آکر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا اس نے روکا انصاری نے پلانے پر زور دیا
 نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کاسم بھی تھا سیدھا اس نے
 پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا عبداللہ بہت گزرا اور کہنے لگا ان اعرابوں کو کچھ نہ دو یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے یہ
 اعرابی کھانے کے قوت رسول اللہ ﷺ کے پاس آجاتے تھے اور کھالیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور ﷺ کے
 کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھالیں گے یہ رو جائیں گے یونہی بھوکوں
 مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کینوں کو نکال باہر کریں گے، میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ردیف تو
 اور میں نے یہ سب سنا اپنے چچا سے ذکر کیا چچا نے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ نے اسے بلوایا یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا
 حضور ﷺ نے سے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضور
 ﷺ تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سخت غم و اندوہ
 کی حالت میں سر جھکائے میں حضور ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ آپ میرے پاس آئے، میرا کان
 پکڑا، جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے، اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان
 سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبر میرے پاس آئے
 اور پوچھ کر کہ حضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا؟ فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے، آپ
 نے فرمایا بس پھر خوش ہو، آپ کے بعد ہی حضرت عمر فاروق تشریف لائے ہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے یہی جواب دیا
 صبح کو سورۃ منافقون نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں اس سورت کا منشا الذل تک پڑھنا بھی مروی ہے، عبداللہ بن لبیدہ
 موی بن عقبہ نے بھی اسی حدیث کو مغازی میں بیان کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اس میں
 ارقم ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے، من ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے بھی خبر پہنچائی ہو اور حضرت اوس نے بھی
 اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہوگی ہو واللہ اعلم، ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسہ کا ہے یہ وہ غزوہ
 ہے جس میں حضرت خالد کو بھیج کر حضور ﷺ نے منۃ بت کو تر وایا تھا جو قاشل اور سمندر کے درمیان تھا، اسی غزوہ میں
 حضور ﷺ کے درمیان جنگ لڑی گئی تھا ایک مہاجر تھا دوسرا قبیلہ بنزہ کا تھا اور قبیلہ بنزہ انصاریوں کا حلیف تھا بہزری نے انصاریوں کو

اور ہمارے مہاجرین کو آواز دی کچھ لوگ دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جھگڑا بنے لگا جب ختم ہوا تو منافق اور بیار دل لوگ
 عبد اللہ بن اب کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے
 بیار ہو گئے ہو، نفع کا خیال نہ نقصان کا تم نے ہی ان جلالی کو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں، نے
 ہجرین کو یہ لوگ جلایب کہتے تھے، اس دشمن اللہ نے جواب دیا کہ اب مدینے پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دیس نکالادیں
 عہد مالک بن وحسن جو منافق تھا اس نے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان وکس کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو خود بخود
 منتشر ہو جائیں گے یہ باتیں حضرت عمرؓ نے سن لیں اور خدمت نبوی میں آ کر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبد اللہ بن ابی کا
 نفع پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے آپ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمر نے کہا یا
 رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا، آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ اتنے میں حضرت اسید بن
 غیر بھی یہی کہتے ہوئے آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہیں نے بھی یہی جواب دیا آپ نے انہیں بھی بٹھایا، پھر تھوڑی
 دیر گزری ہوگی کہ کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی لشکر نے کوچ کیا، وہ دن رات دوسری صبح برابر چلتے ہی رہے جب
 دوپ میں تیزی آگئی، اترنے کو فرمایا، پھر دوپہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے تیسرے دن صبح کو قفا
 قل سے مدینہ شریف پہنچ گئے، حضرت عمر کو بلوایا ان سے پوچھا کہ کیا میں اس کے قتل کا تجھے حکم دیتا تو اسے مار ڈالتا؟ حضرت
 عمر نے عرض کیا بھئی نہیں اس کا سرتن سے جدا کر دیتا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسے اس دن قتل کر ڈالتا تو بہت سے لوگوں کے
 ہاں خاک آلودہ ہو جاتے میں اگر انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے پھر لوگوں کو ہاتھ بنانے کا موقع ملتا کہ
 عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی کے ساتھ مار ڈالتا ہے اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے، یہ سیاق بہت غریب ہے
 اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں، سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی منافق کے
 بیٹے حضرت عبد اللہ جو کچے سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی
 کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو کو اس کی ہے اس کے بدلے آپ سے قتل کرنا چاہتے ہیں اگر
 یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپ کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جانتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں، قسم اللہ
 کا قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت و عزت کرنے والا
 نہیں (لیکن میں نے فرمان رسول ﷺ پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا
 اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کیسے جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہوگئی تو
 تمہا ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیجئے آپ نے فرمایا نہیں نہیں
 تمہا سے قتل کرنا نہیں چاہتا ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ
 ہے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن زید کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبد اللہ بن
 ابی کے حضرت عبد اللہ دینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تو انھیں کھینچی لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک
 کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو، مدینہ میں نہ جاؤ اس نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت

عبداللہ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جاسکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ تیرے لئے اجازت نہ دیں، عزت والے آپ نہیں ہیں اور تو ذلیل ہے، یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے آپ کی عادت مبارک تھی کہ نظر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے آپ کو دیکھ کر اس مناق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی آپ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے اللہ کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جاسکتا چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دی اب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا، مسند حمیدی میں ہے کہ آپ نے اپنے والد سے کہا جب تک کہ اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے اور میں ذلیل تو مدینہ میں نہیں جاسکتا اور اس سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنے باپ کی اہیت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اٹھائی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ

الضَّلَاتِ الْخَمْسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ① وَأَنْفِقُوا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ

أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا

بِمَعْنَى هَلَّا أَوْلَا زَائِدَةٌ وَلَوْلَا لَتَمَنَّيَ أَخْرَجْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ

قَرِيبٍ ۖ فَاصْذَقْ بِادْغَامِ النَّوْرِ فِي الْأَضْلِ فِي الضَّادِ انْضَدَّقْ بِالزَّكَاةِ وَ أَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ② بَارِ

أَحْبَبَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا قَصَرَ أَحَدٌ فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ إِلَّا سَأَلَ التَّرَجُّعَةَ عِنْدَ الْمَرْبِ

ع ۱۳ وَ لَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ③ بِالنَّوْرِ وَالنَّبَا

تَرْجِعْتُمْ: اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔ تمہارے مال و اولاد، یا دالہی (بیخ توتہ نمازوں) سے اور جواباً کرے گا ایسے ہی لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور (زکوٰۃ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (لولا بمعنی ہلا ہے یا لازاً نہ ہے اور لوتہ نائیہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں تاء کو صاد میں ادغام کر دیا۔ میں زکوٰۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا۔ ابن عباس فرماتے ہیں جو شخص زکوٰۃ حج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرورت درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہاں کا وقت آجاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعلیوں تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توجہ و تشریح

قوله: **مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ**: بعض رزق خرچ کرنا۔

قوله: **اَحَدَكُمْ الْبُوتُ**: مراد علامات موت۔

قوله: **اَلْكَفَّٰرِيْنَ الصَّالِحِيْنَ**: ان کا جزم موضع فا پر عطف کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُهْلِكُوْا اَمْوَالَكُمْ

معصیت کا سبب اکثر مال و اولاد کا تعلق ہوتا ہے:

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو مال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑ جانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کی وجہ سے غفلت میں پڑ جائیں گے وہ خسارہ میں ہیں۔ اب آپ اپنی حالت میں غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ معصیت کا زیادہ سبب اکثر مال و اولاد ہی کا تعلق ہوتا ہے حق تعالیٰ اسی سے روکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد تمہارے لئے ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہو جائیں۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد طاعت اللہ ہے چونکہ طاعات کی وضع ذکر اللہ ہی کے لئے ہے اس لئے ذکر بول کر طاعت مراد لی جاتی ہے (اور کنا یہ میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح معصیت کا سبب غفلت ہے جس پر **لَا تُهْلِكُوْكُمْ** میں دلالت ہے اور غفلت کا سبب دنیا کے ساتھ قلب کا تعلق ہوتا ہے جس پر **اَمْوَالِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ** دلالت کر رہا ہے۔ جس سے مراد مجموعہ دنیا ہے اور ان دونوں کی تخصیص لفظی کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں دنیا کے اعظم افراد ہیں اسی طرح طاعت کی بجائے ذکر اللہ کہنے میں اس پر دلالت ہے کہ طاعات کا سبب غفلت کا مقابل ہے یعنی ذکر اور ذکر کا سبب خدا کے ساتھ دل کا متعلق ہونا ہے جس پر اضافت ذکر الی اللہ سے دلالت ہو رہی ہے) تو اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ مال و اولاد اکثر طاعت سے غفلت کا سبب ہوا کرتے ہیں اور جب طاعت سے غفلت ہوگی تو وہ معصیت ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معصیت کا زیادہ سبب مال و اولاد کا تعلق ہے اور جب یہ زیادہ تر معصیت کا سبب تھے جسے تو حق تعالیٰ نے ان کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی کلام حشو و زائد نہیں ہوتا پس دنیا بھر کی چیزوں میں سے اموال و اولاد کو خاص طور پر ذکر فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کو غفلت عن الطاعات یعنی صدور معاصی میں زیادہ دخل ہے۔

حق تعالیٰ کا اموال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمانا ہی اس کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ تر معصیت کا سبب ہوتے ہیں خود کلام اللہ بھی اس کو بتلا رہا ہے اور مشاہدہ بھی چنانچہ اپنی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مال و

اولاد کی وجہ سے کتنے گناہ ہوتے ہیں۔

مال و اولاد کے درجے:

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مال میں عمل کے دو مرتبے ہیں۔ ایک درجہ حاصل کرنے کا اور ایک اس کو محفوظ رکھنے کا اسی طرح اولاد میں بھی یہ دو مرتبے ہیں ایک اولاد حاصل کرنے کا دوسرے ان کی حفاظت کا اور ایک تیسرا مرتبہ اور ہے لیکن یہ مرتبہ اموال و اولاد میں دونوں کے لئے جدا جدا ہے پہلے دو مرتبوں کی طرح مشترک نہیں ہے چنانچہ مال میں تو تیسرا مرتبہ صرف کرنے کا ہے اور اولاد میں تیسرا مرتبہ ان کے لئے آئندہ کی فکر کرنے کا ہے۔ غرض تین درجے عمل کے مال میں ہیں اور تین درجے اولاد میں ہیں۔ مال میں تو تین عمل یہ ہیں۔

۱- مال کا پیدا کرنا۔ ۲- مال کی حفاظت کرنا۔ ۳- مال کا صرف کرنا۔ اور اولاد میں تین درجے عمل کے یہ ہیں۔

۱- اولاد کا حاصل کرنا۔ ۲- پھر اس کی حفاظت کرنا۔ ۳- پھر اس کے لئے آئندہ کی فکر کرنا۔

توکل چھ مرتبے ہوئے جو کہ حقیقت میں اعمال کے درجے ہیں اب ان چھ مرتبوں میں بہت مختصر انداز سے اپنی حالت کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہمارا برتاؤ کیا ہے اور ان میں ہم کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثلاً مال میں تین مرتبے تھے ایک حاصل کرنا دوسرے حفاظت کرنا تیسرے صرف کرنا اب دیکھیے یہ مال کتنے ناچ نچاتا ہے۔

اہل خسارہ:

یہاں کیا اچھا لفظ ارشاد فرمایا ہے: **فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ** ۵ جس میں جیسا کہ ابھی مذکور ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا شخص نفع کی چیز میں ٹوٹا ٹھانے والا ہوگا۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مال و اولاد فی نفسہ ضرر کی چیز نہیں بلکہ اگر معصیت کا سبب نہ بنے تو واقع میں نفع کی چیز ہے اور یہ اشارہ اس وجہ سے ہے کہ خسارہ مطلق نقصان کو نہیں کہتے بلکہ نفع کی چیز میں نقصان کو خسارہ کہا کرتے ہیں۔ بہر حال ایسے لوگ خسارہ میں ہیں اور زیان کار ہیں۔

اطلاق خسارہ سے اس پر بھی دلالت ہے کہ صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی یہ لوگ خسارہ ہی کے اندر ہیں کیونکہ مال و اولاد کی ایسی محبت و بال جان ہو جاتی ہے اور مال و اولاد ایسے ہی شخص کے لئے معصیت کا سبب ہو جاتے ہیں جس کو ان سے ایسی محبت ہو سو محبت مال کا وبال جان ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو اسی کی فکر رہتی ہے کہ آج اتنے روپے ہیں توکل کو اتنے ہو جائیں۔ چنانچہ اپنی جان پر مصیبت ڈال ڈال کر روپیہ جوڑا جاتا ہے پھر رات کو اسے بار بار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہے بھی یا نہیں چوروں کے کھلنے سے راتوں کی نیند جاتی ہے اور اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ رات کو وہ سب کو ساتھ لے کر لیٹتی تھیں۔ جدا کر کے ان کو چین ہی نہ آتا تھا پھر جب بچے زیادہ ہو گئے اور ایک پٹنگ پر نہ آسکتے تو انہوں نے پٹنگ پر سونا چھوڑ دیا سب کو لے کر نیچے زمین کے فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتیں اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچوں کو ٹوٹل کر دیکھ لیا کرتیں۔

واقفی یہ نجات تو عذاب ہی ہے پھر اگر ایمان بھی نہ ہو تو دونوں عالم میں معذب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا تحببک اموالہم ولا اولادہم انما یرید اللہ ان یعذبہم بہا فی الدنیا وتزہق الفسہم وہم کافرون کیونکہ ان کو نہ دنیا میں چین ملا نہ آخرت میں اور اگر ایمان ہے تو خیر دنیا ہی بے لذت ہوئی آخرت انجام کار ان شاء اللہ پر لطف ہو جائے گی۔ غرض ثابت ہو گیا کہ محبت مال و اولاد کبھی معصیت کا سبب ہو جاتی ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہو جاتا ہے خواہ خسارہ محدود ہو یا غیر محدود اب تہ جو لوگ اعتدال کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور حقوق الہیہ کو غالب رکھتے ہیں ضائع نہیں کرتے وہ ہر وقت لطف میں ہیں دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنی یاد سے غافل نہ فرمائیں اور مال و اولاد کو ہمارے لئے سبقت نہ بنا لیں۔ آمین۔

سُورَةُ التَّغَابِينِ

تَقَابُثًا

۱۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

التَّغَابِينِ

سُورَةٌ مَكِّيَّةٌ مَثَابِتٌ ۱۰۸

سورہ تقابین میں ۱۸ آیات ہیں اور اس کی آغاز و آہستہ میں اور درود کو

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَبْتَهِهُ فَاَللَّامُ زَائِدَةٌ ۖ وَآتَى بِمَادُونٍ مِنْ نَعْلَبِيَاءِ بِأَكْثَرِ لَهُ
 الْمُلْكِ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْكُمْ كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُؤْمِنًا
 فِي أَرْضِ الْخِلْقَةِ ثُمَّ يَمِيتُهُمْ وَيُعَيِّنُهُمْ عَلَىٰ ذَلِكَ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 بِالْحَقِّ ۖ وَصَوَّرَكُمْ ۖ إِذْ جَعَلَ سَكُلَ الْأَدَمِيِّ أَحْسَنَ الْأَشْكَالِ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَ لِلَّهِ
 الْبَصِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرَوْنَ ۖ وَمَا تُعْلِنُونَ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
 الصُّدُورِ ۝ بِمَا فِيهَا مِنَ الْأَسْرَارِ ۖ وَالْمُتَّقَاتِ الَّتِي يَأْتِيَنَّكُمْ بِأَكْفَارٍ مَكَّةَ تَبَوَّأَ خَيْرَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 مِنْ قَبْلُ ۖ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۖ عَقُوبَةُ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
 مَوْلِمٌ ذَلِكَ ۖ أَيُّ عَذَابِ الدُّنْيَا بِأَنَّهُ ضَمِيرُ الشَّانِ كَانَتْ تَأْتِيَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْخَبْرُ
 الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْإِيمَانِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ أُرِيدُ بِهِ الْجِنْسُ يَهْدُونَنَا ۖ فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ وَ
 اسْتَعْفَى اللَّهُ ۖ عَنْ إِيْمَانِهِمْ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ۖ عَنْ خَلْقِهِ حَمِيدٌ ۝ مُحَمَّدٌ فِي أَعْمَالِهِ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 أَنْ مُخَفَّفَةٌ ۖ وَاسْمُهَا مُخَذُوفٌ أَيُّ أَنَّهُمْ لَنْ يُبْعَثُوا ۖ قُلْ بَلَىٰ وَ رَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا
 عَمِلْتُمْ ۖ وَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۖ وَاللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ أَذْكَرٌ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابِينِ ۖ بَعِثْ
 الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ بِأَخْذِ مَنَارِلِهِمْ وَرَأْهِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ آمَنُوا ۖ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا

يَكْفُرُ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلُهُ فِي قَبْرِهَا بِالنُّونِ فِي الْفِغْلَيْنِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا إِلَّا نَهْرُ خَلِيدِينَ

فِيهَا أَبْدَانُ ذَلِكَ الْفَوْزِ الْعَظِيمِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْفِرَاقِ أَوْلِيكَ أَصْحَابُ النَّارِ

خَلِيدِينَ فِيهَا وَيَسْأَلُ الْمَصِيرُ ۝ هِيَ

۱۵

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے مالا یا گیا۔ اکثریت کی تالیف کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تم کو پیدا کیا۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور تمہاری پوشیدہ اور علانیہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے (یعنی دلی راز اور اقتادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچتی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال کھیا (دنیا میں کفر کی سزا بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیل) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو ہدایت کریں گے غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز ستودہ صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان مخففہ ہے جس کا اسم مخدوف ہے ای انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہو گا۔ وہ یہی دن ہے سو دو زیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جو ان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کر دے گا اور اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں یکفر اور یدخلہ دونوں فعل نون یعنی صیغہ شکلم کے ساتھ ہیں) ایسے بانگات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوگی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہو گا وہی آیت (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضح و تشریح

- قوله: مِنْ قَبْلُ : مثلاً قوم نوح، ہود، صالح۔
 قوله: أُرِيدُ بِهِ الْجَنَسَ : بشر کا لفظ واحد جمع پر بولا جاتا ہے۔
 قوله: زَعَمَ الَّذِينَ : زَعَمَ جانے کا دعویٰ یہ دونوں مفعول سے متعدی ہوتا ہے۔
 قوله: الْقُرْآنُ : یہ اپنے اعجاز کی بناء پر بذات خود ظاہر اور غیر پر غلبہ والا ہے۔
 قوله: لِيَوْمِ الْجَمْعِ : حساب و جزاء کی خاطر۔ لام اجلیہ ہے۔
 قوله: يَوْمَ الْقِيَامَةِ : اجتماع تو فرشتوں اور جن رائس کا ہوگا۔
 قوله: ذَلِكَ الْقَوْمُ : ذَلِكَ سے اشارہ سیئات کے کفارہ کی طرف ہے۔

تفسیر مقبولین

اگرچہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کا موضوع بیان کی سورتوں کی طرح توحید والوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کی تحقیق و تثبیت ہے اکثر صحابہ اور ائمہ سے یہی منقول ہے۔

سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و جلال اور اس کی تقدیس و تسبیح کا بیان ہے ساتھ ہی انسان کو دو قسموں میں منقسم کر کے بتا دیا گیا کہ تمام دنیا کے انسان ان دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں: فِي سِنِّكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ۔ کہ اللہ کی نظر میں یہ دو قومیں اس طرح تقسیم کر دی گئی ہیں ایک قوم اہل ایمان کی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی بستے ہوں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں دوسری قوم کافروں کی ہے جو اہل ایمان سے بالکل جدا ہیں کسی ایک خطہ یا وطن میں بسنے والے مومن و کافر ہرگز ایک قوم نہیں ہو سکتے اور نہ ہی برادری کی تقسیم اور امتیاز وطن اور نسل کے لحاظ سے ہے بلکہ عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر دائر ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسم و کافر کے درمیان وراثت کا رشتہ بھی کالعدم کر دیا اور فیصلہ کر دیا گیا لایرث الکافر المسلم، کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ وہ باپ بیٹے ہوں۔

• پھر ان گزشتہ اقوام و اہم کی مثالیں پیش کی گئیں جو اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی تھیں کہ ان پر خدا کا کیسا عذاب نازل ہوا، اسی کے ساتھ اس سورۃ میں بعث بعد الموت کو ثابت کی اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا اور اس پر بھی آگاہ کیا گیا کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اعانت سے برگشتہ کرنے والی کیا کیا چیزیں ہیں اور اختتام سورت پر اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے بیار و قربانی پر آمادہ کیا گیا۔

يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

آسمان و زمین کی کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے، تم میں بعض کا فرد اور بعض مومن ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

یہاں سے سورۃ التغابن شروع ہو رہی ہے یہ لفظ "غبن" سے لیا گیا ہے۔ غبن نقصان کو کہتے ہیں آخرت میں جو نقصان ہوگا اس سورت کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب اس کو تغابن اور یوم آخرت کو یوم التغابن سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے یہ سورۃ، سورۃ التغابن کے نام سے معروف ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں زبان قال یہ زبان حال سے سب تسبیح میں مشغول ہیں، پھر فرمایا: لَهُ الْمُلْكُ (اسی کے لئے ملک ہے) ساری مخلوق اسی کی ملکیت ہے وَ لَهُ الْعَهْدُ (اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں) اس کے تصرفات اور اختیار رات میں کسی کو کوئی دخل نہیں اور وہ اپنے تمام تصرفات میں محدود ہے۔

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ وہ جو بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ پھر دوسری اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بیان فرمائی، فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ (اللہ تعالیٰ وہ جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہوئے اور بعض مومن ہوئے) اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا سمجھ دے دی قوت فکر یہ عطا فرمادی، انبیاء (علیہم السلام) کو مبعوث فرمایا کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت پوری طرح سامنے آگئی۔ اس کے باوجود جسے کفر اختیار کرنا تھا وہ کفر پر اڑا رہا، اور جنہیں مومن ہونا تھا، انہوں نے ایمان اختیار کر لیا۔ وَ اللَّهُ يَبْصُرُ مَا تَعْمَلُونَ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے)۔ وہ اہل ایمان کے اعمال اور اہل کفر کے کام ان سب کو دیکھتا ہے سب کے اعمال سے باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء یا سزا دے گا عمل کے عموم میں اعمال للہ اور افعال جو ارج سب داخل ہیں۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

(اس نے تمہاری صورت بنائی پھر تمہاری صورتوں کو بہتر بنایا) صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے اور غور کر دو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے لسوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل و صورت میں کبھی بڑے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت و صورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسانی چہرہ جو کچھ سات مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں، پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکل دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے، آیت مذکورہ میں ایک نعمت صورت گری لکھا ہے اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا حسن صورت کم، یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات و مخلوقات کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بد شکل بد صورت سمجھا جائے تاہم باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے، لہذا رک اللہ احسن الخالقین۔

قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ:

یوم الجمع اور یوم التغابن دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق اولین و آخرین کو اس روز حساب کتاب اور جزاء و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں، مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی، امام رافضی اصلہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول غبن ملان فہو مغبون استعمال کیا جاتا ہے اور عقل و رائے کے نقصان کے لئے باب سبع سے غبن استعمال کیا جاتا ہے، لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دوطرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان و خسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد ایک طرفہ اظہار غبن ہے، جیسا کہ یک طرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف و مشہور ہے، قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اس کے دس میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کو مزید شکر گزار ہو، اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لئے مقرر تھا تا کہ ان کو اور زیادہ حرمت ہو، ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے، یہ روایات حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار نفا اور اشیاء کے جنتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے تو ان کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کپ چھوڑ اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا کہ تم جانتے ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال متاع نہ ہو، اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا، کسی کو مارا یا قتل کیا، کسی کا مال ناحق لے لیا (تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا، کوئی روزہ، کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنت اور جب حسنت ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادایا معاف کرا کر سبکدوش ہو جائے، ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمال صالحہ ختم ہو جائیے تو بقدر اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (مظہری)

حضرت ابن عباس اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم النعابین کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن نعبین اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے، اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی، پرفضول ضائع کئے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ترۃ یوم القیامۃ

”جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی“

زہلی میں ہے کہ ہر مومن اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے نعبین و خسارہ کا احساس کرے گا قیامت کا نام یوم النعابین رکھا گیا ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں اس کا نام یوم الحسرة آیا ہے۔

وانذہم یوم السحرة اذ قضی الامر، روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اس روز ظالم اور بد عمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مومنین صالحین نے بھی جو احسان عمل میں کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر نعبین و خسارہ کا احساس کریں گے، اس لئے اس کو یوم النعابین کہا گیا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ بَقِصَاهُ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَبِئْسَ لِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيهِمْ مِصْرَبٌ بَشِيعًا ۚ

فَإِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ الْبَيْتُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ وَ أَوْلَادِكُمْ عُدَاوَا لِكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ بَأْسٌ ثَقِيلٌ مِّنْ فِي

الْخَلْفِ عَنِ الْخَيْرِ كَمَا لَجَّ جِهَادِ وَالْهَجْرَةَ فَإِنَّ سَبَبَ تَرْوِيلِ الْآيَةِ الْإِطَاعَةُ فِي ذَلِكَ وَإِنْ تَعَفَّوْا عَنْهُمْ فَبِئْسَ

تَطْبِئُهُمْ إِنِّي كُمْ عَنْ ذَلِكَ الْخَيْرِ مُعْتَلِينَ بِمُشَقَّةِ فِرَاقِكُمْ عَلَيْهِمْ وَ تَصَفَّحُوا وَ تَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ

رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنِ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ

عَظِيمٌ ۝ فَلَا تَقْرُؤُهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَاسِخَةٌ لِّقَوْلِهِ نَقُلُوا

اللَّهُ حَقَّ نِقَاتِهِ وَأَسْمَعُوا مَا أَمَرْتُمْ بِهِ سِمَاعَ قَبُولٍ وَ أَطِيعُوا وَ انْفِقُوا فِي الطَّاعَةِ خَيْرًا لِّلْأَنْفُسِكُمْ ۗ

خَيْرٌ لِّكُمْ مَّقْدَرَةٌ جَوَابِ الْأَمْرِ وَمَنْ يُؤْتِ شَيْءًا نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمَفْلُحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ إِن تَقْرُؤُوا

اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا بَأَنْ تَصَدَّقُوا عَنْ طِيبِ قَلْبٍ يُضَعِّفُهُ لَكُمْ وَفِي قِرَائَةِ يُضَعِّفُهُ بِالشَّدِيدِ بِالْوَجْدِ
عَشْرًا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ وَكَثُرَ وَهُوَ التَّصَدُّقُ عَنْ طِيبِ قَلْبٍ وَيَغْفِرُ لَكُمْ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ شَكُورٌ مَخَازٍ
عَلَى الطَّاعَةِ حَلِيمٌ ۝ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمُعْصِيَةِ عَلَيْهِ الْعَيْبُ النَّبِيرِ وَالشَّهَادَةُ الْعَلَانِيَةُ الْعَزِيمُ
ع ۱۱ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمِ ۝ فِي صُنْعِهِ

توجہ چاہئے: کوئی مصیبت بدوں حکم (تضا) الہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلو تہی کر دو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہئے۔ اسے ایمان واوا تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر۔ کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم (ان کو) معاف کر دو (تم کو بھلے کاموں سے روکنے پر۔ ان سے جداگی کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کر دو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت: فَاذْكُرُوا اللَّهَ حِينَ تَقَاتَهُ كِي) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جا رہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا، نو اور (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (لیکن مقدر کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے۔ (خوش دلی سے خیرات کرو گے) تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھا تا جائے گا۔ (ایک قراءت۔ ضعف تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کرے گا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہئے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (فرمانبرداری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (مخفی) اور علانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: عَلَى رَسُولِنَا: آپ پر کچھ ازام نہیں کہ آپ کا وظیفہ تبلیغ ہے۔
قولہ: عَدَاؤُكُمْ: وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے تم کو مشغول کرنے والے ہیں وہ دین کے معاملے میں تمہارے دشمن ہیں۔

نولہ: وَتَصْفَحُوا: امراض کرو اور اس پر ملامت چھوڑ دو۔

نولہ: وَتَغْفِرُوا: اس کی غلطی چھپا کر۔

نولہ: اَجْرٌ عَظِيمٌ: اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو اولاد و اموال کی محبت پر ترجیح دیتا ہے۔

نولہ: اَطِيعُوا: یعنی آپ کے احکامات کی۔

نولہ: خَوَابِ الْأَمْرِ: یہ نیکوں کی صفت ہے۔

نولہ: مَجَازٌ: کثیر۔

نولہ: غَلَى الطَّاعَةَ: تھوڑا سا۔

نولہ: حَلِيمٌ: فِي الْعِقَابِ: جلد عذاب نہیں دیتا۔

تفسیر مقبولین

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

مفسرین نے اس آیت کریمہ کا سبب نزول کفار مکہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیاوی مصیبتوں میں گرفتار نہ کرتا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مصیبت چاہے کوئی بھی ہو، کسی بھی انسان کو اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہی لاحق ہوتی ہے، اس بارے میں اچھے اور برے سبھی برابر ہیں، لیکن جو بندہ مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسے جو مصیبت لاحق ہوئی ہے وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے مطابق ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان بڑھا دیتا ہے اور اسے سکون قلب عطا فرماتا ہے اور روز قیامت اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الزمر آیت (10) میں فرمایا ہے: (انما یوفی الصابرون اجرهم بغير حساب) ”صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر دیا جائے گا۔“ لیکن جو بندہ صبر کا واسطہ نہ ہو اور اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوگا اور جزع فرغ کرے گا، اسے اللہ اس کے نفس کے خوار کر دے گا، اور قیامت کے دن اسے کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے، کائنات میں کوئی چیز اس کی اجازت اور اس کے علم کے بغیر وجود میں نہیں آتی اور یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی تقدیر پر راضی رہا جائے اور اس کی مشیت کے آگے ہر دم تسلیم خم رکھا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَدْوَابِكُمْ

بعض ازدواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں:

فطری اور طبعی طور پر انسان کو نکاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب نکاح ہو جاتا ہے تو اولاد بھی ہوتی ہے۔ میاں بیوی کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور اولاد سے محبت ہونا امر طبعی ہے، اسلام نے بھی ان محبتوں کو باقی رکھا ہے لیکن اس کے لئے

ایک حد بندی بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق سب پر مقدم ہے، بیوی ہو یا شوہر بیٹا ہو یا بیٹی ہر ایک سے اتنی ہی محبت کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق چلتے رہیں۔

معلم المتزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جب انہوں نے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج اور اولاد نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور یوں کہا کہ ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر صبر کر لیا لیکن تمہاری جدائی پر صبر نہیں کر سکتے ان کی یہ بات سن کر انہوں نے ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس پر آیت کریمہ: **بَانَ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاخَذُوْهُمُ نَازِلٌ هُوَئِیْ اِذْ دُوْرٌ سَبَبٌ نَزَلَ یُكَلِّمُكَ فَهَلْ یَسْمَعُ** بن مالک الاشجعیؒ ہل بچہ دار تھے وہ جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تو یہ بوگ روئے لگتے اور یوں کہتے کہ آپ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟ یہ سن کر انہیں ترس آ جاتا تھا اور جہاد کی شرکت سے رہ جاتے تھے اس پر آیت ہلانا نازل ہوئی جس میں یہ بتا دیا کہ بیوی بچے تمہیں نیک کام کرنے سے روکتے ہیں ان کی طرف سے ہوشیار رہو اور ان کی بات نہ مانو، دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

لفظ ازواج جمع ہے زوج کی، یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لہذا آیت کریمہ کے عموم الفاظ سے معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اس کا اہتمام کرے بیوی ہو یا شوہر آپس میں ایک دوسرے کی وجہ سے یا اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ ہو جائیں۔

بیوی بچوں کی محبت میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں:

بیوی اور شوہر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں اور اولاد کو بھی اسی پر چلائیں، اللہ کی نافرمانی نہ شوہر کرے نہ بیوی کرے اور نہ اولاد کو کرنے دیں، اگر ازواج اور اولاد سے اتنی محبت کی کہ اللہ کے فرائض اور واجبات چھوٹنے لگے تو ان لوگوں کی محبت خود اپنے حق میں دشمن بن جائے گی پھر اس دشمنی کا مظاہرہ میدان حشر میں ہوگا ان کی وجہ سے جو گناہ کئے ان پر مواخذہ اور عذاب ہوگا۔ یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ بیوی بچوں کے لئے کماے اور انہیں کھلائے پلائے لیکن اس میں حلال و حرام کا خیال نہ رکھے۔ حرام کمانے کا بھی گناہ اپنے سر لے اور حرام کھانے اور کھلانے کا بھی اور ان کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ بیوی بچوں کی خواہش اور ضد کی وجہ سے گناہ کر لیتے ہیں سود پر قرض بھی لیتے ہیں دوسروں کے اموال میں خیانت بھی کر لیتے ہیں فضول خرچی بھی کرتے ہیں ہر تقریب میں بیوی کو نیا جوڑا پہنانے کے لئے ادھار بھی لیتے ہیں اور رشوت لے کر بھی گھر و لوں کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اور ان سب کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، بیوی بچوں کو اس سے بحث نہیں کہ ہمارے ذمہ دار کا آخرت میں کیا بنے گا۔ انہیں تو اپنے نفس کے تقاضے پورے کرنا ہے، اگر اللہ کے قانون کو نہ دیکھا اور بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کر دیں جن میں گناہوں کا ارتکاب کیا، پھر قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوئے تو یہ کہاں کی سمجھداری ہے اس وقت یہ بیوی بچے دشمن نظر آئیں گے اور یہ سمجھ میں آ جائے گا کہ انہوں نے میرے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ کیا یہ مجھے نصیحت کر کے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کی تاکید کرتے اور حرام چیزوں سے اور

دوام کاموں سے رکتے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو پورا کرنے میں مجھے رگڑ دیا اور مجھے حرام کاموں میں لگا دیا: (قال صاحب الروح قال غیر واحد ان عداوتهم من حیث انهم یحولون بینهم و بین الطاعات والامور النافعة لهم فی آخرتهم وقد یحملوهم علی السعی فی اکتساب الحرام و ارتکاب الاثم لمنفعة انفسهم)۔

یہ بیوی بچوں کی عام حالت ہے اور بہت سے اولاد اور ازواج ایسے بھی ہوتے ہیں جو خیر کی دعوت دیتے ہیں اور خیر پر چلاتے ہیں اس لئے: **إِنَّ مِنْ أَوْلَادِكُمْ دُؤَابِحَكُمْ دُؤَابِحَكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاَحْذَرُوهُمْ** فرمایا کہ تمہارے ازواج اور اولاد میں سے تمہارے دشمن (بھی) ہیں تو تم ان سے ہوشیار رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ سب ہی اولاد اور ازواج دشمن ہیں۔

معاف اور درگزر کرنے کی تلقین:

وَرَبِّ تَعَفُّوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو سو اللہ بخشنے والا

ہے مہربان ہے۔

بعض مرتبہ بیویوں کی اور اولاد کی فرمائشیں ایسی ہوتی ہیں کہ کبھی توفس کو فرمائش ہی ناگوار گزرتی ہے اور کبھی ان کو پورا کرنے کا موقع نہیں ہوتا ایسی صورت میں بھی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم انہیں معاف کرو اور درگزر کرو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے تم ان کو معاف کرو گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ غفور ہے رحیم ہے اس کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار رہو۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۝

فتنہ کے معنی ابتلاء اور امتحان کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ مال و اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا۔

مال و اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں:

اگر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی میں انہیں کی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے: اکل عیالہ حسناۃ یعنی اس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھ لیا (روح) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اولاد کے بارے میں فرمایا **مخمتة محبتة** یعنی یہ بخل اور جہن یعنی نامردی اور کزدری کے اسباب ہیں کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رکتا ہے، انہیں کی محبت کی وجہ سے جہد میں شرکت سے رہ جاتا ہے، بعض سلف صالحین کا قول ہے **العیال سوس الطاعات** یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہے جیسا گھنہ کو کھا جاتا ہے یہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔

سُورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ
۷۵ مَدَنِيَّةٌ ۹۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۱۳
كَلِمَاتُهَا ۲

سورہ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی بارہ آیتیں اور دو رکعتیں ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَالْمِرَادُ وَأَمْتُهُ بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ أَوْ قُلْ لَهُمْ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ أَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ فَطَلِقُوهُنَّ
لِعَدَّتِهِنَّ لِأَزْلِهِنَّ بِأَنْ يَكُونَ الطَّلَاقُ فِي ظَهْرِ لَمْ تَمَسَّ فِيهِ لِتَفْسِيرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلِكِ زَوْجِ
الشَّيْخَانِ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ إِحْفَظُوا مَا لَتَرَ اجْعَلُوا قَبْلَ فِرَاقِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ أَطِيعُوهُ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ
لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ مِنْهَا حَتَّى تَنْقُضِيَ عِدَّتِهِنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ رَا
مُبَيِّنَةٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِ هَا أَيْ بَيَّنَّتْ أَوْ بَيَّنَّتْ فَيَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ
حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ
الطَّلَاقِ أَمْرًا مَرَّاجَعَةً فِيمَا إِذَا كَانَ وَاحِدَةً أَوْ اثْنَتَيْنِ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَرْبَنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِأَنْ تُرْجَعُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ مِنْ غَيْرِ ضَرَارٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَمْ كُوهُنَّ حَتَّى تَنْقُضِيَ
عِدَّتِهِنَّ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ بِالْمَرْاجَعَةِ وَالشَّهَادَةُ وَادْوَى حُدُودِكُمْ عَلَى الرُّجْعَةِ أَوْ الْفِرَاقِ وَأَقِيمُوا
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ لَا لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ أَوَّلَهُ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ
يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
يُخَاطَبُ بِأَلِهِ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فِي أَمْرِهِ فَهُوَ حَسْبُهُ كَافِيهِ إِنْ اللَّهُ بِالْبَالِغِ أَمْرَهُ مُرَادُهُ وَبِ
قِرَاءَةِ بِالْإِضَافَةِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ كَرْحًا وَشِدَّةً قَدْرًا مِيقَاتًا وَآيٍ بِهَمْزَةٍ وَبِأَيٍّ
وَبِلَايَةٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ يَبْسُنَ مِنَ الْمُحِيضِ بِمَعْنَى الْحَبِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ شَكَكْتُمْ فِي

عِدَّتُهُنَّ قِيَمَاتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ ۚ وَالَّذِي لَمْ يَحْضُرْ ۖ لِيَصْغُرْ مِنْ فِعْدَتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالْمُسْتَلْتَنَانِ
 فِي غَيْرِ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَرْوَاحُهُنَّ أَمَا هُنَّ فِعْدَتُهُنَّ مَا فِي آيَةِ الْبُقْعَةِ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ۚ
 غَيْرَ ۚ أُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ ۚ أَنْفِصَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطْلَقَاتٍ أَوْ مُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَرْوَاحُهُنَّ أَنْ
 يَضَعْنَ حَبْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ الْمَذْكُورُ
 فِي الْبَيِّنَةِ أَمْرُ اللَّهِ حُكْمُهُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝
 أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ أَيْ الْمَطْلَقَاتِ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ ۚ أَى بَعْضُ مَسَاكِينِكُمْ مِمَّنْ وَجَدَكُمْ أَى سَعْتِكُمْ
 غَطَّفَ بَيَانٍ أَوْ بَدَّلَ مِمَّا قَبْلَهُ بِإِعَادَةِ الْجَارِ وَتَقْدِيرُ مُضَافٍ أَى امْكِنَةٌ سَعْتِكُمْ لَا مَا دُونَهَا وَلَا
 مُضَارَّةً لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ الْمَسَاكِينُ فَيُخْتَجَرْنَ إِلَى الْخُرُوجِ أَوِ التَّفَقُّهِ فَيَفْتَدِينَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ
 أُولَاتٍ حَبْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَبْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ ۚ أَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ فَأَلْوَهُنَّ
 أَوْجُرَّهُنَّ ۚ عَلَى الْإِرْضَاعِ ۚ وَأَتَسَرُّوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ بِحِمْلٍ فِي حَقِّ الْأَوْلَادِ بِالتَّوَافِقِ
 عَلَى الْإِجْرِ مَعْلُومٍ عَلَى الْإِرْضَاعِ ۚ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَضَايَقْتُمْ فِي الْإِرْضَاعِ فَامْتَنِعِ الْآبُ مِنَ الْأَجْزَةِ وَالْأُمُّ
 مِنْ بَيْتِهِ فَتَسْرُضِعْ لَهُ ۚ لِلْآبِ أُخْرَى ۝ وَلَا تُكْرَهُ الْأُمُّ عَلَى إِرْضَاعِهِ لِيُنْفِقَ عَلَى الْمُطْلَقَاتِ
 وَالْمَرْضِعَاتِ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَمَنْ قُدِرَ ضَيْقٌ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ ۚ أَعْطَاهُ اللَّهُ
 أَى عَلَى نَدْبِهِ لَا يَكْفِي اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهُ ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۚ وَفَدَّ حِفْلَهُ بِالتَّمْوِجِ

ع ۱۶

ترجمہ: اے پیغمبر (مراد آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت نقل
 ہے) جب تم لوگ طلاق دو (طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو تو ان کی عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول
 طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہئے۔ جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔ جیسا کہ حدیث شریفین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا
 کہ (عدت کی نگہداشت رکھو تا کہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار
 ہے (اور مردنی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (عدت
 گزرنے تک) مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (میں نہ فتح یا اور کسریا کے ساتھ جیسی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس
 الاموت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلنا ہوگا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام

خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد کوئی بات پیدا کرے (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملادے) پھر جب وہ عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (تکلیف دینے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے نہ ستاؤ) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کر لو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو بصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قرأت میں "بالغ امرہ" اضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی) ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے اور تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کسئی کی وجہ سے ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت یترو بصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشر میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا ما قبل کا بدل ہے جار کا امانہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر بیان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہئے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تاکہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے۔ کہ فد یہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔ اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لئے (تمہاری اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلائی کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان) مناسب مشورہ کر لیا کرو (جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کرنے کے) اور اگر تم باہم کشمکش کر دے (دودھ پلانے میں لگے) برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری عورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلائے گی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہئے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے (اس کے مطابق) خرچ کرے۔ خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: الْمَرْأَةُ إِذَا رَأَتْهُ: معنی یہ بنے گا، اے پیغمبر ﷺ اور مومنو۔ کیونکہ آپ کی ذات نمونہ ہے۔

قوله: بِمَا بَعْدَ: اس کا قرینہ ہے۔ کہ اذا طلقتہ جمع کے صیغہ سے ہے۔

قوله: أَرَدْتُمْ الطَّلَاقَ: جزاء فطلقوهن اس کا قرینہ ہے۔

قوله: إِجْدًا تِهْنًا: لام توقيت کے لیے وقت عدت کے لیے۔

قوله: أَحْصُوا الْعِدَّةَ: خاندنوں کو کہا کیونکہ عورتیں غفلت کرتی ہیں۔

قوله: لَا تَخْرُجُوهُنَّ: یہ استثناء ہے۔

قوله: مُبَيَّنَةً: یعنی واضح دلیل۔

قوله: لَا تَدْرِي: کوئی نفس یا تم اے ہمارے پیغمبر ﷺ۔

قوله: وَأَشْهَدُوا: یہ شہادت مستحب ہے، جیسے و اشهدوا اذا تبايعتم۔

قوله: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ: اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے۔

قوله: سَعَيْتُمْ: تمہاری وسعت و طاقت میں۔

قوله: أَوْلَادِكُمْ: یعنی نکاح کے انقطاع کے بعد۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں احکام طلاق اہمیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اس وجہ سے اسی نام سے اس کو بارگاہ رسالت سے موسوم فرمایا گیا۔

ابتداء سورت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شریعت نے طلاق واقع کرنے کا طریقہ کس طرح متعین فرمایا ہے جس کے ضمن میں فقہاء طلاق بدعی اور طلاق سنی کی قسموں کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ طلاق دینے کی نوعیت ایسی ہو کہ خود اس سے ظاہر ہو جائے کی مجبور اس کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے وقتی جوش یا جذبات یا محض مغلوب الغضب ہو کہ طلاق نہیں دی گئی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دی جائے اور ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک جذبات اور غیظ و غضب اگر ماضی ہیں تو شدت باقی نہیں رہا کرتی جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آجائے گی، اسی کے ساتھ احکام عدت اور نفقہ و سکنی کا بھی بیان ہے، طلاق و عدت اور نفقہ و سکنی کے مسائل کے درمیان بار بار اللہ

کے تقویٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے کبھی ترغیب کے رنگ میں اور کبھی ترہیب کی صورت میں تاکہ کسی طرح بھی ظلم اور جحش ظلمی اور نکاب نہ ہو اور اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی حدود سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ معاشرت کو برقرار رکھنے سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ ..

طلاق اور عدت کے مسائل، حدود اللہ کی نگہداشت کا حکم

یہاں سے سورۃ الطلاق شروع ہے اس کے پہلے رکوع میں طلاق اور عدت کے مسائل بتائے ہیں درمیان میں دیگر نو آیتیں بھی مذکور ہیں چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ احکام مذکور ہیں اس لیے اس کا دوسرا نام سورۃ النساء اقصر کی بھی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اسے اس نام سے موسوم کیا۔

اصل بات تو یہی ہے کہ جب مرد عورت کا آپس میں شرعی نکاح ہو جائے تو آخر زندگی تک میل محبت کے ساتھ زندگی گزار دیں، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ طبیعتیں نہیں ملتی ہیں اور کچھ ایسے اسباب بن جاتے ہیں کہ علیحدگی اختیار کرنی پڑ جاتی ہے لہذا شریعت اسلامیہ میں طلاق کو بھی مشروع قرار دیا ہے، جب شوہر طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت پر عدت گزارنا بھی لازم ہے جب تک عدت نہ گزر جائے عورت کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عدت کے بھی متعدد احکام ہیں، حیض والی عورت اور حمل والی عورت اور بے حمل والی عورت اور زیادہ عمر والی عورت (جسے حیض نہ آتا ہو) ان کے ایام عدت میں فرق ہے، جن عورتوں کو حیض آتا ہے اگر ان کو طلاق دے دی جائے اور حمل سے نہ ہوں تو ان کی عدت حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تین حیض ہیں اور حضرات شافعیہ کے نزدیک تین طہر ہیں یہ مختلف لفظ قروء کا معنی متعین کرنے کی وجہ سے ہو گیا ہے جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوا ہے۔

یہ لفظ قروء کی جمع ہے جو لفظ مشترک ہے حیض کے معنی میں بھی آتا ہے اور طہر کے معنی بھی۔ اپنے اپنے اجتہاد کے پیش نظر کسی نے اس کو حیض کے معنی میں لیا اور کسی نے طہر کے معنی میں لیا، ہر فریق کے دلائل اور وجوہ ترجیح اپنے اپنے مسلک کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

یہاں سورۃ الطلاق میں فرمایا کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے وقت میں طلاق دو کہ طلاق کے بعد ان کی عدت شروع ہو جائے۔ اس میں ابتدائی خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر لا کر طَلِّقْتُمُ النِّسَاءَ فرمایا ہے کیونکہ مت کے لیے احکام بیان کرنا مقصود ہے، حیض والی عورت کی عدت حنفیہ کے نزدیک چونکہ تین حیض ہیں اس لیے ان کے نزدیک فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دو کہ اس کے بعد عدت شروع ہو جائے طلاق کے بعد جو پہلا حیض آئے گا وہ حیض اور اس کے بعد دو حیض آنے پر عدت تمام ہو جائے گی، جب عدت گزارنے کے لیے تین حیض پورے کرنے ہیں تو طلاق ایسے وقت پر دی جائے جو حیض شروع ہونے سے پہلے ہو اور یہ وقت طہر کا ہے اور ہر جب حکم حدیث طلاق اس طہر میں دینی چاہیے جس میں جماع نہ کیا ہو یا عورت کو حمل ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر

نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جبکہ وہ حیض کے دن گزار رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کر دیا، آنحضرت ﷺ کو اس پر غصہ آ گیا پھر فرمایا کہ اس سے کہو کہ رجوع کر لے پھر پاک ہونے تک اسے روکے رکھے پھر جب ایک حیض آ جائے اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینے کی رائے ہو تو طلاق دے دے، یہ طلاق طہر کی حالت میں ہو اور ایسے طہر میں ہو جس میں جماع نہ کیا ہو، پھر فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(صحیح بخاری صفحہ ۷۲۹: ۷۲۷)

صحیح مسلم (جلد نمبر ۱) میں ہے: (فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَرِاجِعَهَا وَقَالَ إِذَا طَهَّرْتَ فَلْيَطْلُقْهَا أَوْ يَمْسُكْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَقَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ فِي قَبْلِ عِدَّتِهِنَّ وَهُوَ بِضَمِّ الْعَافِ وَالْبَاءِ أَيْ فِي وَقْتِ تَسْتَقْبَلُ فِيهِ الْعِدَّةُ وَهُوَ تَفْسِيرُ النَّبِيِّ ﷺ لِلْفِظِّ لِعِدَّتِهِنَّ)۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے اگر حیض میں طلاق دے دی تو رجوع کر لے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق ایسے طہر میں دے جس میں جماع نہ کیا ہو فَطَلَّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے تاکہ اس کے بعد پورے تین حیض آ جانے پر عدت ختم ہو جائے اور حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ عدت طہروں سے معتبر ہے اس لیے ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ طہر کے شروع میں طلاق دیدو تاکہ عدت وہیں سے شروع ہو جائے۔

عدت کو اچھی طرح شمار کرو:

وَ أَحْصُوا الْعِدَّةَ کا معنی یہ ہے کہ عدت کو اچھی طرح سے شمار کر دو کیونکہ اس سے متعدد مسائل متعلق ہیں، اس میں سے ایک تو رجعت کا ہی مسئلہ ہے، جب کسی عورت کو رجعی طلاق دیدے تو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا جائز ہے اور زمانہ عدت کا خرچہ بھی طلاق دینے والے مرد کے ذمہ ہے، عدت گزارنے تک اس کا خرچہ دے، اگر عدت کے اندر شوہر نے رجوع نہ کیا تو عورت کو عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، اگر اچھی طرح عدت کو شمار نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان احکام میں فرق پڑ جائے مثلاً عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح کر لے یا عدت گزارنے کے بعد بھی شوہر سے خرچہ مانگتی رہے یا عدت کے ختم ہونے کے بعد شوہر یہ سمجھ کر کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی رجوع کر لے۔
وَ اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ (اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے) عورت جھوٹ نہ کہہ دے کہ میری عدت گزر گئی اور مرد عدت گزارنے کے بعد بھی رجوع کا دعویٰ دائر نہ ہو جائے اور عدت گزار جانے کے باوجود عورت خرچہ وصول نہ کرتی رہے۔

مطلقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (جن عورتوں کو تم نے طلاق دیدی انہیں عدت کے درمیان گھر سے نہ نکالو اور عورتیں بھی گھر سے نہ نکلیں) عدت گزارنے تک اس گھر میں رہیں جس میں طلاق ہوئی ہے۔ جس عورت کو طلاق ہو گئی ہو اس کا نفقہ یعنی ضروری خرچہ اور رہنے کا گھر طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے، مرد بھی اسے اس گھر میں رکھے جہاں اسے طلاق

دی ہے اور عورت بھی اسی گھر میں رہے: **إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ**۔ اس میں استثناء کی ایک صورت بیان فرمائی ہے یعنی اگر مطلقہ عورت عدت کے زمانہ میں کھلی ہوئی بے حیائی کر بیٹھے تو اسے گھر سے نکالا جاسکتا ہے جس میں اس کو طلاق دی ہے مثلاً اگر اس نے زنا کر لیا تو حد جاری کرنے کے لیے اس کو گھر سے نکالا جائے گا پھر واپس اسی گھر میں لے آئیں گے۔ یہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فاحشہ مبینہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت بد زبان ہو اگر شوہر اور شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہو تو اس کی وجہ سے گھر سے نکالا جاسکتا ہے۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ (اور یہ اللہ کے احکام ہیں) ان کی پابندی کرو۔ **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** (اور جو شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اپنی جان پر ظلم ہے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں سزا مل سکتی ہے۔

طلاق اور عدت اور رجعت اور گھر سے نکلنے کی تاکید ان میں سے کسی بھی حکم شرعی کی مخالفت کی تو یہ ظلم شمار ہوگا۔ **لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا** (ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق دینے کے بعد کوئی نئی بات پیدا فرما دے) مثلاً طلاق دینے پر ندامت ہو جائے اور دل میں رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، لہذا سوچ سمجھ کر احکام شرعیہ کو سامنے رکھ کر طلاق دینے کا اقدام کیا جائے۔

صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تین طلاق، ایک وقت نہ دی جائیں کیونکہ اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔ اگر تین طلاق دینی ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے دے۔ دو طلاق تک عدت میں رجوع کرنے کا حق ہے اگر تین طلاقیں ایک وقت دے دیں تو رجوع کا وقت ختم ہو جائے گا اور طلاق بائن دینے سے بھی رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے اس لیے سوچ سمجھ کر اقدام کرے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو مطلقہ کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اچھے طریقے پر چھوڑ دو: **فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ** (جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو انہیں خوبی کے ساتھ روک لو) یعنی رجوع کر لو۔ **أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ** (یا انہیں خوبی کے ساتھ جدا کر دو) ایسا نہ کرو کہ انہیں دکھ تکلیف دینے کے لیے بار بار طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا: **وَلَا تُمَسِّكُوهُنَّ حَتَّىٰ إِذَا لَبَسَتْنِیْ** (اور انہیں نہ روکو یعنی ایسا نہ کرو کہ انہیں ضرر پہنچانے یا دکھ دینے کی وجہ سے روک کر رکھے رہو) وہاں یہ بھی فرمایا ہے: **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** (جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا)۔

(دیکھو انوار البیان جداول)

وَأَشْهِدُوا ذُوَيْ عَدْلٍ بَيْنَكُمْ (اور اصحاب عدل میں سے اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنا لو) یہ امر استحبالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینا ہو یا طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا ہو یا طلاق بائن دے کر رجوع نہ کرنا طے کر دیا ہو تو ان چیزوں پر دو ایسے

آدمیوں کو گواہ بنا لو جو نیک صالح اور سچے لوگ ہوں تاکہ اگر کبھی پھر کوئی اختلاف کی صورت بن جائے تو گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا جاسکے۔ **وَاقْبِنُوا الشَّهَادَةَ بَيْنَهُ** (اور گواہی کو اللہ کے لیے قائم کرو)۔

اس میں یہ بتا دیا کہ گواہی ٹھیک طریقہ پر قائم کی جائے یعنی صحیح گواہی دی جائے نیز یہ بھی بتا دیا کہ جو بھی گواہی دی جائے وہ اللہ کی رضا کے لیے ہو جس کے ذریعہ مظلوم کا حق اسے مل جائے۔ اہل دنیا میں سے کسی کے دباؤ میں جموٹی گوی نہ دے دی جائے۔ اللہ کی رضا کے لیے گواہی دینے میں یہ بھی شامل ہے کہ اجرت پر گواہی نہ دے۔ گواہی دینے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے البتہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔

اد پر جو احکام مذکور ہوئے سراپا ہدایت ہیں ان کے ماننے میں خیر ہی خیر ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان کا دھیان کریں اور ان کے مطابق چلیں، سامنے آخرت کا دن بھی ہے جسے آخرت کا یقین ہے حساب کتاب کا ڈر ہے اسے تو ضرور ہی نصیحت پر عمل کرنا لازم ہے۔

تقویٰ اور توکل کے فوائد:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے)۔
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق ملنے کا خیال بھی نہ ہو) اس میں مومن بندوں کے لیے بہت بڑی تعلیم ہے جو شخص فرما نبرداری کرے گانیک اعمال میں لگے گا گناہوں سے بچے گا اور احکام شریعہ پر عمل کرے گا (خواہ حلاق یا رجعت سے متعلق ہوں جن کا یہاں ذکر ہے۔ خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق) ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی ہے۔

تقویٰ مومن بندوں کے لیے دنیا و آخرت میں نلاح کا ذریعہ ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ والوں سے وعدے کیے ہیں اول یہ کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی مخرج یعنی مشکلات سے نکلنے کا راستہ نکال دے گا۔ دنیا میں مشکلات تو پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے لیے تدبیریں کرتے رہتے ہیں بعض لوگ گناہوں کے ذریعہ ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (کیا رجوع کرنے کی کوئی صورت ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ حماقت کا کام کرتے ہو پھر کہتے ہو اے ابن عباس، اے ابن عباس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا** اور اے سائل تو اللہ سے نہیں ڈرا۔ میں تیرے لیے

کوئی مخرج یعنی مشکل سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، تو نے اللہ کی نافرمانی کی تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۹۹)

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کو اللہ ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا دھیان بھی نہ ہوگا۔
 دونوں وعدے دنیا سے متعلق ہیں اور آخرت سے بھی، تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے دنیا میں بھی خیر ہے مشکلات

سے چھٹکارہ ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے جہاں سے خیال بھی نہ ہو۔ یہ باتیں آزمائی ہوئی ہیں۔
 حضرت ابو ذرؓ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان کے لیے کافی ہو جائے۔ وہ آیت یہ ہے: **وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ** (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لیے کافی ہے) اس سے پہلے متقی کے لیے نبیؐ مدد اور خیر و خوبی اور رزق کا وعدہ فرمایا اور اس جملہ میں توکل کرنے والوں سے خیر کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے کافی ہے یہ بھی بہت بڑی بشارت ہے اور اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت کا اعلان ہے۔
 تقویٰ اور توکل دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں مومن کی گامی کے پہرے ہیں۔ کوئی دونوں کو اختیار کر کے تو دیکھے پھر دونوں چیزوں کی برکات بھی دیکھ لے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل ہر وادی میں کچھ نہ کچھ مشغول رہتا ہے سو جس شخص نے اپنے دل کو ان سب مشغولیوں میں لگا دیا اس کے بارے میں اللہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کر دے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے سب کاموں کی کفایت فرمائے گا۔
 (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۳)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آ جاتے ہیں۔
 توکل کے درجات ہیں ترک اسباب بھی ایک درجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے۔ **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ** (اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۴)

اسباب اختیار کرتے ہوئے بھی بندہ متوکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ اللہ پر ہی ہو اور حقیقی رازق اسی کو سمجھتا ہو جب یہ بات حاصل ہو جائے تو بندہ اسباب اختیار کرنے میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور رزق حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا جس میں گناہ کو اختیار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ (بیشک اللہ اپنا کام پورا کر ہی دیتا ہے) وہ جو ارادہ فرمائے گا اس کے ارادہ کے مطابق ہو کر رہے گا اور احکام تشریحیہ میں جو حکم دینے کا ارادہ کرے گا وہ حکم دے ہی دے گا اس کے ارادہ کو کوئی روکنے والا نہیں۔ **قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا** (بے شک اللہ نے ہر چیز کو ایک انداز مقرر میں رکھا ہے)۔ اسی کے مطابق تکوینی اور تشریحی احکام نافذ ہوتے رہتے ہیں۔

تیسرا حکم یہ فرمایا: اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوهِكُمْ کہ ان عدت گزارنے والی عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ، جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو اپنی استطاعت کے مطابق۔

چوتھا حکم یہ فرمایا: وَلَا تُضَارَّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (اور تم ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ انہیں تنگی میں ڈال دو اور وہ تمہارے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں)۔

پانچواں حکم یہ فرمایا کہ حمل والی عورتوں پر حمل وضع ہونے تک خرچ کرو۔

مطلقہ عورتوں کے اخراجات کے مسائل:

ان احکام کی توضیح اور تفسیر یہ ہے کہ عدت والی عورتوں کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) رجعی طلاق دی ہوئی ہو۔ (۲) طلاق بائن یا مغلطہ دی گئی ہو اور عورت حمل والی نہ ہو۔ (۳) طلاق ملنے والی عورت حاملہ ہو۔ (۴) وہ عورت جس نے شوہر سے طلع کر لیا ہو۔ (۵) عدۃ النوفاة گزار رہی ہو۔

ان عورتوں کو جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تین ہیں:

1 کھانے کا خرچہ۔ 2 رہنے کا گھر۔ 3 کپڑے پہننے کی ضرورت۔ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلطہ حالت حمل میں ہو یا غیر حمل میں۔ ہر صورت میں طلاق دینے والے کے ذمہ ہے کہ عدت کے زمانے کا نان و نفقہ برداشت کرے اور رہنے پہننے کے لیے گھر بھی دے اگر خود بھی اسی گھر میں رہے تو طلاق بائن یا مغلطہ ہونے کی صورت میں پردہ کر کے رہے اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے طلع کر لی تو یہ بھی طلاق بائن کے حکم میں ہے۔ وہ مقید بہا اذا لم تجعلہ داخل فی بدل الخلع۔ (راجع لہجراتی) اس میں بھی عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا نان و نفقہ اور رہنے کے لیے گھر دینا واجب ہوتا ہے اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو اس پر عدت تو لازم ہے لیکن شوہر کے مال میں نان و نفقہ واجب نہیں یہ عورت اپنے مہر میں سے یا میراث کے حصہ میں سے اپنے اوپر خرچ کرے اگر خرچہ موجود نہ ہو اور میکہ والے بھی خرچ نہ کریں تو محنت مزدوری کر کے گزارہ کر لے، اگر اس کے لیے گھر سے نکلنا پڑے تو پردہ کے ساتھ دن میں باہر جاسکتی ہے اگر واپسی میں دیر ہو جائے اور تھوڑی سی ابتدائی رات اپنے گھر سے باہر گزار جائے تو اس کی اجازت ہے ضرورت پوری ہوتے ہی واپس آ جائے اور رات کو اسی گھر میں رہے جس میں رہتے ہوئے شوہر نے وفات پائی ہے عدت وفات والی عورت کے شوہر کی میراث سے مذکورہ گھر میں اگر اتنا حصہ نہ نکلتا ہو جو اس کی رہائش کے لیے کافی ہو یا شوہر کے ورثہ اس کو گھر سے نکال دیں یا مکان کرائے پر تھا اس کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اپنی جان یا مال کے بارے میں خوف و خطر ہو تو اس گھر کو چھوڑ سکتی ہے جس میں شوہر کی وفات ہوئی۔

مطلقہ عورتوں کو رہنے کی جگہ دینے کا حکم:

اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوهِكُمْ میں فرمایا ہے اور مِنْ وُجُوهِكُمْ فرمایا کہ یہ بتا دیا کہ اپنی وسعت قوت

اور طاق کو دیکھو اس کے مطابق اسے رہنے کو جبکہ دو شریعت کی پاسداری کرو حکم شرعی ہونے کی وجہ سے انہیں اسی گھر میں ٹھہراؤ جس میں تم رہتے ہو۔ وَلَا تُضَاوِذُوهُنَّ لِتُضَيِّقُوهُنَّ عَلَيْنَهُنَّ اور ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم انہیں تنگدل کر دو یعنی ایسی صورت اختیار نہ کرو کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ قول سے یا نفل سے کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اس کا تمہارے ساتھ رہنا دو بھر ہو جائے یہ تو مطلقہ عورتوں کو رہائش دینے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد فرمایا:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَ آبُوهُنَّ أُولُوهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَ آبُوهُنَّ أُولُوهُنَّ جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو ماں باپ دونوں مل کر پرورش کرتے ہیں۔ بیچ شفیقت میں پلتے بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ ماں دودھ پلاتی ہے اور باپ بچہ پر اور بچہ کی ماں پر خرچ کرتا ہے لیکن اگر طلاق ہو جائے تو بچے کی پرورش کا اور دودھ پلانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دل تو چاہتا ہے کہ میں ہی اسے دودھ پلاؤں اگر مفت میں پلاؤں تو اسے اختیار ہے اور اچھی بات ہے اور اگر بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی مناسب اجرت مانگے تو یہ بھی جائز ہے اور باپ کے ذمے ہے کہ اسے دودھ پلانے کی اجرت دے۔ اس مضمون کو مذکورہ عبادت میں بیان فرمایا ساتھ ہی ذَا اَجْرٍ وَ اِثْمَانٍ بِمَنْعِ ذَنْبٍ بھی فرمایا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ دونوں باہمی مشورہ کر لیں اور بچہ کی خیر خواہی ہر ایک کے پیش نظر رہے عورت بھی مناسب سے زیادہ اجرت نہ مانگے اور باپ بھی اجرت طے کرنے کے بعد انکار نہ کرے۔ حق واجب کو نہ روکے، باپ یوں نہ سمجھے کہ چونکہ اس کا بچہ ہے اس کو پلانا پڑے گا میں اجرت دوں یا نہ دوں، کم دوں یا زیادہ دوں اور ماں یہ سوچ کر زیادہ اجرت نہ مانگے کہ اپنے بچے کی وجہ سے یہ منہ مانگی اجرت دینے پر راضی ہوگا۔

شرعاً باپ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بچہ کی ماں کی مطلوبہ اجرت ضرور ہی دے۔ زائد اجرت طلب کرنے کی صورت میں دوسری عورت سے بھی دودھ پلوا سکتا ہے لیکن ماں، ماں ہی ہے وہ زیادہ شفیقت سے رکھے گی، باپ بچے کو اس کی ماں کے ذمے لگائے اور اسی سے دودھ پلوائے تو اسے بھی چاہیے کہ مناسب اجرت سے زائد نہ لے۔ رضاع اور رضاع کے مسائل سورہ بقرہ میں بھی گزر چکے ہیں۔

فَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فَطَلَّقَ امْرَاَتَهُ فَطَلَّقَ امْرَاَتَهُ دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لیے لے لیا تو جب تک شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان و نفقہ مل رہا ہے تو اس وقت تک دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی، یعنی دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا۔ اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے۔

وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمُوهُ فَسُدُّواْ عَنْهُ كَمَا اُنْتَضَىٰ ۗ اور اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو کہ نہ ماں مناسب اجرت پر دودھ پلانے پر تیار ہو اور نہ باپ اس کی مطلوبہ اجرت دینے پر راضی ہو تو دوسری عورت پلا دے گی یہ بظاہر خیر بمعنی الامر ہے یعنی بچہ کا والد اور کسی دودھ پلانے والی کو تیار کر لے جو دودھ پلا دے، اس طرز خطاب میں تربیت رہبانہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک جان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے زندہ بھی رکھتا ہے اور اس کی پرورش بھی کروانی ہے تو وہ کسی اور کو آمادہ فرمادے گا آخر بے ماؤں کے بچے بھی تو پرورش پاتے ہی ہیں۔

کافی جبر دخلت علی ای بمعنی کم من قریۃ ائی و کثیر من القرى عثت عثت
 نبی اهلها عن امر ربها و رسله فحاسبنا فی الآخرة وان لم نجئ لتحقق وقوعها حساباً
 شديداً و عذابها عذاباً ثكراً ۱ بسكون الكاف وضمها فظيغاً وهر عذاب النار فذاقت وبال
 امرها عذوبته و كان عاقبة امرها خسراً ۱ خسراً و هلاكاً اعد الله لهم عذاباً شديداً
 تكثيراً الوعيد تاكيداً فاتقوا الله يا اولي الابواب اصحاب العقول الذين امنوا نعت للمنادي
 الذين قد انزل الله اليكم ذكراً ۱ هو القرآن رسولا ائی محمداً منطوب بفعل مقدر ائی
 و انزل يتلوا عليكم آيت الله مبينت بفتح الباء و كسرهما كما تقدم ليخرج الذين امنوا و عملوا
 الصالحات بعد مجي الذکر و الرسول من الظلمت الكفر الذي كانوا عليه إلى التوراة الايمان الذي
 قام بهم بعد الكفر و من يؤمن بالله و يعمل صالحاً يؤدخه و في قرآنة بالنون جنت تجرى من
 تحتها الأنهار خالدين فيها ابداً ۱ قد احسن الله له رزقاً ۱ هو رزق الجنة التي لا ينقطع نعيمها
 الله الذي خلق سبع سموات و من الأرض مثلهن ۱ يعنى سبع ارضين يتنزل الامر الوحي
 بينهن بين السموات و الأرض ينزل به جبرئيل من السماء السابعة إلى الأرض السابعة لتعلموا
 تتعلق بخلاف ائی اعلمكم بذلك الخلق و التنزيل ان الله على كل شىء قدير ۱ و ان الله قد
 احاط بكل شىء علماً ۱

تو جبکہ: اور کئی ہی (کاف جارہ، ائی بمعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تھیں (یعنی بہت سی بستیاں تھیں) جنہوں نے سرتابی
 کی (یعنی ہستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پروردگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، سو ہم نے ان کا سخت حساب
 کیا (آخرت میں وہ اگرچہ ابھی آئی نہیں۔ لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا
 دی (نمر آسکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال (مزد) چکھا اور انجام
 کاران کا خسارہ ہی ہوا (جہاں اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید و عید کے لئے
 ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اے سمجھ دارو (عقل مندو) ایماندارو (منادئ کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس
 ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول (یعنی محمدؐ یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ائی وارسل) جو تمہیں اللہ کے

احکام سناتے ہیں پڑھ کر صاف صاف (نتیجہ یا اور کسرۃ یا کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تاکہ ایمان داروں، نیکو کاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تاریکیوں سے (اس کفر کی جس پر وہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قرأت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح کی (سات) زمینیں بھی، احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے (مخروف کے متعلق ہے۔ اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِذٰلِکَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِیْلِ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علی میں لیے ہوئے ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

- قوله: وَ اِنَّ لَم تَعْبُوْا: ماضی کی تعبیر و تحقیق کے لیے ہے۔
- قوله: شٰدِیْدًا اَب: مناتشہ میں۔
- قوله: یَتَلَوْا: یہ رسول کی صفت ہے۔
- قوله: قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ: جو ان کو ثواب ملے گا، اس پر تعجب اور اس کی بڑھائی کو ذکر کیا۔
- قوله: اللّٰهُ: یہ مبتداء اور الذی اس کی خبر ہے۔
- قوله: بِذٰلِکَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِیْلِ: یہ ایک اس کے کمال قدرت و علم پر درال ہے۔

تفسیر مقبولین

وَ کَاٰیٰتٍ مِّنْ قُرْآٰنٍ ---

رعی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کرو گے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ کی نافرمانی کا خمیازہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کی سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا۔ اور ان کو ایسی آفت میں پھنسا یا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ذُکِّرَ اِلٰہُ زَسُوْلًا ---

ذکر اگر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔

زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں:

زَمِينَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ

یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو اکاب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مرخ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

يَتَنَزَّلُ الْأَمْوُ: عالم کے انتظام و تدبیر کے لئے اللہ کے احکام تکوینیہ و تشریحیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی موقوف روایت: سبع ارضین فی کل ارض نبی کنیبکم و ادم کا دمکم الخ مشکلات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ سے فرمائی ہے: والمراد ان فی کل ارض خلفا یرجعون الی اصل واحد رجوع بنی ادم فی ارضنا الی ادم علیہ السلام و فیہم افراد ممتازون علی سائرہم کنوح و ابراہیم وغیرہما فینا۔ اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمانا پڑا: لو حدثتکم بتفسیرہا لکفرتم و کفرتم بتکذیبکم بہا (در منثور)

اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہئے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہئے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوانے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول قَاتِلُوا اللہَ میں حکم ہے۔ پھر وَ مَنْ يَتَّقِ اللہَ دنیوی اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور: وَ مَنْ يَتَّقِ اللہَ يَجْعَلْ لہُ مِنْ دنیوی برکات کا اور: وَ مَنْ يَتَّقِ اللہَ يَكْفِرْ الخ میں اخروی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل۔ وَ اَنَّ اللہَ قَدَّ اَحَاكَ۔ یعنی اللہ کی صفات علم و قدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا تکوینی تشریحی نظام پھیلا یا ہے۔ بقیہ صفات الہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو کنت کنز اخفینا فاحببت ان اعرف بیان کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

لا ندی: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شتوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا یا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

وَ مَنْ يَتَّقِ اللہَ: تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اَسْرُوا بَيْنَكُمْ بِسَعْرِوْفٍ: عورت سے ناقص العقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور

بعض دفعہ تاقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔ پس یہ دونوں ہی پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔
 وَإِنْ تَعَاَسَؤُمْ: سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی تنگی میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے

کی آزادی میں خلل پڑے۔ اہل طریق اس کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔
 قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا لِّذِكْرِ اللَّهِ وَتُؤَلَّاهُ تَسْوِيًّا أَمْ ذِكْرِ اللَّهِ كِي صِفَتِ هُوَ تَوْبًا بَطُورًا سَابِقًا دُونَ مِثْلِ اتِّحَادِ هُوَ۔ جس سے معلوم ہوا کہ
 شیخ کی صحبت اور گفتگو ذکر کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

سورة تحريم میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی بارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع کی سورۃ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ مِنْ أَمْتِكَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ لَمَّا وَافَعَهَا فِي بَيْتِ حَفْصَةَ
 وَكَانَتْ غَائِمَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذَلِكَ فِي بَيْتِهَا وَعَلَى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ
 تَبَيَّنَ بِنَحْرِئِهَا مَرَضَاتِ أَرْوَاجِكَ ۗ أَيُّ رِضَاهُنَّ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ غَفَرَ لَكَ هَذَا التَّحْرِيمُ
 قَدْ فَرَضَ اللَّهُ شَرَعَ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۗ تَحْلِيلُهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ وَ
 مِنَ الْإِيمَانِ تَحْرِيمُ الْأَمَةِ وَهَلْ كَفَّرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُقَاتِلٌ أَعْتَقَ رَقَبَةً فِي تَحْرِيمِ مَارِيَةَ وَ
 قَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكْفِرْ لِأَنَّهُ مُعْفُورٌ لَهُ وَاللَّهُ مُؤَلِّمٌ ۗ نَاصِرٌ كُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ اذْكُرْ وَإِذْ
 أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَرْوَاجِهِ هِيَ حَفْصَةُ حَدِيثًا ۗ هُوَ تَحْرِيمِ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْسِدِي فَمَا
 نَبَأَتْ بِهِ عَائِشَةُ ظَنَامِنَهَا أَنْ لَا خَرَجَ فِي ذَلِكَ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ أَطَّلَعَهُ عَلَيْهِ عَلَى الْمُنَابِهَةِ عَرَفَ
 بَعْضَهَا لِحَفْصَةَ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۗ تَكْرِمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَاهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا ۗ قَالَ
 تَبَانِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝ أَيُّ اللَّهِ إِنْ تَشُوبًا ۗ أَيُّ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۗ
 مَالَتْ إِلَى تَحْرِيمِ مَارِيَةَ أَيُّ سِزْ كَمَا ذَلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ وَذَلِكَ ذَنْبٌ وَ
 حَوَابِ الشَّرْطِ مَحْدُوفٍ أَيُّ تَقْبَلًا وَأَطْلَقَ قُلُوبَ عَلَى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعْبَرْ بِهِ لِاسْتِثْقَالِ الْجَمْعِ بَيْنَ تَشْبِيهِينِ
 فِيمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ وَإِنْ تَظْهَرَا بِإِدْغَامِ النَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَرْضِ فِي الظَّاءِ وَفِي فِرَازَةِ بَدُونِهَا
 فَتَقَارُونَا عَلَيْهِ ۗ أَيُّ النَّبِيِّ فِيمَا يُكْرَهُهُ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ فَضْلٌ مُؤَلِّمٌ نَاصِرُهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ

المؤمنین أبو بكر وعمر منطوف على محل اسم ان فيكونن ناصريه والسليكة بعد ذلك
 بعد نصر الله والمدكورين ظهير ١ ظهره اعوان له في نصره عليكما على ربه ان طلقن
 اي طلق النبي ارجه ان يبداك بالتشديد والتخفيف ارجا خيرا فيمكن خسر عسر
 والجملة جوات الشرط ولم يقع التبديل لعدم وقوع الشرط مسيلبت مقربات بالاسلام مؤمنين
 مخلصات قنيت مطيعات تيببت عبادت سبحت صائبات او مهاجرات تيببت
 ابكارا ١ يايها الذين امنوا قوا انفسكم واهليكم بالحمل على طاعة الله تعالى نارا
 قودها الناس الكفار والجارا كاضناهم منها يعني انها مفردة الحزارة تتقد بما ذكره
 لاكثر الدنيا تتقد بالخطب ونحوه عليها ملكة خزنتها عدتهم تسعة عشر كما ستاتي في
 المذبر غلاظ من غلظ القلب شداد في البطش لا يعصون الله ما امرهم بدل من
 الجلالة اي لا يعصون ما امر الله ويفعلون ما يؤمرون ١ تا كيد والاية تحويث للمؤمنين عن
 الازدياد وللمنافقين المؤمنين بالسنتهم ذون قلوبهم يايها الذين كفروا لا تعتذروا اليوم
 يقال لهم ذلك عند دخولهم النار اي لانه لا ينفعكم انما تجزون ما كنتم تعملون ١ اي جزالة

توجعہا: اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قطیہ جو آپ کی حرم ہیں۔ حصہ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن دشمنی کے معاملات کر لئے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں گراں گزرا۔ اس لئے آپ نے ان کو خوش کرنے کو فرما دیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ (اس کو حرام کر کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے معاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کھولنا مقرر (شروع) فرمایا ہے (سورۃ مائدہ والا کفارہ ادا کر کے قسمیں کھولی جاسکتی ہیں۔ حرم کو حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرتؐ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقاتل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلہ میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا۔ بڑی حکمت والا ہے اور (یاد کر) جب کہ پیغمبر نے اپنی بیوی (حصہ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہ کو حرام کر لیا۔ اور یہ کہ اس کو کسی سے کہنا مت) پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہ کو۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے) اور پیغمبر کو اللہ نے

اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبر نے (حفصہ کو) تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سے (مروت میں) مائل
 گئے۔ پیغمبر نے جب اس بیوی کو وہ بات بتلائی۔ تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ کو
 بڑے جانتے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر دی ہے۔ اے دونوں بیویا! (حفصہ و عائشہ) اگر تم اللہ کے آگے
 توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرت نے اس تحریم کو باوجود ناگوار سمجھنے
 کے تم دونوں کو چپکے سے بتلا دیا۔ اور یہ کوتاہی ہے۔ جو اب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا اور قلین کی
 بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں
 کاروائیاں کرتی رہیں (تظاہر آ کی اصل تتظاہر آ جس میں تائے ثانیہ کو ظا میں ادغام اور ایک قراءت میں بغیر ادغام
 ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو ضمیر فصل
 ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبریل اور نیک بندے ہیں (یعنی ابوبکر و عمر۔ اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی
 یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبریل صالح المؤمنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظہیر بمعنی
 ظہراء تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں۔ ان کی مدد حضور کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے
 دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسی کی خبر ہے اور جملہ
 جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے
 والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے
 والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیوائیں، کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر
 واپس کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے
 بت، یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہوگی جو ان چیزوں سے دھو نکالی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو کٹڑیوں وغیرہ سے
 راکھ ہے) جس پر فرشتے ہیں (جنہم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورہ مدثر میں انیس (۱۹) آ رہی ہے) جو تند خو (سخت مزاج)
 مضطرب (کج مزاج) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (امّا امر اللہ سے بدل ہے
 جتنی حکم الہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد
 ہونے سے ڈراتا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈراتا ہے جو دل سے نہیں، صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافر! آج
 تم عذرت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی معذرت کا اب کوئی ناکدہ نہیں ہے) پس تم کو تو
 اس کی مزال رہی ہے۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: حَفْصَةُ بِنْتُ عَلِيٍّ: یہ ان کی باری کا دن تھا تو حَفْصَةُ نے آپ ﷺ پر خطی ظاہر کی۔

قوله: بِتَحْرِيمِهَا: یہ جملہ لتحریم کی تفسیر ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: بَدُونِهَا: یعنی تخفیف کے ساتھ۔

قوله: عَسَى رَيْبُهُ: یہ بادشاہوں کی عادت کے مطابق وجوب کے لیے آتا ہے، اسی طرح لعل بھی۔

قوله: مِنْ غِلْظِ الْقَلْبِ: دل یا تول کی سختی۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ الْجَلَالَةِ، مَا أَمَرَهُمْ: یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا مضمون اپنی عظمت و اہمیت کے لحاظ سے اس بات کی راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی گھریلو زندگی کو اعتدال و احتیاط کے ساتھ گزارنی چاہئے اور اس میں اہل بیت کے حقوق و جذبات کی رعایت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کو بھی پوری طرح برقرار رکھا جائے، اور اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ازواج میں سے کسی کی دلجوئی کی خاطر کسی دوسرے کی حق تلفی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ابتداء سورت میں آنحضرت ﷺ نے جو مباح چیز یعنی شہداء اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کا ذکر ہے پھر ایسے جذبات جو اس امر کا داعی بنے ان کا بھی بیان ہے ساتھ ہی اس پر بھی تنبیہ ہے کہ گھریلو زندگی کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی راز ہونے کی وجہ سے اس کو راز ہی رکھا جائے اور یہ بھی ہے کہ اگر ازواج کسی قسم کی بے اعتدالی اختیار کریں تو یہ بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کو طلاق دے دی جائے اس ضمن میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر عورتیں اپنی مزاجی کیفیات سے کسی قسم کی بد عنوانی یا زیادتی اختیار کریں گی تو پھر ان صالح اور نیک اطوار کا دندوں کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی، اختتام سورت پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مرد صالح کی زوجیت میں کوئی شقی اور بد نصیب عورت آجائے، اور یہ بھی ممکن ہے صالح اور پاکباز خاتون کا شوہر عاصی و نافرمان ہو تو ایسے احوال میں عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ہدایت اور حق پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ.....

حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت:

یہاں سے سورۃ التحريم شروع ہو رہی ہے۔ اس کی ابتدائی آیات کا سبب نزول ایک واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا وقت ہر ایک کے پاس گزارتے تھے۔ ایک دن جو حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس شہد بی لیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں تو ہم کہہ دیں گے کہ آپ نے مغایر کھایا ہے (یہ ایک قسم کا گوند ہوتا تھا) چنانچہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف لائے تو یہی بات

عرض کر دی، آپ نے فرمایا کہ میں نے مغالیر تو نہیں کھایا بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھا لیا ہے کہ اس کے بعد ہرگز نہیں ہوں گا۔ اس پر آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَذِّرُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری صفحہ ۷۲۹: ۷۳۰)

یہ قصہ ذرا تفصیل سے صحیح بخاری صفحہ ۷۹۳ میں بھی ہے اس میں کچھ اختلاف روایت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو سوہ اور مقتداء بنا کر بھیجا تھا اس لیے طرح طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تاکہ امت کو اپنے حالات اور معاملات میں ان سے سبق ملے۔ آپ کی بعض بیویوں نے جو ایسا مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم ایسا ایسا کہیں گے یہ شوہر اور بیوی کی آپس کی دل لگی کی بات ہے اس میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ ان عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیوں ایذا پہنچائی، جب یہ عرض کیا گیا کہ آپ نے گوند کھایا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے گوند نہیں کھایا، میں زینب کے پاس سے شہد پئی کر آیا ہوں اور ساتھ ہی قسم بھی کھالی کہ اب میں نہیں کھاؤں گا اور سوال کرنے والی بیوی سے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی کو نہیں بتانا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی جو چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہیں آپ ان کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں، آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، یہ حرام قرار دینا ان کی خوشنودی کے لیے ہے حلال کو حرام قرار کر لینا اور پھر اس پر قسم کھانا آپ کے شایان شان نہیں ہے۔

وَاللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی عظمت بتائی ہے کہ ترک اولیٰ بھی آپ کے مقام رفیع کے خلاف ہے۔ یہ بھی توقع نہیں ہونا چاہیے تھا اور جو کچھ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف فرما دیا (آپ نے اعتقاداً حلال کو حرام قرار نہیں دیا تھا البتہ ترک مباح پر قسم کھالی تھی)۔

فَذُقْ مِنْهُ لَكُمْ تَجَلَّةٌ أَيْمَانِكُمْ

قسم کھانے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا جائے:

اس میں لفظ لَكُمْ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ساری امت کے لیے یہی حکم ہے کہ جب کسی چیز کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے ہمد برآ ہونے کا جو طریقہ شروع فرمایا ہے اس کے مطابق عمل کر لیں۔ یہ قسم کا کھولنا یعنی قسم کھا کر جو بات اپنے ذمہ کر لی ہے اس سے نکلنا اور طریقہ سے ہے ایک تو یہ ہے کہ قسم کو پورا کر دے (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اور دوسرا یہ کہ اگر قسم ٹوٹ جائے تو اس کا کفارہ دے دیا جائے ان دونوں صورتوں سے قسم ختم ہو جاتی ہے یعنی اس کا حکم باقی نہیں رہتا، پھر معلوم ہونا چاہیے کہ ایک تو یہ قسم ہے کہ اللہ کی قسم ایسا کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا (پھر اس میں معلق اور غیر معلق کی تفصیلات ہیں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی یسین ہے اس کا بھی کفارہ واجب ہے جیسا کہ قسم کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

تفسیر ترمذی میں بلا سند نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا تھا پھر زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا تھا۔

وَإِذَا سَأَرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی واقعہ جو بعض بیویوں کے ساتھ پیش آیا:

بعض مفسرین نے اس آیت کا تعلق بھی شہد والے قصہ سے بتایا ہے اور یوں تفسیر کی ہے کہ آپ نے جو یوں فرمایا تھا کہ میں شہد نہیں ہوں گا اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں لیکن جس اہلیہ سے یہ فرمایا تھا اس نے آپ کی دوسری اہلیہ کو یہ بات بتادی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس سے مطلع فرمادیا تو آپ نے اہلیہ کو تھوڑی سی بات بتادی۔ یعنی یہ بتا دیا کہ تو نے اتنی بات ظاہر کر دی ہے کہ نلاں عورت سے کہہ دی اور آپ نے تھوڑی سی بات سے اعراض فرمایا یعنی غایت کرم کی وجہ سے پورے اجزاء کا اظہار نہیں فرمایا تاکہ ظاہر کرنے والی اہلیہ کو یہ بات جان کر شرمندگی نہ ہو کہ میں نے جو کچھ دوسری خاتون سے کہا ہے وہ سب آپ کو معلوم ہو گیا، جب آپ نے بات بتانے والی بیوی کو یہ بتلایا کہ تو نے میری بات کہہ دی ہے تو اس نے سوال کیا کہ آپ کو کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا کہ مجھے علم و خیر یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ صاحب بیان القرآن نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ لیکن تفسیر کی کتابوں میں یہاں ایک واقعہ بھی لکھا ہے اور آیت بالا کو اسی سے متعلق بتایا ہے وہ واقعہ معاملہ امتزیل میں یوں لکھا ہے کہ: حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے گھر سے جانے کی اجازت مانگی، آپ نے اجازت دے دی آپ کی ایک باندی ماریہ قبطیہ تھی جن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے تھے، وہ وہاں پہنچ گئیں آپ نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی، حفصہؓ جو واپس آئیں تو انہوں نے دروازہ بند دیکھا اور صورتحال کو بھانپ لیا، جب آپ تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ نے میرے اکرام کے خلاف اور میری نوبت کے دن اور میرے بستر پر باندی سے استمتاع کر لیا، آپ نے فرمایا اس میں اعتراض دالی کون سی بات ہے میری باندی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کو طلال قرار دیا ہے چلوں موٹی اختیار کر دو میں اسے اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں تو راضی ہو جاؤ اور کسی کو خبر نہ دینا، جب آپ باہر تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے، اس کے بعد صاحب معاملہ امتزیل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام فرمایا تھا۔ وَإِذَا سَأَرَ النَّبِيُّ سے یہ بات مراد ہے جس میں یہ ہے کہ آپ نے حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ کسی کو خبر نہ دینا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اسی وقت یہ بتا دیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ سزا حفصہؓ نے یہ باتیں اپنی سہیلی سیدہ عائشہؓ کو بتادی، آپ نے فرمایا کہ تو نے عائشہ کو یہ بات بتائی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے علم و خیر نے بتا دیا، سیدہ حفصہؓ نے سیدہ عائشہؓ کو باندی حرام کرنے والی بات بھی بتادی تھی اور خلافت دالی بھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک بات کا ذکر فرمایا اور ایک بات چھوڑ دی یعنی یوں نہیں فرمایا کہ تو نے عائشہ کو خلافت والی بات بھی بتائی ہے، آپ چاہتے تھے کہ خلافت والی بات لوگوں میں نہ پھیلے۔ مفسر قرطبی نے بھی سیدہ ماریہؓ کو حرام قرار دینے والی بات لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ زیادہ ٹھیک ہے، لیکن صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہے اگر اس روایت کو سامنے رکھا جائے تو عَرَفَ بَعْضُهُمَا مطلب یہ ہوگا کہ سیدہ حفصہؓ نے سیدہ عائشہؓ کو

آپ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے خاموشی اختیار فرمائی۔

آیت بتائی تھی ان میں سے آپ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے خاموشی اختیار فرمائی۔
آیت بالا کو شہد والے قصہ سے متعلق مانا جائے تو اس میں چونکہ سیدہ حفصہ اور سیدہ عائشہ دونوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ
آپ کریم ﷺ کو تکلیف دینے والا مشورہ کیوں کیا، ارادہ خواہ ایذا دینے کا نہ ہو صرف دل لگی مقصود ہو لیکن صورت حال ایسی بن گئی
کہ آپ کو اس سے تکلیف پہنچی لہذا توبہ کا حکم دیا گیا۔ دوسرے قصہ میں بظاہر سیدہ عائشہ پر کوئی بات نہیں آتی کیونکہ انہوں نے
صرف بات سنی تھی اور آگے بڑھانے کا ذکر بھی نہیں ملتا، ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے سیدہ حفصہ نے ان سے یوں کہا ہو
کہ تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں مجھے منع تو کیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں لیکن تم سے جو سہیلے پن کا تعلق ہے اس لیے بیان کر دیتی
ہوں اگر انہوں نے یوں کہا اور انہوں نے سن لیا تو ایذا دینے والی بات بن سکتی ہے ان کو چاہیے تھا کہ یوں کہہ دیتیں کہ جب
آپ نے بیان کرنے سے منع فرما دیا ہے تو میں نہیں سنتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رَبَّنَا تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا

رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج سے خطاب:

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں سیدہ حفصہ اور سیدہ عائشہ کو توبہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی
بارگاہ میں توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل صحیح راہ سے ہٹ گئے تھے تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر رسول
اللہ ﷺ نے شہد پینے اور اپنی جار یہ سے متنوع ہونے سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور اس کے بارے میں قسم کھالی
تھی حالانکہ آپ کو یہ چیزیں پسند تھیں ان باتوں سے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی
طرف متوجہ فرمایا۔

دوسری آیت میں آپ کی ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ تم کو طلاق دے دیں
تو ان کا پروردگار عنقریب تمہارے بدلہ تم سے اچھی عورتیں عطا فرمادے گا یہ عورتیں اسلام والی، ایمان والی، فرمانبرداری
کرنے والی، توبہ کرنے والی، عبادت کرنے والی، روزہ رکھنے والی ہوں گی، جن میں بیوہ بھی ہوں گی اور کنواری بھی، پھر ایسے
واقعہ پیش نہیں آیا، نہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دی اور نہ ان کے بدلہ دوسری بیویاں عطا کی گئیں۔

مزید فرمایا کہ اگر تم دونوں آپس میں کسی ایسے امر پر ایک دوسرے کی مدد کرتی رہو گی جس سے رسول اللہ ﷺ کو
تکلیف پہنچ سکتی ہو تو رسول اللہ ﷺ کو اس سے ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرائیل بھی اور مومنین بھی، اور
ان کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اور فرشتوں کی خاص کر جبرائیل اور صالح مومنین کی مدد ہو،
اسے تمہارے مشورے کیا نقصان دے سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا وہ دونوں کون سی عورتیں ہیں جن کے بارے میں

وَأَنَّ تَقَاطُرَ أَعْلَانِهِ فَرَمَا يَهْ أَبْجَى مِيرَى بَات پورى نہ ہونى تھى حضرت عمرؓ نے جواب ديا کہ اس سے عائشہ اور حفصہ مراد نہ۔
(صحیح بخاری جلد ۲۳ ص ۲۳۱)

رسول اللہ ﷺ کے ایلاء فرمانے کا ذکر:

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ناراض ہو کر ایک ماہ کا ایلاء کر لیا تھا یعنی یہ قسم کھالی تھی کہ بیویوں کے پاس نہیں جاؤں گے اس زمانہ میں آپ نے ایک بلاخانہ میں رہائش اختیار فرمائی۔ صحابہؓ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ اس بات کا پتہ چلانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے پہلے سمجھانے کے طور پر حضرت عائشہ اور اپنی بیٹی حفصہ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ پہلے سے حاضر خدمت ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اعدوتوں کے بارے میں آپ کو کیا پریشانی ہے اگر آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے تو آپ کے ساتھ اللہ اور جبریل اور میکاں اور میں اور ابو بکر اور دوسرے مومنین ہیں اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق فرمائی و آیت کریمہ: عَلٰی رَبِّنَا نُنْزِلُ الْوَحْيَ اَنْ يُبَدِّلَ آذَانَ جِبْرِيلَ وَ آیت کریمہ: وَاِنَّ تَقَطُّرًا عَلَيْنَا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَوْلٰى وَ جَبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَ الْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰهِرُوْنَ ۝ نازل فرمائی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھ مومنین بیٹھے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آپ کی اجازت ہو تو میں انہیں بتا دوں کہ طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتا دو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بلاخانہ سے نیچے اتر آئے، ابھی آپ کو اتیس دن ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابھی ۲۹ دن ہوئے ہیں آپ نے تو قسم کھالی تھی کہ ایک ماہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے، آپ نے فرمایا یہ اتیس کا مہینہ ہے۔ (راجح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۸) (۱۸۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ

ہمارا گھرانہ ہماری ذمہ داریاں:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشادِ بانی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تا کہ اللہ تمہیں جہنم سے بچا لے، مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو، قتادہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام اللہ بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔ ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کہنے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے روکنے کی تعلیم دیتا رہے، مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو جب دس سال کے ہو جائیں

اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ، یہ حدیث ابوداؤد و ترمذی میں بھی ہے، فقہاء کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچنے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کرو کہ کس قدر تیز ہوگی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی جیسے اور جگہ ہے ترجمہ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو، یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے انہیں یہ سن کر غشی آگئی حضور ﷺ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھوک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہولا اللہ اللہ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو قرآن میں ہے ترجمہ یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میرے دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو، یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں کرتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے، حضرت مکرّم فرماتے ہیں جب دوزخیوں کا پہلا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں کپلیاں باہر کونگی ہوئی ہیں سخت بے رحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا اس قدر جسمیں ہیں کہ اگر کوئی پرند ان کے ایک کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گزر جائیں، پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی ردا ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہیں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے اسی طرح ہر ایک دروازہ پر یہ فرشتے اللہ کے فرمان کے تابع ہیں ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا ان کا نام زبانیا ہے اللہ ہمیں اپنے عذاب سے پناہ دے آمین۔ قیمت کے دن کفر سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو کوئی معذرت ہمارے سامنے نہ چل سکے گی، تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۖ بِفَتْحِ النُّونِ وَضَمِّهَا صَادِقَةٌ بَأْسٌ لَا يُعَادُ إِلَى الذَّنْبِ
 وَلَا يُرَادُ الْعَوْدُ إِلَيْهِ عَسَىٰ رَبُّكُمْ ۖ نَزِجِيَّةٌ تَقَعُ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ جَنَّاتٍ بَسَاتِيحٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ بِادْخَالِ النَّارِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ

يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ أَمَانُهُمْ وَيُكُونُونَ مِنْ تَحْتِهَا أَمْوَانُهُمْ لَنَا نُورًا إِلَى

الْجَنَّةِ وَالْمَنَافِقُونَ يُطْفِئُ نُورَهُمْ وَأَعْفَىٰ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

الْكُفَّارَ بِالسَّيْفِ وَالْمُنَافِقِينَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ بِالْأَيْتِهَارِ وَالْمَقْبِ وَمَا لَهُمْ

جَهَنَّمُ ۝ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتِ نُوحٍ وَامْرَأَتِ لُوطٍ كَانَتَا

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَاتَمَهُمَا فِي الذِّبْنِ إِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتِ امْرَأَتُ نُوحَ وَامْرَأَتُ

وَاهِلَةً تَقُولُ لِقَوْمِهَا اللَّهُ مَجْنُونٌ وَامْرَأَةُ لُوطٍ وَاسْمُهَا أَعْلَةُ تَدُلُّ عَلَىٰ أَضْيَافِهِ إِذَا نَزَلُوا بِهِ لَيْلًا بِالقَادِ النَّارِ

وَنَهَارًا بِالتَّذخِينِ فَلَمْ يُغْنِيَا أَيُّ نُوْحٍ وَلُوطٍ عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ

مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۝ مِنْ كُفَّارِ قَوْمِ نُوحٍ وَقَوْمِ لُوطٍ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتِ فِرْعَوْنَ

أَمَّتْ بِمُوسَىٰ وَاسْمُهَا سَيْبَةُ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِأَنْ أُوْتِدَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَالْقَىٰ عَلَىٰ صَدْرِهَا رُحَىٰ

عَظِيمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسُ فَكَانَتْ إِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وَكَلَّ بِهَا ظَلَمَتُهَا الْمَلَائِكَةُ إِذْ قَالَتْ فِي

حَالِ التَّعْذِيبِ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فِرْأَنَهُ فَسَهَّلَ عَلَيْهَا التَّعْذِيبَ وَ

نَجَّيْنِي مِنَ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَتَعَذَّبْتَنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ أَهْلَ دِينِهِ فَقَبَضَ اللَّهُ رُوحَهَا

وَقَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ إِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةً فَهِيَ تَأْكُلُ وَتَشْرِبُ وَمَرِيَمَ عَطْفَ عَلَى الْمَرْأَةِ فِرْعَوْنَ

ابْنَتِ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفَظْتَهُ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا أَيُّ جِبْرِئِيلٍ حَيْثُ نَفَخَ فِي

جَيْبِ ذُرْعِهَا بِخَلْقِ اللَّهِ فِعْلُهُ الْوَاصِلُ إِلَى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيسَىٰ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا

بِحُجَّتِهِ وَكُتِبَ الْمُنزَلَةُ وَكَانَتْ مِنَ الْقَدِيمِينَ ۝ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيعِينَ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (نصوح فتحہ نون کے ساتھ اور ضم نون کے ساتھ۔ بمعنی صادقہ کہ پھر نہ وہ تصور کرے اور نہ اس کا ارادہ ہو) امید ہے (جو پوری ہو کر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا

(دوزخ میں لے جا کر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو، ان کا نور ان کے سامنے (آگے) دوزخا ہوگا اور ان کے داہنے یوں دعا کرتے ہوں گے (جملہ مستانفہ ہے) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہرے اس نور کو اخیر تک رکھے (جنت میں جانے تک، اور منافقین کا نور گل ہو جائے گا) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے (ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار سے (تلوار کے ذریعہ) اور منافقین سے (زہن اور دہل سے) جہاد کیجئے اور ان پر (ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاندانوں کے ساتھ خیانت کی (بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہو گئیں۔ نوح کی بیوی جس کا نام دائلہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔ اور لوط کی بیوی جس کا نام داعلہ تھا۔ رات کو آنے والے مہمان کی اطلاع اپنی قوم کو آگ جلا کر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دھواں کر کے دیا کرتی تھی) سو وہ دونوں نیک بندے (نوح و لوط) اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔ اور حکم ہو گیا (ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ (یعنی قوم نوح و لوط کے اور کافروں کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے (جو سوئی پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔ فرعون نے اس کو چومینا کر کے سزا دی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر رکھوا دیا۔ اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا۔ چنانچہ جب وہاں سے سنتری ہٹتے تو فرشتے سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے) جب کہ اس بی بی نے (سزا کی حالت میں) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنا دے (چنانچہ جنت ان پر منکشف ہو گئی جسے دیکھ انہیں سزا ہلکی معلوم ہونے لگی) اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی (سزا) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھئے (جو فرعون کے طریقہ پر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لی۔ اور ان کیساتھ کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں۔ وہ کھاتی چیتی ہیں) اور مریم کا حال بیان کرتا ہے (اس کا عطف امرأة فرعون پر ہے) جو عمران کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ (برقرار) رکھا۔ سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی (یعنی جبریل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبریلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے) اور مریم نے اپنے پروردگار کے پیغامات (احکامات شرع) کی اور اس کی کتب (منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں (فرمانبرداروں) میں سے تھیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: تَوْبَةٌ نُّصُوحًا: خالص توبہ یہ صفت کی نسبت مجازی ہے۔

قوله: يَوْمَ لَا يَنْدُخِلْكُمْ سے طرف ہے۔

قوله: نُورُهُمْ: پل صراط پر۔

قوله: بِطُفَيْ نُوْرُهُمْ: یعنی پل صراط پر۔

قوله: بِالْاَنْتِهَارِ: ڈانٹ ڈپٹ۔

قوله: زَالَمَقْتِ: غصہ و غضب۔

قوله: بِاَيُّهَا النَّارِ: اس سزا کی مثال دی ہے کہ ان کو ان کے کفر کی سزا ملے گی تعلق کا فائدہ نہ ہوگا نہ ان کی مدد ہوگی۔

قوله: بِاَشْدَّ خَيْنٍ: دھواں (خرابی) پیدا کرنا۔

قوله: وَصَرَبَ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت اور کفار کے تعلق کو تشبیہ دے کر سمجھایا کہ کافروں سے تعلق ان کو نقصان

زدے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔

قوله: اوتداه: میٹھیں لگادیں۔

قوله: اَسْبِيْةٌ: کا معنی بچی ہے۔

قوله: عِنْدَكَ: یعنی تیری رحمت کے قریب۔

قوله: مِنْ رُّوْحِنَا: روح الامین کے توسط سے اس کو پیدا کیا۔

تفسیر مقبولین

پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم سچی اور خاص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں میل کچیل دھل جائے، برائیوں کی عادت ختم ہو جائے، حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو میں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنا ہے کہ خلاص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے، حضرت عبداللہ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم، علماء سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو، اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے، حضور ﷺ فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے، حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان پائین بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں دھلی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے، اسی طرح مرد مرد سے بد فعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول اللہ ہے، ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوص نہ کریں، حضرت ابو ذر نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ

انصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور ﷺ سے یہی سواں کیا تھا تو آپ نے فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا، حضرت حسن فرماتے ہیں تو بہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی وہ یہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو، جب کوئی شخص توبہ کرنے پر چنگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جبار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک یہ گناہ نہ کرے۔ جیسے کہ احادیث و آثار بھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر بھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے، جیسے کہ ابھی حدیث گزری کہ توبہ، اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے، تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام ما کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا، پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بد کرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑا ہوئی تو توبہ کے بعد بطور ولی ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

لفظ عسی گو تمنا امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں آئیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا، انہیں اللہ کی طرف سے نور عطا ہوگا جو ان کے گئے گئے اور دائیں طرف ہوگا۔ اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے، جیسے کہ پہلے سورۃ حدید کی تفسیر میں گزر چکا، جب یہ دیکھیں گے کہ منفقوں کو جو روشنی ملی تھی عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے ہمارا نور بھانہ بھننے نہ پائے۔ بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا (ترجمہ) میرے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے اٹھانے کی اجازت بھی مجھی کو مرحمت ہوگی میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظریں ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک صحابی نے کہا حضور ﷺ انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں مخلوط ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے کسی اور امت میں یہ بات نہ ہوگی دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، تیسری نشانی یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہچان لوں گا چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم:

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ اے نبی آپ کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کافروں سے جہاد بالسیف کا اور منافقوں پر رحمت قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے انہیں یہ بتانا کہ آخرت میں تمہاری بد حالی ہوگی اور تمہارے ساتھ نور نہ ہوگا اور مومنین کے ساتھ پل صراط پر نہ گزر سکو گے یہ سب ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کا معاملہ کرنے کو شامل ہے پھر حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ سختی کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حد و قائم کیجئے کیونکہ وہ ایسے کام کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جاتی تھی۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت حسنؒ سے یہ بات نقل کی ہے۔ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ٹھیک ہے، احقر کے خیال میں وَالْغُلَاظِ عَلَيْهِمْ کا مصداق یہ بھی ہے کہ منافقوں کی حرکتیں ایک عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد انہیں ذلت کے ساتھ نام لے لے کر پکڑ پکڑ کر مسجد نبوی سے نکال دیا گیا تھا۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ.....

حضرت نوح و لوط (علیہما السلام) کی بیویاں کافر تھیں اور فرعون کی بیوی اور سیدہ مریم مومنات میں سے تھیں

ان آیات میں دو ایسی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو بیویوں کے نکاح میں ہوتے ہوئے کافر تھیں اور کفر پر جمی رہیں اور دو ایمان والی عورتوں کا تذکرہ فرمایا۔ جن کافر عورتوں کا تذکرہ ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے (یہ شراعی سابقہ کی بات ہے ان کی شریعتوں میں کافر عورت سے نکاح جائز تھا ہماری شریعت میں صرف مسلمہ اور کتابی عورت سے نکاح جائز ہے کافر غیر کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جیسے ایک بیٹا کافر تھا سمجھانے بچھانے اور طوفان کا عذاب نظروں سے دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا اسی طرح سے آپ کی بیوی نے بھی ایمان قبول نہ کیا۔ اللہ کے ایک نبی کے ساتھ رہتی رہی لیکن مومن ہونا گوارا نہ کیا۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ عورت یوں کہا کرتی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔

دوسری کافر عورت جس کا ذکر فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بتایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غیر فطری عمل کرتے تھے اور مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بارہا انہیں سمجھایا لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی قوم کے لوگوں کی مدد کرتی تھی اور جب کوئی مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو لوگوں کو گھر میں آگ جلا کر بتا دیتی تھی کہ اس وقت تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے (آگ جلانے کو اس نے مہمانوں کی آمد کا نشان بنا رکھا تھا قوم کے لوگ دھواں یا روشنی دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ مہمان آئے ہیں اور پھر ان سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے) روح المعانی میں بھی فی تہتم کی تفسیر کرتے ہوئے ان دونوں باتوں کو لکھا ہے یعنی یہ کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کو دیوانہ بتاتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی خبر دے دیتی تھی۔

(تم قال روا جمع و صحیح کم من ابن عباس) ان دونوں میں سے ہر عورت، اللہ کے نبی کی بیوی تھی لیکن دونوں کفر پر قائم رہیں اور اسی پر موت آئی، لہذا اس کی سزا میں ان کو دوسرے دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں جانا پڑا، ان کے شوہروں کا نبی ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ہر ایسے شخص کی امید کو قطع کر دیا جو خود گناہگار ہو (کفر کی معصیت ہو یا فسق کی) اور امید یہ رکھتا ہو کہ جن نیک بندوں سے میرا تعلق ہے ان کی نیکی اور خوبی میرے تعلق کی وجہ سے مجھے نفع دے گی، خود گناہگار ہوتے ہوئے اپنے متعلقین کا نیک ہونا کام نہیں آ سکتا، اپنی نجات کی خود فکر کریں، جو لوگ نسبتوں پر بھروسہ کر کے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے دور رہتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کسی کی بیوی یا بیٹا یا پوتا یا نواسہ ہونے سے ہماری نجات ہو جائے گی یہ ان کی غلطی ہے۔ قطعاً اللہ بھذہ الآیۃ طمع کل من یو کب للعصیۃ ان ینفعہ صلاح عبرہ۔ (صفحہ ۲۳۶۸ ج: ۴)

جن روموں عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک فرعون کی بیوی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ جو لوگ ایمان لے آئے تھے فرعون انہیں بڑی تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیسیں گاڑ دیتا تھا اور اس وجہ سے اس سے سورہ ص اور سورہ الفجر میں ذوالاداد (کیلوں والا) بتایا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دی تھیں جب کیلیں گاڑنے والے جد ہو گئے تو فرشتوں نے اس پر سایہ کر دیا اس وقت اس نے یہ دعا کی: رَبِّ اِنِّیْ جِئْتُكَ بِبِنْتٍ اِنِّیْ جِئْتُكَ بِبِنْتٍ (اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا دیجئے) یعنی مقرب بندوں کے مقامات عالیہ میں جگہ نصیب فرمائیے۔ دعا کی تو ان کا جنت والا گھر اسی وقت منکشف ہو گیا۔

جنت میں بلند مرتبوں کی درخواست کرنے کے بعد یوں دعا کی کہ: وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِہٖ (کہ یارب مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات دیدے) اور ساتھ ہی یوں بھی دعا کی وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْرِ الظَّالِمِیْنَ (کہ مجھے ظالم قوم سے نجات دے دیجئے) ان ظالموں سے فرعون کے کارندے انصار و اعوان مراد ہیں جو فرعون کے حکم سے اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچا کرتے تھے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۱۶۳، ۱۱۶۴ ج: ۲۸) معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے۔ جب پتھر لے کر آئے تو انہوں نے مذکورہ بالا دعا کی، انہوں نے اپنا گھر جنت میں دیکھ لیا جو موتیوں کا گھر تھا اور اسی وقت روح پرواز کر گئی جب لوگوں نے پتھر رکھا تو بلا روح کا جسم تھا انہیں اس پتھر سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور حضرت حسن اور ابن کیسانؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرعون کی بیوی کو جنت میں اوپر اٹھا لیا وہ اہل کھاتی بنتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رسول اللہ ﷺ نے جن عورتوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں حضرت خدیجہؓ، حضرت مریم علیہا السلام، سیدہ فاطمہؓ، تیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت آسیہؓ کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے (روح المعانی)۔ آسیہ فرعون کی بیوی کا نام تھا۔

صحیح بخاری صفحہ ۵۲۲: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سے کامل نہیں ہیں مگر مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور آسیہ (فرعون کی بیوی) اور عائشہ کی فضیلت لوگوں پر پاک ہے عیسیٰ فضیلت ہے شریذ کی باقی کھانوں پر۔

اہل ایمان کو سیدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کا حال بھی بتایا ان کا تذکرہ سورۃ آل عمران رکوع ۴، ۵۰ میں اور سورۃ مریم رکوع ۲ اور سورۃ الانبیاء رکوع ۶ میں پہلے گزر چکا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ تھیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظہر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے بنی اسرائیل نے حضرت مریم پر تہمت دھری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت اور پاکبازی بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عَزْرًا لِّمَنِ الْبَقِيَّةُ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا)۔

فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا (سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک دیا اسی سے حل قرار پا گیا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ جس کی تفصیل سورۃ مریم میں گزر چکی ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی بیان فرمانے کے بعد ان کی دو صفات بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا: وَصَدَقَتْ بِحُكْمِ رَبِّهَا وَكُتِّبَ (اور اس نے اپنے رب کے کلمت کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی) یہ مضمون تمام ایمانیات کو شامل ہے۔ نیز فرمایا: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴿۱﴾ (اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہتی تھی، عربی قواعد کے اعتبار سے بظاہر کانت من القانتات ہونا چاہیے (جو صیغہ تانیث ہے) وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴿۱﴾ جنر باریہ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے یوں کہا ہے کہ یہاں لفظ القوم محذوف ہے یعنی وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴿۱﴾

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ ایسے کنبہ اور قبیلہ سے تھیں جو اہل اصلاح تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور بعض علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ صیغہ تانیث کیر تغلیب کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرنے میں ان مردوں کے شمار میں آگئیں جو عبادت و طاعت میں ہی لگے رہتے تھے چونکہ عموماً عبادات میں مرد ہی پیش پیش ہوتے ہیں اس لیے حضرت مریم (علیہا السلام) کو عبادت میں مشغول رہنے والے مردوں میں شمار فرما دیا۔ حدیث شریف میں جو: کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیہ امراة فرعون فرمایا ہے اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔

سُورَةُ الْمَلِكِ

الملک
سورة ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَنۡتَا ۲

سورہ ملک کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی تیس آیتیں ہیں اور ہر کلمہ کو

الحزب ۲۹

تَبَرَّكَ تَبَرُّةً عَنْ صِفَاتِ الْمُحَدَّثِينَ الَّذِي بِيَدِهِ فِي نَصْرِفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَرَاهُمَا فِي الدُّنْيَا فَالْطُّفَةَ
 تَعْرِضُ لَهَا الْخَيَوَةُ وَهِيَ مَا بِهِ الْإِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ صِدْهَا أَوْ عَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِي بِمَعْنَى
 النَّقْبِ لِيَبْلُوكُمْ لِيَخْتَبِرَ كُمْ فِي لُحْيَةِ أَيْكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ أَطْوَعُ لِلَّهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي انْتِقَامِهِ
 مِنْ عَضَاءِ الْغُفُورِ ۝ مَنْ تَابَ إِلَيْهِ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ
 مَنَاسِبٍ مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ مِنْ تَقْوَاتٍ ۝ تَبَالِيهِ وَعَدَمِ تَنَاسُبٍ فَارْجِعْ
 الْبَصَرَ ۝ أَعِدُّهُ إِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرَى فِيهَا مِنْ قُطُوبٍ ۝ صُدْرُوعٍ وَشُقُوقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
 كُوزًا نَعْدُ كَرَّةً يَنْقَلِبُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِمًا ذَلِيلًا لِعَدَمِ إِذْرَاقِ خَلَلٍ وَهُوَ حَسِيرٌ ۝ مُنْقَطِعٌ وَ
 لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا عَنْ رُؤْيَا خَلَلِ الْقُرْبَى إِلَى الْأَرْضِ بِصَافِيحٍ بِنُجُومٍ وَوَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا
 لِمَاجِمِ الشَّيَاطِينِ إِذَا اسْتَرْفَعُوا السَّمْعَ بَانَ يَنْفِصِلُ شِهَاتٍ عَنِ الْكُوكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ
 بِمِثْلِ الْجَبِي أَوْ يُحْبَلُهُ لِأَنَّ الْكُوكَبَ يَرْوُلُ عَنْ مَكَانِهِ وَاعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝ النَّارِ
 الْمُرْتَدَّةِ وَبِلَدَائِنِ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابَ جَهَنَّمَ ۝ وَيَأْتِسُ الْبَصِيرُ ۝ هِيَ إِذَا الْقُوَا فِيهَا سَبَعُوا
 لَهَا شَهِيْقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ وَهِيَ تَقُورٌ ۝ تَعْلَى تَكَادُ تَبَيُّرٌ وَقُرْئِ تَسْتَبْرُ عَنِ
 لِأَسْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ ۝ غَضِبَ عَلَى الْكُفَّارِ كُلِّمَا لَقِيَ فِيهَا فَوْجٌ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

سؤال تَرْبِيعِ اَلْمَ يَاتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ رَسُوْلٌ يَنْذِرُكُمْ عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاءَنَا نَذِيْرٌ

فَكَذَّبُوْا فَلَمَّا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ يَخْتَصِمِلْ اَنْ يَكُوْنُوْا مِنْ

كَلَامِ الْمَلٰٓئِكَةِ لِلْكَفٰرِ حِيْنَ اَخْبِرُوْا بِالْكَذِبِ وَاَنْ يَكُوْنُ مِنْ كَلَامِ الْكٰفِرِ لِلنَّذْرِ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا

نَسْمَعُ اٰى سِمَاعٍ تَفْهَمُ اَوْ نَعْقِلُ اٰى عَقْلٍ تَفْكُرُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاَعْرَفُوْا حِيْنَ

لَا يَنْفَعُ الْاِعْتِرَافُ بِذَنْبِهِمْ ؕ وَهُوَ تَكْذِيْبُ النَّذْرِ فَسَحَقًا يَسْكُوْنُ الْاَحْءِ وَضَمَّهَا لِاَصْحٰبِ

السَّعِيْرِ ۝ نَبِّئِذْ اَللّٰهُمَّ عَنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنْ الدِّيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَخَافُوْنَ بِالْغَيْبِ فِيْ غَيْبِ

عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ فَهَيِّئْ لَنَا سِرًّا نَكُوْنُ عَلٰنِيَةً اَوْلٰى لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ اٰى الْجَنَّةِ

اَسْرُوْا اِنَّهَا النَّاسِ كُوْلُكُمْ اَوْ اَجْهَرُوْا بِهِ ؕ اِنَّهُ تَعَالٰى عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝ بِمَا فِيْهَا فَكَيْفَ

بِمَا نَطَقْتُمْ بِهِ وَ سَبَبٌ تَرُوْنِ ذٰلِكَ اَنَّ الْمُسْرِ كَيْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَسْرُوْا قُوْلُكُمْ لَا يَسْمَعُكُمْ اِلَّا

عَنْ مَخْنَدٍ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ مَا لِيْسُرُوْنَ اٰى اَتَيْتَنِيْ عِلْمُهُ بِذٰلِكَ وَهُوَ اللّٰطِيْفُ فِيْ عِلْمِهِ الْخَيْرُ ۝

فِي لَا

ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے (خلق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت و قدرت) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں۔ یا موت و حیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے۔ جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا) اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تاکہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون محض عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا فرمانبردار) ہے، اور وہ (انفرمانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (تو بہ کرنے والوں کو) بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمانوں اور پرتلے پیدا کیے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی بناوٹ میں) کوئی خلل (فرق اور بے ٹکاپن) نہیں دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے۔ کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شکاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) درمندانہ بین کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چرانوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرنے

ہیں تو سارہ سے انکارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا جھڑتا ہے۔ اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے۔ یہ نہیں کہ سارہ ٹوٹتا ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دیکتی آگ ہے) اور جو لوگ اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالیں جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے (جو گدھے کی آواز کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تتمین اصل حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے (ڈالتے ہوئے) پوچھیں گے۔ کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ مگر ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا۔ تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممکن ہے یہ اخیر جملہ فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تامل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا مولعت ہو (سکون حاد اور ضمہ حاد کے ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر اس غنی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو علانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو۔ وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات پت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں تمہارا خدا سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ باریک میں ہے (بلحاظ علم کے) باخبر ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

تولہ: وَالْحَلْقُ عَلَيَّ الشَّانِي: یعنی جب موت عدم حیات کا نام ہو۔

تولہ: مَا تَرَى: یہ جناب رسول اللہ ﷺ یا ہر مخاطب کو خطاب ہے۔

تولہ: فَطُورٍ: بخل کے معنی میں ہے۔

تولہ: حَسِيرٌ: بار بار لوٹانے سے تھکی ہوئی۔

تولہ: فَمَزَّاحِمٌ: رجوم یہ رجم کی جمع ہے۔ وہ مصدر ہے جس چیز سے رجم اس کا نام اسے بنا دیا۔

تولہ: مِمَّا عَنَّفَهُمْ: اسے بلا تفتیش و بحث کے قبول کر لیا جائے اور معجزات پر اعتماد کر لیا جائے۔

تولہ: فِي غَيْبَةٍ: اس سے اشارہ ہے بالغیب۔ یہ معشون کے قائل سے حال ہے۔

قولہ: **قَوْلَكُمْ**؛ معنی یہ ہے کہ تمہارا اسرار اور جبر اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہے۔
 قولہ: **وَهُوَ اللَّطِيفُ**؛ یعنی اشیاء کی ہاریکیوں کا دانائے۔ الجبر۔ اشیاء کے حقائق سے واقف ہے۔

تفسیر مقبولین

احادیث سے اس سورت کے متعدد نام ثابت ہیں سورۃ تبارک، مانعہ، دافعہ، وقعیہ، اور منجیہ، تبارک تو اس وجہ سے کہ اسکی ابتدا ہی لفظ سے ہوئی، مانعہ، دافعہ اور منجیہ اس وجہ سے کہ یہ عذاب آخرت کو دفع کرنے والی ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ ہے دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں عذاب آخرت سے بچانے والی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں یہ تیس آیات ہیں، کہ انہوں نے اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کی اور اس وجہ سے وہ بخشا گیا فرمایا وہ تیس آیات (آیت) "تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد نسائی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں کسی قبر پر خیمہ لگا لیا اس نے سنا کہ کسی شخص نے سورۃ تبارک الذی کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ ختم سورت تک اس نے پڑھ ڈالا انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے منجیہ ہے اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ (جامع ترمذی) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الم تنزیل سجدہ اور سورۃ تبارک الذی اور سے لے کر آخرت تک پڑھ کر ختم نہ فرماتے۔ (لیث بن سعد، ابن ماجہ، طاؤس، ابن عمر) سے نقل کرتے ہیں کہ سورۃ الم تنزیل اور سورۃ تبارک الملک قرآن کریم کی ہر سورت سے ستر درجہ بڑھ کر ہیں، عکرمہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت میری امت کے ہر شخص کے سینے میں محفوظ ہو (اور قال هذا حدیث غریب) اور عکرمہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھے ایک حدیث کا ایسا تحفہ نہ دیدوں جس سے تو خوش ہو جائے اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا: "تبارک الذی بیدہ الملک" پڑھ کر اور اپنے گھر والوں اور سب بچوں کا سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس سے کہ یہ سورت منجیہ (نجات دلانے والی) ہے یہ سورت تو قیامت کے روز خدا کے یہاں اپنے پڑھنے والے کیلئے جگھڑے گی اور اس کو عذاب نار سے نجات دلائے گی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱)

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کے بعد سورۃ حاقہ اور معارج نازل ہوئیں اگرچہ حسن بصریؒ سے اس کا مدنی ہونا منقول ہے لیکن ان کے سوا کسی سے یہ منقول نہیں ہے نیز طرز کلام اور انداز مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہے اس وجہ سے قرطبیؒ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ سورت رحمانیات میں سے ہے کیونکہ لفظ رحمان نہایت ہی عظمت کے ساتھ اول و آخر

سورت میں استعمال کیا گیا دیگر وہ سورتیں جن میں لفظ رب استعمال کیا انکو رہائیات کہا گیا۔

مضامین قرآن کریم از اول تا آخر حق تعالیٰ شانہ کی خالقیت و قدرت اور توحید اثبات حشر و نشر اور مسئلہ رسالت پر مشتمل ہیں؛ خصوصاً کی سورتوں میں اصلاح عقائد کے اصول بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے جب کہ مدنی سورتوں میں معاملات اور اصلاح معاشرت سے متعلق مسائل کو زیادہ وضاحت سے ذکر فرمایا گیا تو اس سورت میں بھی پہلے حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و خالقیت کو بیان فرمایا گیا اور یہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کا نظام ہے وہی موت و حیات کا مالک ہے پھر تخلیق ہدایت اور اس کو ستاروں سے مزین کرنے کا بیان ہے اسی کے ساتھ اثبات رسالت کے بھی مضامین ہیں پھر ان مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں، عظمت و قدرت خداوندی کے دلائل بیان کرتے ہوئے اختتام سورت پر رسول خدا ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے والے مجرمین کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی گئی اور یہ کہ خدا کے عذاب کو کوئی ٹلانے والا نہیں اختتام سورت پر وعید کا انداز اس قدر بیت ناک ہے کہ اس پر غور کرنے والے کا دل لرز جائے۔

اِنَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَّبْلُوْكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عِبَادًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۱﴾

موت و حیات کی حقیقت:

احوال انسانی میں سے یہاں صرف دو چیزیں موت و حیات بیان کی گئیں کیونکہ یہی دونوں انسان کے تمام عمر کے احوال و افعال پر حاوی ہیں۔ حیات کے لئے پیدا کرنے کا لفظ تو اپنی جگہ ظاہر ہے کہ حیات ایک وجودی چیز ہے تخلیق و تکوین کا اس سے متعلق ہونا ظاہر ہے لیکن موت و جو بظاہر ایک عدم کا نام ہے اس کے ساتھ تخلیق کا تعلق کس طرح ہوا، اس کے جواب میں ائمہ تفسیر سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ روح اور بدن کا تعلق منقطع کر کے روح کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کرنے کا نام ہے اور یہ ایک وجودی چیز ہے۔ غرض جس طرح حیات ایک حال ہے جو جسم انسانی پر طاری ہوتا ہے اسی طرح موت بھی ایک ایسا ہی حال ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر سے جو یہ منقول ہے کہ موت و حیات دو مجسم مخلوق ہیں، موت ایک مینڈھے کی شکل میں اور حیات ایک گھوڑی کی شکل میں ہے۔ اس سے مراد بظاہر اس صحیح حدیث کا بیان ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ جب قیامت میں اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہل صراط کے پاس اس کو اُتار کر کے اعلان کر دیا جائے گا کہ اب جو جس حالت میں ہے وہ دائمی اور ابدی ہے اب کسی کو موت نہیں آئے گی، مگر اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں موت کوئی جسم ہو بلکہ جس طرح دنیا کے بہت سے احوال و اعمال قیامت میں مجسم اور منتقل ہو جائیں گے جو بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح موت جو انسان کو پیش آنے والی ایک حالت ہے وہ قیامت میں مجسم ہو کر مینڈھے کی شکل میں ذبح کر دی جائے گی۔ (فرطی)

اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ موت اگر چہ عدوی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آتا ہے اور اسے تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں قبل از وجودنا سوتی موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابت کہا جاتا ہے ان

اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہونے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے واللہ اعلم

موت و حیات کے درجات مختلفہ:

تفسیر مظہری میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کو مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ کامل و مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بناء تکلیف احکام شریعہ اور وہ بار امانت ہے جس کے اٹھانے سے آسمان وزمین اور پہرے سب ڈر گئے اور انسان نے اپنی اس خدا داد صلاحیت کے سبب اٹھا لیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی (آیت) او من کان میتا فاحیینہ میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی، اور بعض اصناف و اقسام مخلوقات میں یہ درجہ حیات کا تو نہیں مگر حس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی (آیت) کنتم اموانا فاحیبا کہ لہم ہیبتکم لہم یحییکمہ میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد حس و حرکت اور موت سے مراد اس کا ختم ہو جانا ہے اور بعض اقسام ممکنات میں یہ حس و حرکت بھی نہیں صرف نمود (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسے عام درختوں اور نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی (آیت) تھی الارض بعد موتھا میں آیا ہے۔ حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات میں منحصر ہیں ان کے علاوہ اور کسی چیز میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ پتھروں سے بنے ہوئے بتوں کے متعلق فرمایا اموات غیر احيی آء لیکن اس کے باوجود جمادات میں بھی ایک خاص حیات موجود ہے جو وجود کیساتھ لازم ہے۔ اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہو گئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے۔ ہر چیز جو وجود میں آئی ہے پہلے موت کے عالم میں تھی بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے اس لئے موت کا ذکر مقدم کیا گیا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آگے جو موت و حیات کی تخلیق کی وجہ انسان کی آزمائش و ابتلاء کو قرار دیا ہے لَیَنْبَلُوْا کُفْرًا اَیْکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یہ آزمائش یہ نسبت حیات کے موت میں زیادہ ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اپنی موت کا استحضار ہو گا وہ اچھے اعمال کی پابندی زیادہ سے زیادہ کرے گا اور اگرچہ یہ آزمائش حیات میں بھی ہے کہ زندگی کے قدم قدم پر اس کو اپنا عجز اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا استحضار ہوتا رہتا ہے جو حسن عمل کی طرف دہائی ہے لیکن موت کی فکر اصلاح عمل اور حسن عمل میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

حضرت عمار بن یاسر کی حدیث مرفوعہ میں ہے کُلُّی بِالْمَوْتِ وَاعْضَاءِ کُلِّی بِالْیَقِیْنِ غَنِی، یعنی موت و عظم کے لئے کافی ہے اور یقین غنی کے لئے (رداء ابرائی) مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں عزیزوں کی موت کا مشاہدہ سب سے بڑا واعظ ہے جو اس سے متاثر نہیں ہوتا اس کا دوسری چیزوں سے متاثر ہونا مشکل ہے اور جس کو اللہ نے ایمان یقین کی دولت عطا فرمائی اس کے برابر کوئی

غنی و بے نیاز نہیں اور ربیع بن انس نے فرمایا کہ موت انسان کو دنیا سے بیزار کرنے اور آخرت کی طرف رغبت دینے کے لئے کافی ہے۔

احسن عملاً یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ انسان کی اس آزمائش میں جو اس کی موت و حیات سے وابستہ ہے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابل توجہ نہیں بلکہ عمل کا اچھا اور صحیح و مقبول ہونا معتبر ہے اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا جس میں بعض ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔

حسن عمل کیا ہے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ احسن عملاً تک پہنچے تو فرمایا کہ (احسن عملاً) وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو۔ (قرطبی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آدازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی، اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بد نصیبو! کیا اللہ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو کوستے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بد نصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب عدل اللہ صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا: (وَمَا كُنَّا مُعْتَبِرِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا) (الاسراء: ۱۵) ترجمہ ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے اور جگہ ارشاد ہے: وَيَسْئَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمْرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ مَا بُرِّهِنَهَا وَالْقَالَ لَهَذَا غُرَابًا أَمْ لَكُم مِّنْ آلِهَةٍ غَيْرِ اللَّهِ يَتَّبِعُونَ (الاسراء: ۱۷) جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا، اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے، اپنے خالق مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے، نہ رسولوں کو جھٹلاتے، نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا

اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے۔ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں روزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔ (مسند احمد)

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں:

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، گوتہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں تاہم خوف اللہ سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی چراتے ہیں، ان کے گنہ بھی وہ معاف فرمادیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا، جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زنا کاری کی طرف ہلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے فرج کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے مسند بزار میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں، فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خظروں سے بھی آگاہ ہوں، یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو مخلوق سے خالق بے خبر ہو، وہ تو بڑا باریک بین اور بحد خبر رکھنے والا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا سَهْلَةً لِلْمَسِيِّ فِيهَا فَاْمَشُوا فِي مَنَاكِبِهَا جَواِبِهَا وَكُلُوا مِنْ

رِزْقِهِ ۝ الْمَخْلُوقِ لِأَجْلِكُمْ وَالْبَيْتِ الشُّعْرُ ۝ مِنَ الْقُبُورِ لِلْجَزَاءِ ءَأَمْنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَ

تَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالَ الْفِ بَيْنَهَا زَيْنَ الْأُخْرَى وَتَرَكِبَهَا وَابْتَدَأَهَا الْفَاءُ قَسْنَ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانَهُ وَ

قُدْرَتَهُ أَنْ يُخَسِفَ بَدَلُ مِنْ يَكُمُ الْأَرْضَ قَادَا هِيَ تَمُورُ ۝ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوْقَكُمْ أَمْ

أَمْنْتُمْ قَسْنَ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ بَدَلِ مِنْ مَنْ عَلَيْكُمْ حَاكِمًا ۝ رِيحًا تَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبَاءِ

فَسَتَعْلَمُونَ عِنْدَ مَعَايِنَةِ الْعَذَابِ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝ اِنذَارِي بِالْعَذَابِ أَيُّ أَنَّهُ حَقٌّ وَ لَقَدْ كَذَّبَ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأَمَمِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ۝ اِنكَارِي عَلَيْهِمْ بِالتَّكْذِيبِ عِنْدَ اَهْلَا كِبِهِمْ أَيُّ

تَأْتِي حَتَّىٰ أَوْ كَمْ يَرَوْنَ يَنْظُرُوا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ فِي الْهَوَاءِ صَفَتْ بِأَسْطَاتٍ أَحْتَجِبِينَ وَ يَقْبِضْنَ
 أَحْتَجِبِينَ بَعْدَ النَّبْطِ وَقَابِضَاتٍ مَا يُسْكِنَنَّ ۚ عَنِ الْوُقُوعِ فِي حَالِ النَّبْطِ وَالْقَبْضِ إِلَّا الرَّحْمَنُ
 بِفُؤَادِهِ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ الْمَعْنَى لَمْ يَسْتَدْلُوا بِبَيِّنَاتِ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ عَلَى قُدْرَتِنَا أَنْ نَفْعَلَ
 بِهِمْ مَا نَقَدَّمُ زَعِيمَةً مِنَ الْعَذَابِ آمَنُ مَبْتَدَأُ هَذَا خَبْرَةُ الَّذِي بَدَلُ مِنْ هَذَا هُوَ جُنْدٌ أَعْوَانٌ لَكُمْ
 صِلَةُ الَّذِي يَنْصُرُكُمْ صِفَةُ جُنْدٍ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۚ أَيُّ غَيْرِهِ يُدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابُهُ أَيُّ لَا نَاصِرَ لَكُمْ
 إِنْ مَا الْكُفْرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝ غَرَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِأَنَّ الْعَذَابَ لَا يَنْزِلُ بِهِمْ هَذَا الَّذِي
 يَرُدُّكُمْ إِنْ أَمْسَكَ الرَّحْمَنُ رِزْقَهُ ۚ أَيُّ الْمَطَرِ عَنْكُمْ وَجَوَابِ الشَّرْطِ مَحْدُوفٌ ذَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ
 أَيُّ مَنْ يَرِزُّكُمْ أَيُّ لَا رِزْقَ لَكُمْ غَيْرُهُ بَلْ لَجُّوا تَمَادُوا فِي عُتُوِّ تَكْبَرٍ وَ تَفُورٍ ۝ تَبَاعُدُ عَنِ
 الْحَقِّ آمَنٌ يَشِيءُ مَكِبًّا وَاقْتَعَا عَلَى وَجْهَةِ أَهْدَىٰ آمَنٌ يَشِيءُ سَوِيًّا مُتَعَدِّلاً عَلَى صِرَاطِ طَرِيقِ
 مُسْتَقِيمٍ ۝ وَخَبْرٌ مِنَ الثَّانِيَةِ مَحْدُوفٌ ذَلَّ عَلَيْهِ خَبْرُ الْأُولَىٰ أَيُّ أَهْدَىٰ وَالْمَثَلُ فِي الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ
 نِيَّاتُهُمَا عَلَى هُدَىٰ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ خَلَقَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ
 الْقُلُوبَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝ مَا تَزِيدُهُ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَأْنِفَةٌ مُّجِبَّةٌ بِقَلْبِهِ شُكْرِهِمْ جَدًّا عَلَى هِدَايَةِ النِّعَمِ
 قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ لِلْحِسَابِ وَيَقُولُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ
 مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ وَعَدَّ الْحَشِيرُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِيهِ قُلْ إِنَّمَا الْعِدَّةُ بِمَجِيئِهِ عِنْدَ اللَّهِ وَ
 إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ بَيْنَ الْإِنذَارِ فَلَمَّا رَأَوْهُ أَيُّ الْعَذَابِ بَعْدَ الْحَشْرِ زُلْفَةً قَرِيبًا سَيِّئَتْ
 لِسَوْنَهُمْ وَجْوهَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ قِيلَ أَيُّ قَالَ الْخَزَنَةُ لَهُمْ هَذَا أَيُّ الْعَذَابِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ
 بِلَدَائِهِ تَدْعُونَ ۝ إِنَّكُمْ لَا تُبْعَثُونَ وَ هَذِهِ حِكَايَةُ حَالِ تَائِبِي عُتْبَرَتْ بِطَرِيقِ الْمُضِيِّ لِتَحَقُّقِ
 زُلْفَتِهَا قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ ۚ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بَعْدَ إِهْلَاكِهِمْ أَوْ رَحِمَنَا
 لِلْمُؤْمِنِينَ قُلْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ۝ أَيُّ لَا مُجِيرَ لَهُمْ تَبَتْهُ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنًا بِهِ وَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْمَلُونَ

بَلَاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ بَيْنَ أُمَّمٍ

علی آیاتہ

ترجمہ: (ایسی بات نہیں ہے) وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنا دیا) اور اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھا دو اور اس کے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزاء کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو کہ آسمان میں ہے (اس کی سلطنت و قدرت) کہ وہ تمہیں رہنا دے (من سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھر تھرانے لگے (ڈانوا ڈول ہو کر تمہارے اوپر آ جائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو۔ جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (من سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو عنقریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا۔ یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کیا۔ جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو دکھولے ہوئے) ہیں اور سیٹھ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلانے کے بعد) بقبض (یعنی قابضات ہے) ان کو پروں کے پھیلانے اور سینٹے کے وقت (کوئی تھامے ہوئے نہیں) بجز رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں سے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (ہذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مددگار بن کر۔ لکم الذی کا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) رحمن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو نرے دھوکا میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے؟ اگر (رحمن) اپنی روزی بند کر دے (یعنی بارش روک

لے۔ جواب شرط محذوف ہے۔ جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فمن یوزقکم۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جسے ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو۔ وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے۔ یا وہ شخص جو سیدھا (میانہ روی کے ساتھ) ایک ہوا رستہ پر چلا جا رہا ہو (دوسرے من کی خبر محذوف ہے جس پر چل کر من کی خبر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اھدئی اور یہ مثال مومن و کافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔ تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زامہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکر ادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلا یا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (اس میں) آپ کہیے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو شخص صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (دار و نقہ جہنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہونے کی وجہ سے آپ کہیے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مؤمنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرمادے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا) کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہیے کہ وہ بڑا مہربان ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں۔ سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تائی اور یائی کے ساتھ ہے۔ عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہیے اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو غائب ہو جائے۔ سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور اول پہنچ جائیں۔ جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے۔ یعنی بجز اللہ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آیت ایک متکبر کے سامنے پڑھی گئی تو جواب میں کہنے لگا ہم پھاؤڑوں اور کدال سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کے آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا۔ خدا کی پناہ، اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں کی جرات۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: ذُلُّوا: چلنے کے لیے آسان۔
- قوله: مِنْ رِزْقِهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کے رزق سے۔
- قوله: اِنذَارِي: اس سے اشارہ کیا کہ نذیر مصدر ہے، صفت نہیں۔
- قوله: تَكْيِيْر: بمعنى انكار اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ مصدر ہے صفت نہیں۔
- قوله: وَقَابِضَاتٍ: اس سے اشارہ کیا کہ يقبضن کا عطف اسم فاعل پر معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ وہ بھی اسم فاعل کے معنی میں ہے، پرندے کی ثابت شدہ حالت کو اسم اور وقتی حالت کو فعل سے تعبیر کیا۔
- قوله: مُكِبَّتًا: ہر گھڑی وہ چہرے مل جھکا چلتا ہے، یہ مشرک کی مثال ہے۔
- قوله: سَوِيًّا: یہ موصد کی مثال ہے۔ جو ٹھوکر سے محفوظ ہے۔
- قوله: وَالْجُمْلَةُ مُسْتَأْنَفَةٌ: جملہ مستأنفہ ہے اور قليلا مصدر مخذوف کی صفت ہے۔ وہ تشكرون شکر اقليلًا۔
- قوله: بَيْنِ الْاِنذَارِ: ورنہ تو انذار میں عم بلکہ ظن ہی کافی ہے۔
- قوله: زُلْفَةً: تريب۔ یعنی ذالذقرب والا۔
- قوله: اِنكُمْ لَا تَبْعَثُوْنَ: اس میں اشارہ کہا کہ بہ کی باسہیہ ہے۔ تدعون يذالذعوى سے ہے دعا سے نہیں۔
- قوله: اَمْهُم: پیام مقطعیہ ہے۔
- قوله: غَائِرًا: یہ مصدر ہے جس کو وصف کے لیے رائے جانے والا۔
- قوله: الْمُتَجَبِّرِيْنَ: وہ طرد جو اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں۔
- قوله: الْفَعْرُسُ: كَلْبًا، وَالْمَعَاوِلُ: كَدَال۔

تفسیر مقبولین

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُّوًّا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ - وَاللَّهُ الشُّورُ ٥٠

جد ازاں اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے بل چل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، قسم قسم کے منافع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے، جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو طرح طرح کی لمبی چوڑی سود مند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بار آور کرتا ہے اور تمہیں ان اسباب سے روزی

رہے رہا ہے، معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اَرْتَمَ اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کر دو تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں، پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی رب واحد ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو (منکب) سے مراد راستے کوٹنے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں، قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔ حضرت بشر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر (منکب) کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں آپ نے حضرت ابو برداءؓ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

وَأَمِّنْتُمْ بَنِينَ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضُ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿۱۰﴾

پھر فرمایا کہ تمہارے سامنے یہ ہمارا رسول ایمان کی دعوت پیش کرتا ہے اس کی بات مانو اور فرمانبرداری کرو۔ اس کی دعوت پر کان نہ دھرنے اور قبول نہ کرنے سے آسمان سے بھی عذاب آسکتا ہے اور زمین سے بھی جس ذات پاک کا حکم آسمانوں میں نافذ ہے کیا تم اس کی طرف سے نڈر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں رھنسا دے۔ یہی زمین جس کو تمہارے قابو میں دیا ہے وہ اسی زمین کو تمہارے لیے ہلاکت اور عذاب کا سبب بنا سکتا ہے وہ اس زمین میں شگاف ڈال کر تمہیں اس میں رھنسانے لگے تو زمین تھر تھرا کر الٹ پلٹ ہونے لگے گی جس سے تم اس کے اندر چھ جاؤ گے اور اس ذات پاک کو یہ بھی قدرت ہے جس کا آسمان میں حکم اور تصرف جاری ہے کہ تم پر وہ ایک سخت ہوا بھیج دے زمین کے اوپر ہوا چلتی ہے یہاں سے وہاں جاتی ہے۔ عام حالات میں معتدل رہتی ہے کبھی تیز بھی ہو جاتی ہے لیکن عام طور سے اس کی رفتار میں اتنی تیزی نہیں ہوتی کہ لوگوں کو اٹھا کر پھینک دے اس کے خالق اور مالک جل مجدہ کو پوری طرح قدرت حاصل ہے کہ وہ ہوا کو خوب زیادہ تیز چلا دے جو زمین پر بسنے والوں کو تھس نہس کر دے جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ہوا کے ذریعہ تمہیں ختم نہ کر دے جیسا کہ بعض گزشتہ امتوں پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔

لَسْتَ تَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ﴿۱۱﴾ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسے تھا) اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہاں سے صبح سالم گزر گئے گرفت نہیں، موت کے بعد جو کفر پر عذاب ہوگا وہ بہت سخت ہوگا۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ رسولوں کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے دین بھیجا تھا وہ حق تھا، ہم جو اس کے منکر ہوئے خود اپنا ہی برا کیا اور عذاب شدید میں گرفتار ہوئے۔

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۗ إِنَّ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي عُتُوْرٍ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ نکل امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں فرماتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچ سکتا ہے، کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے۔ اگر اب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی

انہیں جاری نہیں کر سکتا، دینے لینے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل و مددگار شریک نہ کوئی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی گناہ اور سرکشی میں بے چلے جاتے ہیں ان کی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے، یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران، پریشان، راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔ اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے، یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے: اُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمْتُمْ وَأَدْرُوا أَعْمَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ (الصافات ۲۲۰) ترجمہ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو، منہ احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ﷺ لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح مشرکے جائیں گے، آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے، بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گذاری کرتے ہو یعنی اپنی ان توتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، تمہاری زبانیں جدا، تمہارے رنگ روپ جدا، تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف۔ و تم زمین کے چپے چپے پر بسا دیئے گئے، پھر اس پر آگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے، اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو بحال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی میں خبر دے رہے ہوں گے سچے ہو تو بتا دو کہ اس پر آگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان کو جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبر دار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں، میرا فرض تمہیں پہنچا دینا تھا جسے بحمد اللہ میں ادا کر چکا، پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگی اور کفار سے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے، گو دیر سویر سے آئے، جب اسے آیا ہوا پالیں گے، جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھ لیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحوالہ کئے ہوئے ہوں گی، آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ذانت کے اور بطور تذلیل کرنے کے کہا جائے گا۔ یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ أَزِيدُهُمْ إِن أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ قَهَبِي أَوْ رَحِمْنَا قَسْنُ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں اللہ کی طرف سے نقصان پہنچایا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چہرہ کارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں، نجات تو موقوف ہے تو بہ کرنے، اللہ کی طرف جھکنے پر، اس کے دین کو مان لینے پر، ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں، تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔ پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمن ورحیم پر ایمان لائے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے، جیسے ارشاد فرمایا: فَاَعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (حود: ۱۲۳) اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو، اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ اللہ کا غضب کس پر ہے اور بری راہ پر کون ہے؟

نیز زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو، جس سے ہر چیز کی زندگی ہے، اگر فرض کرو، چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو اس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لیے کافی ہو۔ لہذا ایک مومن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سبب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کیے ہیں اگر فرض حال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے، تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک و صاف نہرا پانی مہیا کر سکے۔ تم سورۃ الملک و لله الحمد و المنۃ۔

سُورَةُ الْقَلَمِ

آیتوں کی تعداد
۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْقَلَمِ
۲۸ مَكِّيَّةٌ

سورہ قلم مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں اور اس

نَّ أَخَذَ حُرُوفِ الْهَجَاءِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقَلَمِ الَّذِي كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَاتِ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ
 مَا يَسْطُرُونَ ۝ أَيُّ الْمَلَائِكَةِ مِنَ الْخَيْرِ وَالضَّلَاحِ مَا أَنْتَ يَا مُحَمَّدُ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ أَيُّ
 انْتَفَى الْحُتُونُ عَنْكَ بِسَبَبِ انْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنَّبُوءَةِ وَغَيْرِهَا وَهَذَا زِدْ لِقَوْلِهِمْ أَنَّهُ لَمْ جُنُونٌ وَإِنْ لَكَ
 لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ مَقْطُوعٌ وَإِنَّكَ لَعَلَى خَلْقٍ دِينٍ عَظِيمٍ ۝ فَسَدِّبْصِرْ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَيْتَكُمْ
 الْمَقْتُونِ ۝ مَضَدُّرٌ كَالْمَعْقُولِ أَيُّ الْفُتُونِ بِمَعْنَى الْجُنُونِ أَيُّ أَبِكْ أَمْ بِهِمْ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ عَالِمٌ بِهِمْ
 ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۝ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ لَهُ وَأَعْلَمُ بِمَعْنَى عَالِمٌ فَلَا تُطِيعُ الْمَكْدُوبِينَ ۝ وَذُؤَا
 تَمَتُّوا لَوْ مَضَدْرِيَّةٌ تُدْهِنُ تَلِينُ لَهُمْ قَيْدُهُنُونَ ۝ يَلِينُونَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَسَى تُدْهِنُ وَإِنْ جُعِبَ
 جَوَابُ التَّمَنِّي الْمَفْهُومُ مِنْ وَذُؤَا قَدَرُ قَبْلَهُ نَعْدَ الْفَاءِ هُمْ وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ كَثِيرِ الْحَلْفِ بِالْبَاطِلِ
 مَهِينٍ ۝ حَقِيرٌ هَتَّارٌ عَيَابٍ أَيُّ مُعْتَابٍ مَشَّامٍ بِمَيْمٍ ۝ سَاعَ بِالْكَلامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلَى وَجْهِ
 الْإِفْسَادِ بَيْنَهُمْ مَنَاجٍ لِلْخَيْرِ بَخِيلٌ بِالْمَالِ عَنِ الْحَقُوقِ مُعْتَدٍ ظَالِمٌ آثِيمٌ ۝ أَيْمٌ عَتَلٌ غَلِيظٌ
 جَافٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْمٌ ۝ دُعِي فِي فُرَيْسٍ وَهُوَ الْوَالِدُ مِنَ الْمُغَيَّرَةِ إِذْ عَاهُ أَبُوهُ بَعْدَ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً
 قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا لَا نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ شَبَّحَهُ وَتَعَالَى وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ مِنْ
 الْعَيُوبِ فَالْحَقُّ بِهِ عَارِزٌ لَا يَفَارِقُهُ أَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِرَيْمِ الظَّرْفِ قَبْلَهُ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنِينَ ۝ أَيُّ لَأَزْ
 وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ إِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِ آيَتُنَا الْقُرْآنُ قَالَ هِيَ آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَيُّ كَذَبٍ

اذما بنا عليه بما ذكر في قراءة: ان بهمزتين مفتوحتين سببه على الخرطوم ۝ سنجعل على
 بها غلامه يعبر بها ما عاش فخطم الله بالسيف يوم يذرا انا بكونهم امتحنا اهل مكة بالقط
 بالخروج كما يكونا اصحاب الجنة البستان اذ افسهوا ليصر منها يقطعون ثمرتها مصبحين ۝
 وقت الصباح كجلا يشعرو لهم المساكين فلا يعطونهم منها ما كان ابوهم يصدق به عليهم منها ولا
 يستنون ۝ في يمينهم بمشيئة الله تعالى والجملة مشتتة اي وشانهم ذلك فصاف عليها طائف
 من ربك ناز حرتها ليللا وهم نايبون ۝ فاصبحت كالصريم ۝ كالليل شديد الظلمة اي
 سوداء فتنادوا مصبحين ۝ ان اعدوا على حرككم عنكم تفسير للتنادي او ان مضدريه اي بان ان
 كنتم ظريمين ۝ مر يدبن القطع وجواب الشرط دل عليه ما قبله فاطلقوا وهم يتخافتون ۝
 بتارون ان لا يدخلها اليوم عليكم مسكين ۝ تفسير لما قبله او ان مضدريه اي بان وعدوا
 على حرد منع للفقراء قدرين ۝ عليه في ظنهم فلما راوها سوداء محترقة قالوا انا اضا لون ۝
 عنها اي ليست هذه ثم قالوا لما علموها بل نحن محرومون ۝ ثمرتها بمنعنا الفقراء منها قال
 اوسطهم خيرهم ألم اقل لكم لولا هلا تسبحون ۝ الله تائبين قالوا سبحن ربنا انا كنا
 ظالمين ۝ بمنع الفقراء حقهم فاقبل بعضهم على بعض يتلاومون ۝ قالوا للتسبيه يويلنا
 ملاكنا انا كنا حيين ۝ على ربنا ان يبدي لنا بالتشديد والتخفيف خيرا منها انا الى ربنا
 رغبون ۝ ليقتل نوتنا ويرد علينا خيرا من جنتنا وروى انه لم ابدلوا خيرا منها كذلك اي مثل
 عذاب يهؤلاء العذاب لمن خالف امرنا من كفار مكة وغيرهم والعذاب الاخرة اكبر لو
 كانوا يعلمون ۝ عذابها ما خالفوا امرنا ونزل لنا فالوان بعثنا نعطى افضل منكم

ع

ترجمہ: (نون منجملہ حروف جہانیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوج محفوظ
 تھا) اور (فرشتوں کے لوج محفوظ میں خیر و فلاح) جو کچھ لکھے ہیں آپ (اے محمد) بفضل خدا مجنوں نہیں ہیں (یعنی آپ کو
 نجان نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول: انہ لمجنون کارو ہے) اور

بیشک آپ کے لئے ایب اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو مقرر یہ
 آپ بھی دیکھ لیں گے۔ اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (منقون، معقول کی طرح مصدر ہے، ہلکے نون بھی
 جنون ہوا۔ یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے ہٹتا ہوا ہے
 اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے (اعلم بمعنی عالم ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیے۔ یہ لوگ یہ
 چاہتے ہیں کہ آپ (لو مصدر یہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے
 لگیں۔ یہ نون، تدہن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب منہی مانا جائے جو تمنا و دوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو یہ نون سے پہلے
 اور ق کے بعد ہم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقت (بے
 حیثیت) ہو عیب جو (کتکے ہیں یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بھجائی کرنا
 پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت
 مزاج (تمذوب خصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ
 نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی
 کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی۔ اور بعد ذلک ظرف ہے جس کا تعلق ذمہ کے ساتھ
 ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال و اولاد والا ہے (ان معنی میں لاہ کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب
 ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی
 تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں ان دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم
 عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے
 گا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی (قطط اور بھوک کے ذریعہ) آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ
 ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل توڑ لیں گے (درختوں سے اتار لیں
 گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے، اور ان کو دینا نہ پڑے۔ کیونکہ ان کا باپ
 غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا) اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا (یعنی قسم کے ساتھ ان شاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ
 مستانہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو
 باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سویرے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا
 تھا) صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیان پر، یہ پکار نیکی تفصیل ہے۔ یا ان
 مصدر یہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ جواب شرط پر ماقبل دلالت کر رہا ہے) پھر
 وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (ماقبل کی تفسیر ہے یا
 ان مصدر یہ ہے۔ یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان
 میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا، پھر سوچ کر

کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم تصور وار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بینی بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے۔ شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دیدے۔ (یہ دنا تشدید تکفیر کے ساتھ ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: بِسَبَبِ اِنْعَامٍ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْتَ یہ ماکا اسم ہے اور بِمَجْنُونٍ اس کی خبر ہے۔ بِنِعْمَةٍ کی باسیہ ہے۔
 قولہ: اَجْرًا: تلخ کا ثواب۔
 قولہ: بِمَنْ ضَلَّ: وہ حقیقت میں مجنون ہیں۔
 قولہ: بِالْمُهْتَدِينَ: کامل العقل۔
 قولہ: فَاَلَا تَطَّع: مت ان کی حرکات پر بھڑکیں۔
 قولہ: تُدْهِنُ: سستی نہ کریں کہ ان کو شرک سے روکنا چھوڑ دیں۔
 قولہ: فَيُدْهِنُونَ: اس کے بدلے وہ آپ پر طعن ترک کر دیں۔
 قولہ: زَهُوْ مَعْطُوْفٍ: فاعاطفہ ہے نہ کہ سیبہ۔
 قولہ: بِنَدْوِ الْاَنْفَاءِ: پس فَيُدْهِنُونَ یہ مبتداء محذوف کی خبر بن جائے گی۔ اور جملہ اسمیہ محل نصب میں تمنی کا جواب۔
 قولہ: اَيْبُور: بڑا گناہ گار۔ غلیظ، درشت خو۔
 قولہ: جَاب: برا اخلاق۔
 قولہ: بَعْدًا ذٰلِكَ: ان یسوب مذکورہ کے بعد۔
 قولہ: دُعِي: نسب میں مہتم۔ دوسرے کی طرف منسوب۔
 قولہ: بِمَا ذَلَّ عَلَيْهِ: کہ اس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔
 قولہ: فَنُحِطُّمُ اَنْفَهُ: اس کی ناک زخمی ہوئی اور اثر باقی رہا۔
 قولہ: كَالْصَّرِيحِ: جس بارش کے پھل توڑے جاسیں۔
 قولہ: بَسْبُ زُرْنٍ: آہستہ آہستہ سرگوشی کر رہے تھے۔
 قولہ: يَتَلَاوَمُونَ: ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا۔
 قولہ: طَغَيْنَ: حد سے تجاوز کرنے والے۔

قوله: رُغِبُونَ: معانی کے امیدوار، طالب خیر۔

قوله: مِثْلُ: اسی طرح اہل مکہ کو آزمایا۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا اصل موضوع آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور منکرین و کفار کے شبہات و اعتراضات کا رد اور جواب ہے سورت کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی شان نبوت اور اسکی عظمت و رفعت سے کی گئی اور جو کچھ قسم کی باتیں کہہ رکھے کرتے تھے، ان کا انکار ہے ساتھ ہی ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور ان کی وہ بے ہودہ اور ذلیل خصلتیں ذکر کی گئیں جن میں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ ایسے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عذاب ہے اور کس قسم کی ذلت و رسوائی انکے مقدمہ میں لکھی ہوئی ہے پھر اس موضوع کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے ان باغی والوں کا قصہ بیان کیا گیا جو اللہ کی نافرمانی کے باعث ان تمام نعمتوں سے محروم ہو گئے جو انکو حاصل تھیں اور قدرت خداوندی نے انکے جرم کا کیسا انتقام لیا تو یہ سب کچھ عبرت کا سامان ہے اہل مکہ اور وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے اور نافرمانی و سرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے ان کو ایسے عبرت ناک واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ساتھ ہی قیامت کا بھی ذکر آ گیا اور یہ کہ روز قیامت نہایت ہی شدید دن ہوگا بحر میں اللہ کے سامنے جب پیش ہوں گے تو انکی ذلت و بد حالی کی کوئی حد نہ ہوگی اختتام سورت پر آنحضرت ﷺ کو کفار تشریش کی اذیتوں پر صبر و تحمل کی تلقین فرمائی گئی۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝

نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۃ بقرہ کے شروع میں گذر چکا ہے اس لئے یہاں دو ہرانے کی ضرورت نہیں کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے، امین عباس سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ازال پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے، جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ملنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے، بطرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا قلم نے در پخت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی، پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے، امین عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل، رزق، عمر، موت وغیرہ، پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ اس آیت میں یہی مراد ہے، پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی

تسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا، مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ ذون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، لغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان و زمین کے برابر ہے اس پر ایک تیل ہے جس کے چالیس ہزار سینک ہیں اس کی پیٹھ پر ساتویں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے، واللہ اعلم اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معنی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آگئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور جنت وغیرہ میں سے کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا بتائیے قیامت کے پہلی نشانی کیا ہے؟ درجنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی صورت میں ہوتا ہے کبھی ماں کی صورت پر؟ حضور ﷺ نے فرمایا یہ باتیں ابھی بھی جبرائیل نے مجھے بتا دیں، ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا تسم ہے، آپ نے فرمایا سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا ٹکڑا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی تیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چلتا رہتا تھا، پوچھا انہیں پانی کونسا ملے گا؟ روایا سلسیل نامی نہر کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ان سے نور کی تختی ہے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ نیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا حکم ہے جو قیامت تک کے حال پر چل چکا ہے، ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طولانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کن سے مراد دولت ہے اور قلم سے مراد قلم ہے، مس اور قرودہ بھی یہی فرماتے ہیں، ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا، پھر فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ جو قیامت تک ہونے والا ہے، اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد، روزی خواہ حلال ہو خواہ حرم، پھر یہ بھی کہ کوئی چیز دنیا میں سب جائے گی کس قدر رہے گی، کیسے نکلے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظہ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے، محافظہ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظہ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا بہن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظہ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا: اِنَّا كُنَّا نَسْتَفْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (البقرہ: ۲۹) مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔ یہ تو تھا لفظان کے متعلق بیان، اب قلم کی نسبت سنئے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرما ان عالیشان ہے: الَّذِي عَلَّمَهُ بِالْقَلَمِ (السن: ۴) یعنی اس اللہ نے قلم سے لکھنا سکھایا، بس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا

جس سے علوم تک ان کے رسائی ہو سکے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: **وَمَا يَسْطُرُونَ** (اہم: ۱) یعنی اس چیز کی حیرت انگیز کھتے ہیں، حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں، سہی فرماتے ہیں اس سے مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقریباً ۱۰ لکھیں آسمان و زمین کی پیدائش سے چالیس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت دو حدیثیں درود کرتی ہیں، ان کے ذکر میں مروی ہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اسے کیا قلم اللہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل مکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم نہ ٹوٹے نہ کئے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب بدر دیں گے،

مَا أَنْتَ بِمُعْتَدٍ لِّرَبِّكَ بِمُحْسِنُونَ

مشرکین مکہ حضور ﷺ کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ ﷺ کی تسلی فرمادی۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے، ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں۔ مخالف و موافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اور اوراق میں جمع کیا ہے وہ بانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے کہ جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہرزہ نہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی، اور ان مجنون کہنے والوں کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکر خیر اور آپ ﷺ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی۔ اور آپ ﷺ کو دیوانہ بتانے والوں کا وجود صلیبی ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی راددے گی، اور آپ ﷺ کے کمال ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل ال ازال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ کھل مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پر لے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔

آپ غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہاء اجر و ثواب آپ ﷺ کو یقیناً ملنے والا ہے کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل اب پامدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا

بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں:

اس میں رسول اللہ ﷺ کی خلق عظیم کی تعریف بھی ہے اور آپ کے دشمنوں کی تردید بھی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاقِ ناضلہ کاملہ سے نوازا ہے آپ کے اخلاق ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو آپ کو مجنون کہتے تھے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو احادیث شریفہ میں جو آپ کے مکارمِ اخلاق اور معاشرت و معاملات کے واقعات لکھے ہیں ان کا مطالعہ کر لیا جائے تو راقہ شریفہ تک میں آپ کے اخلاقِ فضلہ کا ذکر پہلے ہی سے موجود تھا۔ (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۸۵) آپ صاحبِ خلق عظیم تھے اپنی امت کو بھی اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتے تھے موطا امام مالک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بعثت لانتہم حسن الاخلاق کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابو لدرء نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن مومن کی ترازو میں جو سب سے زیادہ بھاری چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ فحش گو در بد کلام کو اللہ تعالیٰ مغبوض رکھتا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۱)

حضرت عائشہؓ سے ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کس طرح رہتے تھے انہوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت عائشہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو ہاں اگر نبی اللہ جہاد میں کسی کو مارا ہو تو اور بات ہے اور اگر کسی سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو اس کا انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں سے کسی کی بے حرمتی ہونے لگتی تو آپ اس کا انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نہ فحش گو تھے نہ مختلف فحش گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر فرمادیتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی مجھ سے کوئی نقصان ہو گیا تو کبھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے ملامت ہوتی تو فرماتے کہ چھوڑو جانے دو جو چیز مقدر میں تھی وہ پیش آئی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹ من المصابیح)

حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیر لیتے تھے جب تک وہ ہی اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا اور آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی پاس بیٹھنے والے کی طرف ہانگیں پھیلائے

ہوئے ہوں۔ (رداء الترمذی)
حضرت عبداللہ بن حارثؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مسکرانے والا میں نے نہیں دیکھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۲۰)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آپ نے (بیم جانے کے لیے) رخصت فرمایا تو جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آخری وصیت یہ فرمائی کہ احسن خلق لئس کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (رداء مالک)
ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مومن آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو نمازوں میں قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (رداء ابو داؤد)

حضرت عائشہ سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا، سعید بن ہشام نے کہا ہاں پڑھا ہے آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا، مسلم میں یہ حدیث پوری ہے جسے ہم سورۃ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر: **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِي عَظِيمٍ** (الہکم: ۴۰) پڑھی اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے ام المومنینؓ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہ نے بھی، میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہ کے ہاں کھانا آ جائے تو برتن گرا دینا چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا، حضور ﷺ بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو اللہ اور کچھ ڈانٹاؤ پٹانہیں۔ (مسند احمد) مطلب اس حدیث کا جو کئی طرق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی اللہ نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں دوسرے آپ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ ہیں، ہر حکم کو بحال لانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلقت تھے آپ کا قد نہ تو بہت لانا تھا نہ آپ پست قامت تھے، اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نونہ کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ ہوئی بچوں کو نہ کسی اور کو، ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے، جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے، کبھی بھی حضور ﷺ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو تو آپ اللہ کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے، مسند احمد میں ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔

فَلَا تُطِيعُوا السُّكَّانَ بِئِنَّ ۝

فرمایا کہ آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی آپ کے معاملہ میں نرمی اختیار کر لیں، اہل باطل کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خود تو حق کی طرف جھکتے نہیں ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ داعیان حق کو دعوت دیں کہ تم اپنی دعوت چھوڑ دو اور ہمارے کفر و گمراہی میں شریک ہو جاؤ، جب اس پر قابو نہیں چلتا تو کہتے ہیں کہ اچھا آپ کچھ نرم پڑ جائیں اپنی دعوت اور دعوت کے کاموں میں نرمی اختیار کر لیں ہم بھی اپنی مخالفت میں اور سختی میں کمی کر دیں گے رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے حکم دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق دعوت دیتے رہیں اور دعوت میں کسی بھی طرح کی نرمی اور مہانت کو منظور نہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ نے یوں کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں، ہم بھی آپ کی مخالفت نہ کریں گے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے کسی حق کام یا حق بات کا چھوڑ دینا جائز نہیں۔

ایک کافر کی دس صفات ذمیمہ:

اس کے بعد جو سات آیات ہیں ان میں کسی کا نام نہیں لیا البتہ دس صفات ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات والے شخص کا اتہاع نہ کیجئے اس سے ان صاحب کی مذمت بھی ہوگی اور جو شخص ان صفات سے متصف ہو اس کی مذمت بھی ہوگی مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں جو لوگ اسلام و رداعی اسلام ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے ان میں ایک شخص دلید بن المغیرہ بھی تھا۔ یہ شخص بہت ہی زیادہ مخالفت پر اتر اہوا تھا۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے، نام لیے بغیر ارشاد فرمایا کہ ایسے شخص کی اطاعت نہ کیجئے۔ اول تو خلاف فرمایا یعنی بہت زیادہ قسمیں کھانے والا۔ دوسرے مہوین فرمایا یعنی ذلیل تیسرے ہمتا پڑ فرمایا جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے غیبتیں کرتا ہے۔ چوتھے مُشَاوِرٌ بِسِنِينٍ یعنی چغل خور ہے جو لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لیے چغلی کرتا ہے اور اس مشغلہ میں خوب آگے بڑھا ہوا ہے۔ پانچویں مُتَشَاعِرٌ لِّلْخَيْرِ یعنی خیر سے روکنے والا، اس میں ہدایت سے رد کرنا بھی آگیا اور جہاں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو، وہاں ہاتھ روک لینے اور کنجوسی کرنے کو بھی شامل ہو گیا۔ چھٹے مُعْتَدٍ فرمایا یعنی حد سے بڑھنے والا ظلم کرنے والا۔ ساتویں اَلْبِينِیْطُ فرمایا یعنی گناہگار۔ آٹھویں عَتَلٌ فرمایا یعنی سخت مزاج، نویں فرمایا: اَبْعَدَ لَدُنْكَ رَبِّنِیْطٌ یعنی یہ جو کچھ مذکور ہوا اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ منقطع النسب ہے۔ یہ شخص ثابت النسب نہیں تھا یعنی اس کا باپ معلوم نہ تھا حقیقت میں قریشی نہ تھا مغیرہ نے اس کی اٹھارہ سال عمر ہونے کے بعد اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لفظ زیم کا ترجمہ حرام زادہ کیا ہے۔ یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو بچہ ثابت النسب نہ ہو اس کا کیا تصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے پر لامنت نسب ہے حرام زادوں میں افعال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں لہذا ان میں ثابت النسب والے افراد دلی شرافت عموماً نہیں پائی جاتی، اس کی دسویں صفت ذمیمہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ مال والا اور بیٹوں والا ہے اس لیے یہ حرکت کرتا ہے کہ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جھٹلانے کے

طور پر کہہ دیتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی چیزیں ہیں جو نقل در نقل چلی آ رہی ہیں چاہے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنا اور اس کی آیات کی تصدیق کرنا لیکن اس نے مال اور اولاد پر گھنڈ کر کے آیات قرآنیہ کی تکذیب پر کمر باندھ لی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جہاں تک ہمارا علم ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرد کو اتنی صفات ذمیرہ کے ساتھ موصوف نہیں فرمایا جو ولید بن المغیرہ کی صفات فرمائیں۔ آخرت میں جو کفر پر مر جانے کی سزا ہے وہ اپنی جگہ ہے دنیا میں اس کو یہ سزا دی کہ اس کی ناک پر غزادہ بدر کے موقع پر ایک کلو ارگلی جس کی وجہ سے ناک پر زخم آ گیا اور مستقل ایک نشان بن گیا اس کی ناک بھی بڑی تھی جسے خرطوم سے تعبیر فرمایا ہے خرطوم ہاتھی کی ناک کو کہتے ہیں یہ شخص زندگی بھر اپنی اس عیب دار ناک کو لے پھرتا تھا اور سب کے سامنے اس کی بد صورتی عیاں تھی۔

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَتَسْمَأُ لِيَصْرُمُهَا مُصْحِحِينَ ﴿۱﴾

ایک باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد مکہ معظمہ کے مشرکوں پر اللہ تعالیٰ نے قحط بھیج دیا تھا۔ قحط کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی، اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو آزمائش میں ڈالا جیسا کہ باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا، یہ باغ کہاں تھا باغ دالے کون تھے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ باغ یمن میں شہر صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا اسے نمازی لوگوں نے بویا تھا جو لوگ اس کے وارث چلے آ رہے تھے وہ بڑے سخی تھے جس دن باغ کے پھل کاٹتے تھے مسکین جمع ہو جاتے تھے اسی طرح کھیتی کاٹنے کے دن اور جس دن بھوسہ اور دانہ الگ کرتے تھے مسکین آ جاتے تھے، یہ لوگ مسکین کو دل کھول کر پھل اور کھیتی اور بھوسہ سے نکالے ہوئے دانے دے دیا کرتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک شخص کی موت ہو گئی اس نے اپنے تین لڑکے وارث چھوڑے اب جو کھیتی کاٹنے کا موقع آیا تو ان تینوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ مال کم ہے ال و عیال زیادہ ہیں اب اگر ہم اسی طرح سخاوت کرتے رہیں اور مسکینوں کو دیتے رہیں تو ہمارے لیے مال کم پڑ جائے گا اب تو مسکینوں سے جان چھڑانا چاہیے لہذا انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ آئندہ ہم بالکل صبح باغ میں پہنچ جائیں گے اور مسکینوں کے آلے سے پہلے کاٹ کر گھر والوں میں لے آئیں گے۔ مشورے سے آپس میں یہ باتیں طے کیں اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم ضرور ایسا کریں گے۔ لیکن انشاء اللہ کسی کے منہ سے بھی نہ نکلا، اول تو مسکینوں کو محروم کرنے کی قسم کھائی دوسرے انشاء اللہ کہنا بھول گئے لہذا اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اس باغ پر آفت بھیج دی، یہ لوگ سوئی رہے تھے انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ باغ کا کیا بنا رات کو جو آفت آئی تو وہ کھیتی ایسی ہو گئی کہ پہلے سے کاٹ دی گئی ہو اسی کو فَاصْبَحْتُمْ كَالصَّرِيمِ ﴿۱﴾ سے تعبیر فرمایا، وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ پایا حضرت ابن عباسؓ نے گالصریم کا ترجمہ کار ماد الا سود کیا اور فرمایا ہے کہ بنی خزیمہ کے لغت میں اس کا یہی ترجمہ ہے یعنی ان لوگوں کی کھیتی سیاہ را کھ کی طرح ہو گئی۔

صبح کو جو یہ لوگ اٹھے تو آپس میں ایک دوسرے کو بایا کہ آؤ اگر تمہیں اپنی کھیتی کی پیداوار پوری لینی ہے اور مسکینوں کو کچھ نہیں دینا ہے تو صبح صبح چلو اور جلدی چلو ورنہ عادت کے مطابق مسکین آ جائیں گے، چنانچہ یہ تینوں بھائی چل دیئے

پلے بار ہے تھے اور آپس میں چپکے چپکے یوں کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج ہم تک کوئی مسکین نہ پہنچے پائے، جو کچھ مشورہ کیا ہے اس پر قابو پانے کی کوشش کرو اور اپنے مال کو اپنے قبضہ میں کر لو۔

باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ باغ تو جلا ہوا ہے کہنے لگے کہ (علیہ السلام) جی یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں چلا ہوا باغ تلاش کرو، ان میں سے بعض نے کہا کہ ارے یہ بات نہیں ہے ہمارا باغ یہیں تھا ہم اس کی خیر سے محروم کر دیئے گئے ہیں کیونکہ ہم نے یہ ٹھکان لیا تھا کہ مسکین کو کچھ نہیں دینا ہے اس پر ہماری گرفت ہوئی ہے جس وجہ سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا، ان میں سے جو سب سے اچھا آدمی تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے یعنی ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے اب جب ان لوگوں نے باغ کو برباد دیکھا تو بڑی ہدامت ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی پائی بیان کرتے ہیں بلاشبہ ہم نے ظلم کا فیصلہ کیا تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہ دیں گے۔

اس کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور الزام دینے لگے کہ تو نے یہ رائے دی تھی اور تو نے یوں کہا تھا اور کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی ہم نے سرکشی والا کام کیا اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے۔ مسکین کو دیتے تو اچھا ہوتا سرکشی کر کے ہم نے اس محرومی کو خود مول لیا (اب سمجھ میں آ گیا کہ ہمیں وہی کرنا چاہیے تھا جو ہمارے باپ دادا کرتے تھے) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر عطا فرمائے گا جو باغ جل کر خاکستر ہو گیا ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا فرما دیا جس کے انگور کے خوشے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک نچر پر لا کر لے جاتے تھے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ۝ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ أَىٰ تَابِعِينَ لَهُمْ فِي الْعُقَبَاءِ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ هَذَا الْحُكْمُ الْفَاسِدُ أَمْ بَلْ لَكُمْ كِتَابٌ مُّنزَّلٌ فِيهِ تَدَارُكُونَ ۝ تَقْرَأُونَ إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخَيَّرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ غَهُودٌ عَيْنًا بِأَلْغَةٍ ۝ وَآثِقَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝ مُتَعَلِّقٌ مَعْنَىٰ بَعْلَيْنَا وَفِي هَذَا الْكَلَامِ مَعْنَى الْقَسَمِ أَىٰ أَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ إِنْ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ۝ بِه لِأَنْفُسِكُمْ سَأَلَهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ الْحُكْمِ الَّذِي يَحْكُمُونَ بِه لِأَنْفُسِهِمْ مِنْ أَنْهُمْ يُعْطَرُونَ فِي الْآخِرَةِ أَتَّضَلَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَعِيمٌ ۝ كَقَبِيلٍ لَهُمْ أَمْ لَهُمْ أَىٰ عِنْدَهُمْ شُرَكَاءُ مُؤَافِقُونَ لَهُمْ فِي هَذَا الْقَوْلِ بِكَقَبِيلُونَ لَهُمْ بِه فَإِنْ كَانَ كَذَلِكَ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ الْكَافِلِينَ لَهُمْ بِه إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝ أَذْكَرَ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ شِدَّةِ الْأَمْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ يُقَالُ كَشَفْتُ الْحَرْبَ عَنْ سَاقٍ إِذَا اسْتَدَّ الْأَمْرُ بِهَا وَ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ اِمْتِحَانًا

لَا يَمَانِهِمْ فَلَا يُسْتَطِيعُونَ ﴿١٠﴾ نَصِيرٌ ظُهُورُهُمْ طَبَقًا وَاحِدًا خَاشِعَةً حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ يُدْعَوْنَ أَيْ
ذَلِيلَةٌ أَبْصَارُهُمْ لَا يَرَفَعُونَهَا تَرَهْتَهُمْ تَغْنَاهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ فِي الدُّنْيَا إِلَى السُّجُودِ
هُم سَابِقُونَ ﴿١١﴾ فَلَا يَأْتُونَ بِهِ بِأَنْ لَا يَبْضُلُوا فَذَرْنِي دَعْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ الْقُرْآنِ
سَسْتَدْرِجُهُمْ نَأْخُذُهُمْ قَلِيلًا قَلِيلًا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْسَبُونَ ﴿١٢﴾ وَأَمِلْ لَهُمْ أَنْهَلُهُمْ إِنْ كُنِي
مَتِينٌ ﴿١٣﴾ شَدِيدٌ لَا يَطَّاقِي أَمْرٌ بَلْ تَسْأَلُهُمْ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَجْرًا فَهَمُّ مِنْ مَقْعُومٍ مِمَّا
يُعْطُونَكَ مُثْقَلُونَ ﴿١٤﴾ فَلَا يُؤْمِنُونَ لِذَلِكَ مَرَّ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ أَيْ اللَّزْخُ الْمَحْفُوظُ الَّذِي فِيهِ الْغَيْبُ
فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿١٥﴾ مِنْهُ مَا يَقُولُونَ فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فِيهِمْ بِمَا يَشَاءُ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ
فِي الضَّجْرِ وَالْعَجَلِ وَهُوَ يُؤْتِسُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِذْ نَادَى دَعَارَتَهُ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿١٦﴾ مَسْلُومٌ
عَمَّا فِي بَطْنِ الْحُوتِ كَوْلَا أَنْ تَدَارِكَهُ أَدْرَكَهُ نِعْمَةٌ رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ كُنَيْدٌ مِنْ بَطْنِ الْحُوتِ
بِالْعَرَاءِ بِالْأَرْضِ الْفِضَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿١٧﴾ لَكِنَّهُ رَجِمَ وَنَبَذَ غَيْرَ مَذْمُومٍ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ بِالنُّبُوَّةِ
فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٨﴾ الْأَنْبِيَاءُ وَإِنْ يَكْفُرُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزَيِّقُونَكَ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا بِأَبْصَارِهِمْ
أَيْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظْرًا شَدِيدًا يَكَادُ أَنْ يُضْرِبَ عَكَ وَيَشْقِطَكَ عَنْ تَكَانِكَ لَمَّا سِعُوا الذِّكْرَ الْقُرْآنَ
وَيَقُولُونَ حَسَدًا إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿١٩﴾ بِسَبَبِ الْقُرْآنِ الَّذِي حَاءَ بِهِ وَمَا هُوَ أَيْ الْقُرْآنُ إِلَّا ذِكْرٌ

وَج مَوْعِظَةٌ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ لَا يَحْدِثُ بِسَبَبِهِ جُنُونٌ

ترجمہ: البتہ ذر نے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ میں نعمت کے ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہونے
ہیں (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرمادے۔ نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر
انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ
وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لے
(ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر نازل ہوئیں کہ
قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے
پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں، کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے (یعنی عطا کرنے

میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو (چاہتے ہو) کیا تمہارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر کھائی گئی ہوں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی (مضبوط) ہوں (الی یوم القیامۃ بلحاظ معنی علینا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تمہارے خاطر قسم کھا رکھی ہے اور جو اب قسم یہ ہے) کہ وہ چیزیں تم کو ملیں گی جو تم فیصلہ کر چکے ہو (اپنے متعلق) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا (جو فیصلہ یہ اپنے متعلق کر رہے ہو۔ کہ انہیں آخرت میں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کرے گا) کون ذمہ دار ہے۔ کیا (ان کے خیال میں) ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو اس بات میں ان سے متعلق ہوں اور اس کے ذمہ دار ہوں۔ اگر واقعی ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں (جو ان کے ذمہ دار ہوں) اگر یہ سچے ہیں (یاد کیجئے) جس دن کہ سخت آفت ہوگی (قیامت کے روز حساب کتاب کی سختی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کشف الحروب عن ساق۔ جب کہ گھسان کی لڑائی ہو رہی ہو) اور (ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے) ان کو سجدہ کی طرف بلا یا جائے گا سو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (ان کی کمر تنبیہ ہو جائے گی) جھکی ہوں گی (یدعون کی ضمیر سے خاشعہ حال ہے۔ بمعنی ذلیل) ان کی آنکھیں (اد پر کو اٹھا نہیں سکیں گے) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ نماز نہیں پڑھتے تھے) سو مجھ کو اور جو میرے اس کلام (قرآن) کو جھلاتے ہیں رہنے دیجئے۔ ہم انہیں بتدریج لئے جا رہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور ان کو مہمت (ڈھیل) دے رہا ہوں۔ بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط (نا قابل شکست) ہے کیا آپ ان سے (تسلخ احکام کے بدلہ) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے (جو آپ کو دیں گے) دبے جاتے ہیں (اس لئے ایمان لا رہے ہیں) یا ان کے پاس غیب ہے (یعنی لوح محفوظ جس میں غیب کی باتیں ہیں) کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں (مجملہ ان کے ان کی یہ بات بھی ہے) سو آپ صبر سے بیٹھے رہئے اپنے رب کی تجویز پر (جو کچھ وہ چاہے) اور جھکی والے کی طرح نہ ہو جائیے (بیزاری اور جلدی کرنے میں۔ یونس علیہ السلام مراد ہیں) جب کہ اس نے (اپنے پروردگار سے) دعا کی اور وہ مارے غم کے گھٹ رہے تھے (مچھلی کے پیٹ میں سخت رنجیدہ تھے) اگر دستگیری نہ کرتی ان کے رب کی نعمت (رحمت) تو وہ ڈالے جاتے (مچھلی کے پیٹ سے) میدان (کھلی جگہ) میں بد حالی کے ساتھ (لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس لئے وہ بد حالی کے بغیر میدان میں ڈال دیئے گئے) پھر ان کے رب نے (نبوت کی وجہ سے) ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین (انبیائی) میں سے کر دیا۔ اور کافر ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر (ضمہ یا اور فتمہ یا کے ساتھ ہے) گرا دیں گے، (یعنی گھور گھور کراہی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپ کو پھل دیں گے اور مرتبہ سے گرا دیں گے) جب کہ یہ قرآن سنتے ہیں اور (حسد کے مارے) کہتے ہیں کہ یہ مجنوں

ہے (اس قرآن کی وجہ سے جو آپ پیش کر رہے ہیں) حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تمام جہانوں کے لئے (انسان و جنات کے لئے قرآن کے پاس تو جنون پھٹک بھی نہیں سکتا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: **مِنْ كُنْفَارٍ**: یعنی رینہ میں۔
- قولہ: **إِنْ لَكُمْ**: یہ تَدَارُسُونَ کا مفعول ہے۔ لام لَهَا تَخَيَّرُونَ کے ساتھ آنے کی وجہ سے کسر و ید۔
- قولہ: **عُظُودٌ**: قسموں کے ساتھ پختہ معاہدات۔
- قولہ: **وَأَثَقَهُ**: تاکید میں انتہائی پختہ۔
- قولہ: **بِعَلِينَا**: وہ تمہارے عہدہ رے ذمہ قیامت تک ثابت ہو گئے۔
- قولہ: **إِمْتَحَانًا**: نہ بطور مکلف ہونے کے۔
- قولہ: **تَرَاهَهُمْ**: ان کو ذلت آئے گی۔
- قولہ: **لَا يَعْلَمُونَ**: وہ نہیں جانتے کہ یہ تو استدرج ہے۔ وہ انعام خیال کر رہے ہیں۔
- قولہ: **بِهِمْ بِمَا يَشَاءُ**: یہ اس وقت اتری جب تعقیب پر بدعا کا ارادہ فرمایا۔
- قولہ: **رَحْمَةً**: توفیق تو ہے۔
- قولہ: **يَنْظُرُونَ**: شدت عداوت میں۔
- قولہ: **أَنْ يُضْرَعَكُ**: زمین پر بچھاڑنا۔
- قولہ: **مَذْمُومٌ**: رحمت سے دور کیا ہوا۔
- قولہ: **بِالْبُتُورَةِ**: کہ وحی ان کی طرف لوٹا دیں۔
- قولہ: **مَوْعِطَةٌ**: کیونکہ کافر تو آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ لِمُسْتَقِيمٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ۝

مستقیموں کے لئے نعمت والے باغ ہیں اور مسلمین و مجرمین برابر نہیں ہو سکتے:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی بندوں کے انعامات بیان فرمائے ہیں اولاً ارشاد فرمایا کہ انہیں ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغ ملیں گے، اس کے بعد فرمایا کیا ہم فرما رہے ہیں کہ مجرموں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ یعنی جو لوگ مجرم ہیں انہیں

اپنے جرم کی سزا ملے گی اور فرماں بردار بندے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا پھل پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نوازش ہوگی اور نعمتیں ملیں گی، نہ تو یہ ہوگا کہ فرمانبردار نعمتوں سے محروم ہو کر مجرمین کے برابر ہو جائیں اور نہ یہ ہوگا کہ کافرین کو نعمتیں دے دی جائیں، جب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو اہل کفر یوں کہتے تھے کہ دنیا میں ہمیں بھی یہ نعمتیں ملیں گی بلکہ ہم نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں ان کی اس بات کی تردید فرمادی کہ **اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ** اور مزید فرمایا: **مَا لَكُمْ اَتَيْتُمْ تَخْلُفُونَ** (تمہیں کیا ہوا تم کیا فیصلہ کرتے ہو) تمہارا یہ فیصلہ تو عقل کے اور دنیا داری کے اصولوں کے بھی خلاف ہے دنیا میں جو اہل انصاف ہیں کیا مجرم اور غیر مجرم کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتے ہیں؟ تم نے یہ کیسے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین، در سب سے بڑا انصاف والا ہے وہ مجرموں اور غیر مجرموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے گا۔

اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدَارُؤُونَ یہ بات جو تم نے کہی ہے تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تمہارے پاس آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہے جسے تم آپس میں پڑھتے ہو؟ اور کیا اس کتاب میں یہ مضمون ہے کہ تم جو چاہو اپنے پاس سے اپنی خواہش کے مطابق کہہ دو گے اسی کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا؟ پھر فرمایا کیا تمہارے لیے ہمارے اوپر قسمیں ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ تم بناؤ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا عہد ہے کہ جو تم کہہ دو گے ہم وہی کر دیں گے اور تمہارے کہنے کے مطابق فیصلہ ہوگا؟ ایسا نہیں ہے پھر بڑھ چڑھ کر یہ بانیں اپنی طرف سے کیسے تجویز کر رہے ہو؟ پھر رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: **سَلِّمُوا اَيْتَهُمْ بِذَلِكَ رَعِيْتُمْ** (پان سے دریافت کر لیجئے کہ ایسا کون شخص ہے جو ان کی باتوں کو صحیح ثابت کرنے کا ذمہ دار ہے)۔ یعنی ان کی نامعقول باتوں کو کوئی عاقل صحیح نہیں کہہ سکتا۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَجِيبُوْنَ

ساق کی تجلی اور منافقوں کی بری حالت:

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب ساق کی تجلی ہوگی اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ سجدہ کرو تو مومنین سجدہ کر لیں گے اور منافقین اور ریاکار سجدہ نہ کر سکیں گے اور ان کی کمری تختہ ہو جائیں گی، سجدہ کرنا چاہیں گے تو لٹری کے بل گر پڑیں گے۔ صحیح بخاری صفحہ ۷۳۱ اور صفحہ ۱۱۰۷ اور صحیح مسلم صفحہ ۱۰۰ اور صفحہ ۱۰۴ پر اس کی تفسیر دارہی ہے اور ساق کی تجلی ہونا تشابہات میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیفیت کے سمجھنے کی فکر نہ کریں بلکہ اصل طریقہ ہے، صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دارالتکلیف نہیں ہے کیونکہ بلایا جانے سے مراد امر بالسوء نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے، جس میں ممکن اس پر قادر ہوں گے اور اہل ریا و نفاق تاورد نہ ہوں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جس کا آگے ذکر ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل قوله عز وجل یدعون االی السجود فلا ینستجیبون یعنی الکفار

والمنافقون تصیر اصلاہم کصیاصی البقر فلا یستطیعون السجود۔

کافروں اور منافقوں کی مزید بد حالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ان چھائی ہوئی ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بنائے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ سجدہ کریں اس وقت یہ لوگ صحیح سالم تھے۔ سجدہ پر قادر تھے لیکن سجدہ نہیں کرتے تھے اگر کرتے تھے تو اخلاص سے نہ تھا دنیا میں حکم نہ ماننے کی وجہ سے آج ان کی رسوائی اور ذلت ہوئی۔ معالم التنزیل میں صفحہ ۳۸۳: ج ۴؛ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے: **قَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ كِتَابِيًّا** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کانوا یسمعون حی علی الفلاح فلا یجیبون، یعنی دنیا میں وہ اذان کی آواز سنتے تھے اور کانوں میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز آتی تھی لیکن نماز کے لیے نہیں آتے تھے۔

فَذَارِنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ سَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾

یعنی آپ اس تیسام کی بات جھٹانے والوں کو اور مجھے چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر فرمایا گیا ہے مراد اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے اور حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ کفار کی طرف سے یہ مطالبہ بھی بار بار پیش ہوا کرتا تھا کہ اگر ہم واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر ہمیں عذاب ابھی کیوں نہیں دے ڈالتا ان کے ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا اور ممکن ہے کسی وقت دعا بھی کی ہو کہ ان لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے اس پر یہ فرمایا گیا کہ اپنی حکمت کو ہم ہی خوب جانتے ہیں ایک حد تک ان کو مہلت دینے میں فوراً عذاب نہیں بھیج دیتے اس میں ان کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔

فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و ضبط کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے، انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیکھو تم مچھلی والے نماز کی طرح نہ ہونا اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا، یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا مچھلی کا آپ کو نکل جانا اور سمندر کی تہہ میں بیٹھ جانا اور ان تہہ تہہ اندھیروں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سنا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور آیت: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانجیا: ۸۷)** پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اس غم سے نجات پانا وغیرہ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحان و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے، یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا فرشتوں نے کہا یا رب اس کو زور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سی ہوئی ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا تھا؟

زشتوں نے عرض کیا نہیں، جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ ہے جس کے اعمال صالحہ روز آسمانوں پر چڑھتے رہے جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج ہے فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین ان کی آسمانوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما چنانچہ فرمان باری ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آ کر اگل دیا، یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ نے اسے پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیک کاروں میں کر دیا، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس بن متی سے افضل بتائے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے،

وَأَن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَبَعُوا لَكَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥٦﴾

کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرا دیں:

مشرکین عرب کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی تھی رسول اللہ ﷺ پر ہر طرح کا دار کرنے کو تیار رہتے تھے اور جو بھی موقعہ لگتا تھا اس سے نہیں چوکتے تھے آپ کو تکلیف پہنچانے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے انہوں نے آپ کو نظر بد لگوانے کی تدبیر بھی سوچی بعض لوگ جن کی آنکھوں میں فطری طور پر نظر لگانے کی خاصیت ہوتی ہے اس وقت اس طرح کا ایک شخص تھا اسے فریش مکہ نے آمادہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایسی نظر ڈال جس سے آپ مریض ہو جائیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب معالم التنزیل اور صاحب روح المعانی نے یہ بات لکھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ پر نظر لگوانے کا ارادہ کیا اور ایک آدمی کو اس پر آمادہ کیا لیکن اس کی آنکھوں کا آپ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے معروف نظر لگانا مراد نہیں ہے بلکہ بری بری نگاہوں سے دیکھنا مراد ہے یعنی وہ آپ کو دشمنی کی وجہ سے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت کی وجہ سے آپ کو دیوانہ بتاتے ہیں حالانکہ یہ قرآن جو آپ سنانے ہیں تمام جہانوں کے لیے صحت ہی صحت ہے بھلا دیوانہ آدمی ایسی باتیں سنا سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا موثر ہونا حق ہے جو بامر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے کثیر تعداد میں ایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں نظر دور کرنے کے لیے دعا پڑھنے کا ذکر ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر لگ جانا حق ہے حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ جعفر کے بچوں کو نظر جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کے لیے جھاڑ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں جھاڑ دیا کر دیکھو تکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھنے والی ہوتی تو نظر بڑھ جاتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۹۰)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسینؓ کو (تکلیف سے) محفوظ رکھنے کے لیے یہ پڑھا کرتے تھے: اعیذکما بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة (اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ میں تمہیں ہر شیطان سے اور ہر زہرے والے جانور سے اور ہرائی کے ساتھ نازل ہونے والی ہر آنکھ سے پناہ دیتا ہوں) (رواہ بخاری) اور فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات کو اسماعیل اور اسحاق علیہما

السلام کی حفاظت کے لیے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑنا مگر نظر لگانے سے؛
 زہری نے جانور کے ڈنٹے سے۔ (رواہ احمد والترمذی کافی المغلطاہ ص ۳۹۰)

دیگر امراض کے لیے بھی جھاڑنا جائز ہے جو حضور ﷺ سے ثابت ہے ان دونوں چیزوں کے لیے جھاڑنے کی زیادہ
 ضرورت ہوتی ہے اس لیے ایسا فرمایا جو کچھ بھی جھاڑ ہو اللہ کے ناموں سے قرآن مجید کی آیات سے اور مسنون دعاؤں سے
 ہو شرکیہ الفاظ سے نہ ہو۔ سورہ ن والقلم کی یہ آخری دو آیتیں مجرب ہیں نظر بد کے لیے پڑھا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ ۱۹ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ ۷۶۷
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اِيَّاهَا ۵۲ رُكُوعَاتُهَا ۲
 شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں درود کو

الْحَاقَّةُ ۱۰ الْفَيْصَةُ الَّتِي يَحِقُّ فِيهَا مَا تُكْبِرُ مِنَ الْعَبَثِ وَالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ أَوِ الْمُظْهِرَةِ لِدَلِيكَ مَا
 الْحَاقَّةُ ۱۱ نَعْتِظِمُ لِسَانِهَا وَهَمَّا مُبْتَدَأُ وَخَيْرُ خَيْرِ الْحَاقَّةِ وَمَا أَدْرَاكَ أَيُّ أَعْلَمَكَ مَا الْحَاقَّةُ ۱۲
 زِيَادَةُ نَعْتِظِمُ لِسَانِهَا فَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأُ وَمَا بَعْدَهُ خَيْرُهُ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَيْرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي
 لِأَدْرَى كَذَبَتْ ثُمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۱۳ الْقِيَامَةِ لِأَنَّهَا تُفْرِغُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا فَمَا ثُمُودٌ فَأَهْلِكُوهَا
 بِالْقَارِعَةِ ۱۴ بِالضَّبْحَةِ الْمُجَارِزَةِ لِلْحَدِيدِ فِي الشِّدَّةِ وَ أَمَّا عَادٌ فَأَهْلِكُوهَا بِرِيحٍ صَرْصِرٍ شَدِيدَةٍ
 الصُّورِ عَائِيَّةٍ ۱۵ قُوَّةٍ شَدِيدَةٍ عَلَى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ سَحْرَهَا أَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ عَلَيْهِمْ سَبْعَ
 لَيَالٍ وَكَلْبِيَّةٍ أَيَّامٍ ۱۶ أَوْلَاهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْأَرْبَعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ سُؤَالٍ وَكَانَتْ فِي عَجْرِ الشِّتَاءِ
 حُومًا ۱۷ مُتَابِعَاتٍ شَبَّهَتْ بِتَابِعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِي إِعَادَةِ الْكَمِيِّ عَلَى الْبَدَاءِ كَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى حَتَّى
 يُخْسِمَ قَدْرَى الْقَوْمِ فِيهَا صَرْغِي ۱۸ مَطْرُوحِينَ هَالِكِينَ كَالَّذِينَ أَعْجَازُ أَسْوَلُ نَحْلٍ خَائِيَةٍ ۱۹
 سَائِلَةٌ نَارِغَةٌ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۲۰ صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ أَيُّ بَاقٍ لَا وَجَاءَ
 فِرْعَوْنَ وَمَنْ قَبْلَهُ أَتْبَاعُهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِنْتِ الْفَافِ وَسَكُونِ الْبَاءِ أَيُّ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْأُمَّمِ الْكَافِرَةِ وَ
 السُّؤَالُ أَيُّ أَهْلِهَا وَهِيَ قُرَى تَرْمُ لَوْطٍ بِالْمَخَاطِطِ ۲۱ بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَا فَعَصَّوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ
 تَلْوِطًا وَغَيْرَهُ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَابِيَةً ۲۲ زَائِدَةٌ فِي الشِّدَّةِ عَلَى غَيْرِهَا إِنَّا لَنَّا طَغَا الْمَاءُ عِلَافًا فَرُوقَ
 كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوفَانَ حَمَلْنَاكُمْ ۲۳ يُعْنِي آتَاءَ كُمْ إِذَا انْتَمَى فِي أَضْلَابِهِمْ فِي

الْجَارِيَةِ ۝ السَّفِينَةِ الَّتِي عَمِلَهَا نُوحٌ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَتَجَاهَرُوا مِنْ كَمَا مَنَعَهَا فِيهَا زَوْجُ
 الْبَاقُونَ لِجُعَلَهَا ۝ أَيْ هَذِهِ الْفِعْلَةُ وَهِيَ انْتِجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ زَاهِلَاكُ الْكَافِرِينَ لَكُمْ تَذَكُّرًا عِظَةً
 تَعِيهَا ۝ تَحْفَظُهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ ۝ خَابِطَةٌ لِمَا تَسْمَعُ فَإِذَا لَفِخَ فِي الصُّورِ نَفَخَتْ ۝ وَاحِدَةٌ ۝ لِلْفِجْلِ
 بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَحُمِلَتْ رُفِعَتْ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَذُكِّرْنَا دُتْنَا ذِكْرًا لِأَحَدَاتٍ ۝ قِيُومِيهَا
 وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ قَامَتِ الْقِيَامَةُ وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ ضَعِيفَةٌ وَالْمَلِكُ يَتِي
 الْمَلَائِكَةَ عَلَى أَرْجَائِهَا ۝ جَوَانِبُ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ ۝ أَيْ الْمَلَائِكَةُ الْمَذْكُورِينَ
 يَوْمَئِذٍ ثَلَاثَةٌ ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَوْ مِنْ صُفُوفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْلَى بِالنَّارِ وَالنَّبِي
 مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ مِنَ الشَّرَائِرِ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَيَقُولُ خِطَابًا لِمَجْمَاعِهِ لِمَا سَمِعَهُ
 هَاؤُمُ خُذُوا اقْرَعُوا كِتَابِي ۝ تَنَازَعَ فِيهِ هَاؤُمُ وَاقْرَعُوا إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ
 حِسَابِي ۝ فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ مَرْضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قَطُوفُهَا ۝ ثَمَارُهَا دَانِيَةٌ ۝ قَرِينَةٌ
 يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيَقَالُ لَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا ۝ خَالَ أَيْ مُتَهَيِّئًا بِهَا
 أَسَلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۝ فَيَقُولُ
 يَلِيَّتِي لِلشَّيْءِ كَمْ أُوْتِيَ كِتَابِي ۝ وَكَمْ أَدْرِمَا حِسَابِي ۝ يَلِيَّتِيهَا ۝ أَيْ الْمَوْتَةُ فِي الدُّنْيَا كَانَتْ
 الْقَاضِيَةَ ۝ الْقَاطِعَةُ لِحَيَاتِي بَانَ لَا أُبْعَثُ مَا أَغْفَى عَنِّي مَالِي ۝ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِي ۝ قُرْبَى
 وَخَحْتِي وَهَاهُ كِتَابِي ۝ وَحِسَابِي ۝ وَمَالِي ۝ وَسُلْطَانِي ۝ لِلشَّكْتِ تُثْبِتُ وَقَفَاؤُ وَضَلَّابِئَاعِ الْمَضْحَكِ الْإِنْدَاءِ
 وَالنُّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ خَذَفَهَا وَضَلَّ خَذُوهَا ۝ خِطَابٌ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ فَعَلُّوهَا ۝ أَجْمَعُوا يَدَيْهِ إِلَى عُنُقِي
 الْعُرْ ثُمَّ الْجَحِيمِ النَّارِ الْمُخْرِقَةَ صَلُوهَا ۝ أَدْخَلُوهَا ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذُرْعَاهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا ۝ يَنْزِلُ
 الصَّلْبِ فَاسْلُكُوهَا ۝ أَيْ أَدْخَلُوهَا فِيهَا بَعْدَ إِذْ خَالَ النَّارَ وَلَمْ تَمْتَحِ النَّارُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُنْفَذِ
 إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحْضُرُ عَلَى طَعَامِ الْيَسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ فَتْنًا

حیدر ﷺ قَرِيبٌ يَنْتَفِعُ بِهِ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسْلِيْنٍ ﴿۱۰﴾ صَبَّ يَذْأَلُ النَّارِ أَوْ شَجَرٍ فِيْهَا الْكَافِرُوْنَ لَا

يَأْكُلُوْنَ إِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۱۱﴾ الْكَافِرُوْنَ

۱۰

تو سچے ہیں: ترجمہ: وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہو جائیں گی۔ جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کر دے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا بتلایا گیا ہے اور آابتداء اور الحاقہ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقہ اول کی) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ ما اول مبتداء اور احذ ثلک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقہ خبر۔ جملہ اور تہی کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) شمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولناکی سے دلوں کو کھڑکھڑا دے گی) سو شمود تو ایک چیخ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو حد سے زیادہ شدید چنگھاڑ تھی) اور عاد ایک تیز و تند (زنائے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۴ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے اخیر میں) متواتر (مسلل جیسا کہ لگاتار داغنے والا داغتا ہے اخیر تک اسی طرح یہاں عذاب لگاتا رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گر اہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (ہاقتیہ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مبالغہ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتحہ فاف اور سکون با کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اور الٹی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سراسر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو طغیانی دی (مانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جولوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھی تونچ گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تاکہ ہم بنادیں اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کاروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (مخوف کر لیں) یاد رکھنے والے کان (چوسنی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک مار دی جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے نفعہ ثانیہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے۔ پھر دونوں ایک دفعہ ٹسار یزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا۔ اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آجائیں گے اور آپ کے پروردگار

کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی (تختیسی تا اور یا کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعلیٰ نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ہاؤم اور اترؤا کا تنازع ہوا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہو سکیں گے، ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ ایام میں (دنیا میں) کیے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آچکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی۔ پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا (یعنی میری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام اغاظ میں ہا سکتے کی ہے۔ جو حالتِ وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ مصحف عثمانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے۔ لیکن بعض ثراء نے بحالتِ وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (دارونہ جہنم کو خطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دکاتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (زال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ طرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فایز نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ بجز زخموں کے دھوون (دوزخیوں کے کچھلو یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گنہگار (کافر) کے سوا کوئی کھانا سکتے گا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: الَّتِي يَحِقُّ فِيهَا: اس کی حقیقت خود معلوم ہو جائے گی۔
 قوله: مِمَّا مَبْتَدَأُ: الْحَاقَّةُ یہ خبر ہے اور یہ جملہ پہلے الْحَاقَّةُ کی خبر ہے۔
 قوله: وَمَا أَدْرَاكَ: تم اس کی حقیقت نہیں جانتے وہ تو سمجھ کے اس تک پہنچے سے بڑھ کر ہے۔
 قوله: وَمَا الثَّانِيَةُ: یہ اپنے بعد کے ساتھ محل نصب میں أَدْرَى کا دوسرا مفعول ہے۔

- قوله: بِالْقَارِعَةِ: ضمیر کی جگہ لا کر اس کی شدت کی طرف اشارہ کر دیا۔
- قوله: يُفْرِغُ الْفُلُوتِ: دلوں کو کھلکانے کی۔
- قوله: بِالضَّبْحَةِ: چیخ یا زلزلہ شدید سردی۔
- قوله: قُوَّةٍ شَدِيدَةٍ: تیز آندھی۔
- قوله: سَخْرَهَا: یہ متانہ جملہ ہے۔
- قوله: عِجْزٍ: ہرٹی کا پچھلا حصہ۔ الْحَاسِمِ: داغنے والا۔ الْكُمَى: داغ۔
- قوله: فِيهَا صَوْعٌ: پچھرتے ہوئے۔
- قوله: خَاوِيَةً: ان سے کھوکھلے۔
- قوله: فَحَصَّوْا: پرامت جو اپنے رسول کی نافرمانی کرنے والی۔
- قوله: خَافِظَةً: جھکانے والی۔
- قوله: دَقْنَا ذِكَّةً: ایک ہی مرتبہ مارنا۔
- قوله: انشَقَّتِ السَّمَاءُ: تاکہ فرشتے اتریں۔
- قوله: اَرَجَّابَهَا: یہ آسمان کے خراب ہونے کی تمثیل ہے۔
- قوله: هَاوٍ: ہا یہ اسمِ فذ کے معنی میں۔
- قوله: مَا أَغْنَى: مآ نافیہ اور مفعول محذوف ہے۔
- قوله: هَلَكًا: مال اور اشیاء۔
- قوله: الْمُنْقَدِمِ: الْجَجِيمِ: کافص پر مقدم کرنا اہتمام کے لیے ہے۔
- قوله: إِنَّهَا كَانَتْ: یہ تعلیل بطور استیناف کے مبالغہ کے لیے لائے ہیں۔
- قوله: لَا يَحْضُرُ: یہ دوسرے کو بھی کھانے پر نہ ابھارتا تھا۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا مضمون بھی کئی سورتوں کے مضامین کی طرح عقیدہ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد و ثمود اور قوم موط و فرعون کی ہلاکت و تباہی کا ذکر ہے اور ان سب مضامین کو قرآن حکیم نے اپنی صداقت و حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا اور یہ واضح فرمایا کہ اہل سعادت و شقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے ساتھ ہی ان لغو اور بے ہودہ الزامات و اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر لگاتے تھے۔

سورت کی ابتداء قیامت کے ہولناک منظر کے بیان سے کی گئی اور یہ کہ خداوند عالم کس طرح اہل کفر پر اپنا تہر و عذاب مسلط فرماتا ہے لفظ صورت اور اس پر جو حالت ہوگی اس کا بیان ہے اور یہ کہ جس وقت قیامت برپا ہوگی تو زمین شق ہو جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اخیر میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت پر برہان قائم کر کے آنحضرت ﷺ کی صداقت و امانت کو واضح فرمایا اور اس کا انکار کرنے والے پر وعید و عیب فرمائی گئی۔

الْحَاقَّةُ ﴿۱﴾

اس سورت میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار و فجار کی سزا اور مؤمنین و متقین کی جزاء کا ذکر ہے قیامت کے نام قرآن کریم میں بہت سے آئے ہیں۔ اس سورت میں قیامت کو حاقہ کے لفظ سے، پھر قارعہ کے پھر واقعہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مؤمنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اس کے مافوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قارعہ کے لفظی معنی کھڑکھڑانے والی چیز کے ہیں۔ قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بے چین کرنے والی اور تمام آسمان و زمین کے اجسام کو منتشر کرنے والی ہے۔

طاغیہ، طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد ایسی سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جس کو انسان کا قلب و دماغ برداشت نہ کر سکے۔ تو مٹو کی نافرمانی جب حد سے بڑھ گئی تو ان پر اللہ کا عذاب اسی سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آوازوں کا مجموعہ تھا جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔

فَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةً وَآجِدَةً ﴿۱﴾

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز پھونکا جائے گا۔

نَفْخَةً وَآجِدَةً ﴿۱﴾ سے مراد یہ ہے کہ یکبارگی اچانک یہ صورت کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مرجائیں گے۔ قرآن و سنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفعے ہونا ثابت ہیں پہلے نَفْخَہ کو نَفْخَہ صَعِقَ کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں: فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ هَلْ يَعْلَمُ سِوَاكُمْ مَا تُنْفِخُ بِهِ السُّورَةُ الْحَاقَّةُ آجِدَةً سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن و انس اور تمام جانور بیہوش ہو جائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت

نفس کو نغمہ بعث کہا جاتا ہے بعث کے معنی اٹھنے کے ہیں اس نغمہ کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہو کر
 اٹھیں گے جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے: ثم نفع فيه اخري فاذا هم قيام ينظرون۔ یعنی پھر
 مردے دوبارہ چھوٹا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔
 بعض روایات میں جو ان دونوں نفوس سے پہلے ایک تیسرے نغمہ کا ذکر ہے جس کا نام نغمہ فزع بتلایا گیا ہے۔ مجموعہ
 روایات انصوف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نغمہ ہی ہے اسی کو ابتدا میں نغمہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نغمہ
 صق ہو جائے گا۔ (مظہری)

زَبْحُنْ عَرْشِ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ شَنْبِيَةٌ ﴿٥٦﴾

یہ قیامت کے روز عشرِ رحمن کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے
 پہلے تو یہ کام پانچ فرشتوں کے سپرد ہے قیامت کے روز ان کے ساتھ اور چار بڑھادیے جاویں گے۔
 رہا یہ معاملہ کہ عرشِ رحمن کیا چیز ہے اس کی حقیقت اور حقیقی شکل و صورت کیا ہے اور فرشتوں کا اس کو اٹھانا کسی صورت سے
 ہے یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ نہ عقل انسانی ان کا احاطہ کر سکتی ہے نہ ان مباحث میں ان کو غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی
 اجازت ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین کا مسلک اس جیسے تمام معاملات میں یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو
 کچھ اللہ جل شانہ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت و کیفیت نامعلوم ہے۔

فَاَنَّا مَنْ اَوْقَىٰ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ اَفَيْقُوْا هَا وَاَوْمًا اَقْرَعُوْا وَاَكْتَبِيْهِ ﴿٥٧﴾

اہل ناموں کی تفصیل اور دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملنے والوں کی خوشی:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ
 سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوشِ مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو
 اور یہاں لے لے کہ جو گناہ تمھارے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ
 صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں، پس یہ امر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور
 ہلکی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں، عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں (ها) کے بعد لفظ (وہ) زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ
 (هاوہ) معنی میں (ها کہہ) کے ہے، حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں کہ چپکے سے جاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا
 ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اڑا جاتے ہیں چہرے کی
 رنگت پھلک پڑ جاتی ہے اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے ہوش
 دحوال درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظر میں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے
 ہلادی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے، اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملامت
 سناں سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا، حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ جسی فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا

ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کہ تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بیشک اللہ یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا نہ فضیلت کیا اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ جب یہ اس سے فارغ ہوگا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی سے ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا، حضرت ابن عمر والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بہت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا اس وقت جناب ہاری عزا سے فرمائے گا اے میرے بندے دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اب آج تجھے کیا رسوا کروں جا میں نے تجھے بخشا پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکاراٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا لو گوسنو! ان ظالموں پر اللہ کی پشٹکار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے، جیسے اور جگہ فرمایا: الَّذِينَ يَتْلُونَ الْكِتَابَ فَلَهُمُ اللّٰهُ كَهْمُ مَن دُونَ دُنْيَا مَن فِي الْيَقِينِ كَامِلٌ تَحَا كَهْ يَه حساب کا دن قطعاً آئے والا ہے، جیسے اور جگہ فرمایا: الَّذِينَ يَتْلُونَ الْكِتَابَ فَلَهُمُ اللّٰهُ كَهْمُ مَن دُونَ دُنْيَا مَن فِي الْيَقِينِ كَامِلٌ تَحَا كَهْ يَه یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے، جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے جن میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ملنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی، ایک شیخ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصالحتی اور آداب و بھگت ہوگی ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنی زمین و آسمان میں۔ پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے حضرت براء بن عازب وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر بھلے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چہرہ کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میوؤں کو نوز لیا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر جنتی کو اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پردانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا۔ (بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا کتاب من اللہ لفلان ابن فلان ادخلوہ جنتہ عالیتہ فطو فہا دانیتہ) یعنی اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع یہ پردانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے اسے بلند و بالا جگہ ہوگی شانوں اور لدے پھندے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو۔ (طبرانی) بعض روایتوں میں ہے یہ پردانہ ملے صراط پر حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا نہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے۔ اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے

منزل میں شرف جلائے ہیں۔ ان کے لئے جنت میں سے جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں سے جانے کے لئے کافی نہیں۔ لوگ نے کہا حضور ﷺ آپ ﷺ کے اعمال بھی نہیں؟ فرمایا میرے بھی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَأَقَامَنَ أُولَىٰ كِتَابَهُ بِسْمَالِهِمْ أَفَيَقُولُ يَلِكُنِي تَنِي لَمْ أَوْتِ كِتَابِيَةَ ۖ

بائیں ہاتھ میں اعمالنا سے ملنے والوں کی بد حالی:

یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں نہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہ ادر کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے کاش کہ موت نے ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ہتی ہی نہ، جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے، یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی عذاب ہم سے نہ ہٹائے، ہتھا حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو، حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان کو سننے ہی کہ اسے پکڑو، ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے، ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک دوسرے پر سہقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں، پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا، پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا، حضرت ابن عباس اور ابن جریج فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرودی جائیں گی پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سبخ میں کباب اور تیل میں نڈی، یہ بھی مروی ہے کہ پچھلے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے تل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اس کو جنیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا، یعنی نہ تو اللہ کی عبادت و اطاعت کرتا تھا نہ اللہ کی مخلوق کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا، اللہ کا حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں اور پھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں، اسی لئے اللہ

تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی ﷺ نے انتقال کے وقت منہ ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عطا ہونے سے بچا سکے، اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی ہسی بیکار چیز کے جس کا نام (غسلین) ہے، یہ جنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام (زقوم) ہو، اور (غسلین) کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَا تَزِيدُهُ أَقْسَمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿١٠﴾ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿١١﴾ مِنْهَا أَيُّ بِكُلِّ مَخْلُوقٍ
 إِنَّهُ أَيُّ الْقُرْآنِ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٢﴾ أَيُّ قَالَ رَسُولٌ عَنِ اللَّهِ تُبْحَاثُهُ وَتَعَالَى وَ مَا هُوَ يَقُولُ
 شَاعِرٌ ﴿١٣﴾ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ﴿١٤﴾ وَلَا يَقُولُ كَا هِمْ قَلِيلًا مَا تَدَّكَّرُونَ ﴿١٥﴾ بِالتَّائِبِ وَالْبَائِسِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَا
 زَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ امْتَرُوا بِأَشْيَاءِ يَسِيرَةٍ وَتَدَّكَّرُوا هَامِمًا آتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
 الْخَيْرِ وَالصَّلَةِ وَالْعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ تَكْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ أَيُّ
 النَّبِيِّ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿١٧﴾ بَانَ قَالَ عَنَّا مَا لَمْ نَقُلْهُ لَأَخَذْنَا لِنَلْنَا مِنْهُ عِقَابًا بِالْيَمِينِ ﴿١٨﴾
 بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿١٩﴾ يَئِطُّ الْقَسْبَ وَهُوَ عَزِزٌ مُنْتَصِلٌ بِهِ إِذَا انْقَطَعَتْ صَاحِبُ
 فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ مُرَاتِمٌ مَا مِنْ زَائِدَةٍ لِنَا كَيْدِ النَّفْسِ وَمِنْكُمْ خَالٍ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ ﴿٢٠﴾ حُجْرَيْنِ ﴿٢١﴾
 مَا بَعَيْنِ خَبْرٌ مَا وَجُمِعَ لِأَنَّ أَحَدًا فِي سَبَاقِ النَّفْسِ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَضَمِيرٌ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَيُّ لَا مَانِعَ لِنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ أَيُّ الْقُرْآنِ لَتَذَكُّرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ
 أَيُّهَا النَّاسُ مُكْذِبِينَ ﴿٢٣﴾ بِالْقُرْآنِ وَمُصَدِّقِينَ وَإِنَّهُ أَيُّ الْقُرْآنِ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ إِذَا رَأَوْا تَوَابًا
 الْمُصَدِّقِينَ وَعِقَابَ الْمُكْذِبِينَ بِهِ وَإِنَّهُ أَيُّ الْقُرْآنِ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٢٥﴾ أَيُّ لِلْيَقِينِ حَقُّ الْيَقِينِ فَسَبَّحْ
 نَزْرَةً بِأَسْمِ رَائِدَةَ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کالا یا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کلام

عمر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے ہو (دونوں فعل تا اور یا کے ساتھ اور مازاند ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں۔ بہت قابلہ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں۔ بلکہ یہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزائی) ان کا داہنا ہاتھ (زور اور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگ جان کاٹ ڈالتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہے وہ کٹ جائے تو مر جائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ماہے اور من زائد ہے تاکید نفی کے لئے اور منکم من احد سے حال ہے) ان کا اس سزا سے بچنے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ مآ کی خبر ہے، اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احد نفی کے تحت ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عند کی ضمیر آنحضرتؐ کی طرف راجع ہے یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تکذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) حقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسم زائد ہے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ: مشاہدات، مغیبات وغیرہ۔

قولہ: رَسُولٍ كَرِيمٍ: وہ محمد ﷺ ہیں یا جبرئیل۔

قولہ: وَزَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ: معمولی اشیاء۔

قولہ: يَبَاطُ الْقُلُوبِ: دل کے بندھن۔

قولہ: وَمِنْكُمْ خَالٍ: اور خطاب لوگوں کو ہے۔

قولہ: الْيَقِينِ: اس پر یقین ہے۔

تفسیر مقبولین

فَلَا أُنسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿۱﴾

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متقیوں کے لیے نصیحت ہے:

ان آیات میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کریم کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں اور دشمنوں کی باتوں کی تردید فرمائی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کو تیار نہ تھے۔

اولاً ارشاد فرمایا کہ تم جن چیزوں کو دیکھتے ہو اور جن چیزوں کو نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھانا ہوں کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ شاعر لوگ شاعرانہ باتیں کرتے تھے وہ عام لوگوں کی باتوں سے مختلف ہوتی تھیں اور کاہن لوگ شیاطین سے سن کر آئندہ ہونے والی کوئی بات بتا دیتے تھے۔ (جس کا ذکر سورہ جن میں آ رہا ہے اور سورہ حجر اور سورہ سباء اور سورہ صافات میں گزر چکا ہے) اور ان میں اپنے پاس سے اور بہت سی باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے اور تک بندی کی طرح کچھ باتیں کہہ جاتے تھے اہل مکہ نے قرآن کریم کو شاعروں کا ہنوں کا کلام بتا دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نہ شاعر ہیں نہ کاہن ہیں نہ ان لوگوں کے پاس آپ کا اٹھنا بیٹھنا ہے مگر انسان کی ضد و عناد ایسی چیز ہے کہ جب انسان اس پر کرباندھ لے اور حق سے بالکل ہی منہ موڑ لے تو قبول حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے ان میں بہت کم کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق کو قبول کرے اور اپنی سمجھ سے کام لے اس لیے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا:

قَلِيلًا مَّا تَوَدَّوْنَ ۝ (تم بہت کم ایمان لاتے ہو) اور قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُوْنَ ۝ (تم بہت کم سمجھتے ہو) بھی فرمایا۔

قَلَّا اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ جو فرمایا اس میں ان چیزوں کی قسم کھائی جنہیں بندے دیکھتے ہیں اور جنہیں نہیں دیکھتے صاحب روح العالی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی جو بندوں کے مشاہدات اور رغیبات ہیں اس لیے حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کی قسم کھا کر بتا کید یہ فرمایا کہ قرآن رسول کریم ﷺ کا لایا ہوا کلام ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ تبصر دین سے آثار قدرت اور مالاتہمرون سے اسرار قدرت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اجسام اور ارواح مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انسان اور جن اور ملائکہ مراد ہیں۔ وقیل غیر ذلک۔ (مدح العالی ص ۶۰: ۶۱)

اِنَّكَ لَكَقَوْلٌ رَّسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝

یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی انکس پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا، جو آسمان سے لایا وہ، اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا، دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جس کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے

عقل کی عقل کے ذریعہ سے جو اس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح جو اس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے، ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اس لیے یہاں **بِمَا تُنْبِئُونَ - وَمَا لَا تُنْبِئُونَ** (الانعام: ۳۸) کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں، اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیرہ محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الہی دائرہ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے۔ جب ہم بہت ہی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۱﴾

یہاں فرماں باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کپہ درمیان بھی نہ آسکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے، پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ سچے پاک باز شد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ ﷺ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست مجزے اور آپ ﷺ کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ ﷺ کو عنایت فرما رکھی ہیں۔ پھر فرمایا یہ قرآن منقہوں کے لئے تذکرہ ہے، جیسے اور جگہ ہے کہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی، پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں، یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و انسوس ہوگی، یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا، جیسے اور جگہ ہے، اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں پھر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جگہ ہے: **وَجِبِلٌ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّن قَبُلَ إِلَهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرْتَبٍ** (سہ)

۱۵۲: ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے، پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور پیکر و شبہ ہے،

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۱﴾

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے تذکرہ اور نصیحت ہے مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان سبق طبعی اور یقینی امور کو جانتے ماننے میں بہت سے آدمی اس کی تکذیب بھی کرتے رہیں گے جس کا نتیجہ آخرت میں ان کی حسرت و یاس اور عذاب دائمی

ہوگا اور آخر میں فرمایا اذ انہ لحن الیقین یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ سب کے اذ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا سبح باسم ربک العظیم جس میں اشارہ ہے کہ آپ ان معاذ کفار کی باتوں پر وہمان نہ دیں اور ان سے مغموم نہ ہوں بلکہ اپنے رب عظیم کی تسبیح و تقدیس کو اپنا مشغلہ بنائیں کہ یہی ان سب غموں سے نجات کا ذریعہ ہے اور یہ ایسا ہے جیسا دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے (آیت) ولقد نعلم انک یفسق صدرک بما یتقولون فسبح بحمد ربک وکن من السجدین۔ یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کفار کی بیہودہ گفتگو سے دل تنگ ہوتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد میں مشغول ہو جائیں اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں۔

ابوداؤد میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی روایت ہے کہ جب یہ آیت: **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ** نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو اور جب آیت سج اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اسی لئے باجماع امت رکوع اور سجدہ میں یہ دونوں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ان کا پڑھا اور تمین مرتبہ تکرار کرنا سنت ہے۔ بعض حضرات نے واجب بھی کہا ہے۔

سُورَةُ الْمَعَارِجِ

سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۹ آيَاتٍ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور درود کو

سَأَلَ سَائِلٌ ذَعَاذِعَ الْعَذَابِ وَأَقْبَعَ ۝ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ هُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ
 اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ الْآيَةُ مِنْ اللَّهِ مُتَّصِلٌ بِوَقْعِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ مَضَاعِدُ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ
 السَّمَوَاتُ تَعْرُجُ بِالنَّارِ وَالنَّارُ الْمَلَكُوتُ وَالرُّوحُ جِبْرِيلُ إِلَيْهِ إِلَى مَهْبِطِ أَمْرِهِ مِنَ السَّمَاءِ فِي يَوْمٍ
 تَعْلَقُ بِمُخْذَرَفٍ أَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَانَ مِقْدَارًا خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ بِالنِّسْبَةِ
 إِلَى الْكَافِرِ لَمَّا يُلْقَى فِيهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيُكْرَمُ عَلَيْهِ أَخْفَ مِنْ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ يُضَلِّيهَا فِي
 الْمَدِينَةِ كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ فَأَصْبِرْ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَيِّدًا ۝ أَيْ لَا فَرْعَ فِيهِ إِنَّهُمْ
 يَرَوْنَهُ أَيْ الْعَذَابَ بَعِيدًا ۝ غَيْرُ وَاقِعٌ وَكَرَاهَةٌ قَرِيبًا ۝ وَأَقْعَالًا مَحَالَةً يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ مَسْتَلْقَى
 بِمُخْذَرَفٍ أَيْ يَقَعُ كَالْهَلِ ۝ كَذَائِبِ الْفِضَّةِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ كَالضَّرْفِ فِي الْخِفَةِ
 وَالطَّبْرَانِ بِالرِّيحِ وَلَا يَسْأَلُ حَيِّمٌ حَيِّمًا ۝ قَرِيبٌ قَرِيبٌ لِامْتِغَالِ كُلِّ بِحَالِهِ يَبْصُرُهُمْ
 يَبْصُرُ الْأَجْنََاءَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ وَالْجَمَّةُ مُشْتَانِفَةٌ يَوْمَ الْمُجْرِمِ يَسْمَى
 الْكَافِرُ كَوٍ بِمَعْنَى أَنْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِكُفْرِ الْيَمِّ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتَهُ زَوْجَتَهُ وَ
 أُنْيَتَهُ ۝ وَفَوْصِلَتَهُ عَشِيرَتَهُ لِفَضْلِهِ مِنْهَا الَّتِي تُثْوِيهِ ۝ تَضَمُّهُ وَهِيَ فِي الْأَرْضِ جَبِيحًا ثُمَّ
 يُنْجِيهِ ۝ ذَلِكَ الْإِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلَى بَنَدِي كَلَامًا رَدِيعًا لِمَا يُوَدِّهِ إِنَّهَا أَيْ النَّارُ لَقِي ۝ هَاسِمٌ
 لِعَهْمٍ لِأَنَّهَا تَلْطَفُ أَيْ تَلْهَبُ عَلَى الْكُفَّارِ لِرَاعَةِ لِلشُّوَى ۝ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ خَلْدَةُ الرَّاسِ تَدْعُو

مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ۝ غِبِ الْإِيمَانَ بِأَنْ تَقُولَ إِلَى الْيَمَنِ وَجَمَعَ الْمَالِ فَأَدْعَى ۝ أَمْسَكَ فِيهِ وَعَالِيهِ وَلَهُ
 يُؤْذِ حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ خَالٍ مُقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيرُهُ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝
 وَفَتْ مَنِ الشَّرِّ ۝ إِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ وَفَتْ مَنِ الْخَيْرِ أَيُّ الْمَالِ لِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُ إِلَّا
 الْهَٰصِلِينَ ۝ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ مُوَظِّبُونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ
 مَّعْلُومٌ ۝ هُوَ الزَّكَاةُ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤَالِ فَيَحْرَمُ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ
 بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ الْجَزَاءَ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ خَائِفُونَ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ
 مَأْمُونٍ ۝ نَزُولَهُ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
 مِنَ الْإِمَاءِ فَالَهُمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ الْمُشْجَارِزِينَ
 الْحَلَالَ إِلَى الْحَرَامِ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ ۝ وَفِي نِزَاةٍ بِالْأَفْرَادِ مَا أُتْمِمُوا عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَالْدُنْيَا
 وَعَهْلِهِمْ السَّاخِرُونَ عَلَيْهِمْ نَبِيُّ ذَلِكَ رَعُونَ ۝ حَافِظُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ ۝ وَفِي نِزَاةٍ
 بِالْجَمْعِ قَائِمُونَ ۝ يُقِيمُونَهَا وَلَا يَكْفُرُونَهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ بِأَدَائِهِا نَبِي
 فِي أَوْقَاتِهَا أُولَٰئِكَ فِي جَنَّةٍ مُّكْرَمُونَ ۝

ترجمہ: ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو
 کافروں پر ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الحارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ الیہ
 ان کان هذا هو الحق فامطر علينا) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو بیڑیوں کا مالک
 ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) فرشتے اور روح
 (جبریل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں علم الہی آتا ہے) ایسے میں دن ہوگا (اس کا تعلق محذوف
 سے ہے۔ ای یقع العذاب بہم فی یوم القیامۃ) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں
 کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے ہلکا پھلکا معلوم ہوگا۔ جیسا کہ
 حدیث میں آتا ہے) سو آپ صبر کیجئے (یہ حکم جہاد کی مشرویت سے پہلے کا ہے) بہترین صبر (جس میں حرف شکایت
 نہ آئے) یہ لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی

نہر واقع ہو کر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقیق کے ساتھ ہے) تپھٹ (تپھل
 سوتی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رنگین اذن کی طرح ہو جائیں گے (پلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے روئی
 کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہوا ایک کونفا نفسی پڑی ہوگی) ایک
 دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ مگر بات نہیں کر سکیں گے۔ جملہ
 مستانہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش وہ فدیہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (یومئذ کسرہ میم اور
 نونہیم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان کو فصیلا کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن
 میں وہ رہتا تھا۔ اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو بچالے (فدیہ دینا۔ اس کا عطف
 بندہ پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (الظہر) جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ
 کفار پر دیکھے گی (کھال کو اتار دے گی) (شواۃ کی جمع ہے۔ سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے
 پیٹ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ
 میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے) (حال مقدرہ ہے جس کی تفسیر آگے
 ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ الہالی ہوتی
 ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق ادا کرنے میں) مگر وہ نمازی (مومن) جو اپنی نماز
 پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے۔ سوالی غیر سوالی سب کے
 لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جز) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے
 پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہوتا) بے خوفی کی
 چیز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔ لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے۔ کیونکہ ان
 پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں جو اس کے علاوہ طلب گار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی
 طرف تجاوز کرنے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی
 امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک
 قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی
 کئے لیا۔ ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔

کلمات تفسیریہ کی توجیح و تشریح

- قولہ: مَصَاعِدُ: معارج جمع معرج۔ فرشتوں کے چڑنے کے مقامات۔
- قولہ: أَمْرَهُ مِنَ السَّمَاءِ: اس اترنے کی جگہ کا بیان ہے اور وہ آسمان میں بعض مقامات ہیں۔
- قولہ: فَأَضْبِرْ: وہ سال سے متعلق ہے کیونکہ سوال بطور تعنت تھا۔
- قولہ: بَعِيدًا: امکان سے بعید ہے۔
- قولہ: قَرِيبًا: لامکان سے قریب ہے۔
- قولہ: كَذَابِ الْفِضَّةِ: پھلانا، پھکلی چاندی۔
- قولہ: كَالضُّوْبِ: رنگی اون۔ کیونکہ پہاڑ مختلف رنگت والے ہیں۔
- قولہ: وَالْجُمْلَةُ مُسْتَأْنِفَةٌ: اس پر دلالت کرتا ہے کہ سوال سے مانع محض اپنے کو مشغول کرنا ہے کہ خفاء۔
- قولہ: يَوْمَ الْمَجْزَمِ: ہر مجرم کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ لوگوں میں سب سے قریب ترین کی پیروی کرنا چاہیں گے۔
- قولہ: تُؤَيِّدُهُ: یعنی نسب اور تکالیف میں۔
- قولہ: عَلَى يَفْتَدِي: پھر اگر فدیہ اس کو بچالے۔؟؟ استبعاد کے لیے ہے۔
- قولہ: جَلْدَةُ الزَّائِسِ: وہ نہ گوشت چھوڑے نہ چڑھ۔
- قولہ: تَدْعُوا: کھینچنا اور حاضر ہونا۔
- قولہ: فِي وَعَائِهِ: برتن میں۔
- قولہ: مَا أَتَّخِمْتُوا: جس میں اس کو امین بنایا گیا۔
- قولہ: فِي أَوْقَاتِهَا!

تفسیر مقبولین

(ادب) گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت سے قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا بیان ہے اور یہ کہ آخرت کی سعادت و شقاوت کا اصل مدار و معیار کیا ہے اور وہاں کی راحتیں اور کشتیں کس امر پر مرتب ہوتی ہیں اسی کے ساتھ مومنین و مجرمین کے احوال اور ان کے درمیان تقابلی بھی بیان فرمایا تاکہ ایک نظر میں نور و ظلمت اور حرارت و برودت کی طرح مومنین و کافر کا فرق واضح ہو جائے بالخصوص اس سورت میں جو چیز زائد اہمیت اور توجہ کے ساتھ ذکر کی گئی وہ کفار مکہ کی مخالفت اور ان کے تمسخر و استہزاء کا رد ہے جو وہ رسول خدا ﷺ اور کلام رب العالمین کے ساتھ کرتے تھے۔

سورت کی ابتداء کفار مکہ کی سرکشی اور لغو قسم کے سوالات کے ذکر سے فرمائی گئی اور یہ کہ وہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی اہانت سے انحراف و درگردانی کرتے تھے اس پر ان کے انجامِ ہلاکت کا بھی بیان ہے۔

آخر میں مجرمین و کفار قیامت کے روز کیسی شدت و بے چینی میں مبتلا ہوں گے اسکو بھی بیان فرمایا گیا اور اہل ایمان پر نعمات اور انکی راحتوں کو اسکے بالقابل پیش کر دیا گیا ساتھ ہی انسانی نظرت کی کمزوری کا بھی ذکر ہے تاکہ انسان اس عیب اور کمزوری کے مہلک نتائج سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔

سَأَلْنَا سَأَلُوكَ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝

قیامت کے دن کافروں کی بد حالی اور بے سرو سامانی:

یہاں سے سورہ معارج شروع ہو رہی ہے چونکہ اس میں لفظ ذی المعارج وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لیے سورہ المعارج کے نام سے موسوم ہوئی المعارج معرج کی جمع ہے جس کا معنی ہے چڑھنے کی جگہ۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ المعارج سے آسمان مراد ہے چونکہ آسمانوں سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمانوں کی طرف فرشتوں کا آنا جانا رہتا ہے اس لیے آسمانوں کو المعارج فرمایا اور خالق تعالیٰ شانہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے آسمان بھی اس کی مخلوق ہیں جہاں سے فرشتوں کا گزر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ایک وصف ذی المعارج ذکر فرمایا۔ مفسرین کرام نے اس سورت کی ابتدائی آیت کا شان نزول یہ ذکر فرمایا ہے کہ نصر بن حارث جو ایک بڑا مشرک اور مکہ معظمہ میں اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت زیادہ کٹر دشمن تھا اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ دین (جو محمد ﷺ لائے ہیں) حق ہے (جسے ہم قبول نہیں کر رہے ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دیجئے یا ہم پر دردناک عذاب لے آئیے۔ روح المعانی میں امام سنائی سے یہ روایت نقل کی ہے مذکورہ بالا دعا ابو جہل نے کی تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: سَأَلْنَا سَأَلُوكَ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لَلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ یعنی ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو معارج یعنی آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے بیان فرمانے میں بظاہر یہ نکتہ ہے کہ زمین پر رہنے والے عذاب کا سوال کر رہے ہیں زمین تو ان کے قریب ہی ہے اس میں دھنسائے جاسکتے ہیں اور زلزلہ اور بھونچال کے ذریعے بھی ہلاک کیے جاسکتے ہیں اور آسمان کی جانب سے بھی ان پر عذاب آسکتا ہے انہوں نے جو آسمان سے پتھر برسانے کی دعا کی ہے یہ دعا بعینہ بھی نمود ہو سکتی ہے اور پتھر برس سکتے ہیں۔ جیسے زمین میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اسی طرح وہ آسمانوں اور جو چیزیں ان میں ہیں ان سب کا بادشاہ ہے، اور نتیجہ اس دعا کا یہ ہوا کہ نصر بن حارث اور ابو جہل دونوں غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے مشرکین بھی مارے گئے جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ تھے بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی تعداد ستر تھی اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لایا گیا خود ان کی بد دعا ان کے حق میں لگ گئی پھر ان قیدیوں کے حکم سے بعض لوگ بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝

(فرشتے اور روہیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں) یعنی عالم بالا میں جو مواقع ان کے عروج کے مقرر فرما دیے ہیں وہاں پہنچتی ہیں۔ قال صاحب الجلالین الی مہبط امرہ من السماء۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ (ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی) صاحب بیان القرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ ذی العارج کے بعد تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان فرمائی ہے اور فی یوم متعلق ہے مخدوف سے اور مطلب یہ ہے کہ سائل نے جس عذاب کا سوال کیا ہے وہ عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حیث قال فی یوم متعلق بمحدوف ای یقع العذاب بہم فی یوم القيامة۔ اس میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو عذاب مانگا تھا وہ تو غزودہ بدر میں آچکا پھر لفظ فی یوم کو متعلق سے کیوں متعلق کیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے معارض نہیں ہے دنیا میں بھی عذاب واقع ہو گیا اور آخرت میں بھی واقع ہوگا اگر دونوں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، جملہ فی یوم کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وایا ما کان فالجملة استیناف مؤکد لما سبق له الکلام وقيل هو متعلق بواقع وقيل بدافع والراد بالیوم علی هذه الاقوال ما اريد به فیما سبق ونعرج الملائكة والروح الیه مستطرد عند وصفه عز وجل بذی المعارج وقيل هو متعلق بتعرج كما هو الظاهر الا ان العروج فی الدنيا والمعنی تعرج للملائكة والروح الی عرشه تعالیٰ ويقطعون فی یوم من ایامکم ما یقطعه الانسان فی خمسين الف سنة لو فرض سیره لیه۔

ہزار سال اور پچاس ہزار سال میں تطبیق:

یہ دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اس سے بظاہر قیامت کا دن مراد ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے دینے والوں کی سزائیں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اور سورہ الم سجدہ میں فرمایا ہے: يَذُوقُوا الْعَذَابَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ نقرۃ جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے جو آدھا دن ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

ایک ہی دن کے بارے میں ایک ہزار سال بھی بتایا اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال بھی بتائی اس کے بارے میں صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہوگا کافروں کے لیے پچاس ہزار سال ہی کا دن ہوگا اور انہیں حساب کی سختی کی وجہ سے اتنا ہی لہا معلوم اور محسوس ہوگا اور مومن آدمی کے لیے ہلکا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جو دن پچاس ہزار سال ہوگا اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی (بطور تعجب اور اظہار تشویش یہ سوال کیا) آپ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن مومن پر ہلکا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا کر دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المعارج صفحہ ۱۸۷)

بِإِنِّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱﴾

انسان بے مبرا، بخیل اور کنجوس بھی ہے:

یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے مبرا ہے، مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے، گویا دل اڑ گیا اور گویا ب کوئی آس باقی نہیں رہی، اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بجد بخیل اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے، جن کی صفیتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے واجباً نماز کو اچھی طرح بجالانے سکون اطمینان اور خشوع حضور سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے۔ جیسے فرمایا آیت: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ (المؤمنون: ۱) ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف اللہ سے ادا کرتے ہیں، ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پالی کو بھی عرب ماہِ دائم کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے، جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر باطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کونے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے اس کی نماز سے نجات نہیں دلوائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مدادت اور بیٹگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مدادت میں جائے گو کم ہو، خود حضور ﷺ کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر بیٹگی کرتے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پینچبر نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈھتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہما میں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا، پس اسے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کر مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے، پھر فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں، پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے اور خوف کھانے والے ہیں، جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ امن دے اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں اللہ کی اجازت نہیں ان جگہ سے بچاتے ہیں، ہاں اپنی نیکیوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں، لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کر لے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر: قَدْ

أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (مومنوں) میں گذر چکی ہے یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے وعدوں اور وعیدوں قبول اور قرار کو پور کرنے والے اور اچھی طرح نبانے والے ہیں، نہ خیانت کریں نہ بد عہدی اور وعدہ شکن کریں۔ یہ نیک صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے منافق کی تین خصلتیں ہیں جب کبھی بات کرے جموٹ بولے، جب کبھی جھگڑے گا سیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں جتنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں، جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔ پھر فرمایا وہ اپنی نذر کی پوری چوکی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات و مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں، یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم اشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والا چیز بھی یہی ہے اس کا ادا کرنا سخت ضروری ہے اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۃ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (المومنوں) میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ سرور و محفوظ ہیں۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكْ نَحْوَكْ مَهْطِعِينَ ﴿١﴾ حَالِ آئِ مُدِيمِی النَّظْرِ عَنِ الْيَسِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عِزِينَ ﴿٢﴾ حَالِ ابْضَا آئِ جَمَاعَاتِ حَلْقًا حَلْقًا يَقُولُونَ اسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِينَ لَنْ نَدْخُلَ هَذَا الْحَنَّةَ لَنْدَحْتَنَاهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالَى ائِطْمَعْ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَدْخُلَ جَنَّةً يَّعْبُدُ ﴿٣﴾ كَلَّا رِذَّءٌ لَهُمْ عَنِ طَمْعِهِمْ فِي الْحَنَّةِ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ كَثِيرِهِمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ مِنْ نَّطَفٍ فَلَا يَطْمَعُ بِذَلِكَ فِي الْحَنَّةِ وَإِنَّمَا يَطْمَعُ فِيهَا بِالتَّمَوِي فَلَا لَازِئِدَهُ أَقْسَمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿٥﴾ عَلَى أَنْ نُبَدِّلَ نَاتِي بَدَلَهُمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦﴾ بِعَاجِزِينَ عَنْ ذَلِكَ فَذَرَهُمْ أَثَرُ كُهُمْ يَخُوضُوا فِي بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِي دُنْيَاهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿٧﴾ فِيهِ الْعَذَابُ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ الْقُبُورِ سِرَاعًا إِلَى الْمُحْشَرِ كَأَنَّهُمْ إِلَى نُصُبٍ وَفِي قِرَاةٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوبٌ كَعَلِمَ أَوْ رَاةٍ يُوَفُّونَ ﴿٨﴾ يُسْرِعُونَ خَاشِعَةً ذَلِيلَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُفُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذَلَّةٌ ذَلَّةٌ ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٩﴾

ذَلِكَ مُبْتَدَأٌ وَمَا تَبَعُهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آرہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنا بنا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے) اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں (کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (اوروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا۔ جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں۔ ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جاسکتی ہے) پھر (لازماً ہے) میں تم کھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آگئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں۔ اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑیئے) اس مثل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی ست (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے۔ ایسی چیز جو کھڑی کی جائے۔ جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی (ذلیل) ہوں گی۔ ان پر رسوائی چھائی ہوگی۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (ذکر مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

• قولہ: قَبْلَكَ: تمہارے گرد۔

قولہ: مُدْبِئِي النَّظَرِ: جلدی کرنے والے ہیں۔

قولہ: اَنْ تُبَدَّلَ: کیا ہم ان کو ہلاک کر دیں، یہاں تک کہ دوسروں کو لے آئیں۔

قولہ: سِرَاعًا: جلدی سے۔

قولہ: مُنْضَرِبٍ: للعبادة یا علم عبادت و علم۔

قولہ: كَالْوَاوِعِدُونَ: دنیا میں ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

تفسیر مقبولین

فَاَلِ لَدِيْنٍ كَفَرُوْا قَبْلَكَ مُهْتَبِئِيْنَ ۝۱۰

مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر آنحضرت ﷺ کے دائیں بائیں ہو کر نکل جاتے تھے اور قرآن شریف کی پوری نصیحت سننے سے کتراتے تھے اور آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ یہ ساری نصیحت اس لئے ہے کہ مرنے کے بعد ہم زندہ ہوں گے اور اس نئی زندگی میں میوے کھانے کو باغ میں گئے۔ پھر کہتے تھے اگر یہ بات سچ ہے تو جس طرح بہ نسبت ان مسلمانوں کے دنیا میں ہم راحت و آرام سے ہیں اسی طرح ان سے پہلے ہم کو ہی وہ باغ ملیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جنت کچھ ان کے بڑے بوزھوں کے بنائے ہوئے باغ نہیں ہیں کہ بغیر مرضی اللہ تعالیٰ کے یہ ان باغوں میں گھس جائیں گے۔ نہیں یہ خال ان کا بالکل غلط ہے آدی تو ایک ایسی ناچیز شے پیدا ہوا ہے کہ اصل پیدائش کی رو سے اس کی کچھ قدر و منزلت نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیچھے اپنی فرمانبرداری جو لگائی ہے اس کے پورے طور پر ادا ہو جانے کی حالت میں انسان قابل قدر و منزلت کے ہو سکتا ہے۔ قرآن کی جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری کی شکلیں اور شرطیں بیان کی ہیں۔ ان آیتوں کے سننے سے تو یہ لوگ وحشیوں کی طرح بھاگتے ہیں اور اس پر دعویٰ یہ کہ اللہ کی جنت میں یہ زبردستی گھس جائیں گے اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ قدرت سے یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنا دین پھیلانے کے لئے ان لوگوں سے بہتر لوگ بدل دے۔ اللہ سچا ہے ہجرت کے بعد اس کا ظہور ہو گیا کہ انصار لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت میں دے دیئے جن کی مدد سے اللہ کا دین بہت جلد پھیل گیا۔ پھر فرمایا کہ ان اہل مکہ کو مسخر بہن کی باتیں بنانے کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ ان میں سے جو بغیر فرمانبرداری، بجالانے کے مر گئے ان کا پھر زندہ ہو کر اللہ کی جنت میں زبردستی گھس جانا تو درکنر بلکہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں، بتوں کے تھان کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح حشر کے دن قبروں سے اٹھ حساب و کتاب اور اس بت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے آگے پیچھے میدان محشر کا طرف دوڑیں گے اور بت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے جو کچھ ہوگا اس کا ذکر شروع سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ایک گناہ گار اپنے سارے رشتہ داروں اور تمام دنیا کے مال و متاع کو معاوضہ میں دے کر عذاب آخرت سے چھٹکارا چاہے گا تو بھی چھٹکارا ہرگز نہ ہوگا۔ اور عذاب آخرت میں جو کچھ سختی ہوگی اس کا بیان دوزخ کے ذکر کی آیتوں میں اوپر کنی جگہ گزر چکا ہے اللہ اس عذاب سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اس عذاب سے بچنے کی توفیق دے۔

سُورَةُ نُوحٍ

سورة نوح ۱۱ آیتیں ہیں اور درود کو

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں اور درود کو

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ أَيْ بِأَنْذَارِ قَوْمِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا عَذَابَ
 الْيَوْمِ ۝ مُزَلِّمٌ فِي الذُّنُوبِ وَالْأَخْزَةِ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ الْإِنْذَارِ أَنْ إِي بَانَ أَقُولُ
 لَكُمْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ ۝ مِنْ زَائِدَةٍ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُغْفَرُ بِهِ مَا قَبْلَهُ
 أَوْ بَعْضِيَّةٍ لِإِخْرَاجِ حَقُوقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرُكُمْ بِأَعْدَابِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَعْيٍ ۝ أَجَلِ الْمَوْتِ إِنَّ أَجَلَ
 اللَّهِ بِغَدَابِكُمْ إِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۝ كَوْنَكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ذَلِكَ لَأَمْتُمْ قَالَ رَبِّ إِنِّي
 دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ دَائِمًا مُّتَّصِلًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ عَنِ الْإِيمَانِ وَإِنِّي كُنْتُ
 دَعْوَتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ لِقَلَّ يُسْمَعُونَ كَلَامِي وَاسْتَعْشَوْا شِيَابَهُمْ
 غَطُّوا أُذُنَهُمْ بِهَا لِقَلَّ يُنْظَرُونَ وَإِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ صَوْتِي وَأَسْرَرْتُ
 لَهُمُ الْكَلَامَ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۝ مِنَ الشِّرْكِ إِنَّكَ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلُ السَّمَاءَ
 الْمَطَرَ وَكَانُوا قَدْ مُنَعُوا عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ كَثِيرًا الدُّرُورَ وَيُسَدِّدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ
 جَلَّتْ بَسَائِنُ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ جَارِيَةً مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ أَيْ تَامَلُونَ وَقَارَ اللَّهِ
 يَا كُمْ بَانَ تُؤْمِنُوا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ جَمْعُ طَوْرٍ وَهُوَ الْحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةٌ وَطَوْرًا عِلْقَةٌ إِلَىٰ تَمَامِ
 حُلِيِّ الْإِنْسَانِ وَالنَّظَرُ فِي خَلْقِهِ يُوجِبُ الْإِيمَانَ بِخَالِقِهِ أَلَمْ تَرَوْا تَنْظَرُوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَمْعَ

سَوَابٍ طِبَاقًا ۝ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ ۝ أَيُّ فِئَةٍ مَجْتُمِعِينَ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ اللَّهُبِ

نُورًا ۝ وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝ مِصْبَاحًا مُضِيئًا وَهُوَ أَقْوَى مِنْ نُورِ الْقَمَرِ ۝ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ خَلْقَكُمْ

مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ إِذْ خَلَقَ آبَاءَكُمْ أَدَمَ مِنْهَا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا ۝ مَقْبُورِينَ ۝ وَيُخْرِجُكُمْ لِلْبَيْتِ

إِخْرَاجًا ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ مَبْسُوطَةً لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا طَرِيقًا ۝ وَاجْعَلْ

تو جچھتا: ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (من زائم ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا من تبعضیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آجائے گا تو ٹلے گا نہیں۔ اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح نے دعا کی کہ اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب کبھی بلایا۔ تاکہ آپ ان کو بخش دیں۔ تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے (سروں کو کپڑوں سے چھپا لیا۔ تاکہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو با آواز بلند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو مخفی طریقہ پر بھی سمجھایا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گنہہ بخشو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) کثرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطوار) طور کی جمع ہے جس کے معنی حال کے ہیں۔ چنانچہ ایک کیفیت لطفہ کی تھی۔ ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک رہی۔ پیدائش میں غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے (کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اور پر تلے (تہہ برتہہ) بنائے اور آسمانوں میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان

دنیا میں ہو رہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باوا آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیامت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلا یا ہوا) فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے کھلے (کشادہ) راستوں میں چو پھرو۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بِأَنذَارٍ: اس میں اشارہ ہے کہ ان مصدر یہ ہے۔ محل جر میں نزع جار کی وجہ سے ہے۔

قولہ: لَنَلْمَن يَزِدُهُمْ: دعا کی طرف زیادتی کی اسناد سببیت کی وجہ سے ہے۔

قولہ: أَسْتَغْشُوا: یہاں سین مبالغہ کے لیے ہے۔

قولہ: أَسْتَكْبَرًا: بہت بڑا سمجھا۔

قولہ: أَلْكَالَامِ إِسْرَارًا: میں نے بار بار ان کو دعوت دی اور ہر انداز سے دی۔

قولہ: فَقَدْ مَنَعُوهُ: چالیس سال۔

قولہ: كَبِيرَ الذُّرُورِ: بہت زیادہ بارشیں۔

قولہ: لَا تَأْمَلُونَ: تمہیں دکھ نہیں پہنچتا۔

قولہ: جَعَلَ الْقَمَرَ: وہ آسمان دنیا میں ہے اس کی کسی جانب۔

قولہ: بِمُضْبَاتِحًا: یہ مثال ہے رات کے اندھیرے کو زائل کرتا ہے۔

قولہ: مِنْهَا: اسی سے تم کو اگایا پس تم آگے آگے۔

قولہ: بِمَشْوَطَةٍ: بھیلی ہوئی، تم اس میں ادھر ادھر جاتے ہو۔

قولہ: مِنْ: میں اتحاد فعل کا معنی استعصم ہے۔

تفسیر مقبولین

(ربط) اس سورت کا مضمون بھی کسی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی ترجمانی اور اثبات ہے اور شرک و بت پرستی کی تردید، بالخصوص اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے جذبہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں جو دن رات جدوجہد فرماتے رہے اس کا بیان ہے اور یہ کہ اس بد نصیب قوم کی یہ کس قدر بد نصیبی تھی کہ ہادی حق اور داعی توحید سے دور بھاگتے رہے حتیٰ کہ نفرت و بغض کو کوئی حد باقی نہ رہی کہ اللہ کے پیغمبر کا چہرہ دیکھنا بھی گوارا نہ ہوا اور اپنے کان صدائے حق سننے سے بھی بند کر لیے پیغمبر

بہر کیف اولاد آدم اور جنس بشر سے ہیں طبعی تاثرات سے کہاں تک بچ سکتے ہیں تو قوم کی اس بیزاری اور تفرقہ پر مغموں اور غیبیہ ہوتے ہوئے ایسے بد نصیب بھروسوں کیلئے عذاب خداوندی کی طلب و التجاء کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ نوسو پچاس برس کی طویل ترین مدت جب اس طرح گزر جائے کہ قوم اللہ کے پیغمبر کی دعوت توحید کے بالمقابل نہایت ہی گستاخی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے: لا تذدن الھنکمہ کہ اے لوگو ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑو تو ہادی حق اور داعی توحید کی زبان سے یہی نکلنا چاہئے تھا: رب لا تذدن علی الارض من الیکفرین دیارا۔ ان مضامین کو یہاں بیان فرمائے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء مغفرت پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب، نعمتوں کی تذکیر، توحید کی دعوت، قوم کا انحراف اور باغیانہ روش:

یہاں سے سورہ نوح شروع ہو رہی ہے اور بھی کئی سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا اور ان کی قوم کی نافرمانی کا اور قوم کے انجام کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی وہ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ بت بنا لیتے تھے اور ان کے نام بھی تجویز کر لیتے تھے جو اس سورت کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں طرح طرح سے سمجھایا توحید کی اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور طرح طرح سے کٹ جھتی کرنے لگے جس کا کچھ تذکرہ سورہ اعراف میں اور سورہ صہود میں گزر چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو میں اللہ کا رسول ہوں میری بات مانو میں جس طرح کہوں اس طرح زندگی گزارو۔ ایمان قبول کر لو گے تو تمہارے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے ایک اجل مقرر فرما دی ہے وہ تمہیں اس اجل تک پہنچا دے گا (یہ اجل ایمان اور اطاعت کی صورت میں ہے) اور اگر تم کفر اور معصیت پر جمے رہے تو وہ اجل تمہارا صفایا کر دے گی جو ایمان اور اطاعت والی اجل کے علاوہ ہے اور بصورت عدم ایمان تمہیں اس کے وقت پر ہلاک ہونا ہوگا، بلاشبہ اللہ نے جو اجل مقرر فرمائی ہے اس میں تاخیر نہیں کی جاتی لہذا تم اس اجل کے آنے سے پہلے ایمان قبول کر لو جو بحالت کفر تمہارے ہلاک ہونے کے لیے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ اجل جب آتی ہے تو مؤخر نہیں کی جاتی کیا ہی اچھا ہوتا تم جانتے ہوئے حق کو مانتے ہو صدمہ بنتے۔

اوپر جن باتوں کا تذکرہ تھا یہ وہ باتیں تھیں جن کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا ان کے مخاطب ان کی بات نہ مانیں تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی ایمان کی طرف بلایا اور اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی سستی سے کام نہیں لیا۔ لیکن وہ لوگ ایسی ہی چال چلے۔ میں نے انہیں جس قدر بھی دعوت دی وہ اسی قدر دور بھاگے، میں نے کہا کہ ایمان قبول کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے گا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں یعنی بات سننا بھی گوارا نہ کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کپڑے اوڑھ کر لپٹ گئے تاکہ نہ مجھے دیکھ سکیں نہ میری بات سن سکیں، انہیں کفر پر اصرار ہے اور ان میں تکبر کی شان بھی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میری

بات مانیں گے (شرک کو چھوڑ کر توحید پر آ جائیں گے) تو ان کی بڑائی میں فرق آ جائے گا۔ قبول حق کی راہ میں تکبر کا وٹ بنا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے انہیں زور سے بھی دعوت دی۔ شاید زور سے بات کرنے سے مان جائیں لیکن وہ نہ مانے، آہستہ آہستہ طریقہ پر بھی انہیں سمجھایا، بجھایا۔ حق پر ماننے کی کوشش کی لیکن انہوں نے وہاں نہ دیا ان سے میں نے کہا کہ دیکھو ایمان قبول کر لو اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بہت بڑا معاف فرمانے والا ہے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور خوب زیادہ بارش بھی بھیجے گا، یہ جو تمہیں قحطِ سال کی تکلیف ہو رہی ہے دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں بھی اضافہ فرمائے گا اور بیٹوں میں بھی، وہ تمہیں باغ بھی دے گا اور نہریں بھی جاری فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق اور اس کے انعامات تمہارے سامنے ہیں اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے۔

دیکھو اس نے تمہیں مختلف اطوار سے پیدا فرمایا تم پہلے نطفہ تھے پھر جے ہوئے خون کی صورت بن گئے، پھر ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھ گیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کارگیری ہے اس نے تمہیں پیدا فرما کر احسان فرمایا لیکن تمہیں کیا ہو گیا عقلوں پر ہتھ پڑ گئے کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

انسانوں کے اپنے اندر جو دلائل توحید ہیں ان کے ذکر کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے دوسرے دلائل کی طرف بھی توجہ کیا اور فرمایا کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے نیچے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا جس طرح ایک گھر میں ایک چراغ کے ذریعے سارے گھر کی چیزوں کو دیکھ لیا جاتا ہے اسی طرح سورج کے ذریعے ال دنیا سورج کی روشنی میں وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں جو زمین کے اوپر ہے۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقہ پر پیدا فرمایا ہے جس کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں گزر چکا ہے پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس فرما دے گا یعنی موت کے بعد اسی زمین میں چلے جاؤ گے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن ایک خاص طریقہ پر قبروں سے نکالے گا ہڈیاں آپس میں مرکب ہو جائیں گی وہ ان پر گوشت پیدا فرما دے گا اور قبروں سے تیزی کے ساتھ نکل کر میدانِ حشر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

اس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت بھی بیان فرمائی اور میدانِ حشر کی حاضری کا بھی احساس دلا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو، لم علوی کے ذکر کے بعد عالمِ سفلی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بساط یعنی فرش بنا دیا جس طرح بستر بچھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح زمین تمہارے لیے بچھی ہوئی ہے اس زمین میں چلتے پھرتے ہو یہاں سے وہاں آتے جاتے ہو، اللہ تعالیٰ نے جو راستے بنا دیئے ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہو اپنی حاجات پوری کرتے ہو زمین کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے، اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کرتے ہو۔

قال تعالیٰ: فِي سُوْرَةِ الْمَلِكِ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ ذُلُوْلًا فَامْسُوْا اِيْمًا كَيْهَاتُوْا كُلُوْا مِنْ رِزْقِهِ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر فرمایا، سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ)۔

فانقلاب: آفتاب کو جو سراج یعنی چراغ بتایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے سراج سے اس لیے تشبیہ دی ہو کہ چراغ میں خود اپنی ذاتی روشنی ہوتی ہے کسی دوسری چیز سے منعکس ہو کر نہیں آتی۔ سورج میں اپنی روشنی ہے جو کسی دوسرے سیارے سے نہیں آئی جبکہ چاند کی روشنی آفتاب سے منعکس ہو کر آتی ہے لہذا چاند کو نور اور طمس کو سراج فرمایا اور: وَجَعَلَ الْقَمَرَ لَیْلٍ نُورًا جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: جعلہ فویں مع انہ فی احدان وھی السماء الدنیا کما یقال زید لی بغداد وھو لی بقعة منها (چاند کا ذکر فرماتے ہوئے فیمن ضمیر جمع استعمال فرمایا ہے حالانکہ وہ ساہو دنیا یعنی قریب والے آسمان میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے زید بغداد میں ہے حالانکہ وہ بغداد کے ایک حصے میں ہوتا ہے)۔

اور صاحب بیان القرآن نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ چاند کو سب آسمانوں میں نہیں مگر فیمن باعتبار مجموعہ کے فرمایا۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ انْتَهَمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا اَي السُّفْلَةَ وَالْفُقَرَاءَ مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدَهُ وَوَلَمْ
 الرُّؤْسَاءُ الْمُتَعَمَّ عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ وَلِدِ بَضْمِ الْوَاوِ وَسَكُونِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهَا وَالْأَوَّلُ قَبْلُ جَمْعٌ وَلِدِ بِفَتْحِهَا
 كَخَشَبٍ وَخَشْبٍ وَقَبْلُ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَبَخْلٍ إِلَّا خَسَارًا ۝ طُعْيَانًا وَكُفْرًا وَمَكْرًا اَي الرُّؤْسَاءُ
 مَكْرًا كِتَابًا ۝ عَظِيمًا جَدًّا بَانَ كَذَبُوا نُوْحًا وَادُّوْهُ وَمَنْ اَتْبَعَهُ وَقَالُوا لِلْسُّفْلَةِ لَا تَدْرِكُنَّ اِلَهَتِكُمْ وَ
 لَا تَدْرِكُنَّ وَذَا بِفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا وَلَا سَوَاعًا وَلَا يَغُوْثٌ وَيَعُوْقٌ وَنَسْرًا ۝ هِيَ اَسْمَاءُ اَضْنَابِهِمْ وَ
 قَدْ اَضَلُّوا كَثِيْرًا ۝ مِنَ النَّاسِ بَانَ اَمْرُوْهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِيْدُ الظُّلْمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ عَطْفٌ عَلٰى قَدْ
 اَضَلُّوا دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا اُرْحَى الْبِيْهَ اَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدَّامَنْ مِمَّا مَاصِلَةٌ حَاطِيْتِهِمْ زَيْنِ
 قِرَاةٍ حَاطِيْتَاتِهِمْ بِالْهَمْزَةِ اَغْرَقُوا بِالطُّوْفَانِ قَادُ خُلُوْا نَارًا ۝ غُوْبُوْا بِهَا عَقَبَ الْاَغْرَاقِ نَحْتِ الْعَبَا
 فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ قَبْرًا ۝ اَيْ غَيْرِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَنْصَارًا ۝ يَمْنَعُوْنَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا
 تَذَرْنِيْ عَلٰى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اَي نَارِلْ دَارٍ وَالْمَعْنٰى اَحَدًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ
 وَلَا يَلِيْدُوْا اِلَّا قٰجِرًا كَفٰرًا ۝ مَنْ يَفْجُرْ وَيَكْفُرْ قَالَ ذٰلِكَ لِمَا تَقَدَّمْ مِنَ الْاِيْحَاءِ اَللّٰهُ رَبِّ اَعْفُفْنِيْ
 يٰوَالِدَيَّ زَكٰنَا مُؤْمِنِيْنَ وَلَيْسَ دَخَلَ بَيْتِيْ مَنْزِلِيْ اَوْ مَسْجِدِيْ مُؤْمِنًا ۝ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
 اَيُّ الْمُوْمِنِيْنَ ۝ اِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تَزِيْدُ الظُّلْمِيْنَ اِلَّا تَبٰرًا ۝ هَلَاكًا فَاَهْلِكُوْا

ترجمہ: نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھنیا اور غریب) لوگوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اولاد نے (ریس لوگ جن پر اللہ نے مال و اولاد کا انعام فرمایا، لفظ ولد ضمہ واو اور سکون لام کے ساتھ اور ان دونوں کے فتح کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے۔ جیسے خشب کی جمع خشب۔ اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے بخل کی معنوی جمع بخل ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا (بلحاظ سرکشی اور کفر کے) اور جنہوں (رئیسوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جتلیا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ دکو (فتحہ واو اور ضمہ واو کے ساتھ ہے) اور نہ سواح کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا (کہ انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کر دیا) اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھادیجئے (قد اضلوا پر عطف ہو رہا ہے۔ حضرت نوح پر جب یہ وحی آئی۔ انہ لن یومن من قومک الا من قد امن تب انہوں نے یہ بددعا فرمائی) اپنے ان (مآصلہ ہے) گناہوں کی وجہ سے (ایک ترأت میں خطیبنا تہم ہنزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کیے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حمایتی بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچالیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، حاصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ (یہ بددعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک آنے والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھادیجئے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: وَذَا: یہ مرد کی صورت میں بنو کلیب کا بت تھا۔
 قولہ: وَلَا سَوَاعَا: یہ عورت کی صورت میں حمدان کا بت تھا۔
 قولہ: وَلَا یَعُوْثَ: یہ شیر کی شکل میں بنو مدح کا بت تھا۔
 قولہ: یَعُوْقَ: یہ گھوڑے کی صورت میں بنو مراد کا تھا۔

قوله: وَنَسْرًا: گدھ کی صورت میں، جو میر کا تھا۔

قوله: لِمَا أُوجِحِي: یہ کفار کے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے۔

قوله: مَا صِلَةٌ: یہ زائدہ ہے۔

قوله: عَقَبَ الْأَعْرَاقِ: وہ عذابِ قبر ہے۔

قوله: أَخْلًا: نکرہ عموم کا تقاضا کرتا۔ کسی ایک گھر کے ہاسی کو بھی مت چھوڑ۔

قوله: وَوَالِدَاتِي: اس کا نام: مالک ابن مترشح اور والدہ کا نام: شحابت انوش تھا۔

تفسیر مقبولین

قَالَ نُوحٌ رَبِّ انَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْكَ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝

قوم کا کفر و شرک پر اصرار، حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا، نوح علیہ السلام کی بارگاہِ الہی میں رو داؤ غم:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری تعالیٰ میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جو ان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگا یا ہاں اپنے مالداروں اور بے فکروں کی مان کی جو تیرے اسرے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھی، کوئی واقعہ وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھی، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے (ولدہ) کی دوسری قرأت (ولدہ) بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ (کفار) اور (کفار) دونوں معنی میں کبیر کے ہیں یعنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہیں کہیں گے کہ تم دن رات مکاری سے ہمیں کفر و شرک کا حکم کرتے رہے اور انہی بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بچوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب و دو پوجتے تھے، بذیل قبیلہ سواخ کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو غطفان جو صرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سہا بستی کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتا تھا، ہمدان قبیلہ یعقوب کا پجاری تھا، آل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا، یہ سب بت و راصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں، چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنادیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کو مرنے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے جہالت کی وجہ سے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ حضرت عکرمہ حضرت ضماک حضرت قتادہ حضرت ابن اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت محمد بن قیس فرماتے ہیں یہ بزرگ عابد، اللہ والے، اولیاء اللہ، حضرت آدم، اور حضرت نوح کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی

کردی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں نوب دلچسپی رہے گی اور ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر شوق عبادت بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مر چکے گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ جتنے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی، حافظہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے میں نے ان کے بیس بڑیاں ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں ان میں ہاتیل، قاتیل، صالح اور عبدالرحمن تھے جن کا پہلا نام عبدالعزیز تھا اور دوتا جنہیں شیخ اور بہتہ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی۔ ان کی اولاد پہ چاروں تھے یعنی سواع، یثوق، یثوق، یثوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کی قوت ان کی اولاد کو، یثوق، یثوق، یثوق اور نسر تھی۔ وہ ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے زید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں نقل کیا گیا جہاں اب سے پہلے خیر اللہ کی پرستش ہوئی واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا، یہ لوگ مجبور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیشنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو سب نے اس رائے کو پسند کیا ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے، جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں ہی رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا، اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی اصل واقعہ فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادا کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے، ان کا نام دوتا اور بیکی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا اس وقت سے لے کر اب تک عرب عم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور اللہ کی مخلوق بہک گئی، چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یا الہی انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ الہی انہیں کراہی میں اور بڑھادے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونوں کے لئے بددعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، چنانچہ دعاء نوح علیہ السلام ہوتی ہے اور قوم نوح بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

سُورَةُ الْجِنِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْجِنِّ
۴۱ آية متكففة ۴۰

آياتها ۴۱
آیہا ۴۱

۳۱ جن کے منازل ہوتی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس کی اشخاص آیتیں ہیں اور درجہ

قُلْ يَا مَعْمُرُ لِلنَّاسِ أُوْحَىٰ إِلَىٰ أُخْبِرْتُ بِالرُّوحِ مِنَ اللَّهِ أَنَّهُ الصَّمِيمُ لِللِّسَانِ اسْتَمَعَ لِقِرَائَتِنِي
نَقَرًا مِنَ الْجِنِّ نَصِيصِينَ وَذَلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَبْطُنُ نَخْلَةً مَوْضِعَ بَيْنِ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمْ الَّذِينَ
ذَكَرُوا فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَأَضْرَفْنَا لِيكَ نَقْرًا مِنَ الْجِنِّ لِأَيَّةٍ فَقَالُوا لِقَوْمِهِمْ لَمَّا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِنَّا سَمِعْنَا
قُرْآنًا عَجَبًا يَنْعَجِبُ مِنْهُ فِي فَصَاحَتِهِ وَغَزَاةِ مَعَانِيهِ وَغَيْرَ ذَلِكَ يَهْدِي إِلَى الرَّشِيدِ الْإِيمَانِ
وَالضُّوَابِ قَامَتَا بِهِ وَكَانَ تُشْرِكُ بَعْدَ الْيَوْمِ بِرَبِّتَنَا أَحَدًا ۝ وَأَنَّ الصَّمِيمُ لِللِّسَانِ فِيهِ وَفِي
الْمَوْضِعِينَ بَعْدَهُ تَعَلَّىٰ جَدًّا رَبَّنَا تَرَّةَ جَلَالِهِ وَعَظَمَتُهُ عَمَّا نَسِبَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً زَوْجَةً وَلَا
وَكِدًّا ۝ وَأَنَّ كَانَ يَقُولُ سَفِيهًا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝ غُلَّ فِي الْكُذْبِ بِوَصْفِهِ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ
أَنَا ظَنَنَّا أَنْ مَخْفَفَةٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ بِوَصْفِهِ بِذَلِكَ حَتَّىٰ بَيَّنَّا
كَيْدَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ تَعَالَىٰ وَأَنَّ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِسْتَعِيدُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ
حِينَ يَنْزِلُونَ فِي سَفَرِهِمْ بِمَخُوفٍ فَيَقُولُ كُلُّ رَجُلٍ أَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سَفَهَاتِهِ
فَزَادُوهُمْ بِعُوذِهِمْ بِهِمْ رَفَقًا ۝ طَعْنَانَا فَقَالُوا سَدْنَا الْجِنِّ وَالْإِنْسُ وَآلَهُمْ أَيْ الْجِنُّ ظَنُّوا كَمَا
ظَنَنْتُمْ يَا نَسْ أَنْ مَخْفَفَةٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝ بَعْدَ مَوْتِهِ قَالَ الْجِنُّ وَأَنَا لَسْنَا السَّلَاةُ
رَمْنَا اسْتِرَاقِ السَّمْعِ مِنْهَا فَوَجَدْنَا مِلْثًا حَرَسًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ شَدِيدًا وَشُهَبًا ۝ نُجُومًا مَخْرُوقَةً
وَذَلِكَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا كُنَّا أَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَعْنَا مِنْهَا

مَنَاعِدَ لِلشَّمْعِ ۗ أَي نَسْتَمِعُ فَمَنْ يَسْتَمِعُ الآنَ يَجِدُ لَهُ شَهَادَةً بِأَرَادَةِ ۗ أَي أُرِيدُ أَنْ يَصِدَّ لَهُ لِيُزْمِيَ بِهِ وَأَنَا

لَا نَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَا بَعْدَ اسْتِزْقِ الشَّمْعِ بِسُنِّ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشْدًا ۗ وَأَنَا مِنَّا

الضَّالِّينَ بَعْدَ اسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ ۗ أَي قَوْمٌ غَيْرُ صَالِحِينَ كُنَّا طَرِيقَ قَدَادًا ۗ وَرَفَا

مُخْتَلِفِينَ مُسْلِمِينَ وَكَافِرِينَ وَأَنَا ظَنَنَّا أَنْ مَخْفَفَةٌ أَي أَنَّهُ لَنْ نُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ

هَدْيًا ۗ أَي لَا نَقْوِيهِ كَاتِبِينَ فِي الْأَرْضِ أَوْ هَارِبِينَ مِنْهَا إِلَى السَّمَاءِ ۗ وَأَنَا لَمَّا سَبَعْنَا الْهُدَى الْقُرْآنَ

أَمَنَّا بِهِ ۗ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بِتَقْدِيرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ بِخَسَا تَقْضَايْنِ حَسْبَاتِهِ وَلَا رَهَقًا ۗ

ظَلَمًا بِالزِّيَادَةِ فِي سَيِّئَاتِهِ ۗ وَأَنَا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۗ الْجَائِزُونَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ أَسْلَمَ

فَأَلَيْكَ تَحَرُّوْا رَشْدًا ۗ قَصِدُوا هِدَايَةَ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۗ وَتَوَدَّأَوْنَا أَنَّهُمْ وَأَنَّهُ

فِي الثَّنِي عَشَرَ مَوْضِعًا هِيَ وَأَنَّهُ تَعَالَى إِلَى قَوْلِهِ وَأَنَا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمَا يَنْهَمَا بِكُفْرِ الْهَمْزَةِ اسْتِثْنَاءًا

زَيْفَتِهَا بِمَا يُوَخِّهُ بِهِ قَالَ تَعَالَى فِي كُفْرٍ مَكَّةَ وَأَنَّ مَخْفَفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمُهَا مَخْلُوفٌ أَي وَأَنَّهُمْ

زَهْرٌ مَغْطُوفٌ عَلَى أَنَّهُ اسْتَمَعَ لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أَي طَرِيقَةِ الْإِسْلَامِ لِأَسْقِيَتُهُمْ مَاءً

عَدَا ۗ كَثِيرٌ مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا رَفَعَ الْمَطَرُ عَنْهُمْ سَبْعَ سِنِينَ لِنَقْمَتِهِمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فِيهِ ۗ

تَعْلَمُ كَيْفَ شُكْرَهُمْ عِلْمٌ ظَهُورٌ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ الْقُرْآنِ يَسْلُكُهُ بِالنُّزُولِ وَالْبَاءِ نُدْخَلُهُ

عَدَا أَبَا صَعْدًا ۗ شَاقًا ۗ أَنَّ السَّجْدَ مَوَاضِعَ الضَّلَاةِ لِلَّهِ يَلَهُ فَلَا تَدْعُوا مَعَ فِيهَا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۗ

بِأَنْ تُشْرِكُوا كَمَا كَانَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى إِذَا دَخَلُوا كِنَانَتَهُمْ وَبِعَهُمْ أَشْرَكُوا وَأَنَّ بِالْفَتْحِ وَ

بِالْكَسْرِ اسْتِثْنَاءًا وَالضَّمِيرُ لِللِّسَانِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ مُحَمَّدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُ

بِقَبْلِهِ يَنْطَلِقُ نَحْلٌ كَلَدًا أَي الْجَنُّ الْمُسْتَمِعُونَ لِقِرَائَتِهِ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِهَدْيًا ۗ بِكُفْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا

جَمْعٌ بِنِدْوَةٍ كَالْبُنْدِيِّ رُكُوبٌ نَعَضِهِمْ بَعْضًا رُدْحًا مَحْرُصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ قَالَ مُجِيبًا لِلْكَفَّارِ فِي

تَرْكِهِ لِرَجْعِ عَمَّا أَنْتَ فِيهِ وَفِي قِرَائَتِهِ

ع ١١

تو چہنبا: (اے محمد! آپ لوگوں سے) فرمادیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) بلاشبہ (ضمیر شان ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیبین مراد ہیں۔ صبح کی نماز کا واقعہ ہے۔ کہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا۔ اسی کا ذکر و اذصر لفظ الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان درنگی کی) راہ راست بتلایا ہے۔ سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور اس کے بعد دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت و جلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک ہے) نہ اس نے کسی بیوی (اہلیہ) بنایا اور نہ ولاد۔ اور ہم میں جو احق (بے وقوف) ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ کہتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان مخففہ ہے تقدیر عمارت اللہ ہے) انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹی بات نہ کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر میں کسی خوف ناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقماش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بددماغی اور بڑھادی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم جن وانس کے حاکم ہیں)۔ اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان مخففہ ہے اتی انہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی (چوری چھپے) سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلادینے والے ستاروں سے، یہ حضور کی بعثت کے وقت ہوا) اور ہم (حضور کی بعثت سے پہلے) آسمان کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لیے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جو اس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے (چوری چھپے سننے کے بعد) زمین والوں کو یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ام میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (متفرق جماعتیں) کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) ہم زمین میں اللہ کو ہر انہیں سکتے اور نہ بھاگ کر ہر سکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں کہیں جا نہیں سکتے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: بِالزُّحَىٰ مِنَ اللَّهِ: اس سے دلالت ملتی ہے آپ نے ان کو نہیں دیکھا اور نہ ان کو آپ نے پڑھ کر سنایا، البتہ کئی مواقع میں یہ آپ کے ہاں آئے اور قرآن سنا۔ یہ باری، ہوائی جسم لطیف رکھتے ہیں۔
- قوله: نَقَرٌ: یہ تین سے دس تک گروہ۔
- قوله: يَتَعَجَّبُ: عجبا یہ مصدر ہے جو صفت میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوا۔ عَزَاةٌ: وقت، بار کی۔
- قوله: وَآئِهًا: یہ محل جار و مجرور پر معطوف ہے۔ گویا کہا صدقناہ۔
- قوله: غَمًّا نَسِبَ إِلَيْهِ: یعنی ہوئی و اولاد کی نسبت۔
- قوله: سَفِيهَةً: ایس اور سرکش جنات۔
- قوله: شَطَطًا: بعد، تجاوز حد۔ یعنی بعید بات۔
- قوله: قَالَ تَعَالَى: یہ اسحیاف ہے۔
- قوله: فَرَادَوْهُمْ: انسان نے اس نے پناہ طلب کر کے ان کی سرکشی بڑھا دی۔
- قوله: رَهَقًا: تکر، سرکشی۔
- قوله: سُدْنَا: ہم انسان و جنوں کے سردار بن گئے۔
- قوله: يَمَسُّ: یہ مس سے استعارہ ہے، تلاش کرنا۔
- قوله: حَرَسًا: نگران چوکیدار۔
- قوله: لِلسَّبْعِ: یہ نقد کا صلہ یا مقاعد کی صفت ہے۔
- قوله: رَصَدًا: یہ مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ رَصَدًا: آنکھ رکھا، تازا۔
- قوله: غَدَابٌ: طَوَائِفٌ: مذاہب والے۔
- قوله: قَدَادًا: جمع۔ قدہ: گروہ پارٹی۔
- قوله: ظَنَنَّا: یہ عم کے معنی میں ہے۔
- قوله: نَبِي الْأَرْضِ: یہ فاعل سے حال ہے۔
- قوله: فَلَا يَخَافُ: ہو مقدر کی خبر ہے۔
- قوله: الْبَابُ زُنْ: حق سے دوسری طرف جھکنے والے۔
- قوله: يَسْأَلُونَ جَهَنَّمَ: اس کا عطف استمع پر یا محل جار و مجرور پر ہے جو امانت میں ہے۔ تقدیر یہ صدقنا تعالیٰ جدر بنا
- وانه قال يقول سفیهنا۔

قوله: اسْتَقَامُوا: جن راس دوٹوں ہی۔

قوله: صَعَدًا: یہ مصدر ہے جو مفت کے لیے آیا ہے۔

قوله: كَاللَّبِيدِ: ثیر کے کندھے کے بال۔

تفسیر مقبولین

اس میں بھی دیگر سورتوں کی طرح اصول توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے، اہم موضوع بیان جنوں کا قرآن کریم سن کر قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان لانا اور پھر اپنی قوم کی طرح ناصح اور ہادی بن کر جانا اور انکو ایمان کی دعوت دینا۔ چنانچہ سورت کی ابتداء ہی اس امر سے فرمائی گئی کہ جنات کے گروہ نے قرآن کریم سنا اور قرآن کریم کی عظمت کا اقرار کیا اسی ضمن میں یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں کو کس طرح محفوظ فرما رکھا ہے کہ کسی جن کی مجال نہیں ملکوت سموت کی کوئی چیز سن سکے اور یہ کہ جن بھی انسانوں کی طرح مومن و کافر کی دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں پھر یہ بھی بیان ہے کہ ایمان و توحید کا انجام نجات و کامیابی اور آخرت کی نعمتیں ہیں اور کفر و نافرمانی عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

سورت کے اخیر میں اللہ رب العزت کی ذات و صفات میں وحدانیت کا بیان ہے اور یہ کہ جیسے اسکی ذات اور الوہیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اسکی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل جنات کا بعض آسمانی خبروں کو سن کر کانہوں تک پہنچا دینا علم غیب نہیں غیب کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا

رسول اللہ ﷺ سے جنات کا قرآن سننا اور اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا:

یہاں سے سورۃ الجن شروع ہو رہی ہے جن پرانی مخلوق ہے جو حضرت آدم اور بنی آدم کی تخلیق سے پہلے سے دنیا میں موجود ہے ان لوگوں میں بھی مومن اور کافر نیک اور بد۔ ہر قسم کے افراد ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی ایمان کے مکلف تھے اور ہیں جس طرح بنی آدم میں انسانوں میں کافر اور مشرک ہیں اس طرح جنات میں بھی مشرک اور کافر رہے ہیں اور ان میں مومن بھی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ میں کہ:

حضور خاتم الانبیاء سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا۔ انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوئے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے، شیاطین کا یہ طریقہ تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنے والے حوادث کافرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اسے سن لیتے تھے پھر کانہوں کے کان میں آ کر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اوپر سے سنی ہوئی ہوتی تھی اس لیے صحیح نکل جاتی تھی، سننے والے ان کانہوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کانہوں نے نل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ

ہماری رکھا تھا جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا ان کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لیے اوپر پہنچتا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگا دی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے ہیں لہذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورت حال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان میں ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقام خلدہ میں آنحضرت سرور عالم ﷺ اپنے صحابہ "کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہونہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سننے کے درمیان حائل ہو گئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے۔ اور ان سے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا... يَلْقَىٰ اِلَى الْاَرْضِ فَاَنۢمَتًا بِهَا وَ لَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اٰحَدًا... اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ اَوْحِيَ رَبِّيۤ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ نَازِلِ فَرَمَالٍ۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۲: ۷۲۳)

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دیکھ رہے تھے اس سے متعلق ہوتا تھا اسے سن کر نیچے آجاتے اور کانوں کے کان میں ڈال دیتے تھے یہ سلسلہ تو آنحضرت ﷺ کی بعثت پر ختم ہو گیا۔ لیکن شیاطین نے ایک اور دھندہ نکالا اور وہ یہ کہ نیچے سے لے کر بالوں تک پرانگالیتے ہیں، وہاں فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے کان لگا کر پہنچتے ہیں تو ان پر انگارے پھینک دیا جاتا ہے اس انگارے کے لگنے سے پہلے کوئی بات سن کر اوپر والے نے اپنے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کا ہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا تھا۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے۔ احادیث شریف میں تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورہ الصافات کی آیت اَلَا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اوپر سے بات اچکنے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب یعنی رزق انگارہ سے مارے جاتے ہیں۔

سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اکبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے جسے اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کڑکڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۳۹۲ از بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ فرشتے بالوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہو چکے ہوتے ہیں شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور

جوابت سنتے ہیں اسے کانوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔
(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۲ من البخاری)

قُلْ اُوْحِيْ اِلَيَّ اِنَّهُ اسْتَمَعَ نَفْسًا مِّنَ الْجِنِّ آپ فرمادیجئے کہ مجھے اللہ کی طرف سے یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات میں سے چند افراد نے قرآن سنا اور پھر اس سے متاثر ہوئے اور اپنی قوم سے کہا کہ یقین جانو کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے ہر ری سمجھ میں قرآن کی بات آگئی اس میں جو ہدایت ہے یعنی توحید کی دعوت ہے وہ ہم نے قبول کر لی اور ہم اس پر ایمان لے آئے جب ہم نے توحید کو سمجھ لیا تو شرک کی گمراہی ہم پر واضح ہوگئی اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اسی شرک کے سلسلہ میں یہ بات تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے بیوی اور اولاد تجویز کرتے تھے ہم اس سے بھی توبہ کرتے ہیں ہمارے رب کی بڑی شان ہے اس نے کسی کو نہ اپنی بیوی بنایا اور نہ اپنے لیے کوئی اولاد تجویز کی اب تک جو ہم کفر اور شرک اختیار کیے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جو احسن لوگ تھے وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کرتے تھے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو باتیں کہتے ہیں وہ جھوٹی نہ ہوں گی اور اتنے اشخاص اور افراد مل کر جھوٹ نہ بولتے ہوں گے لہذا ہم نے بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں کو اختیار کر لیا تھا یہ ان لوگوں نے اپنے مشرک ہونے کا عذر بیان کیا لیکن یہ عذر غلط ہے توحید جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے گمراہوں کا اتفاق رائق اتہاع نہیں ہوتا۔

جنات نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے آدمی جنات کی پناہ لیا کرتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی سفر میں رات کو کہیں کسی خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے: يا عزيذ هذا الوادي اعوذ بك من السفهاء الذين في طاعتك (اے اس دادی کے سردار میں ان بیوقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنات کو اور چڑھا دیا اور بددماغ بنا دیا یہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں جیسا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے۔

جنات نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ جس طرح تمہارے اندر یوم قیامت اور بعث و نشور کا انکار کرنے والے ہیں ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ اسی طرح انسانوں میں بھی ہیں قرآن سن کر ہمیں پتہ چل گیا کہ قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے انکار سے قیامت نکلنے والی نہیں خواہ انسان انکار کرے خواہ جنات انکار کریں۔

وَ اَنَّا لَنَسُوْحُنَا الْهٰذِيْ اٰمَنَّا بِهِۦۙ فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهٖۙ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿٧٢﴾ (اور بے شک جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے) جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے اسے کسی طرح کے کسی نقصان کا خوف نہیں ہوگا۔ ایمان کا بھی صلہ ملے گا اور عمل کا بھی ثواب ملے گا اس میں کوئی کمی نہ ہوگی کسی کی کوئی نیکی شمار سے رہ جائے یا کسی نیکی کا ثواب نہ ملے ایسا نہ ہوگا۔

وَ لَا رَهَقًا ﴿٧٢﴾ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن صالح کو کسی ذلت

کا سامنا نہ ہوگا اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی مومن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ یعنی ایسا نہ ہوگا کہ کوئی برائے عمل نہ کیا ہو اور وہ اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیا جائے (گو ایسا تو کافروں کے ساتھ بھی نہ ہوگا لیکن کافروں کے حق میں یہ چیز کوئی مفید نہ ہوگی)۔

مومن بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑے انعام و اکرام کا معاملہ ہے جو بھی نیکیاں دنیا میں ہوں گی ان کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے اجر و ثواب دیا جائے گا۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّيَ إِلَهًا وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۖ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۖ
 خَيْرَ أَقْلٍ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ إِنْ عَصَيْتُهُ أَحَدًا ۖ وَ لَنْ أجدَ مِنْ دُونِهِ أَىْ غَيْرِهِ
 مُلْتَحِدًا ۖ مُلْتَجًا إِلَّا بَلَاغًا إِسْتِنَائًا مِنْ مَفْعُولٍ أَمَلِكُ أَىْ لَا أَمَلِكُ لَكُمْ إِلَّا الْبَلَاغُ الْبَلَاغُ الْبَلَاغُ مِنَ اللَّهِ
 أَىْ عَنهُ وَ رِسَالَتِهِ ۖ عَطْفٌ عَلَى بَلَاغٍ وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَنَائِ مِنْهُ وَالْإِسْتِنَاءُ إِعْتْرَاضٌ لِتَأْكِيدِ نَفْيِ
 الْإِسْتِطَاعَةِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فِي التَّوْحِيدِ فَلَمْ يَزُمْ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا مِنْ
 ضَمِيرٍ مَنْ فِيهِ لَهُ رِعَايَةٌ لِمَعْنَاهَا وَ هِيَ خَالٍ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنَى يَدْخُلُونَهَا مُقَدَّرًا خُلُودَهُمْ فِيهَا
 أَبَدًا ۖ حَتَّى إِذَا رَأَوْا حَتَّى ابْتِدَائِيَّةٌ فِيهَا مَعْنَى الْعَايَةِ لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا أَىْ لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ إِلَى أَنْ
 يَزُولُوا مَا يُوَدُّونَ مِنَ الْعَذَابِ فَسَيَعْلَمُونَ ۖ عِنْدَ خُلُوعِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ أَوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ أضعَفُ نَاصِرًا
 وَ أَقْلُ عَدَدًا ۖ أَعْوَانًا أَهْمُ أَمِ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ أَوْ أَنَا أَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِي فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَسَى
 هَذَا الْوَعْدُ نَزَلَ قُلْ إِنْ أَىْ مَا أَدْرِي أَقْرَبُ مَا تَعْدُونَ مِنَ الْعَذَابِ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۖ
 غَيْبَةً وَأَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ عَلِمَ الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ فَلَا يُظْهَرُ بَطْلُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ
 مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ مَعَ طَلَاعِهِ عَلَى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةٌ لَهُ يَسْأَلُكَ يَجْعَلُ
 زَيْبُورَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَىِ الرَّسُولِ وَ مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۖ مَلَائِكَةٌ يَحْفَظُونَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ فِي
 جَمَلَةِ الْوَحْيِ لِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ ظُهُورِ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ أَىْ أَنَّهُ قَدْ أَبْلَغُوا أَىِ الرَّسُلِ رَسَلْتُ
 لَهُمْ رُوعِي بِجَمْعِ الضَّمِيرِ مَعْنَى مَنْ وَ أَحَاطَ بِهَا كَلِمَتُهُمْ عَطْفٌ عَلَى مُقَدَّرِ أَىْ فَعَلِمَ ذَلِكَ وَ

ع ۲
اَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۗ ثُمَّ يُرْسِلُ رُسُلًا مَّخْزُولًا عَنِ الْمَفْعُولِ ۗ وَالْاَصْلُ اُحْصَىٰ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ

ترجمہ: اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کر لیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا تو اسے (فا کے بعد) مقدر ہے) نہ کسی (کی نیکیوں کے گھنٹے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کر کے برائی میں اضافہ کر دیا جائے۔ اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں) اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے ہٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہ ہدایت اختیار کر لی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (انا انہم، انہ بارہ جگہ انہ تعالیٰ سے لے کر انا من المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ متانفہ ہے اور فتح ہمزہ کے ساتھ بھی توجیہ کی جاتی ہے) آگے کفار مکہ کے بارے میں ارشاد ہے) اور یہ لوگ (ان مخففہ ہے بوجہ ثقل کے جس کا اسم مخذوف ہے ای وانہم۔ انہ استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو میراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سال تک کے بعد) تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہتی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (نہ اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسوں گروں میں داخل ہو کر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انہ فتح ہمزہ اور کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ متانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندہ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی عبادت کرنے (بطن نخلہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ گانے کو ہو جاتے ہیں (لبدا کسرہ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے مطالبہ کا کہ آپ اپنی دعوت سے باز آجائیے اور ایک قرأت میں قیل ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نا فرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پاسکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (الملک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املک لکم الا البلاغ الیکم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بلاغاً پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان جملہ معترضہ ہے استطاء کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق یعنی ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے کہ کی ضمیر سے جس کا مصداق سن ہے۔ معنی کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ داخلونہا مقدرہ اخلودھم) ہمیشہ یہاں تک کہ

جب دیکھ لیں گے (حتیٰ ابتدائیہ ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے۔ ای لا یزالون علی کفرہم الی ان یروا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اس وقت جان لیں گے (عذاب آنے پر غزوة بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مؤمنین، پہلی رائے کے مطابق۔ اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہنے لگے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوجھل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب کی باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے) بھیج دیتا ہے (چلاتا) ہے پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تاکہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخفیہ ہے ای اند) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فعلہ ذلک) اور اس کو ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے۔ مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احضی عدد کل شیء تھے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قَالَ: یعنی آپ ﷺ نے فرمایا۔

قوله: إِلَّا الْبَلَاغَ: ارشاد و نفع پہنچانا۔

قوله: حَتَّىٰ: بلاغ کا صلہ اگر من آئے تو وہ عن کے معنی میں ہوتا ہے۔

قوله: فِي التَّوْحِيدِ: اس لیے کہ کلام اسی کے متعلق ہے۔

قوله: خَالَ مِنْ ضَمِيرٍ مَنْ: وہ ضمیر جو من کی طرف لوٹتی ہے لہ میں وہ ثابت ہے۔

قوله: حَتَّىٰ ابْتَدَأْتِنِي: یعنی اس کے بعد جملہ متانفہ ہے۔

قوله: وَأَجَلًا: وہ بہر صورت آئے گا مجھے، اس کا وقت معلوم نہیں۔

قوله: عَلِمَ الْغَيْبِ: یہ ہو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: يُطَلِّعُ: ظاہر کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: عَلَىٰ غَيْبِهِ: وہ غیب جس کا علم اس کی ذات سے مخصوص ہے۔

قولہ: إِلَّا مَنْ أَرْكَضِي: بعض کو جان لے تاکہ وہ جاننے والا بن جائے۔
 قولہ: مِنْ رَسُولٍ: یہ من کا بیان ہے۔ لفظ کے لحاظ سے ضمیر واحد لائی گئی ہے۔
 قولہ: بِمَا كَذَّبْتَهُمْ: یعنی جو رسل کے ہاں ہے۔
 قولہ: عَلَى مُقَدَّرٍ: وہ مقدر فعلم ذلک ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝

یعنی کفار سے کہہ دیجیے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کون سی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خنکی ہے۔ میں کوئی بری اور نامستول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکیت سے پاک اور بے نیاز ہے۔

قُلْ إِنْ أَدْرَيْتُمْ أَنَّكُمْ تَأْتُونَنَا بِمَنْ تَكْفُرُ بِهِ كَمَا تَأْتُونََنَا بِهَذَا كِتَابًا كَذِبًا أَوْ تَأْمُرُونَ بِالْحَمِيَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ يُدْرِكُ الْكَاذِبِينَ ۝

قیامت کب ہوگی اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہوگی، اس کا علم مجھے نہیں، بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور ایسی مدت کے بعد آنے والی ہے، اس آیت کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کی اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے، ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا، ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے حضور ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کی معین وقت سے لہذا لاعلیٰ ظاہر کرتے تھے، اعرابی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جا رہا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آد زبند آپ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: آئے گی ضرور مگر یہ بتا کہ توبہ اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی اکثریت تو نہیں البتہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس کی تجھے محبت ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو اللہ کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والا ہے، یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتاتے، ابوداؤد

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔ پھر فرماتا ہے اللہ عالم الغیب ہے وہ بے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر مرسلین میں سے جسے جن لے جیسے اور جگہ ہے: وَلَا يُخَبِّرُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا إِذْ شَاءَ (ابتقرہ: ۲۵۵) یعنی اس علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ جتنا چاہتا ہے بتا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ لیعلم کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے یعنی حضرت جبرائیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضور ﷺ کو یقین آجائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریعات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت اللہ ادا کر دی، یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں کچھ اختلاف ہے۔ یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی جیسے فرمایا آیت: (وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا) یعنی جس قبیلے پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سچے تابعداروں اور مردوں کو جان لیں اور جگہ ہے: وَتَلْعَلْنَهُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْمِزْ أَلَمْ يَلْمِزْ أَلَمْ يَلْمِزْ (العنکبوت: ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے، اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ مِنَ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۱۰﴾ حاصل استثناء کا اس سفیہا نہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت پر کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیطاں اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اول تو لفظ رسول سے اس غیب کی نوعیت متعین کر دے گئی جس کا علم رسول و نماد دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علم شراعیہ و احکام ہماہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت۔ اس کے بعد جو علم غیب رسول و نماد دیا جاتا ہے اس کی نوعیت اگلے جملے سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے

لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔
 اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے، یعنی جس علم غیب کلی کی اصل کلام میں غیب نہ سنائی
 کی گئی تھی مستثنیٰ میں اس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جا بجا انباء الغیب کے الفاظ سے
 تعبیر کیا ہے: تلك من انباء الغیب نوحيها اليك

بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے علم غیب
 کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کلمہ ہوا
 شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی علم
 میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں
 کا بذریعہ وحی بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا خوب سمجھ لیا جائے۔

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب
 نہیں، وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے،
 کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت کی لگی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔

سُورَةُ الْمَزْمَلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتها ۲۰

سُورَةٌ مَكِّيَّةٌ

سورہ مزمل کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی میں آیتیں ہیں اور وہ کون

يَا أَيُّهَا الْمَزْمُولُ ۝ النَّسِيُّ وَأَصْلُهُ الْمَزْمُولُ أَدْعَمَتِ التَّائِبِي الرَّايِ أَيِ الْمُتَلَفِّفِ بِشَبَاهِهِ جِنِينَ مَخْجِي النَّوْحِي
 لَهُ خُرْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهِ قِمَ الْيَلِّ صَلِّ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نُصْفَةَ ۝ بَدَلْ مِنْ قَلِيلًا زَقْلَهُ بِالنَّظْرِ إِلَى الْكُلِّ أَوْ
 انْقُصْ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيلًا ۝ إِلَى الثُّلُثِ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ إِلَى الثَّلَاثِينَ وَأَوَّلِ الشَّحِيرِ وَرَقِيلِ الْقُرْآنِ
 نَبَتْ فِي تِلَاوَتِهِ تَرْتِيلًا ۝ إِنْكَا سَنَلِقِي عَلَيْكَ قَوْلًا قُرْآنًا ثَقِيلًا ۝ مَهْيَبًا أَوْ شَدِيدًا لِمَا فِيهِ مِنْ
 التَّكْلِيفِ إِنْ نَاشِئَةَ الْيَلِّ الْفِيَامِ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ أَشَدُّ وَطَأَ مُوَافِقَةَ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلَى تَفْهَمِ الْقُرْآنِ
 وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ آيَةُ قَوْلًا إِنْ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ نَصْرُ فَا فِي اشْغَالِكَ لَا تَفْرَغُ فِيهِ لِتِلَاوَةِ
 الْقُرْآنِ وَادْكِرْ اسْمَ رَبِّكَ أَيُّ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِي ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ انْقَطِعْ إِلَيْهِ
 فِي الْعِبَادَةِ تَبْتِيلًا ۝ مُضْدَرُّ بَتَّلَ جِيءَ بِهِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْرُومُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الشَّرْقِ وَالْمَغْرِبِ
 لِأَلِهَ الْإِهْرَافِ فَانْخِذْهُ وَكَيْلًا ۝ مَوْكُولًا لَهُ أَمْوَرُكَ وَأَصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ أَيُّ كُفَّارِ مَكَّةَ مِنْ أَذَاهُمْ
 وَأَهْجَرَهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا ۝ لَا جَرْعَ فِيهِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِي أَرْكَبِي وَالْمَكْدِبِينَ
 عَطَفَ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٍ مَعَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا كَأَفِيكَهُمْ وَهُمْ صِنَادٌ يُدْفَرُشِ أُولَى التَّعْبَةِ التَّنْعَمُ وَ
 مَهْلَهُمْ قَلِيلًا ۝ مِنَ الزَّمَنِ فَعْتَلُوا بَعْدَ يَسِيرِهِ مِنْهُ بِبَدْرِ إِنْ كَدَيْتَا أَنْكَالًا فَيُؤَدِّانِقَالًا جَمْعُ نِكْلِ بِكُسْرِ
 النُّونِ وَجَجِيهًا ۝ نَارًا مَحْرَزَةً وَطَعَامًا ذَا عَصِيَّةٍ يَعُضُّ بِهِ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُومُ أَوْ الضَّرْبُوعُ
 أَوْ الْعَسَلِيُّنِ أَوْ شَوْكٌ مِنْ نَارِهِ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ وَوَعْدًا أَبَا الْيَمَّانِ ۝ مُؤَبِّمًا زِيَادَةَ عَلَى مَا ذَكَرْ لِمَنْ كَذَّبَ

تَقْبَلُونَ مِنْ حِلَّالِهِمْ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَنْزَلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا رَافِقًا

مُجْتَمَعًا كَمَا يَهَيَّلُ ۝ سَائِلًا بَعْدَ اجْتِمَاعِهِ وَهُوَ مِنْ هَالٍ يَهَيَّلُ وَأَصْلُهُ مَهْيُولٌ اسْتَقْلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ

فَقِلْتُ إِلَى الْهَاءِ وَحَذَفَتِ الْوَاوُ ثَانِيًا الشَّاكِنِينَ لِزِيَادَتِهَا وَقَلْبَتِ الضَّمَّةُ كَثْرَةَ لِمَجَانَسَةِ الْيَاءِ إِنَّكَ

أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ رَسُولًا هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

بِمَا يَضُدُّ مِنْكُمْ مِنَ الْعِضْيَانِ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ وَهُوَ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيْلًا ۝ شَدِيدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا

مُفْعُولٌ تَتَّقُونَ أَيَّ عَذَابِهِ أَيُّ بَأْسٍ حِضْنٍ تَتَخَصَّنُونَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ حَمِيعٌ

أَشْبَبَ لِشِدَّةِ هَزْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَالْأَصْلُ فِي شَيْبٍ الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمَجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي

الْيَوْمِ الشَّدِيدِ يَوْمٌ يَشِيبُ نَوَاصِي الْأَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ فِي الْآيَةِ الْحَقِيقَةُ

إِلَى السَّمَاءِ مُنْقَطِرًا ذَاتَ انْفِطَارٍ أَيَّ انْشِقَاقٍ بِهِ ۝ بِذَلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهِ كَانَ وَعْدُهُ تَعَالَى بِمَجِيئِهِ

ذَلِكَ الْيَوْمِ مَفْعُولًا ۝ أَيُّ هُوَ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ إِنَّ هَذِهِ الْآيَاتِ الْمُخَوِّفَةِ عِظَةً لِلْخَلْقِ تَذَكُّرًا لِنَسْ

إِن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

۱۹۳

تَرْجُفُهَا: اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی، منزل دراصل منزل تھا، تاکو زآ سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے بیت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑا سی (تہائی) رات یعنی آدھی رات (یہ کلیلا سے بدل ہے اور آدھی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) آدھی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدھی رات کو کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک) اوٹھیر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو آپ ہی بیت اور سخت ہوگا کالیف کے لحاظ سے) بلاشبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (کھڑک کر) نکلتی ہے یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہیے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ تھلگ ہو جائیے (بہل) کا مصدر ہے، فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے، جہتل کا ملزوم ہے، وہ (مشرق و مغرب

کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز کیئے (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں (اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے۔ اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہو جائیئے (جس میں حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (اس کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے بننے کے لئے کافی ہوں) ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوہ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی، انکال جمع ہے نکل بکسر نون کی) اور روزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھندا گا دے۔ زقوم یا فرج یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ نکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف وہ، مذکورہ مسیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ پٹنے لگیں گے اور پہاڑ ریگ رداں (ریت کا تودہ) ہو جائیں گے۔ (جو جمع ہو کر بہہ جائے گا۔ مہیلا باب ضرب سے ہے۔ دراصل مہیول تھا۔ پر ضرب ثقیل ہونے کی وجہ سے ہا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ واو زائد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور یا کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑ لیا۔ سوا اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (یوم محقون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (شیبا، اشیب کی جمع ہے بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے۔ شیب کاشین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا۔ سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنا دیا۔ یہ مجاز ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں حقیقتہ بوڑھا کر دینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (نکلے نکلے ہو جائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ) سے بلاشبہ اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر ہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا) یقیناً یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا دل چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان و طاعت) کا راستہ اختیار کر لے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: اَلَا قَلِيلًا: یہ من اللیل سے استثناء ہے۔

- قولہ: **وَأُولَئِكَ خَيْرٌ**: اور وہ میں ایک کے چناؤ کے لیے آتا ہے۔
- قولہ: **تَغَبَّتْ**: یعنی تم آہستگی اور غور سے حرف کو واضح کر کے پڑھو کہ سننے والے گن سکے۔
- قولہ: **مُؤَافِقَةٌ**: وَطَأٌ: روندنا۔ پامال کرنا۔ **أَقْوَمُ قِيْلًا**: بات میں پختہ۔
- قولہ: **سَبْحًا**: اہم کاموں میں آنا جانا۔
- قولہ: **هَجْرًا جَبِيلًا**: ان نے دوری اور پہلو تہی اختیار کر لی۔
- قولہ: **صَنَادِيدٌ**: بہادر سردار۔
- قولہ: **مِنَ الزَّمَنِ**: اس سے اشارہ ہے کہ قلیلاً ظریف کی وجہ سے منصوب ہے اور موصوف محذوف زمانا ہے۔
- قولہ: **بِنِكْلِ**: بھاری، بیٹری۔
- قولہ: **أَوِ الصَّرِيحِ**: کانٹے دار گھاس۔
- قولہ: **أَوِ الْغَسْلِيِّنِ**: پیپ۔
- قولہ: **بُنَجْتَمًا**: فعل بمعنی مفعول یہ مثبت الٹی سے بنا ہے، جب اس کو اکٹھا کیا جائے۔
- قولہ: **مِنْ هَالٍ**: جب بکھیر دیا۔
- قولہ: **إِنْ كَفَرْتُمْ**: کفر پر اصرار اختیار کیا۔
- قولہ: **زَهُوْمًا جَاؤُ**: یہ سختی سے مجاز ہے۔
- قولہ: **الْحَقِيقَةُ**: اس دن کی طوالت بچوں کو بوزھا کر دے گی۔
- قولہ: **ذَاتِ الْإِنْفِطَارِ**: خبر مؤنث کی وجہ سے ضمیر مؤنث ہے۔
- قولہ: **يَهْطُ**: الباء یہ آلہ کے لیے آتی ہے۔
- قولہ: **سَبِيلًا**: ایسا رستہ جس سے قرب الہی حاصل ہو۔

تفسیر مقبولین ۲

اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور سے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا وہ عظیم پہلو بیان کیا جا رہا ہے جسکو قرآن کریم کا اصطلاح میں اثابت الی اللہ تعالیٰ اور انقطاع عن الخلق کی تعبیر سے ادا کیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طاعت و بندگی میں انسان کا ہر راحت و آرام اور طبی تقاضوں کو قربان کر دینا اسکی یاد میں راتوں کو جاگنا تلاوت کلام اللہ کی لذت مما ایسا لطف اندوز ہونا کہ ہر جسمانی راحت سے بے نیاز ہو جائے یقیناً تعلق مع اللہ کا بلند ترین مقام ہے۔

اسی وجہ سے سورۃ کی ابتداء ہی ایک ایسی لطیف اور نڈید نداء الہی پر مشتمل ہے جو اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی اللہ لطف و کرم اور محبت و عنایت کی پوری پوری ترجمانی کر رہی ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ منزل متعین فرمایا گیا جس کے

مفسرین میں قیام اللیل کی عظمت اور تاثیر و برکت بھی فرمادی گئی ساتھ ہی وحی الہی کی عظمت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ اگر مشرکین کہ اللہ کی وحی پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ اس کا غم نہ کریں انکی طرف سے جو رنج یا تکلیف پہنچے اس پر آپ ﷺ صبر کریں ایسے منکرین و مکذبین کو خدا کی قدرت بتادے گی کہ کامیابی اور غلبہ کن کو حاصل ہوتا ہے اور مجرمین عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ قُلْ

یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی وہشت اور نقل سے آپ ﷺ کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھروالوں سے فرمایا: زملونی زملونی (مجھے کپڑا اڑھاؤ کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے کسی نے کاہن کہا کسی نے جادوگر کسی نے مجنون مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں ساحر کی طرف رجحان تھا۔ آپ ﷺ کو خیر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ت انیس و ملاطفت کے لیے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ ﷺ نے حضرت علی کو ایک مرتبہ تم ابا تراب فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی سورت ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں منزل اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت ﷺ کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کھل دراز اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی:

لفظ منزل اور مدثر خود اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیات بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی ہے۔ امام بنوکی نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی احادیث کی بناء پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ ﷺ اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات باسثناء قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استثناء قلیل

آپ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، از مظہری)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے۔ (مظہری)

حضرت علقمہ نے ایک شخص کو حسن صوت کیساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: لقد قتل القرآن فداہ ابی وامی، یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔ (قرطبی)

اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صرف ہواور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزرا ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے۔ دَرَكَيْلِ الْقُرْآنِ تَوْتِيلاً ۞ بس یہی ترتیل ہے (جو یہ شخص کر رہا ہے)۔ از قرطبی

إِنَّا سَأَلْنَا عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۞

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزل قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری ٹھل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی فخذ مبارک زید بن ثابت کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابت کو ایسا محسوس ہو کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ ﷺ پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کانفرنوں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس نبی اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔

لَنْ نَأْتِيَنَّكَ الْبَيْتَ مِنْ أَيْدِيٍّ وَلَا مِنْ أَعْقَابٍ ۞

یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندنا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شورو غل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدر کے سامہونیا پر نزل فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝

یعنی دن میں لوگوں کو سمجھاؤ اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ ﷺ کے حق میں بلا واسطہ عبادت ہیں۔ تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

وَإِذْ كُرِّمَتْ عَلَيْكَ رُبِّيَّةٌ ۝

رُبِّيَّةٌ کے لفظی معنی مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں وَ إِذْ كُرِّمَتْ عَلَيْكَ اس کا عطف تم ایل پر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو قیام اللیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کافی قولہ: إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا نفاذ دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے۔ (مظہری) اور مراد آیت کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ذکر اللہ کو شب و روز ہر وقت جاری رکھیں اس میں نہ کبھی دہول ہونا چاہئے نہ سستی اور یہ مراد اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد عام لیا جائے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا اعضاء و جوارح کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول رکھنے سے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علی کل صین، یعنی رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ بیت الخلا وغیرہ میں آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعہ ذکر کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات میں غور و فکر کرنا، کما افادہ شیخ اتھانوی قدس سرہ۔

دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ: تَبْتَئِلُ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً ۝ یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے عام مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خاص اللہ کے لئے عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہا اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔ حضرت ابن زید نے فرمایا کہ تمہیل کے معنی یہ ہیں کہ تمہ دنیا و مانیہا کو چھوڑیں اور صرف اس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے۔ (مظہری) لیکن جس مہمل اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلقات اور ترک دنیا سے بالکل مختلف ہے جس کو قرآن میں رہبانیت کہا ہے اور اس کی مذمت کی طرف اشارہ کیا ہے: و رہبانیتہ ابتدعوها اور جس کے متعلق حدیث میں ہے: لا رہبانیتہ فی الاسلام کیونکہ رہبانیت اصطلاح شرع میں اس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب اشیاء کو بہنیت عبادت چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلات چیزوں کے چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ یا عملاً ترک تعلقات اس طرح کرے کہ لوگوں کے حقوق واجبہ کی رعایت نہ کرے ان میں خلل آئے اور یہاں جس

جمل اور ترک تعلق کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آجائے خواہ اعتقاد یا عملاً اور ایسا ترک تعلق دنیوی تمام معاملات ازدواج و نکاح اور تعلقات رشتہ داری وغیرہ کے منافی نہیں بلکہ ان سب کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور شامل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں جس مفہوم کو لفظ مبتل سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کا دوسرا عنوان سلف صالحین کی زبان میں اخلاص ہے۔ (مظہری)

فائدہ چہمہ: ذکر اللہ کی کثرت اور تعلقات دنیا کے ترک کے معاملے میں صوفیائے کرام سلفاً و خلفاً سب سے آگے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس مسافت کو طے کرنے اور راستہ قطع کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں درحقیقت اس کے دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے انقطاع ہے اور دوسرا قدم وصولی الی اللہ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و مطروم ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہیں دو قدموں کو دو جملوں میں عطف کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ **وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبْتَئِلْ لَ اٰلِیٰہِیۡہِۗمۡ یٰۤاٰیۡتِیۡنَا ۝۶**

یہاں ذکر اللہ سے مراد اس پر ایسی مداومت ہے جس میں کبھی تصور و فتور نہ ہو اور کسی وقت اس سے ذہول نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وصول الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے جملے میں آخری قدم کا ذکر فرمایا اور دوسرے جملے میں پہلے قدم کا یہ ترتیب شاید اس لئے بدل گئی کہ اگر چہ عمل میں مبتل یعنی قطع تعلقات (بالمعنی الہذکور) مقدم ہے اور وصول الی اللہ اس کے بعد اس پر مرتب ہوتا ہے مگر چونکہ مقصد سادہ کا یہ دوسرا ہی قدم ہے اور یہی درحقیقت مقصود القاصد ہے اس کی اہمیت و افضلیت بتلانے کے لئے ترتیب طبعی و قوی کو بدل کر ذکر اللہ کو مقدم بیان فرمایا گیا۔

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مامور بہ ذکر و عبادت ہے: اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کے ساتھ مقید کر کے **وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ** فرمایا ہے و اذکر ربک نہیں فرمایا اس میں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔ (مظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

وَ اَصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اَنْهٰجُہُمْ هٰجِرًا جَبِیۡلًا ۝۷

یعنی کفار آپ ﷺ کو ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر و استقلال سے سہتے رہیے اور جہلی طرح کا چھوڑنا یہ ہے کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کر دو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسوئی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو، نہ انتقام لینے کے درپے ہو، نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں تصور نہ کیجیے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و راہنمائی میں سعی کرتے رہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں، سلوک سے مگر یاد رہے کہ یہ آیت بھی ہے اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔

وَ ذُرْنِیۡ وَ السَّکِیۡنَیۡنِ اُولِی النُّعْمَۃِ وَ مَقٰلَہُمْ قَلِیۡلًا ۝۸

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا ہے کہ مکہ کے ارباب عیش و عشرت کا فردوں کا معاملہ آپ مجھ

پر چھوڑ دیجیے، آپ ان کی نگر نہ کیجیے۔ ان سے نمٹنے کیلئے میں آپ کی طرف سے کافی ہوں اور میں آپ کا انتقام ان سے ضرور لوں گا۔ حاکم اور بیہقی نے (دلائل میں) عائشہ سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی تھی۔

طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ أَقْلٍ مِنَ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ بِالْجَزْرِ عَطْفٌ عَلَىٰ ثُلُثِيهِ وَبِالنَّصَبِ عَطْفٌ عَلَىٰ أَدْنَىٰ وَقِيَامُهُ كَذَلِكَ نَحْوَمَا أَمَرَ بِهِ أَوَّلَ السُّورَةِ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ عَطْفٌ عَلَىٰ ضَمِيرِ تَقُومُ وَجَارٌ مِنْ غَيْرِ تَأْكِيدٌ لِلْفَضْلِ وَقِيَامٌ طَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ كَذَلِكَ لِلنَّاسِيِّ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى مِنَ اللَّيْلِ وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ اجْتِنَابًا فَقَامُوا حَتَّىٰ انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَاللَّهُ يُعَقِّدُ حِصِّيَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ عِلْمٌ أَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَهُمَا مَحْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ تُحْصَوهُ أَيْ لَنْ يَنْقُرُوا فِيهَا فِيمَا يَجِبُ الْقِيَامُ فِيهِ إِلَّا بِقِيَامِ جَمِيعِهِ وَذَلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ إِلَى التَّخْفِيفِ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ بَأَنَّ تُصَلُّوا مَا تيسَّرَ عِلْمٌ أَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرَضَىٰ وَأَخْرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يُسَافِرُونَ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقِهِ بِالتَّجَارَةِ وَغَيْرِهَا وَأَخْرُونَ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَكُلٌّ مِنَ الْغَيْرِ الثَّلَاثُ يَشُقُّ عَلَيْهِمْ مَا ذَكَرَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تيسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ بِالصَّلَاةِ الْخَمِيسِ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنْهُ كَمَا تَقَدَّمَ وَاقْبِمُوا الصَّلَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَأُوا اللَّهَ بِأَنَّ تُنْفِقُوا مِمَّا سِوَى الْمَفْرُوضِ مِنَ الْمَالِ فِي سَبِيلِ الْخَيْرِ قَرْضًا حَسَنًا عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ وَمَا تَقَدَّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ مِمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَضْلٌ وَمَا بَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَفْرُوعًا يُشْبِهُ لِمَا لَا يَمْتَنَاعِيهِ مِنَ التَّعْرِيفِ وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَأَسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدمی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ) ثلثی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادنیٰ پر عطف ہے اور آنحضرت کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفتہ کا عطف

تو تم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہؓ بھی رات کو ویسے ہی قیام کر لیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً ساری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر درم آجاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا۔ پھر ان پر تخفیف کر دی گئی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے اس کا اسم مخدوف ہے ای انہ) تم اس کو مضبوط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھا لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) تم میں بعض بیمار ہوں گے۔ اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر پنج وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو) (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال کرچ کیا کرو) اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ ہو ضمیر فصل ہے اور ما بعد اگرچہ معرفہ نہ ہو سکتے ہیں معرفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

کلمات تفسیر یہ کی توجیہ و تشریح

قوله: **أَدْنَى**: اس کو قلت کے لیے بطور استعارہ لاتے ہیں۔

قوله: **بِالْجَزْرِ**: اس میں ٹکٹ سے کم رات مراد نہ ہوگی۔

قوله: **بِالنَّصَبِ**: اس میں ادنیٰ من اللشائین یعنی روٹٹ سے کم مراد ہوگی۔

قوله: **زُقَيَانُهُ**: یہ مبتداء ہے اور نحو ما یہ خبر ہے۔ اور سنہ یہ قامو اکا ظرف ہے۔

قوله: **الْأَيْلِ وَالنَّهَارِ**: ان کی مقدار معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قوله: **لَنْ نَحْصُوهُ**: تم ان کی گھڑیوں کو اچھی طرح ضبط نہیں کر سکتے۔

قوله: **رَحِمَ بَكُمُ**: ترک قیام مقدر سے رجوع فرمایا۔
 قوله: **عَلِمَ أَنْ**: اس میں رخصت کی دوسری حکمت مذکور ہے۔

قوله: **وَعَفِرَ هَا**: جیسے حصول عم۔

قوله: **بِزَنِ الْفِرْقِ الثَّلَاثِ**: تین گروہ 1- بیمار 2- مسافر 3- مجاہد۔

قوله: **الْحَبِيرِ**: یہ تَجِدُوهُ کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: **وَهُوَ فَضْلٌ**: یہ ہو ضمیر فاعل ہے۔ اور من والا اسم تفضیل معرفہ کی طرح ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ

قیام لیس کے بارے میں تخفیف کا اعلان، اقامۃ الصلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم:

ابتداءً سورت میں جورات کو نمازوں میں قیام کرنے کا حکم فرمایا تھا (گو علی سبیل التخییر تھا) اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی رات کو نماز میں قیام فرماتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ جب آیت کریمہ: **قُلْ هِيَ الْيَلَاءُ قَلِيلًا ۖ يُصْفَعُ ۗ أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا** نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کو اس پر عمل کرنا دشوار ہوا کیونکہ تہائی رات دو تہائی رات اور آدھی رات کا پچھانا مشکل تھا۔ لہذا اس ڈر سے صبح تک قیام کرتے تھے کہ وقت مقرر میں کمی نہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے ان کے پیر پھول گئے اور رنگ بدل گئے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرم فرمایا۔

انذار شاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں بعض لوگ دو تہائی رات کے قریب اور بعض آدھی رات اور بعض تہائی رات کھڑے رہتے ہیں جس سے مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور پہلا علم منسوخ فرمادیا سو اب تم سے جتنا قرآن مجید آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو (اس سے نماز تہجد میں قرآن پڑھنا مراد ہے) اب اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی اور تہجد کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی اور کتنی نماز پڑھے اور کتنی دیر نماز پڑھے اس کی بھی مقدار متعین اور مقرر نہیں رکھی گئی، لہذا آسانی کی صورت بن گئی اس نسخ کی ایک علت تو **عَلِمَ أَنْ شَيْئًا كُنُ مِنْكُمْ مَرُوضًا** یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہونگے جو تلاش معاش کے لیے زمین میں سفر کریں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔ ان حالات میں تہجد کی اور اوقات مقررہ کی پابندی مشکل تھی لہذا آسانی کر دی گئی۔ تہجد پڑھنا مستحب قرار دے دیا گیا اور وقت کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں رکھی گئی۔

علامہ قرطبی شیخ ابوالنور تیسری سے نقل کرتے ہیں کہ مشہور بات یہ ہے کہ قیام لیل کی فرضیت امت کے حق میں منسوخ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں باقی رہی در ایک قول یہ ہے کہ اصل وجوب تو سب کے لیے باقی رہا البتہ مقدار قیام

اجب نہیں رہی۔ جتنی دیر چاہیں پڑھ لیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۵: ۱۰۶)

صاحب روح المعانی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل کے شروع میں قیام کو فرض قرار دیا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے بارہ ماہ تک سورۃ مزمل کا آخری حصہ نازل نہیں فرمایا اس کے بعد آخری حصہ نازل فرما کر تخفیف فرمادی اور قیام لیل نوافل کے حکم میں باقی رہ گیا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ ماہ کے بعد تخفیف نازل ہوئی۔

(روح المعانی صفحہ ۱۸۷: ج ۲۹)

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَأُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض) یعنی اس کی مخلوق پر خرچ کرو اور اس کی رضا کے کاموں میں مال لگاؤ۔ ہے تو مال اللہ تعالیٰ ہی کا اور مال والے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں لیکن اس نے کرم فرمایا کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور کرم والا کرم یہ ہے کہ اس پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما دیا سورہ بقرہ میں فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا نَبِيضَةً لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً (کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسن پھر وہ اس کے لیے اسے چند در چند یعنی بہت گنا کر کے ادا فرمادے)۔

سُورَةُ الْمَائِدَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْمَائِدَةِ
۴۳ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ ۳

آيَاتُهَا ۵۶
ذِكْرُهَا ۲

سورہ مد مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ السَّبِيُّ وَأَضَلُّهُ الْمُدَّثِّرُ أَدْعَمَتِ النَّارُ فِي الدَّالِ أَيِ الْمُتَلَفِّفِ بِشَيْبَاهِ عِنْدَ تَرْوِيلِ الرُّوحِ
عَلَيْهِ قَمٌّ فَأَنْذَرُ ۝ خَوْفُ أَهْلِ مَكَّةَ بِالنَّارِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ ۝ عَظِيمٌ عَنْ إِشْرَاكِ
الْمُشْرِكِينَ وَشَيْبَاكَ فَطَهَّرُ ۝ عَنِ النَّجَاسَةِ أَوْ قَصَرَهَا بِخِلَافِ جَزِ الْعَرَبِ شَيْبَابُهُمْ خِيَلَاءُ فَرُنَمَا
أَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ وَالرُّجْزُ فَسَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَوْتَانِ فَأَهْجَرُ ۝ أَيِ دُمٍ عَلَى هَجْرِهِ وَ
لَا تَمَنَّ تَسْتَكْثِرُ ۝ بِالرَّفْعِ خَالَ أَيِ لَا تُعْطِ شَيْئًا تَطْلُبُ أَكْثَرَ مِنْهُ وَهَذَا خَاصٌّ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَجْمَلِ الْأَخْلَاقِ وَأَشْرَفِ الْأَدَابِ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرُ ۝ عَلَى الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ قَادِمًا
نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ نَفَخَ فِي الصُّورِ وَهُوَ الْقُرْآنُ التَّفْخَةُ النَّابِيَةُ فَذَلِكَ أَيِ وَقْتُ التَّقْرِيرِ يَوْمَئِذٍ بَدَلِ مَنْ
قَبْلَهُ الْهَبْتَدَاءُ وَيُنْبِئُ لِإِضَافَتِهِ إِلَى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرِ الْمُبْتَدَأِ يَوْمَ عَسِيرٍ ۝ وَالْعَامِلُ فِي إِذَا مَا ذَكَرْتُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةُ أَيِ اسْتَدَّ الْأَمْرَ عَلَى الْكُفْرِيِّنَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ يَسِيرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَيِ فِي
عَشْرِهِ ذُرْفِي أَنْزَلْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٌ مَعَهُ وَجِدًّا ۝ خَالَ مِنْ مَنْ
أَوْ مِنْ ضَمِيرِهِ الْمَحْدُوفِ مِنْ خَلَقْتُ أَيِ مُتَّفَرِّدًا بِأَهْلِ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَالِدُ بِنِ الْمَغْيِرَةِ وَجَعَلْتُ لَهُ
مَالًا مَدْدُودًا ۝ وَأَسْعَاءُ مُتَّصِلًا مِنَ الرُّزْغِ وَالضُّرُوعِ وَالتِّجَارَةِ وَبَيْنِينَ عَشْرَةٌ أَوْ أَكْثَرُ وَبَيْنِينَ
بِشَهَادَتِهِنَّ الْمُخَافِلِ وَتَسْمَعُ شَهَادَتَهُمْ وَمَهْدَتُكَ بَسَطْتُ لَهُ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمُرِ وَالْوَالِدِ تَهْيِيدًا ۝
لَمْ يَطْمَعِ أَنْ أَرِيدَ ۝ كَلَّا ۝ لَا أَرِيدُهُ عَلَى ذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ لِأَيَّتِنَا أَيِ الْقُرْآنِ عِنْدِي ۝ مَعَانِيًا

سَأْرِهِنَّ أَكَلْنَهُ صَعُودًا ۝ مَشَقَّةٌ مِنَ الْعَذَابِ أَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيهِ مَنْ يَهْوَىٰ أَتَدَارُكُ لَكَ ۚ فِيمَا
 يَقُولُ فِي الْقُرْآنِ الَّذِي سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّارُ ۚ فِي نَفْسِهِ ذَلِكَ فَقَتِلَ لَعْنِ
 وَغِيْبَتِ كَيْفَ قَدَّارُ ۚ عَلَىٰ أَيِّ حَالٍ كَانَ تُقَدِّرُهُ ثُمَّ قَتِلَ كَيْفَ قَدَّارُ ۚ ثُمَّ نَظَرَ ۚ فِي رُجُوهِ
 قَوْمِهِ أَوْ فِيمَا يُفَدِّحُ بِهِ ثُمَّ عَبَسَ ۚ قَبْضَ رَجْهَهُ وَكَلَحَهُ صَبِيحًا بِمَا يَقُولُ وَبَسَرَ ۚ زَادَ فِي الْقَبِيضِ
 وَالْكَلْحِ ثُمَّ أَدْبَرَ ۚ عَنِ الْإِيمَانِ وَاسْتَكْبَرَ ۚ نَكَبَ عَنْ إِيْتَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِيمَا
 جَابَهُ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ۚ يُنْقَلُ عَنِ السَّحْرَةِ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۚ كَمَا قَالَ الرَّائِي
 بِعَلْمِهِ بَشَرٌ سَأَصْلِيهِ ۚ أَذْخَلَهُ سَقْرَ ۚ جَهَنَّمَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقْرَ ۚ تَعْظِيمٌ لِشَائِبِهَا لَا تُبْقَىٰ وَلَا
 تَذَرُ ۚ شَيْئًا مِنْ لَحْمٍ وَلَا عَصَبٍ إِلَّا أَهْلَكَتُهُ ثُمَّ يَعُودُ كَمَا كَانَ لَوَاحَةً لِلْبَشَرِ ۚ مُحَرَّقَةٌ لِظَاهِرِ
 الْجِلْدِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۚ مَلَكًا خَزَنَتُهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَرِيْبًا شَدِيْدًا الْبَاسِ أَنَا أَكْفَيْتُكُمْ
 سَبْعَةَ عَشَرَ أَكْفَؤُنِي أَنْتُمْ اثْنَيْنِ قَالَ تَعَالَىٰ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۚ أَيْ فَلَا يَطْلِيئُونَ
 كَمَا يَتَوَقَّمُونَ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ۚ ذَلِكَ إِلَّا فِتْنَةً ۚ ضَلَالًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ بَانَ يَقُولُوا لِمَ كَانُوا
 تِسْعَةَ عَشَرَ لَيْسَتْ بِقِيْنٍ لَيْسَتْ بِقِيْنٍ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ أَيْ الْيَهُودُ صَدَقَ النَّبِيُّ فِي كُتُبِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ
 الْمُرَافِقَ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ وَيُؤَدِّدُ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِيْمَانًا ۚ تُضَدُّ بِقَالِ الْمُرَافِقَةِ مَا أَتَىٰ بِهِ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ وَلَا يَرْتَابُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ مِنْ غَيْرِهِمْ
 فِي عَدَدِ الْمَلَائِكَةِ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ شَكٌّ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْكَافِرُونَ بِمَكَّةَ مَاذَا أَرَادَ
 اللَّهُ بِهَذَا الْعَدَدِ مَثَلًا ۚ سَمُوهُ لِعَرَابِهِ بِذَلِكَ وَأَعْرَبَ حَالًا كَذَلِكَ ۚ أَيْ مِثْلَ اضْطِلَالِ مُشْكِرِ هَذَا
 الْعَدَدِ وَهُدَىٰ مُصَدِّقَهُ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا الْمَلَائِكَةُ
 فِي نُورَتِهِمْ وَأَعْوَانِهِمْ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ ۚ أَيْ سَقْرَ إِلَّا ذِكْرِي لِلْبَشَرِ ۚ

۱۵

تو کچھ کہا، اسے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی)۔ یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔ تاکو وال میں ارغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی
 ازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے (اٹھنے پھر اراے) (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے

ذرائع اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالا بتلائیے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنائے۔ عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہو جاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہیے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (تسکندر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے۔ یہ حکم حضور کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام و منہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (نغمہ ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشتداد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے۔ (چھوڑ دینے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ و تنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو بکثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محفلوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش، عمر، اولاد) اس لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوں رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔ بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرت سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سو اس پر خدا کی مار (لعنت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برا سا بنایا۔ اپنی بات سے تنگدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب بیڑھا تر چھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وئی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادو گردوں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلانا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (گوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کر دے گی۔ پھر از سر نو سب چیزیں جوں کی توں ہو جائیں گی) وہ بدن کی ہیئت بگاڑ دے گی (کھال جلا ڈالے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ۔ ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ کو کافی ہو جاؤں گا اور دو سے تم بٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اور ہم نے دوزخ

کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں (یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہو رہا ہے) اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے (تاکہ وہ یہ کہیں کہ وہ انہیں کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں (یعنی یہود پیغمبر کو سچا سمجھ لیں۔ ان فرشتوں کی تعداد انہیں ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہو جائے۔ کہ جو حضورؐ بیان فرما رہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے) اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرابت کی وجہ سے اس کو مثل کہا گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: قَمَرٌ: یعنی اپنی خواب گاہ سے اٹھ۔

قوله: أَهْلَ مَكَّةَ: اس کا مفعول مقدر ہے۔

قوله: عَظَمَ: امر سے پہلا مقصد اپنے رب کو شرک سے برتر قرار دینا ہے۔

قوله: وَالرُّجُزَ: عذاب کو چھوڑ ان چیزوں کے چھوڑنے پر پختگی اختیار کر کے جو عذاب کی طرف لے جانے والی ہیں۔

قوله: بِحَالٍ: تَمَنُّن کی ضمیر سے حال ہے۔

قوله: بِأَجْمَلِ الْأَخْلَاقِ: عمدہ اخلاق سے۔

قوله: فَأَذَانُ الْقَوْرِ فِي النَّاقُورِ: اذنا ظرف ہے اس پر نذک یوم دالت کر رہا ہے۔ اس کا معنی معاملے کی تنگی ہے۔

قوله: النَّاقُورِ: یہ فاعول کے دزن پر بمعنی آواز نکالنا۔

قوله: غَيْرُ يَسِينٍ: یہ اس بات سے مانع ہے کہ وہ ان کے لیے کسی وجہ سے تنگی دوسری وجہ سے آسانی والا ہو۔

قوله: فِي عَشْرَةٍ: یہ غَيْرُ يَسِينٍ سے متعلق ہے۔

قوله: وَالضُّرُوعِ: یہ چرپایوں سے کنایہ ہے۔

قوله: عَشْرَةَ: ان میں سے تین مسلمان ہو گئے، خالد، عمار، حشمد رضی اللہ عنہم۔

قوله: نَوَالِدٍ: سرداری، مرتبے کی وجہ سے ریحانہ قریشی کہلاتا تھا۔

قوله: نَعْرَ يَطْمَعِ: اس میں اس کی طمع کے متعلق اتجار کا اظہار ہے۔

قولہ: عَلِيٌّ أَيْ خَالٍ: اس کے انداز پر بطور استہزاء اظہار تعجب ہے۔

قولہ: ثُمَّ قَتِلَ: یہ مبالغہ کو بار دیگر لایا گیا۔

قولہ: وَالْكُلُوحُ: ترش روئی۔

قولہ: مَا هَذَا: یہ جملہ اولیٰ کے لیے بمنزلہ تاکید ہے۔

قولہ: سَأْصَلِّيْهِ سَقَرًا: یہ سَأَرْهِقُهُ صَعُودًا کا بدل ہے۔

قولہ: لَا تُبْقِي: یعنی وہ کسی سامنے آنے والی چیز کو نہیں چھوڑتی۔

قولہ: إِلَّا مَلِيكَةً: تاکہ جس معذبین مخالفت کریں پوری سزا بلا لحاظ دیں۔

قولہ: ضَلَالًا: اتنی قلیل تعداد کو سزا پر مقرر کرنے میں فتنہ، معذبین سے استہزاء و طعیرہ ہے۔

قولہ: وَلَا يَرْتَابُ: یہ زیادہ ایمان و یقین کی تاکید ہے۔

قولہ: شَكٌّ: یہ تو مکہ کے حالات ہیں جو عنقریب مدینہ میں پیش آئیں گے۔

قولہ: أَرَادَ اللَّهُ: اللہ تعالیٰ کا اتنی قلیل تعداد کو مقرر کرنے کا کیا مقصد ہے، اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسا نہ ہوتا۔

قولہ: إِلَّا ذِكْرًا: نصیحت۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں خاص طور پر نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت کی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہوئے دعوۃ اسلام اور پیغام توحید کے لیے مستعد و کمر بستہ ہونے کا حکم فرمایا گیا یہی وہ پہلی سورت یا آیات ہیں جو (آیت) "اقرأ باسم ربک الذی خلق" کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئیں انہیں آیات کے نزول پر آپ کے دور رسالت کا آغاز ہوا جبکہ اس سے قبل آپ وحی الہیہ اور نبی کی حیثیت میں تھے،

غار حرا میں ابتداء وحی اور بعثت کے بعد ایک مدت ایسی گزری جس میں کوئی وحی نہیں اتری آپ ﷺ منتھر و مشافق رہتے اور کبھی کبھی شدت شوق و انتظار میں مکہ کی آبادی سے باہر بھی نکل جائے تا آنکہ ایک دفعہ آپ نے آوازیں سنیں کہ کوئی آپ کو پکار رہا ہے آپ نے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سر بلند فرمایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا ایک کرسی پر ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اس نے آسمان کا کنارہ گھیر رکھا ہے اس کو دیکھ کر آپ پر رعب جاری ہو جیسے غار حرا میں نزول وحی سے ہیبت و کھپکی آپ ﷺ پر طاری ہوتی تھی اس طرح اس مرتبہ بھی پیش آئی اور آپ گھر واپس آ کر فرمانے لگے: دثرونی دثرونی۔ مجھے چادر اوڑھادو مجھے چادر اوڑھادو اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں: اَلْمَدَّيْنُورُ ثُمَّ قَانِذَرُ

نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کے لئے کمر بستہ ہونے کے حکم کے ساتھ چند اور بنیادی اصول بھی اس سورت مبارکہ میں

بیان فرماتے مبر و استقامت اور علم و درگزر کی ہدایت فرمائی گئی اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ مجرمین اس دھوکے میں نہ رہیں کہ ان کے جرم پر انکو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے یقیناً ان کو اپنے اس بے ہودہ کردار اور کفر و نافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اہل ایمان و طاعت خدا کے انعامات سے سرفراز کئے جائیں گے فرض اسی طرح کے مضامین کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کو بھی بیان فرمایا گیا۔

جن حضرات سے یہ منقول ہے کہ سورۃ مدثر اول ما نزل فی القرآن ہے اگلی نظر جابرؓ کی اس روایت پر ہے جس میں اس طرح بیان فرمایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جابرؓ نے فترت وحی یعنی غار حرا میں اقراء نازل ہونے کے بعد جو ایک مدت تقریباً پورے تین سال انقطاع وحی کی گزری اس کے بعد سب سے پہلے (آیت) ”یا ایھا الذر“ نازل ہونے والی آیات بیان کی ہیں چنانچہ امام بخاری نے باب بدء الوحی میں حضرت جابرؓ کی اس مجمل روایت کی وضاحت کر دی جس سے سورۃ مدثر کی اولیت نزول کا گمان کیا گیا اور یہ اس طرح واضح فرما دیا کہ: وهو یحدث عن فترۃ الوحی کہ جابرؓ فترت وحی کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جو آیات سب سے پہلے اتریں اور پھر نزول وحی کا سلسلہ پے در پے اور مسلسل جاری ہوا وہ آیات ہیں لہذا اب اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ سب سے پہلے اقراء نازل ہوئی یا: یٰٰایھا الذرؓ اور یہی کہا جائے گا کہ یہ امر اجماعی اور متفق علیہ ہے سب سے پہلے وحی غار حرا میں: اقراء باسم ربک الذی خلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اور پھر فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات: یٰٰایھا الذرؓ ہیں۔ اور حضرت جابرؓ اسی کو روایت کر رہے ہیں۔

یٰٰایھا الذرؓ

رسول اللہ ﷺ کو دینی دعوت کے لیے کھڑے ہو جانے کا حکم، اور بعض دیگر نصاب کا تذکرہ:

لفظ مدثر اصل میں متدثر تھا اس میں بھی تفاعل کی تامل سے بدل کر اسی میں مدغم ہو گئی، اصل مادہ دثر (دثر) ہے جس کا معنی کپڑا اور ڈھنے کا اور کپڑے میں لپٹنے کا ہے صحیح بخاری صفحہ ۲: ج ۱ میں حضرت عائشہؓ سے پہلی مرتبہ وحی آنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غار حرا میں عبادت کے لیے متعدد راتیں گزارا کرتے تھے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جایا کرتے تھے ایک دن فرشتہ آیا اس نے کہا اقراء کہ پڑھیے (آگے آپ کی زبانی بیان کیا) میں نے کہا ما انا بقاری کہ میں پڑھ ہوا نہیں ہوں اس پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے دہرایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ اقراء میں نے وہی جواب دیا: ما انا بقاری پھر اس نے مجھے دوبارہ پکڑ کر اسی قدر دہرایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی فرشتے نے تیسری مرتبہ پھر مجھے دہرایا اور چھوڑ دیا اور فرشتہ یوں عبارت پڑھتا چلا گیا: اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق رسول اللہ ﷺ نے یہ عبارت سن لی اور اس کو دہرایا، اس کے بعد آپ وہاں سے اپنے گھر تشریف لائے اس وقت دل کانپ رہا تھا، اپنی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد سے فرمایا زملونی زملونی (مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ) چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا، آپ تھوڑی دیر لیٹے رہے یہاں تک کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی اس کے بعد

بہت دن تک وحی نہیں آئی۔ بعض حضرات نے کہا تین سال تک وحی رکی رہی۔ (تسلطانی)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے فترۃ الوحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے یوں نقل کیا ہے کہ میں ایک دن جا رہا تھا میں نے آسمان سے آواز سنی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتے میرے پاس حرام میں آیا تھا وہی آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہو گیا میں واپس ہو کر گھر پہنچا اور وہی بات کہی کہ زلموں زلمونی مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں: **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ ۗ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۗ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۗ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۗ** اس کے بعد مسلسل وحی آنے لگی اور آتی رہی۔

(صحیح بخاری ص ۲۰۷)

مذکورہ بالا آیات میں رسول اللہ ﷺ کو اول تو **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** سے مخاطب فرمایا کیونکہ اس وقت آپ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔

اور سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا کہ **قُمْ فَأَنْذِرْ** یعنی کھڑے ہو جائے اسکے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا ہو اور مطلب یہ ہو کہ اب آپ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھالئے۔ فانذر انذارے مشتق ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانب بچھو اور آگے سے ڈراتا ہے انبیا کی یہی شان ہوتی ہے اسلئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔ نذیر کے معنی شفقت و ہمدردی کی بنا پر ہم چیزوں سے ڈرانے والا اور بشر کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ ﷺ کے بھی دونوں ہی لقب قرآن کریم میں مل جاتا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ اس وقت مومن مسلمان تو گئے چنے چند ہی تھے باقی سب منکرین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم فرمایا: **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** (اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے) یعنی اپنے رب کی عظمت اور کبریائی کا اعتقاد رکھیے اور اسے بیان بھی کیجئے۔ چنانچہ اللہ کی بڑائی بیان کرنا نماز کے شروع میں بھی شروع ہو گیا اور نماز کے انتقالات میں بھی ایڈتالی کی بڑائی بیان کی جاتی ہے بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا: **وَتِيَابَكَ فَطَهِّرْ** تیار ثوب کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثواب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خلق اور دین کو بھی، انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔ اس آیت میں حضرات مفسرین سے سبھی معانی منقول ہیں اور کہا ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے سبھی معنی مراد لئے جاویں تو کوئی بعد نہیں، اور معنی ان حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطن عقائد و خیالات سے اخلاق رذیلہ سے پاک رکھیے۔ پانچواں یا تہہ بند کو شیخوں سے نیچے لگانے کی ممانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آ گیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجات سے

رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ماحل حرام سے نہ بنائے جائیں کسی ایسی وضع و ہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ قطنیہ ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہننے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں۔ (از منظری)

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں۔

ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين

اور حدیث میں طہارت کو نصب ایمان قرار دیا ہے اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کو ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم یہ دیا گیا: وَالرُّجُزَ فَاهْجُزُوْهُ رَجَزٌ بَضْمٌ الرَّا كِرْهُا دُنُوْنَ كَيْ اِيك هِي مَعْنِي هِيْنَ۔ اكر تفسير مجاهد، عمره، تاده، زہری، ابن زید وغیرہ نے اس جگہ رجز کے معنی بتوں کے قرار دیئے ہیں اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد برگناہ اور مصیبت منقول ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ (مصیبت) کو چھوڑیے۔ رسول اللہ ﷺ تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اس کا حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور درحقیقت یہ حکم امت کے لئے تعلیم ہے جو غایت تاکید کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے کہ تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر مہموم کو بھی اس کا حکم ہے تو ہمیں اس کا کیسا اہتمام کرنا چاہیے۔

پانچواں حکم: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُوْا یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دے گا یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اس کا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا۔ (قال ابن عباس)

چھٹا حکم: وَلَا يَتَّبِعْ فَاَصْبِرْ صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اسلئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع نزع اور شکایت سے بچے اسلئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اسلئے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر و شرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مخالفت و عداوت اور ایذا و رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے داعی حق کو صبر و ضبط کا خوگر ہونا چاہئے۔ یہ چند احکام رسول اللہ ﷺ کو دینے کے بعد قیامت اور اس کے ہولناک ہونیکا ذکر ہے۔ ناقور کے معنی صور کے گھبراہٹ سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت دشت یہ ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اسکے عذاب شدید کا بیان ہے۔

قَادًا تُقِرُّ فِي النَّاقُورِ ۝

مکہ معظمہ کے بعض معاندین کی حرکتوں کا تذکرہ اور اس کے لیے عذاب کی وعید، عذاب دوزخ کیا ہے؟

معاہل القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۰: ج ۴ میں علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجد حرام میں تھا رسول اللہ ﷺ سے اس نے سورہ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جا کر کہا کہ اللہ کی قسم میں نے محمد ﷺ سے ابھی ابھی ایسا کلام سنا ہے جو انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے۔

اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کر لیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کر لیں گے، یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے کیا بات ہے تم تمکین نظر آ رہے ہو، ابو جہل نے کہا رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لیے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ تو نے محمد ﷺ کا کلام سنا ہے اور تو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قنفذہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بھی موجود ہوتا ہے اور تو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھا لیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بری لگی اور کہنے لگا کہ قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟ کیا قریش کو معلوم نہیں کہ میں ان سے بڑھ کر ہوں اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھیا بھی ہے جو ان کے پاس فاضل کھانا ہو (جس سے میں کھا لوں)۔

اس کے بعد ولید ابو جہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمد ﷺ دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں، پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ محمد ﷺ شاعر ہے کیا تم نے کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سنا ہے؟ کہنے لگے نہیں، کہنے لگا تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اس نے جھوٹ بولا ہو، سب نے کہا نہیں (ان لوگوں کی کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے تو خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے امین کا لقب دے رکھا تھا)۔

قریش نے ولید سے کہا تو تو بتا پھر کیا بات ہے اس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں سے میاں بیوی اور بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابو جہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے معلوم ہو جائے کہ تو اس شخص کا معتقد نہیں ہے ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تاکہ

میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادوگر ہے۔
ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا، کھیتی باڑی، دودھ کے جانور، پھلوں کا باغ، تجارت، غلام اور باندی کا مالک ہونا، ان سب چیزوں کا مفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے ان کی تعداد دس تھی اور جب اس کے سامنے جنت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ جنت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر آیات کا ترجمہ اور تفسیر ذہن نشین فرمائیے اول تو قیامت کا تذکرہ فرمایا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر سخت ہوگا جس میں ان کے لیے ذرا آسانی نہ ہوگی، اس کے بعد ایک بڑے معاند کٹر کافر یعنی ولید بن مغیرہ کا تذکرہ فرمایا۔
عَنْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝

یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسران فرشتے ہوں گے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام مالک ہے (حنبلیہ) حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لیے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی۔ کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل کر نہیں کر سکتے۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے لیے وہ مامور ہوا ہے۔ مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔ مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبرائیل چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی۔ اگر چہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ ٹھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا۔ دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لیے انیس قسم کے عذابوں کے لیے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء نے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحب کا کلام بہت عمیق و لطیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی جس میں انیس فرشتوں کا ذکر ہے تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہارا ناس ہو محمد رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں تو کیا تم پہلوان ہوتے ہوئے ان سے مار کھائے جاؤ گے کیا تم میں سے ہر دس آدمی ایک فرشتے کے لیے کافی نہ ہوں گے وہیں اسید بن کلدہ بھی ایک شخص موجود تھا اس نے کہا کہ سترہ فرشتوں سے تو میں نمٹ لوں گا دس میری پیٹھ پر سات میرے پیٹ پر ہوں تو میں نشتادوں گا اور باقی دو سے تم نمٹ لینا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے کہا کہ میں ہل صراط پر تمہارے آگے آگے چلوں گا دس فرشتوں کو داہنے

مونڈھے سے اور نو فرشتوں کو بائیں مونڈھے پر دھکیل دوں گا اور ہم پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: **وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً** نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے کارکن فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں تاکہ انسانوں پر قیاس کر کے کوئی شخص یوں نہ کہنے لگے کہ میں اتنے عدد سے نمٹ لوں گا۔ ہر فرشتے کی بہت زیادہ قوت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک فرشتے کی قوت تمام جنات اور انسانوں کے برابر ہے۔

(الدار المعمرہ صفحہ ۲۸۴: ج ۶)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام مکدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیوں تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں، یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے، یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا چنانچہ حضور ﷺ نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا، امام ابن اسحاق نے کشتی والا واقعہ رکابہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب کا بتایا ہے، میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہو) واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے، ایک طرف کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا، کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے، تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں مزید توانا ہو گئے حضور ﷺ کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا، اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا بیمار دل اور منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانوا ڈول ہو جاتے ہیں اللہ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے ہیں، تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھ بیٹا کہ بس انیس ہی ہیں، جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہات و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر صرف انیس کے کیا معنی؟ بخاری و مسلم کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی، مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چر چہار ہے ہیں اور انہیں چر چہانے کا حق ہے۔ ایک انگلی لگانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تم بہت کم ہنتے، بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے

ہاتھ لذت نہ پاسکتے بلکہ ہلکا یا دوزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ذرؓ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتاتے ہیں اور حضرت ابو ذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے، طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھریا پھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یار کوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکتی، البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا، آپ نے فرمایا آسمانوں کا چرچہ بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچہ اہٹ پر ملامت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں، دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو، اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے: (وَمَا مِثْقَالَ آتَانَةٍ مَقَامًا مَّغْلُومًا) (المعات: ۱۷۳) یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں، اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے، دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے، ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے

كَلَّا اسْتَفْتَاخٍ بِمَعْنَى الْاَلَا وَالْقَمِيرِ ۝ وَالْيَلِيلِ اِذَا بَفِثَحِ الدَّالِ اَدْبَرَ ۝ جَاءَ بَعْدَ التَّهَارِ وَفِي قِرَاءَةِ اِذَا اَدْبَرَ بِسُكُونِ الدَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ اَي مَضَى وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ ۝ ظَهَرَ اِنَّهَا اَي سَقَرَ لِاحْدَى الْكَبْرِ ۝ الْبَلَا يَا الْعِظَامِ نَدِيرًا ۝ حَالٌ مِنْ اِحْدَى وَذِكْرٌ لِاَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ لِلْبَشْرِ ۝ لِيَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشْرِ اَنْ يَتَّقَدَّمَ اِلَى الْخَيْرِ اَوِ الْجَنَّةِ بِالْاِيْمَانِ اَوْ يَتَّخِرَ ۝ اِلَى الشَّرِّ اَوِ النَّارِ بِالْكَفْرِ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً ۝ مَرْهُوْنَةٌ مَا خُوْذَةُ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ اِلَّا اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ ۝ وَهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ فَخَاجِرُوْنَ مِنْهَا كَاثِنُوْنَ فِي جَنَّتٍ لِيَتَسَاءَلُوْنَ ۝ بَيْنَهُمْ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَحَالُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ لَهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْمُؤَخَّرِيْنَ مِنَ النَّارِ مَا سَأَلْتُمْ اَدْخَلْتُمْ فِي سَقَرٍ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَ لَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْيَسْكِيْنَ ۝ وَ كُنَّا نَحْوُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَاطِيْنَ ۝ وَ كُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ لَبِثْنَا وَالْجَزَاءِ حَتَّى اَتَيْنَا الْيَقِيْنَ ۝ الْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّفِيعِيْنَ ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

وَالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مَبْتَدَأُ لَهُمْ خَيْرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمُحْذَوْفٍ انْتَقَلَ ضَمِيرُهُ
إِلَيْهِ عَنِ التَّنْذِيرَةِ مُعْرِضِينَ ۞ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱
الْإِنْعَاطُ كَأَنَّهُمْ حُضِرُوا مُسْتَنْفِرَةً ۞ وَحَشِيْبَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۞ أَسَدُ أَي هَرَبَتْ مِنْهُ أَشَدُّ الْهَرَبِ بَلْ
يُرِيدُ كُلُّ أَمْرٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنْشَرَةً ۞ أَي مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِإِتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَمَا قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَزْرُؤُهُ كَلَامًا ۞ رَدَعُ عَمَّا أَرَادُوهُ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۞
أَي عَذَابِهَا كَلَامًا اسْتِفْتَاخَ إِنَّهُ أَي الْقُرْآنَ تَذَكَّرَةُ ۞ عِظَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهَا ۞ فَزَاهَا فَاتَّعِظْ بِهِ وَمَا
يَذْكُرُونَ بِالْبَيَاءِ وَالنَّاءِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى بِأَنْ يَتَّقِيَ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۞ بِأَنْ يُغْفَرَ
لِمَنْ اتَّقَاهُ

ترجمہ: سچ (کلام استفتاح کے لئے بمعنی الّا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتح کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قرأت میں اذا در سکون ذال کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہو جائے کہ وہ (دوزخ بڑی بھاری چیز) مصیبت ہے جو بڑا ڈرا دے (نذیرا، احدی سے حال ہے اور مذکور اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لاکر) یا پیچھے کو بٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے مجوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر اپنے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پا کر) بہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ چگھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اور ان کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغولوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغولہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث و جزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی۔ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) تو ان کو کیا ہوا کہ (آابتداء لہم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ کشی کر کے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوڑے جارہے ہیں۔ بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوٹھے دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف

سے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔ لن نؤمن لك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤہ (ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں) (استفتاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے (پڑھ کر عبرت حاصل کر لے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے (یا اور تا کے ساتھ قرأت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے)

کلمات تفسیریہ کی توجیہ و تشریح

- قولہ: كَلَّا: یہ ابتداء کلام کے لیے آیا ہے۔
 قولہ: إِلَّا: یہ تنبیہ کے لیے ہے۔
 قولہ: إِذْ أَدْبَرَ: اور دبر کا ایک معنی لوٹ جانا۔
 قولہ: جَاءَ: یعنی جب وہ آتے۔
 قولہ: مَضَى: جاتے۔ اذماضی کے لیے آتا ہے۔
 قولہ: إِنَّهَا: یہ جملہ جواب قسم ہے۔
 قولہ: مَرْهُونَةٌ: یہ مصدر ہے۔ فعیل بمعنی مفعول مذکر و مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔
 قولہ: إِلَّا أَصْحَابٌ: یہ ذوالحال ہے۔
 قولہ: بِئْسَ مَا لَنَا: یہ حال ہے۔
 قولہ: الشُّفْعَانِ: اگر وہ ان کے حق میں شفاعت کریں۔ یہ مخدوف سے متعلق ہے۔ اور وہ ثابت ہے۔
 قولہ: صُحُفًا: کاغذات۔
 قولہ: حَتَّىٰ نُتْرَلْ: یہاں تک کہ ہر ایک ہم میں سے۔ ایک کتاب آسمان سے لائے کہ تم محمد ﷺ کی اتباع کرو۔
 قولہ: بَلْ لَا يَخَافُونَ: اسی وجہ سے انہوں نے تذکرہ سے اعراض کیا۔
 قولہ: قَرَأَهُ: شَاءَ کا مفعول ہے۔
 قولہ: فَاتَّعِظْ: یہ ذکر کا تفسیر ہے اور فَمَنْ شَاءَ کی جزاء ہے۔
 قولہ: بِأَن يَتَّقِي: یعنی اس کی سزا سے جو اس کے لائق ہے۔
 قولہ: بِأَن يُعْفِرَ: یعنی اس کو لائق ہے کہ وہ بخش دے۔

تفسیر مقبولین

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ چاند کی اور رات کی اور صبح کی قسم یہ دوزخ (جس کا ادھر سے ذکر چلا آ رہا ہے) بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک چیز ہے اس کے عذاب کو معمولی نہ سمجھا جائے اسی دنیا میں رہتے ہوئے جو اس کی خبر اللہ کی کتاب نے دی ہے یہ خبر سچی ہے اور اس کا بیان کرنا اس لیے ہے کہ انسان اس کے اخبار اور احوال سن کر خوف کھائے۔ (قال القرطبی منہ ۵۸: ۱۹ ج) و ذکر، لان معناه معنى العذاب، او اراد ذات انذار على معنى النسب كقولهم امرأة طالق و طاهر وقال الخليل: النذير مصدر كالنكير ولذلك يو صف به المؤمنون۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝

جیسے کوئی شخص کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیتا ہے پھر اسے چھڑا نہیں سکتا۔ جب تک وہ مال ادا نہ کر دے جس کے عوض چیز رہن رکھی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص کا عمل روکے رکھے گا یعنی حساب کتاب ہوگا اہل کفر اور اہل شرک کا جرم چونکہ سب سے بڑا ہے اس لیے اہل کفر اور اہل شرک اپنے اس جرم کی وجہ سے ہمیشہ ہی مجبوس رہیں گے۔ انہیں کوئی عمل کوئی فدیہ کوئی سفارش دوزخ سے نہ چھڑا سکے گی، اب رہے وہ لوگ جو مومن تھے لیکن اعمال صالحہ بھی کیے اور برے اعمال کا ارتکاب بھی کر لیا تو یہ لوگ نیکیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے اور بہت سے لوگ شفاعتوں سے اور بہت سے لوگ حقوق العباد ادا کر کے اور بہت سے لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و مغفرت کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے جن کی نیکیوں کے اعمال نامے بھاری ہوں گے وہ لوگ نجات پائیں گے اور جن لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق تھے وہ حقوق کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے ان کی نیکیاں اصحاب حقوق کو دے دی جائیں گی اگر حقوق ادا کرنے سے پہلے نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان پر اصحاب حقوق کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے پھر دوزخ میں داخل دیا جائے گا۔

(رواہ مسلم کما حدیث القصاص فی المظلومة صفحہ ۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ اپنے بندوں کو جمع فرمائے گا جو ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے پھر ایسی آواز سے ندا دیں گے جسے دور والے ایسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے سنیں گے اور اس وقت یہ فرمائیں گے کہ میں بدلہ دینے والا ہوں، میں بادشاہ ہوں (آج) کسی دوزخی کے حق میں یہ نہ ہوگا کہ دوزخ میں چلا جائے اور کسی جنتی پر اس کا ذرا بھی کوئی حق ہو اور یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی جنتی جنت میں چلا جائے اور کسی دوزخی کا اس پر کوئی حق ہو جب تک کہ میں صاحب حق کو بدلہ نہ دوں حتیٰ کہ ایک چپت بھی ظلماً مار دیا تھا تو اس کا بدلہ بھی دلا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بدلہ کیسے دلا یا جائے گا؟ حالانکہ ہم ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی

اتھد ہوں گے، جو اب اس دور عالم کے لئے پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ نیکیوں اور برائیوں سے لین دین ہوگا۔

(قال فی التزیب صفحہ ۴۰، ۴۱: ج ۴ رواہ احمد باسناد حسن)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے زرخیز غلام کو ظلماً ایک کوڑا بھی مارا تھا قیامت کے روز اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ حضور رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اگر) والدین کا اپنی اولاد پر قرض ہوگا تو جب قیامت کا دن ہوگا وہ اپنی اولاد سے الگہ جائیں گے (کہ ہمارا قرض ادا کرو) وہ جواب دے گا کہ میں تو تمہاری اولاد ہوں (وہ اس کا کچھ اثر نہ لیں گے اور مطالبہ پورا کرنے پر اصرار کرتے رہیں گے، بلکہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش اس پر ہمارا اور بھی قرض ہوتا۔) (التزیب والتریب صفحہ ۴۰، ۴۱: ج ۴ از طبرانی باسناد ضعیف)

فِي جَنَّتٍ يُكْتَسَأُ لَوْنٌ ۝

جنتیوں اور روزخیوں میں گفتگو ہوگی:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھ ہوئے جنہیں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا بغیر علم کے جو زبان پر آیا جکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آگئی، یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں: **وَاعْبُدْنَا رَبَّنَا كَمَا عَبَدْتَ رَبَّنَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ** (الحج: ۱۹) یعنی موت کے وقت تک اللہ کی عبادت میں لگا رہو اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے، اب اللہ مالک الملک فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہو جاتی ہے جہاں عمل شفاعت ہو لیکن جن کا دم ہی کفر پر لٹکا ہوا ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے (ہاویہ) میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے کہ کوئی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے مت پھیرا ہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے، فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں (قصورہ) کہتے ہیں اور منطقی زبان میں رویا۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص پر علیہہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے آیت: **عَلَى كُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُم مَّا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ** (الانعام: ۱۲۳) یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو پھر ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت وموعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل

کر لے اور نصیحت پکڑ لے، جیسے فرمان ہے آیت: وَمَا تَقَاؤُنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (الکوہ: ۲۹) - یعنی تمہاری چاہتیں اللہ کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے، مسند احمد میں ہے رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھے سے ڈرا جائے۔ در میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا، ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے

سورة القيمة

سورة القيمة
۴۵ مکینہ ۳۱
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
انہا ۳۰
تجویدها ۲

۱۷۱ نام کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چالیس آیتیں اور ذکر اور ہیں

لَا زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضِعَيْنِ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ الَّتِي تَلُومُ نَفْسَهَا
 وَإِنْ اجْتَهَدْتَ فِي الْإِحْسَانِ وَجَوَابِ الْقَسْمِ مَحْذُوفِ أَيْ لِكَبْعَثُنْ دَلَّ عَلَيْهِ أَيُّحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَيْ
 الْكَافِرُ أَلَنْ تُجَمِّعَ عِظَامَهُ ۝ لِلْبَعْثِ وَالْإِحْيَاءِ بَلَى نَجْمَعُهَا قَدِيرَيْنِ مَعَ جَمْعِهَا عَلَى أَنْ نَسْوَى
 بِنَانَهُ ۝ وَهُوَ الْأَصَابِعُ أَيْ تُعِيدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيرَةِ بَلَى يُرِيدُ الْإِنْسَانُ
 لِيُفَجِّرَ الْأَلَامَ زَائِدَةً وَنَضْبَهُ بِأَنْ مُقَدَّرَةٌ أَيْ أَنْ يَكْذِبَ أَمَامَهُ ۝ أَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دَلَّ عَلَيْهِ يَسْئَلُ آيَاتَانَ
 مَشَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝ سَوَّالٍ اسْتَهْزَأِي وَتَكْذِيبٍ قَدْ أَبْرَقَ الْبُصْرُ ۝ بِكُشْرِ الزَّوَاهِ وَفَتْحِهَا ذَهَبٌ وَتَهْجِيرُ
 لِمَا زَايَ مِمَّا كَانَ يُكْذِبُ بِهِ وَحَسَفَ الْقَمَرُ ۝ أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْؤُهُ وَجَمِيعَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ۝
 نَطْلَعًا مِنَ الْمَغْرِبِ أَوْ ذَهَبَ ضَوْؤُهُمَا وَذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَقَرُّ ۝
 الْفِرَارُ كَلَّا رِدْعٌ عَزُفٌ طَلِبُ الْفِرَارِ لَا وَرَرَ ۝ لَا مَلْجَأَ يَتَحَصَّنُ بِهِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْبُاسِقَرُ ۝ مُسْتَفْزَرُ
 الْغَلَاتِ فِي حَاسِبُونَ وَيَجَاوُونَ يُدَبُّوا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَآخَرَ ۝ بِأَوَّلِ عَمَلِهِ وَآخِرِهِ بَلَى
 الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهُ بِعَمَلِهِ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ جَزَائِهِ وَكَو
 الْقُلُوبَ مَعَاذِيرَةً ۝ جَمْعُ مَعْدَرَةٍ عَلَى غَيْرِ فَيَأْسِ أَيْ لَوْجَاءِ بِكُلِّ مَعْدَرَةٍ مَا قَبِلْتُ مِنْهُ قَالَ تَعَالَى لِيَسِبْهُ لَا
 تُعْرَبُ بِهِ بِالْفُرَانِ قَبْلَ فِرَاعٍ جَنْزِيلٍ مِنْهُ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ خَوْفٌ أَنْ تُنْفَلَكَ مِنْكَ إِنَّ عَلَيْنَا
 جَمْعَهُ فِي صُدْرِكَ وَقُرْآنَهُ ۝ قِرَاءَةٌ تُكْرِمُهَا أَيْ جَزَائُهُ عَلَى لِسَانِكَ فَإِذَا قَرَأْتَهُ عَلَيْكَ بِقِرَائِهِ

جِبْرِیلُ فَاتَّبَعَ قُرْآنَهُ ۝ اَسْمِعْ بِرَأْسِهِ فَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا
 بَيِّنَاتَهُ ۝ بِالتَّفْهِيمِ لَكَ وَالْمُنَاسِبَةِ بَيْنَ هَذِهِ الْآيَةِ وَمَا قَبْلَهَا إِنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتْ الْإِعْرَاضَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ
 تَعَالَى وَهَذِهِ تَضَمَّنَتْ الْمِتَادِرَةَ الَّتِي بِهَا يَحْفَظُهَا كَلَّا اسْتِفْتَاخَ بِمَعْنَى الْآبِلِ تُجْبُونَ الْعَاجِلَةَ ۝ الدُّنْيَا
 بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَتَذَكَّرُونَ الْآخِرَةَ ۝ فَلَا تَعْمَلُونَ لَهَا وَجْوهَ يَوْمَئِذٍ أَيُّ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ
 كَأَضْرَةٍ ۝ حَسَنَةٌ مُضِيئَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِقَةٌ ۝ وَوَجْوهَ يَوْمَئِذٍ بِآسِرَةٍ ۝ كَالْحِجَةِ شَدِيدَةُ الْعَبُوسِ
 نَظُنُّ نَوْفِنُ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقْرَأْ ۝ ذَاهِبَةٌ عَظِيمَةٌ تُكْسِرُ فِقَارَ الظَّهْرِ كَلَّا بِمَعْنَى الْآ إِذَا بَلَغَتِ
 النَّفْسُ التَّرَاقِي ۝ عِظَامُ الْخَلْقِ وَقِيلَ فَإِنَّ مِنْ حَزَلِهِ مَنْ رَاقٍ ۝ يُزِقُّهُ لِيَشْفَى وَظَنَّ أَيُّ مَنْ
 بَلَغَتْ نَفْسَهُ ذَلِكَ أَكَلَهُ الْفِرَاقُ ۝ فِرَاقُ الدُّنْيَا وَالتَّقَاتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ۝ أَيُّ الْإِحْدَى سَاقِهِ
 بِالْأُخْرَى عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ تَقَاتِ شِدَّةِ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ إِقْبَالِ الْآخِرَةِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ السَّاقِ ۝

ترجمہ: (دونوں جگہ لازم ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے
 اوپر ملامت کرے (باوجود تنگی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جو اب قسم مہذوف ہے۔ یعنی
 "التبعین" جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں
 گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جلانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے
 کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کر دیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک
 کر دیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زائد ہے اور ان مقدر
 کے ذریعہ منسوب ہے۔ تقدیر عبارت ان سیکدب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراد قیامت ہے۔ جیسا کہ اگلے
 جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں
 چکا چوند ہو جائیں گی (برق راء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہٹکا بٹکارہ جائے
 گا) اور چاند بے نور ہو جائے گا (اندھیرا ہو جائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہو جائیں
 گے (چنانچہ پچھتم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ
 اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا
 کوئی ٹھکانہ نہیں ہے) صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے (مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہو
 گی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت پر

خوب مطلع ہوگا) اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرت میں وہ مبالغہ کے لئے ہے۔ بہر حال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگرچہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی کچھ کارگر نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبر! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرئیل کے قرآن سنانے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جلدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھو دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کر کے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرئیل سے پڑھو کر) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی جبرئیل کی قرأت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضور سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے (آپ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھا اور اس آیت میں ان کو حفظ کر کے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے مکروہ! ہرگز نہیں (کلا یعنی الاکلمہ استفتاح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تروتازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پیلے بے حد پڑمردہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کر رہے ہوں گے ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھکے کا جس سے کمر کا منکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا یعنی اللہ) جب جان ہنسی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے (ارد گرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہو جائے) اور وہ گمان کر لیتا ہے (جس کا سانس ہنسی تک آ جائے وہ یقین کر لیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہوتا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلنے وقت پنڈلی ایک دوسرے پر چڑھتی ہے۔ یا دنیا سے روانگی اور آخرت کی آمد کی شدتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز ترے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق یعنی سوچ ہے۔ یہ جملہ اذاکے عامل پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف روانگی شروع ہو جاتی ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: الکافر: یہ عدی بن ربیعہ تھا جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا۔
 قولہ: قَدِرَیْن: یہ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہے۔ جوئی کے بعد مقدر ہے۔
 قولہ: بَلْ یُرِیدُ: یہ اسحب پر اس کا عطف ہے۔ یہ استفہام بھی ہو سکتا ہے۔
 قولہ: لِیَفْجُرَ: وہ اپنے آئندہ زمانے میں لجور پر باقی رہے۔
 قولہ: دمش: حیران ہونا۔

قوله: لِنَارِ اِي: بگہرا کر۔

قوله: اَيْنَ الْبَقَرِ: یہ مصدر بھی ہے۔

قوله: لَا وَزْرَ: یہ وزر سے مستعار لیا گیا اسی کو کہتے ہیں۔

قوله: غَيْرِ قِيَامٍ: مَعَاذِ بِيْرَةَ۔ قیاس تو معاذ ہے۔

قوله: بِكُلِّ مَعْذَرَةٍ: بمعنی عذر۔

قوله: اَنْ يَنْفَلَتْ: اچانک کسی چیز سے چھوٹنا۔

قوله: بَيَانُهُ: اس کی وضاحت جو تم پر مشکل ہو۔

قوله: نَاضِرَةً: اس کے دیدار میں مستغرق ہوں گے۔

قوله: كَالْحَاةِ: ترش روئی والے۔ الْعَبْوِيْسُ: ترش روئی کرنا۔

قوله: ذَاهِيَةٌ: بڑی مصیبت۔

قوله: فَتَارَ الظُّهْرِ: پشت کے مہرے۔ کندھے سے؟؟ تک۔

قوله: التَّقَاتِ: لپٹنا۔ مراد شدت ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں احوال قیامت کا ذکر ہے اور وہ دلائل قاطعہ اور واضح بعث و نشر کے ثابت کرنے کے لیے ذکر فرمائے گئے جن کو سن کر ہر شخص عقل و فطرت کی رو سے مجبور ہے کہ وہ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لائے۔

ایمان بالآخرت دین اسلام کی بنیاد ہے تو اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال بیان کیے گئے اور یہ کہ انسان پر جب سکرات موت طاری ہونے لگتے ہیں تو اس پر کس طرح کی بے چینی اور کرب واقع ہوتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہ قیامت برپا فرمائیں گے تو نظام عالم اور آسمان وزمین اور چاند و سورج کس طرح درہم برہم کر دیئے جائیں گے خدائے تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح انکی قبروں سے اٹھائے گا اور کس طرح وہ اپنی عظیم قدرت سے جسم کے اجزائے منتشرہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی ہڈیوں کو جوڑے گا۔

پھر جب میدان حشر میں حاضری ہوگی تو انسان اپنے اعمال پر کیسا پچھتائے گا اور نامہ اعمال اسکے سامنے ہوں گے اس کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی کتاب اعمال خود پڑھے ان اہم مضامین کو بیان کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں پھر ایک بار انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کیا گیا۔

لَا اُقْسِمُ بِبُورِ الْقَيْمَةِ ۝

مشرکین و قورع قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ مردہ ہڈیوں میں جان کیسے پڑے گی؟ اور ہڈیاں کیسے جمع کی جائیں گی اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عدی بن ربیعہ ایک آدمی تھا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا

اے مجھے بتادیتے قیامت کب ہوگی کیسے ہوگی کیا کیا احوال گزریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے قیامت کا حال بتا دیا وہ سن کر کہنے لگا کہ اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور تم پر ایمان نہ لاد گا مگر اس صورت میں کہ اللہ ہڈیوں کو جمع فرمادے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے انکار کے طور پر یوں کہا تھا کہ کیا محمد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہڈیاں جب مگل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمادے گا؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی اور قیامت کے دن کی اور ایسے نفس کی قسم کھائی جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی گناہ ہو جانے پر نادم ہو اور نیکی کر کے بھی اپنے نفس پر ملامت کرے کہ اس میں اخلاص کی یا فلاں فلاں آداب کی کمی رہ گئی، جواب قسم لتبطن مخدوف ہے یعنی قیامت کے دن کی اور اس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم قیامت کے دن ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے۔

يَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

یعنی اس روز انسان کو جتلا دیا جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا:

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کر لیا وہ آگے بھیج دیا، اور جو نیک یا بد مذید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ما قدم سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کر گزرا اور م آخر سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کر سکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کر دی۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَ لَوْ لَاقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۚ

بصیر اور بصیرت کے معنی دیکھنے والے کے بھی آتے ہیں اور بصیرت کے معنی حجت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے قد جا کم بصائر من ربکم اسمیں بصائر بصیرت کی جمع ہے اور معنی اسکے حجت کے ہیں اور معاذیر بمعنی عذر کی جمع ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ عدالت کے ضابطہ کی رذ سے انسان کے سارے اعمال محشر میں اس کو ایک ایک کر کے بتلائے جاویں گے مگر درحقیقت اس کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو خوب جانتا ہے خود اس کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا کام کئے، نیز یہ کہ محشر میں تمام اپنے اعمال نیک و بد کا مشاہدہ بھی اس کے سامنے ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: ووجدوا ما عملوا حاضرا

یعنی جو عمل انہوں نے دنیا میں کیا تھا اس کو محشر میں حاضر و موجود پائیں گے اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے یہاں جس انسان کو اپنے نفس پر بصیرہ فرمایا اس کا یہی حاصل ہے۔

اور اگر بصیرہ کے معنی حجت کے لئے جاویں تو معنی یہ ہیں کہ انسان خود اپنے نفس پر حجت و دلیل ہو گا وہ انکار بھی کرے گا تو اس کے اعضا اقرار کریں گے مگر انسان اپنے جرائم و تفسیرات کو جاننے کے باوجود عذر تراشی نہ چھوڑے گا اپنے کئے کا عذر بیان کرتا ہی رہے گا یہ معنی ہیں: وَ لَوْ لَاقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۚ کے۔

لَا تُعْرَضُ بِهِ سَانَكَ لِتُعْجَلَ بِهِ ۝

حفظ قرآن، تلاوت و تفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ:

یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں، آنحضور ﷺ اس کو اخذ کرنے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرأت میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے، پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں، پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ داری بھی ہم ہی پر ہے، پس کاپلی حالت یاد کرانا، دوسری تلاوت کرانا، تیسری تفسیر، مضمون اور توضیح مطلب کرانا تینوں کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی، جیسے اور جگہ ہے آیت: وَلَا تُعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (ط: ۱۱۳) یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر، ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہے، پھر فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جم کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد ہوگا اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کی معنی مطالب تعین و توضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اسی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے، مسند میں ہے حضور ﷺ کو اس سے پہلے وحی کو دل میں اتارنے کی سخت تکلیف ہوتی تھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ملتے جاتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباس راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعید نے بھی اپنے استاد کی طرح ہا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرنا ہمارے سپرد ہے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہے جبرائیل کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے، بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے، بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے، ابن ابی حاتم میں بھی بدروایت ابن عباس یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں،

آخر میں فرمایا: ثُمَّ إِنَّ عَيْنِنَا بَيَّانَةٌ ۝ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ نگر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں کہ نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے اس کا بتلانا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے ہم قرآن کے ہر ہر لفظ اور اس کی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔ ان چار آیتوں میں قرآن اور اس کی تلاوت وغیرہ کے متعلقہ احکام بیان کرنے کے بعد آگے پھر قیامت کے احوال و احوال ہی کا بقیہ تذکرہ آتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چار آیتوں کا اگلی پچھلی آیتوں سے ربط اور جوڑ کیا ہے۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ چار آیتوں سے پہلے جو قیامت کے حالات میں اس کا بیان ہے

کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ ایک ایک انسان کو جس کیفیت جس شکل و صورت میں وہ پسے تھا اسی میں دوبارہ پیدا فرمادیں گے یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو اور ان پر بنے ہوئے امتیازی خطوط و نشانات کو بھی بالکل پہلے جیسا بنا دیئے گئے اس میں سو فرق نہ ہوگا یہ جیسی ہو سکتا ہے کہ ذات حق تعالیٰ کا علم بھی بے انتہاء ہے اور اس کا احصار اور محفوظ رکھنا بھی بے مثال ہے۔ اس کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ کو چار آجوں میں یہ تسلی دی گئی کہ آپ تو بھول بھی سکتے ہیں نقل میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان سب سے بالا و برتر ہیں ان چیزوں کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اس لئے آپ قرآن کے کلمات کو محفوظ رکھنے یا ان کے معانی سمجھنے میں غور کرنے کی زحمت چھوڑ دیں، یہ سب کام حق تعالیٰ خود انجام دیا گئے۔

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝

یہاں موت کا اور سکرات کی کیفیت کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ (کلا) کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے یہ درست نہیں بلکہ ان کے عقبات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو (حقا) کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے زخروں تک پہنچ جائے (تراتی) جمع ہے (ترقوة) کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور موٹھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (انوار: ۸۳) فرمایا ہے یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم حکم الہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا ماتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن جراح کی روایت سے سورۃ یسین کی تفسیر میں گذر چکی ہے، (تراتی) جو نیا ہے (ترقوة) کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو (حلقوم) کے قریب ہیں اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی مٹی طیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون ہے؟ گارنت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی سے پنڈلی کے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی اور نکت ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو، دوسرا مطلب حضرت عکرمہ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے، تیسرا مطلب حضرت حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے کہ خود مرنے والے کو سب تراری شدت درد سے پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے۔ پہلے تو ان بیروں پر چلتا پھرتا تھا اب ان میں جان کہاں؟ اللہ یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا ل جانا مراد ہے، چوتھا مطلب حضرت ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام بلا طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ اب لسنے ترار پانے رہنے سہنے پہنچ جانے کھج کر اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی

ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف واپس لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کرے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا، جیسے کہ حضرات براء کی مطول حدیث میں آیا ہے، یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے آیت: **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً نَّحْتَىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ** (الانعام: ۶۱) وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔

آيِ السَّوۡرِ وَهٰذَا يَدۡلُّ عَلٰى الْعَامِلِ فِيۡ اِذَا الْمَعۡنٰى اِذَا بَلَغَتِ النَّفۡسُ الْحُلُقُوۡمَ تُوۡسِقُ اِلَىٰ حُكۡمِ رَبِّهَا وَلَا صَدَقَ الْاِنۡسَانُ وَلَا صَلَّى ۙ اٰی لَمْ یُصَدِّقْ وَلَمْ یُضَلِّ وَلَٰكِنۡ كَذَّبَ بِالْقُرۡاٰنِ وَتَوَلَّى ۙ عَنِ الْاِیۡمَانِ ثُمَّ ذَهَبَ اِلَىٰ اَهۡلِهِ یَسۡتَظۡلِ ۙ یَسۡخَرُوۡنَ فِیۡ مَسۡجِدِیۡهِ اِعۡجَابًا اَوَّلٰی لَكَ فِیۡهِ الْبَغٰثُ عَنِ الْغَیۡبِۜ وَالکَلِمَةُ اِسْمُ فِعۡلٍ وَاللَّامُ لِلتَّجۡسِیۡنِ اٰی وَلِیۡکَ مَا تَكۡتُمُهٗ فَاَوَّلٰی ۙ اٰی فَهٰذَا اَوَّلٰی بِکَ مِنْ غَیۡرِکَ ثُمَّ اَوَّلٰی لَكَ فَاَوَّلٰی ۙ تَاکِیۡدٌ اِیۡحَسَبُ یَظُنُّ الْاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتَرَکَ سُدٰی ۙ هَمَلًا لَا یُکَلِّفُ بِالشَّرَایِعِ اٰی لَا یُحَسَبُ ذٰلِکَ اَلَمۡ یَکُ اٰی کَانَ لُطْفَةً مِّنۡ مَّعۡنٰی یُمْنٰی ۙ بِالْبِیۡاِ وَالنَّاءِ تُضَبُّ فِی الرَّحِمِ ثُمَّ کَانَ الْمَیۡنِ عِلَقَةٌ فَخَلَقَ اللّٰهُ مِنْهَا الْاِنۡسَانَ قَسَوٰی ۙ عَدَلٌ اَعۡضَاۡئِهٖ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنَ الْمَیۡنِ الَّذِیۡ ضَارَ عِلَقَةٌ اٰی قِطْعَةٌ دَمٍ ثُمَّ مُضَغَةٌ اٰی قِطْعَةٌ لَحۡمِ الزَّوۡجِیۡنِ التَّوَعِّیۡنِ الذَّکَرِ وَالْاُنثٰی ۙ یَجۡتَمِعَانِ نَارَهُ یُجۡع وَیُتَفَرَّدُ کُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الْاٰخِرِ نَارَهُ الْاَیۡسَ ذٰلِکَ الْفِعَالُ لِیَهۡذِهِ الْاَشۡیَاءُ بِقَدْرِ عَلٰی اَنۡ یُّحۡجِیَ السَّوۡرِ ۙ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ بَلٰی

تو کچھ پہنچا: تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن کی) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) منہ موزا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ ناز و انداز سے چلتا تھا) تیری کم بختی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولی اسم فعل ہے اور لام بیانیہ ہے۔ یعنی تیری شامت آگنی) کم بختی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے (یہ تاکید ہے) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا جو چپکا یا گیا تھا۔ (یا اور تا)

کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکایا گیا) پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس انسان) بنایا، پھر اعضائی (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس منی کی جو علقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضمغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہو گئی تھی) دو قسمیں (نوعیں) کر دیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **يَبْخُتُو**: تکبر کرنا۔
 قوله: **رَاغِبًا**: تکذیب پر خود پسندی کرتے ہوئے۔
 قوله: **وَالْكَلِمَةُ**: آؤلی۔ یہ ولی بمعنی قرب سے ماخوذ ہے۔ اسی **أُولَى لَكَ** مانکرہ ہے۔ یعنی یہ ہلاکت دوسری کی نسبت تیرے زیادہ لائق ہے۔
 قوله: **الْإِنْسَانُ**: ضمیر مذکور انسان کے لیے ہے۔
 قوله: **وَالنَّاءِ**: تو ضمیر نطفہ کی طرف اور یا ہو منی کی طرف۔
 قوله: **عَلَقَةً**: جما ہوا خون۔

تفسیر مقبولین

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۞

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ: **فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۞** کی ضمیر ابو جہل کی طرف راجع ہے (اور اگر کافروں کا ہر سرغنے مراد لیا جائے تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں ہے کیونکہ کفر کے مردار اور چودھری اسی مزاج کے ہوتے ہیں جس کا یہاں تذکرہ فرمایا ہے) **فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۞** (سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی)۔ **وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۞** اور لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ **ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَسِلُ ۞** پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اڑتا ہوا چلا گیا۔

جن کا منکبرانہ انداز ہوتا ہے ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنی چال ڈھال سے تکبر ظاہر کرتے ہیں اکڑتے کڑتے اتراتے ہوئے چلتے ہیں جب کسی نے کوئی حق بات کہی اور حق کی دعوت دی تو اسے ٹھکرا کر منہ موڑ کر منکبرانہ چال سے گزر جاتے ہیں اور جب مجلس سے اٹھ کر گھر میں جانے لگیں تو ان کی منکبرانہ رفتار کا پوری طرح مظاہرہ ہو جاتا ہے۔
أُولَى لَكَ فَأُولَى ۞

لفظ اولیٰ وکیل کا مقلوب ہے۔ وکیل کے معنی ہلاکت اور بربادی ہیں یہاں اس شخص کے لئے جس نے کفر و تکذیب ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور دنیا کے مال و دولت میں مست رہا پھر اسی حال پر مر گیا اسکے لئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا کہ مرنے کے وقت پھر مرنے کے بعد قبر میں پھر حشر و نشر کے وقت پھر جہنم میں داخلے کے وقت یہ مصیبت و بربادی تیر حصہ ہے۔

أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُخَيَّرَ الْمَوْتَىٰ ۗ

یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضہ قدرت میں موت و حیات اور سارا جہان ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ قیامت کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئے: بلی وانا علیٰ ذلک من الشہدین۔ یعنی بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور میں بھی ان لوگوں میں داخل ہوں جو اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی الفاظ سورۃ التین کی آخری: الیس اللہ باحکم الحکمین پڑھنے کے وقت بھی کہنے کی تعلیم کی دی گئی ہے اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سورۃ مرسلت کی اس آیت پر پہنچے فسبأی حدیث بعدہ یومنون تو اس کو امان باللہ کہنا چاہئے۔

سُورَةُ الدَّهْرِ

سُورَةُ الدَّهْرِ ۹۸ آيَاتٌ مَدَنِيَّةٌ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں اور درود کرو

هَلْ نَدَّأْنِي عَلَى الْإِنْسَانِ اذْمَ حِينٍ مِّنَ الدَّهْرِ اَوْ يَبْعُونَ سَنَةً لَّمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ كَانَ فِيهِ
مُضَوَّرًا مِّنْ طِينٍ لَا يُذْكَرُ اَوْ الْمُرَادُ بِالْإِنْسَانِ الْجِنْسِ وَبِالْحِينِ مَدَّةَ الْحَمَلِ اِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ
الْجِنْسَ مِنْ نُّطْفَةٍ اُمَّشَاجٍ ۝ اَخْلَاطٍ اَيُّ مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلَطِينَ الْمُعْتَرَجِينَ تَبْتَلِيهِ
نُخْبِرُهُ بِالتَّكْلِيفِ وَالْجُمْلَةُ مُشْتَانِفَةٌ اَوْ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اَيُّ مَرِيْدَيْنِ اِتِّلَاكُهُ جِنِّ تَأْتِيهِ فَجَعَلْنَاهُ بِسَبَبِ
ذَلِكَ سَبِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ بَيْنَاكَ طَرِيْقَ الْهُدَى يَبْعَثُ الرُّسُلَ اِنَّمَا شَاكِرًا اَيُّ مُؤْمِنًا وَّ
اِنَّمَا كَفُوْرًا ۝ خَالَانِ مِنَ الْمَفْعُولِ اَيُّ بَيْنَاكَ فِي حَالِ شُكْرِهِ اَوْ كُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةَ وَاِنَّمَا لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ
اِنَّا اَعْتَدْنَا هَبَاتًا لِلْكَافِرِيْنَ سَلْسِلًا يُشْحَبُوْنَ بِهَا فِي النَّارِ وَاغْلَالًا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيْهَا السَّلَاسِلُ
وَسَعِيْرًا ۝ نَارًا اُمْسَقَرَةٌ اَيُّ مُهَيَّجَةٌ يَعْذَبُوْنَ بِهَا اِنْ الْاَبْرَارَ جَمْعُ بَرٍّ اَوْ تَارٍ وَهُمْ الْمُطِيعُوْنَ يَشْرُوْنَ
مِنْ كَابِسٍ هُوَ اِنَّمَا شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِيَ فِيهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةُ لِلْحَالِ بِاسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ اللَّتَبْعِيْضِ
كَانَ مَزَاجُهَا مَائِمْزُجٌ بِهِ كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرٍ اِفْتِهَارًا اَيْحَهُ يَشْرَبُ بِهَا مِنْهَا عِبَادُ اللّٰهِ
اَوْلِيَاةٌ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يَفْرُوْدُوْنَهَا حَيْثُ شَاءُوْا مِنْ مَنَازِلِهِمْ يُوقُوْنَ بِالتَّقْدِرِ فِيْ صَاعَةِ اللّٰهِ وَ
يَخْفُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيْرًا ۝ مُنْتَشِرًا وَاَيُّطْعَمُوْنَ الطَّعَامَ عَلَى حَيْثُ اَيُّ الطَّعَامِ وَشَهُوْتُهُمْ لَهُ
مُسْكِنًا فَعِيْرًا اَوْ يَتِيْمًا لَا اَبَ لَهُ وَاَسِيْرًا ۝ يَغْنَى الْمُنْجُوْسُ بِحَقِّ اِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللّٰهِ لِيَطْلُبَ
نَوَابَهُ لَا تُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوْرًا ۝ شُكْرُ اِفْتِيهِ عَلَى الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكْتُمُوْا اِبْدَالِكُ اَوْ عَلَّمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ

ما نسى عليهم به قولان إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا نكح الوجوه فيه أى كبره العنقر لشدة
قَطِيرًا شديد فى ذلك قوتهم الله شر ذبك اليوم ولقهم أعطاهم نضرة حسنا و إضافة
 فى و حوهم و سرورا و جزاهم بما صبروا بصرهم عن النعصية جنة أدخلوها و حريرا
لِبُسْوَةٍ مَّتَّكِينَ خال من مرفوع أدخلوها المقذرة و كذا لا يردن فيها على الأراك الشورى
 الجبال لا يرون يجدون خال ثانية فيها شمسا و لا زمهريرا أى لا حزا ولا تردا و قبل
 الزمهرير القمر فهى مضيفة من غير شمس و لا قمر و دابة قرينة عطف على محل لا يرون أى
 غير راين عليهم منهم ظللها شجرها و ذلكت قطوفها تدليلا أذنت نمارها فتبناها القام
و القاعد و المضطجع و يطاف عليهم فيها بانية من فضة و ألواب أقداح بلاغري كانت
قواريرا قواريرا من فضة أى أنها من فضة يرى باطنها من ظاهرها كالأجر جاج قدرها أى
الطائفون تقديرا على قدرى الشارين من غير زيادة و لا نقص و ذلك الد الشراب و يسقون
فيها كاسا أى خمرا كان مزاجها مانرج به زنجبلا عينا بدل من زنجبلا فيها نسي
سلسبيل يعنى أن ماء ما كالأزنجبيل الذى تستلذبه العرب سهل المساغ فى الخلق و يطوف
عليهم ولدان مخلصون بصفة ولدان لا يشيبون إذا رأيتهم حسبتهم لحسنهم و انتشارهم
فى الخدمة لؤلؤا مشورا من سلكه أزم من صدقه وهو أحسن منه فى غير ذلك و إذا رأيت ثم
 أى وجدت الرزقة منك فى الجنة رأيت جواب إذا نعيما لا يوضف و ملكا كبيرا و اسعلا
 غاية له عليهم فوقهم فنصبه على الظرفية وهو خير المبتدأ بعده و فى قراءة بسكون التاء مبتدأ ما بعده
 خبره و الضمير المتصل به للمعطوف عليهم ثياب سندس حرير حضر بالرفع و استبرق
 بالجر ما عطف من الدنياج وهو الصائر و السندس الظاهر و فى قراءة عكس ما ذكر فيهما و فى أخرى
 بزفعهما و فى أخرى بجزهما و حلوا أساور من فضة و فى موضع آخر من ذهب للإيدان بأنهم

حرف حفس بغير لالف فى الوصل فهما و وقف على لاول بلاغ على التان بغير لوف

يَخْلُونَ مِنَ النَّارِ عَيْنٍ مَعَاوِمًا وَمَنْزَقًا وَسَقَمَهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ مُبَالَغَةٌ فِي طَهَارَتِهِ وَنُظَائِفِهِ بِخِلَافِ
 خَيْرِ الدُّنْيَا إِنَّ هَذَا النَّعِيمَ كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا ۝

ترجمہ: بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آچکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ
 تھا (گارے کا پتلا بنا ہوا تھا جو ناقابل ذکر تھا۔ یا عام جنس انسان مراد ہے اور صین سے مراد زمانہ حمل لیا جائے) ہم
 نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد و عورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکب تیار ہوا) اس طرح کہ ہم
 اس کو مکلف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستانفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے
 کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلف بنائیں) تو ہم نے اس کو سستا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ
 بتلایا (پنیروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تودہ شکر گزار (مومن) بنا اور یا ناشکرا (دونوں لفظ مفعول سے حال
 ہیں۔ یعنی اس کے مقدر کفر و شکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور آتفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے
 کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے۔ جن
 میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی
 ہیں، نیک لوگ (بر یا بارکی جمع ہے۔ فرمانبردار مراد ہیں) ہمیں گے ایسے جام شراب سے (کاس شراب کا پیمانہ جب
 کہ اس میں شراب موجود ہو۔ مگر مراد خود شراب ہے۔ محل بول کر مراد لیا گیا ہے اور من تبعیضیہ ہے) جس میں کافور کی
 آمیزش (مادہ) ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (کافور سے بدل ہے۔ اس میں کافور کی مہک ہوگی) اللہ کے بندے
 (نیک لوگ) پیئیں گے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے (اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے) وہ لوگ
 واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہوگی
 درودہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باوجودیکہ کھانے کی طرف شوق و رغبت ہوتی ہے) کھلاتے ہیں غریب
 (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے) کو، ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل
 کرنے) کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکر یہ (کھانا کھلانے پر، اہل جنت نے یہ
 کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں
 خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی مجلس جائیں گے مارے سختی کے) جو
 نہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو مرحمت (عطا) فرمائے
 گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اور خوشی اور ان کی پختگی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو
 جنت (میں داخل کرے گا) اور ریشمی لباس (پہنائے گا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکیہ لگائے ہوں
 گے (یہ اور لایرون دونوں ادخلو ہا مقدر سے حال ہیں) مسبریوں (چپر کھنوں) پر نہ وہاں پائیں گے (یردن سبحنی

مجدون حال ثانیہ ہے) تپش اور نہ جاڑا (یعنی گرمی سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہیر سے چاند مراد لیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جگھے ہوں گے یعنی نزدیک (لا یرون کے محل۔ یعنی غیر رائین پر اس کا عطف ہو رہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اور ان کے میوے ان کے اختیاری ہوں گے (تقریب لگے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہو سکیں) اور ان کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کو کب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوگی (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آجائے گا) جن کو (گھم نے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اور ان کو اور بھی جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے (زنجبیل سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونٹھ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور بسہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمد درفت کریں گے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے (نوع عمر ہی رہیں گے جو ان نہیں ہوں گے) تو اگر دیکھے تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رو سے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑی اور پینی سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منسوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتداء کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتداء ہے اور ما بعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (جر کے ساتھ موٹے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے) اور ان کو چاندی کے نلگن پہنائے جائیں گے (دوسری جگہ سونے کے نلگن آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے) یہ (نعمتیں) تمہارا اصلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔

کلماتے تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: مین طین: روح چھوکنے سے پہلے۔

قوله: لَا يَدُ كَرًّا: قابل تذکرہ نہ تھا۔ عنصر اور نطفہ کی صورت میں تھا۔ اس کا ان بھی مذکور نہ تھا۔

قوله: أَمْشِجُ: جمع مشجج یا مشجج: ملا جلا۔ مرد و عورت کا نطفہ۔

قوله: لِتَفْصِيلِ الْأَحْوَالِ: حال اور صفت کے متعدد ہونے کے لحاظ سے۔

قوله: السَّلَاسِلِ: زنجیر۔

قوله: يُشَدُّ فِيهَا: مقید کیا جائے۔

قوله: الْأَبْرَارِ: جمع بر یا بار جیسے اشہاد جمع شاہد۔

قوله: وَهِيَ فِيهِ: داؤد حالیہ ہے۔

قوله: كَأَفْوَرًا: یعنی اس کی ٹھنڈک، مٹھاس اور عمدہ خوشبو کی وجہ سے۔

قوله: بَدَلٌ مِنْ كَأَفْوَرًا: بعض نے کہا یہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔

قوله: مِنْهَا: بِاِمْعَانٍ: یعنی من ہے کیونکہ شرب مبتداء اس چشمے سے۔

قوله: يُفَجِّرُونَهَا: وہ اس کو جہاں چاہیں آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔

قوله: إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ: یعنی یہ کہتے ہوتے کہ ہم تم کو کھلاتے ہیں۔

قوله: يَوْمًا عَبُوسًا: یعنی اس دن کے عذاب سے جس میں چہرے ترش رہو جائیں گے۔

قوله: فِي ذَٰلِكَ: یعنی اس ترش روئی میں۔

قوله: بِضَبْرِهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ ما مصدریہ ہے۔

قوله: شَجَرٌ هَٰذَا: اس میں اشارہ ہے کہ مضاف جو کہ جنت کی طرف لوائے والی ضمیر ہے وہ مخذوف ہے۔

قوله: ذَٰلِكَ: تذلیل تطوف کا مطلب اس سے پھل توڑنا آسان ہو۔

قوله: قَطُوفُهَا: پھل اور سچھے۔

قوله: قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ: اس میں شیشے جیسی صفائی اور چاندی جیسی نرمی اور سفیدی ہوگی۔

قوله: الطَّائِفُونَ: وہ گھومنے اور چکر لگانے والے ہوں گے، اس پر بطواف دلالت کرتا ہے۔

قوله: أَنْ مَاءِهَا: اس میں چشمے کو زنجبیل کہنے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔

قوله: سَهْلُ الْمَسَاغِ: یہ سلسیل کی تفسیر ہے۔ سونٹھ کی کراہت کی لٹی کی۔

قوله: فِي غَيْرِ ذَٰلِكَ: ان نظاروں میں رکھے ہوئے۔

قوله: وَجَدَتْ: رَأَيْتَ: بمنزلہ لازم آیا ہے۔ اس لیے اس کا مفعول نہیں۔

قوله: فِي الْجَنَّةِ: اس میں اشارہ کہ تشہد یہ طرف ہے۔

قوله: اسْتَبْرَقٌ: اس کا عطف سندس پر ہے۔

قوله: مَنَادٌ فِيهَا: حاضر مجرور ہوگا۔ جیسے سندس یہ اسم جنس ہے۔

قولہ: بِرُّنِعْمَتَا: خضر کا نفع شِيبَابُ کی صفت اول اور اِسْتَبْرَقُ بھی صفت ثانیہ ہونے کی وجہ سے۔
 قولہ: شَرَابًا طَهُورًا: یہ مذکورہ بالا سے مقدم اور ادنیٰ ہوگی۔
 قولہ: اِنَّ هٰذَا: کا مشارالہ جو ثواب گنا گیا۔
 قولہ: كَانَ لَكُمْ: اس سے پہلے یقال مضمر ہے۔
 قولہ: مَشْكُورًا: جس پر بدلہ ملے گا۔ ضائع نہ ہوگی۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا نام سورۃ الدھر اور سورۃ الانسان حدیث کی رو سے ثابت ہے اس میں دھر کا ذکر ہے اور انسانی تخلیق کا اس وجہ سے یہ دونوں نام مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سورت میں آخرت اور احوال آخرت کا خصوصیت سے بیان ہے اور تفصیل کے ساتھ آخرت میں ابرار و متقین کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کا ذکر ہے سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ کے بیان سے ہے، کہ کس طرح وہ اپنی قدرت سے انسان کو ایک ناپاک قطرہ (نطفہ) سے وجود عطا فرماتا ہے۔

اور اس ناپاک قطرہ پر کیا کیا تغیرات و احوال گذرتے ہیں جن کے بعد یہ انسان عدم سے ہستی میں آتا ہے اس قدرت عظیمہ کے ذکر سے مقصود انسان کو اپنے مقصد حیات کی طرف توجہ دلانی ہے اور اس مقصد کی تکمیل پر انسان کو کیا کیا نعمتیں اور راجحیں آخرت میں میسر آئیں گی ان کا بیان ہے۔

پھر سورت کے خاتمہ پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے اور اسکے ادا مردوں اور انہی کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمانی و سرکشوں سے احتراز و اجتناب کا حکم اور یہ کہ ذکر خداوندی ہی انسان کی ہدایت اور فلاح کا ضامن ہے۔

هَلْ اَنْتَ عَلَى الْاِنْسَانِ حِينٌ مِّنْ اَلذَّخْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُنَّا نُوْرَاۤهُ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور اسے دیکھنے والا بننے والا بنایا اسے صحیح راستہ بتایا، انسانوں میں شا کر بھی ہیں کافر بھی ہیں۔

یہاں سے سورۃ الدھر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الانسان بھی ہے اس کے پہلے رکوع میں انسان کی ابتدائی آفرینش بتائی ہے اس کے بعد انسان کی دو قسمیں بتائیں ایک شکر گزار اور ایک ناشکر اس کے بعد ناشکروں کا عذاب اور شکر گزاروں کے انعامات بیان فرمائے ہیں۔ دوسرے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے اور ذکر کرنے اور راتوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دنیا داروں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑا دن چھوڑ رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ بالکل ہی قابل ذکر کوئی چیز نہ تھا اس کا کوئی تذکرہ نہ تھا اس کا کچھ نام تھا اس کی کچھ حیثیت تھی، مطلب یہ ہے کہ یہ انسان جو دنیا میں نظر آ رہے ہیں ان میں بڑے بھی ہیں چھوٹے بھی ہیں منکبر بھی ہیں اگرنوں دکھانے

اے جی میں ان میں سے ہر شخص پر ایسا وقت گزارا ہے کہ وہ کوئی چیز بھی نہ تھا جو قابل ذکر ہو بلکہ نطفہ میں تھا اور اس سے پہلے غذا تھا اور یہ بذاتی سے نکلی تھی، ہم نے اس کو قلو ط نطفہ سے پیدا کیا یعنی مرد اور عورت دونوں کے قلو ط مادہ منویہ سے رحم، درمیں اس کی ابتداء کی پھر وہ یک عمر سے تک نطفہ رہا پھر علق یعنی خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس کے اعضاء بنا دیئے پھر اس میں جان ڈال دی اس کے بعد رحم مادر سے باہر آ گیا یہ اس کا باہر آنا پلین بڑھنا بے حکمت نہیں ہے انسان یوں نہ سمجھے کہ میں یوں ہی چھوڑ دیا جاؤں گا۔ (کما سرتی السردۃ السابقتہ) بلکہ اس کی تخلیق ابتداء اور امتحان اور آزمائش کے لیے ہے اسے بہت سے کاموں کا مظہر کیا گیا ہے۔ سورہ ملک میں فرمایا: لَیْسَبَلُوْا کُفْرًا اَنْ کُفَرْتُمْ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال والا کون ہے)۔

اور انسان کو صرف حیات دے کر آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ اس کو عقل و فہم و سمع و بصر کا عطیہ دیا ہے وہ سمجھتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہدایت کو اس کی عقل و فہم پر نہیں رکھا بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے واسطے سے حق راہ بتائی چاہیے تو یہ تھا کہ تمام انسان اپنے خالق کو پہچانتے، مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت حاصل کرتے اور حضرات انبیاء کرام علیہ السلام نے جو دین پیش کیا اسے قبول کرتے اور اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہو گئیں ان میں سے بعض شکر گزار بنے اور بعض ناشکر بن گئے، مومن بندے شکر گزار ہیں اور غیر مومن یعنی کافر ناشکرے ہیں جنہوں نے عقل اور سمع و بصر سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے کفر اختیار کر لیا۔

يَوْمَئِذٍ يَخْلُقُ يَوْمًا كَانَتْ شَرًّا مُّسْتَضِيْرًا ۝

دنیا میں وہ لوگ اپنی نذر پوری کرتے ہیں نذر کا معنی تو معروف ہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہ حضرات کسی نیک کام کی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پوری کر لیتے ہیں، جب کوئی شخص کسی کام کی نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ سورہ الحج میں فرمایا: لَیْسَبَلُوْا کُفْرًا اَنْ کُفَرْتُمْ عَمَلًا (اور گناہ کی نذر نہ ہو) تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر گناہ کی نذر مان لے تو اسے پوری نہ کرے بلکہ اس کا وہی کفارہ دے دے جو قسم کا کفارہ ہے۔ احادیث شریفہ میں نذر کے بارے میں یہ ہدایات وارد ہوئی ہیں۔ (دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۹۷)

يَوْمَئِذٍ يَخْلُقُ يَوْمًا كَانَتْ شَرًّا مُّسْتَضِيْرًا ۝ یہ بھی نیک بندوں کی صفت ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے ستارے جھڑ جائیں گے آسمان پھٹ پڑیں گے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے لوگ قبروں سے گھبراہٹ ہوئے انہیں گے، سلب ہوگا، پریشیاں ہوں گی۔ حضرت عائشہؓ ایک دن روئے زلگئیں تو آپ نے فرمایا: کیوں روئی ہو؟ عرض کیا مجھے دوزخ پاؤ آگئی اس کی وجہ سے رو رہی ہوں۔ یہ ارشاد فرمائیے کہ آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد فرمائیں گے آپ نے فرمایا تمہیں موقع میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا: (۱) ایک تو اعمال کے وزن کیے جانے کے وقت جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کی تول مٹی ہوتی ہے یا بھاری۔

(۲) جب اعمالے نامے تقسیم کیے جانے لگیں جب تک یہ نہ جان لے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے۔ (۳) جب دوزخ کی پشت پر مٹی صراط رکھ دی جائے گی۔ (رداء البراد صفحہ ۲۹۸ ص ۲۷)

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مَشَكَّةً وَسَائِغًا وَغَيْرَ ذَلِكَ

یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب سے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے علی سبب میں حرف علیٰ بمعنی مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے۔ یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں۔ مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت و ثبوت ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم۔ مگر بہر حال اس کا کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہوگا خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کر دی جاتی تھی جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کیساتھ معاملہ کیا گیا۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نِعِيمًا وَمُلْكًا كَثِيرًا

اور اے مخاطب اگر تو وہاں نعمتوں کو دیکھے گا تو تجھے بڑا ملک نظر آئے گا:

اس میں جنت کی وسعت بتائی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے ہی چھوٹے موٹے گھر اور باغیچے ہوں گے جیسے دنیا میں ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہاں بہت بڑا ملک ہے ہر شخص کو جو جگہ ملے گی اس کے سامنے ساری دنیا کی وسعت بچا ہے۔ سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوں گا اللہ تعالیٰ کا اس سے ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا تیرے لیے اس دنیا کے برابر جگہ ہے اور اس جیسی دنیا کے برابر دس گنا اس کے علاوہ اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کے بارے میں یوں کہا جاتا تھا کہ وہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ کا جنتی ہوگا۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۹۶ از بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ادنیٰ درجہ کا جنتی اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور مسہریوں کو ہزار سال کی مسافت میں دیکھے گا (یعنی اپنی مذکورہ نعمتوں کو اتنی دور تک پھیلی ہوئی دیکھتا چلا جائے گا جتنی دور تک ہزار سال میں چل کر پہنچے)۔ اور اللہ کے ہاں سب سے بڑا معزز وہ شخص ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ: **وَجُزْءًا مِّنْ قَبْلِهَا كَافِرًا** إِلَىٰ رَبِّهَا كَاطِرًا بڑھی (جو عنقریب ہی سورۃ القیامہ میں گزر چکی ہے)۔ (رداء احمد و الترمذی کافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۰۱)

جب ادنیٰ درجہ کے جنتی کا اتنا بڑا رقبہ ہوگا تو مختلف درجات کے اعتبار سے دیگر حضرات کے رقبہ کے بارے میں غور کر لیا جائے۔ **غُلِيظُهُمُ بِنَابِ سُنْدُسٍ خُضْرٍ وَرَسْتَلُونِي** (اور ان پر بار یک ریشم کے بزرگ پڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی ہوں گے) یہ ریشم وہاں کا ہوگا دنیا کا ریشم نہ سمجھ لیا جائے اور بار یک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم عمدہ ہوں گے من بھاتے ہوں گے۔

وَأَحْلُوا أَسَادًا مِنْ فِضَّةٍ (اور ان کو زیور کے طور پر چاندی کے ننگن پہنائے جائیں گے) سورۃ الکہف اور سورۃ الحج

میں ہے کہ نگن سونے کے ہوں گے اس میں کوئی منافات نہیں دونوں طرح کے نگن ہوں گے کہیں سونے کے نگن کا ذکر فرمایا اور کہیں چاندی کا۔ اہل جنت کے کپڑے ہرے رنگ کے ہوں گے کیونکہ یہ رنگ نظروں کو زیادہ بھاتا ہے اور کوئی لفظ مصرعہ پر رلات کرنے والا بھی نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ صرف سبز رنگ ہی کے کپڑے زیب تن کریں گے۔ آیت کریمہ: **وَلَا تَلْبَسُوا لِبَاسًا مَّا تَلْبَسُوا** سے ظاہر ہے کہ جو کچھ جی چاہے گا وہی ملے گا اگر دوسرے رنگ کے کپڑے پہننے چاہیں گے تو وہ بھی عطا کر دیئے جائیں گے اور جس کا جو جی چاہے گا پہننے کا اہل جنت کو جو نگن پہنائے جائیں گے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں میں سے اگر کوئی شخص (دنیا کی طرف) جھانک لے جس سے اس کے نگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ (رواہ الترمذی کتابی المصلحۃ الصالح ص ۹۸)

نگن عورتوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں مردوں پر بھلا کیا سجیں گے؟

فانذار: کسی بھی لباس یا زیور کا سجا اور شائستہ و آراستہ ہونا ہر جگہ کے عرف پر موقوف ہوتا ہے دنیا میں اگرچہ عموماً مرد نگن نہیں پہنتے مگر جنت میں خواہش کر کے پہنیں گے اور سب ہی کو دیکھنے میں بھلے معلوم ہوں گے گھڑی کی چین ہی کو لیجئے طرح طرح کی بناوٹ اور چمک دزبائش والی پہنی جاتی ہے اور مردوں کے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے بلکہ بعض قوموں میں تو بیاہ شادی کے موقعوں پر دولہا کو نگن پہناتے ہیں اور برادری کے سب لوگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں چونکہ رواج ہے اس لیے سب کی نظر بھی تپوں کرتی ہے اور سب کے دل بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اس رواج پر اس قدر ڈراڑے ہوئے ہیں کہ شریعت کی ممانعت کا بھی خیال نہیں کرتے۔

وَسَفْهُمُ رَبِّيَهُمْ شَرَابًا طَهُورًا اور ان کا رب انہیں پاک کرنے والی شراب پلائے گا۔

اس سورت میں پہلی جگہ: **إِنَّ الْأَكْثَرَ لَا يَعْلَمُونَ** فرمایا پھر دوسری جگہ: **وَيُظَافُ عَلَيْهِمْ بِإِيتِيَةِ قَوْمٍ طَيِّبَةٍ** فرمایا جس میں ان کے مزید اعزاز کا ذکر ہے کہ خدام شراب لے کر آئیں گے۔

تیسری جگہ **وَسَفْهُمُ رَبِّيَهُمْ** فرمایا اس میں پلانے کی نسبت رب جل شانہ کی طرف کی گئی ہے جس میں زیادہ اعزاز ہے۔ شرابا کو متصف کیا ہے ٹھورا سے۔ اس کا ترجمہ بعض حضرات نے بہت زیادہ پاکیزہ کیا ہے۔ نعتوں کو مہاند کا صیغہ لیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ بہت زیادہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

قال المحلی مبالغۃ فی طہارتہ ونظافتہ بخلاف خمر الدنیا اور صاحب العالم التمزیل نے حضرت ابوقلہبہ اور حضرت ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ: لا یصیر بو لانا نجسا ولکن یصیر رشحافی ابدانہم کربیح المسلک۔ یعنی اسے شراب طہور اس لیے فرمایا کہ وہ ناپاک پیشاب نہ بنے گی بلکہ مشک کی طرح پسینہ ہو کر نکل جائے گی اول کھانا کھا لیں گے پھر شراب طہور لائی جائے گی جب اسے پی لیں گے تو جو کچھ کھایا تھا وہ سب ان کے مسامات سے خوب تیز مشک سے بھی زیادہ خوشبو والا پسینہ بن کر نکل جائے گا جن سے ان کے پیٹ خالی ہو جائیں گی اور کھانے پینے کی خواہش پھر عود کر آئے گی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ طہور مطہر کے معنی میں ہے یعنی پاک کرنے والی چیز اس کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو حضرت ابوقلیدہؓ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کھایا ہوگا یہ شراب اندر جا کر مشک کی طرح باہر آ جائے گی جس کی وجہ سے پیٹ خالی ہو جائے گی۔

إِنَّا نَحْنُ تَاكِيدٌ لِاسْمِ إِنْ أَوْ فَضَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿١٥٢﴾ بَرَّانَ أَيْ فَضَّلْنَاهُ وَ لَمْ نُنَزِّرْ لَهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَلَاغِ رِسَالَتِهِ وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ أَيْ الْكُفَّارِ أَيْمًا أَوْ كُفُورًا ﴿١٥٣﴾ أَيْ عَثْبَةَ بَنِي رَيْبَعَةَ وَالْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةَ قَالَا لِسَيِّبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرِجُ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ وَيَجُوزُ أَنْ يُزَادَ كُلُّ أَيْمٍ وَكَافِرٍ أَيْ لَا تَطِعْ أَحَدَهُمَا أَيًّا فِيمَا دَعَاكَ إِلَيْهِ مِنْ أَيْمٍ أَوْ كُفْرٍ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ فِي الصَّلَاةِ بُكْرَةً وَآصِيلًا ﴿١٥٤﴾ يَعْنِي الصُّجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَمِنَ الْيَمِينِ فَاسْجُدْ لَهُ تَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَ سَبِّحْهُ كَيْلًا طَوِيلًا ﴿١٥٥﴾ صَلَّى التَّطَوُّعَ فِيهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثَلَاثِهِ أَوْ نَفْسِهِ أَوْ ثَلَاثِهِ إِنْ هُوَ لَمْ يَجِبْهُ الْعَاجِلَةُ الدُّنْيَا يَخْتَارُونَ عَنِ الْآخِرَةِ وَيَدَارُونَ وَدَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿١٥٦﴾ شَدِيدًا أَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَعْمَلُونَ لَهُ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا قُرْبَانَا أَسْرَهُمْ ۗ أَعْضَائِهِمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَلْنَا جَعَلْنَا أَمْثَالَهُمْ فِي الْخَلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بَانَ نُهْلِكُهُمْ تَبْدِيلًا ﴿١٥٧﴾ تَاكِيدٌ وَوَقَعَتْ إِذَا مَوْقِعَانِ نَحْوَانِ يَشَاءُ يُدْهِبُكُمْ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ وَإِذَا لَمَّا يَتَّقِ إِنَّ هَذِهِ السُّورَةَ تَذَكُّرٌ ۗ عِظَةٌ لِخَلْقٍ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٥٨﴾ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَاءُونَ ۗ بِالنَّارِ وَالنَّبِيَّاتِ اتَّخَذَ السَّبِيلَ بِالطَّاعَةِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ ذَلِكَ إِنْ أَنَا كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿١٥٩﴾ فِي فِعْلِهِ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ جَنَّتِهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَالظَّالِمِينَ ۗ نَاصِبُهُ فِعْلٌ مُقَدَّرٌ أَيْ أَعَدَّ يَفْسِرُهُ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦٠﴾ مُؤَلِّمًا وَهُمْ الْكٰفِرُونَ ﴿١٦١﴾

تو کچھ بتایا: ہم نے (مومن اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے) (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تلخ رسالت پر) جئے رہے اور ان (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے (یعنی عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانئے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب و عشاء میں) اور

رات کے بڑے حصے میں تسبیح و تقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی روتہائی رات یا آدمی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے) ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضاء اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن و توش میں ان کی بجائے لے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اور ان کی بجائے اذآ آیا ہے۔ چنانچہ ان یشایذہبکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذآ واقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) یہ (سورت) نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا راستہ اختیار کر لے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (تا اور یہ کے ساتھ ہے۔ فرمانبرواری کا راستہ اپنانا) بدوں اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی عذاب جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دروناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف وہ ظالم سے کافر مراد ہیں۔)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: جُعِلَتْهُ وَاحِدَةً: اکھٹا۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت بتلائی۔
- قوله: لَا تَطْعَمُ: ہر دینے والا عالی فی الکفر ہے۔
- قوله: مِنَ الْبَيْلِ: بعض رات کا حصہ۔
- قوله: وَدَاءَهُمْ: یہ امام کے معنی میں یا خلف کے معنی میں ہے۔
- قوله: بِمَفَاصِلِهِمْ: اعصاب و جوڑ۔
- قوله: إِلَّا أَنْ يَشَاءَ: یعنی اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔

تفسیر مقبولین

لَا نُخِشُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا

اللہ جنت کے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس انعام عظیم کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا جس کے ذریعے آخرت میں انعامات ملیں گے، یہ انعام قرآن کریم کی تنزیل ہے تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اول سے آخر تک بیک وقت پورا نازل نہیں فرمایا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ اس میں آپ

کے لیے بھی آسانی ہوگئی اور حضرات صحابہؓ کے لیے بھی تھوڑا تھوڑا کر کے یاد بھی ہو گیا اور جیسے جیسے نازل ہوتا رہا آپؐ مخاطبین کو پہنچاتے رہے چونکہ قرآن کے پہنچانے پر ذمہ تکلیف پہنچاتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: **فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** (کہ اپنے رب کے حکم کی ادائیگی میں صبر کے ساتھ لگے رہیے۔)

فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كُفْرًا

تا کہ آپ ﷺ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں۔ اور معلوم کر لیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد و عناد ہی پر قائم رہیں تو آپ ﷺ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جے رہیے۔ اور آخری لہلہ کا انتظار کیجیے۔

عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ ﷺ کو دنیاوی لالچ دے کر اور چکنی چیزیں ہاتھ بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا۔ کہ آپ ﷺ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہنا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شیروں اور بد بختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیے۔

لَنْ نَحْنُ خَلْقُهُمْ وَشَدَدْنَا آسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝

جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے پر تجب کرتے تھے اور وقوع قیامت کے منکر تھے انکے استعجاب اور انکار کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: **لَنْ نَحْنُ خَلْقُهُمْ وَشَدَدْنَا آسْرَهُمْ ۚ** (ہم ہی نے انکو پیدا کیا اور ہم ہی نے انکے جوڑ بند مضبوط کیے)۔ **وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝** (اور ہم جب چاہیں ان کے جیسے لوگ بدل دیں) یعنی ان کی جگہ ان جیسے لوگ پیدا کر دیں۔ جس ذات پاک نے اولاً پیدا کیا مضبوط بنایا وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا فرما سکتا ہے اور وہ تمہیں موت دے کر دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

وَشَدَدْنَا آسْرَهُمْ ۚ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے جوڑ مضبوط کیے) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا بیان ہے کہ گوشت اور بڑی اور کھال سے جو اعضاء بنے ہوئے ہیں یہ رات دن حرکت میں رہتے ہیں اٹھنے بیٹھنے میں مڑتے ہیں، کام کاج میں رگڑے جاتے ہیں لیکن نرم اور نازک ہوتے ہوئے نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں جبکہ لوہے کی مشینیں بھی گھس جاتی ہیں اور بار بار پرزے بدلنے پڑتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ انسانی اعضاء بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کام کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تم سے ہر شخص کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے سو ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر اتدا کبر کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور دور کعتیں چاشت کی پڑھ لی جائیں تو وہ اس سب کے بدلہ کا کام دے جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے سو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمد للہ کہا اور لا الہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ کہا اور اللہ سے مغفرت طلب کی اور لوگوں کے راستہ سے پتھر کا ٹاشا ہڈی کو ہٹا دیا یا امر بالمعروف کیا یا نہی عن المنکر کیا اور ان چیزوں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوگئی تو وہ اس دن اس حال میں چلے پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچا چکا ہوگا۔ (رواہ مسلم)

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

المرسلات
سورة ۷۷ من مجلہ ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتوں کی تعداد
۵۰

پورے رسالت کے عمل میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی پچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝ اِي الرِّیَاحِ مُتتَابِعَةٌ كَعُزْبِ الْفَرَسِ یثْلُو بَعْضُهُ بَعْضًا وَ نَضْبُهُ عَلٰی الْحَالِ
فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۝ الرِّیَاحِ الشَّدِیْدَةُ وَ النَّشْرَاتِ نَشْرًا ۝ الرِّیَاحِ تُنْشِرُ الْمَطَرَ فَالْفِرْقَاتِ
فِرْقًا ۝ اٰی اٰیَاتِ الْقُرْآنِ تُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ وَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ فَالْمَلٰئِكَةُ ذُكُرًا ۝ اٰی
الْمَلٰئِكَةُ تُنَزَّلُ بِالرُّوحِ اِلَى الْاَنْبِیَاءِ وَ الرُّسُلِ یُلْقُونَ الرُّوحَ اِلَى الْاُمَمِ عُدْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اٰی لِاِعْذَارِ
وَلِلْاِنْذَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ فِی قِرَاةِ بَضْمِ ذٰلِ نُذْرًا اَوْ فِرِّی بَضْمِ ذٰلِ عُدْرًا اِنَّمَا تُوعَدُونَ اٰی كُفَّارِ مَكَّةَ
مِنَ الْبُعْثِ وَ الْعَذَابِ كَوَاقِعٌ ۝ كَاثِرٌ لَّا مَحَالَةَ فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ مُخِی نُوْرَهَا وَاِذَا السَّمَاءُ
فُرِجَتْ ۝ شَقَّتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّفَتْ ۝ فَتُك وَ سُبُورَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقْتَتَتْ ۝ بِالرُّوَادِ وَ بِالْهَمَزَةِ
بَدَلًا مِنْهَا اٰی جُمِعَتْ لِوَقْتِ لَآئِي یَوْمٍ لِّیَوْمٍ عَظِیْمٍ اُجِلَّتْ ۝ لِلشَّهَادَةِ عَلٰی اُمَّمِهِمْ بِالتَّبٰلِیغِ لِیَوْمِ
الْفَصْلِ ۝ بَیْنَ الْخَلْقِ وَ یُوْخَذُ مِنْهُ جَوَابٌ اِذَا اٰی وَ قَعِ الْفَضْلُ بَیْنَ الْخَلَائِقِ وَ مَا اَدْرٰکُ مَا یَوْمُ
الْفَصْلِ ۝ تَهْوِیْلٌ لِشَانِهِ وَ یَلُ یَوْمَیْذٍ لِلْمُكْذِبِیْنَ ۝ ذَاوَعِبْدَلَهُمْ اَلَمْ تُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ۝
بِتَكْذِیْبِهِمْ اٰی اَهْلَكْتَهُمْ ثُمَّ نُنْتَبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ۝ مِمَّنْ كَذَبُوا كُفَّارِ مَكَّةَ فَتُهْلِكُهُمْ كَذٰلِكَ مِثْلُ
فِتْنَةٍ بِالْمُكْذِبِیْنَ نَفَعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ۝ بِكُلِّ مَنْ اَجْرَمَ فِیْمَا یَسْتَقْبِلُ فَتُهْلِكُهُمْ وَ یَلُ یَوْمَیْذٍ
لِلْمُكْذِبِیْنَ ۝ نَاكِدٌ اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ضَعِیْفٌ وَهُوَ الْعَبِیُّ فَجَعَلْنَاهُ فِی قَدَارٍ
فَكُنِیْنَ ۝ حَرِیْرٌ وَهُوَ الرَّحِمُ اِلٰی قَدْرِ مَعْلُومٍ ۝ وَهُوَ وُثُّ الْوَلَادَةِ فَقَدَرْنَا ۝ عَلٰی ذٰلِكَ فَنِعْمَ

الْقَادِرُونَ ﴿۱۰﴾ نَحْنُ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۱﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿۱۲﴾ مُضْدَرٌ كَفَتْ بِمَعْنَى
صَمِ أَي ضَامَةٌ أَحْيَاءٌ عَلَى ظَهْرِهَا وَأَمْوَاتًا ﴿۱۳﴾ فِي بَطْنِهَا وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شِهِخِاتٍ جِبَالًا
مُرْتَفِعَاتٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً فُرَاتًا ﴿۱۴﴾ عَذَابًا وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۵﴾ وَيُقَالُ لِلْمُكَذِّبِينَ يَوْمَ
الْفِيَامَةِ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ مُكَذِّبُونَ ﴿۱۶﴾ انْطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿۱۷﴾ هُوَ
دُخَانٌ جَهَنَّمِ إِذَا ارْتَفَعَ اقْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظَمَتِهِ لَا ظَلِيلٌ كَثِيرٌ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا
يُغْنِي بِرُودُ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ الْكَبِّ ﴿۱۸﴾ لِلنَّارِ رِجَّتُهَا أَي النَّارُ تَرْمِي بِشَرِّهَا هُوَ مَا تَطَايَرُ مِنْهَا
كَالْقَصْرِ ﴿۱۹﴾ مِنَ الْبِنَاءِ فِي عَظَمِهِ وَارْتِفَاعِهِ كَأَنَّهَا جِهَتْ جَمْعُ جِمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِي قِرَاءَةِ
جِمَالَةٍ صُفْرٌ ﴿۲۰﴾ فِي هَيْئَتِهَا وَلَوْنُهَا فِي الْحَدِيثِ شِرَازُ جَهَنَّمَ أَسْوَدٌ كَالْقَبْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّي سُوْدًا الْأَبْلَ
صُفْرَ الشُّوبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَيَقِيلُ صُفْرٌ فِي الْآيَةِ بِمَعْنَى سُودٍ لِمَا ذُكِرَ وَقِيلَ لِأَنَّ الشُّورَ جَمْعُ شُرَّةٍ
وَالشُّرَازُ جَمْعُ شِرَازَةٍ وَالْقَبْرِ الْقَارُ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۱﴾ هَذَا أَي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمٌ لَا
يُطْفِقُونَ ﴿۲۲﴾ فِيهِ شَيْءٌ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فِي الْعُدْرِ فَيَعْتَدِرُونَ ﴿۲۳﴾ عَطْفٌ عَلَى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسْبُبِ
عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي حَيْزِ النَّفْيِ أَي لَا إِذْنَ فَلَا اعْتِدَارَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۴﴾ هَذَا يَوْمُ الْفُصْلِ
جَمْعُكُمْ أَيُّهَا الْمُكَذِّبُونَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ فَتَحَاسِبُونَ وَتُعَذِّبُونَ
جَمِيعًا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ جِبَلَةٌ فِي دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيُكِيدُونَ ﴿۲۶﴾ فَافْعَلُوا وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

عِلْمٌ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھی جاتی ہیں (سلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن
لگائے ہوئے ہیں۔ عرفاً حال کی وجہ سے منصوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن
کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش کو منتشر کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصہ کن ہوتی
ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی
لانے والے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء و رسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) تو بہ کے لئے یاد
کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں زندا

اور عند اضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافر و دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (لا محالہ) سو جب ستارے بے نور (مُکَل) ہو جائیں گے اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واد کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو دُؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذاکا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہو کر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابلِ ہیبت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (یؤ ذن پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن۔ ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلا لو (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں (گھنید رختوں میں) کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے (اور پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جو شانِ اعجازی اس میں ہے اور وہ میں نہیں ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: مُتَّابِعَةٌ: عرف پے پے کے معنی میں ہے۔ یہ معروف کے معنی میں نہیں۔ عُزُوفِ الْفُؤَرِيسِ سے لیا گیا۔ گھوڑے کی گردن کے بال۔

قولہ: عُدْرًا أَوْ نُدْرًا: یہ دونوں مصدر ہیں۔ جب برائی کو منادے اور خوف زدہ ہو۔

قولہ: نَذْرٌ: جمع نذیر بمعنی انذار اور ڈراوہ۔

قولہ: عَذْرٌ: جمع عذیر بمعنی معذرت۔

قولہ: بُقُتٌ: اپنی جگہ سے اکھاڑا جائے۔

قولہ: بَلِيْزَمٌ عَظِيْمٌ: استفہام تعجبی ہے۔

قولہ: مَا أَدْرَاكَ: تجھے حقیقت کا علم ہے۔ مگر ہم جیسا نہیں۔

قولہ: كَفَّتْ: یہ مصدر ہے، مبالغہ کے طور پر صفت کے لیے آیا ہے۔

قولہ: أَمْوَئَاتًا: یہ مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہیں۔

قولہ: أَسْقَيْنُكُمْ: چشموں اور دریاؤں کی وجہ سے۔

قولہ: كَالْقَصْرِ: یہ چنگاری محل جیسی بڑی۔

قولہ: لَوْ نَهَا: اور رگت اذتوں کی سیاہی کی طرح۔

تفسیر مقبولین

سورۃ المرسلات مکہ ہے اور دیگر کئی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدہ توحید آخرت اور بعث بغداد الموت جیسے مضامین کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہے اسکے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتدا ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع و اقسام کے نکوینی امور پر نامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو: "انما توعدون" لواقع کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا اگرچہ اسکو اجماا بیان فرمایا اثبات قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اسکے دلائل ذکر کئے گئے۔ وروائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض و بے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلہ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز انکا حال نہایت ہی برا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور عھارت و نفرت کے ساتھ انکو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے

ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

افتتاح سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرمایا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے یہ تو خدا کی طرف سے انکو ڈھیل دی جا رہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لئے اہم ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے۔
وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے اچانک سورۃ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اس کو پڑھتے جانے تھے اور میں آپ کے مبارک منہ سے اس کو سننا یاد کرتا جاتا تھا، آپ کا وہ من مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہو رہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اس کی طرف جھپٹے وہ نکل بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابن کثیر)

اس سورت میں حق تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقین طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے، ان چیزوں کا نام قرآن میں بیان نہیں کیا گیا البتہ ان کی اس جگہ پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ مرسلات، عاصفات، ناشرات، فارقات، مقلبت الذکر کسی حدیث مرفوعہ میں اس کی پوری تعیین نہیں آئی کہ ان صفات کے موصوفات کیا ہیں اس لئے صحابہ و تابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہو گئیں۔

بعض حضرات نے ان پانچوں صفات کا موصوف فرشتوں کو قرار دیا ہے اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔ بعض حضرات نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفات مختلفہ ان میں ہو سکتی ہیں۔ بعض حضرات نے ان کا موصوف خود انبیاء و رسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف اور سکوت کو اسلام قرار دیا کہ احتمال دونوں ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو ملائکہ اللہ پر زیادہ چسپاں اور ان کے مناسب ہیں ان کو ریاح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑتی ہے اور بعض صفات ایسی ہیں جو ریاح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں ان کو فرشتوں کی صفت بنائیں تو تاویل کے بغیر نہیں بنتیں۔ اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیر کا معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفتیں ہیں ان تین میں ریاح اور ہواؤں کی قسم ہوگی باقی آخری دو صفتیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہوگی۔

ابن کثیر کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے یہ ہو گئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو جھنجھی جاتی ہیں۔ عرفاء یہاں عرفا کا مضموم وہ بھی ہو سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اد پر مذکور ہوا یعنی جو دو سخا اور لفع رسائی۔ جو ہوا میں بارش لے کر آتی ہیں ان کی بو دھکا اور لفع رسائی ظاہر ہے اور دوسرے معنی عرفا کے متضام یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔ یہ معنی لئے جاویں تو مراد وہ

ہوا میں ہوں گی جو بادل اور بارش کو نئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں اور عاصفات عصف سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ آندھیں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض اوقات دنیا میں آیا کرتی ہیں اور ناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں اور فارقات، یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الہی نازل کر کے حق و باطل میں فرق واضح کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکر بھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق اور امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قرآن کالقاء کرتے ہیں۔ اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

رہا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بناء پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، ان دونوں میں ربط اور جوڑ کیا ہے سو کلام الہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ ہواؤں کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضرت رساں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص ان کو پہچانتا ہے پہلے غور و فکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش کیا گیا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور و فکر کرنے پر ان کا یقین ہو سکتا ہے۔

عَذْرًا أَوْ تَذْرًا ۝

عَذْرًا أَوْ تَذْرًا ۝ یہ فالملقیات ذکر ۝ سے متعلق ہے کہ یہ ذکر اور وحی انبیاء علیہم السلام پر اس لئے نازل کی جائے گی کہ وہ اہل حق مؤمنین کے لئے ان کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل کفار کے لئے نذیر اور عذاب سے ڈرانے والا ثابت ہو۔

ہواؤں یا فرشتوں یا دونوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَوَاقِعٍ یعنی تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب اجزاء و سزا کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا۔ آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب بالکل یہ نہای ہو جائیں، یا یہ کہ موجود ہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے، اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ تیسرا یہ کہ پہاڑی روٹی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں۔ چوتھا حال یہ بتلایا گیا: وَإِذَا النُّجُومُ انْقَسَتْ، نوقیت سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی تعیین وقت اور تحدید وقت کے ہیں اور بقول زمخشری کبھی اس کے معنی کسی مقررہ وقت پر پہنچ جانے کے بھی آتے ہیں (کافی الروح) اس جگہ یہی دوسرے معنی مناسب ہیں اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ انبیاء و رسل کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی امتوں کے معاملے میں شہادت کے لئے حاضر ہو اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ترجمہ انبیاء کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لئے تہا ہی برہاوی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

ویل کے معنی ہلاکت و بربادی کے ہیں اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک دادی کا نام ہے جس میں اہل جہنم کے رنجوں کی پیپ جمع ہوگی یہ جگہ مکذبین کے رہنے کی قرار دی جاوے گی۔ اس کے بعد موجودہ لوگوں کو پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کے لئے فرمایا: **اللَّهُ نُهْلِكُ الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نُنْبِئُهُمُ الْآخِرِينَ ۝** یعنی کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کر دیا۔ قوم عاد و ثمود اور قوم لوط قوم فرعون وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور **ثُمَّ نُنْبِئُهُمُ الْآخِرِينَ** مشہور معروف قرأت کے مطابق بسکون عین عطف ہے نهلک پر جس کے معنیہ ہیں کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو بھی ان کے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا، اس لئے آخرین سے مراد بھی پچھلی امتوں ہی کے آخرین ہوں گے جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے واقع ہو چکی ہے اور دوسری ایک قرأت میں **لننبئهم بغنم عین بھی آیا ہے اس قرأت پر یہ جملہ الگ ہے اور آخرین سے مراد امت محمدیہ کے کفار ہیں۔ پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوة بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذاب ہلاکت نازل ہوا۔**

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسانی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں۔ امت محمدیہ کا آنحضرت ﷺ کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسانی عذاب نہیں آتا بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

اللَّهُ نُهْلِكُ الْأَوَّلِينَ ۝

پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو:

جب تکذیب پر عذاب میں مبتلا کیے جانے کی وعید سنائی جاتی تھی تو مکذبین و منکرین کہتے تھے کہ یہ ایسی ہی باتیں ہیں عذاب و عذاب کچھ آنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کیا دنیا میں ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ اسے تو تم مانتے ہو کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں اور ان پر عذاب آیا ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کے بعد والوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے یعنی بعد والوں کو بھی عذاب دیں گے اور ہلاک کریں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں یعنی کافروں کے کفر پر سزا دینا طے شدہ امر ہے خواہ دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملے خواہ صرف آخرت میں عذاب دیا جائے۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہیں یہی تعجب ہوتا تھا کہ دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی یعنی قطرہ منی سے پیدا نہیں کیا؟ اس لفظ کو ٹھہرنے کی محفوظ جگہ میں یعنی مادر رحم میں ٹھہرایا یعنی وقت ولادت تک اور یہ وقت ہم نے مقرر کر دیا سو ہم اچھے وقت مقرر کرنے والے ہیں، جو وقت مقرر کیا ٹھیک مقرر کیا اسی کے مطابق ہر ایک کی ولادت ہوئی۔

كُنَّا لَكَ نَفْعًا بِالْجُورِ مِينًا ۝

منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مرجائیں

گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈر اے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ در حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی انگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

الَّذِينَ نَجَعِلُ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝

یعنی ہم نے زمین کو کفات بنایا ہے زندہ اور مردہ انسانوں کے لئے کفات، کفت سے شتق ہے جس کے معنی ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں کفات وہ چیز جو بہت سی چیزوں کو اپنے اندر جمع کرے۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اس کی پیٹھ پر سوار ہیں اور مردے سب اس کے پیٹھ میں جمع ہیں۔

إِنظَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

منکرین سے خطاب ہوگا کہ ایسے سائبان کی طرف چلو جو گرمی سے نہیں بچا تا وہ بڑے بڑے انگارے پھینکتا ہے، انہیں اس دن معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

منکرین اور مکذبین جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے یہ لوگ دوزخ کو اور دوزخ کے عذابوں کو جھٹلاتے تھے اور کھتے تھے کہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ دوزخ کے عذاب میں جھٹلا ہوں گے ابھی اس میں داخل نہ ہوں گے کہ دوزخ سے ایک بڑا دھواں نکلے گا دیکھنے میں سایہ کی طرح ہوگا (جس کا ترجمہ سائبان کیا گیا ہے) اس سایہ کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے دیکھنے میں سایہ ہوگا لیکن سایہ کا کام نہ دے گا نہ اس سے کوئی ٹھنڈک حاصل ہوگی اور نہ وہ گرمی سے بچائے گا۔ منکرین نے فرمایا ہے کہ کافر لوگ حساب سے فارغ ہونے تک اسی دھوئیں میں رہیں جیسا کہ مقبولان بارگاہ الہی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔

یہ تو دھوئیں کا ذکر تھا جو دوزخ سے نکلے گا اس کے بعد دوزخ کے شراروں اور انگاروں کا ذکر فرمایا ارشاد فرمایا کہ جہنم ایسے ایسے انگاروں کو پھینکے گا جیسے بڑے بڑے ٹکڑے یعنی مکانات ہوں اور جیسے کالے کالے اونٹ ہوں۔ کچھ انگارے بہت بڑے بڑے ہوں گے اور کچھ چھوٹے ہوں گے یہ چھوٹے بھی ایسے ہوں گے جیسے کالے کالے اونٹ (جب اس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے تو وہ آگ کتنی بڑی ہوگی اسی سے سمجھ لیا جائے)۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ أَيْ تَكَثُّفِ أَشْجَارٍ إِذْ لَا شَمْسٌ يُظِلُّ مِنْ حَرِّهَا وَ عِيُونٍ ۝ نَابِغَةٌ مِنَ الْمَاءِ وَ

قَوَاكِبَ مِمَّا يَسْتَهْوُونَ ۝ فِيهِ أَعْلَامٌ بَانَ الْمَأْكُلِ وَالْمَشْرَبِ فِي الْجَنَّةِ بِحَسَبِ شَهْوَاتِهِمْ بِخِلَافِ

الدُّنْيَا فَبِحَسَبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِي الْأَعْلَابِ وَيُقَالُ لَهُمْ كَلُوا وَ اشْرَبُوا هَنِيئًا ۝ خَالَ أَيْ مَنَهَيْنِ بِمَا

کُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ مِنَ الطَّاعَاتِ إِنْ كُنَّا كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱﴾ وَيَلُومُنَّ يَوْمَئِذٍ
 الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۲﴾ كَلُوا وَتَسْتَعْتَبُوا خِطَابَ لِلْكَافِرِ فِي الدُّنْيَا قَبِيلًا مِّنَ الزَّمَانِ وَعَايِنَهُ إِلَى الْمَوْتِ وَفِي
 هَذَا تَهْدِيدٌ لَهُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُجْرِمُونَ ﴿۱۳﴾ وَيَلُومُنَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۴﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا
 صَلُّوا أَوْ لَا يَرْكَعُونَ ﴿۱۵﴾ لَا يَصْلُونَ وَيَلُومُنَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۶﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ أَيْ الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾
 يَ لَا يُمْكِنُ إِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ تَكْذِيبِهِمْ بِهِ لِإِسْتِمَالِهِ عَلَى الْأَعْجَازِ الَّذِي لَمْ
 يَشْتَمَلْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ

ج ۲۲

ترجمہ: البتہ جوڑنے والے ہیں وہ سائے میں ہیں (گھنے درختوں میں۔ کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور پانی کے بہتے (چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے) اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ جو شانِ اعجازی اس میں ہے اور وہاں میں نہیں ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: من فرط الدهشة: خوف کی کثرت سے بعض دوسرے اوقات میں بات کریں گے۔
- قولہ: لَا إِذْنٌ: یہاں اگر جواب بنائیں تو اذن نہ ہونے پر محمول کریں گے۔
- قولہ: يَوْمَ الْفُصْلِ: حق و باطل میں جدائی والا۔
- قولہ: فَيُكَيِّدُونَ: ان کی تدابیر پر ان کو ڈانٹا۔
- قولہ: صَلُّوا: تم نماز ادا کرو۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونِ ۝

متقیوں کے سایوں، چشموں اور میوؤں کا تذکرہ:

اوپر چونکہ بدکاروں کی سزا کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیزگار تھے اللہ کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے۔ اللہ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے، جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔ گنہگار سیاہ بد بودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے۔ سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں۔ قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں، جسے جب جی چاہے کھائیں، نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے، نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے، پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دو بالا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم بہ خوشی اور با فراغت لذیذ پر کیف طعام خوب کھاؤ پیو، ہم ہر نیک کار پر ہیزگار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں۔ ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھاپی لو، برت برتا لو، فائدے اٹھا لو، عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے۔ پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ تمہاری بد اعمالیوں اور سیہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں، قیامت کو، ہمارے نبی ﷺ کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا۔ اسی کی سخت خرابی ہوگی۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: ثُمَّ نَعْتَهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَنْظُرُهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (لقمان: ۲۴) دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے: قُلْ إِنَّ الدِّينَ يَفُتُّونَ عَلَى الْكُذِّبِ لَا يُفْلِحُونَ (یونس: ۶۹) یعنی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھ لیں پھر ان کا لاشنا تو ہماری ہی طرف ہے، ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے سامنے جھک تو لو، جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گزار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے: لَيَأْتِي عَذِيبٌ نَّعَذُّهُمُ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ يُؤْمِنُونَ (الہاعمر: ۶) یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اسکی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں (امنن بالله وبما انزل) کہنا چاہئے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ سورۃ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ

سُورَةُ التَّوْبَةِ ۸۸ مَكِّيَّةٌ ۸۰ آيَاتُهَا ۴ رُكُوعَاتُهَا ۲

شرح اللہ کے نام سے جو ہے ہم پر ہاں نہایت رحم والا ہے

پورے نازل ہوئے

عَمَّ عَنْ أَيِّ شَيْءٍ يَكْتَسِبُونَ ۝ يَسْأَلُ بَعْضُ فَرِيسٍ بَعْضًا عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ۝ تَبَيَّنَ لِذَلِكَ الشَّيْءِ
 وَالْإِسْتِفْهَامِ لِتَفْخِيمِهِ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْآنِ الْمَشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهِ
 الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ فَالْمُؤْمِنُونَ يُبَيِّنُونَ وَالكَافِرُونَ يُنْكِرُونَ كَلَّا رَدَّعَ سَيِّعَلُونَ ۝ مَا يَحُلُّ
 بِهِمْ عَلَى انْكَارِهِمْ لَهُ ثُمَّ كَلَّا سَيِّعَلُونَ ۝ تَاكِيدٌ وَجِيءَ فِيهِ بِثَمِّ الْإِلْيَدِ بِأَنَّ الرُّعَيْدَ الثَّانِيَ أَسَدٌ مِنَ
 الْأَوَّلِ ثُمَّ أَوْ مَا تَعَالَى إِلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ فَقَالَ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا ۝ فِرَاشًا كَالْمِهْدِ وَ
 الْجِبَالَ وِتْدًا ۝ يَثْبُتُ بِهَا الْأَرْضُ كَمَا يَثْبُتُ الْجِبَامُ بِالْأَوْتَادِ وَالْإِسْتِفْهَامِ لِلتَّفْهِيمِ وَ خَلَقْنَاكُمْ
 أَزْوَاجًا ۝ ذَكَرُوا وَإِنَّا ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ سُبَاتًا ۝ رَاحَةً لِأَجْدَانِكُمْ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَاسًا ۝ سَاتِرًا
 بِسَوَادِهِ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَقَتْلِ الْمَعَايِشِ وَ بَيْنَنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سَبْعَ سَمَوَاتٍ شَدَادًا ۝
 جَمْعُ شَدِيدَةٍ أَيْ قُوَّةٍ مُحْكَمَةٍ لَا يَوْتِرُ فِيهَا مُرُورُ الزَّمَانِ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا مُبِينًا وَهَلْجًا ۝ وَقَادَايَةَ فِي
 الشَّمْسِ وَ أَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ السَّحَابَاتِ الَّتِي حَانَ لَهَا أَنْ تَمُطَرَ كَالْمُعْصِرِ الْجَارِيَةِ الَّتِي دَنَتْ مِنَ
 الْخَبِيزِ مَاءٌ تَجَاجًا ۝ صَبَابًا لِيُنْجِجَ بِهِ حَبًّا كَالْحِنْطَةِ وَ نَبَاتًا ۝ كَانَتْ وَجَدَّتْ بِسَائِرِ الْفَأَقَا ۝
 لَمَّا جَمَعَ لَفِيفٍ كَشْرِيفٍ وَ أَشْرَافٍ إِنَّ يَوْمَ الْفُضْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ وَتَالِ التَّوَابِ
 وَالْعِقَابِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ الْقُرْنُ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ الْفُضْلِ أَوْ بَيَانٌ لَهُ وَ النَّافِخُ اسْرَائِيلُ فَتَأْتُونَ مِنْ
 مُنْزَرِكُمْ إِلَى الْمَوْقِفِ أَفْوَاجًا ۝ جَمَاعَاتٍ مُخْتَلِفَةٌ وَفِي حَتِّ السَّمَاءِ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ شَقِيقَتْ

تفسير

لنزول الملائكة فكانت ابوابا ۱ ذات ابواب ۱ وسيرت الجبال ذهب بها عن اماكيتها فكانت
 سرايا ۱ هباء اى مثله فى خفة سير ما ان جهلم كانت مرصدا ۱ راصده او مرصده لظاغين
 الكافرين فلا يتحاورونها مابا ۱ مرجعلهم فيدخلونها لبيبين حال مقدره اى مقدر اللههم فيها
 احقابا ۱ دهورا لانهاية لها جمع حطب بضم اوله لا يدوقون فيها بردا ۱ نوما ولا شرابا ۱ ما
 يشرب تلذذا الا لکن حبيبا ۱ ماء حار اغاية الحرارة وعساقا ۱ بالتخفيف والتشديد ما يسئل من
 صديد اهل النار فانهم يدوقونه جوزوا بذلك جزاء ۱ وفاقا ۱ مؤافقا لعملهم فلا ذنب اعظم من
 الكفر ولا عذاب اعظم من النار انهم كانوا لا يرجون بخافون حسابا ۱ لانكارهم البعث وكذبوا
 بايتنا القرآن كذابا ۱ تكذيبا ۱ وكل شىء من الاعمال احصينه ضبطناه كتبنا ۱ فى اللوح
 المحفوظ ليجازى عليه ومن ذلك تكذيبهم بالقران فذوقوا اى فيقال لهم فى الاخرة عند وقوع
 العذاب عليهم ذوقوا جزاءكم فكن لزيدكم الاعداء ابابا ۱ فوق عذابكم

ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کے متعلق آپس میں سوال کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا
 حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے اور وہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا
 قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافر
 انکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلا نازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو
 ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور تم سے اشارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر
 قدرت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (ان سے
 زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھا ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد و عورت) بنایا
 اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیری میں چھپ دینے
 والی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو موش کا دنت (دھندہ کرنے کے لیے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان
 بنائے (شدادہ شدیدہ کی جمع ہے یعنی نہایت طاقت ور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن
 چراغ (دیکھتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس
 جوان لڑکی کی طرح ہوتے ہیں جو قریب الجھٹل ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے
 گیہوں) اور بھوسہ (تھکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشرف ہے) بے شک

فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب و عذاب کے لیے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینگ کے ہیں "یوم النفل" کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے اسرائیل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ درگروہ (مختلف جتھے) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ نرشتوں کے اترنے کے لیے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے اٹل جائیں گے) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ (غبار یعنی ہلکے ہلکے بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے) تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافر اس سے نکل کر جا نہیں سکیں گے، اسی ترار گاہ میں گھسیں گے) جس میں دو رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ عقب کی جمع ہے جو ضرب اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو مزے کے لیے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچھ دوزخیوں سے بچے گا وہ ان کو دیا جائے گا۔ طے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملیگا (جو ان کے قصوروں کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سوزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **بِسْأَلٍ**: قریش ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے بطور استہزا سوال کرتے ہیں۔
 قولہ: **بَيَانٍ لِّلذِّلِكِ**: اس سے عطف بیان مراد ہے۔ اس لیے کہ پہلے اسے ما سے تعبیر کیا، پھر اس کی وضاحت کر دی۔ اور استفہام سے..... یہاں حقیقی نہیں بلکہ بطور کنایہ معالے کی عظمت و بڑھائی کے لیے یہاں لاتے ہیں۔
 قولہ: **فَالْمُؤْمِنُونَ**: ظاہر یہ ہے کہ دواؤ اور ہم کا مصداق عام ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر۔ (ک)
 قولہ: **بِمَا يَحْتَلِبُ بِيَهُمْ**: نزع یا قیامت کے روز ان کے پردہ کو ہٹانے کے لیے جو کچھ ان پر اتارے گا۔ (م)
 قولہ: **بِأَنَّ الْوَعِيدَ**: تم یہاں استبعاد اور تراخی ۹۹ کے لیے آتا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: باز آؤ تمہارے لیے سخت وعید ہے۔ (ک)
 قولہ: **لَنْتُمْ أَوْ مَا تَعَالَى**: یہ بات اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے کہ تمام اجسام صفات و اعراض کے قبول کرنے میں برابر قدرت رکھتے ہیں پھر بعثت سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہاں جعل یہ ابتداء اور انشاء کے معنی میں آیا ہے، جس میں تقدیر و تسویہ

دونوں آجاتے ہیں۔ (ج)

قولہ: **سُبَّاتًا**: نیند کو سبات کہا اس لیے کہ ظاہری حواس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد راحت لی گئی ہے جو کہ نیند کا لازمہ ہے۔ (ک)

قولہ: **وَقَفْنَا لِلْمَعَايِشِ**: یعنی اس میں وہ ان اشیاء کو حاصل کرتے ہیں جن سے وہ زندگی گزارتے ہیں۔ یہ مصدر مسمیٰ ہے اور مضاف مقدر کے ساتھ یہاں بیان نظر بنا ہے۔ ۲۔ یہ ظرف زمان ہے۔ (ک)

قولہ: **جَعَلْنَا**: یہ خلقنا کے معنی میں ہے کیونکہ **وَهَا جَاءَ يَسْرًا** کی صفت ہے دوسرا مفعول نہیں کیونکہ مفعول اول نکرہ نہیں ہوتا۔ (ک)

قولہ: **حَانَ لَهَا**: کہ کراہندہ انزع کی طرح کے معنی کو ثابت کیا۔

قولہ: **تَجَاجًا**: اس کو متعدی مانا جائے تو صبا بمعنی ہوگا اور لازمی معنی لیں تو منصبا (کثرت سے بننے والا) کے معنی میں ہوگا۔ (ک۔ ب)

قولہ: **مُلْتَفَةً**: یہ لفیف کی جمع ہے۔

قولہ: **رَفَقًا**: اس سے اشارہ کیا کہ میقتل اس مقید وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ثواب و عقاب کا وعدہ پورا ہو گا۔ (ک۔ خ)

قولہ: **شَقِيقًا**: اس سے اشارہ کر دیا کہ فتح سماء سے مراد دروازے کی طرح کھلنا نہیں بلکہ پھٹنا مراد ہے اور اذا اسماء انشقت... سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ص) مگر امام رازی فرماتے ہیں کہ انشقاق کو فتح ابواب سے تعبیر کر کے قدرت باری تعالیٰ کی عظمت اور سہولت کی طرف اشارہ کیا۔ (ر)

قولہ: **هَبَاءً**: کو اپنے ظاہر پر رکھنا چاہیے اور فقط سراب سے تشبیہ پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ (ک)

قولہ: **زَاوِدَةً أَوْ مَرَّضِدَةً**: اس سے اشارہ کیا مرصاد یہ مبالغہ کے اوزان سے ہے۔ یہ اسم فاعل کے معنی میں یا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ مگر جوہری نے اسے ظرف مکان قرار دیا ہے۔ (ک) یہ **مَرَّضِدَةً** یعنی انتظار گاہ ارصدت الشیء سے ہے۔ قولہ: **أَحْقَابًا**: حضرت حسن فرماتے ہیں کفار کو غیر منتہی عذاب ہوگا ایک حقب کے بعد دوسرا حقب داخل ہوتا جائے گا۔ اکی حقب بعد حقب۔

قولہ: **بَرْدًا**: ابن عباس فرماتے ہیں: اس سے مراد نیند ہے۔ عرب کہتے ہیں: منع ابرو البرد۔ سردی نے نیند اڑا دی۔ یہ نینا بذیل کی لغت ہے۔ (ج)

قولہ: **كِتَابًا**: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مکتوب کے معنی میں ہے۔ مفسر نے کتب سے اشارہ کیا کہ یہ مصدر مفعول مطلق ہے۔ کیونکہ احصاء و کتابت ضبط میں شریک ہیں۔ (ک)

۱۔ متقین سے پانچ وعدے: ۱۔ فوز و نجات۔ ۲۔ بائین جنت سے تمتع۔ ۳۔ ہم عمر خوبصورت و سیرت حوروں سے تمتع۔ ۴۔ نمود جنت کے جاموں کی چھینا چھٹی۔ ۵۔ ہر طرح کا ذاتی امن۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں جلال والی صفات رب السموات والارض دیکھیں۔ ۲۔ اور جمال والی صفت رحمت رحمان و رحیم ہوتا ہے۔

- ۳۔ قیامت کے دن عظمت و جلال کی وجہ سے ملائکہ تک بات نہ کر سکیں گے پھر دوسروں کے احوال کا اندازہ خود کر لو۔
- ۴۔ قیامت کا وقوع یقینی ہے سعادت مند وہ ہے جو عمل صالح کو اپنالے۔ ہر خیر و شر کا بدلہ ملے گا۔
- ۵۔ قیامت کے دن کافر مٹی یا حیوان غیر مکلف بنائے جانے کی بے سود تمنا کرے گا۔

تفسیر مقبولین

اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہ نے بڑی ہی قوت و عظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انہ نوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لیے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا، تو زمین و آسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرمین و مکرمین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کر کے ان کا رد، اور ان پر تشبیہ کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جا رہا ہے۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾ لفظ عَمَّ دو حرفوں سے مرکب عن اور ما حرف ما استفہام کے لیے آتا ہے۔ اس ترکیب میں حرف ما میں سے الف ساقط کر دیا گیا ہے معنی یہ ہوئے کہ یہ لوگ کس چیز میں باہمی سوال و جواب کر رہے ہیں۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیا گیا: عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ﴿۱﴾ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿۱﴾ لفظ انباء کے معنی خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو بنا نہیں بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اس کو بنا کہا جاتا ہے مراد اس انبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اہل مکہ اس عظیم الشان خبر یعنی قیامت کے بارے میں بحث اور سوال جواب کر رہے ہیں جس میں ان کے آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہوتا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کیساتھ آیا ہے اور ان کے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اس لیے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اس لیے اس سورت کے شروع میں انکا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقع ہونا مذکور ہے اور ان کے نزدیک جو اس کے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اس کا جواب دیا گیا اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کے لیے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لیے تھا واللہ اعلم، قرآن کریم نے ان کے جواب میں ایک ہی جملہ کو تاکید کے لیے دو مرتبہ فرمایا: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۲﴾، كَلَّا کے معنی ہیں ہرگز نہیں، مراد یہ ہے کہ یہ سوال و جواب اور بحث و تحقیق سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، وہ تو جب سامنے آدے گی

اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں بحث و سوال اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی حقیقت خود ان لوگوں پر عنقریب واضح ہو جائے گی یعنی مرنے کے بعد ان کو دوسرے عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوگا اور وہاں سے ہولناک مناظر کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس وقت حقیقت کھل جائے گی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت و صنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق پھر انسان کی تخلیق مرد و عورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، اس میں ایک یہ ارشاد ہے: **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا**، سببات سبب سے مشتق ہے جس کے معنی موٹہ یا قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام مہوم و غموم اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب کو رماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی، اس لیے سبات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت سے بھی کیا ہے۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لیے عام ایسا فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ المداہوں اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکے سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں تکیوں یا کٹھنی بنگلوں کی نفاذ کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستری کے کھلی زمین پر یہ نعمت فرادانی سے دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز و سامان والوں کو نہیں دی جاتی، ان کو خواب آور گولیاں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں، پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لیے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنا دیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے مگر رحمت حق جل شانہ، اس پر جبراً نیند مسلط کر کے اس کو سلا دیتی ہے کہ دن بھر کا مکان دور ہو جائے اور اس کے قومی مزید کام کے لیے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا حکم یہ بیان فرمایا کہ **وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْتًا** یعنی رات کو کم کرنے چھپانے کی چیز بنا دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو نظر سے نیند اس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور و شغب نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند

کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لیے سازگار ہوں۔ اول رات کی ہار کی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسط ہونا کہ جب سبھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہوگا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسر نہ آتا۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝

معصرات، معصرۃ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی ولا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضا آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لیے آیا ہے اور یہاں یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ان تمام صنائع قدرت اور انعامات ربانی کا ذکر فرمانے کے بعد پھر اصل مضمون قیامت کی طرف رجوع ہے۔

وَجَنَّتِ الْفَاكَا ۝

یعنی نہایت گنجان اور کھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کئے۔ (تمبیہ) قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت والا ہے، کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لیے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات سنائی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی غلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝

فیصلہ کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکل الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز و افتراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا، جاگنا، ہارش، بادل، باغ، کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکیوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ یوم الفصل ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

لَيْثِيْنَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝

لَيْثِيْنَ، لایث کی جمع ہے جس کے معنی ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، احقاب، حقہ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار اس سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقہ اور حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حقہ اسی کے بجائے ستر سال قرار دی ہائی حساب وہی

ہے (ابن کثیر) مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، لا یخرج احدکم من النار حتی یمکث فیہ احقبا و الاحقاب بضع وثمانون سنة کل سنة ثلث مہینہ

ستون یوما ممانعدون (ار مطہری)

تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا جب تک اس میں چند اہقبا نہ رہ لے اور حقہ کچھ اور پر اسی سال کا اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہے تمہارے موجودہ دنوں کے مطابق اس حدیث میں اگرچہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر مذکور نہیں ہے مگر بہر حال لفظ احقبا کے معنی کا بیان ہی چند صحابہ کرام سے جو اس میں ہر دن ایک ہزار سال کا منقول ہے اگر وہ بھی آنحضرت ﷺ سے سنا ہوا ہے تو روایات حدیث میں تعارض ہوا، اس تعارض کے وقت کسی ایک پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات دونوں ہی روایتوں میں مشترک ہے کہ حقہ یا حقبا بہت ہی زیادہ طویل زمانے کا نام ہے اسی لیے بیضاوی نے احقبا کی تفسیر دھور متتابعہ سے کی ہے یعنی پے در پے بہت سے زمانے۔

جہنم کے خلود اور دوام پر اشکال و جواب:

حقہ کی مقدار کتنی بھی طویل سے طویل قرار دی جائے بہر حال وہ متناہی اور محدود ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکل جاویں گے حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح نصوص کے خلاف ہے جن میں (آیت) خلدین لیسما ابداء کے الفاظ آئے ہیں اور اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ نہ جہنم کبھی فنا ہوگی، نہ کفار کبھی اس سے نکالے جائیں گے۔

سدی نے حضرت مرہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ ان کا قیام جہنم میں دنیا بھر میں جانا نکلریاں تھیں ان کے برابر ہوگا تو وہ اس پر بھی خوش ہوں گے کہ بالآخر یہ نکلریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں سہی پھر بھی مدد اور متناہی تو ہیں، بہر حال کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے گا اور اگر اہل جنت کو یہی خبر دی جائے کہ ان کا قیام جنت میں دنیا بھر کی نکلریوں کے عدد کے مطابق سالوں رہے گا تو وہ ٹھنکین ہوں گے کہ کتنی ہی مدت دراز سہی مگر بہر حال اس مدت کے بعد جنت سے نکال دیئے جائیں گے۔ (مطہری)

بہر حال اس آیت میں اَحْقَابًا کے لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چند احقبا کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکال لیے جائیں گے، تمام نصوص اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی بنا پر یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احقبا کے بعد کیا ہوگا صرف اتنا ذکر ہے کہ مدت احقبا ان کو جہنم میں رہنا پڑے گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احقبا کے بعد جہنم نہیں رہے گا یا یہ لوگ اس سے نکال لیے جائیں گے۔ اسی لیے حضرت حسن نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہل جہنم کے لیے جہنم کی کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد ان کا اس سے نکل جانا سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک حقہ زمانے کا گزر جائے گا تو دوسرا شروع ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا چوتھا یہاں تک کہ ابدال آباد یہی سلسلہ رہے گا اور سعید بن جبیر نے قتادہ سے بھی یہی تفسیر روایت کی ہے کہ احقبا سے مراد روزانہ

ہی جس کا انقطاع اور انتہائیں بلکہ ایک حسب ختم ہوگا تو دوسرا حسب آجائے گا اور یہی سلسلہ ابد تک رہے گا۔ (ابن کثیر و مظہری) اور یہاں ایک دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کو ابن کثیر نے محتمل کے لفظ سے بیان کیا ہے اور قرطبی نے فرمایا کہ یہ بات بھی ممکن ہے اور مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طامین سے مراد کفار نہ لیے جاویں بلکہ وہ اہل توحید جو عقائد باطلہ کے سبب اسلام کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہل اہواء کہا جاتا ہے وہ مراد ہوں تو آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ایسے اہل توحید کہہ جو عقائد باطلہ رکھنے کے سبب کفر کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے مگر صریح کافر نہ تھے وہ مدت اہتاب جنہم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جنہم سے نکال لیے جاویں گے۔

مظہری نے اس احتمال کی تائید میں وہ حدیث مرفوع بھی پیش کی جو ابوہریرہ سے مروی ہے بحوالہ مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مدت اہتاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جنہم سے نکال لیے جاویں گے مگر ابوہیان نے فرمایا کہ بعد کی آیت: **لَا تَنْهَوْنَ عَنْهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا إِلَّا حَيْمًا وَعَسَا قَالُوا** یہ اہل توحید سے مراد اس جگہ اہل توحید اور گمراہ فرقے ہوں کیونکہ ان آخری آیات میں قیامت کے انکار اور تکذیب رسل کی تصریح ہے اسی طرح ابوہیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ اس آیت کو منسوخ مانا جائے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے ایک تیسرا احتمال اس آیت کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ: **لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا إِلَّا حَيْمًا وَعَسَا قَالُوا** یہ اہل توحید سے مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہوں کہ اہتاب کے زمانہ دراز تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے نہ کسی کھانے اور پینے کی چیزیں کا جو حیم اور عساق، پھر اہتاب گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں حیم وہ کھولتا ہوا گرم پانی ہے کہ جب چہرہ کے قریب آئے گا تو اس کا گوشت جل جائے گا اور جب پیٹ میں ڈالا جائے گا تو اندرونی اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور عساق وہ خون اور پیپ وغیرہ جو اہل جنہم کے زخموں سے نکلے گی۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَاذًا ۖ مَكَانَ نُورٍ فِي الْجَنَّةِ حَادِّقٍ ۖ يَسَاجِدُونَ لِلَّهِ مِنْ مَفَاذٍ أَوْ بَيِّنَاتٍ لَهُ وَأَعْنَابًا ۖ غُلْفٌ عَلَى مَفَاذٍ ۖ وَكَوَاعِبَ ۖ جَوَارِي تَكْتُمْنَ لَدَيْهِمْ جَمْعٌ سَاعِدَاتٌ أَشْرَابًا ۖ عَلَى سِينٍ وَاجِدٍ ۖ جَمْعٌ يَرْبَبُ بِكُسْرٍ النَّارِ وَشُكُونِ الزَّوْجِ ۖ وَكَاسًا دِهَاقًا ۖ خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالِّهَا وَفِي الْقِتَالِ وَأَنْهَرُ مِنْ خَمْرٍ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا ۖ أَيُّ الْجَنَّةِ عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَحْوَالِ لَعْوًا ۖ بَاطِلًا مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَلَا كِدْبًا ۖ بِالتَّخْفِيفِ أَيُّ كِدْبًا وَبِالتَّشْدِيدِ أَيُّ تَكْدِيمًا مِنْ وَاجِدٍ لِعَبْرَةٍ بِخِلَافِ مَا يَتَّقِعُ فِي الدُّنْيَا عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ ۖ أَيُّ جَازَاهُمْ اللَّهُ بِذَلِكَ حَزَاءً عَطَاءً ۖ نَدَلَ مِنْ جَزَاءٍ جَسَابًا ۖ أَيُّ كَيْتَرًا مِنْ قَوْلِهِمْ أَعْطَانِي فَأَحْسَبُنِي أَيُّ أَكْتَرُ عَلَيَّ حَتَّى قُلْتُ حَسْبِي رَبِّي السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ بِالْحَبْرِ

وَالرُّعِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ كَذٰلِكَ وَ يَرْفِعُہٗ مَعَ حَزْرَبِ السَّمٰوٰتِ لَا يَمْلِكُوْنَ اٰیَ الْخَلْقِ مِنْهُ
 تَعَالٰی خَطَابًا ۙ اٰی لَا یَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ یُّخَاطَبَہٗ خُرْفًا مِنْهُ یَوْمَ ظُرْفٍ یَلَا یَمْلِكُوْنَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ
 جِبْرِیْلُ اَوْ جُنْدُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰئِکَةُ صَفًّا ۙ حَالٌ اٰی مُضْطَفِّیْنَ لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اٰی الْخَلْقِ اِلَّا مَنْ اٰذِنَ لَہٗ
 الرَّحْمٰنُ فِی الْکَلَامِ وَ قَالَ یَقُوْلًا صَوَابًا ۙ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰئِکَةِ کَانَ یَسْفَعُوْا لِمَنْ اِزْتَضٰی ذٰلِکَ
 الْیَوْمَ الْحَقُّ ۙ الثَّابِتُ وَ قُوْعُهُ وَ هُوَ یَوْمُ الْقِیَمَةِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰی رَبِّہٖ مَا بَابًا ۙ مَنْ جَعَلَ اٰیَ رَجَعَ اِلٰی
 اللّٰهِ تَعَالٰی بِطَاعَتِہٖ لَیَسَلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِیْہِ اِنَّا اَنْذَرْنَاکُمْ اٰیَ کُفْرًا مَّکَّةَ عَدَابًا قَرِیْبًا ۙ اٰیَ عَذَابِ یَوْمِ
 الْقِیَمَةِ الْاٰتِیِ وَ کُلُّ اَبٍ قَرِیْبٍ یَوْمَ ظُرْفٍ لِّعَدَابًا بِصِفَتِہٖ یَنْظُرُ الْمَرْءُ کُلَّ اَمْرِیْ مَا قَدَّمَتْ یَدُہٗ
 مِنْ خَیْرٍ وَ شَرٍّ وَ یَقُوْلُ الْکٰفِرُ یَا حَزْرَفُ تَنْبِیْہِ یَلِیْسَ لَیَّکِنِّیْ کُنْتُ تُرْبًا ۙ یَعْنِیْ فَلَا اُعَذَّبُ یَقُوْلُ ذٰلِکَ عِنْدَ
 مَا یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِلْبَہٰئِمِ بَعْدَ الْاِقْتِصَاصِ مِنْ لِبَعْضِہَا لِبَعْضٍ کُنِّیْ تُرْبًا

تَرْجُمَتُہَا: اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام، یعنی بارگ (مجازاً آکا یہ بدل ہے یا بیان) اور انگور اور نونہ اور خیز عورتیں (جن کی چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں گی۔ کاعب کی جمع ہے) جو ہم عمر ہوں گی (حسن ترب کی جمع ہے جو کسر تا اور سکون آکا کے ساتھ ہے) اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب ہوں گے (پینانے شراب سے لبریز سورا محمد میں وانہر من خمر ہے) وہاں نہ کوئی بے ہودہ (غلط) بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (تخفیف کے ساتھ یعنی جھوٹ اور تشدید کے ساتھ تشدید کے ساتھ ہے یعنی ایک دوسرے کو جھٹلانا اور دنیا میں شراب پینے کے وقت اس کے خلاف ہوتا ہے) یہ بدل ملے گا (یعنی اللہ انہیں یہ صلہ عطا فرمائے گا) آپ کے رب کی طرف سے انعام (جزا کا بدل ہے) کافی (بہت زیادہ جیسے بولتے ہیں اعطانی فا حسبتی یعنی مجھے اتار یا کہ میں نے حسب یعنی بس کہہ دیا) جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا (جز اور رفع کے ساتھ ہے) اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمن ہے کسی (مخلوق) کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا۔ کہ عرض معروض کر سکے (یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ وہشت سے اس کے آگے بات کر سکے) جس روز (لا یکن کا ظرف ہے) ارواح (جبریل یا لشکر خدائی) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (حال ہے بمعنی مصطفین) کوئی (مخلوق) بول نہ سکے گی مگر یہ کہ اللہ کسی کو بات کرنے کی اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (مومن ہو یا فرشتہ وہ مثلاً ایسے شخص کے لیے سفارشی ہوں جس کے لیے اللہ اجازت دے دے) یہ دن یقینی ہے (اس کا ہونا واقعی ہے۔ یعنی روز قیامت) سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے (اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی پناہ میں ہو جائے تاکہ عذاب سے محفوظ رہ سکے) ہم نے ان (مکہ کے کافروں) کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (یعنی قیامت کے آنے والے عذاب سے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ

زرب ہوتی جاتی ہے) جس دن (عذاب کا طرف ہے مع اپنی صفت کے) ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا۔ جو (مجھے برے کام) اس نے اپنے ہاتھوں کیے ہوں گے اور کافر کہے گا اے (حرف تنبیہ ہے) کاش میں مٹی ہو جاتا (یعنی میں عذاب سے بچ جاتا۔ یہ اس وقت کہے گا جب حق تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد فرمائیں گے تم سب مٹی ہو جاؤ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: حَدَّ آتَقَ : یہ مَفَازَ سے بدل بعض ہے جب کہ اس کو طرف مکان مانیں اور مصدر کی صورت میں بدل الاشتمال ہے۔

قوله: عَطْفٌ عَلَى مَفَازٍ : یہ تسامح ہے بلکہ اس کا عطف حَدَّ آتَقَ پر چسبہ کہ مذکور ہوا۔ (ک)

قوله: كَأَسَا : کو ظاہری معنی میں لینا اور دھاگا کو جھکنا، کے معنی میں لینا زیادہ بہتر ہے۔ (ک)

قوله: جِسَابًا : سے اس کا ترجمہ کر کے ثابت کیا کہ یہ محاورہ عرب اعطیہ ماء یکفیه حتی قال حسبی حسبی سے ماخوذ ہے۔ یا پھر کافیا کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں احسبه الشیء یعنی اذا کفاه حتی قال حسبی حسبی سے ہے۔ (ک)

قوله: الرَّحْمَنِ : یہ مبتداء ہے اور ذَاتِ السَّمَوَاتِ کی صفت یا خبر ہے۔ ۲۔ مجزور ہو تو قِنَ رَبِّكَ سے بدل ہے یا پھر اس کی صفت ہے۔ (ک)

قوله: جُنْدُ اللَّهِ : یہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ سے الگ لشکر ہے۔ جو ملائکہ نہیں مگر صورت بنی آدم ہیں و نسل آدم نے بھی نہیں یہ ابن عباس کا قول ہے۔ (ک)

قوله: كُلُّ امْرِئٍ : سے اشارہ کیا کہ المرء کلام استغراق کے لیے ہے۔ (ک)

قوله: لِلْبَهَائِمِ : ابن جریر نے حضرت ابوہریرہؓ سے موقوف روایت کی ہے۔ کہ حیوانات کو اٹھایا جائے گا پھر ایک دوسرے سے بدلہ دے دلا کر ان کو مٹی بنا دیا جائے گا۔

کا ہذا کا قول بھی یہی ہے۔ اس وقت کافر تمنا کرے گا کہ کاش وہ مٹی ہو جاتا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ مظاہر قدرت، علم، حکمت میں سے نو کا یہاں ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ قیامت کا واقعہ پیش آئے گا۔ اگر چہ اب لوگوں میں اختلاف ہے کچھ مانتے اور دوسرے انکار ہی ہیں۔

۲۔ نزع روح کے وقت بعثت کا کامل یقین حاصل ہو جائے گا مگر بے فائدہ اور بے وقت۔

۳۔ یہ تو قسم کی عظیم الشان نعمتیں کثرت طاعات سے شکر یہ کو لازم کرنے والی ہیں اور معصیت پر اقدام سے مانع ہیں۔

۴۔ نباتات تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ۱۔ جن کے بیج ہیں۔ ۲۔ جن کی گھٹلی نہیں، جیسے گھاس۔ ۳۔ جن کی پوری ہے۔

۵۔ تین بڑے مظاہر ذکر فرمائیں: ۱۔ صور اسرافیل۔ ۲۔ مختلف جماعات پر مشتمل بعثت عن القیور۔ ۳۔ پہاڑوں کو اپنے اماکن

سے اکھڑنا اور آسمان کا دروازے دروازے ہونا۔

۶۔ اشیاء کی سزا کو مبالغہ سے اس طرح ذکر فرمایا کہ پہلے ان کے سزا کے وجود ذکر کیے پھر ان پر سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ اعمال کے موافق سزا ہے پھر ان کی رسوائیاں ذکر کیں اور حکم جاری فرمایا: نذوقو گویا فرمایا: تمہارے متعلق میرا یہی حکم ہے پھر اس فتویٰ کو فلن نزدیک کہ الاعلایا سے مبالغہ کے طور پر تصدیق ثبت کر دی۔ کہ اس کے ختم ہونے کا امکان نہیں۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝

اہل کفر اور اہل شرک کا انجام اور عذاب بتانے کے بعد متقی حضرات کے انعام و اکرام کا تذکرہ فرمایا، تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں، سب سے بڑا تقویٰ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچے اور اس کے بعد گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے اور اس کے بھی درجات مختلف ہیں حسب درجات انعامات ہیں فرمایا: إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ (بلاشبہ تقویٰ والوں کے لیے کامیابی ہے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ منازا مصدر میس ہو اور اگر اسم ظرف لیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ (متقیوں کے لیے کامیابی کی جگہ ہے) اس کے بعد کامیابی پر ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ (یعنی ان حضرات کو باغچے ملیں گے اور انگریز ملیں گے) حدائق حدیقہ کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری ہو اسے حدیقہ کہا جاتا ہے اور گودائقی کے عموم میں انگریز بھی داخل ہو گئے لیکن ان کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ پھلوں کی یہ جنس دوسرے پھلوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے، مزید فرمایا: وَكُوَاعِبَ اور ساتھ ہی أَتْرَابًا ۝ بھی فرمایا۔ کاعب نوزیر لڑکی کو کہتے ہیں: التي تکعب ثدیاھا واستدار مع ارتفاع یسیر اور اتراب، قرب کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم عمر کیا گیا ہے، اس میں یہ بات بتادی کہ وہاں میاں بیوی سب ہم عمر ہوں گے۔ دنیا میں عمروں کے بے تکر تفاوت میں جوڑ و چین کو بد مزگی پیش آتی رہتی ہے اسے جاننے والے جانتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جانے والا جو شخص بھی اس دنیا سے رخصت ہوگا چھوٹا ہو یا بڑا (داخلہ جنت کے وقت) سب تیس سال کے کر دیئے جائیں گے اس سے کبھی آگے نہیں بڑھیں گے۔

وَكَاسًا دِهَاقًا ۝ (اور متقیوں کے لیے لبالب بھرے ہوئے جام ہوں گے) یہاں قدر و ہا، تقدیر کے مضمون سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ جنہیں اور جس وقت پورا بھرا ہو اجام پینے کی رغبت ہوگی انہیں لبالب پیش کیا جائے گا۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِدًّا ۝ (وہاں نہ کوئی لغو بات نہیں گے اور نہ کوئی جھوٹی بات) وہاں جو کچھ ہوگا سچ ہوگا اور نہ صرف یہ کہ کوئی غلط بات نہ ہوگی بلکہ جس بات کا کوئی فائدہ نہ ہوگا وہاں سننے میں بھی نہ آئے گی۔ ایسی بات کو لغو کہا جاتا ہے۔

جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝

اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے یہ جزاء ہے مومنین کے لیے اور عطاء ہے ان کے رب کی طرف سے عطاءے کثیر۔ یہاں ان نعمتوں کو اول جزائے اعمال بتلایا پھر عطاءے ربانی، بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ جزاء اس چیز کو کہا جاتا ہے جو

کسی چیز کے بدلے میں ہو اور عطا وہ ہے جو بلا کسی بدلے کے بطور انعام و احسان ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو یکجا جمع کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے تو اہل جنت کے اعمال کی جزاء ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ خلاص عطاءے ربانی ہے کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے جو ان کو دنیا میں دے دی گئی ہیں آخرت کی نعمتوں کا حصول تو صرف حق تعالیٰ کا فضل و انعام اور عطاءے محض ہے جیسا کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا، اور لفظ حسابا کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ائمہ تفسیر میں بعض نے پہلے بعض نے دوسرے معنی لیے ہیں پہلے معنی حسابا عطاء، کافیہ کثیرا کے ہیں یعنی ایسی عطاء جو اس کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی وافی اور کثیر ہو، یہ معنی اس محاورہ سے ماخوذ ہیں: احسیت فلانا ای اعطینہ ما یکفیه حتی قال حسبی یعنی احسبت کاللفظ اس معنی کے لیے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اس کے لیے بالکل کافی ہو گیا یہاں تک کہ بول اٹھا جس یعنی بس یہ میرے لیے بہت ہے اور دوسرے معنی حساب کے موازنہ اور مقابلے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ یہی معنی لے کر مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطاءے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطاء میں درجات بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہوں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اللہ کی راہ میں ایک مدخر خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے اور غیر صحابی احد پہاڑ کی برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مداس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم

يَوْمَ يَقُومُ الزُّجُجُ وَالسَّلْبُ كَمَا صَفَّاهُ إِلَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أِذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝

روح کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان پر ہے تمام آسمانوں سے پہاڑوں سے اور ملائکہ سے بڑا ہے۔ بغوی نے اتنا اور بھی بیان کیا ہے کہ وہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح (سبحان اللہ) پڑھتا ہے اور اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ ایک فرشتہ کو پیدا کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن روح تنہا ایک صف ہوگا۔ اس آیت کے ذیل میں ابو الشیخ نے صحاح کا قول بیان کیا ہے کہ روح اللہ کا صاحب ہے اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ تمام فرشتوں سے بڑا ہے اگر منہ کھول دے تو سارے ملائکہ اس میں سا جائیں۔ فرشتے اس کی ہیبت سے اس کی طرف نظر نہیں اٹھاتے اور اوپر کو نہیں دیکھتے۔ ابو الشیخ نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ میں ستر ہزار بانیں ہیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں ہیں اور ان تمام بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔

ابو الشیخ نے باسناد عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے دس ہزار بازو ہیں۔ باسناد ابو طلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ وہ جسمائیت میں سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغوی نے عطاء کی روایت میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تنہا روح ایک صف میں اور باقی ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔ پس اس کی جسمائیت ان سب کے برابر ہوگی۔

ابو الشیخ نے مقاتل بن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ روح اشرف الملائکہ ہے۔ تمام ملائکہ سے زیادہ خدا کا مقرب ہے۔

صاحب وحی ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول بروایت ابوالشیخ آیا ہے کہ روح جبرئیل (علیہ السلام) ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ کے خوف سے ان کے شانے لرز رہے ہوں گے اور عرض کرتے ہوں گے: تو پاک ہے سوائے تیرے کوئی معبود نہیں۔ ہم نے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کسی نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ آیت: یوم یقوم الروح والملتکة صفا کا یہی مطلب ہے۔ ابونعیم نے مجاہد کا اور ابن مبارک نے ابوصالح مولیٰ ام ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ روح آدمی کی شکل کی ایک اور مخلوق ہے جو آدمی نہیں ہے۔ بغوی نے اتنا زیادہ بیان کیا کہ وہ ایک قطار میں ہوگی اور ملائکہ ایک قطار میں ان کی بھی ایک جماعت ہوگی اور ان کی بھی ایک جماعت۔ بغوی نے یہی قول قنادہ کا نقل کیا ہے۔ ابوالشیخ نے باسناد مجاہد حضرت ابن عباس کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ اللہ کی فوجوں میں سے روح ایک فوج (جماعت) ہے جو ملائکہ نہیں اس کے سر بھی ہیں اور ہاتھ پاؤں بھی پھر یہ آیت تلاوت کی: یَوْمَ یَقُومُ الرُّوحُ وَ الْمَلَائِکَةُ صَفًّا اور فرمایا: ایک ان کی جماعت ہوگی اور ایک ان کی۔

یَوْمَ یَنْظُرُ السَّوْمَ مَا قَدَّحَتْ یَدُہَا

ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا خواہ اس طرح کہ نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں آجائے گا اس کو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے جیسے کہ بعض روایات حدیث سے ثابت ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کمانی المنظہری۔ وَ یَقُولُ الْکَافِرُ یٰلَیْتَنِی کُنْتُ تُرَابًا حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اس کا انتقام دلویا جائے گا جیسا تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بھی بدلہ دلویا جائیگا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ، و تعالیٰ اعلم

سُورَةُ التَّوْبَةِ

سُورَةُ التَّوْبَةِ
۷۹ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۷۹
رُكُوعَاتُهَا ۲

سورہ تازعات مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چھیالیس آیتیں ہیں اور درود کوع

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۵
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۶
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۷
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۸
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۱
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۲
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۳
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۴
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۵
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۶
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۷
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۸
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۰
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۱
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۲
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۳
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۴
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۵
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۶
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۷
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۸
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۰
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۱
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۲
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۳
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۴
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۵
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۶
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۷
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۸
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۰
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۱
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۲
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۳
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۴
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۵
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۶
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۷
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۸
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۵۰

يَا مُحَمَّدُ حَدِيثُ مُوسَى ۞ عَامِلٌ فِي إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ اسْمُ الْوَادِىِّ بِالتَّوْبِينِ
 وَتَرْكِهِ فَقَالَ إِذْ هَبُّ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۞ تَجَاوَزَ الْحَدْفَى الْكُفْرَ فَقُلْ هَلْ لَكَ أَذْعُوكَ إِلَى
 أَنْ تَتَوَكَّلَى ۞ وَفِي قِرَاءَةِ بِشَدِيدِ الزَّأْيِ بِأَدْعَامِ النَّاءِ النَّائِبَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تَطَهَّرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنْ تَشْهَدَ
 أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاهْدِيكَ إِلَى رَبِّكَ ۞ أَذْكَ عَلَى مَعْرِفَتِهِ بِالْبُرْهَانِ فَتَخَشَى ۞ فَتَخَافَهُ فَادْرَهُ الْآيَةَ
 الْكُبْرَى ۞ مِنْ آيَاتِهِ النَّسْعُ وَهِيَ الْبَيْدَا وَالْعَصَا فَكَلَّمَ فِرْعَوْنَ مُوسَى وَعَصَى ۞ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ أَدْبَرَ
 عَنِ الْإِيمَانِ يُسْعَى ۞ فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ الشَّحْرَةَ وَجُنْدَهُ فَنَادَى ۞ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمْ
 الْأَعْلَى ۞ لَا رَبَّ فَوْقِي فَآخَذَهُ اللَّهُ أَهْلَكَهُ بِالْعَرْقِ نَكَالَ عَقْرَبَةَ الْأَخْرَقِ ۞ أَيُّ هَذِهِ الْكَلِمَةُ وَالْأُولَى
 ۞ أَيُّ قَوْلُهُ قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي وَكَانَ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً ۞ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورًا

لَعِبْرَةٌ لِمَنْ يَخْشَى ۞ لِلَّهِ تَعَالَى

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارواح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لیے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں۔ یعنی انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ ان قسموں کا جواب مخدوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز بل جائے گی یعنی زلزلہ میں آجائے گی۔ اس لیے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا، صور ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ رہیگا اور یہ جملہ ”راجفتہ“ سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لیے دوسرے صور کے بعد جو بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہو سکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھوک رہے ہوں گے (خوف و قلق میں مبتلا ہوں گے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر کانپ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر دہرا کر زندہ ہوں گے) حافر کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا

ہے۔ رجع فلان فی حافرتہ۔ جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے (کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے) ایک قراءت میں ناخوفا ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلانے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھانا رہے گا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نسخہ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نکلے ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً ہی میدان میں آ موجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہو کر زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمدؐ) موسیٰ کا قصہ (یہ فی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں پکارا (وادعی کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید ذکر کرتے ہوئے تائے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ، کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لیے) تو تو ڈرنے لگے۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی (نو نشانیوں میں سے، یہ بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہو کر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادوگروں اور لشکریوں کو) جمع کیا۔ پھر آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (پچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے ما علمت لکم من الہ غیری کہا تھا ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فصل تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو۔

کلمے تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: نَزَّ عَا: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ غیر لفظ سے مفعول مطلق ہے۔ غرق: یہ اغراق کا اسم یا مصدر ہے، یہاں نزع میں ہانڈ کو اغراق سے تعبیر فرمایا۔ (ک)

قولہ: نَسَبَتْ عَلِيًّا کہ ملائکہ مومنوں کی ارواح کو فضاء آسمانی میں لے کر تیزی سے جاتے ہیں۔ (ک)

قولہ: نَزَّلَ بِنْدُ بِيْرِهِ: سے اشارہ کیا کہ ملائکہ کی طرف تدبیر امر کی نسبت مجازی اصل ذات باری تعالیٰ مدبر ہے۔ (ص)

قولہ: نَبَا كُفَّارٍ مَكْنَةً: سے اشارہ کیا کہ اسناد مجازی ہے۔ کیونکہ قسم منکرین بعث کے لیے اٹھائی گئی ہے۔ (ص)

قولہ: فَوَصَّيْتُ: اس اشارہ کیا کہ اسناد مجازی ہے۔ کیوں کہ وہ اس کا سبب ہے یا طرف میں یہ جائز ہے کہ سبب رجحان کو لفظ کہیں۔ یا ۳۔ رجحان کی تعبیر مخرکہ سے کرتے تو حقیقی معنی برقرار اور رہتا۔ (شہاب)

قولہ: وَالْجُمْلَةُ خَالٍ: مفسر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ رادفہ اور راجحہ ایک وسیع دن میں پیش آئیں گے مطلب یہ ہے کہ تم

کو سن وقت میں اٹھایا جائے گا، جس میں دونوں نفع واقع ہوں گے، یعنی وسیع وقت کے بعض حصہ میں اٹھایا جائے گا اور یہ نفع دن بہ وقت کے بعض حصہ میں اٹھایا جائے گا اور یہ نفع اولی کا وقت ہے اور تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ اس پر دلالت کرتا ہے، جس کو ماخذ سے حال بنایا گیا ہے۔ (ک)

قولہ: يَقُولُونَ: یہ ن کے بنیادی احوال کی حکایت ہے۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ای ہھ بقولون.....
 قولہ: إِنَّا لَمَرْدُودُونَ: اس میں ان کے اسبعا کا بیان ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا میں اس پر اضافہ ہے۔ (ک)
 قولہ: فَإِذَا هُمْ: یہ شرط مقدر فاذا انْفِخَتْ کا جواب ہے اس کو السَّاهِرَةُ اس لیے کہا وہاں خوف و غم کے مارے نیند نہ آئے گی۔ (ص)

قولہ: إِذْ لُكِدَ اس سے اشارہ کیا کہ مہارت میں مضاف مضر ہے۔ (ک)
 قولہ: فِي الْحَافِرَةِ: حافر وہ رستہ جس سے آیا ہو اور پھر اسی پر لوٹے عرب کہتے ہیں رَحَعَ عَلِي حَافِرَتَهُ و فوج حافر تہ۔ پھر اسے آخری سے ابتدائی حالت کی طرف لوٹنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ (ک)
 قولہ: فَإِنَّمَا: یہ محذوف سے متعلق ہے۔ ای لا تحسبوا یعنی تم اس دوبارہ لوٹنے کو اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل مت قرار دو، اس کے لیے تو وہ نہایت آسان ہے۔

قولہ: نَفْخَةُ انڈی: نفع کو زجرہ سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس سے اس کے مقررہ وقت سے پیچھے ہٹ جانے اور رک جانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (ک)

قولہ: بِوَجْهِ الْأَرْضِ: فاذا ہم یہ شرط مقدر فاذا انْفِخَتْ کا جواب ہے سطح زمین ساہرہ اس لیے کہا کہ غم و خوف کی وجہ سے وہاں نیند کا نام نہ ہوگا۔ (ص) یا وجہ ہے کہ یہ واقعہ چٹیل زمین میں پیش آئے گا۔ بعض نے کہا وہ زمین چاندی کی ہوگی یا حشر شام کے بپ پہاڑ پر ہوگا بعض نے کہا ارض مکہ میں ہوگا۔ (ک)

قولہ: أَحْيَاءُ: یہ مبتداء محذوف ہم کی خبر ہے۔ اور بالساہرہ یہ احياء کے متعلق ہے۔ اس کو مقدم کرنا بہتر تھا یہ حال بن سکتا ہے۔ اور بالساہرہ یہ خبر بنے گا۔

قولہ: عَمَلٌ ضَعِيفٌ اذ: لفظ حدیث یہ اذ پر حال ہے۔ نہ کہ انا کہ۔ کیونکہ ان کا وقت الگ الگ ہے۔
 قولہ: هَلْ لَكَ: مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اور إِنِّي أَنْ تَزْكِي یہ مبتداء محذوف سے متعلق ہے اس طرح۔ هل سبیل او میل الی التزکیہ۔ (ک)

قولہ: أَوِ الْعَصَا: یہاں آیت کبریٰ سے عصا ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ دوسری نشانی کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔ (ک)
 قولہ: فَنَادَى: فرعون نے بذات خود اپنے تخت پر کھڑے ہو کر اپنے لشکروں اور ساحروں کے سامنے یہ کہا انا ربکم لا علی اور یہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ہوا کہ میرا رب وہ ہے جس نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے اگر تو ایمان لے آئے گا تو جنت میں جائے گا۔ اس نے کہا: میں مشورہ کر لوں۔ مشورہ کے بعد کہنے لگا کیا رب بننے کے بعد بھی بندہ بن سکتا ہے۔ پھر اس نے یہ اعلان کیا۔ (خ۔ک)

قوله: هَذِهِ الْكَلِمَةُ: ابن جریر نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں کلمات کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا۔ (ک)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم اٹھائی ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے مخلوق کو صرف اسی کے اسماء و صفات کی قسم جائز ہے۔

۲۔ مشرکین و منکرین بعث نے استہزاء میں تین باتیں کیں: ۱۔ کیا ہم زندہ ہوں گے جیسے موت سے پہلے تھے ۲۴۔ کھوکھری ہڈیاں بن جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ ۳۔ یہ لوٹنا اگر ہے تو رسوا کن اور جھوٹ و باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوٹنا تو ایک آواز کی بات ہے پھر تم میدان میں کھڑے ہو گے۔

۳۔ موسیٰ و فرعون کا واقعہ سنا کر آپ ﷺ کو تسلی اور کفار کو تہدید فرمائی گئی۔ کہ فرعون کو فوج سمیت ایک ڈبکی سے ہلاک کر دیا اور موسیٰ کی مدد فرمائی۔ فرعونی اعمال کرنے والا قول و فعل کے لحاظ سے دنیا و آخرت کی سزا کا ہقدار ہے۔

۴۔ وجود معجزات ایمان کو مستلزم نہیں کرتا، فرعون نے اتنے بڑے بڑے نشانات دیکھ کر بھی ایمان قبول نہ کیا۔

تفسیر مقبولین

دیگر کئی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدہ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں، اور اصول دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثبات رسالت بعث و نشر کے لیے دلائل و شواہد ذکر فرمائے گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت و اضطراب کا ناقابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان و تقویٰ کامیاب و کامران ہوں گے اور مجرمین و مشرکین کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کر دیا گیا جب کہ فرعون اپنے غرور و سرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوند عالم نے اس کے غرور و نخوت کو کس طرح پامال کیا، اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا، ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔

وَالْأَنْزَعَاتِ عُرْفًا

نازعات، نزع سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں، اور عرفا اس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور انزاع کے معنی کسی کام میں پوری قوت و شدت خرچ کرنے کے ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے: اعرف النازع فی القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی اس سورۃ کے شروع میں ملائکہ کی چند صفات اور حالات بیان کر کے انکی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدالالت حال حذف کر دیا گیا، مراد اس سے قیامت اور حشر و نشر کا یقیناً واقع ہونا ہے۔ فرشتوں کی قسم شاید اس مناسبت سے کھائی گئی ہے کہ اگرچہ فرشتے اس وقت بھی تمام عالم کے نظم و نسق میں دخل رکھتے اور

اپنی اپنی خدمت بجالاتے ہیں لیکن قیامت کے روز اسباب مادیہ کے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے غیر معمولی حالات و واقعات پیش آویں گے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام کریں گے۔ فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات وہ بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزع روح سے ہے مقصد تو قیامت کا حق ہونا بیان کرنا ہے، شروع اس کا انسان کی موت سے کیا گیا کہ ہر انسان کی موت خود اسکے لیے ایک جزوی قیامت ہے اور قیامت کے اعتقاد میں اس کا بڑا دخل ہے۔ ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت اللُّزْغَةُ عَزْمًا یعنی سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی اور تکلیف ہے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو اسی لیے ہر اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے جو سختی اس کی روح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس جملے میں یہ خبر دے دی گئی ہے کہ کفار کی روح کو کھینچ کر سختی سے نکالا جاتا ہے۔

دوسری صفت ہے: وَاللَّيْثِيَّةُ نَشْطًا نَشْطًا یعنی متعق ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں۔ جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں اس کا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کیساتھ نکل جاتا ہے۔ اس میں مومن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دے کر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مومن کی قبض روح پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اس کو قبض کرتے ہیں شدت نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی روحانی مراد ہے جسمانی نہیں اس لیے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت نزع روح میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر سختی ہو رہی ہے اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کو نزع روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آ جاتا ہے اس کی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہت ہے۔ فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

تیسری صفت فرشتوں کی وَالشَّيْطَانُ سَبْحًا ہے۔ سبح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لیجاتے ہیں۔

چوتھی صفت وَالشَّيْطَانُ سَبْقًا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر پہنچانے میں سہقت اور عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت قَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ اٰمَرًا ہے۔ امر الہی کی تدبیر و تمفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لیے راحت کے سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لیے اس کا انتظام کر دیں۔ قبر میں ثواب و عذاب موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض

کر کے آسمان کی طرف لیجانا پھر اسکے اچھے یا برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ حضرت براہین غائب کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق مفید:

نفس و روح کی حقیقت پر کچھ تحقیق و توضیح بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اسکے جسم کثیف کے اندر سایا ہوا ہے اور وہ انہیں مادی عناصر رابعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کیساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے لہذا اس کی روح الروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کیساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم لگے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔ نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جبکہ وہ منور ہو چکا ہو، ورنہ آسمان کے دروازے اسکے لیے نہیں کھلتے، اور پر ہی سے نیچے نیچ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بارے میں حدیث مذکور میں ہے کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں لوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے، یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی، قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے اور روح مجرد اسکے ثواب و عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنی روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ آگے قیامت کے وقوع اور اس میں پہلے نسخہ سے سارے عالم کی فنا پھر دوسرے سے سارے عالم کی دوبارہ ایجاد اور اس پر کفار کے شہ استبعاد کا جواب مذکور ہے اس کے آخر میں فرمایا: **فَإِذَا هُمْ بِالشَّاهِرَةِ**، ساہرہ سطح زمین کو کہا جاتا ہے۔ قیامت میں جو زمین دوبارہ پیدا کی جاوے گی وہ پوری ایک سطح ستوی ہوگی۔ اس میں آڑ پہاڑ عمارت یا غار نہیں ہوگا، اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد کفار مکرین قیامت کی ضد اور عناد سے جو آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچتی تھی اس کا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے

ایسی ایذا میں کچھ آپ کے لیے مخصوص نہیں، انبیاء سابقین کو بھی بڑی بڑی ایذائیں ان سے پہنچی ہیں، انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْزَقِ وَالْأُولَىٰ ۗ

نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سب ہم جاگیں۔ نکال آخرت فرعون کے لیے آخرت کا عذاب ہے، اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔ آگے پھر مکرمین حشر و نشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔ اس میں حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے انسان غفل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ و آلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست و نابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرمادے تو تمہارے تعجب کا کیا مقام ہے۔ آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آ جانا اور اہل جنت اور اہل جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دنیا ہی میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں، ضابطہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی جہنمی کو اس سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات و روایات حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو آگے والی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

عَآلَمٌ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَبِيْنٍ وَابْتِدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاوِ تَسْبِيْهِلَهَا رَاذِ خَالَ الْاِفْرِ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ وَالْاُخْرَىٰ وَتَرْكِ
 اَيِّ مُشْكِرٍ وَالتَّبْعِ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءِ - اَشَدُّ خَلْقًا بِنَهَا ۗ تَبَانٌ لِّكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا رَفَعَ سَكَنَهَا
 تَفْسِيْرٌ لِّكَيْفِيَّةِ الْبِنَاءِ اَيُّ جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُسُوْرِ وَيَعَاوَيْلٌ سَنَّكَهَا سَقْفُهَا فَسَوَّيْتُهَا ۗ جَعَلَهَا
 مُسْتَوِيَةً بِالْعَيْبِ وَاعْطَشَ لَيْلَهَا اَظْلَمَهُ وَاَخْرَجَ صُحْبَهَا ۗ اَبْرَرْتُوْزَ شَمْسِيْهَا وَاُضْيِفَ اَيْلَهَا اللَّيْلُ
 لِاِنَّهُ ظَلَمَهَا وَالشَّمْسُ لِاَنَّهَا سِرَّاجُهَا وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْيَهَا ۗ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوْقَةً قَبْلَ
 السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ اَخْرَجَ خَالَ بِاَضْمَارٍ قَدْ اَيُّ مَخْرَجًا مِنْهَا مَاءَهَا بِتَفْجِيْرِ عِيُوْنِهَا وَمَرْعِيْهَا ۗ
 مَا تَرَعَاهُ النَّعْمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا يَأْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْاَقْوَابِ وَالتِّمَارِ وَاَطْلَاقُ الْمَرْعَى عَلَيْهِ
 اسْتِعَارَةٌ وَالْجِبَالُ اَرْسِيْهَا ۗ اُنْبَتَهَا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ لِتَسْكُنَ مَتَاعًا مَّفْعُوْلٌ لَهٗ لِیُقَدَّرَ اَيُّ فَعْلٌ
 ذٰلِكَ مَنَعَةٌ اَوْ مُصَدَّرٌ اَيُّ تَمْتِيْعًا لَكُمْ وَاِلَّا نَعَامِكُمْ ۗ جَمْعُ نَعْمٍ وَهِيَ الْاِبِلُ وَالتَّبَقُّرُ وَالنَّعْمُ فَاِذَا جَاءَتْ

الثَّامَةُ الْكُبْرَى ۝ الثَّمَنَةُ الثَّابِتَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ ۝ بَدَلَ مِنْ إِذَا مَا سَعَى ۝ فِي الدُّنْيَا مِنْ
 خَيْرٍ وَشَرٍّ وَبُرْزَتٍ أَظْهَرَتْ الْجَحِيمُ النَّارَ الْمُحْرِقَةَ لِمَنْ يَرَى ۝ لِكُلِّ رَاغِبٍ وَجَوَابٍ إِذَا فَاقَا صَنْ
 كَلْفِي ۝ كَفَّرَ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ بِإِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْبَأْوَى ۝ مَا وَاهُ وَآهٌ مِّنْ
 مَّاتٍ مَّقَامَ رَبِّهِ قِيَامُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْأَمَّارَةَ عَنِ الْهَوَى ۝ الْمُرْدَى بِإِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ
 فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْبَأْوَى ۝ وَخَاصِلُ الْخَوَابِ فَالْعَاصِي فِي النَّارِ وَالْمُطِيعُ فِي الْجَنَّةِ يَسْتَلُونَكَ أَيُّ سُبُوحٍ
 مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ آيَاتٍ مَُّرْسَمَاتٍ ۝ مَتَى رُقُوعُهَا وَبَيَانُهَا فِيهِمْ فِي أَيِّ شَيْءٍ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِنَهَا ۝
 أَيُّ لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتَّى تَذَكُرَهَا إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۝ مُشْتَهَى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ إِنَّمَا أَنْتَ
 مُنْبَذٌ ۝ إِنَّمَا يَنْفَعُ إِذْ رُكِّ مِنْ تَخَشُّعِهَا ۝ يَخَافُهَا كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا كَمَا يَلْبِثُونَ فِي قُبُورِهِمْ إِلَّا
 عَشِيرَةً أَوْ صُحْبَةً ۝ أَيُّ عَشِيرَةٍ يَوْمَ أَوْ بُكْرَتُهُ وَصَحَّ إِضَافَةُ الضُّخَى إِلَى الْعَشِيرَةِ لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ
 الْمَلَاحِظَةِ إِذْ هُمَا صُرْفَا التَّهَارِ وَحَسَّنَ الْإِضَافَةَ وَتَوَعُّغَ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةً

ترجمہ: بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے۔ اور ہمزہ مسبلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف دخل کر کے اور بغیر الف داخل کیے یعنی اے مکرین قیامت) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی فضیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض سمت کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (جا رہا) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے) کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ہے (پھیلا دیا ہے جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قد مقدر مان کر حال ہے یعنی مخرجا) اس کا پانی (اس سے نکلے جانی کر کے) اور چارہ (درخت سے جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لیے خوراک اور پھل اور لفظ مرغی بولنا بطور استعارہ ہے) اور پہ زوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لیے ان کو جمادیا) فائدہ پہنچانے کے لیے (فعل مقدر کا یہ مضمون ہے) ای فعل ذلک معنی۔ یا مفعول مطلق ہے بمعنی حمتیغا) تمہارے مومنینوں کے (انعام، نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا بنگامہ (دوسرا نفل) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم آذاسے بدل ہے) اپنے کیے کو (دنیا میں اچھے برے کام کو) اور دوزخ (جا دینے والی آگ) ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے (ہر دیکھنے والے کے اور آذاکا نوب آگے ہے) جس شخص نے سرکش (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو

دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات برباد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصہ جواب یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں اور فرمانبردار جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتلا سکیں) آپ کا مدار صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبروں کے اندر) ٹھہرنا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور صبح کی اضافت عشیہ کی طرف باہم ملاہست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمہ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: لِأَنَّ ظِلُّهَا: رات کی نسبت ساء کی طرف اس لیے کی کیونکہ رات اسی کا سایہ ہے اس لیے کہ غروب آفتاب کے وقت سب سے اول افق سادی پر رات ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ (زمخشری)

قاضی کہتے ہیں آسمان کی طرف رات کی نسبت اس لیے کی ہے کہ رات اس کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ (ک)

قوله: وَكَانَتْ مَخْلُوقَةً: اس آیت اور سورہ فصلت کی آیت میں تضاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پہلے پیدا کیا پھر آسمان کو بنا کر اس کی تکمیل کر دی پھر زمین کو بچھا دیا۔ (ک)

قوله: وَأَطْلَاقُ الْمَرْعَى: اس کو بطور استعارہ المرعى کے لیے استعمال فرمایا اور نہ یہ حیوان کے چارے کے لیے آنا ہے۔ کفار کو حیوان کے مشابہ قرار دے کر ان کے کھانے پر بولا گیا ہے۔ اس لیے کہ کھانے سے اس کی غرض دنیا ہے اور آخرت پر اس کی ذرا بھی نظر نہیں ہوتی۔ (ک)

قوله: تَمْتَبِعًا: یہ مصدر ہے جو سلام بمعنی تسلیم کی طرح ہے اس کا نفل قرینہ کی وجہ سے حذف ہے ای متعناکم بہا متعبا (ک)

قوله: الطَّامَّةُ الْكُبْرَى: معنی یہ ہے جب وہ ہنگامہ آجائے جو سب پر غلبہ پائے گا۔ جو ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہو گی۔ اب اس معنی کے لحاظ سے الکبریٰ یہ تائیس بنے گی نہ کہ تاکید۔ احوال معاش کے ذکر کے بعد معاد کا تذکرہ شروع فرمایا۔ (ش۔ ابو مسعود)

قوله: لِكُلِّ زَلِيَةٍ: ہر بصر و نظر رکھنے والا مؤمن ہو یا کافر وہ یہ جان لے گا کہ جہنم کفار کا ٹھکانہ ہے اور ایمان والوں کا اس کے اوپر سے گزر رہا جیسا فرمایا وان منکم الا وادھا۔۔۔ الا یہ۔ (ک)

قوله: وَجَوَابٌ إِذَا: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان آگ میں اور طبع جنت میں جائے گا۔ ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب

مخدوف ہو کہ جب قیامت برپا ہوگی تو جو کچھ واقع ہونا ہے وہ واقع ہو جائے گا۔ انا: یہ اس مخدوف کی تفصیل کے لیے ہے۔ (ک)

قولہ: **بِنِيَامَةٍ بَيْنَ يَدَيْهِ**: مقام تو بندے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو مکان سے پاک ہے۔ اس کی طرف تو نسبت صرف اسی اعتبار سے کر دی ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ اور مقام حساب میں حاضر ہوگا۔ (ک)

قولہ: **بِمَانْتَمِن**: قیامت کے متعلق آپ کسی فکر میں پڑے ہیں، اس کے متعین وقت کا علم تو علام الغیوب نے کسی کو دیا ہی نہیں۔ (ک)

۱۔ جو ذات آسمان پر قدرت رکھتی ہے وہ نسان کے اعادہ پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ اس لیے کہ مشاہداتی طور پر آسمان انسان سے بہت بڑا اور مضبوط ہے۔

۲۔ اول آسمان کی بنیاد ذکر فرمائی پھر حرکت فلک سے پیدا ہونے والے دن رات کو ذکر کیا۔

۳۔ زمین کی تخلیق کو تین صفات سے ذکر کیا۔ ۱۔ زمین کو بچھایا۔ ۲۔ زمین سے پانی اور چارہ نکالا۔ ۳۔ پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

۴۔ زمین پہلے بنائی گئی پھر آسمان بنا کر مکمل کر دیا پھر زمین کو بچھا کر اس میں مختلف اشیاء کو پیدا کر دیا۔

۵۔ جب قیامت واقع ہو جائے گی تو کافر کو جہنم اس لیے دکھائی جائے گی تاکہ انواع عذاب دیکھ لے اور مؤمن کو اس لیے تاکہ انعامات کی قدر پہنچانے۔

۶۔ بعث میں درگزر ہوں گے سعداء اور اشقیاء: جنہوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا خیال کر کے نیک اعمال بنائے وہ کامیاب اور جن لوگوں نے معاصی و محارم میں اپنے کو مبتلا کیا وہ نامراد ہوں گے۔

۷۔ کفار استہزاء قیامت کے وقت کا سوال کرتے تھے جواب دیا تذکرہ قیامت تخویف کے لیے ہے جو اس کا وقت نامعلوم ہونے کے باوجود حاصل ہو جاتا ہے، پس وقت کا سوال فضول ہے۔

۸۔ جس کا وقوع یقینی ہو اس کو واقعہ ہوا سمجھنا چاہیے۔ جب قیامت آجائے گی یہ دنیا کو پل گھڑی خمیاں کریں گے جیسے فرمایا: **لَهُدْ يَسْئَلُوا السَّاعَةَ مِنْ نَحْوِهِ**۔ (احقاف ۲۵/۳۶)

تفسیر مقبولین

عَنْهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَوْ السَّبَّاءُ بِنَهَا

جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنی دوبارہ تخلیق کو مشکل سمجھ رہے ہو یہ بتاؤ کہ تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق، ذرا سی سمجھ والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بظاہر آسمان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے (یعنی انسان کو سب سے تو یہ نکل سمجھ میں آئے گا حالانکہ قادر مطلق کے لیے ہر معمولی اور بڑی سے بڑی چیز پیدا کرنا مشکل نہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آسمان جیسی چیز کو پیدا فرمایا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اس کے بعد آسمان کی بلندی کا اور رات و دن کا تذکرہ فرمایا۔

مظاہر قدرت میں سے ایک عظیم الشان مظہر یعنی سلسلہ روز و شب میں دعوت غور و فکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے ڈھانک دیا اس کی رات کو اور اسی نے نکالا اس کے دن کو۔ یہاں پر رات اور دن کو جو آسمان کی طرف منسوب کر کے فرمایا گیا یعنی لیلہا اور ضُحُہا ۝ تو یہ اس لیے کہ رات اور دن کے ظہور و بروز کا تعلق سورج کے طلوع و غروب ہی سے ہوتا ہے، اور وہ آسمان ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اس لیے اس کو اس طرح تعبیر فرمایا گیا ہے، پس اسی قادر مطلق نے رات اور دن دونوں کو ایک نہایت ہی پر حکمت نظام کا پابند بنا دیا، سو اس خدائے قادر و قیوم کے لیے انسان کو اس کے مرکب جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھ دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ نیز اس ارشاد کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ پہلے اس کے اندر رات ہی رات تھی، جیسا کہ سورۃ حم السجدہ کی آیت نمبر 11 میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دھوئیں کی شکل میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس کی رات کو ڈھانک دیا جس سے اس کے حصے کی روشنی نمودار ہو گئی، اور پھر اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اور ان کے لیے روشنی اور اندھیرے کی دونوں ضرورتوں کی بہم رسانی کے لیے دن اور رات کے نہایت پر حکمت اور متوازن نظام کو قائم فرمایا۔ سو ایسے قادر مطلق کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا بھی کچھ بھی مشکل نہیں ہو سکتا اور اس کی حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے تاکہ اس سے اس کی زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب لے، اور ہر کسی کو اس کی کمائی کا صلہ و بدلہ دے، تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور علی وجہ التمام و الکمال پورے ہوں، اور اس طرح اس حکمتوں بھری کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے،

وَ الْاَرْضُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰہَا ۝

اسی نے بچھایا زمین کو اس قدر پر حکمت طریقے سے، اور اسی نے زمین کے اندر سے اس کا پانی بھی نکالا اور اس کا چارہ بھی تقسیم کے، اور طرح طرح کے حیرت بیکراں اور عنایت بے نہایت کا، پس یہ سب کچھ نہ تو زخود ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ مختلف خداؤں کی کارگزاریوں کا نتیجہ ہو سکتا ہے، نہ ہی یہ بے مقصد و حکمت سے خالی ہو سکتا ہے، سو اس طرح ان نشانہائے قدرت سے اس وحدہ لا شریک کے وجود باوجود، اس کی وحدانیت و یکتائی، حکمت و رحمت کی بیکرائی، اور امکان و ضرورت قیامت سب کا بیک وقت ثبوت مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس کلام معجز نظام کی سمات اور اس کی جامعیت کے، سو اس سے آسمان کی نشانیوں کے بعد اب زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس میں بھی ہر طرف عظیم الشان نشانہائے قدرت موجود ہیں، مگر اس سے مستفید و فیضیاب وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی ہو سکتے ہیں جو ان میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیتے اور حق و حقیقت کو سمجھنا اور ان سے مستفید و بہر مند ہونا چاہتے ہیں، مگر افسوس کہ دنیا سے یہی عنصر مقصود غائب اور غفایا ہے، انہائے دنیا ہر چیز کو مادہ اور معدہ کی نگاہ سے دیکھتے، اور اسی اعتبار سے سوچتے ہیں، ان کی رسائی یہیں تک ہے اور بس۔ ذلک مبلغہم من العلم اور اس کے نتیجے میں وہ نور حق و ہدایت کی اصل دولت اور متاع حقیقی سے محروم رہتے ہیں، جو کہ خسروں کا خسارہ اور دانگی ہلاکت و تباہی کا سبب اور باعث ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰ ۝

کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں اس پر عذاب مقرر ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے۔ جو شخص دنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لیے فرمایا: فَإِنَّ اٰنٰجِيَهُمْ هِيَ الْمَاوٰى ۙ یعنی جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ اسکے بعد اہل جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۙ اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اس کو روک دیا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لیے قرآن کریم نے اس کو یہ خوشخبری دے دی۔ وَإِنَّ لِحٰجَتَهُ هِيَ الْمَاوٰى ۙ یعنی جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجے:

آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوا سے روکنا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اہل ہوئی سے روکنے والی چیز ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہوئی کے تین درجے ہیں۔ اول درجہ تو یہ ہے کہ دمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچ کر وہ نئی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجہ کا نکتہ یہ ہے کہ آدمی شہادت سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جائے یا خضہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کر دے، جیسا کہ حضرت نعمان بن شبرک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مشتبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بار آخر مخرمات میں مبتلا ہو جائے گا۔ مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونے کے دنوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لیے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیارہے وضو کرنے پر قادر ہے تو اور اس کا یقین پورا نہیں کہ میرے لیے وضو کرنا اس حالت میں مضربہ ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ سے یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لیے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مخالفت نفس:

غس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سینئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اس میں

کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہوائے نفس وہ ہے جو عبادت اور اعمال حسہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ ریاض نمود، خود پسندی یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائے نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوائے نفس ہے جس کی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ کے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمت میں رہ کر مجاہدت کر کے عیوب نفس اور رائے معالجات سے واقف ہوا اپنے آپ کو اسکے حوالہ کر دے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخی فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجارتھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے۔ تقاضا اسی روزے کی حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہر نون کے یہ کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانیکا حکم دیا۔ ورفرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائی نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھالینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائی نفسانی کے ساتھ ہو، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغس اور نفعی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکاند نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفعی عمل میں کوئی نفس کا کید ہوگا اسی سے روک دے گا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار کرتا رہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سورتہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائے نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزمک بنا لے کہ اس میں وہ ہوائی نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کی شرکی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے: ان عبادی لیس لک علیہم سلطان، یعنی میرے خاں بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا یومن حد کم حتی یکون ہواہ تبعالما جننت بہ، یعنی تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائی نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔ (اللہم ارزقناہ بفضلک و کرمک)

آخر سورت میں کفار کے اس معاندانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے قیامت کے یومین تاریخاً اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے حاصل جو یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے اس کی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی ہے اسلئے یہ مطالب لغو ہے۔

سُورَةُ عَبَسَ ۙ

۷۷ آیتیں
۷۷

عَبَسَ

سُورَةُ عَبَسَ ۙ ۸۰ آیتیں ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ سورہ نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی پالیس آیتیں ہیں اور ایک رکوع اور اسی طرح آخر تک

عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَعَ وَجْهَهُ وَتَوَلَّى ۝ أَعْرَضَ لِأَجْلِ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَقَطَعَهُ عَنَّا هُوَ مَسْغُولٌ بِهِ مِمَّنْ بَرَّ جُورًا سَلَامَةٌ مِنْ أَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِي هُوَ حَرِيصٌ عَلَى إِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْأَعْمَى أَنَّهُ مَسْغُولٌ بِذَلِكَ فَتَادَهُ عَلِمْنِي بِمَا عَلَّمَكِ اللَّهُ فَانصُرْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَيْتِهِ فَعُوذُ فِي ذَلِكَ بِمَا نَزَلَ فِي هَذِهِ السُّورَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ يَقُولُ لَهُ إِذَا جَاءَ بَرَّ حَبَابِمْ غَائِبِي فِيهِ رَبِّي وَيَسْطُ لَهُ رِذَائِي وَمَا يُدَارِيكَ يُعَلِّمُكَ لَعَلَّهُ يُرَكِّي ۝ فِيهِ إِذْ غَامِ النَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الرَّأْيِ أَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ أَوْ يَذَكَّرُ فِيهِ إِذْ غَامِ النَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّلِ أَيْ يَتَعِظُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ۝ الْعِظَةُ الْمَسْمُوعَةُ عَنكَ وَفِي قِرَاءَةِ بِنَصْبٍ تَنْفَعُهُ جَوَاتِ الْمَرْحَى أَمَا مَنْ اسْتَعْنَى ۝ بِالْمَالِ فَأَنْتَ لَهُ تَصْدَى ۝ وَفِي قِرَاءَةِ بِشَدِيدِ الضَّادِ بِإِذْ غَامِ النَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تُقْبَلُ وَتَتَعَرَّضُ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزْكِي ۝ يُؤْمِنُ وَأَمَا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ۝ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ جَاءَ وَهُوَ يُخْشَى ۝ اللَّهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ يَسْعَى وَهُوَ الْأَعْمَى فَأَنْتَ عَنْهُ تَكْهَى ۝ فِيهِ حَذْفُ النَّاءِ الْأُخْرَى فِي الْأَصْلِ أَيْ تَشَاغَلُ كَلَّا لَا تَفْعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ إِنَّهَا أَيْ السُّورَةُ أَوْ الْآيَاتِ تَذَكُّرَةٌ ۝ عِظَةُ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ حَفِظَ ذَلِكَ فَاتَّعِظْ بِهِ فِي صُحُفِ خَبْرَتَانِ لِأَنَّهَا وَمَاتَبَلُهُ اعْتِرَاضٌ مُكْرَمَةٌ ۝ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مَرْفُوعَةٌ فِي السَّمَاءِ مُطَهَّرَةٌ ۝ مُنْزَهَةٌ عَنِ مَسِّ الشَّيَاطِينِ بِأَيْدِيهِمْ سَفَرَةٌ ۝ كَتَبَتْ يَنْسُخُونَهَا مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ كِرَامٍ بِرَرَّةٍ ۝ مُطْبِعِينَ لِلَّهِ تَعَالَى وَهُمْ الْمَلَائِكَةُ

قَتَلَ الْإِنْسَانَ لِمَنِ الْكَافِرُ مَا أَكْفَرَهُ ۗ اسْتَفْهَامٌ تُوْبِيحُ أَيُّ مَا حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْرِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ
 خَلَقَهُ ۗ اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ لَمْ يَبَيِّنْهُ فَقَالَ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّارَةٌ ۗ عِلْقَةٌ ثُمَّ مُضْغَةٌ إِلَى آخِرِ حَلْفِهِ
 ثُمَّ السَّبِيلُ أَيُّ طَرِيقٍ خُرُوجِهِ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ يَسَّرَهُ ۗ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۗ حَفَنَهُ فِي قَبْرِ يَسَّرَهُ
 ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۗ لِلْبَعْثِ كَلًّا حَقًّا لِيَأْبُقُضَ لَمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ ۗ بِهِ رَبُّهُ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانَ
 نَظْرًا عَتَبًا إِلَى طَعَامِهِ ۗ كَيْفَ قَدَّرُوا دَبْرَهُ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ مِنَ السَّحَابِ صَبًّا ۗ ثُمَّ شَقَقْنَا
 الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ۗ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۗ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَعَنْبًا وَقَضْبًا ۗ هُوَ الْقَبْ التَّرَطُّ
 وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۗ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۗ بَسَائِينَ كَثِيرَةَ الْأَشْجَارِ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۗ فَمَنْزَعًا لِلْبَنَاتِ
 وَقِيلَ التَّبْنُ مَتَاعًا مَتَعَةً أَوْ تَمْتِيعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي السُّورَةِ قَبْلَهَا لَكُمْ وَإِلَّا نَعَامِكُمْ ۗ تَقَدَّمَ فِيهَا أَيُّضًا
 فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ ۗ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَفْرُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۗ وَوَالِدِهِ وَوَالِدَاتِهِ
 وَزَوْجَتِهِ وَبَنِيهِ ۗ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ إِذَا وَجَّوْا بِهَا دَلَّ عَلَيْهِ لِكُلِّ أَمْرٍ مِنْهُمْ يَوْمَ يَوْمٍ شَانٌ يُغْنِيهِ ۗ
 خَالَ يَشْغَلُهُ عَنْ شَانٍ غَيْرِهِ أَيُّ اشْتِغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ وَوَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفَرَةٌ ۗ مُضِيئَةٌ صَاحِكَةٌ
 مُسْتَبْشِرَةٌ ۗ فَرَحَةٌ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَوَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۗ غُبَارٌ تَرَهَقَهَا تَدْنِيهَا قَرَّةٌ ۗ

عِ ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ أُولَئِكَ أَهْلُ هَذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكُفْرَةُ الْفَجْرَةُ ۗ أَيُّ الْجَامِعُونَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْمَجْزُورِ

ترجمہ: جس بہ جہیں ہو گئے (پیغمبر ﷺ کی پیشانی پر بل گئے) اور منہ پھیر لیا (رخ موڑ لیا، اس بناء پر کہ جب ان کے پاس ناپینا حاضر ہوا) عبد اللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشراف قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرما رہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لیے کوشاں تھے حالانکہ ناپینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لیے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکام الہی سکھائیے۔ حضور اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ ناپینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرما کر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہو تمہاری وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرزنش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (یز کی کی اصل میں تاتھی جو زامیں ادغام ہو گئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہو جاتا) یا نصیحت قبول کر لیتا (یہ کہ اس کی اصل میں تاتھی جس کو زال میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کر لیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قراءت میں

تلفہ کا نصب جواب ترحمی کے طور پر ہے) جو شخص کہ (مال کی وجہ سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک تراءت میں تصدیٰ میں صاؤ کی تشدید ہے اس کی اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہو رہا ہے یعنی آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا آتا ہے (جاء کے ناعل سے حال ہے) اور وہ ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے)۔ یہ حال ہے ناعل یسوی سے اس سے مراد نابینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ سمجھیے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجئے) بلاشبہ (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لیے موعظت ہے) سو جس کا جی چاہے قبول کرے (اس کو محفوظ کر کے فائدہ اٹھائے) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ معترضہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں (جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں) کہ وہ مکرم نیک ہیں (اللہ کے فرمانبردار رشتے) آدمی (کافر) پر خدا کی مار کہ وہ کیسے ناشکر ہے (استفہام توجیح کے لیے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکر ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا (استفہام تقریر کے لیے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ) لفظہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا (اول جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی، یہاں تک کہ بناوٹ پوری کر دی) پھر اس کا رستہ (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (قبر میں ڈال کر چھپا دیا) پھر جب اللہ چاہے گا تو (قیامت کے لیے) دوبارہ اس کو زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں (یقیناً) جو اس کو حکم دیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے) اس کو بجا نہیں لایا (پورا نہیں کیا) سو انسان کو پانے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر (عبرت) کرے کہ (کس طرح اس کے لیے بندوبست و رانظام کیا ہے) ہم نے عجب طور پر (بادل سے) پانی برسایا، پھر عجب طور پر (سبزی اگا کر) پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ (گیہوں، جو) اور انگور اور سبزی (تازہ ترکاری) اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ (جس میں گھنے درخت ہوں) اور میوے اور چارہ پیدا کیا (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) فائدہ کے لیے (متاناً بمعنی معصتہ یا بمعنی تمعیبا ہے جیسا کہ اس سے پہلے سورت میں بیان ہو چکا ہے) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے (جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے) پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہو گا (نغمہ ثانیہ) جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی اولاد سے بھاگے گا (یوم بدل ہے، ذاکا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہوگی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہوگی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے بکھیرے میں پھنسا ہو گا) بہت سے چہرے اس روز روشن (چمکتے ہوئے) خنداں، شاداں ہوں گے (خوش بخوش یعنی مومنین) اور بہت سے چہروں پر (اللہ) روز دھول (گرد) پڑی ہوگی، ان پر کدورت (ظلمت اور سیاہی) چھائی ہوگی یہی لوگ (جو اس حالت والے ہوں گے) کافر، فاجر ہیں (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے)

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قولہ: وَيَسْطُرُ: آپ ﷺ اس کے بعد ابن ام مکتوم کو فرماتے کیا کوئی کام ہے؟ آپ ﷺ نے ان کو تیرہ مرتبہ عزرات کے مواقع میں مدینہ منورہ پر حاکم مقرر کیا یہ مجاہدین اولین سے تھے قادیسیہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ انسؓ کہتے ہیں: میں نے ان کو قادیسیہ کے دن جھنڈا اٹھائے زورہ پہنے دیکھا۔ (بخ۔ ک)

قولہ: يَبْتَطِهُوْا: اس سے یہاں گناہوں سے پاکیزگی مراد ہے۔ شرک سے تو وہ اسلام لاکر پہلے ہی پاک ہو چکے تھے۔
 قولہ: مَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزْكِي: یہاں شرک سے پاک نہ ہونا مراد ہے۔ یہ سب کافر تھے آپ کو قریش کے ایمان کی حرص تھی۔
 مطلب یہ ہے کہ آپ کو انہیں ایمان دینے کی قدرت نہیں تم پر صرف پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ (ک)
 قولہ: حَفِظَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ قرآن کو یاد کرنا ذکر ہے۔ جو کہ نسیان کی ضد ہے اور ذکر کا غلط تذکیر و عطف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (ک)

قولہ: طَرِيقٌ خُرُوْجٍ: اس سے اشارہ کیا کہ سبیل راستہ کے معنی میں ہے۔ اور اس کا آل ضمیر کے عوض ہے ای سبیلہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا۔ بعض نے کہا کہ بچے کا سراں کے پیٹ میں اوپر کی جانب ہوتا ہے اور نائگیں نیچے کی طرف ہوتی ہیں گویا وہ ماں کے پیٹ میں کھڑا ہوتا ہے۔ اور جب نکلنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اللہام سے وہ پلٹ جاتا ہے۔ (رازی)

قولہ: لَمْ يَفْعَلْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ لمانا فیہ جازمہ ہے اور اس کی نفی زمانہ حال تک ہوتی ہے۔
 قولہ: مَا اَمْرًا بِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ لاما موصولہ ہے اور الذی کا معنی دے رہا ہے۔ اور ضمیر عامد محذوف ہے۔ (ک)
 قولہ: اَنَا صَبَبْنَا: یہ طعام سے بدل ہے محل خبر میں بدل ال اشتماں ہے۔ اس طرح کہ پانی کا بہانا یہ غلہ جات کے نکالنے کا سبب ہے اور غلہ جات پانی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ (ک)

قولہ: مَا تَرَعَاهُ: وہ چارہ جس کو حیوانات کھائیں خوہ خشک ہو یا تر۔ یہ لفظ قضیب سے عام ہے۔
 قولہ: وَقَيْلَ النَّبْتِ: اس سے گھاس اور ترکاری کے مابین مغایرت ظاہر ہے۔ (ک)
 قولہ: مَتْنَعًا اَوْ تَمْتِيْعًا: یہ مفعول لہ یا مطلق ہے اس کا عامل محذوف ہے ای فعلی ذلک متاعا لکم او متعمکم بذالک تمتمعا۔ (ک)

قولہ: لِاِنْعَامِكُمْ: یہ نعم کی جمع ہے۔ اونٹ، بکری، گائے سب کو شامل ہے۔ (ک)
 قولہ: اِسْتَعْلَ كُلُّ وَاٰحِدٍ: یہ اذا محذوف کے جواب کی وضاحت و بیان ہے۔ (ک)
 ۱۔ اس عتاب نبوت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں غنی و فقیر میں مساوات ہے۔ یہ عتاب ادب بنی ربی فاحسن تادیبی کا نمونہ ہے۔

۱۔ مخلصانہ پیغام دعوت کے بعد کسی کافر کے اسلام کی حرص میں مسلمان سے اعراض درست نہیں۔

۲۔ قرآن مجید کتاب نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت پا کر اس پر عمل کرے۔

۳۔ قرآن کو اٹھانے والے فرشتے نہایت نیک و معزز ہیں، قرآن کا انکار کرنے والا ملعون ہے انسان کو حقیر بنا کر کے یہ مقام دیا اس کو کبر، اسے موت کے بعد دفن کا حکم دیا تاکہ اس کی دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں عظمت قائم رہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ انسان کو چاہیں گے اٹھا کھڑا کریں گے اس پر یہ انتظامات دلالت کر رہیں۔ زمیل پانی سے ترقی دے کر بنانا۔ ۲۔
خبر دہر کا امتیاز دینا۔ ۳۔ امانت و انشاء کرنا۔

۱۔ بہت کم انسان اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے والے ہیں، انسان کو اپنے بڑنگاہ ذالنی چاہیے کہ اس کے لیے کیسے کیسے انتظامات کس کس طرح کیے گئے ہیں۔

۲۔ آٹھ قسم کی نباتات کا ذکر کیا جو انس و حیوان دونوں ہی کے کام آتی ہیں۔ یہ نباتات کا تذکرہ بعث بعد الموت کی ایک مثال کے طور پر ذکر فرمایا۔

۱۔ نین باتیں اصل مقصود ہیں؛ ۱۔ دلائل توحید کا تذکرہ۔ ۲۔ معاد پر قدرت کے دلائل۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کے زریعہ اختیار کی ترغیب۔

۹۔ شدا اند شتر سے آدمی کو اپنے ستر کا ہوش نہ ہوگا۔

۱۰۔ حادثہ قیامت اور نسبتوں سے بیزاری کا اظہار اور مطالبہ حقوق وحی میں سے اگر کوئی چیز چھپانا درست ہوتا تو آپ یہ عتاب چھپاتے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں خاص طور پر عقیدہ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ اور ان دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرتا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا، اور اس کو صرف اپنی ہی فکر پریشانی ہوگی، ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارت ایمان کا تقاضا ہے ان کو دنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہئے، بلکہ اہل دنیا اور متکبر مالداروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہئے۔

عَبَسَ وَتَوَلَّى

شان نزول: حضرت ابن ام مکتومؓ ایک صحابی تھے، جو نابینا تھے ان کا نام عبداللہ بن ام مکتوم معروف و مشہور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو تھا اور والد کا نام قیس تھا، وہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ہجرت

فرمانے سے پہلے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آگئے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ مشرکین کے سرداروں میں سے بعض لوگ موجود تھے رسول اللہ ﷺ ان سے باتیں کر رہے تھے اور اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم حاضر خدمت ہو گئے (چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے انہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مشغولیت کا پتہ نہ چلا) اور بار بار عرض کرتے رہے کہ مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے، آپ کو اس وقت ان کا آجانا اچھا نہ لگا کیونکہ وہ گفتگو کے درمیان بیچ میں آگئے جس سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ ان کا جواب دیں تو حاضرین سے جو بات ہو رہی تھی وہ کٹ جاتی، آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف سے اعراض فرمایا اور سرداران قریش میں سے جس سے بات ہو رہی تھی اس کی طرف متوجہ رہے آپ کے خیال مبارک میں یہ بات تھی کہ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے کبھی بھی میرے پاس آ سکتا ہے اور سوال کر سکتا ہے لیکن ان قریش کے سرداروں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کر لے تو سارے قریش پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، اس وقت ابن ام مکتوم پر توجہ دیتا ہوں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے ساتھی یہ ہی نابینا اور نیچے درجہ کے لوگ (غلام باندی) ہیں۔ سنن ترمذی میں یوں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ رجل من عظماء المشرکین۔ لیکن معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جس وقت ابن ام مکتوم حاضر ہوئے اس وقت آپ کی خدمت میں عقبہ بن ربیعہ اور ابو جہل اور عہاس بن عبدالمطلب اور ابی بن خلف اور امیہ بن خلف موجود تھے۔ اور تفسیر بیضاوی میں ہے وعنده صنادید قریش کہ آپ کے پاس سرداران قریش موجود تھے۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ابن ام مکتوم کا آنا اور بات کرنا ناگوار ہوا اور اس کا اثر چہرہ انور پر ظاہر ہوا، اس پر اللہ جل شانہ نے عتاب فرمایا اور سورہ عبس نازل فرمائی، ارشاد فرمایا: عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ (منہ بنایا اور روگردانی کی) اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۝ (یعنی رخ پھیر لیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس نابینا آ گیا) پہلے تو غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اس میں آپ کا اکرم ہے۔ پھر صیغہ خطاب ارشاد فرمایا: وَمَا يَذُرُّكَ لَعَلَّهٗ يَرْسُوْا ۝ (اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا)۔ اَوْ يَذُكُّرُ فَتَنْفَعُهٗ الَّذِي كُوْنٰی ۝ (یادہ نصیحت قبول کرتا سو نصیحت اسے فائدہ دیتی) یعنی وہ نابینا جو آ یا وہ پہلے سے مومن تھا اس نے آپ سے دینی باتیں معلوم کرنا چاہیں آپ اسے کچھ بتاتے سمجھاتے تو وہ اپنی حالت کو سنوار لیتا اور نصیحت حاصل کرتا اور سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا۔ آپ کو اس کے سنور نے اور سدھرنے اور نصیحت سے نفع حاصل کرنے کی امید رکھنا چاہیے۔ لفظ لعل جو ترقی کے ہے، تا ہے اسی مفہوم کے ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمایا۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَكُوْنٰی ۝

یعنی جو لوگ اپنے فرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ ورسول کے سامنے جھکیں آپ ﷺ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں تاکہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر کوئی اہرام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ ﷺ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ ﷺ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا، وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں۔ آگے ان لا پروا متکبروں کی نگر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔ یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب کی توجہ امیروں اور تو نگروں کی طرف زیادہ ہے۔ شکستہ حال غریبوں کی طرف

سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا لکھا۔ پھر اس کے لیے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا جیسے اور جگہ ہے: **إِنَّا كُنَّا نَمْنَعُ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاءَ كَرِيمًا وَإِنَّمَا كُنْفُورًا (الانسان: ۳)** یعنی ہم نے سے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گزار بنے یا ناشکر، حسن اور ابن زبیر اسی کو راجح بتاتے ہیں واللہ اعلم۔ اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں۔ **قبرت الریحان** اور کہتے ہیں **أقبرہ اللہ** اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں مطلب یہ ہے کہ اب اللہ نے اسے قبر والا بنا دیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا، اسی کی زندگی کو بعثت بھی کہتے ہیں اور نشور بھی، جیسے اور جگہ ہے آیت: **وَمِنَ الْآيَاتِ أَنْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نُطْرَابٍ تُطَابٍ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ مَثَبُورُونَ (الروم: ۲۰)** اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر، ٹھہ بیٹھے اور جگہ ہے: **كَيْفَ نُنشِرُهُمْ فَأَنزَلْنَا كُنُوزَهُمَّا لِنَمُنَّا (الفرقان: ۲۵۹)** ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے بٹھاتے ہیں، پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو نہیں کھاتی، لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہوگی۔ یہ حدیث بغیر سوال جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکر اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان مال میں اللہ کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ابھی تو اس نے فرائض اللہ سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہد کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ حسن بصری سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں متقدمین میں سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا، ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا، اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا۔ یعنی ابھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور بنی آدم کی تقدیر پوری ہو، ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں برا بھلا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے۔ وہ سب اللہ کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے اس وقت وہ خالق کل دوبارہ زندہ کرے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری دفعہ پھر پیدا کر دے گا، ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جہنمی زمین پر ہوں گے سب مرجائیں گے۔ اور زمین میں جو کچھ ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تروتازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لیے کھانا مہیا کیا اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی و پورا چوراہوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے، تم دیکھ لو کہ ہم نے

آسمان سے برابر پانی برسایا پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا اور آج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں اناج پیدا ہوا کہیں انجور اور کہیں زکریاں۔ جب کہتے ہیں کہ بردانے کو، عنب کہتے ہیں انجور کو اور قصب کہتے ہیں اس سبز چارے کو جیسے جانور کھاتے ہیں اور زمین پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گد رانی ہوئی بھی کھائی جاتی ہے، تر بھی کھائی جاتی ہے اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور کئی بھی اور اس کا شیرہ اور سرکہ بھی بنایا جاتا ہے اور باغات پیدا کئے۔ غالباً کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے میوہ دار درخت ہیں۔ حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو کھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو، موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں، اور میوے پیدا کئے اور اب کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جیسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے، جیسے گھاس پات وغیرہ، اب جانور کے لیے، یہاں ہی ہے جیسا انسان کے لیے فاکھ یعنی پھل، میوہ۔ عطاء کا قول ہے کہ زمین پر جو کچھ اکتا ہے اسے اب کہتے ہیں۔ ضحک فرماتے ہیں سوائے میوؤں کے باقی سب اُت ہے۔ ابوالسائب فرماتے ہیں اُت آدمے کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کونسا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کونسی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی، اگر میں کتاب اللہ میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو لیکن یہ اثر منقطع ہے، ابراہیم تیس نے حضرت صدیق کو نہیں پایا، ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے منبر پر سورۃ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل و صورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے: فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ كَرِيمٍ (لقن: ۱۰) پھر فرمایا ہے تمہاری زندگی کے قائم رکھنے، تمہیں فائدہ پہنچانے اور تمہارے جانوروں کے لیے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاعَةَ ۝

نگلے پاؤں، ننگے بدن، سینے کا لباس:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صاعہ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نغمہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دیگا۔ اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئیگا، میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا، بہت پیار محبت سے رکھا یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تاکہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں، تو وہ جواب دے گی کہ سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی، بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا، صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان

فرماتے ہوئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اولو العزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں اللہ کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لیے یہ بڑھ نہ ہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کیلئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں، الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپ ﷺ ادھالی میں لگا ہوگا، کسی کو دوسرے کا ہوش بند ہوگا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ اللہ کے ہاں جمع کیے جاؤ گے آپ ﷺ کی نبوی صاخبہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز گھبراہٹ کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہوئے ہوگا، بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن بڑمانہ، المغضی، آیات میر ہے کہ آپ ﷺ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی لکل امری الخ دوسری روایت میں ہے کہ یہ نبوی صاخبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتاؤں گا پوچھا حضور ﷺ لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں۔ یہ سن کر ام المومنین انسوس کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے یا نہیں؟ پوچھا حضور ﷺ وہ آیت کونسی ہے فرمایا لکل امری الخ، ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کیے جائیں گے پسینے میں غرض ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا اور کسی کے کانوں تک تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ سنائی، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے رد گردہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے دل خوشی سے مطمئن ہوں گے منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے یہ تو جتنی جماعت ہے دوسرے گروہ جہنمیوں کا ہوگا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے گرد آلود ہوں گے، حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگا کے ہوگا پھر گرد و غبار پڑا ہوا ہوگا جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی جیسے اور جگہ ہے: وَلَا يَلْدُوا إِلَّا فَاِجْرًا كَفَّارًا (نوح: ۲۷) یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کا فر نہیں ہوگی۔

سُورَةُ التَّكْوِيْمِ

سُورَةُ التَّكْوِيْمِ ۸۱ آيَاتٍ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
 اور اس کی آیتیں ۸۱ ہیں

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ لَفِيفَتْ وَدُهِبَ بِنُورِهَا ۝۲ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝۳ انْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلٰى
 الْاَرْضِ ۝۴ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۵ ذُهَبَ بِهَا عَنْ وُجُوْهِ الْاَرْضِ فَصَارَتْ مَنَاهِمٌ مُّثَبَّتًا ۝۶ وَاِذَا الْعِشَارُ التَّقَوُّ
 اُخْوَامِ عَطَلَتْ ۝۷ ثُرِكَتْ بِلَا رَاعٍ اَوْ بِلَا حَلْبٍ لَمَّا ذَهَابَهُم مِّنَ الْاَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ اَعْجَبَ الْيَهُمِ
 لَيْثًا ۝۸ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُوْشِرَتْ ۝۹ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبُعْثِ لِيَقْتَضَى لِبَعْضٍ مِّنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيْبُ اَبَا ۝۱۰ وَاِذَا الْبِحَارُ
 سُجِّرَتْ ۝۱۱ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَوْ قَدَتْ فَصَارَتْ نَارًا ۝۱۲ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوْجَتْ ۝۱۳ قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا
 وَاِذَا الْمَعْوَدَةُ الْجَارِيَةُ تُدْفِنُ حَيَّةٌ خَوْفَ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ سِيَلَتْ ۝۱۴ تَجَكِّيْنَا لِقَاتِلِهَا بِاَيِّ ذَنْبٍ
 قُتِلَتْ ۝۱۵ وَفَرِيءٌ بِكُمْرِ النَّاءِ حِكَايَةُ لَمَّا تَخَاطَبَتْ بِهِ وَجَوَابِهَا اَنْ تَقُوْلَ قُتِلْتُ بِلَا ذَنْبٍ وَاِذَا الصُّحُفُ
 كُحِفَتِ الْاَعْمَالُ نُشِرَتْ ۝۱۶ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فَبَحَثَ وَبَسِطَتْ ۝۱۷ وَاِذَا السَّبَّءُ كُشِطَتْ ۝۱۸ نُزِعَتْ
 عَنْ اَمَاكِنِهَا كَمَا يَنْزِعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ ۝۱۹ وَاِذَا الْجَحِيْمُ النَّارُ سُعِرَتْ ۝۲۰ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ
 اُخِجَتْ ۝۲۱ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۲۲ قُرِبَتْ لِاَهْلِهَا لِيُدْخِلُوْهَا وَجَوَابِ اِذَا الْاَوَّلِ السُّوْرَةِ وَمَا عَطَفَ عَلَيْهَا
 عَلِيَتْ نَفْسٌ اَيُّ كُلِّ نَفْسٍ وَقَتَ هَذِهِ الْمُدْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مَّا اَحْضَرَتْ ۝۲۳ مِنْ خَيْرٍ وَشَرِّ
 فَلَا اَنْسَمُ لَا رَاثِدَةً بِالْخُسِّ ۝۲۴ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝۲۵ هِيَ النَّجْمُ الْخَمْسَةُ رُحْلٌ وَالْمُسْتَرِي وَالْمِيْرِيْحُ
 وَالزُّهْرَةُ وَعَطَارِدُ تَخْشَعُ بِضَمِّ التَّوْنِ اَيُّ تَرْجِعُ فِي مَجْرَاهَا وَرَاةَا يَبِيْنَا تَرَى النَّحْمَ فِي اَجْرِ التَّرَجِ اُدْكُرْ

راجعاً الى آو له وَ تَكْنِسُ بِكُفْرِ التُّونِ نَدْخُلُ فِي كَنَاسِهَا أَي تَغِيْبُ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي تَغِيْبُ فِيهَا وَاللَّيْلِ
 إِذَا عَسَسَ ۝ أَقْبَلَ بِظِلَامِهِ أَوْ أَدْبَرَ وَ الصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِغْتَدَّ حَتَّى يَصِيرَ نَهَارًا بِنَازِلَتِهِ أَي
 الْقُرْآنُ لِقَوْلِ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ جِبْرِيْلُ أَضْيَفَ إِلَيْهِ لِتُرُؤْلِهِ بِهِ ذِي قُوَّةٍ أَي شَدِيدِ
 الْقُرَى عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ أَي اللَّهُ تَعَالَى مَكِينٍ ۝ ذِي مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٍ بِهِ عِنْدَ مَطَاعِ كَلَمَ أَي نُطْبِئُهُ
 الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَوَاتِ آمِينَ ۝ عَلَى الْوَحْيِ وَ مَا صَاحِبِكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَطَفَ
 عَلَى أَنَّهُ إِلَى آخِرِ الْمُقَسَمِ عَلَيْهِ بِسُجُودٍ ۝ كَمَا رَأَى عَمَّتُمْ وَ لَقَدْ رَأَاهُ رَأَى مُحَمَّدٌ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِمَا
 الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۝ الْبَيْنِ وَهُوَ الْأَعْلَى بِنَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ
 وَ مَا هُوَ أَي مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ مَا غَابَ مِنَ الْوَحْيِ وَ خَبَرَ السَّمَاءِ بِضَنِينٍ ۝
 بِمُتَمِّهِمْ وَ فِي قِرَاءَةِ الْبُضَادِ أَي يَبْخِيلُ وَ يَنْقُصُ شَيْئًا مِنْهُ وَ مَا هُوَ أَي الْقُرْآنُ يَقُولُ شَيْطَانٌ مُشْتَرِكٌ
 السَّمْعِ رَجِيمٍ ۝ مَرْجُومٍ فَالَّذِينَ تَذَاهِبُونَ ۝ فَالَّذِينَ تَسْلُكُونَ فِي الْكُفْرِ كُفْرَ الْقُرْآنِ وَ اغْرَاضِكُمْ
 عَنْهُ إِنَّ مَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِلْعَالَمِينَ ۝ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْعَلَمِينَ
 بِإِعَادَةِ الْجَارِ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۝ بِاتِّبَاعِ الْحَقِّ وَ مَا تَشَاءُونَ الْإِسْتِقَامَةَ عَلَى الْحَقِّ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
 رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ الْخَلَائِقِ اسْتِقَامَتَكُمْ عَلَيْهِ

ترجمہ: سورج جب بنور ہو جائے گا (لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر
 گریں گے (زمین پر گر کر بکھر جائیں گے) اور پہاڑ جب چلے جائیں گے (زمین سے اکھڑ کر اڑے پھریں گے) اور دل
 سینے کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر جروا ہے کے یا دودھ دو ہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ
 سے۔ حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ
 زندہ ہونے کے بعد تاکہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے (لظہ
 فہرت تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیے جائیں گے) اور جب روہیں ملا دی جائیں
 گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی) اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے (جس کو عمار کے خوف یا محتاجگی کی وجہ سے
 زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو دہشت زدہ کرنے کے لیے) کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (ایک

قراءت میں قتلت کسرہ تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلا تصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے جائیں اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جیسے بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دھکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکادی جائے گی) اور جنت جب نزدیک کر دی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لیے لے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے اذکار اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف ہو جائے گا۔ ان اچھے برے اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں) (اس میں مازا مکہ ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹے لگتے ہیں۔ چلتے رہتے ہیں، جا چھتے ہیں (اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد پانچ ستارے مراد ہیں۔ مخمس ضمہ نون کے ساتھ پیچھے لوٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں، مخمس کسرہ نون کے ساتھ اپنی جگہ چھینے کے معنی ہیں۔ یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جائے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبریل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے کی گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے) مالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) (ہاں) (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ مراد ہیں، اس کا عطف انہ پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنون والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) غل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظنن کے معنی متہم کے ہیں، البتہ ایک قراءت میں فنین ضاد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (رائد) ہے۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلو تہی کے معاملہ میں کہاں جا رہے ہو) بس یہ تو دنیا جہان کے (انسان و جنات) کے لیے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لیے جو تم میں سے (یہ عالمین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چلنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو)۔

کلمات تفسیر کی توضیح و شرح

قوله: لَقِفْتُ: یعنی ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لپیٹ کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور سمندر میں پھینکنے کے بعد ہوا بچ کر اسے آگے بنا دیا جائے گا۔ (ک)

قوله: الْعِشَاءُ: یہ عشاء کی جمع ہے جیسے نفاس و نساء دس ماہ کی گاہن اونٹنی وضع حمل تک اس کا یہی نام رہتا ہے۔ (ک)
 قوله: وَلَمْ يَكُنْ مَالًا: یہ عربوں کے ہاں اس حالت میں پسندیدہ ترین مال تھا۔ ایک دن جناب پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ دس ماہ کی گاہن اونٹیوں کے پاس سے گزرے مگر آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ تو ایک صحابی نے عرض کی یہ تو ہمارے نفیس مال ہے آپ نے اس کی طرف توجہ کیوں نہیں فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا تمدن عینیک۔۔۔ الایۃ۔ (خ۔ک)

قوله: تَبْكِيئَاتًا: یہ قاتل کی مزیل تذلیل کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جب اس زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا تو نہیں کس گناہ کی یادداشت میں قتل کیا گیا وہ جواب دے گی۔ بغیر کسی گناہ کے تو قاتل لا جواب ہو جائے گا۔ (ک)

قوله: كَلَّ نَفْسٍ: اس سے یہ اشارہ کیا کہ نفس کو عموم کے لیے نکرہ لائے ہیں اور نکرہ مثبت میں بھی کبھی عموم ہوتا ہے۔
 مثلاً: ثمرة خیر من جرادة۔

قوله: رُحُلٌ: یہ پانچوں ستاروں اپنے فلک میں چلنے کے بعد دوسرے فلک سے شروع کی طرف اگلے لوٹتے ہیں۔ یہ دن کو چھتے اور رات کو ظاہر ہوتے اور غروب کے اوقات میں نگاہوں سے متاخر رہتے ہیں اور ہرن کے غار میں چھپنے کی طرح چھپتے ہیں۔ (ج)

ان کو خمسہ متخیرہ کہتے ہیں۔ کبھی تو یہ ٹھہرے رہتے ہیں اور کبھی یہ اسی جہت سے جدھر حرکت کرتے ہیں یہ ادھر سے واپس لوٹتے ہیں اور اس کی وجہ یہ کہ ان کا محور گول ہے۔ اور یہ زمین گرد گوسنے والے نہیں بلکہ ان کی حرکت نصف اوپر والے حصہ کی نیچے والے نصف کے مخالف ہوتی ہے۔ اگر اوپر والا حصہ مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے تو نیچا مغرب کی طرف اور اس کا عکس بھی وہ الٹا کہ جن میں گولائی پائی جاتی ہے ان کی حرکات جب اس نصف کے موافق ہوتی ہیں جن میں یہ ستارے ہوتے ہیں تو ستارے کی حرکت اتنی تیز ہو جاتی ہے جو اوپر نیچے ولای حرکات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ اور دونوں حرکتیں برابر ہو جاتی ہیں اور جب نصف کی حرکت فلک کی حرکت سے بڑھ جاتی ہے تو یہ لوٹتا ہے اور سورج میں تدویر نہیں اس لیے وہ نہیں لوٹتا اور چاند اپنے فلک کی حرکت کی تیزی کی وجہ سے اور تدویر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی تدویر کی حرکت میں اضافہ نہیں ہوتا کہ وہ لوٹے۔ (ک)

[کتب ہیئت ملاحظہ کریں]

قوله: وَرَاةَ: یہ روایت غار حرا میں ہوئی جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے۔

۱۔ قیامت کے مہادی و خواتیم کا ظہور نفوس کو تڑھیب و تدعیر سے بھر دے گا۔ بارہ علامات ذکر فرمائیں جو تکویر آفتاب سے شروع کیں اور جنت و دوزخ کے قریب کرنے پر اختتام فرمایا۔ اس وقت ہر نفس کو اپنے خیر و شر کا علم ہو جائے گا۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ہر شخص کو براہ راست جوابدہ ہونا پڑے گا۔ پہلے چھ حوادث مہادی قیامت ہیں اور دوسرے مہادی جنت و دوزخ۔

۲۔ شرک و معاصی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دوزخ کا سبب ہیں۔

۳۔ اثبات وحی و اثبات نبوت محمد یہ کے لیے چار قسمیں کھائی گئی ہیں۔

۴۔ جبرئیل کے پانچ اوصاف: ۱۔ امانت۔ ۲۔ قوت۔ ۳۔ علم و تہ۔ ۴۔ کمال طاعت۔ ۵۔ شرافت عظمیٰ ذکر کیے گئے ہیں۔

۵۔ آپ وحی نبوت بلا کم و کاست پہنچانے والے ہیں۔

۶۔ آخر میں قریش کی گمراہی بتلائی کہ یہ واضح راستہ چھوڑ کر کدھر بھٹک رہے ہو۔

۷۔ بندہ جو کام بھی کرتا ہے وہ تو فیق الہی کے بغیر نہیں کرتا اور اس کی عنایت اس کا ساتھ چھوڑ دے تو یہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

۸۔ استقامت ارادہ استقامت پر موقوف ہے۔ استقامت سیدگی راہ پر چلنے کو کہتے ہیں جو آسمان و زمین کے مالک کا راستہ ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عربوں کو اسلام ملا۔ جیسا فرمایا: وما كان لِنفس ان تؤمن الا باذن الله (یونس) لکن الله یهدی من یشاء (القصص: ۲۸/۵۶)

یشاء (القصص: ۲۸/۵۶)

تفسیر مقبولین

یہ سورت بھی مکہ ہے، اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، عبد اللہ بن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، اور حضرت عائشہ سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی آیتیں آیات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ: اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت۔ سورتوں کی تلاوت کرے۔ (جامع ترمذی، ابن کثیر، طبرانی) ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عیس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پروا نہ ہوگی ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا جا رہا ہے، ایک قیامت کی حقیقت، دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جس پر از اول تا آخر جملہ مضامین درج ہیں۔

لِذَا الشُّسُ كُورَتْ ۝

تکویر سے مشتق ہے اسکے معنی بے نور ہو جان کے بھی آتے ہیں۔ جس بصری کی یہی تفسیر ہے اور اسکے معنی ڈال دینے

پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع ابن خثیم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈال دیا جائیگا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ اول آفتاب کے بے باور کر دیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جاویں گے اور مسند بزار میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جاویں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جاوے گا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (مسند ابن المنظری والقرطبی)

وَإِذَا الْعُشُورُ عُظِّلَتْ ۝

اس میں لفظ العشور، عشراء کی جمع ہے جس اونٹنی کو دس ماہ کا حمل ہو اسے عشراء کہتے ہیں اور بیکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ کوئی طالب رہے گا نہ چرانے والا، نہ سواری کرنے والا، عرب کے لوگ حمل والی اونٹنیوں کو اپنے لیے بہت بڑا سرمایہ سمجھتے تھے اور قرآن کے اولین مخاطبین وہی تھے اس لیے اونٹنیوں کے بیکار ہونے کا تذکرہ فرمایا کہ تم جن چیزوں کو اپنی مرغوب ترین چیز سمجھتے ہو ان پر ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ ان کی طرف ذرا بھی کوئی توجہ نہ کرے گا۔

وَإِذَا الْبُحَارُ سُجِّرَتْ ۝

سجرت، تسحیر سے مشتق ہے جس کے معنی آگ لگانے اور بڑھکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جگہ یہی معنی لیے ہیں اور اسکے معنی بھر دینے کے بعد آتے ہیں اور گڈمڈ خطا ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنی لیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور بیٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائے گا اور میان کی رکاوٹیں ختم کر دی جاوے گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس و قمر اور ستاروں کو اس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائے گا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا (منظہری)

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝

یعنی جبکہ حاضرین محشر کے جوڑے جوڑے اور جتھے بنا دیئے جاویں گے یہ جتھے اور جماعتیں ایمان و عمل کے اعتبار سے ہوں گے کہ کافر ایک جگہ مومن ایک جگہ، پھر کافر و مومن میں بھی اعمال و عادات کا فرق ہوتا ہے، انکے اعتبار سے کفار میں بھی مختلف قسم کے گروہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں میں بھی یہ گروہ عقیدے اور عمل میں اشتراک کی بنا پر ہوں گے جیسا کہ بتقلی نے بروایت حضرت نعمان بن بشیر حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہوں گے وہ ایک جگہ کر دیئے جاویں گے اعمال حسنه ہوں یا سیئہ، مثلاً اچھے مسلمانوں میں علم دین کی خدمت کرنیوالے علماء ایک جگہ، عباد و زہاد ایک جگہ جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیت رکھنے والے ایک جگہ، اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔ رسول اللہ

نے فرمایا کہ محشر میں ہر شخص اپنی قوم کے ساتھ ہوگا (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل و عقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنے والے ایک جگہ بد عمل والے دوسری جگہ ہوں گے اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد فرمایا: وَكَانَ لِأُولَئِكَ عَذَابٌ مُّهِينٌ یعنی محشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہوں گے جیسا کہ سورۃ واقعہ کی آیت میں اس کی تفصیل یہ آئی ہے کہ ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا، یہ دونوں گروہ نجات پانیدالے ہوں گے، تیسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہوگا جو کفار فجار پر مشتمل ہوگا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ سَبَّوْا ۚ

موءودہ، وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیت عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لیے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن کر دیتے تھے اسام نے یہ رسم بد منائی، اس آیت میں قیامت و محشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ درگور کر کے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنے کا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہ رب العزت میں پیش کرے تاکہ اسکے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ موءودہ لڑکی کے بارے میں اسکے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا۔

نائدہ ہمہ: یہاں بہر حال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کا تو نام ہی یوم الحساب یوم الجزاء یوم الدین ہے اس میں تو ہر شخص سے اس کے سبھی اعمال کا محاسبہ اور سوال ہوں گے اس جگہ خصوصی احوال اور احوال قیامت کے سلسلہ میں خاص موءودہ لڑکی کے معاملے میں اور اسکے متعلق سوال ہونے کو اتنی اہمیت اور خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اسکے ماں باپ نے قتل کیا ہے اسکے خون کا انتقام لینے کے لیے اس کی طرف سے کوئی دعویٰ کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اس کو خفیہ دفن کر دیا ہو تو کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کہ شہادت دے سکے محشر کے میدان میں جو عدل و انصاف کی عدالت الہیہ قائم ہوگی، وہ ایسے مظالم کو بھی سامنے لائے گی جس کے ظلم پر نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی اس مظلوم کا پرسان حال ہے۔ واللہ اعلم

چار ماہ کے بعد اسقاط حمل قتل کے حکم میں ہے:

مسئلہ: بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گزانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینے میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے تو باجماع مت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور اگر بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔ (مظہری)

مسئلہ: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں

صورتیں رائج ہو گئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ ﷺ وادغنی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا (کارواہ مسلم نماز بنت وہب) اور بعض دوسری روایت میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری)

آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے سلسلہ اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم
عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ ۝

یعنی جب قیامت کے حالات مذکورہ پیش آدیں گے اس وقت ہر انسان جان لیگا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اس کا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اسکے سامنے آجاویں گے جو دنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کے مخالف اعمال میں لکھے ہوئے اسکے ہاتھ میں آجائیں یا اس طرح کے یہ اعمال کسی خاص شکل و صورت میں اسکے سامنے آدیں جیسا کہ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم، قیامت کے حوال اور ہولناک مناظر اور وہاں محاسبہ اعمال کا ذکر فرماتے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور جس ذات پر نازل ہوا ہے وہ ذات ایک بڑی ہستی ہے وحی لانے والے فرشتے کو وہ پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اسلئے اس کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی راہ نہیں۔ جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت فلکیات میں فرستخیرہ کہتے ہیں۔ درستخیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف چلنے لگے ہیں اس کی وجہ کیا، اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اسکے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوام ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق ان میں سے بعض کے مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم، پیدا کر نیوالے کے سوا کسی کو نہیں، سب تخمینے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں صحیح بھی، قرآن حکیم نے امت کو اس فضوں بحث میں نہیں الجھایا، جتنی بات ان کے فائدہ کی تھی وہ بتلا دی کہ وہ رب العزت جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اس میں مشاہدہ کریں اور ایمان لائیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْغَلْغَلِ ۝

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے چند مخصوص ستاروں اور رات کی اور صبح کی قسم کھا کر قرآن کریم کی اور قرآن مجید کے والے فرشتے یعنی جبرائیل علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو دیوبنگی کی طرف منسوب کرتے تھے ان کی تردید کی ہے۔

جن ستاروں کی قسم کھائی ہے ان کے بارے میں الخنفس اور الکنس فرمایا ہے۔ الخنفس خاس کی جمع ہے جس کا معنی پیچھے ہٹنے والا ہے اور الجوار، جاربتہ کی جمع ہے جو (جرمی بجرمی) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور فواعل کے وزن پر ہے، کو کھینے اور پڑھنے میں حذف کر دیا گیا ہے اس کا معنی ہے چلنے والے اور الکنس، کنس کی جمع ہے اور کنس، یکنس کا اسم فاعل

ہے جس کا معنی چھپ جانے کا ہے: يقال كنس الوحش اذا دخل كناسه الذي يتخذ من اغصان الشجر۔
 حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ان سے پانچ ستارے مراد ہیں یعنی زحل اور عطارد اور مشتری اور مریخ اور زہرہ، ان کو خمہ متبرہ بھی
 کہتے ہیں یہ چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے چتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔

(روح المعانی صفحہ ۶۶: ج ۲)

وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۰﴾

حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے
 منتشر ہونے کو دم مابھی سے نسبت کی۔ جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور
 منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کنایہ ہے نسیم سے
 جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے (تنبیہ) ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا ٹھہرنا،
 لوٹنا، اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار درجی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر
 چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین ﷺ کی ولادت باسعادت
 سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے اس کے بعد صبح صادق کا دم
 بمرحضور ﷺ کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا
 اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔ ولنعلم ما قبل۔ فانہ شمس فضلہم
 کو اکبھا یظہرن انوارھا للناس فی الظلم حتی اذا طلعت فی الکون عم ہداھا العالمین واحیت سائر
 الامم اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں
 چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا، قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر
 ہوجانے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر کے موافق مقسم بی کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

سورة انفطار کہ میں نازل ہوئی ۸۲ مکیہ ۸۲
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
انفطار ۳۶ آیات

سورة انفطار کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں تین

إِذَا الشَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝۱
 إِنشَقَّتْ ۝۲
 وَإِذَا الْكُوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۳
 انْفَضَّتْ وَنَسَافَطَتْ ۝۴
 وَإِذَا الْبِحَارُ
 فُجِّرَتْ ۝۵
 فُتِحَ بَعْضُهَا فِي بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا وَاخْتَلَطَ الْعَذْبُ بِالْمِلْحِ ۝۶
 وَإِذَا الْقُبُورُ
 بُعْثِرَتْ ۝۷
 قَلِبَ بُرُوجُهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابٌ إِذَا وَمَا عَطِيفٌ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ أَيُّ كُنْ نَفْسٌ
 وَقَتٌ هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مَا قَدَّمَتْ مِنَ الْأَعْمَالِ وَ مَا أَخَّرَتْ ۝۸
 مِنْهَا فَلَمْ تَعْمَلْ
 يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ مَا عَزَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝۹
 حَتَّىٰ عَصَيْتَهُ لَذِي خَلَقَكَ بَعْدَ أَنْ نَمَّ تَكْرُرُ
 فَسَوَّكَ جَعَلَكَ مُسْتَوَى الْخَلْقِ سَالِمِ الْأَعْضَاءِ فَعَدَاكَ ۝۱۰
 بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ جَعَلَكَ مُنْتَبِلِ
 الْخَلْقِ مُتَنَاسِبِ الْأَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدَاوِرُ جُلَّ أَطْوَلَ مِنَ الْأُخْرَىٰ فِي أَيِّ صُورَةٍ رَأَيْتَهُ مَا شَاءَ
 رَبُّكَ ۝۱۱
 كَلَّا رِدْعٌ عَنِ الْإِعْتِرَارِ بِكْرَمِ اللَّهِ تَعَالَىٰ بَلْ تَكْتُمُونَ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ بِالذَّيْنِ ۝۱۲
 الْخِزَاءِ
 عَلَى الْأَعْمَالِ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝۱۳
 مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِأَعْمَالِكُمْ كِرَامًا عَلَى اللَّهِ كَاتِبِينَ ۝۱۴
 نَهَا
 يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝۱۵
 جَمِيعُهُ إِنَّ الْأَبْرَارَ الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيْمَانِهِمْ فِي نَعِيمٍ ۝۱۶
 جَنَّةٍ وَ
 إِنَّ الْفُجَّارَ الْكُفَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۷
 نَارٍ مُّخْرَجَةٍ يَصْلُونَهَا يُدْخِلُونَهَا وَيُقَاسُونَ خَزَاهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۸
 الْخِزَاءِ
 وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝۱۹
 بِمُخْرَجِينَ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۲۰
 ثُمَّ مَا
 أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۲۱
 نَعْتِظُكُمْ لَسَانِهِ يَوْمَ بِالرَّفْعِ أَيُّ هُوَ يَوْمٌ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۝۲۲
 مِنْ
 وَجِ الْمُنْفَعَةِ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝۲۳
 لَا أَمْرَ لِعَيْرِهِ فِيهِ أَيُّ لَمْ يُمْكِرْ أَحَدٌ مِنَ التَّوَسُّطِ فِيهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا

۱۲

توجہ دینا: جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی الٹ کر مردے زندہ ہو کر، آذ اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آگے ہے) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے پچھلے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اسے نشان (کا ز) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آنکہ اس کا فرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنا دیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تحفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضاء متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ پاپاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (مازائد ہے) چاہا تجھے چھوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھونے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھگلاتے ہو (سزائے اعمال کو) اور تم پر یاد رکھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) روزِ خ (جلانے والے آگ) میں ہوں گے وہ اس میں بسیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمت شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے ای ہویوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لیے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہو گی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **بَلْب**: وہ مٹی جو مردوں پر ڈالی جاتی ہے وہ راس کر دی جائے گی۔ درجہاں وہ فون ہیں وہ جگہ کھل کر تمام مردے نکل کھڑے ہوں گے۔ بعثر کا معنی نیچے والے حصہ کو اوپر کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: بعثرت الحرص ای جعلت اسفله اعلا۔ (ک)

قولہ: **مَا عَزَّوَالِي**: کس چیز نے تجھے دھوکا دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا کر دیا۔ الکریم کا لفظ یہاں اغترار سے روکنے کے لئے لایا ہے۔ کیونکہ خالص کرم کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ظالم کو مہمل چھوڑ جائے تو اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ وہ تمہارے ہمارے ختم ہو گیا ہے۔ اور اس نے یہ بھی بتلا دیا کہ شیطان کس طرح دھوکا دیتا ہے وہ کہتا ہے تو ایسا کام کر جن سے اس نے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ تیرا رب تو بڑا سخی ہے وہ کسی کو جلد عذاب نہیں دیتا اس کے کثرت کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اطاعت میں نوب کوشش کی جائے اور اس کی نافرمانی اور کرم کے متعلق دھوکے میں مبتلا نہ ہو۔ (ک)

قولہ: بِالْتَّخْفِيفِ: قراء کو ذہن سے تخفیف سے پڑھا ہے۔ باقی قراء تشدید سے پڑھتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہے: تیرے اعضاء میں اعتدال کا لحاظ رکھا ایک کو دوسرے سے لمبا چوڑا نہیں بنایا بلکہ تناسب بنایا۔ اور تخفیف سے مطلب یہ ہے کہ تجھے خوبصورت بنایا حیوانات کی طرح نہیں بنایا۔ (ک) تسویہ یہ ہے کہ اعضاء میں نقص نہ ہو اور تعدیل یہ ہے کہ اعضاء میں عدم تخالف ہو۔ (ک)

قولہ: إِنَّ الْأَبْرَارَ: یہ جملہ مستأنف ہے جو اس سوال کے جواب میں لایا گیا فرشتے کیوں کر لکھتے ہیں تو فرمایا: تاکہ برابر نعیم اور شرار کو جحیم سے بدلہ دیا جائے۔ (شہاب)

قولہ: لَا تَبْلُوكُمْ: بعض لوگوں کو اذن الہی سے شفاعت کا اختیار ہوگا۔ جیسا فرمایا: لَا يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ الایۃ۔ ۱۔ قیامت سے قبل پیش آنے والے احوال کا تذکرہ فرمایا، پھر نطفہ ثانیہ سے تو تمام مخلوقات کو جمع کر دیا جائے گا اور حساب قائم ہوگا۔ صحائف تقسیم ہوں گے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور پل صراط کو قائم کر دیا جائے گا پھر جنت یا نار انجام ہوگا۔

۲۔ براطرز عمل پیچھے نہ چھوڑے کہ موت کے بعد بھی اس کا گناہ نامہ عمل میں لکھا جاتا رہے گا۔

۳۔ انسان شیطان کے دھوکے میں پڑ کر اپنی حماقت سے انعامات الہیہ کا ناشکری کرتا ہے۔

۴۔ جنت و جزا کی تکذیب دنیا میں فساد کا بڑا عامل ہے اور کفر و عصیان پر جرأت کا سبب اللہ تعالیٰ کے خوف کا فقدان ہے۔

۵۔ انسان تکذیب پر جما ہوا ہے اور فرشتے مؤکین اس کا حساب لکھ رہے ہیں۔ اسی کے مطابق محاسبہ ہوگا۔

۶۔ محافظ فرشتے چار صفت والے ہیں: ۱۔ حافظ۔ ۲۔ معزز۔ ۳۔ کاتب۔ ۴۔ انسان کے اعمال کو جانتے ہیں صبح و شام کے وقت لکھنے والوں کی تہدیلی۔

۷۔ عالمین کا انجام دو قسم پر ہوگا۔ سچے نیک نعمتوں میں فاجرو کا فرج جہنم میں جائیں گے۔

۸۔ قیامت کا دن بڑی شان و عظمت والا ہے۔

۹۔ شفاعت ددوستی سے بدلہ کام نہ دے گا جیسے فرمایا: وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يَطَاعُ۔

۱۰۔ والا امر یومئذ اللہ کے متعلق امام رازی رقم طراز ہیں کہ اس میں اشارہ فرمایا کہ بقاء وجود اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اختیار ازل میں اور آج اور آخرت میں وہ بھی اسی ہی کے لیے ہے۔ اور تفسیر ظاہرہ ناظر کی اعتبار سے ہے۔ نہ کہ منظور الیہ کے لحاظ سے۔ (رک)

تفسیر مقبولین

سورۃ انفطار بھی کی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں، اس کا مضمون بھی سورۃ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے، قیامت کے وقت انقلابات کو نبیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر برابر و نیکیوں کا لوگوں کا کیا حال ہوگا، اور فساق و فاجر کس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا کہ آسمان شق ہو جائے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگ سے رہکا دہنے جائیں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا

لہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے فرمایا: لَسَّمَاءٌ مُّنفَطِرٌ بِهَا كَمَا كَانَ وَغَدَاةٌ مُّفْلُوِلًا (الرحمن: ۱۸) اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور ٹیٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ اور پانی سوکھ جائے گا قبریں پھٹ جائیں گی ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا خَلَقَكَ بِرَبِّكَ الْكَوْبِيرُ ۝

ان آیات میں انسان کو اس کا حال بتایا ہے اور اسے توجہ دلائی ہے کہ وہ خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کچھ بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے پیدا فرمایا، وجود بخشا اس کے جسم کو نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ ٹھیک بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جس صورت میں چاہا ڈھاس دیا، انسان اپنے اختیار سے نہ پیدا ہوا نہ قد کی درازی میں اسے کوئی دخل ہے نہ موٹاپا ہونا، ہونے میں نہ حسین قبح ہونے میں، وہ جس صورت اور حالت میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے ہر شخص اپنی اپنی صورت میں چلتا پھرتا ہے اسی کی طرف متوجہ رہنا اور اسی کا بھیجا ہوا دین قبول کرنا اور اسی کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اب انسانوں میں بہت سے لوگ تو طحہ و زندیق ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو خالق جل جلالہ کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے دین کو قبول نہیں کرتے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کا دین بھی قبول کرتے ہیں لیکن اس کے ادا و نواہی پر عمل نہیں کرتے فرائض چھوڑتے رہتے ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب کسی کے یاد دلانے سے خیال آجاتا ہے کہ گنہگاری کی زندگی اچھی نہیں ہے تو نفس اور شیطان یہ سہما دیتے ہیں کہ ارے میاں چلتے رہو مزے کرتے رہو تمہارا رب کریم ہے بخش دے گا بڑی زندگی پڑی ہے تو بہ کر لینا وغیرہ وغیرہ حالانکہ جس ذات پاک کے اتنے بڑے بڑے احسانات اور انعامات ہیں اس کی تو ذرا سی نافرمانی کرنا بھی متفقضائے عقل کے خلاف ہے۔

بات یہ ہے کہ وفاداری کا مزاج نہیں ہے جس ذات پاک نے وجود بخشا ان گنت نعمتوں سے نوازا اس کی نافرمانی بڑی ہو یا چھوٹی (صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ) سراسر بے وفائی ہے اگر گناہ پر عذاب نہ ہونا یقینی ہوتا اور بخش دیا جاتا ہی متعین ہوتا تب بھی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا لازم تھا عذاب کے ڈر سے نافرمانی سے بچنا یہ نمک حرام غلام کا خاصہ ہے جو ڈنڈے کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یہ آقا کا فرمانبردار نہیں، نمک حلال اور وفادار تو ذرا سی نافرمانی کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے سامنے نعمتیں ہوتی ہیں جن کے استحضار سے وفاداری کا مزاج بنا ہوا ہوتا ہے وفادار کی نظر صرف حکم پر ہوتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حکم نہ مانا تو مار پڑے گی یا معافی ہو جائے گی بلکہ نافرمانی کی زندگی ہی کو عذاب کے برابر سمجھتا ہے ڈنڈا لگنے سے تو بظاہر جسم کو تکلیف ہوتی ہے لیکن نافرمانی کو وجہ سے جو وفاداری میں فرق آ گیا اس کی ندامت میں گھلنا وفادار بندہ کے لیے جسمانی عذاب سے زیادہ ہے۔

سُورَةُ الْمَطْفِيْفِيْنَ

سُورَةُ الْمَطْفِيْفِيْنَ
۸۳ مَكِّيَّةٌ ۸۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اٰتِيَا ۴۶
اٰرَاٰ ۱

سورہ مطفیہین مکہ میں نازل ہوئی

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

وَيْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٍ أَوْوَدٍ فِي جَهَنَّمَ لِلْمَطْفِيْفِيْنَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَىٰ أَيِّ مِنَ التَّائِبِينَ
يَسْتَوْفُونَ ۝ الْكَيْلَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَيْ كَالُوا الِهُمَّ أَوْ وَزَنُوهُمْ أَيْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ يَنْقُضُونَ
الْكَيْلَ أَوِ الْوَزْنَ أَلَا اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ يَظُنُّ بَيِّنَتُنَّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ أَيُّ يَوْمٍ
هُوَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّ لِيَوْمٍ فَتَاصِبُهُ مَبْعُوثُونَ يَقُومُ النَّاسُ مِنْ قُبُورِهِمْ رَبُّ
الْعَالَمِينَ ۝ الْخَلَائِقُ لِأَجْلِ أَمْرِهِ وَحِسَابِهِ وَحِزَابِهِ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ أَيُّ كُتُبِ أَعْمَالِ
الْكُفَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝ قَبِيلٌ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الشَّيَاطِينِ وَالْكَفَرَةِ وَقَبِيلٌ هُوَ مَكَانٌ تُنْفَلُ
الْأَرْضُ السَّابِغَةَ وَهُوَ مَحَلُّ ابْلِيسَ وَخُنُودِهِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝ مَا كِتَابِ سِجِّينٍ كِتَابٌ
مَرْقُومٌ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ يُكْذِبُونَ بِبُيُوتِ الدِّينِ ۝ الْحِزْبُ بَدَلٌ أَوْ تَبَاؤُ
لِلْمُكَذِّبِينَ وَمَا يُكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُتَجَاوِزِ الْحَدِّ أَثِيمٍ ۝ صَبِغَةُ مَبَالِغَةٍ إِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِ
أَيُّنَا الْقُرْآنَ قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ الْحِكَايَاتُ الَّتِي سَطَّرَتْ قَدِيمًا جَمْعُ أَسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ
أَرَا سَطْرَةَ بِالْكَسْرِ كَلَّا رِدْعٌ وَرَجْرَجٌ لِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ بَلٌّ رَانَ غَلَبَ عَلَى قُلُوبِهِمْ نَفْسَهَا مَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝ مِنَ الْمَعَاصِي فَهِيَ كَالضَّمَدِ كَلَّا حَقًّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَمَبْشُرُونَ
لَمَحْجُورُونَ ۝ فَلَا يَرَوْنَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝ لَدَاخِلُوا النَّارَ الْمُحْرِقَةَ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هَذَا
أَيُّ الْعَذَابِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكْذِبُونَ ۝ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ أَيُّ كُتُبِ أَعْمَالِ الْمُتَزَيِّبِينَ

الضَّالِّينَ فِي إِيمَانِهِمْ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝ قِيلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَتُؤْمِنِي
 الثَّقَلَيْنِ وَقِيلَ هُوَ مَكَانٌ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝
 مَا كِتَابٌ عِلِّيُّنَ هُوَ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝ مَحْتَرُومٌ يُشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي
 نَعِيمٍ ۝ حَتَّىٰ عَلَى الْأَرَائِكِ السُّرُرِ فِي الْحِجَالِ يَنْظُرُونَ ۝ مَا أُعْطُوا مِنَ النَّعِيمِ تَعْرِفُ فِي
 وَجْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۝ بِهَجَّةِ التَّنْعِيمِ وَحُسْنِهِ يُسْقُونَ مِنْ رَحِيْقٍ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنَ الدَّنَسِ
 مَحْضُومٍ ۝ عَلَىٰ أُنَائِيهَا لَا يَفُكُّ حَتْمَهُ إِلَّا هُمُ حَتْمُهُ مِسْكٌ أَيُّ أَخْرَشْرِبُهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ وَ
 فِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ فَلْيَزْعَبُوا بِالْمُبَادَرَةِ إِلَىٰ طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَمِرْآةٍ أَيُّ مَا يَمْزِجُ بِهِ
 مِنْ سُنْبِيْمٍ ۝ فَسَرِّ بِقَوْلِهِ عَيْنًا فَتَضَبُّهُ بِأَمْدَحٍ مُقَدَّرًا يُشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝ أَيُّ مِنْهَا أَوْضَمُنَ
 بَشَرٌ مَعْنَىٰ يَلْتَدُّ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانِيَ جَهْلٍ وَنَحْوِهِ كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا كَعَفَارٍ وَبِلَالٍ
 وَنَحْوِهِمَا يَضْحَكُونَ ۝ اسْتِهْزَاءٌ بِهِمْ وَإِذَا مَرُّوا أَيُّ الْمُؤْمِنُونَ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ أَيُّ يَشِيرُ
 الْمَجْرُمُونَ إِلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ بِالْجُنِّ وَالْحَاجِبِ اسْتِهْزَاءٌ وَإِذَا الْقُلُوبُ رَجَعُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا
 لِكَيْفِيْن ۝ وَفِي قِرَاءَةِ فَكَيْفِيْنٍ مُعْجِبِيْنٍ بِذِكْرِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِذَا رَأَوْهُمْ رَأَوْ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالُوا إِنَّ
 هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ لِإِيمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالَىٰ وَمَا أُرْسِلُوا إِلَّا الْكُفَّارِ
 عَلَيْهِمْ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِيْنَ حُفَظِيْنَ ۝ لَهُمْ أَوْلَادٌ أَعْمَالِهِمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوهُمْ إِلَىٰ مَصَالِحِهِمْ فَالْيَوْمَ أَيُّ يَوْمِ
 النِّبَةِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ فِي الْجَنَّةِ يَنْظُرُونَ ۝ مِنْ مَنَازِلِهِمْ إِلَىٰ
 الْكُفَّارِ وَهُمْ لِعَدَّتُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا هَلْ تُؤَبَّ جُوزِي
 الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

۱۳

تَرْجُمَةُ: بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کٹوتی کرنے والوں کے لیے کہ جب
 اُس سے (علیٰ بمعنی من) ناپ کر لیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کو ناپ کر (کالوہم) کی تقدیر کاواہم ہے) یا تول کر
 لیں (دولوہم کی تقدیر دونواہم ہے) تو گھناریں (ناپ تول میں کٹوتی کر دیں) کیا (استفہام تو نبی ہے) ان لوگوں کو اس کا

گمان (یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ یوم کے عمل سے بدلے لہذا اس کا نائب مبعوثوں ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (قرآن مخلوق اللہ کی پجبری میں حساب کتاب اور صلہ کے لیے) ہرگز نہیں (یقیناً) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمال نامہ سمجھ میں رہے گا (کہ کیا ہے کہ یہ شیاطین اور کافروں کا دفتر اعمال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں اطمین اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم ہے کہ سمجھیں (یعنی رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے التکذیبین سے) اس کو تو وہی جھٹلا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو مجرم ہو (مہالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو انگوٹوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (اساطیر اسطورہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آکر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دکھتی آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) نیک لوگوں کا اعمال نامہ (سچے ایمانداروں کے اعمال نامے) ہمیں میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان و جنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرض کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں، بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر کھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشارت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) عکس کرے گا۔ ان کو پینے کے لیے کھری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سر بہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کو ملیں گے) اس کا اشیر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لپکنا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگی (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (مدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے مقرب بندے پئیں گے (بہا یعنی منہا ہے یا شرب مستحسن ہے معنی پلند کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے ابو جہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار، بلال وغیرہ) سے ہنسا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے سے گزرا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مجرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لیے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیل کیا کرتے تھے (ایک قراءت میں لکھیں ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جن (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کار بنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لیے کہ ان کو اپنے مصالح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) اور کچھ ہے

ہوں گے (اپنے محبت سے کفار کو جو بتلائے عذاب ہوں گے۔ اس لیے وہ کفار پر اسی طرح نہیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کیے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **وَيَلَّ**: نساء نے نقل کیا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ماپ تول میں نہایت برے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری تو وہ لوگ ماپ تول میں سب سے عمدہ بن گئے۔ بعض نے کہا یہ ابو جہد کے متعلق تھی۔ اس کے پاس دو صاع تھے ایک سے لیتا دوسرے سے دیتا یہ بوہریرہ کا قول ہے۔

قولہ: **بِئْتَأْسٍ**: علی یہ من کے معنی میں ہے۔ جب اس نے ان سے اپنا ماپ لیا تو ان کا حق اس پر لازم ہوا۔ اسی وجہ سے اس کٹلی سے متعدد کیا ہے۔ فراء نحوی کہتے ہیں: ایسے مواقع میں من اور علی ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں کیونکہ یہ اس کے ذمہ نیا بن جاتا ہے۔ پس جب تم کہو: اکتلت علیک تو تم نے گویا اخذت علیک کہہ دیا اور جب تم نے اکتلت منک کہا تو گویا استوفیت منک کی طرح ہوا۔ (ک)

قولہ: **بِئْتَأْسٍ**: یہ یوم کے محل کا بدل ہے یعنی جار مجرور سے بدل ہے۔ اور یہ محل نصب میں ہے۔ اس کا نائب مبعوثون ہے اور ان کا عامل وہی ہے جو مبعوث کا عامل ہے۔ (ک)

قولہ: **كَلَّ**: یہ حق کے معنی میں ہے۔ یہ مبتداء ہے اور مابعد سے متصل ہے۔ اس قول کے مطابق اس سے ما قبل وقف ہے۔ بعض نے رد علیہ قرار دیا گویا اس بات پر خبردار کیا گیا کہ بات اس طرح نہیں جس پر وہ ہیں کہ ماپ تول میں کمی کرتے جاؤ۔ اس صورت میں اس پر کلام مکمل ہو جاتا ہے۔

قولہ: **كُتِبَ**: یہ کتاب کا ظرف کیونکہ بن سکتی ہے تو اشارہ کیا کہ یہ مصدری معنی میں ہے۔ ۲۔ پھر ظرفیۃ الكل للجزء کی تم سے ہے۔ (ک)

قولہ: **بِئْتَأْسٍ**: یہ کتاب کا نام نہیں بلکہ جگہ کا نام ہے۔ اس صورت میں ما اور اک۔ میں مضاف محذوف ہے۔ اسی کتاب تکمیل۔ اور اضافت فی کے معنی میں ہوگی اس صورت میں کوئی اشکال نہیں مگر صاحب بحر کہتے ہیں: تکمیل کتاب کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اس کا بدل کتاب مرقوم سے لایا گیا ہے۔ (ک)

قولہ: **وَزَجْرًا**: حد سے بڑھنے والے گناہ گار کے لیے رجز ہے۔ یعنی اس کو اس باطل سے باز آ جانا چاہیے اور لام یہ عن کے مٹاؤں سے ہے۔ (ک)

قولہ: **بَلَّ رَانَ**: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔ اگر اس سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کر لیتا ہے اور گناہ سے باز آ جاتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ نکتے بڑھتے بڑھتے اس قدر ہو جاتے ہیں کہ سیاہی دل پر غالب آ جاتی ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ

نے بَلْ رَانَ الْاَيَةُ میں ذکر میں فرمایا ہے۔

قولہ: **يَشْهَدُهَا**: ملائکہ وہاں حاضر ہو کر اس کو یاد کرتے ہیں یا قیامت کے دن جو ہونے والا ہے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی عظمت کی وجہ سے یہ کتاب کی دوسری صفت ہے۔ (ک۔خ)

قولہ: **تَسْنِيْمٌ**: یہ چشمے کا معنی نام ہے۔ یہ سنم کا مصدر ہے جس کا معنی بلند کرنا ہے۔ یہ چشمہ اوپر سے آتا اور ہوا میں بہتا ہے۔ اس کا پانی اہل جنت کے برتنوں میں بقدر حاجت پڑے گا۔ جب وہ برتن پھر جائیں گے تو رک جائے گا۔ مقررین آواز سے خالص پیئے گئے اور باقی اہل جنت ملا ہوا نہیں گئے۔ (ک)

قولہ: **وَمَا أَرْسَلْنَا**: یہ قالوا کی واؤ سے حال ہے۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں حالانکہ حال یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اور یہ بات ان کے ساتھ بطور تحکم کے کی جائے گی۔ (ک)

قولہ: **هَلْ تُؤْتِبُ**: اس کو یقولون کو مضمرا مانتے ہوئے اس کا مقولہ بنایا جائے گا ای یقولون هل ثوب الكفار۔ الاية۔ (ک)

۱۔ ماپ تول میں کمی کو حرام قرار دیا گیا جو کہ جان بوجھ کر ہو۔

۲۔ روز جزاء کو یاد دلایا کہ سب اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

۳۔ کفار کے اعمال کا اندراج اور ان کے ارواح کا مستقر ساتوں زمینوں کے نیچے وہ قید خانہ ہے جس کا نام سجین ہے۔ ان میں مکذبین کے لیے شدید عید ہے۔

۴۔ پے در پے گناہوں سے توبہ کی توفیق ختم ہو جاتی ہے جیسا فرمایا: **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمُ الْاَيَةُ**۔

۵۔ اشقیاء دیدار الہی سے محروم کر دیے جائیں گے جبکہ سعداء کو دیدار سے نوازا جائے گا۔ **وَجُوْهُ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِرَةٌ الْاَيَةُ**۔ اللہم اجعلنا منهم۔

۶۔ ابرار کو وہاں بہت کچھ ملے گا اور ایسی چیزوں کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرنی چاہیے۔

۷۔ اگرچہ دعوت اسلام کی ابتداء میں کفار نے بے شمار مظالم کیے مگر وہ وقت موت کے بعد تریب ہے جب کفار مصائب کا شکار ہوں گے اور مؤمن ان پر نہیں گے اور کفار کو ان کی بد اعمالیوں کی یہ سزا دی گئی ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الطفقین جس کو سورۃ التطفیف بھی کہا جاتا ہے بیکہ ہے، اس میں چھتیس آیات ہیں، ضحاک **ع** و مقاتل **ع** حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ یہ کئی سورت ہے۔

عبداللہ بن زبیر **ع** و عبداللہ بن عباس نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو دنی سورت کہتی ہے چنانچہ حسن **ع** اور عمرہ **ع** سے منقول ہے کہ یہ

مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، لیکن قول اول راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعثت و نشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد و ایمان کے اصول واضح و متعین کرنا تھا اب اس سورت میں ایمان بال آخرت کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق و العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

یہاں سے سورہ تطفیف شروع ہو رہی ہے، یہ لفظ طفیف سے باب تفعیل کا مصدر ہے اور مطففین اسی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تطفیف کا معنی ہے گھٹانا اور کم کرنا۔ لفظ کالوا کیل سے لیا گیا ہے ماضی معروف جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ عربی میں برتن کے بنائے ہوئے پیمانہ سے بھر کر دینے کو کیل کہتے ہیں اور اکتالوا لفظ کیل سے باب افتعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔

اس آیت شریفہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے جو لوگ دوسروں کے ہاتھ مال بیچتے ہیں تو کم اچتے ہیں یا کم تولتے ہیں۔ تولتے وقت ڈنڈی مار دیتے ہیں اور ایک طرف کسی ترکیب سے پلڑا جھکا دیتے ہیں اور لوگوں سے مال لیتے ہیں تو پورا کھواتے ہیں اور پورا پواتے (یعنی پیمائش میں پورا لیتے) ہیں۔ ان لوگوں کو قیامت کے دن کی پیشی یا دلدائی ہے اور فرمایا ہے کہ تطفیف کرنے والوں کے لیے اس دن بڑی خرابی ہوگی جس دن رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ذرا سی حقیر دنیا کے لیے اپنے ذمہ حقوق العباد لازم کرتے ہیں اور دھوکہ فریب دے کر تجارت کرتے ہیں اس کا وبال آخرت میں بھی ہے اور دنیا میں بھی ہے۔ حضرت امین عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے سپرد کی گئیں ہیں ان دونوں کے بارے میں گزشتہ امت میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ناپ تول میں کمی کرنے کا رواج حضرت شعیبؑ کی قوم میں تھا۔ انہوں نے ان کو بارہا سبھایا وہ نہ مانے بال آخر غلاب آیا اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ سورہ شعراء میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت امین عباسؓ سے منقول ہے کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی ان کے رزق میں کمی کر دی جائے گی یا رزق کی برکت اٹھالی جائے گی، ناپ تول میں کمی کر کے دینا حرام ہے۔ ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی برضاف اس کے جھکا کر تولنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے ایک ایسے شخص پر گزر رہا جو مزدوری پر تول رہا تھا (یعنی بیچنے والے کا مال زیادہ مقدار میں تھا ایک شخص اس کی طرف سے تول رہا تھا اور اس نے اپنے اس عمل کی زدوری طے کر لی تھی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زن دارنح کہ تم تولو اور جھکا کر تولو۔

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح سے دیگر امور میں کمی کرنے سے کہیں گناہ ہوتا ہے اور کہیں ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ مومن ہونے کے اعتبار سے جو ذمہ داری قبول کی ہے ہر شخص اسے پوری کرے۔ حقوق اللہ بھی پورے کرے اور حقوق العباد بھی، کسی قسم کی کٹوتی نہ کرے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نماز عصر سے فارغ ہوئے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ نماز عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ تم نماز عصر سے کیوں بچھڑ گئے؟

جنت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل و فہم کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب ندھے ہو چکے ہیں انہیں بھلا برانظر ہی نہیں آتا۔

يٰۤاَهْلَ الْاٰلِ الْاٰقَابِ ﴿۱۳﴾

بشہد، شہود سے مشتق ہے جس کے معنی حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنے کے آتے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ابراہار و صالحین کی کتاب الاعمال کو مقررین دیکھتے ہوں گے اور مراد مقررین سے فرشتے ہیں اور دیکھنے سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، مطلب یہ ہے کہ ابراہار و صالحین کے صحائف اعمال مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہوں گے۔ (قرطبی) اور شہود سے مراد حضور کے معنی لیے جائیں تو شہدہ کی ضمیر کتاب کے بجائے علیین کی طرف راجع ہوگی اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مقررین بارگاہ کی ارواح اسی مقام علیین میں حاضر ہوں گی کیونکہ یہ ہی مقام ان کی ارواح کا مستقر بنایا گیا ہے۔ جس طرح سچین کفار کی ارواح مستقر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہدائے ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزر پرندوں کے پونوں میں ہوں گی جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہوں گی اور ان کے رہنے کی جگہ تبدیل ہوں گے جو عرش کے نیچے معلق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہدائے ارواح تحت العرش رہیں گی اور جنت کی سیر کر سکیں گی اور سورۃ یسین میں جو حبیب نجار کے واقعہ میں آیا ہے۔ قبل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلیون بما غفرت لہن، اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجار موت کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہو گئے اور بعض روایات حدیث سے بھی ارواح مومنین کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ مستقر ان ارواح کا ساتویں آسمان پر تحت العرش ہے اور یہی مقام جنت کا بھی ہے ان ارواح کو جنت کی سیر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہاں اگرچہ یہ حال صرف مقررین کا ان کی اعلیٰ خصوصیات اور فضیلت کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہی مستقر تمام مومنین کی ارواح کا بھی ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔

انہا نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی ترجع الی جسده یوم القیمة۔ (رواہ مالک و اسحاق و ترمذی)

مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ اپنے جسم میں

پھر وٹ جائے۔

اس مضمون کی ایک حدیث ام ہانی کی روایت سے مسند احمد اور طبرانی میں آئی ہے۔ (مظہری)

مقرر ارواح یعنی موت کے بعد انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے

اس معاملے میں روایات حدیث بظاہر مختلف ہیں، سچین اور علیین کی تفسیر میں جو روایات اوپر مذکور ہوئی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کفار سچین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور ارواح مومنین علیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور مذکورہ صدر روایات میں بعض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار جہنم میں اور ارواح مومنین جنت میں رہیں گی۔ اور بعض روایات حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنین و کفار دونوں کی روحوں ان کی قبروں میں رہتی ہیں جیسا کہ حضرت براء بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

میرے اس بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد اسی میں لوٹاؤں گا اور پھر اسی زمین سے ان کو دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا، اس حکم پر فرشتے اس کی روح کو قبر میں لوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں لوٹا دو۔ امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں پہلی اور دوسری روایات میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مومنین کا..... علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے (آیت) عند سدرۃ القلعتی عند حاجۃ السواوی اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتهی کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے اسلئے مقام ارواح جب علیین ہو تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کفار کی ارواح سجین میں ہیں اور ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے اور اہل سجین کو جہنم کی تپش اور ایذا میں پہنچتی رہیں گی اسلئے ان کا مقام جہنم میں کہہ دینا بھی صحیح ہے۔ البتہ اوپر جس روایت میں ارواح کا قبر میں رہنا معلوم ہوتا ہے بظاہر پچھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے اس کی تطبیق پہلی زمانہ حضرت قاضی شہداء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو۔ اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور ان کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی۔ اسی طرح علیین و سجین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبروں سے ہو سکتا ہے اور ان تمام اقوام کی تطبیق میں حضرت قاضی شہداء اللہ کی تحقیق سورۃ نازعات کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلون کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اسی کو نفس کہا جاتا ہے۔ دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں، اور وہ روح مجرد ہی روح اول کی حیات ہے اسلئے اس کو روح المراد کہہ سکتے ہیں، انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں قسم کی روحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اسکے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لیجائی جاتی ہے پھر قبر میں لوٹا دیتا ہے اس کا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب و ثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجین میں رہتی ہے۔ اس طرح اقوام جمع ہو گئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اسکے بالمقابل جہنم یا سجین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور انکار مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم

وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٦٥﴾

تنافس کے معنی ہے چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لیے چھٹا دوڑانا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لیں، یہاں جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو اس طرف متوجہ....

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ

الانشاق
سورة ۸۳
۸۳ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انشاق
۱۵

۱ اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

۸۳ آیتیں نازل ہوئی

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝ وَاذْنَتْ ۝ سَمِعَتْ وَاطَاعَتْ بِی الْاِنْشِقَاقِ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۝ اٰی حَقِّ لَهَا اَنْ
تَسْمَعُ وَتَطِيعَ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ زِنْدِیْ سَعَتِهَا كَمَا یُمَدُّ الْاَدِیْمُ ۝ وَلَمْ یَبْقِ عَلَیْهَا بِنَاۤیٌ وَّلَا جَبَلٌ ۝
اَقَّتْ مَا فِیْهَا ۝ مِنَ الْمَوْتٰی اِلٰی ظَاهِرِهَا وَتَخَلَّتْ ۝ عَنْهُ ۝ وَاذْنَتْ ۝ سَمِعَتْ وَاطَاعَتْ بِی ذٰلِكَ لِرَبِّهَا
وَحَقَّتْ ۝ وَذٰلِكَ كُلُّهُ یَكُوْنُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ ۝ وَجَوَابِ اِذَا مَا عَطَفَ عَلَیْهَا مَحْدُوْفٌ دَنْ عَلَیْهِ مَا بَعْدَهُ
تَقْدِیْرُهُ لَقِی الْاِنْسَانَ عَمَلَهُ ۝ یَاۤیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ ۝ جَاهِدْ فِیْ عَمَلِكَ اِلٰی لِقَاءِ رَبِّكَ
۝ وَهُوَ الْمَوْتُ ۝ كَدًا فَمُلْقِیْهِ ۝ اٰی مَلَاقِ عَمَلِكَ الْمَدْكُوْرُ مِنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ
كِتٰبَهُ ۝ كِتَابَ عَمَلِهِ ۝ یَبِیِّنُہٗ ۝ وَهُوَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا ۝ ۝ هُوَ عَرَضٌ عَمَلِهِ
عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِی حَدِیْثِ الصَّحِیْحِیْنَ ۝ وَفِیْهِ مَنْ تُرَقِّصُ الْحِسَابَ ۝ فَذٰلِكَ وَبَعْدَ الْعَرَضِ ۝ بِتَجَاوُزِ عَنْهُ ۝
یَنْقَلِبُ اِلٰی اٰہِلِہٖ ۝ فِی الْجَنَّةِ ۝ مَسْرُوْرًا ۝ ۝ بِذٰلِكَ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهُ ۝ وَّرَآءَ ظَہْرِہٖ ۝ ۝ هُوَ الْكَافِرُ ۝ تُغْلُ
یُنْفَاہُ اِلٰی عُنُقِہٖ ۝ وَتُجْعَلُ یُسْرًا ۝ وَّرَآءَ ظَہْرِہٖ ۝ فَاِذَا خُذِ بِهَا كِتَابُہٗ ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ۝ عِنْدَ رُبِّہٖ ۝ تَبٰوْرًا ۝

... کیا ہے کہ آج تم لوگ جن چیزوں کو مرغوب مطلوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش
میں لگے ہوئے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں کہ ان کو مقصود زندگی سمجھ کر ان کے لیے مسابقت کرو بلکہ ان میں تو گر
قائم و ایثار سے کام لے کر یہ سمجھ لو کہ یہ چند روزہ راحت کا سامان ہاتھن سے نکل ہی گیا تو کچھ بڑے صدے کی بات نہیں، ایسا
خبر نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے، البتہ تناس اور مسابقت کرنے کی چیز یہ جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے کمال بھی ہیں اور
دائل بھی، اگر مرحوم نے خوب فرمایا

یہ کہاں کا انسان ہے سو روز یاں، جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا۔ کہو ہن سے فرمت عمر ہے کم، جو ملا تو خدا ہی کی یاد ملا

يُنَادِي هَلَاكُهُ بِقَوْلِهِ يَا بُرَّاهُ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۝ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيدَةَ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الضَّادِ
وَتَشْدِيدِ اللَّامِ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ عَشِيرَتُهُ فِي الدُّنْيَا مَسْرُورًا ۝ تَطْرَأُ بِاتِّبَاعِهِ لَهَاوَاهُ إِنَّهُ كَانَ مُخَفَّفًا

مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمُهُمَا مَخْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ أَنْ لَنْ يَحُودَ ۝ يَرْجِعُ إِلَى رَبِّهِ بَلَى ۝ يَرْجِعُ إِلَيْهِ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ
بِهِ بَصِيرًا ۝ عَالِمًا بِرَجُوعِهِ إِلَيْهِ فَلَا أُقْسِمُ لَا زَائِدَةَ بِالشَّقِيقِ ۝ هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْأَمَقِ بَعْدَ غُرُوبِ

الشَّمْسِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا وَالْقَمَرِ إِذَا انْتَشَقَ ۝ اجْتَمَعَ
تَمَّ نُورُهُ وَذَلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبَيْضِ تَتَرَكَّبُنَّ أَيُّهَا النَّاسُ أَصْلَهُ تَرَكَّبُوْنَ حَذَفَتْ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَاسِي الْأَمْثَالِ

وَالْوَأْوِئُ لِإِلْتِقَاءِ السَّاكِنِينَ طَبَقًا عَنِ طَبَقٍ ۝ خَالًا بَعْدَ خَالٍ وَهُوَ الْمَوْتُ ثُمَّ الْحَيَاةُ وَمَا نَعَدَهُمَا مِنْ أحوَالِ
الْقِيَامَةِ فَمَا لَهُمْ أَيُّ الْكُفَّارِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ أَيُّ أَيُّ مَانِعٍ لَهُمْ مِنَ الْإِيمَانِ أَوْ أَيُّ حُجَّةٍ لَهُمْ فِي تَرْكِهِمْ

وَجُودٍ بِرَأْسِهِ وَ مَا لَهُمْ إِذَا قُرءَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝ يَخْضَعُونَ بِأَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ لِأَعْجَابِهِ
بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝ يَحْمَعُونَ فِي ضُحْفِهِمْ مِنْ

الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيبِ وَأَعْمَالِهِمُ السُّوءِ فَبَشِّرْهُمْ أَخْبِرْهُمْ بِعَذَابِ الْيَوْمِ ۝ هُوَلِيمٌ إِلَّا لِكِنَّ الَّذِينَ
عَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ غَيْرُ مَقْطُوعٍ وَلَا مَقْضُوعٍ وَلَا يَمُنُّ بِهِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: آسمان جب پھٹ جائے گا اور سن لے گا (پھنسنے کا حکم سن کر مان لے گا) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یعنی
سننا اور ماننا اس کے لیے لائق ہے) اور زمین جب کھینچ کر بڑھادی جائے گی (چڑے کی طرح اس کی وسعت بڑھ جائے
گی، اس پر کوئی عمارت اور پہاڑ نہیں رہے گا) اور اگل دے گی اپنے اندر کی چیزیں (مردے باہر کر دے گی) اور خالی ہو جائے
گی۔ اذ اور اس کے معطوف کا جواب مخدوف ہے بعد کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ
الانسان عملہ) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے (مرنے) تک (کام میں) کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جائے
گا (یعنی قیامت میں اپنے اس مجھے برے کام سے جا ملے گا) پس جس شخص کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں آئے گا (یعنی
مؤمن)۔ سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (صرف اس کو نامہ اعمال دکھلا کر درگزر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں
ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ کا سلسلہ ہو گا وہ تباہ ہو جائے گا) اور (جنت میں) اپنے مشفقین
کے پاس (اس کی وجہ سے) خوش خوش واپس ہو گا۔ لیکن جس شخص کا اعمال نامہ پیٹھ پیچھے سے ملے گا (یعنی کافر جس کا داہنا ہاتھ
گردن پر اور پیاں کمر کے پیچھے بندھا ہو گا جس سے وہ نامہ عمل تھامے ہو گا) سو وہ (دیکھتے ہی) موت کو پکارے گا (اے تباہی

چلائے گا) اور روزخ (کی دہکتی ہوئی آگ) میں داخل ہوگا۔ ایک تراءت میں ضمہ یا آورفتہ صا اور تشدید لام کے ساتھ یہ نفس (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش بخوش رہا کرتا تھا (نفس کی بھڑکی پر اترایا کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (ان محضہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اصل انہ تھا) لوٹنا نہیں (اپنے پروردگار کے پاس جانا نہیں) کیوں (رب کے پاس لوٹنا) نہیں؟ اس کا پروردگار اس کو خوب دیکھتا تھا (اس کے پاس لوٹنے کو چاہتا تھا) سو میں قسم کھ کر کہتا ہوں (لازائد ہے) شفق کی (سورج غروب ہونے کے بعد کی سرخی) اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے (جانور وغیرہ جن پر رات آتی ہے) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے (اس کا نور مکمل ہو جائے چاندنی راتوں میں) کہ تم لوگوں کو ضرور اٹ پلٹ ہونا ہے (اس کی اصل لٹر کیون تھی۔ نون رفع کو مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور دو اہم تقاضی ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) ایک حالت سے دوسری حالت پر (مختلف کیفیات پر یعنی موت پر دوبارہ زندگی۔ پھر اس کے بعد احوال قیامت) سوان لوگوں (کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لیے ان کے پاس کیا دلیل ہے جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ) جب ان کے رو برو قرآن پڑھا جاتا تو کیوں نہیں جھکتے (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اماناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو یک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) سنا دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمال کیے۔ ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلا یا جائے گا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: انشقت: آسمان بادلوں کے ذریعہ پھٹ جائے گا وہ بدل آہستہ سے نکلے گا۔ بعض نے کہا: ان بادلوں میں عذاب کے لہرے ہوں گے۔

قوله: سمعت: اذن۔ غور سے سنا۔ جیسا حدیث میں ہے۔ ما اذن الله لشيء اذنه لئلا يغنى بالقرآن الحديث۔
قوله: و ذلك: اس کا مشار الیہ القاء اور تھکی ہے پس پہلے کے ساتھ تکرار نہ ہوا۔ اول کا تعلق السماء سے اور دوسرے کا تعلق ارض (زمین) سے ہے۔

قوله: هو عز ض عمليه: حساب سیر عرض اعمال کا نام ہے۔ یعنی اس کے نیک و بد عمل معلوم کر لیے جائیں اور نیک پر سے ثواب دیا جائے اور برے عمل سے درگزر کی جائے۔ اس میں صاحب عمل پر نہ کوئی شدت ہو اور نہ پڑتال اور مناقشہ ہے۔ اور نہ ہی لم سے سوال ہے۔ اور نہ عذر کا مطالبہ ہے۔ اس لیے کہ جب پوچھا جائے گا تو ضرور رسوائی ہوگی۔ جیسا فرمایا: من بوقض الحساب فقد هلك۔ مناقشہ یہ ہے کہ اس سے دلیل کا مطالبہ ہو یا معذرت کا کہا جائے تم نے یہ کیوں کیا۔ اور جب قلیل و کثیر نمبر ہو تو پھر سمیات سے تجاوز نہ ہوا۔ (ک)

۱۔ قیامت کے بڑے بڑے انقلابات کا ذکر کیا۔

۲۔ انسان دنیا میں مشقت اٹھاتا ہے۔ موت کے بعد لامحالہ اپنے رب سے ملے گا وہاں دو طرح کے لوگ ہوں گے۔ ۱۔ نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پائیں گے اور ان کو حساب کے لیے بل مناتشہ پیش کیا جائے گا۔ ۲۔ دوسروں کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے ملے گا ان سے مناتشہ ہوگا جس سے یہ ہلاک ہوں گے۔

۳۔ اہل جنت کا دنیا کے حالات سے غم ورنج کا تذکرہ فرمایا: انا کنا قبل فی اہلنا مشفقین الایہ۔ اور اہل نار کے متعلق فرمایا کہ وہ دنیا میں خوش باش ہوں گے۔ انہ کان فی اہلہ مسرور الایہ۔

۴۔ انسان کو کچھ احوال و احوال پیش آئیں گے۔ یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت یا دوزخ ہوگی۔

۵۔ بندے کو جب اپنا مخلوق ہونا معلوم ہے تو سے خالق پر ایمان سے کوئی نفع نہیں۔

۶۔ انسان کو اپنے قلب و نفس میں ایمان اور خیر کو جمع کرنا چاہیے نہ کہ کھوٹ، حسد، شک و عداوت و بغض کو۔ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے وہ اس کا بدلہ دے گا۔

تفسیر مقبولین

(بط) اس میں بھی گزشتہ کی سورتوں کی طرح قیامت حشر و نشر اور جزاء و سزا کے مضامین ہیں، اور بالخصوص یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہو جائے گا، اس کی تحقیق و تثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرما دیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا ہے، اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد لموت کو فراموش نہ کرنا چاہئے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلائی چاہئے کہ ہر انسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

اخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تشبیہ و تمہید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خداوند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہارِ نفوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کر دینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل و فطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

وَ اِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَ حَقَّتْ ۝

یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم نکویں ہوگا، آسمان اس کی تعمیل کرے گا اور وہ مقدور و مقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ بایں عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے۔

حشر کے دن یہ زمین ربر کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیے جائیں گے تاکہ ایک سطح مستوی پر سب اولین و آخرین بیک وقت کھڑے ہو سکیں اور کوئی حجاب و حائل باقی نہ رہے۔

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝

یعنی اگل دیگی زمین ہر اس چیز کو جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جاوے گی زمین کے بطن میں خزان و دفن اور معادن بھی ہیں اور ابتدائے دنیا سے مرنیوالے انسانوں کے اجسام و ذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی۔

يَأْتِيهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدًّا فَمَا لِي بِهِ ۝

اس میں انسان کی زندگی کا حاصل اور خلاصہ بیان فرمایا دنیا میں رہتے بستے ہیں کچھ نہ کچھ محنت اور عمل کرتے ہی ہیں جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں فرشتے اسے لکھتے ہیں زندگی سب کی گزر رہی ہے اعمال بھی ہو رہے ہیں دنیا بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے قیامت قریب آتی جا رہی ہے مرنے والے مر رہے ہیں اپنے اعمال ساتھ لے جا رہے ہیں اسی طرح دنیا رواں دواں ہے حتیٰ کہ اچانک قیامت آجائے گی، پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے میدان حشر میں جمع ہوں گے حساب ہوگا اعمال ادا دیئے جائیں گے ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کر لے گا، اچھے لوگوں کے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں اور برے آدمیوں کے اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ سورۃ الحاقہ میں اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا ذکر ہے اور یہاں پشت کے پیچھے سے دینے کا تذکرہ فرمایا ہے دونوں آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ برے لوگوں کو جو اعمال نامہ دیا جائے گا وہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَمَا لِي بِهِ ۝ میں یہ بتا دیا کہ انسان جو عمل کرتا ہے اس کے سارے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے اور ان سے ملاقات کرے گا۔ اعمال ناموں میں اعمال لکھے ہوئے ہوں گے جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ سمجھ لے گا کہ برے لیے خیر ہی خیر ہے اور میری نجات ہوگئی اس سے آسان حساب لپو جائے گا اور وہ نجات پا کر اپنے اہل و عیال کے پاس خوش خوشی چھا جائے گا، سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا: هَذَا وَمَا كُنْتُ أَكْتُبُهَا (آؤ پڑھ لو میری کتاب) اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ تو سمجھ لے گا کہ میں ہلاک ہو گیا اعمال نامہ سننے ہی یوں کہے گا: لَيْسَ لِي بِهِ نَصِيبٌ وَلَهُ مَا كُنْتُ أَكْتُبُهَا (ہائے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا) اور اسی حال میں وہ اپنی ہلاکت کو پکارے گا یعنی یوں کہے گا کہ مجھے موت آجانی تو اچھا تھا تاکہ حساب کتاب اور اس کا نتیجہ سامنے نہ آتا لیکن پچھتانے سے اور افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ایسے شخص کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اِن كُفْرًا يَا وَيْلًا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ (اور جس کو پشت کے پیچھے سے اعمال نامہ دیا گیا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور کہتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝

اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کے ساتھ سوکد کر کے انسان کو پھر اس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا کلمہ ذکر پہلے انک کا روح الی ربک میں آچکا ہے۔ یہ چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اگر غور کرو تو اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آیا ہے یعنی انسان کو ایک حال پر قرار نہیں اس کے حالات اور درجات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی چیز شفق ہے یعنی وہ سرخی جو آفتاب غروب ہونے کے بعد افق مغرب میں ہوتی ہے یہ رات کی ابتدا ہے جو انسانی احوال میں ایک بڑے انقلاب کا مقدمہ ہے کہ روشنی جا رہی ہے اور تاریکی کا سیلاب آ رہا ہے، اس کے بعد خود رات کی قسم ہے جو اس انقلاب کی تکمیل کرتی ہے، اس کے بعد ان تمام چیزوں کی قسم ہے جن کو رات کی تاریکی اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔ وقت کے اصل معنی جمع کر لینے کے ہیں، اس کے عام معنی مراد لیے جائیں تو اس میں تمام دنیا کی کائنات داخل ہیں جو رات کی تاریکی میں چھپ جاتی ہیں اور میں حیوانات، نباتات، جمادات، پہاڑ اور دریا سبھی شامل ہیں اور جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ چیزیں جو عادتاً دن کی روشنی میں منتشر پھیلی ہوئی رہتی ہیں۔ رات کے وقت وہ سب سمٹ کر اپنے پانے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتی ہیں، انسان اپنے گھر میں، حیوانات اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں میں جمع ہو جاتے ہیں، کاروبار میں پھیلے ہوئے سامانوں کو سمیٹ کر یکجا کروایا جاتا ہے، یہ ایک عظیم انقلاب خود انسان اور اس کے متعلقات میں ہے۔ چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی وہ القمر اذ امن ہے یہ بھی وقت سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کر لینے کے ہیں قمر کے اتساق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع کرے اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے جبکہ چاند بالکل مکمل ہوتا ہے۔ اذ اتساق کا لفظ چاند کے مختلف اطوار اور حالات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ایک نہایت خفیف نحیف قوس کی شکل میں دہتا ہے پھر اس کی روشنی روز کچھ ترقی کرتی ہے یہاں تک کہ بدر کامل ہو جاتا ہے مسلسل اور پیہم انقلابات احوال پر شہادت دینے والی چار چیزوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا: لَتَذَكِّرُنَّ بَلْبَقَاعِنَّ كَلْبِي ۝ جو چیزیں تہ بردہ ہوتی ہیں اس کی ایک تہ کو طبق یا طبقہ کہتے ہیں جمع طبقات آتی ہے لترکین، رکوب بمعنی سوار ہونے سے مشتق ہے معنی یہ ہیں کہ اے نبی نوع انسان تم ہمیشہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ پر سوار ہوتے اور چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یعنی انسان اپنی تخلیق کے ابتدا سے انتہا تک کسی وقت ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اس کے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں۔

انسانی وجود میں بی شمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل: نطفہ سے محمد خون بنا پھر اس سے ایک مضمغ گوشت بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اس میں روح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا جس کی غذا بطن مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا، نومینے کے بعد اللہ نے اس کے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کر دیا اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی بڑھنے اور پھیلنے پھولنے لگا، دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولوں کی قوت بھی حرکت میں آئی، ماں کا دودھ چھوٹ کر اس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائی ملیں، کھیل کود اور ہوا لعب اس کے دن رات کا مشغلہ بنا۔ کچھ ہوش اور شعور بڑھا تو تعلیم و تربیت کے شلجے میں کسا گیا، جوان ہوا تو بچپنے سب کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے ان کی جگہ لے لی اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی، اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا، قوی میں اضمحلال اور ضعیف پیدا ہوا بیمار یاں آئے دن رہنے لگیں، بڑھاپا

آ گیا اور اس جہان کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔ یہ سب چیزیں تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ کسی کو جاہل انکار نہیں مگر حقیقت سے نا آشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات اور علیم وخبیر ہے اور علیم وخبیر ہے اس نے آگے آئیوں کے مراحل کو اپنے انبیاء کے ذریعہ غافل انسان تک پہنچایا کہ قبر تیری آخری منزل نہیں بلکہ یہ صرف ایک انتظار گاہ (ویٹنگ روم) ہے اور آگے ایک بڑا جہان آنے والا ہے اور اس میں ایک بڑے امتحان کے بعد انسان کی آخری منزل مقرر ہو جائے گی جو یا الہی راحت و آرام کی ہوگی یا پھر دائمی عذاب و مصیبت کی اور اس آخری منزل پر ہی انسان اپنے حقیقی مستقر پر پہنچ کر انقلابات کے چکر سے نکلے گا قرآن کریم نے: ان الی ربك الرجعی اور الی ربك المتعہی اور کادح الی ربك میں یہی مضمون بیان فرما کر غفلت شعرا انسان کو حقیقت اور اس کی آخری منزل سے آگاہ اور اس پر متنبہ کیا کہ عمر دنیا کے تمام حالات اور انقلابات آخری منزل تک جانے کا سفر اور اس کے مراحل ہیں اور انسان چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھڑے بیٹھے ہر حال میں اس سفر کی منزل میں طے کر رہا ہے اور بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے اور عمر بھر کے اعمال کا حساب دے کر آخری منزل میں قرار پاتا ہے جہاں یا راحت ہی راحت اور غیر منقطع آرام ہی آرام ہے یا پھر معاذ اللہ عذاب ہی عذاب اور غیر منقطع مصائب ہیں، تو غفلت انسان کا کام یہ ہے کہ دنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھے اور اپنے وطن اصلی کے لیے سامان تیار کرنے اور بھیجنے ہی کو دنیا کا سب سے بڑا مقصد بنائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لیے کہیں ٹھہر گیا ہو کسی رہگذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لیے رک گیا ہو۔ طبقات طبع کی تفسیر جو اوپر بیان کی گئی ہے ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے خود رسول اللہ ﷺ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے یہ طویل حدیث اس جگہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم منصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اس کی تخلیق اور عمر دنیا میں اس کو پیش آنے والے حالات و انقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی وقت ہے کہ اپنے انجام پر غور اور آخرت کی کفر کر، مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے اس لیے آخر میں ارشاد فرمایا: فما لہم لا یومنون یعنی ان غافل و جاہل انسانوں کو کیا ہو گیا کہ یہ سب کچھ سننے اور جاننے کے بعد بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ ۸۵ مَكِّيَّةٌ ۲۲ آيَاتُهَا ۱ وَكُتِبَتْ

سورة بروج مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ لِّلْكُوفِ اِنْتَاعَشْرَ بَرَجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۲ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
 وَشَاهِدٍ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَمَشْهُودٍ ۳ يَوْمِ عَرَفَةَ كَذَا تَسْمَرَتِ الثَّلَاثَةُ فِي الْحَدِيثِ فَالْأَوَّلُ مَوْعُودٌ بِهِ وَالثَّانِي
 شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيهِ وَالثَّلَاثُ بِشَهَادَةِ النَّاسِ وَالْمَلَائِكَةِ وَخَوَابِ الْقَسَمِ مَحْدُوفٌ صَدْرُهُ اتَّقْدِيرُهُ لَقَدْ
 قَتَلَ لَعْنُ أَصْحَابِ الْأُخُدُودِ ۴ الشَّقَى فِي الْأَرْضِ النَّارِ بَدَلِ اسْتِمَالِ مِنْهُ ذَاتِ الْوَقُودِ ۵ مَا تَوَلَّوْنِي
 إِذْ هُمْ عَلَيْهَا ۶ أَي حَزَلَهَا عَلَى جَانِبِ الْأُخُدُودِ عَلَى الْكُرَاسِيِّ قَعُودٍ ۷ وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ
 بِالْمُؤْمِنِينَ بِاللَّهِ مِنْ تَعْذِيبِهِمْ بِالْإِلْقَاءِ فِي النَّارِ إِنْ لَمْ يَرِجِعُوا عَنْ إِيمَانِهِمْ شُهُودٌ ۸ حُضُورٌ رَرِي أَنْ
 اللَّهُ أَنْجَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وَقُوعِهِمْ فِيهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ إِلَى مَنْ لَمْ
 فَأَخْرَجَتْهُمْ وَمَا لَقَبُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَمِيدِ ۹ الْمُحْمَدُ الَّذِي لَهُ
 مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۱۰ أَي مَا أَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِيْمَانَهُمْ
 إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِحْرَاقِ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ بِكُفْرِهِمْ وَ
 لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۱۱ أَي عَذَابُ الْحَرِيقِ هُمُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْأَخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بَانَ خَرَجَتِ النَّارُ
 فَأَخْرَجَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ
 الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۱۲ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بِالْكَفَّارِ لَشَدِيدٌ ۱۳ بِحَسْبِ إِرَادَتِهِ إِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ الْخَلْقَ وَ
 يُعِيدُهُ ۱۴ فَلَا بُعْجُوهَ مَا يُرِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ ۱۵ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُؤْمِنِينَ الْوَدُودِ ۱۶ الْمُتَوَدِّدِ إِلَى أَوْلِيَاءِهِ

بِاتِّكَرَاتٍ ذُو الْعَرْشِ خَالِقَهُ وَمَالِكُهُ الْبَحِيْدُ ﴿۱﴾ بِالزَّرْعِ الْمُسْتَحَقِّ لِكَمَالِ صِفَاتِ الْعُلُوِّ فَقَالَ لِمَا
 يُدِيْدُ ﴿۲﴾ لَا يَبْعِزُهُ شَيْءٌ هَلْ أَتَاكَ يَا مُحَمَّدُ حَدِيثُ الْجَنُوْدِ ﴿۳﴾ فِرْعَوْنُ وَكَمُوْدُ ﴿۴﴾ بَدَلٌ مِنَ الْجَنُوْدِ
 وَاسْتَفْنَى بِذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَنْ اتِّبَاعِهِ وَحَدِيثُهُمْ أَنَّهُمْ أَهْلِكُوا بِكُفْرِهِمْ وَهَذَا تَنْبِيْهُ لِمَنْ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَّانَ لِيَسْعَطُوا بِلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيْبِ ﴿۵﴾ بِمَا ذُكِرَ وَ اللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ
 مُعِيْطٌ ﴿۶﴾ لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ بَلْ هُوَ قَرَّانٌ مُجِيْدٌ ﴿۷﴾ عَظِيْمٌ فِي كُوْجٍ هُوَ فِي السَّمَاءِ فَوْقَ السَّمَاءِ
 السَّابِعَةِ مَحْفُوْظٌ ﴿۸﴾ بِالْحَزْرِ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَمِنْ تَغْيِيْرِ شَيْءٍ مِنْهُ وَطَوْلُهُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَعَرْضُهُ مَا
 بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورہ فرقان میں گذر چکا ہے) اور اس
 (قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے
 (یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے۔ پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے
 اور نیرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو اب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد) ملعون ہوئے خندق
 (گڑھے) والے، آگ والے (بدل اشتمال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس
 خندق کے آس پاس (گڑھے کے ارد گرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان
 سے نہ ہٹنے کی صورت میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو
 جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا تھا۔ نجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی رومی قبض کر لیں۔ اور آگ
 بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور نہیں بھسم کر ڈالا) اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان
 لائے تھے جو (اپنے مسلک میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (محمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک
 ہے اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے (یعنی کفار نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے سوا مومنین
 اور کافروں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا) ظلم و ستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے نائب نہ ہوئے۔ یقیناً ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے (ان
 کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کیلئے جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہو
 گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آ کر انہیں کو بھسم کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گذرا
 ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ
 بے بڑی کامیابی۔ درحقیقت (کفار کیلئے) تمہارے رب کی پڑ بڑی سخت ہے (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا
 ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ میں عاجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشنے والا ہے

(اپنے اولیاء سے کرامت کے ذریعہ) محبت کر نیوالا ہے۔ عرش والا ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (پریش کیا سمجھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے (اسے کوئی ہر انہیں سکتا) کیا تمہیں (اسے لڑائی لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے) جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے بعد اس کے پیروکاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرت اور قرآن کے ساتھ کفر کر نیوالوں کو اس میں تعبیر ہے کہ وہ عبرت کھاتے ہیں بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک باعظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتویں آسمان سے اتر پر جو فضا) میں محفوظ ہے (قرآن کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے رد و بدل سے محفوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **وَ السَّمَاءِ**: اس سورت کو مسلمانوں کے دلوں کو ایمان پر پختہ کرنے اور مصائب پر صبر کی تلقین کے لیے اتارا گیا ہے۔
 قوله: **مَخْدُوفٌ صَدْرُهُ**: اس حذف کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کیونکہ نجات کا قاعدہ ہے کہ جب ماخذ مثبت جواب میں آئے تو اس پر لام وقد لازم ہے۔ اس وقت ایک پر اکتفاء درست نہیں۔ سوائے اس صورت کے جب کہ کلام موصول ہے۔
 (ش۔ ک)

قوله: **قَتِيلَ أَصْحَابِ الْأَخْدُودِ**: مقاتل کا بیان ہے کہ خندق میں مقامات پر کھودی گئی۔ ۱۔ نجران۔ ۲۔ شام۔ ۳۔ فلڑ ان لوگوں کو خندقوں میں ڈال کر آگ سے جلا دیا گیا۔ اس آیت میں صرف نجرانیوں کا قصہ مذکور ہے۔ باقی دو واقعات ذکر نہیں۔ واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک مسلمان جو انجیل پڑھتا تھا وہ کسی جگہ مزدور بنا۔ مالک مکان کی بیٹی نے روشنی میں اس کو کوئی چیز پڑھتے پایا، لڑکی نے باپ سے تذکرہ کیا تو مالک نے مزدور سے سختی کے ساتھ پوچھا: مزدور نے دین حق کی خریدی تو مالک نے اس دین کو قبول کر لیا اسی طرح اور ۸۷ (ستاسی) افراد نے دین کو مان لیا۔ یہ واقعہ نوح عیسیٰ کے بعد پیش آیا۔ آپ کی بعثت سے ستر سال پہلے کا قصہ ہے۔ اس بات کی اطلاع یوسف ذی نواس بادشاہ کو پہنچی۔ اس نے خندقیں بنا کر ان میں آگ بھری دی اور ان کو ایمان سے پھر جانے کا کہا مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ایک شیر خوار بچے والی عورت بھی انہوں نے عورت سے بچے کو چھین کر آگ میں ڈال دیا عورت کو مار پیٹ کے بعد ایمان سے پھر جانے کا کہا گیا وہ قریب تھا کہ ایسا کر بیٹھتی مگر بچے نے آگ سے آواز دی اے اماں اگر تو اس آگ میں نہ پڑی تو تیرے سامنے جہنم کی آگ ہے اس میں گر جائے گی بچے کی آواز سن کر اس نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ ایک دن میں ۷۷ انسانوں کو جلا ڈالا گیا۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔
 (خطیب۔ ک)

قوله: **فَتَنَّا**: آگ سے جلا دیا یہ عرب کے محاورہ فتنن الشیء جب کہ تم اس کو جلا ڈالو۔ قرآن مجید میں فرمایا: **وَجَاءُوا**

قولہ: **إِنَّكَ هُوَ**: جو ذات ایجاد پر قادر ہے تو اسے اعادہ کی بھی قدرت ہے جب وہ پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بھی شدید ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس جہنم سے ما قبل مذکور شدت بطش کا مضمون اس کی تعلیل بیان کرنا مقصود ہے۔ (شہاب۔ ک)

قولہ: **بِئْسَ الَّذِينَ**: یہ بل اشد کی طرف انتقال کے لیے ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: ان لوگوں کا حال تمہاری قوم کے حال سے عجیب تر نہیں اس لیے کہ ان لوگوں کے عذاب والے واقعات سن کر بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ (ک)

۱۔ ان تمام اشیاء جن میں عالم علوی و سفلی کی چیزیں ہیں ان کی قسم اٹھائی کیوں کہ اس سے خالق کی عظمت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اصحاب اخدود کی ملعونیت کے قطعی ہونے کی قسم اٹھائی۔ گویا یوں کہہ دیا قریش مکہ بھی انہی کی طرح ملعون ہیں۔ (ک)

۲۔ اصحاب اخدود پر لعنت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کھائیوں کو آگ سے بھر کر ان میں ایمان والوں کو جا ڈالا، اس میں ہر زمانے کے مسلمانوں کی صبر کی تلقین اور ثبات علی الحق کی تاکید کر دی۔

۳۔ اصحاب نبی ﷺ کو شہداء و محن کی چکی سے گزرتا پڑا۔ ترک وطن، قتل، قید، احتراق، صلب، سبب اسواہل کے بیسوں واقعات پیش آئے اور وہ ثابت قدم رہے۔

۴۔ مسلمانوں کو آگ سے جلانے والوں کے لیے جہنم کے عذاب کے ساتھ تاکید جلانے کے عذاب کا ذکر فرمایا۔

۵۔ ایمان والوں کے لیے جنت کا داخلہ بھی کامیابی ہے۔ مگر رضائے الہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ مکرہ: اگر زبان سے بھی اقرار کفر نہ کرے تو بڑی شان والی بات ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا انتقام نہایت سخت ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عابیہ نہ تو مخلوق میں ثابت ہو سکتی ہیں اور نہ کی جاسکتی ہیں وہ اپنی صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔

۸۔ کفر قریش کا طرز عمل تکذیب میں پہلی اقوام کے مکذبین جیسا ہے۔

۹۔ قرآن مجید نہ سحر نہ شعر نہ کہانت بلکہ یہ شرف و عظمت والی کتاب ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کے احکامات ہیں۔

تفسیر مقبولین ۲

(و بطل) اس سورت میں بھی دیگر کئی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے، اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی، برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کئے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے، لہذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہئے۔

اس موضوع کی تحقیق و وضاحت کرتے ہوئے اہل ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا، ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اہل ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دھک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جا رہا ہو کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ پر کیوں ایمان لے آئے، تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

اخیر سورت میں بحرین منکرین پر تہدید و تنبیہ کے طور پر عذاب خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الہی اور قرآن نے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوح محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔

وَالشَّمَاءِ ذَاتِ البرُوجِ ۝

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے آسمان کی قسم کھائی ہے اور اس کی صفت ذات البروج بتائی ہے (ان بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں) نیز وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ کی اور شاہد اور مشہود کی بھی قسمیں کھائی ہیں، سنن ترمذی (ابواب التفسیر ص ۱۰۲ البروج) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ سے یوم القیامہ اور الیوم المشہود سے یوم عرفہ اور الشاہد سے یوم الجمعہ مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس پر سورج نکلتا چھپتا ہو جو یوم جمعہ سے افضل ہو، اس دن میں ایسی گھڑی ہے کہ جو بھی کوئی مومن بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے گا تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا اور جس چیز سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پناہ دے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں جس میں اسکنہ و ازمندہ دونوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اسکنہ و ازمندہ کا مالک ہے، ایسی ذات کی مخالفت کرنے والے بہر حال لعنت اور عقوبت کے مستحق ہیں۔ قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والے ملعون ہوئے، یہ خندق سراپا آگ بنی ہوئی تھی خوب زیادہ ایندھن والی تھی جبکہ یہ لوگ اس خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ جو حرکتیں کر رہے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس خندق میں انہوں نے بہت زیادہ ایندھن ڈال رکھا تھا، آگ جل رہی تھی اور اس میں اہل ایمان کو ڈالتے جا رہے تھے۔

صحیح مسلم (مفہوم ۴۱، ج ۲) میں ہے کہ حضرت صہیبؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں سے ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا، وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر تو زیادہ ہو گئی میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دے اسے میں جادو سکھا دوں، بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے ایک لڑکا بھیج دیا، یہ لڑکا جادو سیکھنے جاتا تو راستہ میں ایک راہب کے پاس سے گزرتا تھا، ایک مرتبہ اس کے پاس بیٹھ گیا اس کی باتیں سن کر اسے پسند آئیں، اب اس کے بعد بھی جب جادوگر کی طرف جاتا تو راہب پر گزرتا اور اس کے پاس بیٹھ جاتا پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا تھا کہ دیر سے کیوں آیا اس نے اپنی یہ مصیبت راہب کو بتائی، راہب نے کہا کہ تو ایسا کر کہ جب جادوگر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو یوں کہہ دیا کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں کی طرف سے پوچھتا چہ کا اندیشہ ہو تو یہ کہہ دیا کہ جادوگر نے روک لیا تھا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ راستے میں

جانے ہوئے ایک بڑا جانور سامنے آ گیا جو لوگوں کا راستے روکے ہوئے تھے اس لڑکے نے کہا کہ آج پتہ چل جائے گا کہ ہادوگر افض ہے یا راہب، یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر لیا اور یہ دعا کر کے اس جانور کو مار دیا کہ: اللھم ان کان امر الراہب احب الیک من امر الساحر فاقتل هذا الدابة حتی یمضی الناس (اے اللہ راہب کا طریق کار آپ کے نزدیک ہادوگر کے طریق کار کے مقابلہ میں محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دیجئے تاکہ لوگ گزر جائیں)۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس پتھر سے وہ جانور قتل ہو گیا اور جن لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھا وہ وہاں سے گزر گئے، اس کے بعد یہ ہوا کہ یہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے صورتِ جال کی خبر دی، راہب نے کہا اے پیارے بیٹے، اب تو مجھ سے افضل ہو گیا تو اس درجہ پر پہنچ گیا جو میں دیکھ رہا ہوں تو اگلی بات سن لے اور وہ یہ کہ اب تیرا امتحان لیا جائے گا (اور تو مصیبت میں مبتلا ہوگا) ایسی صورت پیش آئے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

اب اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے (مزید یوں نوازا) کہ وہ مادرزاد اندھے کو اور برص والوں کو اچھا کرتا تھا (یعنی ان کے حق میں دعا کر دیتا تھا اور ان کو شفا ہو جاتی تھی) اس کا یہ حال بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے سن لیا جو تباہ ہوا چکا تھا۔ یہ شخص لڑکے کے پاس بہت سے ہدایا لایا اور اس سے کہا کہ اگر تو مجھ کو شفا دے دے تو یہ سب تیرے لیے ہیں لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دوں گا وہ تجھے شفا دے دے گا۔ وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ نے اسے شفا دے دی، اب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور سب دستور بادشاہ نے کہا کہ میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے، اس شخص نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس پر اس شخص کو پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف پہنچا تا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔

اب لڑکے کو لایا گیا اس بادشاہ نے کہا کہ اے بیٹا تیرا جاؤ اس درجہ کو پہنچ گیا کہ تو مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اچھا کرتا ہے اور ایسے ایسے کام کرتا ہے، لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفاء صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، اس پر بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف دیتا رہا، حتیٰ کہ اس نے یہ بتا دیا کہ فلاں راہب سے میرا تعلق ہے (اور اس کے پاس آنے جانے کی وجہ سے مجھے یہ بات حاصل ہوئی ہے) اس کے بعد راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اس نے انکار کر دیا، لہذا ایک آ رہ منگایا گیا جو اس کے سر کے درمیان میں رکھ دیا گیا اور اسے درمیان سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا، دونوں ٹکڑے زمین پر گر گئے، اس کے بعد بادشاہ کے اسی ہم نشین کو لایا گیا (جو اس لڑکے کے دعوت دینے سے ایمان قبول کر چکا تھا اور لڑکے کی دعا سے اس کی پیمانائی واپس آ گئی تھی) اس سے کہا گیا کہ تو ایمان سے پھر جا اس نے بھی انکار کر دیا لہذا اس کے سر کے درمیان آ رہ رکھ کر چیر دیا گیا اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا، اس کے بعد اس لڑکے کو لایا گیا اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے (یعنی ایمان سے پھر جا جو راہب کی صحبت میں آنے جانے سے حاصل ہوا تھا) لڑکے نے بھی ایمان سے ہٹنے سے انکار کر دیا، لہذا اسے بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کے حوالہ کیا اور ان سے کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اسے پہاڑ پر لیکر چڑھو جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے کہو کہ اپنے دین سے پھر جا، اگر یہ بات مان لے تو چھوڑ دینا انہما سے دہیں سے نیچے پھینک دینا، وہ لوگ اس لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے لڑکے نے دعا کی: اللھم اکفنیہم بما شئت

(اے اللہ تو جس طرح چاہے ان لوگوں (کے شر) سے میرے لیے کافی ہو جا) اس کا دعا کرنا تھا کہ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور جو لوگ اسے لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا بیچ گیا اور بادشاہ کے پاس چل کر آ گیا، بادشاہ نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے کر گئے تھے، لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ فرمایا۔

اس کے بعد چند دیگر افراد کے حوالہ کیا اور کہا اس لڑکے کو لے جاؤ اور ایک کشتی میں سوار کرو اور کشتی کو سمندر کے بیچ میں لے جاؤ اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو کوئی بات نہیں درنہا سے سمندر میں پھینک دینا وہ لوگ اسے لے گئے اور کشتی میں بٹھا کر سمندر کے درمیان پہنچ گئے اس لڑکے نے وہی دعا کی: اے اللہ ہم بھلائی دعا کرنا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور وہ لوگ غرق ہو گئے لڑکا بیچ گیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گیا، بادشاہ نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے گئے تھے، لڑکے نے کہا کہ اللہ میرے لیے کافی ہو گیا اس نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔

اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ تو مجھے (اپنی تدبیر سے) قتل نہیں کر سکتا ہاں قتل کا ایک راستہ ہے وہ میں تجھے بتاتا ہوں، بادشاہ نے کہا وہ کیا طریقہ ہے؟ لڑکے نے کہا وہ یہ طریقہ ہے کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے درخت کے تنے پر لٹکا دے اور میرے اس ترکش سے ایک تیر لے اور پھر اسے کمان میں رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہتے ہوئے میرے طرف پھینک دے (لڑکے نے یہ سمجھ کر کہ مجھے مرنا تو ہے ہی اپنی موت کو دعوت ایمان کا ذریعہ کیوں نہ بنا دوں لہذا اس نے یہ تدبیر بتائی کہ لوگوں کے سامنے میرا قتل ہو اور اللہ کا نام لے کر قتل کیا جاؤں، بادشاہ بدھو تھا اس تدبیر کو سمجھ نہ سکا) چنانچہ اس نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور لڑکے کو درخت کے تنے سے لٹکا دیا اور اس کے ترکش سے ایک تیر لیا اور کمان میں تیر رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر لڑکے کو تیر مار دیا، تیر اس کی کپٹی پر لگا، لڑکے نے تیر کی جگہ ہاتھ رکھا اور مر گیا، لوگوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو اسنا رب الغلام کی رٹ لگانے لگے (یعنی ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے)۔

اب بادشاہ کے پاس اس کے آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ تجھے جس بات کا خطرہ تھا (کہ اس لڑکے کی وجہ سے حکومت نہ چلی جائے) وہ تو اب حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی کوچوں کے ابتدائی راستوں میں خندقیں کھودی جائیں، چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ جلائی گئی، بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جو شخص اپنے دین ایمان سے نہ لوٹے اسے آگ میں ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا، اہل ایمان لائے جاتے رہے، ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان سے پھر جاؤ وہ انکار کر دیتے تو انہیں زبردستی چلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا وہ آگ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگی اس کے بچے نے کہا کہ اے امی آپ صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اس کے شروع میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو بطور کہانت آئندہ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا (ان باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ تیری حکومت جانے والی ہے) اور امی کاہن نے یہ بھی کہا کہ کوئی سمجھدار لڑکا تلاش کرو، جسے اپنا علم سکھا دوں اور ختم کے قریب یہ بھی ہے کہ جب عامۃ الناس نومن برب الغلام کہہ کر مسلمان ہو گئے تو بادشاہ سے کہا گیا کہ تو تو تین آدمیوں کی مخالفت سے گھبرا اٹھا تھا (یعنی راہب اور لڑکا اور بادشاہ کا ہم نشین) اور کہ

ابن نوبہ سارا جہاں تیرا مخالف ہو گیا اس پر اس نے خندق میں کھدوا دیں ان میں لکڑیاں ڈالیں اور اعلان کیا کہ جو شخص اپنے دین (یعنی اسلام) کو چھوڑ دے گا ہم اسے کچھ نہ کہیں گے اور جو اپنے دین سے واپس نہ ہوگا اسے ہم آگ میں ڈال دیں گے لہذا وہ اہل ایمان کو ان خندقوں میں ڈال رہا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قُبُلُ الْأَخْدُوْدِ میں بیان فرمایا ہے۔

سنن ترمذی میں قصہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس لڑکے کو ذوقن کر دیا گیا تھا پھر اسے حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح کپٹی پر رکھی ہوئی تھی جیسا کہ اس نے نقل ہوتے وقت رکھی تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مقاتلؒ سے نقل کیا ہے کہ خندقوں کا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا ہے ایک مرتبہ یمن میں اور ایک مرتبہ شام میں اور ایک مرتبہ فارس میں جو بادشاہ تھا وہ الطنالیوں کی روٹی تھا اور فارس میں جو واقعہ پیش آیا وہ بخت نصر کے زمانہ میں تھا عرب کی سرزمین (یعنی یمن نجران) میں جو واقعہ پیش آیا وہ یوسف زونو اس بادشاہ کے زمانہ کا واقعہ ہے پہلے روداقوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں اور نجران والے واقعہ کے بارے میں سورۃ البروج کی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد بحوالہ ابن ابی حاتم، حضرت ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ اصحاب الاخذود کا واقعہ زمانہ فترہ میں پیش آیا یعنی حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد اور رسول اللہ ﷺ سے پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ابن کثیر)

دَمَا تَقْوَامُنْهُمْ میں یہ بتایا کہ لوگوں نے جن اہل ایمان کو تکلیف دی آگ میں ڈالا انہوں نے کوئی چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا، کسی کا مال نہیں لوٹا، ان سے ناراض ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، ایمان لانا کوئی جرم کی بات نہیں ہے انسان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لائے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرے، بجائے اس کے کہ خندق میں کھودنے والے خود ایمان لاتے، ایمان لانے والوں پر اپنا غصہ اتارا اور انہیں آگ میں ڈالا یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی کا واقعہ یاد آ گیا جسے حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے اور یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو ایک لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ان حضرات کو رومیوں نے قید کیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو (سیدنا) محمد ﷺ کے ساتھ رہا ہے یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے گفتگو کی جس کے سوال و جواب اور پورا قصہ درج کیا جاتا ہے۔

عیسائی بادشاہ: میں تم کو اپنی حکومت اور سلطنت میں شریک کر لوں گا اگر تم عیسائی مذہب قبول کر لو۔
حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: تیری حکومت تو کچھ بھی نہیں اگر تو اپنی حکومت دے دے اور سارے عرب والے بھی مل کر مجھے اپنا ملک صرف اس شرط پر دینا چاہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جتنا دت ہوتا ہے صرف اتنی دیر کے لیے بھی دین محمدی ﷺ سے بھر جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔

عیسائی بادشاہ: اگر تم عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔
حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: تو چاہے تو قتل کر دے میں اپنی بات ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں، نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ ہونے سے دوسری رائے بدل سکتی ہے بلکہ وہ ایسا حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی مومن بندہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر عیسائی بادشاہ نے ان کو صلیب (سولی) پر چڑھا دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں تیر مارو اور یہ سمجھ لو کہ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ تکلیف دے کر عیسائیت قبول کروانا مقصود ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اللہ کا یہ بندہ صرف اس بات کا مجرم تھا کہ اللہ کو ماننا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے دین حق کو ماننے والا تھا، بادشاہ کے آدمیوں نے تیر مارنے شروع کر دیئے، تیر مارتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اب بھی ہمارا مذہب مان لے اور دین محمدی کو چھوڑو اور وہ اللہ کا بندہ ہی کہتا جاتا تھا کہ جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

جب اس ترکیب سے حضرت عبداللہ بن حذافہ کا ایمان غارت کرنے میں ناکام ہو گئے تو اس عیسائی بادشاہ نے کہا کہ ان کو سولی سے اتار لو اور ایک دیگ میں خوب پانی گرم کرو اور ان کو دیگ کے پاس کھڑا کر کے ان کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو ان کے سامنے اس دیگ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کے سامنے ان کا ایک ساتھی دیگ میں ڈالا گیا جس کی جان ان کے سامنے نکلی اور گوشت و پوست جلا اور ہڈیوں کے جوڑ جوڑ علیحدہ ہوئے، اس درمیان میں بھی حضرت عبداللہ بن حذافہ کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور جان بچانے کا لالچ دلاتے رہے۔

الحاصل جب وہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو بادشاہ نے ان کو اس طہنتی ہوئی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ دیگ کے پاس گئے اور جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ رونے لگے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ وہ رو رہے ہیں، بادشاہ نے سمجھا کہ وہ موت سے گھبرا گئے اب تو ضرور عیسائی مذہب قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ان کو بلا کر اس نے پھر عیسائی ہونے کی ترغیب دی مگر انہوں نے اب بھی انکار کیا۔

عیسائی بادشاہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم روئے کیوں؟

حضرت عبداللہ بن حذافہ: میں نے کھڑے کھڑے سوچا کہ اب میں اس وقت اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہوں تو مڑی ریر میں چل بھن کر ختم ہو جاؤں گا اور ذرا دیر میں جان جاتی رہے گی۔ افسوس کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے کیا اچھا ہوتا کہ آج میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم میں بال ہیں وہ سب اس دیگ میں ڈال کر ختم کر دی جائیں۔ اللہ کی راہ میں ایک جان کی کیا حیثیت ہے۔

عیسائی بادشاہ: میرا تمہا چوم لو گے تو تمہارے ساتھ سب ہی کو چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہ اپنی جان بچانے کے لیے اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اس کا ماتھا چوم لیتے (کیونکہ اس سے کفر کی عزت ہوتی ہے) لیکن اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ میرے اس عمل سے سارے مسلمانوں کی رہائی ہو جائے گی اس کا ماتھا چومنے پر راضی ہو گئے اور قریب جا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اس نے ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو رہا کر دیا۔

جب حضرت عبداللہ مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے پورا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی رہائی کے لیے ایک کافر کا ماتھا چوما ہے اس لیے ضروری ہے کہ اب ہر مسلمان ان کا ماتھا چومے، میں سب سے پہلے چومتا ہوں چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کا ماتھا چوما۔

اہل ایمان سے دشمنی رکھنے والے صرف اپنے اقتدار کو دیکھتے ہیں اور قادر مطلق جل مجدہ کی قدرت کی طرف نظر نہیں کرتے
دو قادر بھی ہے اور اسے ہر بات کا علم بھی ہے اس کے بندوں کے ساتھ جو بھی زیادتی کرے گا وہ اس کی مزادے دے گا کوئی
فحش یوں نہ سمجھے کہ میرا ظلم یہیں رہ جائے گا اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ آیت کے ختم پر اس مضمون کو
بیان فرمادیا: وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۰﴾ (اور اللہ ہر چیز سے پورا باخبر ہے)۔

إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ كَفَرُوا فَآفَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ ﴿۱۱﴾

إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ یہ ان ظالموں کی سا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف ان کے ایمان کی بناء پر اگر کی
خندق میں ڈال کر جلا یا تھا، اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائی: فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ یعنی ان کے لیے آخرت میں جہنم کا عذاب
ہے، دوسرا: وَ لَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ ﴿۱۱﴾ یعنی ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملے کا بیان اور
تاکید ہو اور معنی یہ ہوں کہ جہنم میں جا کر اس کو ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ملے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں
ان کی اسی دنیا میں سزا کا ذکر ہو، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مؤمنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ
نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں آگ میں مردہ جسم
پڑے، پھر یہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق کے حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا
ترشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا، صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو دریا
میں ڈال دیا اس میں غرق ہو کر مراد۔ (مظہری)

ان لوگوں کے لیے عذاب جہنم اور عذاب حریق کی خبر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید بھی لگا دی کہ ثُمَّ كَفَرُوا فَآفَلَهُمْ
یعنی یہ عذاب ان لوگوں پر پڑے گا جو اپنے اس فعل پر تادم ہو کر تائب نہیں ہوئے اس میں ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی گئی
ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جو درد کم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر ان کا تماشا
دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ (ابن کثیر)

سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ
۸۱ مَكِّيَّةٌ ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتها ۱۷
آیةها ۱

سورہ طارق کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ستر آیتیں ہیں

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ أَضَلُّهُ كُلُّ ابِّ لَيْلٍ وَمِنْهُ النُّجُومُ يَطْلُوعُهَا لَيْلًا وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا
الطَّارِقُ ۝ مُبْتَدَأٌ وَخَبْرٌ فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَدْرَى وَمَا بَعْدَ مَا الْأُولَى خَيْرٌ هَا وَفِيهِ تَعْظِيمٌ لِلشَّانِ
الطَّارِقِ الْمَفْتَبِرِ بِمَا بَعْدَهُ هُوَ النَّجْمُ أَيِ الثَّرِيَا أَوْ كُلِّ نَجْمٍ الثَّاقِبِ ۝ الْمَضِيءِ لِثَمْبِهِ الظَّلَامِ بِضَوْبِهِ
وَجَوَابِ الْقَسَمِ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَنَا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ بِتَخْفِيفِ مَا فِيهِ مَزِيدَةٌ وَإِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ التَّقِيلَةِ
وَأَسْمَاهَا مَحْدُوفٌ أَيِ أَنَّهُ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِشِدْدَتِهَا فَإِنَّ نَافِيَةً وَلَمَّا بَعْنَى الْآ وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظْرَةَ اعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ۝ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ جَوَابُهُ خُلِقَ مِنْ
مَاءٍ دَافِقٍ ۝ ذِي انْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجْلِ وَالْمَرْأَةُ فِي رَحْمِهَا يُخْرَجُ مِنَ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ وَالرَّأْسِ ۝
لِلْمَرْأَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصُّدْرِ إِنَّهُ تَعَالَى عَلَى رُجُوعِهِ بَعَثَ الْإِنْسَانَ بَعْدَ مَوْتِهِ لِقَادِرٍ ۝ فَإِذَا اغْتَبِرَ أَضَلُّهُ
عِلْمُ أَنْ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَى بَعْنِهِ يَوْمَ تُبْلَى لُحْبَبٌ وَنُكُشِفُ السَّوَابِرُ ۝ صَمَامِ الْقُلُوبِ فِي
الْعَقَائِدِ وَالنِّيَابِ فَمَا لَهُ لِمُنْكَرِ الْبُعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَلَا نَاصِرٍ ۝ بَدْنُهُ عَنَّا
السَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ الْمَطَرِ لِعَوْدِهِ كُلِّ حِينٍ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ الشَّقِ عَنِ النَّبَاتِ إِنَّهُ أَيِ
الْقُرْآنِ لِقَوْلِ فَصْلٍ ۝ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ إِنَّهُمْ أَيِ
الْكُفَّارِ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ يَعْمَلُونَ الْمَكَائِدَ لِشَيْبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْدُ كَيْدًا ۝ اسْتَنْدِرْ خَلْمًا
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ فَبَهْلٍ بِأَمْحَمَدَ الْكُفْرِينَ أَمَهُمْ تَاكِيدُ حَسَنَةً مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ أَيِ أَنْظِرْ لَهُمْ

رَوِيْدًا قَلِيْلًا وَهُوَ مُضْدَرٌ مُتَوَكَّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرٌ زُوْدًا وَزُوَادٌ عَلَى التَّرْخِيمِ وَقَدْ أَخَذَهُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَنُسِخِ الْأَمْهَالِ بِأَيَّةِ السَّيْفِ أَيْ بِالْأَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی (در اصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ ستارہ بھی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور کچھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہو نیوالی چیز کیا ہے (یہ مبتداء و خبر مل کر اداری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادراک مآ کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آ رہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص شریا یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیروں کو پھاڑ ڈالتا ہے اور جواب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (آ میں تخفیف ہے اور ما زائدہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم مخدوف ہے۔ ای انہ۔ پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کر نیوالا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لہا بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو انکے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انسان (بنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے لگتا ہے (عورت کی چھاتی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصلیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلا سکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور غیبی تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچانے والا) اور نہ کوئی اس کی مدد کر نیوالا ہوگا (جو عذاب کو دفع کر دے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مربع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھوس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک سچی سچی بات ہے (جو حق ناحق کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیس چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی انکو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی) یہ معنی عامل کی تاکید کیلئے مصدر ہے۔ رودا۔ ارواد کی ضمیر رویدا ہے اس کی ترخیم ہو رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں انکو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد و قتال کے حکم کے ذریعہ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **أَضَلُّهُ**: یہ طرقت طرفاً سے اسم فاعل ہے۔ ہر وہ شخص جو رات کو آئے۔ (ک) اسے طارق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ

دروازے بند پا کر ان کو کھٹکھٹاتا ہے۔

قوله: **وَمَا بَعْدَ: مَا الطَّارِقُ** کا مآ تو تعظیم کے لیے ہے۔ اور **وَمَا أَدْرَاكَ** کا مآ انکار کے لیے ہے۔

قوله: **وَلَمَّا: يَدُ** الہ کے معنی میں ہے اور استثناء مفرغ ہے۔ مطلب یہ ہے۔ جو آدمی جس حال میں بھی ہو اس پر حافظہ موجود ہے۔

قوله: **أَنْظُرُهُمْ**: انتقام میں جلدی مت کرو اور نہ بددعا میں ہم بھی جلدی نہیں کرتے۔ کیونکہ عجلت چیز کو اپنے وقت مناسب سے ہٹاتی ہے۔ (خسب)

قوله: **ذِيْ اِنْدِاقٍ**: اس سے اشارہ کر دیا کہ ماء دائق کی نسبت لابن اور تامر کی طرح ہے۔ یعنی ذی دبق یہ فاعل و مفعول دونوں پر صادق آتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ نطفہ ذرا دائق ہے۔ یعنی اس پر دبق (ٹپکنا) واقعہ ہوتا ہے اسی کو مفسر نے اندفاق سے تعبیر کیا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کواکب کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ انسان کے اعمال، ارزاق، اجل سب گنے اور شمار کیے جاتے ہیں۔

۲۔ حقیر معنی سے وجود دینے والا جب اللہ تعالیٰ ہے تو اس کو موت کے بعد اعادے کی قیمت کے روز یقیناً قدرت ہے۔ اس دن راز فاش ہو جائیں گے۔ اسرار و قلوب دنیا کھل جائیں گی، صحیح و غلط باطل و حق آپس میں ممتاز ہو جائیں گے۔

۳۔ انسان کو شر و باطل کے اخفاء اور ضار کے خلاف خفاء سے بچنا ضروری ہے۔

۴۔ قرآن مجید فیصدہ کن بات ہے، مرد روزمانہ نے اس کو مزید درخشاں کر دیا۔ اس کی شہادت کے لیے آسمان، بادل، زمین کی قسم ذکر فرمائی۔

۵۔ قیامت کے دن انسان کے پاس قوت ذاتیہ و عارضیہ ہر دو مفقود ہوں گی۔

۶۔ کفار قرآن اور صاحب قرآن کے متعلق تدابیر میں دن رات سرگرم ہیں، اگر وقتی طور پر بطور استدراج ان کا نوٹس نہیں لیا جا رہا تو عن قریب ان کی تدابیر کا ملبہ ان پر گرنے والا ہے۔

۷۔ کید کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے جزاء کید اور تقابل کے لیے بولا گیا ہے۔

۸۔ حکمت الہیہ کا تقاضا اعداء اسلام کے خلاف تعجل کو ترک کر کے حلم و حوصلہ سے کام لینا ہے، آخر میں حق داخل حق ہی کی کامیابی ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا مضمون بھی عقیدہ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرہ کے ثابت کرنے کے لیے

حق تعالیٰ نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض و سماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات اور انقابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کی دعوت دی ہے، سورت کی ابتداء آسمان اور خیم ثاقب کی قسم سے کی گئی، اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار و مشرکین اور دشمنان اسلام کی سازشوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں، اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں، قدرت خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے جو اسلام کی عظمت و کامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی فتح و نصرت کا باعث ہیں۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھتا ہے طاریق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھبراتے وقت بے خبر آ جائے یہاں بھی لفظ طروق ہے، آپ کی ایک دعائیں بھی حارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کہ جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے ہر شخص پر اللہ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ آیت: لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنۢ خَلْفَيْهِ يُحَفِّظُوْنَہٗ مَنۡ أَمَرَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُرِيُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْۗ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءًاۙ فَلَا مَرَدَ لَہٗۗ وَمَا لَہُمْ مِّنۡ خُوْذٍ مِّنۡ وَّآلِ (الرعد: ۱۱) یعنی آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں انسان کی ضعفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا جیسے فرمایا: وَهٗوَ الَّذِیۡ یَسْخَرُ السَّخِرٰتِ لَہٗۗ یُعِیۡنُہَا وَہُوَ اَخْلَقَہَا وَہُوَ اَخْلَقَہَا وَہُوَ اَخْلَقَہَا وَہُوَ اَخْلَقَہَا (الرعد: ۲۷) یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے تیرہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو کندھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور زخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے دل کے چوڑے کو بھی کہا گیا ہے سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچ دینے پر اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے پھر فرمایا کہ قیمت کے دن پوشیدہ گئیں گی راز خاہر ہو جائیں گے بھید آشکار ہو جائیں گے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر خدا کی رانوں کے درمیان اس کے خدار کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی خداری ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو کندھوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

یَوْمَ تَبٰی السَّارِعٰتِ ﴿۱﴾

گزشتہ آیات میں انسان کی پیدائش میں فرمائی اور یہ بھی بتایا کہ جس ذات پاک نے انسان کو ابتداء ایسے ایسے پانی سے

پیدا فرمایا وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے اس کے بعد دو آیتوں میں قیامت کے دن کی پیشی اور وہاں جو انسان کی مجبوری ہوگی اس کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ جس روز انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور محاسبہ کے لیے پیشی ہوگی اس وقت سری بھید کی چیزوں کی جانچ کر لی جائے گی۔ سارا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا جو بھی کچھ کیا تھا وہ نظر کے سامنے ہوگا۔
وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا (اور جو کچھ کیا تھا سب حاضر پائیں گے)۔

انسان کی بد حالی اور مجبوری کا یہ عالم ہوگا کہ نہ تو اسے عذاب کے دفعہ کرنے کی کوئی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اس کے بعد آسمان اور زمین کی قسم کھائی اور قسم کھا کر قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو بارش والا ہے اس کی طرف سے زمین پر بار بار بارش کا نزول ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھٹ جانے والی ہے (جب اس میں بیج ڈالا جاتا ہے تو پھٹ جاتی ہے اور اس سے پودے اور کھیتیاں نکل آتی ہیں)۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

رجع کے معنی بارش، بارش والے بادل، برسنے، ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے جس کے بغیر انسان اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں سورج چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں زمین پھٹتی ہے تو دانے گھاس اور چارہ نکلتا ہے یہ قرآن حق ہے عدل کا مظہر ہے یہ کوئی عذر قصہ باتیں نہیں کافر اسے جھٹلاتے ہیں اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکر و فریب سے لوگوں کو قرآن کے خلاف اکساتے ہیں اے نبی تو انہیں ذرا سی ڈھیل دے پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے بدترین عذابوں میں پکڑے جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے: ثُمَّ يَوْمُوعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ عَلِيْبِطٍ (تعمان: ۱۴) یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سافا کندہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔

سُورَةُ الْأَعْلَى

سورة الاعلیٰ
۸۷ مکیہ ۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الاعلیٰ
۱۹ آیتیں

سورہ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی سورہ اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ أَي نَزَرَهُ رَبُّكَ عَمَّا لَا يَلْتَمِسُ بِهِ وَلَقَدْ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ صِفَةُ لِرَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ
سَوَابِ ۝ مَخْلُوقَةً جَعَلَهُ مِثْنَابِ الْأَجْزَاءِ غَيْرِ مُتَفَارِقٍ وَالَّذِي قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهَدَى ۝ إِلَى مَا قَدَّرَهُ
مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝ أَنْبَتَ الْعُشْبَ فَجَعَلَهُ بَعْدَ الْخُضْرَةِ عُشْبًا جَانَا هَشِيمًا
أَحْوَى ۝ إِسْرِدَ يَا بِسْمِ اسْتَقْرُوكَ الْقُرْآنَ فَلَا تَنْسَى ۝ مَا تَقْرَأُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۝ مَنْ نَسَاهُ بَنَسَخِ
بِلَا زَمَةٍ وَحُكْمِهِ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبْرِيلَ خَوْفَ التَّسْتِيانِ فَكَانَتْ قِيلَ
لَهُ لَا تَعْجَلْ بِهَا إِنَّكَ لَا تَتَشَى فَلَا تُثَعِّبْ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ بِهَا إِنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ الْجَهْدَ مِنَ الْقَوْلِ
وَالْفِعْلِ وَمَا يَخْفَى ۝ مِنْهُمَا وَ يُسْرِكَ لِلْيُسْرَى ۝ لِلشَّرِيعَةِ السَّهْلَةَ وَهِيَ الْإِسْلَامُ فَذَكَرَ عِظَ
بِالْقُرْآنِ إِنْ تَفَعَّتِ الذِّكْرَى ۝ مَنْ تَذَكَّرَهُ الْمَذْكُورُ فِي سَيِّدَا لَوْ بِهَا مَنْ يَخْشَى ۝ يَخَافُ اللَّهُ
تَعَالَى كَاتِبَةٍ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدَ وَيَتَجَبَّبُهَا أَي الذِّكْرَى بِرُكْنِهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا
الْأَشَقَى ۝ بِمَعْنَى الشَّقِي أَي الْكَافِرُ الَّذِي يَصْلِي النَّارَ الْكُبْرَى ۝ هِيَ نَارُ الْآخِرَةِ وَالصُّغْرَى نَارُ
الدُّنْيَا ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا فَيَسْتَرْبِحُ وَلَا يَخْسِرُ ۝ حَيَاةً مَبِيتَةً قَدْ أَفْلَحَ نَارَ مَنْ تَرَكَّى ۝ تَطَهَّرَ
بِالْإِيمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ مُكَبِّرًا فَصَلَّى ۝ الصَّلَوَاتِ الْحَمْسَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَكُفَّارَ مَكَّةَ
مُعْرَضُونَ عَنْهَا بَلْ تُؤْوَرُونَ بِالتَّحْتَانِيَةِ وَالْمُوقَاتِيَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ عَلَى الْآخِرَةِ وَ الْآخِرَةُ
الْمُسْتَمَلَّةُ عَلَى الْجَنَّةِ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝ إِنَّ هَذَا أَي فَلَاحٌ مَنْ تَرَكَّى وَكَوْنُ الْآخِرَةِ خَيْرًا لِمَنْ الصَّحْفِ

الأولى ﴿۱﴾ الْمُنزَلَةَ قَبْلَ الْقُرْآنِ صُحُفَ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ﴿۲﴾ وَهِيَ عَشْرُ صُحُفٍ لِإِبْرَاهِيمَ وَالْقُرْآنَ بِعَشْرِنِ

تو سچے ہیں: آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے پاک سمجھئے۔ لفظ اسم زائد ہے) جو عالی شان ہے (یہ رب کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جزو نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس پھوس) اگایا۔ پھر اس کی (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تلاوت یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبریل سے زور سے زور پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعجب نہ اٹھائیے) وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کیلئے جس کو آپ نصیحت کریں۔ جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے۔ جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے خدا کو بالقرآن مسامح بخاف و عید فرمایا گیا ہے) اور اس سے گریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے سخت بد نصیبت (بد بخت کافر) جو بڑی آگ میں جائے گا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جئے گا (مرے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (بخوتہ۔ یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے مکتے ہیں) مگر تم دنیا کی زندگانی کی (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں (ابراہیم کے دس صحیفے اور موسیٰ کی تورات)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: مکہ: یہ جمہور کا قول ہے۔ ضحاک نے مدنی کہا ہے۔ آپ اس کو بکثرت تلاوت فرماتے کیونکہ یہ بہت سے علوم اور ہدایوں کی جامع ہے۔ (ص)

قولہ: نثرہ: ان چیزوں سے پاک قرار دو جو اس کے لائق نہیں۔ بعض نے کہا: اس کا معنی سبحان ربی الاعلیٰ کہو۔ ان عباس نے فرمایا: اپنے رب اعلیٰ کے حکم سے نماز ادا کرو۔ (ک)

مقبولین شرح جلالین

۷۲۱

الجزء ۲۱ - الاعلیٰ ۸۷

قولہ: **وَلَقَدْ اٰتٰنَا سَمَآءَ زَاوَادًا**: کیونکہ تزییہ ذات کو خود تزییہ اسم لازم ہے۔ اور تزییہ اسم میں سے یہ ہے کہ اس کی عظمت کا استحضار اس کی یاد کے وقت کرے۔ (ص)

قولہ: **اَعْلٰی** کی صفت تعلیل کے قائم مقام ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو اس لیے کہ وہ بلند یوں والا، نہایت وعید سے پاک ہے۔

قولہ: **اِلٰی مَا قَدَّرَہٗ**: اس سے ہر جنس کی وہ تقدیر مراد ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا۔ مثلاً کان میں سننا، آنکھ دیکھنا، خیر و شر کا فرق بتا دینا۔

قولہ: **بِنَسْخٍ**: باسیبہ ہے۔ نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ جس کی تلاوت و حکم دونوں منسوخ۔ ۲۔ تلاوت منسوخ ہونہ کہ حکم۔ ۳۔ حکم منسوخ ہونہ تلاوت تو اسے بھی نہ بھلائیں گے۔ (ک)

قولہ: **اِنَّ نَفَعَتِ الدِّیْنَ کَرْمٰی**: یہ ان شرطیہ ہے۔ اس میں اس شخص کے نصیحت قبول کرنے سے استبعاد ظاہر کیا گیا ہے۔

قولہ: **فَیَسْتَرْبِیْحُ**: یہاں تیسری قسم مراد نہیں کہ نہ زندگی ہو اور نہ موت بلکہ مطلب یہ ہے۔ اس کو ایسی موت نہ آئے گی جس سے اس کو اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے اور نہ وہ زندگی ہوگی جس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔ (ک)

قولہ: **تُوُوْرُوْنَ**: اگر تاسے پڑھیں تو پھر کفار یا مطلق عام لوگوں کو خطاب ہے اور اگر یا سے پڑھا جائے تو ضمیر کا مرجع اشی کی طرف ہوگا۔ (ک)

قولہ: **اَبْقٰی**: اس لیے کہ وہ جسمانی و روحانی سعادت کو شامل ہے اور اس کی لذات غیر فانیہ اور غیر منقطعہ ہیں۔ (ص)

۱۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق نہیں انہی سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو منزه قرار دینا ضروری ہے۔

۲۔ اس سورت میں تزییہ ہے۔ آپ ﷺ اس کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً اعیاد، جمعرات اور ترووں میں۔

۳۔ اس میں آپ ﷺ کو دو بشارتیں دی گئی ہیں: ۱۔ آسان شریعت آپ کو دی جائے گی۔ ۲۔ جبرئیل جتنا قرآن آپ کے سامنے پڑھیں گے وہ سب یاد ہو جائے گا۔

۴۔ ذکر و زکوٰۃ کی ترغیب دلائی جو عمیر افضل کے موقع پر اکٹھا میسر ہو جاتا ہے۔

۵۔ دنیا ناپونے والی ہے اس سے زہد اختیار کرنا چاہیے اور آخرت باقی رہنے والی ہے اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

۶۔ تمام شرائع الہیہ اعتقادی اصول اور اخلاقی امور اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں متفق ہیں۔ شرک سے نفس کا تزکیہ اور رذائل سے تطہیر جس طرح ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرنا اور نماز کو پابندی اوقات ادا کرنا بھی لازم ہے۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں خاص طور پر ذات خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفات خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ وائیل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے، وحی الہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی

الہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی الہی اور موعظہ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جن میں استعداد و صلاحیت اور خشیت و تقویٰ کے آثار ہیں، اور جو قلوب شقاوت و بدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظہ حسنہ ان کو مفید ہوتے ہیں۔ ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بشارت بھی سنائی کہ جو کتاب الہی آپ ﷺ پر اتاری جا رہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے، اور نفس دنی قول ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کر دیا جائے گا، اور آپ ﷺ سہو و سہان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خدا ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمائے۔

اخیر میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسانی فلاح و کامیابی ذکر الہی اور اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے، اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۝

یہاں سے سورۃ الاعلیٰ شروع ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان فرمائی ہیں، سب سے پہلے الاعلیٰ فرمایا یعنی برتر اور بلند تر حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان فرمایا کہ جب آیت: فَسَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اجعلوہا فی رکوعکم) (کہ رکوع میں جاؤ تو اس پر عمل کرو) پھر جب سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۝ (نازل ہوئی تو فرمایا کہ سجدہ میں جاؤ تو اس پر عمل کرو) یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہو اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کہو۔ (رواہ ابوداؤد)

الاعلیٰ ۝ کا معنی ہے خوب زیادہ بلند اور برتر، یہ پروردگار عالم جل مجدہ کی صفت ہے، اس کو بیان کرنے کے بعد دوسری صفت بیان فرمائی۔

مسئلہ: علماء نے فرمایا ہے کہ قاری جب: سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۝ کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے: سبحان ربی الاعلیٰ، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابوموسیٰ اور عبداللہ بن مسعودؓ جمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے۔ (قرطبی) یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ: حضرت عقبہ بن عامر جنہی سے روایت ہے کہ جب سورۃ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجعلوہا فی سجودکم یعنی یہ کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ اپنے سجدہ میں کہا کرو سب اسم ربک الاعلیٰ، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں، سب اسم ربک کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اسکے ثنایں نہیں، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکارئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کیلئے استعمال کرنا اس کی تزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اسلئے جائز نہیں۔ (قرطبی) جیسے رحمن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آجکل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے، لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے، عبدالرحمن کو رحمن، عبدالرزاق کو رزاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے

رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے مراد خود مسمیٰ کو ذات مراد لی ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لیے استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سبحان اسم ربک الاعلیٰ نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلیٰ ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود مسمیٰ مراد ہے۔ (قرطبی) واللہ اعلم

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝

تخلیق کائنات میں لطیف اور دقیق حکمتیں:

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ یہ سب رب اعلیٰ کی صفات کا ذکر ہے جو تخلیق کائنات میں اس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کے مشاہدہ سے متعلق ہیں ان میں پہلی صفت خلق ہے خلق کے معنی محض صنعت گرمی کے نہیں بلکہ عدم سے بغیر کسی مادہ سابقہ کے وجود میں لانا ہے اور یہ کام کسی مخلوق کے بس میں نہیں صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہے کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جب چاہتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔ دوسری صفت اس تخلیق ہی کے ساتھ وابستہ فرمائی ہے جو تسویہ سے مشتق ہے اور اس کے لفظی معنی برابر کرنے کے ہیں اور مراد برابر کرنے سے یہ ہے کہ ہر چیز کو جو وجود عطا فرمایا اس کی جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء و اجزاء کی وضع و ہیت میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر یہ وجود بخشا گیا ہے، انسان اور ہر جانور کو اس کی ضروریات کے مناسب بنائی گئی ہیں، ہاتھ پاؤں اور ان کی انگلیوں کے پوروں میں ایسے جوڑ رکھے اور قدرتی اسپرنگ لگائے کہ وہ ہر طرف موڑے توڑے اور تھکے جاسکتے ہیں، اسی طرح دوسرے ایک عضو کو دیکھو یہ حیرت انگیز تناسب خود انسان کو خالق کائنات کی حکمت و قدرت پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔

تیسری چیز اسی سلسلے میں فرمائی قدر، تقدیر کے معنی کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانے اور باہمی موازنہ کے بھی آئے ہیں اور کلمے قضاء و قدر بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور خاص تجویز کے ہیں، اس آیت میں یہی مطلب مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے اور بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز کو کسی خاص کام کے لیے پیدا کیا اور اسکے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی کام میں اس کو لگا دیا، غور کیا جائے تو یہ بات کسی خاص جنس یا نوع مخلوق کے لیے مخصوص نہیں، ساری ہی کائنات اور مخلوقات ایسی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص خاص کاموں کے لیے بنایا ہے اور ان کو اسی کام میں لگا دیا ہے، ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اس کے ستارے، برق و باران سے لے کر انسان و حیوان اور نباتات و جمادات سب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جسکو جس کام پر خالق نے لادیا ہے اور اس پر لگا ہوا ہے۔ ابرو بادومہ خورشید و فلک در کارند اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اندام من و تو مرد و باقی زندہ اند

خصوصاً انسان و حیوان کے ہر نوع و صنف کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے وہ قدرتی طور پر اس کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی رغبت و شوق سب اسی کام کے گرد گھومتا ہے۔

ہر یکے راہر کارے ساقلمہ میل اور ادروش انداختہ

چوتھی چیز یہ فرمائی: فَهْدَىٰ ۞ یعنی خالق کائنات نے جس چیز کو جس کام کے لیے پیدا فرمایا اس کو اس کی ہدایت بھی فرمادی کہ وہ کس کس طرح اس کام کو انجام دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام کائنات و مخلوقات کو شامل ہے آسمان اور آسمانی مخلوقات ہوں یا زمین اور اس کی مخلوقات کیونکہ ایک خاص قسم کی عقل و شعور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دیا ہے گو وہ انسان کے عقل و شعور سے کم ہو جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے: اعطی کل شیئ خلقہ لھ ہدیٰ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک وجود بخشا پھر اس کو اسکے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ آسمان و زمین ستارے اور سیارات پہاڑ اور دریا سب کے سب جس خدمت پر اول خلقت سے مامور کر دیئے گئے اس خدمت کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کمی کوتاہی یا سستی کے بجالاتے ہیں خصوصاً انسان اور حیوانات جن کا عقل و شعور ہر وقت مشاہدہ میں آتا ہے ان میں بھی نور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر نوع ہر صنف بلکہ ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور اپنے مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لیے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل و شعور والا ہے، جنگل کے جانوروں، درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کو دیکھو کہ ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور رہنے بسنے اور اپنی انفرادی اور جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کیسے کیسے ہنر سکھائے ہیں اور یہ سب بلا واسطہ تعلیم خالق کائنات کی طرف سے ہے، انہوں نے کسی کالج میں رہ کر یا کسی استاد سے یہ چیزیں نہیں سکھیں بلکہ یہ سب اسی ہدایت عامہ اور تلقین ربانی کے ثمرات ہیں جس کا ذکر آیت: اعطی کل شیئ خلقہ لھ ہدیٰ اور اس سورت کی قندذ فَهْدَىٰ ۞ میں فرمایا ہے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی درحقیقت عطا ئے ربانی ہے:

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل و شعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور ان میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اسکے نفع کے لیے پیدا ہوئی ہیں مگر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر یہ عقل و فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سیکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضروریات کی بنا لیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے ان پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی

فطرت میں اسکے سمجھنے کی استعداد و صلاحیت رکھی ہے جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن فہدیٰ کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا اور اس میں ان کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے زیادہ نا آشنا بلکہ اندھے ہوتے جا رہے ہیں۔

سُنُّوْا لَكُمْ فَلَا تَكْفُرُوْا ۝

الاماشاء اللہ، سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کے چند مظاہر بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو انکے فریضہ پیغمبری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ کے کام کو آسان کر دینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبرئیل امین کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اسلئے جبرئیل امین کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی الفاظ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کر دینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپ کو بے فکر کر دیا کہ جبرئیل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھو دینا پھر ان کو یاد میں محفوظ کر دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فلا منس الاماشاء اللہ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولیں گے نہیں بجز اسکے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کے ذہن سے بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیات قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اس کا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کخلاف آ گیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس آیت ہی کو رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کر دیا جائے جیسا کہ نسخ آیات قرآنی کے بیان میں فرمایا: ما ننسخ من آية او ننسىها یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے بھلا دیتے ہیں اسلئے اور بعض حضرات نے الاماشاء اللہ کے استثناء کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر عارضی طور پر کوئی آیت آپ کے ذہن سے بھلا دیں پھر یاد آ جائے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے کوئی سورت سلاوت فرمائی جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب جو کاتب وحی تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہو گئی مگر جب آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ منسوخ نہیں مجھ سے سہوا ترک ہو گئی (قرطبی) تو حاصل اس استثناء کا یہ ہوگا کہ حق اور عارضی طور پر کسی آیت کا بھول جانا اور پھر بدستور یاد آ جانا اس وعدے کے منافی نہیں، واللہ اعلم

وَلِكَيْ تَتَذَكَّرَ لَكُمْ ۝

لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم آپ کو طریقہ یسرٹی کے لیے آسان کر دیں گے، طریقہ یسرٹی سے مراد شریعت اسلام ہے بظاہر مختصائے مقام یہ تھا کہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم اس طریقہ اور شریعت کو آپ کے لیے آسان کر دیں گے مگر قرآن کریم نے اس کو چھوڑ کر فرمایا کہ ہم آپ کو اس طریقہ کے لیے آسان کر دیں گے۔ حکمت اسی میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو طبعی اور مادی طور پر ایسا بنا دیکے کہ شریعت آپ کی طبیعت بن جائے اور آپ شریعت کے سانچہ میں ڈھل جائیں۔

فَلَا تَكْفُرُوْا ۝

یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے، آپ دوسروں کو فیض پہنچائیے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے (تنبیہ) ان نفع الذکریٰ کی شرط اس لیے لگائی کہ تذکیر و وعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا منظور ہو۔ اور منصب آنحضرت ﷺ کا، وعظ و تذکیر فرض کے لیے نہیں۔ ہاں تبلیغ و انذار (یعنی حکم الہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر رحمت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے، اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے۔ اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے۔ شاید اسی لیے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار کی نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہو سکتا ہے کہ ان نفع الذکر کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی گو ہر کسی کو نہ دے۔ کما قال تعالیٰ: **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ** (النہاریات: ۵۵) پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔

قَدْ أُلْحَقَ مَنْ تَوَكَّلَى

زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ باقی مال کو انسان کے لیے پاک کر دیتی ہے یہاں لفظ ترکی کا مفہوم عام ہے جس میں ایمانی اور اخلاقی تزکیہ و طہارت بھی داخل ہے اور مال کی زکوٰۃ دینا بھی ہے۔ و ذکر اسم ربہ فصلی، یعنی اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز فرض و نفل شامل ہے، بعض مفسرین نے جو خاص نماز عید سے اس کی تفسیر کی ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ **بَلْ تُؤْمِنُونَ أَلْحِقَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا** حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عام لوگوں میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت و راحت تو نقد و حاضر ہے اور آخرت کی نعمت و راحت نظروں سے غائب اور ادھار ہے۔ حقیقت سے نا آشنا لوگوں نے حاضر کو غائب پر اور نقد کو ادھار پر ترجیح دے دی جو ان کے لیے دائمی خسارہ کا سبب بنی، اسی خسارے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ آخرت کی نعمتوں، راحتوں کو ایسا واضح کر دیا کہ گویا وہ حاضر موجود ہیں اور یہ بتلا دیا کہ جس چیز کو تم نقد سمجھ کر اختیار کرتے ہو یہ متاع کا سد و ناقص اور بہت جلد فنا ہو جائیو الا یہ عظیم کا کام نہیں کہ ایسی چیز پر اپنا دل ڈالے اور اس کے لیے اپنی توانائی صرف کرے اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آگے ارشاد فرمایا **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَثَرًا**، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو تعبیر ہے کہ ذرا عقل سے کام لو، کس چیز کو اختیار کر رہے اور کس کو چھوڑ رہے ہو دنیا جس پر تم فریفتہ ہو اذل تو اس کی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی رنج و غم اور کلفت و مشقت کی آمیزش سے خالی نہیں دوسرے اس کا کوئی قرار و ثبات نہیں، آج کا بادشاہ کل کا فقیر، آج کا جوان شہ زور کل کا ضعیف و عاجز ہونا رات دن دیکھتے ہو۔ بخلاف آخرت کے کہ وہ ان دونوں بیبوں سے پاک ہے اس کی ہر نعمت و راحت خیر ہی خیر ہے اور دنیا کی نعمت و راحت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اُلحی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ انسان ذرا غور کرے کہ اگر اس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالی شان محل اور بنگلہ تمام ساز و سامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اس میں نہیں تمہیں ہم اختیار دیتے ہیں کہ یا تو یہ بنگلہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کیلئے اسکے بعد اسے خالی کرنا ہوگا، یا یہ کچا مکان لیلو جو تمہاری دائمی ملکیت ہوگی تو عظیم انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا، اس کا مقنا تو یہ ہے کہ آخرت

کی نعمتیں اگر بالفرض ناقص اور دنیا سے کم درجہ کی بھی ہوتیں مگر ان کے دائمی ہونے کی وجہ سے وہی قابل ترجیح تھیں اور جبکہ وہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں خیر اور افضل اور اعلیٰ بھی ہیں اور دائمی بھی تو کوئی احمق بد نصیب ہی انکو چھوڑ کر دنیا کی نعمت کو ترجیح دے سکتا ہے۔

إِنَّ هَذَا كَيْفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۖ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَىٰ ۖ

یعنی اس سورت کے سب مضامین یا آخری مضمون یعنی آخرت کا بہ نسبت دنیا کے خیر اور اعلیٰ ہونا پچھلے صحیفوں میں بھی موجود تھا جسکا بیان آگے یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے کچھ صحیفے بھی دیئے گئے تھے وہ مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ صحف موسیٰ سے تورات ہی مراد ہو۔

صحف ابراہیمی کے مضامین:

آجری نے حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے آپ نے فرمایا کہ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہوجانے والے مغرور مہتلی میں نے تجھے حکومت اس لیے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لیے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچے دے کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کا محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و صنعت میں غور و فکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش حاصل کرنے اور طبعی ضرورتیں پورا کرنے کا۔

اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا اس کا کلام بہت کم ضروری کاموں میں رہ جائیگا۔

صحف موسیٰ علیہ السلام کے مضامین:

حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحف موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں نکلیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں:-

مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و در ماندہ اور غمگین ہو اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو دنیا اور اسکے انقلابات اور لوگوں کے عروج و نزول کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں پھر یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آئی وہی وحی میں بھی ہے آپ نے فرمایا اے ابو ذر یہ آیتیں پڑھو: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۖ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۖ آخِر سورۃ اعلیٰ تک۔ (قریبی)

سورة الغاشية

سورة الغاشية مكتوبة وهي ست وعشرون آية

هل نذ آتاك حديث الغاشية ١ القِيَامَةَ لِأَنهَا تَعْمَى الْخَلَائِقَ بِأَهْوَالِهَا وَجُوهٌ يَلْمِيزُ عَتَبَ بَهَاغِرِ
 الذُّوَاتِ فِي الْمَوْضِعِ خَاشِعَةٌ ٢ ذَلِيلَةٌ عَامِلَةٌ لَأَصِيبَهُ ٣ ذَاتِ نَصَبٍ وَتَعَبٍ بِالسَّلَابِ
 وَالْأَغْلَالِ تَصَلَّى بِضَمِّ التَّاءِ وَفَتَحِهَا نَارًا حَامِيَةً ٤ تَسْقَى مِنْ عَيْنِ آيَةٍ ٥ شَدِيدَةُ الْحَرَارَةِ لَيْسَ
 لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ ٦ هُوَ نَزْعٌ مِنَ الشُّوكِ لَا تَرَعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبَيْثِهِ لَا يُسِينُ وَلَا يُغْنِي مِنْ
 جُوعٍ ٧ وَجُوهٌ يَوْمِذٍ نَاعِمَةٌ ٨ حَسَنَةٌ لِسَعِيهَا فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ٩ فِي الْآخِرَةِ لِمَازَنِ
 ثَوَابِهِ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ١٠ حِسًا وَمَعْنَى لَا تَسْمَعُ بِالْبَاءِ وَالنَّاءِ فِيهَا لَأَخِيَّةٌ ١١ أَيْ نَفْسُ ذَاتِ الْفُرْأَى
 هِدْيَانٌ مِنَ الْكَلَامِ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ١٢ بِالْبَاءِ بِمَعْنَى عَيْنُونَ فِيهَا سِرٌّ مَرْفُوعَةٌ ١٣ ذَاتَا قَلْبُورٍ
 مَخْلَا وَكَوَابٌ أَقْدَاحٌ لَا عَرَى لَهَا مَوْضُوعَةٌ ١٤ عَلَى خَافَاتِ الْعَيْنِ مَعْدَةٌ لِشُرَيْبِهِمْ وَنَسَارِكِ
 وَسَائِدٌ مَصْفُوفَةٌ ١٥ بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يَسْتَبِدُّ إِلَيْهَا وَرَأَى بِسَطَطٍ طَنَافَسَ لَهَا خَمْلٌ مَبْثُوثَةٌ ١٦
 مَبْثُوثَةٌ أَفَلَا يَنْظُرُونَ ١٧ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ نَظَرَ اِغْتَبَارًا إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ١٨ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ
 رُفِعَتْ ١٩ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ أُصِيبَتْ ٢٠ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ٢١ أَيْ بَسِطَتْ فَيَدِيدُونَ بِهَا
 عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَضِدْرَتْ بِالْإِبِلِ لِأَنَّهُمْ أَشَدُّ مَلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهُ سَطِحَتْ
 ظَاهِرٌ فِي أَنَّ الْأَرْضَ سَطِحَ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَّةَ كَمَا قَالَ أَهْلُ الْهَيْبَةِ وَإِنْ لَمْ يَنْقُضْ رُكْنَانِ
 أَوْ كَانَ الشَّرْعُ فَذَكَرَهُ هُمْ نَعَمَ اللَّهُ وَدَلِيلٌ تَرْجِيهِهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ٢٢ كُنْتَ عَلَيْهِمْ بِصُيُورٍ ٢٣
 فِي قِرَاءَةِ بِالضَّادِ بَدَلَ التَّيْنِ أَيْ بِمَسْلُطٍ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِلَّا لَكِنْ مَنْ تَوَلَّى أَعْرَضَ عَنِ
 الْإِيمَانِ وَكَفَرَ ٢٤ بِالْقُرْآنِ فَيَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ٢٥ عَذَابُ الْآخِرَةِ وَالْأَصْفَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا

بِالْقَتْلِ وَالْإِسْرِ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۱۰﴾ وَجُوعَهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۱۱﴾ جَزَاءَهُمْ لَا
نَبْرؤُهُمْ أَبَدًا

تو چھٹے پہا: آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے ساری جہان کو گھیر لے گی) بہت سے چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذات ہیں) ذلیل ہوں گے سخت مصیبت جھیلنے خستہ ہوں گے (طوق سلاسل میں مصیبت و تعب اٹھاتے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلیٰ ضمہ تا اور فتح تا کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ مونا کرے اور نہ بھوک منائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے ہونے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سیں گے (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (لفو چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عیون ہے) اس میں اونچی مندریں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور محل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹوٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے کنارے پینے کیلئے مہیا) گاؤں کیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نقشین قالین (روعیں دارریشمی گدے) سب طرف بچھے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی)۔ غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت کچھ سٹکا چاہیے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور سلطنت سے بظاہر زمین کا سطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہل بیت زمین کر دی نہیں ہے۔ اگرچہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا) اچھا تو آپ (ان کو) نصیحت کئے جائیے (اللہ کی نعمتیں اور دلائل توحید ذکر کر کے) آپ تو بس ہیں ہی نصیحت کرنیوالے کچھ ان پر مسلط نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے سین کے صاد کے ساتھ ہے۔ یعنی ٹنڈیل یہ فرمان جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی کرے گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو ہماری سزا دے گا۔ (آخرت کی اور قتل و قید کی دنیاوی سزا الکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کو حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **وَجُودًا**: وجوہ مبتدأ خاشعہ اس کی خبر ہے۔ (ابو مسعود) ۲۔ وجوہ موصوف خاشعہ عالمہ اس کی صفات اور یہ مبتدأ متصل خبر ہے۔ وجوہ سے مراد ذاتیں ہیں۔ **وَتَعَبٍ بِالسَّلَامِ**: وہ جھکنے والے کام کرنے والے ہوں گے مثلاً زنجیروں اور اطوق کا کھینچنا آگ میں داخلہ، اونچائی پر چڑھنا اور اترنا ان ٹیلوں پر جو آگ کی طرح ہوں گے۔ (ابو مسعود)

قولہ: **بِأَهْوَالِهَا**: جیسے فرمایا: **بِوَمِيعَتِهِمُ الْعَذَابُ**۔ یعنی عذاب کا ڈھانکنا مراد ہے۔ ۲۔ آگ کا ڈھانچنا مراد ہے۔
قولہ: **ضَرِيحٌ**: زمخشری کہتے ہیں یہ زہریلا پودا ہے جب تر ہو تو شہرق کہلاتا ہے اور خشک ہو جائے تو ضریح ہے۔ یہ غیب ترین کھانا ہے۔ (خطیب)

قولہ: **حِشْرًا مَّعْجِي**: جسی یہ ہے کہ وہ بلند مقام میں ہوں گے اور جنت کے درجات ہیں اور ایک دوسرے کا فاصلہ آسمان و زمین کے فاصلہ کے برابر ہے اور معنوی بلندی یہ ہے کہ وہ نہایت عظمت والا مرتبہ ہے۔ (ر)
قولہ: **لَا تَسْمَعُ**: تا کی قرأت میں فعل معروف ہے اور یا کی قرأت میں فعل مجہول ہوگا۔ تا میں بھی مجہول ہو سکتا ہے مثلاً یہ وہ چیرے لغویات نہ سنیں گے۔ یا اے مخاطب تو نہ سنے گا۔ (بیضاوی)

قولہ: **أَيُّ نَفْسٍ ذَاتِ لُغْوٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ لاغیہ یہ لا یسمع کا فاعل ہے۔ (ک)
قولہ: **جَارِيَةٌ**: یعنی سطح زمین پر چلنے والے اور کبھی نہ منقطع ہونے والے۔ (خازن)
قولہ: **سُرٌّ**: ابن عباس فرماتے تھے: وہ سونے کے تختوں پر ہوں گے جو زبرد کے تاج والے ہوں گے ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ نیچے ہو جائیں گے۔ اور جب بیٹھ جائیں گے تو وہ خوداد پر اٹھ جائیں گے۔ (ج)
قولہ: **طَنَافِسٌ**: یہ طنافس کی جمع ہے۔ ابن عباس فرماتے: کہ ڈورے والے قالین کو کہتے ہیں۔ زمخشری نے عمرہ قالین اور امرا غیب نے قالین کے لیے اس کا استعمال مستعار قرار دیا۔

قولہ: **أَفَلَا يَنْظُرُونَ**: یہ استفہام انکاری توہینی ہے۔ اونٹ اپنی خصوصیات میں اپنی مثال آپ ہے کسی حیوان میں تمام جمع نہیں۔ **الْإِبِلِ**: یہ اسم جمع ہے، لفظ میں اس کا واحد نہیں ہے۔ (ص)
قولہ: **كَيْفَ**: یہ **خُلِقَتْ** کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یہ جملہ ابل سے بدل ہے۔ **يَنْظُرُونَ** فعل بدل کی طرف الی سے متعلق ہے۔ اور **كَيْفَ خُلِقَتْ** کی طرف بطور تعلق متعدی ہے۔ (ج)

قولہ: **أُصْبَتٌ**: یعنی پہاڑوں کو سطح زمین پر اس مضبوطی سے گاڑ دیا کہ ان میں ذرا تزلزل نہیں۔ (ک)
قولہ: **يَسْتَنْدِلُونَ**: عربوں کے سامنے یہ اشیاء سفرد حضرت میں سامنے تھیں تو ان کو ذکر کیا تا کہ اس سے توحید و قدرت باری تعالیٰ پر استدلال کریں۔ (ص)

قولہ: **زَانَ لَهُ يَنْفُضُ**: زمین کرہ ہو یا سطح اس سے کسی شرعی اصول میں فرق نہیں پڑتا۔ (ج)

قولہ: **إِلَّا**: اس کو تگن کے معنی میں لے کر اشارہ کیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ ۲۔ متصل بنانے میں بھی حرج نہیں۔ پھر معنی یہ ہوگا۔
ان کو نصیحت کرو سوائے اس شخص کے جس کے ایمان کی امید نہ ہو۔ (ک)

۱۔ قیامت کا نام غاشیہ ہے اس لیے کہ یہ اپنے احوال سے سب کو ڈھانپ لے گی۔

۲۔ اسلامی تعیمات کے خلاف کیے جانے والے تمام اعمال خسارے کا باعث بنیں گے۔ اس لیے کہ ان کی بنیاد سچے ایمان پر نہ تھی۔

۳۔ لغو کلام کل نفس بشری کے لیے نقصان کا باعث بنے گا۔

۴۔ اہل سعادت کی دو صفات یہاں ذکر فرمائیں: ۱۔ چہروں پر نعمتوں کی ترویج کی۔ ۲۔ عمل کے بدلے پر رضامندی۔

۵۔ ہر عاقل کا مطلوب بارگاہ الہی میں پہنچنا ہونا چاہیے۔ حساب یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تھوڑا لے یا زیادہ خواہ اس لیے ہو کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے یا اس لیے کہ مظلوم کو اس کا حق دیا جائے تاکہ ظلم سے رضامندی کے مشابہ نہ بنے اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ (ر۔ ک)

۶۔ مقام ثواب کی صفات سب سے: ۱۔ بند باغات۔ ۲۔ کلام لغو مفقود۔ ۳۔ بلند تخت۔ ۴۔ مشروبات کے جاری چشمے۔ ۵۔ کوزے، صراحیوں۔ ۶۔ بجلی۔ ۷۔ مخملی قالین۔

تفسیر مقبولین

(بعض) دیگر کئی سورتوں کی طرح اس کو مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعثت بعد الموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روز قیامت کیسی مصیبتوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالقابل اہل ایمان کا اعزاز و اکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی۔
دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالیٰ شانہ کی وحدانیت اور اس کے دلائل و شواہد کا بیان و تحقیق ہے سورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہر کیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾

غاشیہ قیامت کا نام ہے اس لیے کہ وہ سب پر آئگی سب کو گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت حل اتک پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا: نعم قد جآءنی یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے پستی ان پر برس رہی ہوں گی ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے انہوں نے تو بڑے بڑے اعمال کیے تھے سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ آج بھڑکتی ہوئی

آگ میں داخل ہو گئے ایک مرتبہ حضرت عمر ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے وہاں کے راہب کو آواز دی وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر روئے لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آگئی کہ عبادت اور ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں مگر مدہ اور سدہی فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں عذاب کی اور رکی تکلیفیں برداشت کریں گے یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریح کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا جو آگ کا درخت ہے یا جہنم کا پتھر ہے یہ تھوہر کی نیل ہے اس میں زہریلے کانٹے دار پھل لگتے ہیں یہ بدترین کھانا ہے اور نہایت ہی برآئہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دہر ہو۔

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّجِئَةٌ ۝

اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے، جنٹوں کے بلند بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغو بات کان میں نہ پڑے گی۔ جیسے فرمایا: لَا يَسْتَعْمُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةٌ وَعِشْيَا (مریم: ۶۲) اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے اور فرمایا: لَا يَسْتَعْمُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْلِيمًا ۝ ۲۵ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (الواقفہ: ۲۵) نہ اس میں فضول گوئی نہیں گے نہ بری باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا اس میں بھتی ہوئی نہریں ہوں گی یہاں نگرہ اثبات کے سیاق میں ہے ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بھتی ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں ان میں اونچے اونچے بلند بالا تخت ہیں جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں گویہ تخت بہت اونچے اور تختا مت داخل ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے، شراب کے بھر پور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے اور نیکے ایک قطار میں لگے ہوئے نور ادھر ادھر بہترین بستر اور فرش باقاعدہ رکھے ہوئے ہیں ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہہ چڑھائے جنت کی تیاری کرے اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند بالا کمالات ہیں وہ بھتی ہوئی نہریں ہیں وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں وہ کپکپے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں وہ بیٹگی والی جگہ ہے دوسرا سر میوہ جات سبزہ راحت اور نعمت ہے وہ تروتازہ بلند دبانہ جگہ ہے سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لیے تیاری کریں گے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ کہو صی بہ کرام نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْرَاهِيمَ كَيْفَ خُلِقَ ۖ

قیامت کے احوال اور اس میں مومن و کافر کی جزاء و سزا کا بیان فرمانے کے بعد ان جاہل معاندین کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو اپنی بے وقوفی سے قیامت کا انکار اس بنا پر کرتے ہیں کہ انہیں مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

بہت بعید بلکہ محال نظر آتا ہے ان کی ہدایت کے لیے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں میں غور کرنے کا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان و زمین میں بے شمار ہیں، یہاں ان میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے باویہ نشین لوگوں کے مناسب جال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے سڑے کرتے ہیں اس وقت ان کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اوپر آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں ور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انہیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑو انہیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

اور چاتوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لیے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو حیرت میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجسام جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھریگا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے۔ ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزرو ڈکلی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لیے سیزھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ طے کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی بچی اس کی بہا پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتا ہیں۔ آخر سورت میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ کو ہم نے اس پر مسلط نہیں کیا کہ سب کو مومن ہی بنا دیں لیکن اسے مصیبت بلکہ آپ کا کام تبلیغ کرنے اور صیحت کرنے کا ہے وہ کر کے آپ بے فکر ہو جائیں، ان کا حساب کتاب اور جزا و سزا سب ہمارا کام ہے۔

سُورَةُ الْفَجْرِ

آیتها

۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الفجر

سورة ۱۰

۱۰

اور اس کی تیس آیتیں ہیں

سورة فجر کہ میں نازل ہوں شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ۝ اَيُّ فُجْرٍ كُلِّ يَوْمٍ وَكَيْلِ عَشِيرٍ ۝ اَيُّ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ وَالشَّفْعِ الزَّوْجِ وَالْوَتْرِ ۝ يَفْتَحُ
 الزَّوَارِ وَكَسْرِهَا لَعْنَتَانِ الْقُرْدِ وَالْيَلِ اِذَا يَسِيرٌ ۝ اَيُّ مُقْبِلًا وَمُدْبِرًا هَلْ فِي ذَلِكَ الْقَسَمِ قَسَمٌ لِيَدِي
 حَجْرٍ ۝ عَقْلٍ وَجَوَابِ الْقَسَمِ مَحْدُوفٍ اَيُّ لَتَعَدَّ بَيْنَ يَا كَفَّارَ مَكَّةَ اَلَمْ تَرَى تَعَلَّمْتَ يَامُحَمَّدُ كَيْفَ
 فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرْمِ ۝ هِيَ عَادُ الْاُولَى فَاِزَمَ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْ بَدَلٌ اَوْ مَنَعَ الضَّرْفُ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالثَّانِي
 ذَاتِ الْعِبَادِ ۝ اَيُّ الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطَّرِيْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعٌ مِائَةٌ ذِرَاعٍ اَلَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِنْهَا فِي
 الْبِلَادِ ۝ فِي بَطْنِهِمْ وَقُوتِهِمْ وَكُمُودِ الَّذِينَ جَابُوا لَطَعُوا الصَّخْرَ جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوا مَا بَيْنَنَا
 بِالْوَادِ ۝ وَاْدَى الْقُرْدِ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَاكِ ۝ كَانَ يَبْدُ اَرْبَعَةَ اَوْ تَادِ يَشُدُّ اَلْيَهَا يَدِي وَرَحَلِي مِنْ
 بَعْدِهِ الَّذِينَ طَعَنُوا تَجَبَّرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ فَكَثُرُوا فِيهَا الْفَسَادُ ۝ الْقَتْلُ وَغَيْرُهُ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ
 سَوْطَ نَوْعٍ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۝ يَرِصِدُ اَعْمَالِ الْعِبَادِ فَلَا يَفُوتُهُ مِنْهَا شَيْءٌ لِيَجْازِبَهُمْ
 عَلَيْهَا فَاَمَّا الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ اِخْتَبَرَهُ رَبُّهُ فَكَرَّمَهُ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ وَنَعَبَهُ اَلْفَيْقُولُ
 رَبِّي اَكْرَمِنَ ۝ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ ضَبَقَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ اَلْفَيْقُولُ رَبِّي اَهَانِنَ ۝ كَلَّا رِدْعَانِ
 لَيْسَ الْاِكْرَامُ بِالغِنَى وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ وَكَفَّارَ مَكَّةَ لَا يَسْتَبْهَرُونَ لِذَلِكَ بَلْ
 لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيْمَ ۝ لَا يُحْسِنُونَ اِلَيْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اِلَّا لَا يُعْطُوْنَهُ حَقَّهُ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَلَا تَحْطَرُونَ
 اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ عَلٰى عَلٰى طَعَامِ اِطْعَامِ الْمَسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التَّرَاثِ الْمِيْرَاثِ اَكْلًا تَلَا

اَيُّ شَيْءٍ بَدَّلَ لَللَّهِمْ نَصِيبَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ الْمِيرَاثِ مَعَ نَصِيْبِهِمْ مِنْهُ اَوْ مَعَ مَالِهِمْ وَتُجْبَوْنَ الْمَالَ
 حُبًّا جَبًّا اَيُّ كَثِيْرًا اَفْلَا يُنْفِقُوْنَهٗ وَفِي قِرَاةٍ بِالْفُرْقَانِيَّةِ فِي الْاَفْعَالِ الْاَرْبَعَةِ كَلَّا رِدَعْ لَّهُمْ عَنْ ذٰلِكَ
 اِذَا ذَكَرْتَ الْاَرْضَ ذَكَرًا ذَكَا زُلْزَلَتْ حَتَّى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَايٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمُ وَجَاءَ رَبُّكَ اَيُّ اَمْرِهِ وَ
 الْمَلِكُ اَيُّ الْمَلَائِكَةِ صَفًا صَفًا خَالَ اَيُّ مُصْطَفَيْنِ اَوْ ذَوِي صُلُوْبٍ كَثِيْرَةٍ وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ
 بِجَهَنَّمَ تَقَادُ بِسَبْعِيْنَ اَلْفِ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَيْدِي سَبْعِيْنَ اَلْفٍ مَلِكٍ لَهَا زَبِيْرٌ وَتُعِظُ يَوْمَئِذٍ بِذٰلِكَ
 مِنْ اِذَا وَجَوَّابُهَا يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اَيُّ الْكٰفِرِ مَا فَرَطَ فِيْهِ وَاَيُّ لَهُ الذِّكْرَى اِسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى التَّنْبِيْهِ
 اَيُّ لَا يَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذٰلِكَ يَقُوْلُ مَعَ تَذَكُّرِهِ يَلِيْكُنِيْ لِتَنْبِيْهِ قَدَّمْتُ الْخَيْرَ وَالْاِيْمَانَ اِحْيَايَ
 الطَّيْبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ وَقْتُ حَيَاتِيْ فِي الدُّنْيَا فَيَوْمِئِذٍ لَا يُعَذِّبُ بِكُسْرِ الذَّلٰلِ عَذَابَهُ اَيُّ اللّٰهُ اَحَدٌ
 اَيُّ لَا يَكِلُهُ اِلٰى غَيْرِهِ وَكَذٰلِكَ اَيُّوْتُقُ بِكُسْرِ التَّاءِ وَثَابِتًا اَحَدٌ وَفِي قِرَاةٍ بِفَتْحِ الذَّلٰلِ وَالتَّاءِ فَصَمِيْرٌ
 عَذَابُهُ وَوَثَاثَهُ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنَى لَا يُعَذِّبُ اَحَدٌ مِّثْلَ تَعْذِيْبِهِ وَلَا يُوْتُقُ مِثْلَ اِيْتَاثِهِ يَلِيْكُنِيْهَا النَّفْسُ
 الطَّيْبَةُ اَلْاَمِيْنَةُ وَهِيَ الْمُؤْمِنَةُ اُرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكَ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَيُّ اِزْجِعِيْ اِلٰى اَمْرِهِ
 وَاَزَادَتْهُ رَاضِيَةً بِالنَّوَابِ مُرْضِيَةً عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكَ اَيُّ جَامِعَةٌ بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وَهَمَّا خَالَانِ وَيُقَالُ
 لَهَا فِي الْقِيَامَةِ فَادْخُلِيْ فِي جُمَّلَةِ عَبْدِي الصَّالِحِيْنَ وَاَدْخُلِيْ جَنَّتِيْ مَعَهُمْ

عج

تو کچھ نہیں: قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جنت (جوڑ) اور طاق (دو تراویح کے فتح اور کسر کے ساتھ
 دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آ جا رہی ہو) کیا اس (قسم) میں کسی
 صاحب عقل کیلئے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جو اب قسم مخدوف ہے یعنی اے مکہ کے کافر داتھیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ
 نے (اے محمد) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عا دارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عا داولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا
 عطف بیان یا بدل ہے۔ علیست اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد و قامت والے تھے (عماد سے
 مراد لبالیٰ ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (بلحاظ طاقت و
 قوت کے) اور قوم شموذ کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرے کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے
 (ادری (قرئی) میں اور مینوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومنا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ
 تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) پچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل و غارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے

ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے (بندوں کے امان کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرورت دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (استحسان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کر دیتا ہے تو کہہ لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کر دینا، کرام اور فقیر کر دینا اہانت نہیں ہے بلکہ اکرام و اہانت تو فرمانبرداری اور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔ البتہ کفار مکہ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ عظیم کی قدر نہیں کرتے (مالدار ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اکساتے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب غورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہیں، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال تاکہ ساتھ ہیں) ہرگز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے بہ پے کوٹ کوٹ کر ریزار بنا دی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔ اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صفت بستہ ہو کر یا لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر، اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔ بھیکتی اور شوشاں کرتی ہوئی) اس روز (اذا کا بدلہ ہے۔ اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کافر اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقعہ، (استغفار نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کر کے) اے کاش (تنبیہ کیلئے ہے) میں نے پیغمبری (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کیلئے (آخرت کی بہترین زندگی کیلئے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لا یعذب کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھے گا (و ثاقہ کسرہ تاء کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قراءت مثل فتح ذاب، فتح تاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں عذاب اور روٹا تہ کی منیر کافر کی طرف راجع ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا سا عذاب کوئی نہیں کر سکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کر سکے گا) اے لیس مطمئن (ماسون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم و ارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔ یعنی تجھ میں ذنوب اور خنوبیاں ہو سکتیں یہ دونوں جال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہو جا۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **الْفَجْرِ**: ہر روز کی فجر، نماز فجر، یوم محرک فجر، محرم کے اول روز کی فجر۔ (ک)
- قوله: **عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ**: ابن عباسؓ رمضان کا آخری عشرہ یا محرم کا اول عشرہ یا ذی الحجہ کا اول عشرہ (ق) رواہ احمد مرثوعاً
- قوله: **الْفَرْدِ**: بعض نے کہا: شفع یوم نحر اور طاق یوم عرفہ، بعض نے کہا: اس سے مراد نماز مراد ہے جس میں بعض حصہ طاق بعض حصہ جفت ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: تمام مخلوق جفت ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلْقْنَا ذَكَرًا وَمِثْلَهُ نِسَاءً** اور ترذات باری تعالیٰ ہے **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ**۔ (ک)
- قوله: **إِذَا يَسِيرُ**: رات کو چلنا اور بعض اوقات مطلق جانا مراد ہوتا ہے یہاں آنا جانا دونوں مراد ہیں۔ جیسے **لَرَدْمٌ لَّهُمْ** کو ذکر کر کے لازم مراد لیں۔ یہ اصل یسری ہے۔ آیات کے خواتم کی حفاظت کے لیے یا گرا دیا۔
- قوله: **عَقْلٌ**: کو عقل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ صاحب عقل کو ناجائز اور نامناسب کاموں سے روکتی ہے۔
- قوله: **بِعَادٍ**: یہ نوحؑ کے بیٹے سام کے پڑپوتے عادی اولاد ہے، ان کے پہلوں کو عادی اولیٰ اور پھلوں کو عادیانیہ اور فمود کہتے ہیں۔ عادی فمور پر مراد۔ (ک)
- قوله: **الطُّورِ**: ابن عربیؒ نے کہا کہ قد کی طوالت ۴ ذراع باطل قول ہے کیونکہ آدم کا قد ۶ ذراع تھا۔ **عَادَةُ** نے کہا: ان کے قد ۱۲ ذراع تھے۔ (قرطبی)
- قوله: **مِثْلُهَا**: یہ طاقت و مضبوطی اور تمدن میں مثلیت مراد ہے۔ (ص)
- قوله: **بِطَبْشِيمَ**: کی ضمیر قبیلہ کی طرف ہے مردوں کی کثرت کے اعتبار سے ضمیر مذکر مائے۔ (ک)
- قوله: **وَأَتَّخَذُوا هَا**: پتھروں کو کھود کر سات سو گاؤں یا شہر بنائے۔ (ج)
- قوله: **نَوْعٌ عَذَابٍ**: سے اقسام عذاب کی طرف اشارہ کیا عادی آدمی، خود صیغہ اور نزع غرق اسی طرح قوم نوحؑ کو ہلاک کیا گیا۔ (ج)
- قوله: **إِنَّ رَبَّكَ**: یہ ما قبل کی علت بیان کی، اس سے کفار مکہ کو خبردار کیا کہ یہ بھی اعراض پر قائم رہے تو ان کو عذاب آئے گا۔
- رَبَّكَ** کی ضمیر اس کی اطلاع دے رہی ہے۔ (ک)
- قوله: **لِيَأْتِيَهُمْ صَاعِدٌ**: وہ سورچہ جس سے دشمن کی نقل و حرکت دیکھی جاتی ہے۔ بندے کا کوئی عمل اس سے غلط نہیں رہ سکتا۔ (ک-ق)
- قوله: **بَلْ لَا تَكْفُرُونَ**: الٰہ مکہ کو فرمایا کہ تمہارا فعل تو ان کے قول سے بدتر اور راجح ہے گو یا بل سے مذمت میں ترقی کو بیان کیا۔ (ش) بانی غنی فضیلت کے لیے نہیں اور فقر ذلت کی علامت نہیں بلکہ یہ تضاد و قدر کا فیصلہ ہے۔ (ج)

جمعاً شد بیداً مخذرف ہے۔

قولہ: تَبَيَّنَا: جمع کر کے اس کے بعد شد بیدالاکر اشارہ کیا کہ اس کا موصوف جمعاً شد بیداً مخذرف ہے۔ (ک)

قولہ: تَكْرُمُونَ: چاروں افعال میں قرآن سب سے پہلے پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ تفسیر میں ابو عمرو کی قرأت ہے۔ (ک)

قولہ: أَمْرِهِ: اللہ تعالیٰ کی جمل مخلوق پر ظاہر ہوگی اور اس کے قہر غیب کا ظہور ہوگا اور قیامت کے ہولناک معاملات پیش آنے لگیں گے۔ جو غیر محصور ہوں گے یہ متاخرین کا قول ہے۔ سلف کہتے ہیں: وہ آئے گا جیسا آنا اس کے لائق ہے جو نقل و حرکت سے منزہ ہے۔ (ک) مفسر نے حسن کا قول نقل کیا ہے۔

قولہ: دَكَدَكَ: یہ دوسرا دکانا کید نہیں بلکہ تکرار استیعاب پر دلالت کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں ابنتہ بابا بابا ای بعد باب۔ (ص)

قولہ: لِحَيَاتِي: یہ لام تعلیل کا ہے: کیا من رمضان۔

قولہ: لَا يُعَذِّبُ: یعنی اس جنس کے جو لوگ ہیں اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا مثلاً گناہ گار تو من۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کا عذاب ابلیس کے عذاب سے زیادہ سخت ہو۔

قولہ: لَا يُؤْتِقُ: وثاق بندھن اور زنجیر کو کہتے ہیں۔

قولہ: يَأْتِيهَا النَّفْسُ الطَّمِينَةُ: اب اس کا تذکرہ فرمایا جس کا دل ذات باری تعالیٰ پر مطمئن ہے۔ اور وہ اس کے حکم کو ماننے والا اور اسی پر بھروسہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: یہ موت کے وقت مؤمن کو کہا جاتا ہے۔ (ج)

قولہ: إِلَىٰ أَمْرِهِ: اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور ثواب کی طرف لوٹ۔ ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ارواح کے اجساد کی طرف لوٹانے کے وقت کہا جائے گا۔ (ک)

قولہ: فَأَذْخَبُ: فی زمرہ عبادی یا فی جسد عبادی۔ (ج)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال قدرت کی قسم اٹھائی اس لیے کہ یہ توحید کے عظیم الشان دلائل ہیں اور تین اقوام کے واقعات کو عبرت و تسلی کے لیے ذکر فرمادیے۔

۲۔ ان ظالم و سرکش اقوام کی ہلاکت باعث و جزاء کی عظیم دلیل ہے جس کا انکار اہل مکہ کر رہے تھے۔ دنیا کا یہ عذاب آخرت کے مقابلے میں پس تل کے مقابل ایک کوڑے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس اس کے حکم سے انحراف کرنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہیے۔

۳۔ فقر و غنا اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرام و توہین کی دلیل نہیں۔ طاعت عبد جو آخرت کی طرف لے جائے اور حمد و شکر پر آمادہ کرے وہ باعث اکرام ہے اور معصیت و نافرمانی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت کی ذلت کی علامت ہے۔

۴۔ مادیت پرستی نئی نہیں بلکہ پرانا مرض ہے۔ جو مشرکین مکہ میں رچی ہوئی تھی۔

۵۔ بتائی کا اکرام کرنا اور فقراء و مسکین کو کھانا کھلانے کے لیے دوسروں کو کہنا لازم ہے۔ اسی طرح میراث کے جو چھوٹے بڑے حقدار ہیں ان کو ان کا حق پہنچانا چاہیے۔

۶۔ مال کی ایسی محبت قابل مذمت ہے جو دوسروں کے حقوق تلف کرنے پر آمادہ کرے۔ کفار حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرتے تھے۔ جو اس طرح کرتا ہے آخر میں شرمندہ ہوتا ہے۔

۷۔ یہاں قیامت کی تین صفات ذکر کیں۔ ۱۔ مسلسل زلزلہ سے زمین کو ہلا دیا جائے گا۔ ۲۔ فیصلہ قضا کے لیے عظیم آیات کا ظہور فرشتوں کی صف بندی۔ ۳۔ جہنم کا سامنے کر دیا جانا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں افراط و تفریط والے شدید حسرت اٹھائیں گے۔

۱۰۔ ایمان سے مطمئن نفس موت، قیام حشر، نثر صحائف کے وقت عظیم بشارت کا ہزار ہوگا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الفجر کی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں، دیگر کئی سورتوں کی طرح اس سورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ بعض اہم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذاب خداوندی نے انکو تباہ کر دیا، جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون۔

۲۔ اللہ کا قانون حیات دنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا، اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر و شر کی جانب تقسیم اسی طرح انسانی مزاج اور طبع کا بھی خیر و شر کی طرف انقسام۔

۳۔ آخرت اور آخرت کے احوال اور روز محشر واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالقابل سعید انسان کی کامیابی و عزت، تو ان تین بنیادی مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

وَالْفَجْرِ ۝

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْبُرْصَادِ ۝ میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء و سزا ہونا لازمی اور یقینی ہے تمہارا رب تمہارے سب اعمال کی نگرانی میں ہے خواہ انکی جملے: ان ربك لبالبرصاد کو جواب قسم کہا جائے یا مخدوف قرار دیا جائے۔

وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد ہر روز کی صبح ہو کہ وہ عالم میں ایک انقلاب عظیم لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الفجر کے الف لام کو مہد کا مترادف کر اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد ہو مفسرین صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابن عباس ابن زبیر سے پہلے یعنی عام وقت فجر کسی روز کا ہو منقول ہے اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر ہے جو اسلامی قمری سال کا آغاز ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم النحر کی صبح اس کی مراد قرار دی ہے۔ مجاہد و عکرمہ کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت میں یہ قول منقول ہے وجہ اس یوم النحر کی تخصیص کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لیے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اسکے ساتھ

کوئی رات نہیں کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات تراویح گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفان میں نہ پہنچ سکا رات کو صبح صادق سے پہلے کسی دقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا توفیق معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ روز عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے دوسری اسکے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے صبح یوم النحر تمام ایام دنیا میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔ (قرطبی)

دوسری چیز جس کی قسم ہے وہ لیال عشر یعنی دس راتیں، حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد سدیی، شحاک، بکبی، ائمہ تفسیر کے نزدیک ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لیے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرہ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اسکے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کی برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی برابر ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ و ضعیف عن ابی ہریرہ مطہری) اور ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے وانحجر والیال عشر کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہ ہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آئی ہیں۔ واضحاً عشرہ کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ حضرت جابر کی حدیث مذکور سے افضل ایام ہوا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہی دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کی گئی تھیں۔

والشفع والوتر، شفع کے لغوی معنی جوڑ کے ہیں جس کو اردو میں جفت کہتے ہیں اور وتر کے معنی طاق اور فرد کے ہیں۔ انقرآن کریم کے الفاظ میں یہ متعین نہیں کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے اسلئے ائمہ تفسیر کے اقوال اس میں بے شمار ہیں مگر خود حدیث مرفوعہ جو ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

وَالْحَجُّبُورُ وَالْيَالُ عَشْرٌ ۝ هُوَ الصَّبْحُ وَعَشْرُ النَّحْرِ وَالْوَتْرُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَالشَّفْعُ يَوْمَ النَّحْرِ

رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد عشرہ نحر ہے (اور یہ عشرہ ذی الحجہ کا پہلا ہی عشرہ ہو سکتا ہے جس میں یوم نحر شامل ہے) اور فرمایا کہ وتر سے مراد روز عرفہ اور شفع سے مراد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہے۔

قرطبی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اسناد کے اعتبار سے اصح ہے۔ نسبت دوسری حدیث کے جو حضرت عمران بن حصین کی روایت سے نقل ہوئی ہے جس میں شفع و وتر نماز کا ذکر ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس، عکرمہ، نحاس نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر ابن سیرین، مسروق، ابوصالح، قتادہ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوقات ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوقات کو جوڑ جوڑ جفت پیدا کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ كَلَّمَ صِدْقًا مِمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ جَنَّتِمْ، یعنی ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ کفر و ایمان، شقاوت و سعادت، نور و ظلمت، نهار و رات، گرمی، آسمان و زمین، جن و انس، مرد و عورت اور ان سب کے بالمقابل وتر وہ صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے جو اللہ الاحد الصمد، والبل اذابسر، يسر، مسرى سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ یہاں خود رات کو کہا گیا کہ جب اچلنے لگے یعنی ختم ہونے لگے۔ یہ پانچ قسمیں ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعارانسان کو ایک خاص انداز میں سوچنے سمجھنے کی دعوت دینے کے لیے فرمایا: هَلْ فِي ذَلِكَ فِسْمٌ لِلدَّيِّ حَجْرٍ، حَجْرٍ کے لفظی معنی روکنے کے ہیں انسان کی عقل اس کی برائی

اور حضرت رساں چیزوں سے روکنے والی ہے اسلئے حجر بمعنی عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں بھی معنی مراد ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ کیا عقل والے آدمی کے لیے یہ قسمیں بھی کافی ہیں یا نہیں۔ یہ صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان پر اور اسکے قسم کھا کر ایک بیان کو بیان کرنے پر اور خود ان چیزوں کی عظمت پر جن کی قسم کھائی گئی ہے ڈراما فور کرو تو جس چیز کے لیے یہ قسم کھائی گئی اس کا یقینی ہونا ثابت ہو جائے گا اور وہ چیز یہی ہے کہ انسان کے ہر عمل کا آخرت میں حساب ہونا اور اس پر جزا و سزا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ جواب قسم اگرچہ صراحتہ مذکور نہیں مگر سبق کلام سے ثابت ہے اور آگے جو کفار پر عذاب آئینکا بیان ہو رہا ہے وہ بھی اسی کا بیان ہے کہ کفر و معصیت کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قوموں کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اول قوم عاد، دوسرے ثمود، تیسرے قوم فرعون، عاد و ثمود تو میں جنکا سلسلہ نسب اوپر جا کر ارم میں لجاتا ہے اس طرح لفظ ارم عاد و ثمود دونوں کے لیے بوجا جاسکتا ہے۔

إِنَّ ذَاتِ الْعِمَادِ ط

لفظ ارم عاد کا عطف بیان یا بدل ہے اور مقصود اس سے قبیلہ عاد کی دو قسموں میں سے ایک کی تعیین ہے یعنی عاد اولیٰ جو انکے حقد میں ہیں ان کو عاد ارم کے لفظ سے اسلئے تعبیر کیا کہ یہ لوگ اپنے جد اعلیٰ ارم سے بہ نسبت عاد آخری کے قریب تر ہیں۔ ان کو اس جگہ قرآن کریم عاد ارم کے لفظ سے اور سورۃ نجم میں اهلک عاد الاولیٰ کے عنوان سے تعبیر فرماتا ہے۔ ان کی صفت میں قرآن کریم نے ذات العمد فرمایا۔ عمد اور عمود ستون کو کہتے ہیں۔ قوم عاد کو ذات العمد اسلئے کہا گیا کہ انکے قد و قامت بڑے طویل تھے اور یہ قوم اپنے ذیل ڈول اور قوت و طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا یا طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا: لَعَدُ يَخْلُقُ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ، یعنی ایسی طویل القامت قومی دنیا میں اس سے پہلے پیدا نہیں کی گئی تھی۔ قرآن کریم نے انکے طول، سمت اور ڈیل ڈول کا دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ ہونا تو واضح فرما دیا مگر ان کی کوئی پیمائش ذکر کرنا ضرورت سے زائد کام تھا اس کو چھوڑ دیا۔ اسرائیلی روایات میں انکے قد و قامت اور قوت کے متعلق عجیب عجیب اقوال مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل سے ان کی قامت کا طول بارہ ہاتھ یعنی چھ گز یا ۸۱ فٹ منقول ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ قول بھی اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے واللہ اعلم

اور بعض حضرت مفسرین نے فرمایا کہ ارم اس جنت کا نام ہے جو عاد کے بیٹے شداد نے بنائی تھی اور اس کی صفت ذات العمد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم ہونے چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے اس نقد جنت کو اختیار کر لیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رؤسائے مملکت کیساتھ اس میں جائزہ ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے۔ (قرطبی) اس اعتبار سے اس آیت میں قوم عاد کے ایک خاص عذاب کا ذکر ہوا جو... شداد بن عاد اور اس کی بنائی ہوئی جنت پر نازل ہوا اور پہلی تفسیر جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اس میں قوم عاد پر جتنے عذاب آئے ہیں ان سب کا بیان ہے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ

اوتاد، وتد کی جمع ہے میخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی مختلف وجوہ حضرات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں، مشہور جمہور مفسرین کے نزدیک وہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر آچکی ہے کہ اس لفظ میں اسکے ظلم و جور اور وحشیانہ سزاؤں کا ذکر ہے وہ جس پر نفا ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں چار میٹوں میں باندھ کر یا خود ان میں میٹیں گاڑ کر اس کو دھوپ میں لٹا دیتا اور اس پر سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کی اپنی بیوی حضرت آسیہ کے متعلق ایک طویل قصہ اگلے مومن ہونے اور پھر فرعون کے سامنے اظہار ایمان کرنے کا اور پھر فرعون کی اسی قسم کی سزا کے ذریعہ ہلاک کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (مظہری)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ

قوم عاود شمر اور قوم فرعون کے شر و فساد کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو عذاب ان پر نازل ہوا اس کو عذاب کے کوڑا برسانے کے عنوان سے تعبیر کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح کوڑا مختلف اطراف بدن پر پڑتا ہے ان پر بھی مختلف قسم کے عذاب نازل کئے گئے۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذْ مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ

دنیا میں رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کے نزدیک مقبول یا مردود ہونے کی علامت نہیں:

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ.... یہاں انسان سے مراد اصل میں تو کافر انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہے خیال باندھے۔ اگر مفہوم عام کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس خطاب میں شریک ہے جو اس جیسے خیال میں مبتلا ہو اور وہ خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے رزق میں وسعت اور مال و دولت و صحت و تندرستی سے نوازے تو شیطان اس کو دو باطل خیالات میں مبتلا کرتا ہے اول یہ کہ وہ بگھنے لگتا ہے کہ یہ میری ذاتی صلاحیت اور عقل و فہم اور سعی و عمل کا لازمی نتیجہ ہے جو مجھے ملنا ہی چاہئے میں اس کا مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے سے یہ قرار دے کہ میں اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا۔ اسی طرح جب کسی انسان پر رزق میں تنگی اور فقرہ وفاقہ آوے تو اس کو اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل سمجھے اور اس پر اسلئے نفا ہو کہ میں تو مستحق انعام و اکرام کا تھا مجھے بے وجہ ذلیل و حقیر کر دیا، ایسے خیالات کفار و مشرکین میں تو ہوتے ہی تھے اور قرآن کریم میں کئی جگہ کفار کے ان خیالات کا اظہار مذکور بھی ہے انہوں نے کہا کہ آجکل بہت سے مسلمان بھی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال ذکر کر کے فرمایا کلا یعنی تمہارا یہ خیال بالکل باطل بے بنیاد ہے نہ دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے اور نہ تنگی رزق اور فقر وفاقہ اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت ہے بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ فرعون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی درد سر بھی نہ ہوا جو فقیر و مفلس تھے وہ اغنیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمر مظہری) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے ہیں

جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ (روا احمد و الترمذی عن زید بن اسلم بن مظہری)

یتم پر صرف خرچ کرنا کافی نہیں اس کا احترام بھی ضروری ہے:

اس کے بعد کفار کو ان کی چند بری خصلتوں پر تشبیہ ہے اول الاکرمون الیتیم یعنی تم یتیم بچے کا اکرام نہیں کرتے اس میں اصل بتلانا تو یہ ہے کہ یتیم کے حقوق ادا نہیں کرتے اس پر ضروری خرچ نہیں کرتے لیکن اس کی تعبیر اکرام کے عنوان سے کی گئی جس میں اشارہ ہے کہ عقل و انسانیت کا اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اسکے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم یتیم کو فقط یہی نہیں کہ اس کا حق دو اور اس پر خرچ کرو بلکہ واجب ہے کہ اس کا اکرام بھی کر اپنے بچوں کے مقابلے میں اس کو ذلیل و خستہ نہ جانو۔ یہ بظاہر کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ دنیا کی فراخی کو اکرام اور تنگی کو اہانت سمجھا کر کرتے تھے اس صرف بل کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں کبھی تنگی رزق پیش آتی ہے تو وہ اس وجہ سے کہ تم ایسی بری عادتوں میں پھنسے ہوئے ہو کہ یتیم جیسے قابل رحم بچوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ دوسری بری خصلت ان کی یہ بتلانی و لاتخصون علی طعام المسکین، یعنی تم خود تو کسی مسکین غریب کو کیا دیتے دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتے کہ وہ بھی یہ کام کر لیں۔ اس عنوان میں بھی ان کفار کی بری عادت اور مذمت کے بیان کے ساتھ اس طرف اشارہ ہے کہ غربا و مساکین کا حق جیسے اغنیاء اور مالداروں پر ہے کہ ان کو اپنے پاس سے دیں اسی طرح جو لوگ خود دینے کی قدرت نہیں رکھتے انکو بھی اتنا تو کرنا چاہئے کہ دوسروں ہی کو اسکے لیے ترغیب دیں۔

تیسری بری خصلت یہ بیان فرمائی: و تاكلون التراث الاکلا لہا لہ کے معنی جمع کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال و حرام سب کو جمع کر کے کھا جاتے ہو اپنے حصے کے ساتھ دوسروں کا حصہ بھی غصب کر لیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال و حرام کو جمع کیا گیا ہونا جائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شاید یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اسکے درپے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مردار خور جانوروں کی طرح تنگے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہمیں یہ مال تقسیم کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ اولو العزم اور باہت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں۔ مردوں کے مال پر ایسی حریمانہ نظر نہیں ڈالتے۔

چوتھی بری خصلت یہ بتلانی: وَ تُجِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا جَم کے معنی کثیر کے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم مال کی محبت بہت کرتے ہو، بہت کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ مال کی ایک درجہ میں محبت تو انسان کی فطری تقاضا ہے وہ سبب مذمت نہیں بلکہ اس کی محبت میں حد سے بڑھنا اور انہماک کرنا یہ سبب مذمت ہے۔ کفار کی ان بڑی خصلتوں کے بیان کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا جو شروع سورت میں پانچ قسموں کے ساتھ مودکد کیا گیا ہے یعنی آخرت کی جزا و سزا،

وَلَا يُؤْتِقُ وَ تَأَقُّدًا آسَدًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دے گا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس روز نہ مارے گا اس کا ساما نا کوئی۔ نہ

آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو، جو دوزخ میں ہوں گے، کیونکہ ان کا بارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے، اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس کا سا کوئی باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے، لیکن ان کی عقل اور خیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل و خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لیے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اسی شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل و خیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے۔ اسی لیے مجنوں سودائیوں کو عین بانگوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ و ہم و خیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝

پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ اے نفس آرمیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تلو لگائے ہوئے تھا، اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالی شان جنت میں قیام کر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کافی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللہم انی اسالک نفسا بک مطمئنة تو من بلقائک و ترضی بقضائک و تقنع بعطائک

سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ
۱۰ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا
۱۰

اور اس کی میں آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سورہ بلد کہ میں نازل ہوئی

لَا زَاوِدَةَ أَقْسَمُ بِهِذَا الْبَلَدِ ۝ مَكَّةَ وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ جَلَّ خَلَالُ بِهِذَا الْبَلَدِ ۝ بَانَ يَجِلُّ لَكَ
تَمَاتِلُ فِيهِ وَقَدْ أَجْزَلَهُ هَذَا الْوَعْدُ يَوْمَ النُّجْحِ فَالْجُمْلَةُ اعْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسَمِ بِهِ وَمَا عَطَفَ عَلَيْهِ وَوَالِدِ
أَيِّ أَدَمٍ وَمَا وَلَدًا ۝ أَيُّ ذُرِّيَّتِهِ وَمَا بِمَعْنَى مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ أَيَّ الْجِنْسِ فِي كَيْدٍ ۝ نَصَبَ
وَشِدَّةً يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشِدَائِدَ الْآخِرَةِ أَيَحْسَبُ ۝ أَيُّ أَيُّظُنُّ الْإِنْسَانُ قُوَى قُرَيْشٍ وَهُوَ أَبُو الْأَ
شِدِينَ كَلِدَةٌ بِقُوَّتِهِ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَاهَا مُحْدَرُفٌ أَيُّ أَنَّهُ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝ وَاللَّهُ
فَادِرٌ عَلَيْهِ يَقُولُ أَهْلَكْتُ عَلَى عِدَاوَةِ مُحَمَّدٍ مَا لَأَلْبَدًا ۝ كَثِيرٌ ابْتِغَاةً عَلَى بَعْضِ أَيَحْسَبُ أَنْ أَيُّ
أَنَّ لَهُ بَرَّةً أَحَدًا ۝ فِيمَا اتَّفَقَ فَيَعْلَمُ قَدْرَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِقَدْرِهِ وَرَأَى لَيْسَ بِمَا يَكْتُمُ بِهِ وَمَجَازِيَةٌ عَلَى فِعْلِهِ
النَّيِّ، أَلَمْ نَجْعَلْ اسْتِفْهَامَ تَقْرِيرٍ أَيُّ جَعَلْنَا لَهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفْتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝
بَيْنَالَهُ طَرِيقِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَا فَهَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ جَاوَزَهَا وَمَا أَدْرَاكَ أَغْلَمَكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝
الَّتِي يَفْتَحُهَا تَعْظِيمٌ لِشَانِهَا وَالْجُمْلَةُ اعْتِرَاضٌ وَبَيْنَ سَبَبِ جَوَازِهَا بِقَوْلِهِ فَكَ رَقَبَةٍ ۝ مِنَ الرِّقِّ بَانَ
اعْتَقَهَا أَوْ إِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ جَاعَةً يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ قَرَابَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
أَيُّ الصَّرْقِ بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بَدَلِ الْفِعْلَيْنِ مُصَدَّرَانِ مَرْفُوعَانِ مُضَافٌ الْأَوَّلُ لِرَقَبَةٍ وَيُنَوِّنُ الثَّانِي
فَيُقَدَّرُ قَبْلَ الْعَقَبَةِ اقْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَدُّ كَوْرَةُ بَيَانُهُ لَمْ كَانَ عَطَفَ عَلَى اقْتِحَامٍ وَنُصِبَ لِلتَّرْتِيبِ الذِّكْرِ
وَالْمَعْنَى كَمَا وَفَّقَ الْإِقْتِحَامِ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا أَوْصَى نَعَضُهُمْ بَعْضًا بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ

وَعَنِ الْمُصِيبَةِ وَتَوَاصَوْا بِالرَّحْمَةِ ۝ التَّوْحَمَةُ عَلَى الْخَلْقِ أَوْلَيْكَ الْمَوْصُولُونَ بِهَذِهِ الصِّفَاتِ
أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ الْيَمِينِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ الشِّمَالِ عَلَيْهِمْ نَارٌ

عُقُوبَةٌ مُؤَسَّدَةٌ ۝ بِالْهَمْزَةِ وَالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطَبَّقَةٌ

توجہ فرمائیے: لا (زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کیلئے (اے محمد!) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (کہ اس میں آپ کیلئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ پہلا قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد کی (یعنی ذریت آدم کی اور اسمعیل میں من کے ہے) کہ ہم نے (جس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد جھیلنا ہوتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقتور آدمی یعنی ابوالاشد بن کلدہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان مخلفہ ہے اس کا اسم مخدوف ہے یعنی اندھا) کوئی قابو پانہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمد کی دشمنی میں) اتنا ڈھیروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا۔ اور یہ کہ اللہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں راستے اسے دکھادیئے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گزار گھائی سے گزرنے (پارہونے) کی اہمیت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھائی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جا رہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا (غلامی سے رہائی دلانی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرابت) دار یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے (جو محتاج کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے اور ایک قراءت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی تک مضاف ہے رقبہ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہذا عقبہ سے پہلے اتمام مقدر مانا جائے گا اور مذکورہ قراءت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (حامت پر جے ہونے اور معصیت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر رحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (موصدہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واؤ کے ساتھ ہے یعنی تہ بہ تہ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **وَ أَنْتَ حَلٌّ** : یہ حلول سے ہو تو اترا معنی ہے۔ (بیضاوی)

اور حلال سے ہو تو معنی یہ ہے کہ آپ کے لیے اس میں قتال کو حلال کرنے والے ہیں جس کو چاہیں چھوڑیں، جس کو چاہیں قتل کریں۔ یہ آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کسی کے لیے حلال نہیں۔ آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔

قوله: **وَ وَالِدٍ وَ مَا وَلَكَ**: انسان کی قسم اٹھائی، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے بڑھ کر عظمت والا ہے۔ یا آدم اور ان کی اولاد میں انبیاء و صالحین کی قسم اٹھائی۔ (مس) بغوی نے کہا: والد سے ابراہیم اور ولد سے اسماعیل بالعموم مراد ہیں۔ (م)

قوله: **كَبِيْرٌ**: دکھ، مشقت، جس کی ابتدا رحم کی تنگی سے ہو کر موت کی گھٹن تک ہے۔ (ک)

قوله: **لَيْسَ مِمَّا**: یہ کثرت قابل فخر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہے۔ (ح)

قوله: بقونہ: یہ محسب سے متعلق ہے اور باسبیہ ہے۔ ابواشعثہ کا ظنی چمڑے کو پاؤں کے نیچے دباتا اور دس آدمیوں کے کھینچنے سے بھی اس کے پاؤں نیچے سے نہ سرکتا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (قرطبی)

قوله: **بَيْنَا لَكَ**: اس کے لیے خیر و شر کو واضح کر دینا خیر کو اختیار کرے گا تو نجات پائے گا اور شر کو اپنائے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ اول پر چلنا قابل مدح اور دوسرے پر چلنا قابل مذمت ہے۔ (ک)

قوله: **فَلَا اقْتَحَمَ**: عقبہ پہاڑوں کے مابین تنگ و مشکل راستہ۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ یہاں مراد نفس کو طاعت کے اختیار اور محرمات کے ترک پر لگانا۔ مفسر نے جاوز کہہ کر اقتحام کا لغوی معنی بیان کیا ہے۔ ابنتہ اگر تلبس و اكتسب کے لفظ اختیار کیے جاتے تو مراد ہی معنی ادا ہو جاتا۔ (ک)

قوله: **وَ الْجُمْلَةُ اَعْتَرَا ضٌ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جملہ مبینہ متانفہ ہے۔ زمخشری نے اسے بدل قرار دیا ہے۔ (ک)

قوله: **فَاتَّقِ رَقَبَتَكَ**: ابو عمرو وغیرہ کی قرأت یہ ماضی ہے تک۔ ۲۔ اگر اسے مصدر مانا جائے تو اس سے پہلے جو مبتدا مقدر مانا پڑے گا تاکہ مفروضہ برابر ہو جائے۔

قوله: **اقْتَحَمَ وَ لَمْ يَلْتَزِمْ** الذَّكْرِيَّ وَ الْمَعْنَى: گویا اس طرح کہا فلا فک رقبة ولا طعام۔ معنی میں تکرار والا التزام نہ رہا۔ (ک، س)

قوله: **بِلِلْتَزِيْمٍ**: ثم کو ترتیب ذکر کے لیے اس لیے قرار دیا کیونکہ ترتیب زمانی درست نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہے اور رتبہ میں بھی بلند ہے۔ بعض نے ترتیب رتبی قرار دی ہے۔ ہم اصحاب ہم ضمیر غائب سے ان کا تذکرہ اس طرف اشارہ کہ وہ حضرات القدس اور مقام کرامت سے غائب ہوں گے۔ (ص)

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو شرف بخشا اسے حرمت والا شہر اور امن والا مقام اور ام القرئی قرار دیا۔ آپ کا وہ مولد ہے۔ آپ کے

- ۱۔ لیے اس کو کچھ وقت تک حلال قرار دیا اور کسی کے لیے اس کو حلال قرار نہیں دیا۔
- ۲۔ حضرت آدم اور ان کی نیک اولاد صالحین جن میں انبیاء اولیاء ان کو شرف سے نوازا۔
- ۳۔ اس حقیقت کا اعلان کیا کہ انسان مشقتوں میں پڑتا رہے گا تا آنکہ موت آجائے گی پھر جنت میں پہنچ گیا تو ہمیشہ کی راحت میسر آگئی اور اگر جہنم میں جا کر تو ہمیشہ کی مصوبت میں پڑ گیا۔
- ۴۔ پھر انسان کو اس کے غلط افکار و تصورات پر متنبہ کیا کہ مال کو ری یا کاری میں خرچنا اور یہ سمجھنا کہ مجھ پر کسی کا قابو نہیں ایک بورا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے تیری کوئی حالت مخفی نہیں وہ خود باز پرس کر لے گا۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس مال کو ان کاموں میں لگائے جو عذاب سے چھٹکارے کا باعث ہوں۔
- ۵۔ عذاب کی گھائی کو ایمان، انفاق اور اعمال صالحہ سے ہی عبور کیا جاسکتا ہے۔
- ۶۔ آنکھ، زبان، ہونٹ، جمال، عقل و فکر، حق و باطل کی تمیز جیسے انعامات شکرے کے متقاضی ہیں اور وہ ایمان، اعمال خیر، انفاق مال بر غر باء و مساکین وغیرہ سے ادا ہوگا۔

۷۔ آیت میں کماں کے سلسلہ میں دو باتیں ذکر فرمائیں: ۱۔ گردن کی آزادی اور کھانا کھلانا۔ ۲۔ ایمان اور تکمیل کے لیے دو باتیں ذکر فرمائیں۔ ۱۔ دینی اعمال میں جبرے رہنے کی تلقین۔ ۲۔ تراحم کی تلقین اور ہر دو قسموں کا مدار اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کا خیال کرنے اور مخلوق پر شفقت سے ہے۔ بس اول میں مخلوق والی جانب مقدم کی اور دوسرے میں حق والی جانب کو مقدم کیا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ البلقہ بھی کئی سورت ہے جس کی بیس آیات ہیں، اس سورت کا موضوع بھی دیگر کئی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید ایمان قیامت اور جزاء و سزا کو ثابت کرنا ہے اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ برابر و اختیار اور فساق و فجار مختلف گروہ ہیں ہر ایک کے اعمال اور اطوار جدا جدا ہیں، ایک گروہ سعادت و نجات کی طرف جا رہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہا ہے۔

سورۃ کی ابتدا سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم ﷺ کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی، اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض و برکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے،

ہدایت و سعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لیے بہت ہی بڑی نعمت تھی، اس دعوت کو تو چاہئے تھا کہ اہل مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوڑتے، مگر ان کی بد نصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ دشمنی اور مقابلہ شروع کر دیا، اسی مناسبت سے دنیا میں انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم فرمادی گئی اور قانون جزاء و سزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے شہر مکہ مکرمہ کی اور انسان کے والد یعنی آدم علیہ السلام کی اور ان کی ذریت کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، درمیان میں بطور جملہ معترضہ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ بھی فرمایا جس وقت یہ

سورت نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں ہی تھے، وہاں مشرکین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔

مکہ معظمہ حرم ہے اس میں قتل و قتال ممنوع ہے مشرکین مکہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے، لیکن اللہ جل شانہ نے اول تو اس کی قسم کھا کر اس کی عزت کو بیان فرمادیا اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشگی خبر دے دی کہ ایک دن آنے والا ہے جب آپ اس میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور اس دن آپ کے لیے اس شہر میں قتال حلال کر دیا جائے گا چنانچہ ہجرت کے بعد ۸ ہجری میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگوں کے بارے میں امان کا اعلان کر دیا جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ پاک نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا مکہ معظمہ (میں قتل و قتال) کو حرام قرار دے دیا تھا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۱۲۲، از مسلم)

اور میرے لیے صرف دن کے تھوڑے سے حصے میں حلال کیا گیا ہے، لہذا وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے یعنی اب قیامت تک اس میں قتل و قتال حلال نہیں ہوگا۔ دُ وَالْإِنِّ وَ مَا وَ كَذَّٰلِكَ قَالَ رَبُّنَا لِمَنْ هُوَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ مَا وَ لَدَّٰءِ انْ كِي ذَرِيَّتِ مَرَادُ هِيَ اس طَرَحِ حَضْرَتِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِي وَ تَمَامِ بَنِي آدَمَ كِي قِسْمِ هُوَ كِي۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ

انسان اشرف المخلوقات احسن تَقْوِيَةٍ میں پیدا فرمایا ہے وہ اپنے احوال میں مشقتوں تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شرف بھی بخشا اور مشکلات اور مسائل میں بھی مبتلا فرمادیا، اس کی اپنی دنیاوی حاجات اور ضروریات جان کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہیں جو اس کے لیے مشقتوں کا باعث ہوتی ہیں، انسان کو کھانے پینے کو بھی چاہیے، پہننے کی بھی ضرورت ہے، رہنے کے لیے مکان بھی چاہیے ساتھ ہی بیماریاں بھی لگی ہوئی ہیں وہ خود تو مصیبت ہیں ہی ان کے علاج کے لیے تدبیریں بھی کرنی پڑتی ہیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، مال آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اس کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں بوجھ ڈھونا پڑتا ہے نیند چھوڑ کر ڈیوٹی پر جانا پڑتا ہے، حالت مرض میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں جی نہیں چاہتا مگر ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نفس کو دبا کر کام پر جانا ہوتا ہے، غذا کو زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے، زمین میں ٹریکٹر چلا دیا لے لے کو ہلاؤ بیج ڈالو، پودے نکلیں تو پانی دیتے رہو کھیتی پک جائے تو اسے کاٹو، کاٹنے کے بعد بھوست سے دالے کو نکالو پھر اسے پیسہ پھر گوندھو، پھر روٹی پکاؤ چاول ہوں تو دیکھو چڑھاؤ۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ کھاؤ بھی اور نکالو بھی۔ قبض ہو گیا تو دو تلاش کرو، دست ہو گئے تو بار بار جاؤ، نکاح نہ ہو تو مشکل، نکاح ہو گیا تو بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش اور ان کے دکھ درد کا سامنا، یہ سب دنیاوی مسائل اور مشکلات کی چند مثالیں ہیں۔ غور کریں گے تو اور بہت سی چیزیں سامنے آئیں گی۔ یہ تو دنیاوی مشکلات کی طرف کچھ اشارہ ہوا دین پر عمل میں بھی نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیند چھوڑ کر نماز پڑھنی پڑتی ہے روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنی پڑتی ہے نفس نہیں چاہتا پھر بھی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ حج میں پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ یہ مشکلات انسان کی جان کے ساتھ ہیں، دوسری مخلوق ان چیزوں سے آزاد ہے۔

جو شخص کوئی بھی تکلیف اللہ کی رضا کے لیے برداشت کرے گا آخرت میں اس کا ثواب پائے گا اور جو شخص محض دنیا کے

۷۷۸
 لے کر اپنے اعضا کو اور مال کو استعمال کرے گا تو اس
 لیے عمل کرے گا اس کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر گناہ کرے گا (جن میں اپنے اعضا کو اور مال کو استعمال کرے گا) تو اس
 کی سزا پائے گا۔

جب انسان مشقت اور دکھ تکلیف میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے پاس ہے میرے خالق
 مالک کا دیا ہوا ہے تو اسے اللہ جل شانہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونا اور ہر حال میں اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم تھا، اللہ تعالیٰ سے
 دعائیں بھی کرنا اور اس کی عبادتیں بھی کرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا۔ لیکن انسان کا یہ طریقہ ہے کہ باغی بن کر رہتا ہے اپنے
 خالق اور مالک کے مواخذہ سے نہیں ڈرتا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿۱﴾

آنکھ اور زبان کی تخلیق میں چند حکمتیں:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿۱﴾ وَ لِسَانًا وَ شَفْتَيْنِ ﴿۲﴾ وَ هَدَيْنَا النُّجُبَيْنِ ﴿۳﴾ نجدین نشیبہ نجد کا ہے جس کے لفظی معنی
 اس راستے کے ہیں جو اوپر بلندی کی طرف جاتا ہے مراد اس سے کھلا واضح راستہ ہے اور ان دو راستوں میں ایک خیر و صلاح کا
 دوسرا شر و ہلاکت کا راستہ ہے۔

سابقہ آیت میں انسان کی اس غفلت و جہالت پر تشبیہ تھی کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کو بھی قدرت نہیں، وہ یہ کہ
 اس کے اعمال و افعال کو کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس آیت میں چند ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود میں یہی عطا
 فرمائی ہیں کہ خود ان کی صنعت و حکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت و قدرت کا نظارہ انہیں چیزوں میں کرے،
 ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شرابیں (رگیں) ان میں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع بیت
 کہ نازک ترین عضو ہے اس کی حفاظت کا کیا سامان خود اس کی خلقت میں کیا گیا کہ اسکے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خود کار
 مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں ان پردوں کے اوپر
 پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد و غبار کو روک لیں، اسکے اوپر بھووں کے بال رکھے کے اوپر سے آئیوالی چیز براہ راست
 آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسار کی سخت ہڈی ہے آدی کہنا
 چہرے کے مل کر جائے یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آ پڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچا لیں گی۔

دوسری چیز زبان ہے اس کی عجیب و غریب تخلیق اور دل کی باتوں کی ترجمانی جو اس پر اسرار اور خود کار مشین کے ذریعہ ہوتی
 ہے اسکے حیرت انگیز طریقہ کار کو دیکھو کہ دل میں ایک مضمون آیا یا ماغ نے اس پر غور کیا اس کیلئے عنوان اور الفاظ تیار کئے وہ الفاظ
 اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے۔ یہ اتنا بڑا کام کیسی سرعت کیساتھ ہو رہا ہے کہ سننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان
 الفاظ کے زبان پر آنے میں اسکے پیچھے کتنی مشینری نے کام کیا ہے تب یہ کلمات زبان پر آئے ہیں۔ زبان کے ساتھ شعخیں یعنی
 ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی کہ قدرت نے زبان کو ایسی سریع العمل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا
 ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے جیسے کلمہ ایمان یا دنیا میں دشمن کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دے جیسے بچھے قصور

کی معانی اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفہ میں ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچادے جیسے کلمہ کفر یا دنیا میں اسکے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو اس کا دشمن بنا دے جیسے گالی گلوچ وغیرہ، جس طرح زبان کے منافع بیٹا رہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے گو یا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے اسلئے حق تعالیٰ جل شانہ نے اس تلوار کو دو ہونٹوں کے غلاف میں مستور کر کے عطا فرمایا اور اس جگہ ہونٹوں کا ذکر کرنا اس طرف اشارہ ہو سکتا کہ جس مالک نے انسان کو زبان دی اس نے اس کو روکنے بند کرنے کے لیے ہونٹ بھی دیئے ہیں اسلئے اسکے استعمال میں سوچ سمجھ سے کام لے، بے سوچ اس کو ہونٹوں کی میان سے نہ نکالے، تیسری چیز دروستوں کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر اور بھلے برے کی پہچان کے لیے ایک استعداد اور مادہ خود اسکے وجود میں رکھ دیا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا، فالہمہا لیورھا و تقوھا یعنی نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے فحور اور تقویٰ دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اسکے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لیے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں آتی ہیں جو انکو ہلک واضح کر دیتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جاہل اور غافل، انسان قدرت حق کے منکر ذرا اپنے ہی وجود کی چند نمایاں چیزوں میں غور کرے تو قدرت و حکمت حق کے کمال کا مشاہدہ ہو جائیگا۔ آنکھوں سے دیکھو پھر زبان سے اقرار کرو پھر دروستوں میں سے خیر کے راستے کو اختیار کرو۔

آگے پھر اس کی غفلت شعاری اور بے فکری پر تشبیہ ہے کہ ان روشن دلائل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور اسکے ذریعہ نیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب دینے کا یقین ہو جانا چاہئے اس یقین کا مقتضایہ یہ تھا کہ یہ خلق خدا کو نفع اور راحت پہنچاتا، ان کی ایذاؤں سے بچتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور خود اپنی اصلاح کرتا اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا تاکہ نیامت میں وہ اصحاب یمین یعنی اہل جنت میں شامل ہو جائے مگر اس بد نصیب نے ایسا نہ کیا بلکہ کفر قائم رہا جس کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ آخر سورت تک یہ مضمون بیان ہوا ہے اس میں چند نیک اعمال کے اختیار نہ کرنے کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا ہے۔

سُورَةُ الشَّمْسِ

سورة الشمس

۹۱ مکیة ۲۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۵ ایتھا

اور اس کی پندرہ آیتیں ہیں

یورہ شمس کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

رَاسْمِيسٍ وَضُحٰیهَا ۝ صُوْرُهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ تَبَعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلٰهَا ۝

بِإِنْفَاعِهِ وَالْيَلِيلَ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ يَنْطَبِئُهَا بِظُلْمَتِهِ وَإِذَا فِي الثَّلَاثَةِ لِمَجْرَدِ الظُّرْبِ فِيهِ وَالْعَامِلُ فِيهَا مِنْ
 الْقَسَمِ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۝ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا ۝ بِسَطْحِهَا وَنَفْسٍ بِمَعْنَى نُفُوسٍ وَمَا
 سَوَّيْتُهَا ۝ فِي الْخِلْفَةِ وَمَا فِي الثَّلَاثَةِ مُصَدَّرِيَّةٌ أَوْ بِمَعْنَى فَالْهَمَّا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ بَيْنَ طَرَفَيْ
 الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَأَخْرَجَ التَّقْوَى رِعَايَةً لِرُتُوسِ الْأَيِّ وَجَزَابِ الْقَسَمِ قَدْ أَفْلَحَ حَذَفْتُ مِنْهُ اللَّامَ لِطَوْلِ
 الْكَلَامِ مَنْ رَكَّبَهَا ۝ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوبِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ دَشَّهَا ۝ أَخْفَاهَا بِالْمُعْصِيَةِ
 أَظْلَمَهُ دَشَّهَا أَبْدَلَتْ السِّينُ الثَّانِيَةَ الْفَاتِحَةَ كَذَبَتْ تَمُودُ رَسُوْلَهَا صَالِحًا يَطْغَوْهَا ۝ بِسَبَبِ
 طَغْيَانِهَا إِذَا تَبَعَتْ أَسْرَعَ أَشْفَاهَا ۝ وَأَسْمُهُ قَدْ آذَى إِلَى غَيْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ
 صَالِحٌ نَاقَةُ اللَّهِ أَيُّ ذُرْوَاهَا وَسُقْيَاهَا ۝ وَشُرْبُهَا فِي يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَكَلَّ بَوَهُ فِي قَوْلِهِ
 ذَلِكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى الْمَرْتَبِ عَلَيْهِ نُزُولُ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنْ خَلَقُوهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَتَلَّوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءٌ
 شُرِبَ بِهَا فَدَمَدَمَ أَطَقَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ الْعَذَابَ بِدَلِيلِهِمْ فَسَوَّيْتُهَا ۝ أَيُّ الدَّمْدَمَةِ عَلَيْهِمْ أَيُّ عَذَابِهِمْ
 بِهَا فَلَمْ يَفْلِكْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا بِالْوَاوِ وَالْقَاءِ يَخَافُ تَعَالَى عُقْبَاهَا ۝ تَبِعْتُهَا

ترجمہ: سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے اور آذاتینوں جگہ ظریت کیلئے ہے۔ فعل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنا یا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچایا (پھیلایا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہوا کیا (ہواؤں اور تینوں جگہ مصدر یہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری اس کو الہام کر دی (خیر و شر کے دونوں راستے بتلا دیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آگے ہے) یقیناً وہ بامرہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لیے لام حذف کر دیا ہے) جس نے نفس کو پاک کر لیا (گناہوں سے بچا لیا) اور نامراد (ناکام) ہوا جس نے اس کو بادی (گناہ کر کے) اس کی صلاحیت کو مٹا کر دیا۔ اس کی اصل دسہا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کیلئے الف سے بدل دیا) تو م شمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلا دیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کہ جلدی سے) اٹھا۔ اس قوم کا سب سے زیادہ بد بخت (جس کا نام قدار تھا تو م کی رائے سے اونٹنی کو کو نہیں کاٹنے کیلئے) تو اللہ کے رسول نے (صالح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خیر دار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی

باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اور دن کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پالی اپنے لیے مخصوص کر لینے کی خاطر اونٹنی کو قتل کر دیا) آخر کار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھائی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں۔ ایک ساتھ سب کو چھوٹ کر خاک کر دیا (یعنی سب کو ایسا قتل کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واؤ اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: تَبَعَهَا: یعنی چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے پیچھے ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ بدر کمال بن جاتا ہے۔ ۲۔ چاند کا طلوع سورج کے غروب کے متصل بعد ہو یہ ابتداء ماہ قمری میں ہوتا ہے۔

قولہ: وَالنَّهَارَ: جَدَّهَا کی فاعلی ضمیر نہار کی طرف اور ہا مفعول شمس یا طلحہ کی طرف۔ ۲۔ جَدَّهَا طس کی فاعلی ضمیر نہار کی طرف اور ہا مفعول شمس یا ظلمہ کی طرف یا دنیا یا ارض کی طرف۔ (س) رازی نے جَدَّهَا طس کی معنی اظہر النهار الشمس کیا ہے کیونکہ دن ہی ضوء شمس کا ہے۔ جب نور خوب ظاہر ہوگا تو سورج کا ظہور بھی خوب ہوگا۔

قولہ: وَإِذَا فِي الثَّلَاثَةِ: یہ بعض کا قول ہے کہ تینوں مقام پر محض ظرفیت کے لیے ہے۔ ۲۔ ظلیل کے ہاں یہ عطف کے لیے ہے۔ محض ظرفیت کا مطلب یہ ہے جو شرط سے خالی ہو اور قسم مقدر اس میں عامل ہے۔ (ج)
قولہ: فَعَلَّ الْقَسَمَ: جب فعل معلق بالشرط نہ ہو تو اس وقت حال کا ناکدہ دیتا ہے۔ (ج)
قولہ: زَمَانِي الثَّلَاثَةِ: ما مصدر یہ ہے یہ زجاج و زحشری کا قول ہے۔ رہا عطف کا سوال تو ہوا پر نہیں بلکہ ما کے صلہ پر ہے۔ (ک)

قولہ: قَدْ أَفْلَحَ: قَدْ سے پہلے لام کا حذف طوالت کلام کی وجہ سے کیا ہے ورنہ جواب قسم یہی ہے۔ (ش)
قولہ: طَهَّرَهَا: اس سے اشارہ کیا کہ زَكَّيْنَهَا کا فاعل ضمیر ہے جو من کی طرف لوٹتی ہے۔ اور ضمیر بارز نفس کی طرف لوٹتی ہے۔ دَسَّيْنَهَا بھی اسی طرح ہے۔ ۲۔ فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی وہ کامیاب ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے طاعت کے ذریعہ پار کر دیا اور وہ نفس رسوا ہوا جس کو معصیت کے ذریعہ لوٹ کر دیا۔

قولہ: أَخْفَاهَا: کا مطلب یہ ہے اس کی فطرت و استعداد گناہ سے بگڑ گئی جس پر اسے پیدا کیا گیا تھا۔
قولہ: دَسَّيْنَهَا: یہ قدسیں سے ہے کسی چیز کو دوسری چیز سے چھپانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے نفس کو بھجا دیا اور کفر و معصیت کے ذریعہ اس کے مرتبہ کو اس نے چھپا دیا۔

قولہ: فَبِي قَوْلِهِ ذَلِكْ: قوم ٹھوڈے تکذیب پر مستر رہی اور وہ پیغمبر کی تکذیب اور اونٹنی کی کوٹھیں کاٹنے سے باز نہ آئے اسی سبب

سے ان پر چیخ و چنگاڑ کا عذاب مسلط ہو گیا۔ (ج)

قولہ: نَبَتْهَا: دیگر بادشاہوں کی طرح اپنے نعل کے انجام سے نہ ڈرا اور سے بدلہ لے لے بھی کون سکتا ہے۔ (ج)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء سورت میں سرت مظاہر قدرت کی قسم اٹھائی اور فرمایا: جس شخص نے اپنے نفس کو طاعت سے پاک کیا وہ کامیاب ہو اور جس نے اپنے نفس کو معصیت میں غرق کر دیا وہ ناکام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اس لیے اٹھائی تاکہ ان پر غرور و فکر کے دوائی زیادہ پختہ ہوں۔ (ک۔ ر)

۲۔ ایمان و عمل صالح کی ترغیب دوائی کیونکہ اس پر فلاح کا مدار ہے اور شرک و معاصی سے ڈرایا اس لیے کہ وہ خسران کا باعث ہے۔ نفس کو جب تک گناہوں سے پاک نہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکتا اور جس نے نفس کو معصیت کی تکوین سے بہا لیا وہ جنت کا حقدار بن گیا۔

۳۔ قوم ثمود کے مرض کو بتلایا کہ وہ حد سے بڑھی ہوئی سرکش تھی جو کہ ان کی دنیا میں ہلاکت و تدمیر کا باعث بنی آخرت کی رہائی بھی یقینی ہو گئی۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے جس کی پندرہ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہونوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے، دوسری یہ اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و ضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر و شر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور اسی کا فیصلہ ہوتا ہے، اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر و ثواب اور نجات کا ستمی ہو اور شر پر عذاب و ہلاکت کا، دنیا کے انسان ان ہی دور استوں پر چل رہے ہیں، اس ذیل میں قوم ثمود اور ناصیہ صالح علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا گیا، تاکہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم کھائی ہے اور چاند کی بھی قسم کھائی ہے اس میں اذکار قلہ کا بھی اضافہ فرمایا یعنی چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے سے آجائے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طوع ہو جائے اس سے مبینوں کی درمیان یعنی تیرہ چودہ پندرہ تواریخ کی راتیں مراد ہیں ان راتوں میں جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے چاند نکل آتا ہے اور خوب زیادہ روشن رہتا ہے اور پوری رات اس کی روشنی کامل رہتی ہے جس طرح وَضُحَاهَا فرمایا کہ آفتاب کی کامل روشنی کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح چاند کے کامل نور کی طرف اِذَا قَلَّتْ فرمایا کہ اشارہ فرمایا اس کے بعد دن کی قسم کھائی اور

فرمایا: وَاللَّهُ إِذَا جَدَّهَا (قسم ہے دن کی جب وہ سورج کو روشن کر دے) یہ اسناد مجازی ہے چونکہ دن میں آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اس لیے روشنی کو دن کی طرف منسوب فرمایا۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے) یہ بھی اسناد مجازی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے رات کی جب خوب اچھی طرح تاریک ہو جائے اور دن کی روشنی پر چھا جائے۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَيْنَهُمَا (اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا) وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا)۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (اور قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو اچھی طرح بنایا)۔

ان تینوں آیتوں میں جو موصولہ ہے یہ من کے معنی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھی قسم کھائی اور اپنی ذات کی بھی کیونکہ وہ ہی آسمان کو بنانے والا اور نفس کو بنانے والا ہے۔ نفس یعنی جان کی قسم کھاتے ہوئے وَمَا سَوَّاهَا بھی فرمایا مفسرین نے اس سے نفس انسانی مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا اور اسے جس قالب میں ڈھالا اس کے اعضا کو خوب ٹھیک طرح مناسب طریقہ پر بنا دیا اس کے اعضاء ظاہرہ بھی خوب اچھی طرح کام کرتے ہیں اور اعضاء باطنہ بھی عقل و فہم تدبر و تفکر ان سب نعمتوں سے نوازا دیا۔

فَالهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (پھر نفس کو اس کے فجو اور تقویٰ کا الہام فرمایا) جب اسے عقل و فہم سے اور اعضاء صحیحہ ظاہرہ و باطنہ سے نوازا دیا تو اسے احکام کا مکلف بھی بنا دیا وہ اپنے خالق و مالک کو پہچاننے کا بھی اہل ہے اور اس کے اعضاء معبود حقیقی کی عبادت کرنے کی بھی قوت رکھتے ہیں، پھر چونکہ امتحان بھی مقصود تھا اس لیے انسان کے لیے دونوں راستے واضح فرما دیے جسے: وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ... میں بیان فرمایا نفس انسانی میں فجو کے جذبات بھی ابھرتے ہیں یعنی معاصی کی طرف بھی ابھار ہوتا ہے اور خیر کے جذبات بھی امنڈتے ہیں خیر اور شر دونوں چیزیں نفس انسانی میں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ڈالی ہیں اب انسان کی یہ سمجھداری ہے کہ وہ معاصی سے بچے اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں چند چیزوں کی قسم کھائی جن کا وجود انسان کے سامنے ہے اور بہت واضح اور ظاہر ہے آسمان کو سب دیکھتے ہیں، زمین پر سب بستے ہیں اور سب پر رات دن گزرتے ہیں چاند سورج دونوں بڑی روشنی والی چیزیں ہیں۔ اور نفس انسانی تو سب کے ساتھ لگا ہی ہوا ہے ان سب چیزوں کی تخلیق اور ان کے تصرفات سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے انسان پر لازم ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اس کے احکام پر عمل کرے گناہوں سے بچے، طاعات میں لگے اگر ایمان قبول کیا۔ گناہوں سے بچا، نفس کو سنوارا اور سدھارا اور گناہوں کی آرائش اور گندگی سے بچا تو وہ کامیاب ہو گیا اس کی دنیا بھی اچھی ہے اور آخرت بھی۔ سورہ النور میں فرمایا: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ وَيَتَّقِ نَفْسَهُ هُوَ الْفَائِزُونَ (اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس کے ڈر سے گناہوں سے بچا تو یہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں)۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے میلا کیا)۔

یہ سابقہ آیت پر معظوف ہے گزشتہ آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو پاک اور صاف ستھرا کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو دبا دیا یعنی اس کو کفر و شرک و معاصی میں لگا دیا وہ نامراد رہا یہ لفظ تدسیس سے ماخوذ

کا صیغہ ہے اصل میں دمسہا تھا مضاعف کے آخری حرف کو حرف علت سے بدل دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے تدمیس لغت میں چھپانے کو کہتے ہیں یہاں چونکہ من زکھا کے مقابلہ میں وارد ہوا ہے اس لیے مفسرین نے یہ معنی لیے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو کفر و معصیت میں دبا کر چھپا دیا اسے انوار ایمان انوار طاعات سے چمکدار نہ بنایا وہ ترکیب سے محروم رہا لہذا ہلاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں یہ بھی تھا: (اللهم انت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیہا

ومولاھا)

”اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما دے اور اس کو پاک کر دے تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے تو اس کا

ولی ہے اس کا مولیٰ ہے۔“

کَذَبَتْ كُفُؤُهَا بِطُغُيُهَا ﴿۱﴾ (قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا) یعنی ان کی سرکشی نے انہیں اس پر آمادہ کر دیا کہ اللہ کے رسول کی تکذیب کر دی اور اللہ کی توحید اللہ کی عبادت کی طرف جو انہوں نے بلایا اس میں انہوں نے ان کو جھوٹا بنا دیا، وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام سے جھگڑتے رہے ان سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ جب پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی تو اب اس کے قتل کرنے کے لیے مشورے کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتا دیا تھا کہ دیکھو ایک دن تمہارے کنویں کا پانی یہ اونٹنی پیے گی اور ایک دن تمہارے جانور پیئیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ دغا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے، لیکن وہ باز نہ آئے اور ایک شخص اس پر آمادہ ہو گیا کہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالے۔ فَذَمُّدُوْهُ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَحَسْبُهَا ﴿۲﴾ دمدمہ کا لفظ ایسے سخت عذاب کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا ہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کر دے۔ اور فسوہا کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہو گیا جس میں مرد و عورت بچ بوڑھا سب برابر ہو گئے۔ آخر میں فرمایا: وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿۳﴾ یعنی حق تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت و شوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بقایا یا انکے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بناوت کرنے لگیں غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی کبھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے بجز حق تعالیٰ جل شانہ، کے کہ اس کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

سُورَةُ الْبَيْلَةِ

سُورَةُ الْبَيْلَةِ
۹۲ مَكِّيَّةٌ ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَتَانَا
۲۱

لَا تُؤْتِيهَا
۱

سورہ البیل کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اور اس کی کس آیتیں ہیں

وَالْبَيْلُ إِذَا يَغْشَى ۝ بِظُلْمَتِهِ كُلُّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالنَّهَارُ إِذَا تَجَلَّى ۝ تَكْشِفُ وَظَهَرَ وَإِذَا
 فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِمَجْرَدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلِ فِيهَا فِعْلُ الْقَسَمِ وَمَا بِمَعْنَى مِنْ أَوْ مَصْدَرِيَّةٌ خَلْقُ الذِّكْرِ وَ
 الْأُنْثَى ۝ أَدَمَ وَحَوَّاءَ أَوْ كُلُّ ذَكَرٍ وَكُلُّ أُنْثَى وَالْحُسْنَى الْمُشْكِلُ عِنْدَ نَاذِكِرٍ أَوْ أُنْثَى عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى
 فَيَحْنِثُ بِتَكْلِيمِهِ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا وَلَا أُنْثَى إِنْ سَعَيْكُمْ عَمَلَكُمْ لَشَيْءٍ ۝ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ
 لِلْجَنَّةِ بِالطَّبَاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى حَقَّ اللَّهِ وَوَاتَّقَى ۝ اللَّهُ وَصَدَّقَ
 بِالْحُسْنَى ۝ أَيْ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَسَيَسِيرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ لِلْجَنَّةِ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ بِحَقِّ
 اللَّهِ وَاسْتَعْتَبَى ۝ عَنْ ثَوَابِهِ وَكَذَّابٌ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَيَسِيرُهُ لِنَهْيَتِهِ لِلْعُسْرَى ۝ لِلنَّارِ وَمَا نَافِيَةٌ يُغْنِي
 عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝ فِي النَّارِ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۝ لَتَبِينَ طَرِيقَ الْهُدَى مِنْ طَرِيقِ الضَّلَالِ
 لِيَسْمَلَ أَمْرًا نَابِسْلُوكِ الْأَوَّلِ وَنَهَيْنَا عَنْ اِزْتِكَابِ الثَّانِي وَإِنَّ لَنَا لِلْآخِرَةِ وَالْأَوَّلِ ۝ أَيْ الدُّنْيَا فَمَنْ
 طَلَبَهَا مِنْ غَيْرِ نَافِقًا أَخْطَأَ فَأَنْذَرْتَكُمْ خَوْفَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلْكُمُ ۝ بِحَذْفِ اِحْدَى الثَّانِيَيْنِ مِنْ
 الْأَصْلِ وَقُرْعَى بِبُجُورِهَا أَيْ تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلُحُهَا يَدْخُلُهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝ بِمَعْنَى الشَّقِي الَّذِي كَذَّبَ
 النَّبِيَّ وَتَوَلَّى ۝ عَنِ الْإِيمَانِ وَهَذَا الْحَضْرُ مُؤَزَّلٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَا ذُورُنْ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ فَيَكُونُ
 الْمُرَادُ الصَّلَى الْمُؤَبَّدَ وَسَيَجْتَبِيهَا يَتَعَدُّ عَنْهَا الْأَتَقَى ۝ بِمَعْنَى اتَّقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَكُونُ ۝
 مَثَرٌ كَيْبَاهِ عِنْدَ اللَّهِ بَانَ يُخْرِجُهُ لِلَّهِ لَا رِيَاءَ وَلَا سُمْعَةَ فَيَكُونُ زَكِيًّا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيقِ

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا اشْتَرَى بِلَالًا الْمَعْدَبَ عَلَى إِيمَانِهِ وَأَعْتَقَهُ فَقَالَ الْكُفَّارُ إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِيَبْدِ
كَانَتْ لَهُ عِنْدَهُ فَتْرَلٌ وَمَا لِأَحِبِّ بِلَالٍ وَغَيْرِهِ عِنْدَهُ مِنْ تَعَمُّوٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا فَعَلَ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِ
رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ أَي طَلَبَ ثَوَابَ اللَّهِ وَكَسُوفَ يَرْضَى ۝ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِي الْجَنَّةِ وَالْأَيَةُ تَشْتَمِلُ

مِنْ فِعْلِ مِثْلِ فِعْلِهِ فَيُعْتَدُ عَنِ النَّارِ وَيُنَابِئُ

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپالے) اور دن کی جب
کہ وہ روشن ہو (نمایاں ہو اور چمکے۔ دونوں جگہ اذا محض ظرف کے لیے ہے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (یا معنی
من ہے یا مصدر یہ ہے) جس نے ز اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد و عورت مراد ہے اور واقعی بیجزہ ہمارے اعتبار
سے مشکل سمجھا جائے گا لیکن عند اللہ مرد و عورت ہے، چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد و عورت سے کلام نہیں کروں گا
اور وہ بیجزہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے
کام کرتا ہے اطاعت کر کے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کمانا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور
اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لیے سہولت دیں گے اور جس
نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے
لیے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (مانا فیہ ہے) جب کہ وہ ڈال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے
شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل
کرے اور دوسرے کے اختیار کرنے سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا جو ہمارے علاوہ
دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والو) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (مظنی کی اصل
میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دکتی ہوئی
آگ) اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا (اشعیٰ بمعنی شتی ہے) جس نے (پنمبر کو) جھٹلایا اور روگردانی کی (ایمان سے۔ آیت
ویغفر ما دون ذلك لمن يشاء کی وجہ سے اس حصہ کی تادیل کی جائے گی، لہذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ
مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (یعنی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دینا
ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لیے صرف اللہ کے لیے پیسہ خرچ کرے۔ ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے نہ
ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ
کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جا رہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابو بکرؓ نے تو اس احسان کا
بدلہ چکانے کے لیے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بلالؓ وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے
جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لیے (ثواب حاصل

کرنے کے لیے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لیے بھی ہے جو حضرت ابو بکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا۔)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: ما بہن: مامن کے معنی میں لیا جائے تو ذات باری تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا۔ مجھے مرد و عورت کے پیدا کرنے پر قدرت ہے۔

قولہ: حق اللہ: اس سے اشارہ کیا کہ دونوں مفعول محذوف ہیں اور اعطاء بحسبیت اعطاء کے یہاں ثابت کرنا مقصود تھا و جب اتقاء کی حیثیت سے ثابت کیا جائے تو یہ زیادہ مبلغ اور عام ہوا۔ فتنہ بر۔

قولہ: بلا الہ: یعنی توحید و رسالت کی گواہی دی۔

قولہ: بل الجنة: جناب رسول ﷺ نے فرمایا: ہر شخص کی جنت و دوزخ کی جگہ لکھی، صحابہ کرام نے عرض کی پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ فرمایا: عمل کرو ہر ایک کو اسی عمل کی توفیق ہوتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا سعید سعادت والے کام کرے گا اور شقی شقاوت والے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى (س)

قولہ: نہيئذ: تو مفسر فرماتے ہیں: نیسویہ مہیا کرنے کے معنی میں ہے اور تنگی و آسانی دونوں مہیا ہوتی ہیں۔ (ک)

قولہ: لتبين: علينا الهدى والضلال کا مطلب تقدیر پر اکتفا نہیں بلکہ تبیین ہدایت و ضلالت ہے۔ (م) هَذَا النُّصْر سے اشارہ فرمایا کہ بعض کے لیے عدم مغفرت ہے اور بعض گناہ گار آگ میں داخل ہوں گے۔ (ک)

قولہ: متزكياً به: منسرنے فاعل سے حال بننے کو ترجیح دی ہے۔ (ج)

قولہ: وَهَذَا أَنْزَلَ: ابن جوزی نے اس پر اجماع نقل کیا کہ یہ ابو بکر صدیقؓ کے متعلق اتری۔ (الصواعق) امیہ بن خلف، حضرت بلال کو بچھا مکہ میں طرح طرح سے ایذا میں دیتا۔ جناب صدیقؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنا ایک طاقتور غلام دے کر اسے خرید کر خدمت رسول کے لیے آزاد کر دیا۔ اس طرح کے کئی ستم رسیدہ غلاموں کو صدیقؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ (المخطیب)

قولہ: تُجْزَى: فواصل کے لحاظ سے لایا گیا اصل بجز یہ یا ہا۔ یہ نعمت کی مفت ہے۔ (س)

قولہ: وَمَا أَحْبَبَ: اس کفار کی تکذیب فرمائی کہ یہ احسان رکھنے کو آزاد کیا تو فرمایا۔ اس پر کسی شخص کا احسان نہیں کہ جس کا وہ بدلہ چکاتے۔

قولہ: إِلَّا ابْتِغَاءً: ز معشری کہتے ہیں یہ مفعول نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اس کی خالص عبادت کو لازم کرنے والی ہے۔

۲۔ قضاء و قدر کے فیصلے کے مطابق ہر ایک کو وہی میسر ہے جو علم الہی میں ہے اور نیک کام اختیار کرنا سعید ہونے کی علامت ہے

بشرطیکہ اسی حالت میں موت آئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا بھیج کر راہ ہدایت کی کفالت فرمائی۔ اور کتابیں اتار کر راستے کو واضح کر دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت نے اپنی رضا کا راستہ حلال و حرام اور طاعت و معصیت کو بیان کر کے بتا دیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک و متصرف ہے ثواب اسی کے قبضہ میں ہے۔ جس نے اور کسی سے طلب کیا اس نے راہ کو چھوڑ دیا۔ کسی نافرمان کی نافرمانی سے اسے کچھ نہیں جیسا کسی فرماں بردار کی فرماں برداری سے اسے کچھ فائدہ نہیں، دونوں کا نفع و نقصان خود کرنے والے کی طرف لوٹے گا۔

۶۔ محمد ﷺ پر ایمان کا انکار کرنے والا شقی ازلی ہے وہ ہمیشہ جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت بنائی۔ اب ہر ایک کی مرضی ہے کہ وہ آخرت طلب کرے یا دنیا۔ آخرت کی طلب کا راستہ ایمان و تقویٰ سے ہے اور دنیا کا راستہ وہ طرق اختیار کرنا جو اس کے حصول کے بنائے ہیں۔

۸۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس میں بڑی شان بیان فرمائی گئی ان کو سب امت میں بڑا متقی قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ علامہ زمخشریؒ نے کشاف میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سب سے پہلے بڑے کافر اور سب سے بڑے مؤمن کا موازنہ ذکر فرمایا ہے۔ گویا الاشقی کہہ کر بتلایا کہ آگ کا سب سے بڑا حقدار یہی ہے اور گویا آگ اسی کے لیے بنی ہے۔ اسی طرح اس کے بالقابل الاتقی فرما کر اشارہ فرمایا جنت کا سب سے بڑا حقدار یہی ہے گویا جنت اسی کے لیے بنی ہے۔

۱۰۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شقی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک نیکی بھی نہ کی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی گناہ چھوڑا ہو۔

تفسیر مقبولین

اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل و تحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان و تقویٰ جو دو سخاوت احسان و مروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق، غرور و استکبار، بغل و حق تلفی اور یہ کہ ایمان و تقویٰ مکارم عالیہ اور اخلاق حسنہ کا رخ اختیار کر نیوالا فوز و فلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کر دی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور و استکبار کا رخ انسان کو شقاوت و محرومی کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولاد آدم میں مذکر و مؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گئی، جس سے قدرت خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز شب کی ظلمت و نور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر و مؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہود و عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیاوی مال و منال کوئی عزت کی چیز ہے یا دنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت و پریشانی سے بچا سکتی ہے اسی کے ساتھ اس مؤمن صالح کا ایک تاریخی نمونہ

بھی (جس نے ایمان و تقویٰ اور جود و سخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا، اور وہ ابو بکر صدیقؓ تھے۔
وَالْيَلِ إِذَا يُعْطَىٰ ۝

سورۃ البیل کی پہلی تین آیات میں قسم ہے اور چوتھی آیت میں جواب قسم ہے، اول ارات کی قسم کھائی جب کہ وہ دن پر چھا جائے پھر دن کی قسم کھائی جب وہ روشن ہو جائے پھر اپنی قسم کھائی اور فرمایا
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ (اور قسم ہے اس کی جس نے نر کو اور مادہ کو پیدا کیا)۔ پھر بطور جواب قسم ارشاد فرمایا: إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝ (بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں)۔

انسان کی عام طور سے دو ہی صنفیں ہیں ایک مذکر اور مؤنث (نر اور مادہ) اور عمل کرنے والے انسان ان ہی دو جماعتوں پر منقسم ہیں اور اعمال دن میں ہوتے ہیں یا رات میں زمانہ کے دونوں حصوں کی اور بنی آدم کی دونوں قسموں کی قسم کھا کر فرمایا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں دنیا میں اہل ایمان بھی ہیں اور اہل کفر بھی، اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی گناہوں پر جنے والے بھی ہیں اور توبہ کرنے والے بھی۔ اعمال حسنة اور سیرۃ کے اعتبار سے قیامت کے دن فیصلے ہوں گے۔ حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر شخص کام کاج کے لیے نکلتا ہے اور اپنے نفس کو مشغول کرتا ہے پھر اپنے نفس کو آزاد کر لیتا ہے (یعنی دوزخ کے کاموں سے بچتا ہے) یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

(رواہ مسلم ص ۱۱۸)

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝

اس کے بعد اعمال صالحہ اور اعمال سیرۃ کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنِّيْرًا يُؤْتَىٰ ۝ (سو جس نے دیا اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تصدیق کی سو ہم اس کے لیے آرام والی خصلت اختیار کرنا آسان کر دیں گے)۔ (اور جس نے کجی کی اور بے پروائی اختیار کی اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کو جھٹلایا سو ہم اس کے لیے مصیبت والی خصلت اختیار کرنا آسان کر دیں گے)۔

یعنی دنیا میں مصیبتوں میں پڑے گا اور آخرت میں دوزخ میں جائے گا۔ بعض حضرات نے دونوں جگہ احنسی سے جنت مراد لی ہے یعنی ایمان لانے والے جنت پر ایمان لائے ہیں اور ان کے مخالف دوسرے فریق یعنی کافروں نے اس کو جھٹلایا۔

انسان جو دنیا میں آیا ہے کچھ نہ کچھ عمل کرتا ہے اور دنیا دار الامتحان ہے اس میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں پھر موت کے بعد انجام کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں گے، انسانوں کے احوال مختلف ہیں دنیا کے حالات اور مجلسیں اور صحبتیں بدلتی رہتی ہیں اچھے لوگ برے اور برے لوگ اچھے بن جاتے ہیں۔ مومن ایمان چھوڑ بیٹھتے ہیں اور کافر ایمان لے آتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ لکھا ہوا ہے۔ دوزخ میں بھی اور جنت میں بھی (یعنی کسی کا دوزخ میں جانا لکھا ہے اور کسی کا جنت میں جانا نوشتہ ہے)۔

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تو کیا ہم اس پر بھروسہ نہ کر لیں جو ہمارے بارے میں لکھا جا چکا ہے اور کیا عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کے لیے وہی چیز آسان کر دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص

اہل سعادت میں سے ہے جنی نیک بخت ہے اس کے لیے سعادت والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے بدبختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اس کے بعد آپ نے آیات کریمہ: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿۱﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿۲﴾ (ال آیات) کی تلاوت فرمائیں۔ (رواد البخاری صفحہ ۷۳۷: ج ۲، صفحہ ۷۳۸: ج ۱) آیت کریمہ میں ایسری سے ایمان اور اعمال صالح اختیار کرنا مراد ہے جس کا ترجمہ راحت والی خصلت کیا گیا ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سب کچھ مقدر ہے لیکن انسان عمل میں اپنی سمجھ اور فہم کو استعمال کرے ایمان قبول کرے اعمال صالحہ میں لگا رہے۔ کفر و شرک سے دور رہے اور معاصی سے پرہیز کرتا رہے بندہ کا کام عقل و فہم کا استعمال کرنا اور ایمان قبول کرنا اور اچھے کاموں میں لگنا ہے۔ ایمان کو اور کفر کو بیان فرمادیا اور اَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿۱﴾ میں اعمال صالحہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اَعْطَىٰ میں مال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے اور اتَّقَىٰ ﴿۱﴾ میں تمام گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمادی اور بخیل کا ترجمہ کرتے ہوئے جو واستغنی فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ بخل کرنے والا دنیا والے مال سے تو محبت کرتا ہے اور جمع کر کے رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے پر جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے اس سے استغناء برتا ہے گویا کہ اسے وہاں کی نعمتوں کی ضرورت ہی نہیں۔

وَسَيَجْزِيهَا الْاِتَّقَىٰ ﴿۱﴾

الْاِتَّقَىٰ ﴿۱﴾ مبالغہ کا صیغہ ہے جو کفر سے اور دوسرے معاصی سے بچنے پر دلالت کرتا ہے دوزخ سے بچائے جانے والے نفل کی صفت بتاتے ہوئے: الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱﴾ فرمایا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ اللہ کے نزدیک وہ پاک بندوں میں شمار ہو جائے۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب بیگز کی مال خرچ کرنے والے سے متصل ہو اور اگر مال سے متعلق ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں اللہ سے امید رکھتا ہے کہ اجر و ثواب بڑھتا چڑھتا رہے اور خوب زیادہ ہو کر ملے جبکہ مال صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ دکھاؤ اور شہرت مقصود نہ ہو، اس وقت رضائے الہی مطلوب ہوتی ہے۔

مزید فرمایا: وَمَا لِحَدِيثٍ عِنْدَكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿۱﴾ (اللہ کے لیے مال خرچ کرنے والے بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں کسی کا ان پر کچھ چاہنا نہیں ہے جس کا بدلہ اتار رہے ہیں: اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلَىٰ ﴿۱﴾ ان لوگوں کا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ رضا حاصل کرنے کے لیے ہے۔

وَكَسُوْفٌ يُّؤْتِي ﴿۱﴾ (اور یہ مال خرچ کرنے والا عنقریب راضی ہوگا) یعنی موت کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اس کو وہ نعمتیں ملیں گی جن سے خوش ہوگا۔

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آخری آیات: وَسَيَجْزِيهَا الْاِتَّقَىٰ ﴿۱﴾ سے لے کر آخر تک حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بہت ساتھ دیا جان سے بھی اور مال سے بھی ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی۔ حضرت بلالؓ کو ایمان قبول کرنے کے بعد مشرکین کی طرف سے بہت زیادہ تکلیف دی جاتی تھی ان کی اذیت اور مار پیٹ انہما کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت بلالؓ ایک مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے اور حبشہ کے رہنے والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا اشارہ پا کر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ مشرکوں کو جب اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ابو بکر نے بلال کو خرید کر اس لیے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ابو بکر پر کوئی احسان تھا اس کی تردید کی اور فرمایا: وَمَا لِحِبِّهِمْ عِنْدَنَا مِنَ نِعْمَةٍ يُحْذَرُونَ

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خرید لیا تو حضرت بلالؓ نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے کاموں میں مشغول رکھنے کے لیے خریدا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مشغول رہنے کے لیے خریدا ہے، حضرت بلالؓ نے کہا بس تو مجھے اللہ کے اعمال کے لیے چھوڑ دیجئے، حضرت ابو بکرؓ نے انہیں آزاد چھوڑ دیا اور وہ پورے اہتمام کے ساتھ دین کے کاموں میں لگے رہے پھر ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بن گئے اور آپ کی حیات طیبہ کے آخر عمر تک یہ عہدہ ان کے سپرد رہا چونکہ مکہ معظمہ کی زندگی میں اسلام کے بارے میں مارے پیٹے جاتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں دنیا میں یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اسن و امان کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن رہے اور اذان و اقامت کا کام ان کے سپرد رہا اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بڑے بڑے فضائل ہیں جن میں سے مال خرچ کرنے میں مسابقت کرنا بھی ہے، عموماً اللہ کی راہ میں تو مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے ایک مرتبہ جو رسول اللہ ﷺ نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لے کر آگئے اور خدمت عالی میں پیش کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اے ابو بکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور رسول ہی کافی ہے۔ حضرت عمرؓ خیال کر رہے تھے کہ اس مرتبہ میں ابو بکرؓ سے آگے بڑھ جاؤں گا وہ اپنا آدھا مال لے کر آگئے جب یہ دیکھا کہ ابو بکر اپنا پورا ہی مال لے آئے ہیں تو کہنے لگے کہ میں ان سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جو بھی کوئی احسان ہمارے ساتھ کیا ہے ہم نے ان سب کا بدلہ دے دیا، سوائے ابو بکرؓ کے ان کے جو احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا اور مجھے کسی کے مال سے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جتنا ابو بکرؓ کے ماں نے مجھے نفع دیا اور اگر میں کسی کو اپنا غلیل (یعنی ایسا دوست) بنانا (جس میں کسی کی ذرا بھی شرکت نہ ہو) تو ابو بکرؓ کو غلیل بنا لیتا خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا غلیل ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے نفع دیا، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال آپ ہی کے لیے ہے۔

(سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۰)

فائدہ: سورۃ البیل کے آخر میں حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں وَكَسَفَ يَوْضَىٰ ﷻ فرمایا اور اس کے بعد والی سورت یعنی سورۃ الضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا: وَكَسَفَ يَوْضَىٰ رَبِّكَ فَتَرَىٰ ﷻ دیکھو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے دوست اور معاون خاص یعنی ابو بکر صدیقؓ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے لیکن روانض (شیعہ) نہ اللہ تعالیٰ سے راضی جس نے یہ مرتبہ دیا نہ رسول اللہ ﷺ سے راضی جنہوں نے ابو بکر صدیقؓ کو صدیق خاص اور رفیق غار بنایا اور نہ ابو بکرؓ سے راضی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سارا مال پیش کر دیا اور ہر طرح سے سرفروہ میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ فائدہ: جو کوئی شخص کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا دھیان رکھنا چاہیے جب کبھی موقع ہو اس

کی مکافات کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من صنع اليكم معروفا فانكافوه فان لم تجدوا مانتكافوه فادعوه له حتى تروا نكم قد كافاكموه)۔ (جو شخص تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کر دے تو تم اس کا بدلہ دے دو اور اگر بدلہ دینے کو کہو نہ ملے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دے دے کہ اس کا بدلہ اتر گیا)۔

یاد رہے کہ احسن طریق سے اس کا بدلہ انا رو داس سے یوں نہ کہے کہ یہ تمہارے فلان احسان کا بدلہ ہے اس سے دل رنجیدہ ہوگا اور شریف سخی آدمی بدلہ کے نام سے قبول بھی نہیں کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے احسان کی مکافات کرنا بھی اچھی بات بلکہ مامور بہ ہے لیکن اپنی طرف سے احسان کرنا جو احسان کے بدلہ میں نہ ہو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

سُورَةُ الضُّحَىٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الضحیٰ کہ میں ازسبویں شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

وَالضُّحَىٰ ۝۱
 ۝۱ اَوَّلَ النَّهَارِ اَوْ كُلَّهُ ۝۱ وَاللَّيْلِ اِذَا سَجَى ۝۱ غَطَىٰ لِظَلَامِهِ اَوْ سَكَنَ مَا وَدَّعَكَ ۝۱ يَا مَعْجُزُ رَبِّكَ ۝۲
 ۝۲ مَا قُلْتَ ۝۲ اَبْعَضَكَ نَزَلَ هَذَا الْمَقَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاخُرِ الْوُحْيِ عِنْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنْ رَبَّهُ وَدَّعَهُ ۝۳
 ۝۳ وَقَلَاهُ ۝۳ وَ لِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّكَ ۝۳ لِمَا فِيهَا مِنَ الْكِرَامَاتِ مِنَ الْاَوَّلِ ۝۴ الدُّنْيَا ۝۴ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فِي
 الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً حَبْرًا يَلًا فَتَرْضَى ۝۵ بِه فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَا اَرْضَى وَرَاجِدًا مِّنْ
 اُمَّتِي فِي النَّارِ اِلَىٰ هِنَاتِمَ جَزَابِ الْقَسَمِ بِمُتَّبِعِيْنَ بَعْدَ مُتَّبِعِيْنَ اَلَمْ يَجِدْكَ ۝۶ اِسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ اَيُّ وَجَدَكَ
 يَتِيْمًا ۝۷ بِفَقْدِ اَبِيكَ قَبْلَ وَاَدْتِكَ اَوْ بَعْدَهَا فَاْوَى ۝۸ بَانَ ضَمُّكَ اِلَىٰ عَمِيكَ اَبِي طَالِبٍ وَ وَجَدَكَ
 ضَالًّا ۝۹ عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاَنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ فَهَدَى ۝۱۰ اَيُّ هَذَاكَ اِلَيْهَا وَ وَجَدَكَ عَلِيًّا ۝۱۱ فَتَبَيَّرَ اَوْ فَاغْنَى ۝۱۲
 اَعْنَاكَ بِمَا قَنَعَكَ بِهِ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ غَيْرِهَا وَ فِي الْحَدِيثِ يَبْسُ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَ لَكِنَّ الْغِنَى غِنَى
 النَّفْسِ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرُ ۝۱۳ بِاِخْتِمْ اِلَيْهِ اَوْ غَيْرِ ذَلِكَ وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۝۱۴ تَرْجُوهُ لِفَقْرِهِ وَ

أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنَّبُوءَةِ وَغَيْرِهَا فَحَدِيثٌ ۝ أَحْبَبُ وَحَدِثٌ ضَمِيرُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الْأَفْعَالِ رَعَايَةَ لِلْفَرَاصِلِ

ترجمہ: قسم ہے روشن دن (ابتدائی حصہ یا مکمل دن) کی اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمد) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وہی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمد کے رب نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لیے بدرجہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور ﷺ نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آ کر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو تم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانہ فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو ناراد (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنا دیا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ پر سختی نہ کیجئے) مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑکے اور اپنے رب کی نعمتوں کا (نبت وغیرہ کے سلسلہ میں) اظہار کرتے رہا کیجئے (بیان کرتے رہئے۔ اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے وہ ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: لسانزلت: جب یہ سورت اتری تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی پس اس کے آخر میں اور بعد والی سورتوں کے آخر میں اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا مسنون ہے۔

قولہ: فسن: سورۃ والضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہنا تو آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہوا اور دیگر سورتوں کے اواخر میں تکبیر وہ آپ کے حکم سے ثابت ہوئی، اسی وجہ سے مفسر نے روی الامر یہ فرمایا۔

قولہ: کُلُّهُ: اس صورت میں کلام میں مجاز ہے کہ جزء بول کر کل مراد لیا، اس کا قرینہ اس کے تقابل میں رات کا تذکرہ لانا ہے۔ (سالم التویل)

قولہ: سَكُنْ: جب اس کا اندھیرا پختہ ہو جائے رات کو لیل ساج اس وقت بولتے ہیں جب وہ ٹھہر جائے۔ (مجمع البحار)

رات کے ٹھرنے کا مطلب لوگوں کی آمد رک جانا ہے۔ اب اس میں رات کی طرف سکون کی نسبت مجازی ہوگی اسی سکون اللیل اے اہلہ۔ (کشف الغمابین)

قولہ: تر سک: اس سے اشارہ کیا کہ تودیع کو بطور استعارہ ترک کے معنی میں لیا گیا کیونکہ اس کا حقیقی معنی ذات باری تعالیٰ کے لیے مجال ہے۔ (مصاب)

قولہ: نزل هذا: چار سبب نزول مذکور ہیں۔ ۱۔ بخاری نے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ چند دن بیمار رہے تو ام جہیل نے کہا مجھے امید ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا دو تین راتوں سے تیرے قریب نہیں آیا تو یہ آیات اتریں۔ (بخاری) ۲۔ ابو عمران کہتے ہیں کئی دن جبرئیل نہ آئے تو آپ ﷺ پر گراں گزرا اچانک جبرئیل آگئے جب کہ آپ اپنی پیشانی کعبہ پر رکھے دعا میں مصروف تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ ۳۔ حضرت خولہؓ آپ کے گھر کے کام کاج کر دیا کرتی تھیں وہ کہتی ہیں کہ ایک کتے کا بچہ گھر میں داخل ہو کر چار پائی کے نیچے مر گیا۔ کئی دن گزرے کہ آپ پر وحی نہ آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خولہ! پیغمبر کے گھر میں کیا معاملہ پیش آیا کہ جبرئیل نہیں آتے؟ خولہؓ کہتی ہیں میں نے گھر میں جھاڑو دی جب میں نے چار پائی کے نیچے جھاڑو دیا تو ایک کتے کا بچہ مرا ہوا پایا میں نے اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اسی لمحہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ پر کئی طاری تھی۔ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ ﷺ پر کئی طاری ہو جاتی آپ ﷺ نے فرمایا: اے خولہ! مجھے کپڑا اڑاھا دو تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔ جب جبرئیل آئے تو آپ ﷺ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے نے جواب دیا ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا اور تصویر ہو۔ ۴۔ یہود نے آپ سے روچ، ذوالقرنین اور اصحاب کعب کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کو فرمایا: میں کل تک اطلاع دوں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو وہی رک گئی پھر جبرئیل ولا نقولن لشیع انی فاعل ذلک غدا۔۔۔ الایہ اتری۔ اور آپ کے سوالات کے جواب بتلائے گئے (کذا ذکرہ الخطیب)

قولہ: الہم بجدک: یہ استفہام تقریری ہے اور وجود معنی علم ہے۔ کاف اس کا پہلا مفعول اور بتیبا دوسرا مفعول ہے۔ مطلب: کیا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یمیم نہیں جانا۔ ۲۔ رازیؒ کہتے ہیں: یہ مصارفت کے معنی میں ہے اور بتیبا حال ہے۔ یعنی کیا تجھ کو تیشی کی حالت سے نہیں پھیر دیا۔

قولہ: تزجزؤ: اس کو فخر کی وجہ سے مت ڈانٹو۔ جب وہ سوال کرے یا تو اسے کھانا کھلا دو۔ یا نرمی سے واپس کر دو۔ نہرہ اننہر: ڈانٹنا۔ حسن فرماتے ہیں: سائل کو یا علم کا طلب گار ہے۔

۱۔ وحی پندرہ یا چالیس روز بند رہی پھر یہ سورت اتار کر بتلایا ہم نے نہ اپنے پیغمبر کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ بند ہونے کا کیا مطلب ہے۔

۲۔ اس میں خوشخبری سنائی کہ دنیا میں آپ کے دین کو تفوق و برتری دی جائے گی اور آخرت میں ثواب و شفاعت و دخول جنت میں بھی سبقت حاصل ہوگی۔

۳۔ یہاں تین انعامات کو خصوصاً ذکر فرمایا: ۱۔ تیشی میں سہارا پہلے خواجہ عبدالمطلب کے دل کو پھیرا پھر ابوطالب کو معاند بنا

دیا۔ ۲۔ نادائق سے واقف کر دیا قرآنی احکامات و شرائع سے نوازا اور دین و آخرین کے علوم سے نوازا۔ ۳۔ تنگدستی کے بعد خوشحال کر دیا۔ پہلے خدیجہؓ کے مال سے پھر ابو بکرؓ اور انصارؓ کے اموال اور اموال غنیمت سے۔

۴۔ انعامات کو یاد دلایا تاکہ شکر یہ کی ادائیگی کی جائے۔ شکر یہ یہ ہے کہ انعامات کو ان کے مواقع میں صرف کیا جائے۔

۵۔ یتیم پر ظلم اور مسائل کے ساتھ درشت روی کی ممانعت کی گئی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سب سے بڑا احسان نبوت اور رسالت اور انزال قرآن کا فرمایا، اس کا شکر یہ نشر و اشاعت ہے اور تحریث نعمت اور اس کا اعتراف یہی اس کا شکر یہ ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الضحیٰ بھی کسی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت ﷺ کی شخصیت عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کئے گئے ہیں اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو نوازا گیا ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اسی طرح رسول خدا ﷺ کے نور نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹا دیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر کئے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر نبوی مال و منال اور دولت سے خالی ہاتھ ہو تو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں، اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے مہیا کر دیں ہیں، اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاء الہی ہے جس سے آپ کو سرفراز فرما دیا گیا۔

شان نزول :- اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جناب بن عبد اللہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جناب سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہو گئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ نے فرمایا، ان انت الا اصبع دمیت، وفی سبیل اللہ ما لقیبت، یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہو گئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے (اس لیے کیا غم ہے) حضرت جناب نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبریل امین کوئی وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا، اس پر یہ سورت فصحی نازل ہوئی حضرت جناب کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لیے نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسرے کو اور یہ عورت جس نے آنحضرت ﷺ کو طعنہ دیا ام جہل ابولہب کی بیوی تھی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جس کو زمانہ فقرت وحی کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔ ایک واقعہ تاخیر وحی جا اس وقت پیش آیا جبکہ مشرکین یا یہود نے آنحضرت ﷺ سے روح کی حقیقت کے

متعلق سوال فرمایا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بندرہ اس پر مشرکین نے یہ طعنے دینا شروع کئے کہ محمد ﷺ کا خدا نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بندرہ اس پر مشرکین نے یہ طعنے دینا شروع کئے کہ محمد ﷺ کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا، اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورۃ فتحی کے نزول کے بعد ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔

غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ فتحی میں دیا گیا ہے۔ پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا ب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی فطرت اور ناراضگی کی دلیل نہیں، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رکے رکھنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝

یعنی آپ ﷺ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ ﷺ کے نزول اور انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے۔ یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اول و آپ ﷺ کے چھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بیچارہ درجہ بڑھ کر ہے۔

وَأَسْوَیٰ يُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

یعنی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اس میں اشارہ عموماً کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا پھرا مت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلنا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذالارضی و واحد من امتی فی النار یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا۔ (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے ریت یا محمد، اے محمد ﷺ اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یا رب رضیت یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عامر کی روایت ہے کہا ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے: فَمَنْ تَبِعْنِي فَاِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَاِنَّكَ غَافٍ ۝۱۱ ح۱۱ پھر دوسری آیت تلاوت فرماد جس میں حضرت

یسی علیہ السلام کا قول ہے: ان تعذبہم فانہم عبادک پھر آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ و زاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے: اللھم امتی امتی، حق تعالیٰ بے جبرئیل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں آپ کو دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہو گئی (اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد ان کی وفات ہوئی)۔ آپ یتیم تھے ہی جب پانچ سال کی عمر ہوئی آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں اور وہ بھی مقام ابواء میں جو جنگل بیابان تھا وہاں سے آپ کی باعمری ام امینؓ مکہ معظمہ لے گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی پھر چند سال بعد ان کی بھی وفات ہو گئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری لی اور بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کی، اسی کو فرمایا: اَللّٰهُ یَجِدُکَ یَتِیْمًا قَلْبًا ۝ (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ شفقت کے ساتھ پرورش کرائی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور انعام ہے۔ وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی ۝ (اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتا دیا)۔ اس میں دوسرا انعام بیان فرمایا اور وہ یہ کہ آپ بھی تھے پڑھے لکھے نہیں تھے۔ جن لوگوں نے آپ کی کفالت کی ان کو بھی خیال نہ آیا کہ آپ کو کچھ پڑھائیں باہر کے لوگوں سے بھی کوئی سبب جو نہ تھا جو کچھ علم حاصل کر لیتے اور خاص کر دینی علوم و معارف اور احکام و مسائل کے جاننے کا تو کوئی طریقہ تھا ہی نہیں، جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے: مَا کُنْتَ تَدْرِی مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِحْسَانُ وَ لٰکِنّی جَعَلْتَهُ نُوْرًا مُّہْدِیْۃً یٰہِ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا اللّٰهُ تَعَالٰی نے کرم فرمایا آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا، کامل اور جامع شریعت عطا فرمائی، اپنی معرفت بھی عطا کی، ملائکہ سے متعلق علوم بھی دیئے۔ حضرت گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال بھی بتائے، آخرت کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا، اصحاب جنت اور اصحاب جہنم کے احوال سے بھی باخبر فرمایا اور وہ علوم نصیب فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔

سورۃ النساء میں فرمایا: عَلَّمْتکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ. وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (اور اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے)۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّا فَضَّلْنَاکَ کَمَا نَحْبُو (بلاشبہ اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے)۔

وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَاهْتَدٰی ۝ (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مال پایا سو آپ کو غنی کر دیا)۔ آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب کرتے رہے لیکن وہ مالدار آدمی نہیں تھے انہیں کے ساتھ گزر بسر کرنا ہوتا تھا جو ان کا حال تھا وہی آپ کا حال تھا، آپ کی اتنا داری کی صفت مشہور تھی۔ حضرت خدیجہؓ تجارت کے لیے اپنا مال ملک شام بھیجا کرتی تھیں (جیسا کہ اہل مکہ کا طریقہ تھا) جب آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال ہوئی تو انہوں نے آپ کی صفات سن کر آپ کو بطور مضاربہ تجارت کا مال دے کر ملک شام جانے کی درخواست کی، آپ نے منظور فرمائی۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا،

آپ ملک شام سے واپس تشریف لائے تو سیدہ خدیجہؓ کے غلام نے آپ کی بڑی بڑی صفات بیان کیں اور وہ باتیں بتا کر جس کا ظہور عموماً نہیں ہوا کرتا نیز مال تجارت میں نفع بھی بہت زیادہ ہوا سیدہ خدیجہ بیوہ عورت تھیں پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں ان سے اولاد بھی تھی انہوں نے آپ کو نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابوطالب آپ کے چچا اور خاندان کے دیگر افراد آپ کے ساتھ گئے اور سیدہ خدیجہؓ سے نکاح ہو گیا۔ سیدہ خدیجہؓ مالدار عورت تھیں انہوں نے اپنے مال میں آپ کو تصرف کرنے کا حق دے دیا (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتا ہے اسی لیے مفسرین نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: "ای فاعناک بہال خدیجۃ"۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۷۹﴾

(اور آپ اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی تعداد میں نعمتیں عطا فرمائیں، دنیا میں بھی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، مال بھی دیا، شہرت و عظمت بھی دی اور سب سے بڑی نعمت جس سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا وہ نبوت اور رسالت کی نعمت ہے، آپ کے کروڑوں امتی گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کروڑوں قیامت تک آئیں گے اور ہر وقت آپ پر کروڑوں درود بھیجے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان نعمتوں کی قدر دانی کریں اس قدر دانی میں یہ بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان فرمائیں۔ اس میں آپ کی امت کو بھی تعلیم دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کیا کریں۔ (البتہ تحدیث بالنعمت کے ہم پر ریا کاری اور خود ستائی اور فخر و مباہات نہ ہو)۔

حضرت ابو الاحوصؓ نے اپنے والد سے روایت کی (جس کا نام مالک بن نضر تھا) کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں گھٹیا درجے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آپ نے دریافت فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا کون سے اموال میں سے ہے؟ میں نے کہا ہر قسم کا مال اللہ نے مجھے دیا ہے اونٹ، گائے، بکری اور گھوڑے اور غلام سب موجود ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا جب تجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر نظر آئے۔

(رواہ احمد والنسائی کفای المصلو: صفحہ ۲۷۰)

معلوم ہوا تحدیث بالنعمت اپنے حال اور مال اور قال تینوں سے ہونی چاہیے شرط وہی ہے کہ صرف اللہ کی نعمت ذکر کرنے کی نیت ہو بڑائی بگھارنا اور ریا کاری مقصود نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطلک اثنتان سرف وغیبۃ (کما جو چاہے اور پہن جو چاہے جب تک کہ دو چیزیں نہ ہوں، ایک فضول خرچی دوسرے تکبر)۔

(رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب کالی المصلو)

فائدہ: سورۃ الضحیٰ سے لے کر آخری سورت سورۃ الناس کے ختم تک ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر پڑھنا حضرات قراء کرام کے نزدیک سنت سے ثابت ہے جسے وہ اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ امام القراء حضرت شیخ ابن جزری نے بتایا

معرفة كتاب التشرني القراءات العشر کے آخر میں صفحہ ۷۰۵ سے لے کر صفحہ ۷۳۸ تک اس پر بہت لمبی بحث کی ہے اور حصر کے بیٹے اور حضرات قراء کرام کا عمل اور حدیث کی سند پر خوب جی کھول کر لکھا ہے اور مستدرک حاکم کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرات محدثین کرام حدیث مسلسل بالقراء بھی نقل کرتے ہیں جو قاری مقرئ عبد اللہ بن کثیر کی (احد القراء السبعة) کے راوی ابوالحسن محمد بن احمد البزازی سے مروی ہے۔ حضرت شاد اولی اللہ صاحب نے بھی اس کو اپنی مسلسلات میں ذکر کیا ہے چونکہ حضرت امام بزی حدیث کے راوی ہیں اس لیے ان کے نزدیک تو تکبیر پڑھنا شروع اور مسنون ہے ہی دیگر قراء سے بھی اس کا پڑھنا مروی ہے پھر بعض قراء صرف اللہ اکبر پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعض قراء سے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر دونوں لفظ کہنا منقول ہے جن سورتوں کے درمیان تکبیر پڑھی جائے وقف اور وصل کے قواعد کا خیال رکھا جائے سورت کو ختم کر کے اللہ اکبر کہہ کر آئندہ سورت کے شروع کرنے کے لیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے اور ایک ہی سانس میں پڑھ لے یہ بھی درست ہے یہ وصل کل کی صورت ہے اور اگر تینوں پر قطع کرے تو یہ بھی درست ہے جو فصل کی صورت ہے البتہ وصل اول اور وصل ثانی کے ساتھ فصل ثالث نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بسملہ آنے والی سورت سے منفصل ہو جائے گی۔ جب کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اول سورت کے لیے مشروع ہے یہ جو کہا کہ وصل اور وقف کے قواعد کا خیال رکھا جائے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ماکن کو حرکت دیتے ہوئے اور ہمزہ وصل کو ماقط کرتے ہوئے پڑھتے چلے جائیں مثلاً سورہ الضحیٰ ختم کر کے یوں پڑھے لُحْدُثِ اللّٰہِ اکبر اور سورۃ العادیات کو ختم کر کے یوں پڑھا جائے: تجبیر اللہ اکبر بسم اللہ الرحمن الرحیم القدرۃ۔

سُورَةُ الْاَنْشُورِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ انشور

۹۲ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انعام

۸

زلزالہا

۱

اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْہَامَ تَقْرِیْرِ اٰیٍ شَرَحْنَا لَکَ ۙ یَا مُحَمَّدُ صَدْرَکَ ۙ بِالتَّبُوْرَةِ وَغَیْرِہَا وَوَضَعْنَا حَطَطْنَا
 عَنْکَ وَزَدْنَا لَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ اَنْقَلَ ظَهْرَکَ ۙ وَهَذَا کَقَوْلِہِ تَعَالٰی لِیَغْفِرْ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ
 زَمَانًا نَّخْرَ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۙ بِاَنَّ تُذْکَرُ مَعَ ذِکْرِیْ فِی الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشْہِدِ وَالْحُطْبَةِ وَغَیْرِہَا
 لِاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ الشِّدَّةَ یُسْرًا ۙ هُوْلَةٌ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ وَالتَّبٰی صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَاسْئَلُ مِنْ

الْكَفَّارِ شِدَّةٌ ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْبُشْرُ بِنَصْرِهِ عَلَيْهِمْ فَأَذَا فَرَّغَتْ مِنَ الصَّلَاةِ فَأَنْصَبَ ۖ اثْمَثَ فِي الدُّعَاوِ

ع ۱۱
إِلَى رَبِّكَ فَأَرْعَبَ ۖ تَضَرَّعُ

ترجمہ: آیاتم نے (اے محمد) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لیے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے، استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لیغفر لک اللہ ما تقدہ من ذنبک وما تاخر میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آواز بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت ﷺ کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جیلنی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لیے سہولت پیدا فرمادی) لہذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو نعت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جائیے (گڑ گڑائیے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: شَرَحْنَا: اس سے اشارہ کر دیا یا یہ الم تشریح میں استفہام تقریری ہے۔ جب استفہام نفی پر آئے تو وہ تقریر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے۔ معنی کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر ماضی کا عطف کیا گیا ہے۔ یہ عطف مثبت علی التسلی کی قسم سے ہے۔ عطف انشاء علی المحر کی قسم سے نہیں۔ (ناہم)

قولہ: انقل: عرب کہتے ہیں: انقص الحمل الظهر یعنی وزن نے کمر کو بوجھل کر دیا (مصباح) صاحب خازن کہتے ہیں کہ کمر کو بوجھل داس قدر کمزور کر دیا یہاں تک کہ کجاوے جیسی چڑھ کی آواز سنائی دیتی تھی۔

۱۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان بعض خصوصی انعامات کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان بندے محمد ﷺ پر فرمائے۔ ۱۔ شرح صدر کر دیا تاکہ نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کو اٹھانا آسان ہو۔ ۲۔ مغفرت و نوب جو آپ کی نسبت سے تھے آپ کو تمام معصوم انبیاء علیہم السلام کا سردار بنایا۔ ۳۔ آپ کے تذکرہ کو بلند کر دیا چنانچہ اذان، اقامت، تشہد، جمعرات کے منبروں پر، فطر، اضحیٰ اور تشریق، عرفہ کے ایام میں اور اور رومی، جمار کا موقعہ ہو یا صفا مردہ کی چوٹیاں، خطبات تذکیر و وعظ ہو یا نکاح غرض مشارق و مغارب میں پہنچاؤ یا طے کرنا دائرہ الابدان۔

۲۔ ایمان والے کے سینہ کا ایذاؤں کو برداشت کرنے کے لیے وسیع ہونا ایک عظیم الشان نعمت ہے۔

۳۔ تنگی کے ساتھ ہمیشہ آسانی ہوتی ہے اور ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی مومن کی امیدیں ہمیشہ خوشی سے ملی رہتی ہیں۔ اہل عرب جب معرفہ کو دو مرتبہ لائیں تو ایک چیز ہی مراد ہوتی ہے اور اگر وہ کو دو بار لائیں تو الگ الگ چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ چنانچہ العسر معرفہ اور یسر معرفہ آیا ہے۔

۴۔ مؤمن کی زندگی میں لہو باطل نہیں ہوتا اور نہ کسی گھڑی فراغت ہوتی ہے کہ اس میں دنیا یا آخرت کے کاموں میں مشغولیت نہ ہو وہ سستی و عیش پرستی کی زندگی نہیں گزارتا۔ مسلمان نے جب سے جہاد کو چھوڑا۔ اس وقت سے کفر اس پر مسلط ہو گیا اور یہ رہے گا جب تک یہ اپنی حالت اصلیہ کی طرف نہ لوٹیں گے۔

۵۔ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی توکل کرنا اور اسی ہی کی بارگاہ میں گڑ گڑانا چاہیے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینان کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر و تشویش کو دور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ ﷺ کے قومی شکستہ ہو رہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آرہے تھے انکے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ ﷺ کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ نئی زندگی کے شداوند اور مشقتوں سے آپ خاطر برداشتہ نہ ہو۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہرنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

اللَّهُ كَشَّحَ لَكَ صَدْرَكَ ۝

یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا سینہ کو نور نبوت سے بھی بھر دیا اور علم و معرفت سے بھی ایمان کی دولت سے بھی، ممبر و شکر سے بھی، کتاب و حکمت سے بھی، قوت برداشت سے بھی، وحی کی ذمہ داری اٹھانے سے بھی، دعوت ایمان پر اور دعوت احکام پر استقامت سے بھی، اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر انعام فرمائے ان میں ایک بہت بڑا انعام شرح صدر بھی ہے آپ کی برکت سے آپ کی امت کو بھی شرح صدر کی نعمت حاصل ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: **فَمَنْ يُؤَدِّ لِلَّهِ أَنْ يَهْدِيَنَّهُ سُبُلَ الْحَيَاةِ** کی پھر فرمایا بیشک جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ عرص کیا کیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے فرمایا ہاں اس کی یہ نشانی ہے کہ دارالغرور (دھوکہ والا گھر یعنی دنیا) سے بچتا رہے اور دارالخلود (یعنی ہمیشہ رہنے کے گھر) کی طرف توجہ رکھے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری رکھے۔ (رداء اللمعی فی شعب الایمان کما فی المسئلۃ ص ۴۶)

بعض حضرات نے یہاں ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کو چاک کر کے علم اور حکمت سے بھر دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے یہ کام کیا۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اپنی رضائی والدہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں بچپن میں رہتے تھے اور ایک مرتبہ معراج کی رات میں پیش آیا۔ (مسارواہ المسلم بخاری) اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ سے درمنثور میں صفحہ ۳۶۳ ص ۶ میں نقل کیا ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال چند ماہ تھی صاحب درمنثور نے یہ واقعہ ائد مند احمد سے نقل کیا ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝

اس بوجھ سے کون سا بوجھ مراد ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورہ فتح کی آیت: لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کے ہم معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اعمال جو آپ سے لغزش کے طور پر بلا ارادہ یا غلط اجتہادی کے طور پر صادر ہوئے ان کا جو بوجھ آپ محسوس کرتے تھے اور اس بوجھ کا اس قدر احساس تھا کہ اس احساس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یعنی خوب زیادہ بوجھ بنا دیا تھا، وہ بوجھ ہم نے ہٹا دیا یعنی سب کچھ معاف کر دیا۔

احقر کے خیال میں اس آیت کو سورہ فتح کی آیت میں لینے کے بجائے یہ معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو علامہ قرطبی نے عبدالعزیز بن یحییٰ اور حضرت ابو عبیدہ سے نقل کیا، یعنی: خففنا عنك اعباء النبوة والقيام بها حتى لا تنقل عليك۔ یعنی ہم نے نبوت سے متعلقہ ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیا تاکہ آپ کو بھاری معلوم نہ ہوں، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت بھی بہت دی اور کام بھی بہت دیا مشرکین کے درمیان توحید کی بات اٹھانا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ آپ کو تکلیفیں بہت پہنچیں جن کو آپ برداشت کرتے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے صبر دیا اور استقامت بخشی پھر ایمان کے راستے کھل گئے، آپ کے صحابہ بھی کار دعوت میں آپ کے ساتھ لگ گئے اور عرب و عجم میں آپ کی دعوت نام ہو گئی۔ فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ من جاہد معہ۔

وَدَقَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

اس کی تفصیل بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا اذان میں، اقامت میں، تہجد میں، خطبوں میں، کتابوں میں، وعظوں میں، تقریروں میں، تحریروں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم بالا میں بلایا آسمانوں کی سیر کرائی، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جب کسی آسمان تک پہنچتے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دروازہ کھلاتے تھے، وہاں سے پوچھا جاتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے تھے کہ میں جبرائیل ہوں پھر سوال ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے تھے کہ محمد ﷺ، اس طرح سے تمام آسمانوں میں آپ کی رفعت شان کا چرچا ہوا۔ علامہ قرطبی نے بعض حضرات سے اس کی تفسیر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ آپ کی تشریف لانے کی بشارت دیں اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند ہوگا۔ جبکہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا اور اس وقت اولین و آخرین رشک کریں گے۔ آپ کو کوثر عطا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں اہل ایمان تو محبت اور عقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہی ہیں اہل کفر میں بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے دنیا داری کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا لیکن آپ کی رسالت نبوت اور رفعت و عظمت کے قائل ہوئے آپ کی توصیف و تعریف میں کافروں نے مضامین بھی لکھے ہیں اور نعتیں بھی کہی ہیں اور سیرت کے جلسوں میں حاضر ہو کر آپ کی صفات اور کمالات برابر بیان کرتے رہتے ہیں۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ جو مشکلات درپیش ہیں یہ ہمیشہ نہیں رہیں گی اور اسے مستقل ایک قانون کے طریقہ پر بیان فرمادیا کہ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے اس کلمہ کو دہر تہہ فرمایا جو

آپ کے لیے بہت زیادہ تسلی کا باعث ہے، آپ کے بعد آنے والے آپ کی امت کے افراد و اشخاص جب آپ کے بتائے ہوئے کاموں میں لگیں اور دینی دعوت میں مشغول ہوں تو مشکلات سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے دور ہونے کی امید رکھیں، ابتدا میں مشکلات ہوتی ہیں پھر ایک ایک کر کے چھٹی چل جاتی ہیں۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ عبدالرزاق و ابن جریر و حاکم و بیہقی حضرت حسن سے (مرسل) نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بہت خوشی کی حالت میں ہنستے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ فرما رہے تھے کہ میں اب غلبہ عسیرین (کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غائب نہیں ہوگی) اور آپ یہ پڑھ رہے تھے: **فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ**

دوسری روایت میں یوں ہے جو بحوالہ طبرانی اور حاکم و بیہقی (فی شعب الایمان) حضرت انس بن مالک سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل آئے جو اس پتھر میں اندر داخل ہو جائے تو آسانی بھی آئے گی جو اس کے پیچھے سے داخل ہوگی اور اس کو نکال دے گی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جب کسی اسم کو معرف باللام ذکر کیا جائے پھر اسی طرح دوبارہ اس کا اعادہ کیا جائے تو دونوں ایک ہی شمار ہوں گے اور اگر کسی اسم کو نکرہ لایا جائے اور پھر ان کا بصورت نکرہ اعادہ کر دیا جائے تو دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے گا۔ جب آیت کریمہ میں عسر کو دوبار معرف لایا گیا اور یسر کو دوبار نکرہ لایا گیا تو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہو گیا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی ہے اس میں جو مشکلات ہیں ان کا مجموعہ شئی واحد ہے مشکلات کے بعد دنیا ہی میں آسانی آتی رہتی ہے ایک آسانی تو یہ: دئی، اور دوسری آسانی وہ ہے جو الایمان کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کا **لَسْتُمْ بِتَرِيذٍ لِلْيُنُوسِ** میں وعدہ فرمایا ہے اور وہ بہت بڑی نعمت ہے یہ دنیا کی تھوڑی سی مشکلات جن کے بعد دنیا میں اور آخرت میں بڑی بڑی آسانیاں نصیب ہو جائیں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۚ

یعنی داعیہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اس میں بہت سادقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے لیکن ایسی عبارت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا ضروری ہے جب آپ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں میں فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی غلطیوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں، تاکہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر و ثواب بھی ملے جو براہ راست عبادت اور انابت میں ہے۔ اور حقیقت میں یہ جو بلا واسطہ ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لیے ان کی تخلیق ہوئی ہے جسے سورہ واندازیات کی آیت: **وَمَا خَلَقْنَا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَا** میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اس پر عمل کرتے تھے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادت میں بھی مشغول رہتے تھے آپ راتوں رات نماز میں کھڑے

رہتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔

سُورَةُ الشَّامِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الشَّامِ

سُورَةٌ ۹۵ آيَاتٌ ۲۸

رُتِبَتْهَا

اِتِّخَذَتْهَا

اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سورہ شام میں نازل ہوئی

وَالَّتَيْنِ وَالرَّيْتُونَ ۝ أَيِ الْمَأْكُولِينَ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُبْتَنَانِ الْمَأْكُولِينَ وَ طُورِ سَيْنِينَ ۝ أَجْرًا
الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ تَعَالَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَمَعْلَى سَيْنِينَ الْمُبَارَكِ أَوْ الْحَسَنِ بِالشَّامِ الشُّعْرَةَ
وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ مَكَّةَ لِأَمْنِ النَّاسِ فِيهَا جَاهِلِيَّةً وَاسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ فِي
أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ نَعْدِلُ لِصُورَتِهِ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ فِي بَعْضِ أَقْرَابِهِ أَسْفَلَ سَفَلِينَ ۝ كِتَابَةٌ عَنِ النَّهْمِ
وَالضُّعْفِ فَيَنْقُضُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِ عَنِ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُونُ لَهُ أَجْرُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِلَّا أَيُّ لَكِنَّ الَّذِينَ
أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ مَقْطُوعٌ زَيْفِي الْحَدِيثِ إِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ
مَا يَعْجِزُهُ عَنِ الْعَمَلِ كَتَبَ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يَكْذِبُكَ أَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدُ أَيُّ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ
الْإِنْسَانِ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ ثُمَّ رَدَّاهُ إِلَى أَرْضِ الْعُرِّ الدَّالِ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبُحْثِ بِاللَّذِينَ ۝ بِالْجَزَاءِ
الْمُسْتَوْقِ بِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ أَيُّ مَا يَجْعَلُكَ مَكْذِبًا بِذَلِكَ وَلَا جَاعِلٌ لَهُ إِلَّا اللَّهُ بِأَحْكَمِ
بِالْحَكِيمِينَ ۝ أَيُّ هُوَ أَقْضَى الْقَاضِينَ وَحُكْمُهُ بِالْجَزَاءِ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ مَنْ قَرَأَ الْبَتِينَ إِلَى آخِرِهَا
فَلْيَقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ

ترجمہ: قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں۔ جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور سینین کے معنی مبارک کے ہیں یا چلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ام

نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچہ (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے۔ چنانچہ مومن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب بدستور رہتا ہے۔ اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھے (اے کافر) کون جھٹلانے والا بتا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بحث و حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔ جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورہ والعتین پڑھے تو اسے ختم پر پہلی وانا علی ذلک من الشاہدین کہنا چاہئے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: بِالتین مکہ: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اردنیہ: ابن عباسؓ وقادہؓ کا قول ہے۔
 قولہ: وَالَّتَيْنِ: اللہ تعالیٰ نے ان کے سوائے جلیلہ کی وجہ سے قسم اٹھائی۔ منہ کی بو کو انجیر دور کرتی اور مٹانہ کی رگ کے لیے مفید۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے استعمال فرمایا ہے۔ انجیر پھل اور غذا دونوں ہے۔ زیتون: یہ پھل اور علاج ہے۔
دونوں درختوں کے نام پر پہاڑوں کا نام رکھ دیا اس لیے کہ یہ وہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔
 قولہ: أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ: اللہ تعالیٰ انسان کو مدید القامت بنایا باقی تمام سر لٹکا کر چلنے والے ہیں، پھر یہ اپنی خوراک ہاتھوں سے منہ میں ڈالتا ہے جب کہ دوسرے منہ سے لیتے ہیں نیز اس کو علم، فہم، عقل، تمیز گفتار و ادب دیا۔ غرض یہ ظاہر و باطن ہر دو کے فائدے احسن ہے۔ (خازن)
 قولہ: أَسْفَلَ: ۱۔ مفعول سے حال ہے۔ ۲۔ یہ مکان کی صفت ہے۔ یعنی مکان اسفل سافلین اور سافل یہ صبیان، ابلج، بچے، شیخ فانی ہیں جو کوئی جیلہ اور راہ نہیں پاتے۔ ہر قوت میں ضعف آجاتا ہے۔
 قولہ: أَسْفَلَ سَافِلِينَ: ارزل عمر مراد ہے، جو سورہ النحل میں ذکر فرمائی۔ نردھم الی ارذل العمر۔۔۔ الایۃ۔ اور الالذین سے یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یہ ۹۵ یا ۷۵ سال ہے۔ منقطع سے بقول شہاب کے افراد کا حکم سے نکالنا مقصود نہیں ہوتا۔
 اکی پر انقطاع و اتصال کا دار و مدار ہے نہ کہ خروج و دخول۔ (فتدبر)
 قولہ: هُوَ أَقْضَى الْقَاضِينَ: اس سے مفسر اشارہ فرماتے ہیں: یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے اس کا فیصلہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے بڑھ کر نافذ ہونے والا ہے۔ دوسروں کے فیصلے خطاؤں سے پر ہوتے ہیں یا رد کر دیے جاتے اور مخلوق میں اکثر نافذ نہیں ہوتے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقدس مقامات کا ذکر فرمایا، جہاں انجیر اور زیتون اگتے ہیں اور یہ انبیاء کے ٹھہرنے اور وحی کے اترنے کے مقامات ہیں طور سینا وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ کلیم بنے، مکہ وہ بلد امین ہے، خلیل اللہ نے جس کی بنیاد رکھی اور قرآن کا مہبط ہے۔

۲۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جوانی پھر وہ ہرم اور ضعف کی وجہ سے بچے کی طرح بن گیا۔

۳۔ ایمان اور عمل صالح والوں کے بڑھاپے میں وہ اعمال حسنة لکھے جاتے ہیں جو جوانی میں کرتے تھے۔

۴۔ کافر کو ڈانٹ پلائی گئی کہ جب بچپن سے جوانی اور بڑھاپے کی تبدیلیاں تیرے سامنے ہیں تو بعثت و جزاء کی تبدیلی کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۵۔ جب اللہ تعالیٰ کا صالح ہونا تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کا عدل و انصاف والے فیصلے کا اس کی مخلوق میں نفاذ کیوں نہیں مانتے۔
وہ تو احکم الحاکمین ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ التین کی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں، کئی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ حساب اور جزاء اعمال ہے، سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان دو عظیم المنفعتہ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طور سینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہن کو متوجہ کیا گیا، جوان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طور سینا پر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا،

انجیر و زیتون کثیر المنفعتہ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں اس وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں: لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم فرمایا نہایت ہی مناسب ہوا، پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے، قدرت خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے، اس کے بعد کفار پر دہخید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعثت بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخرت کس بناء پر قیامت اور بعثت بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے، حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کو احکم الحاکمین مانتے۔

وَالَّذِينَ وَالزَّيْتُونَ

اللہ تعالیٰ شانہ نے تین اور زیتون اور البلد الامین (شہر مکہ مکرمہ) اور طور سینین کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا پھر اسے پست ترین حالت میں لوٹا دیا۔ تین انجیر کو کہتے ہیں اور زیتون ایک مشہور

گھٹنوں پر مشتمل ہیں، ان کے درمیان شہوت کی چیز ہے اور ناپاکی کے نکلنے کا راستہ بھی ہے۔ کمر کا موڑ جھکنے کے لیے ہے جو رکوع کرنے میں اور نیچے کی چیزیں اٹھانے میں کام دیتا ہے، پھر گھٹنوں کا موڑ ہے اس کے ذریعے اکڑوں بیٹھتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اور کرسی پر بیٹھتے ہیں تو پنڈلیاں لٹکالیتے ہیں، اگر گھٹنوں کا موڑ نہ ہوتا تو کرسی پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا، پھر ابھرے ہوئے ٹخنوں کا حسن دیکھو اور انگلیوں کا تناسب اور تناسب دیکھو ساتھ ہی ناخنوں کے حسن و جمال پر بھی نظر ڈالو، اور ہاں پاؤں کا پھیلاؤ بھی تو دیکھنا چاہیے اگر پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوتے صرف ایڑیوں پر ٹانگیں ختم ہو جاتیں تو میاں صاحب یہاں گرتے اور وہاں گرتے، نہ چلتے نہ پھرتے نہ دوڑتے نہ بھاگتے وغیرہ وغیرہ، یہ انسان کی جسمانی ساخت ہے جو کمال و جمال کا آئینہ ہے اور اعضائے انسانی کی حرکات میں جو ادائیں ہیں ان کے حسن کو بھی انسان ہی سمجھ پاتا ہے جسمانی کمال و جمال کے علاوہ اللہ جل شانہ نے انسان کو جو عقل و ادراک نصیب فرمایا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسری مخلوقات پر حکمران ہے بحر و بر پر اس کی حکومت ہے اور جو کچھ اس نے اپنے آرام و راحت کی چیزیں ایجاد کی ہیں عمارتیں بنائی ہیں طیارے سیارے چلائے ہیں۔ ان سب میں اس کے ظاہری اعضاء اور فہم و ادراک دونوں چیزوں کا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت اور فوقیت دی ہے۔ سورۃ الاسراء میں اس کے بارے میں فرمایا: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ فِي الْاَنْبِيَا وَنَبَا وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الْاَنْبِيَا وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا** (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سے مخلوقات پر فوقیت دی) کسی شاعر نے انسان کو خطاب کر کے کہا ہے۔

وتزعم انك جرم صغير - وفيك انطوى العالم الاكبر

انسان کے احسن تقویم ہونے کا ایک بہت بڑا مظاہرہ اس میں بھی ہے کہ کسی بھی بد صورت سے بد صورت انسان سے سواں کیا جائے کہ تو فلاں خوب صورت حیوان کی صورت میں داخل ہونے کو تیار ہے تو وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا، نہ کر سکتا ہے۔
ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝۱

پہلے جملے میں ساری مخلوقات اور کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا، اس جملے میں اس کے بالقابل یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتدا اور شباب میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بد سے بدتر اور برے سے برا ہو جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور برائی اس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد شکل و صورت بدلنے لگتی ہے بڑھا پا اس کا روپ بالکل بدل ڈالتا ہے، بد ہیئت بد شکل نظر آنے لگتا ہے بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان ان سے دو دھ اور سواری بار برداری کے اور دوسری قسم کے سینکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کر دیئے جائیں یا مر جائیں تو بھی ان کی کھال، بال، ہڈی، غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے بخلاف انسان کے کہ جب وہ بیماری اور بڑھاپے میں عاجز و زور مانده ہو جاتا ہے تو مادی اور دنیا داری کے اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا مرنے کے بعد بھی اس کے کسی جز سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی مادی اور

جسمانی کیفیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ (کمانی القریبی)

اس تفسیر پر آگلی آیت میں جو مؤمنین صالحین کے استثناء یعنی: إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے میں کے حالات اور عجز و در ماندگی نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا بلکہ نقصان صرف ان لوگو کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی مادی درستی پر خرچ کی تھی وہ اب ختم ہوئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، بخلاف مؤمنین صالحین کے کہ ان کا اجر و ثواب کبھی قطع ہوئیگا نہیں۔ اگر دنیا میں بڑھاپے کی بیماری کمزوری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں ان کے لیے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں ان کے لیے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری میں بھی عمل کم ہو جانے کے باوجود ان کے نامہ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیتے ہیں کہ جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو (راہ البغوی فی شرح السنن البخاری من ابی موسیٰ مطلق الریض والسرائر) اس کے علاوہ اس مقام پر مؤمنین صالحین کی جزاء جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بجائے لہم جز غیر ممنون فرمایا ہے یعنی ان کا اجر کبھی موقوف و منقطع ہوئیگا نہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ صلہ دنیا کی مادی زندگی ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لیے بڑھاپے اور ضعف میں ایسے خلف رفقاء مہیا فرمادیتے ہیں جو ان کے آخری لمحہ تک ان سے روحانی فوائد اٹھاتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان مادی اور جسمانی طور پر معطل بیکار اور لوکس پر بار سمجھا جاتا ہے، اللہ کے یہ بندے اس وقت بھی بیکار نہیں ہوتے اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ رد نہ اسفل سفلین عام انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کفار و نفاق کے لیے ہے۔ جنہوں نے خدا داد احسن تقویم اور انسانی کمالات و شرافت اور عقل کو مادی لذائذ کے پیچھے برباد کر دیا تو اس ناشکری کی سزا میں ان کو اسفل سفلین میں پہنچا دیا جائے گا، اس صورت میں إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا کا استثناء اپنے ظہری مفہوم پر رہتا ہے کہ اسفل سفلین میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے گا۔ (کنزانی المنہری)

لَا يَكْفُرُ بِكَ بَعْدُ بِالذِّينِ

یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء و سزا کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا۔ یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے خیال کرو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ اس کا توام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے، کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ چنانچہ اس کے کامل نمونے دینانے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دکھ لیے جن کے نقش قدم پر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور

دارین کی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بد تمیزی اور بد عملی سے ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکو کار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تمہیز سے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزا و سزا کے ایسے منقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب و انکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سہرا کارخانہ فرض کر لیا جائے۔ جس پر نہ کسی کی حکومت ہونے یہاں کوئی آئین و قانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے۔ اس کا جواب آگے دیتے ہیں: اَلَيْسَ اللهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝



سُورَةُ الْعَلَقِ ۹۶ مَكِّيَّةٌ ۱
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّا نَحْنُ ۱۹
رُكُوْعُهُ ۱

سورہ علق کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی انیس آیتیں ہیں

اقْرَأْ اَوْجِدِ الْفِرَّةَ مَبْتَدِئًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ الْخَلَائِقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ عَلَقٍ ۝
جَمْعُ عَلَقَةٍ وَهِيَ الْقِطْعَةُ النَّسِيْرَةُ مِنَ الدَّمِ الْعَلِيْظِ اِقْرَأْ تَاكِيْدًا لِلاَوَّلِ وَرَبِّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي لَا يُؤَاوِزُهُ
كَرِيْمٌ خَالٍ مِنْ ضَمِيْرٍ اِقْرَأْ الَّذِي عَلَّمَ الْاَخْطَ بِالْقَلَمِ ۝ وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهِ اِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ
الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الْهُدٰى وَالْكِتٰبَةِ وَالصَّنَاعَةِ وَعَبْرَ مَا كَلَّمَا خَتَّانِ
الْاِنْسَانَ لِيَطْفِئَ ۝ اَنْ رَّاهُ اَيُّ نَفْسُهُ اسْتَعْفٰى ۝ بِالْمَالِ نَزَلَ فِيْهِ اَبِيْ جَهْلٍ وَرَاى عِلْمِيَّةً وَاَسْتَعْفٰى
مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَّاهُ مَفْعُوْلٌ لَهٗ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ يَا اِنْسَانَ الرَّجْعٰى ۝ الرَّجُوْعُ نَحْوِيْفٌ لَهٗ فَيَجٰزِي
الطَّاهِيْ بِمَا يَسْتَحِقُّهٗ اَرَعَيْتَ ۝ فِيْ مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّنْعُبِ الَّذِي يَنْهٰى ۝ هُوَ اَبُوْ جَهْلٍ عَبْدٌ هُوَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى ۝ اَرَعَيْتَ اِنْ كَانَ اَيُّ الْمُنْهٰى عَلَى الْهُدٰى ۝ اَوْ لِلنَّفْسِ اَمْرًا
بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَعَيْتَ اِنْ كَذَّبَ اَيُّ النَّاهِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلٰى ۝ عَنِ الْاِنْسَانِ اَلَمْ
يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ مَا صَدَرَ مِنْهُ اَيُّ يَعْلَمُهُ فَيَجٰزِيْهِ عَلَيْهِ اَيُّ اَعْجَبَ مِنْهُ يَا مَخَاطَبُ مِنْ خَيْبِ

نَهَيْهِ عَنِ الصَّلَاةِ وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ الْمُنْهَى عَلَى الْهَدَى اِمْرٌ بِالشَّقْوَى وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُثَوَّلٌ
عَنِ الْإِيمَانِ كَلَّا رِدْعٌ لَهُ كَيْنٌ لَا مَقْسَمَ لَمْ يَنْتَهَ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ لَنْسَفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝
لَنْجَزْنَ بِنَاصِيَتِهِ إِلَى النَّارِ نَاصِيَةٌ بَدَلٌ نَكِيرَةٌ مِنْ مَعْرِفَةٍ كَاذِبَةٌ خَاطِئَةٌ ۝ وَوَصَفَهَا بِذَلِكَ مَبْجَازًا
وَالْمَرَادُ صَاحِبُهَا فَلْيَنْدِعْ نَادِيَهُ ۝ أَيْ أَهْلُ نَادِيِهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يُتَدَيُّ بِتَحَدُّثٍ فِيهِ الْقَوْمُ وَكَانَ قَالَ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلَاةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْكَ أَكْثَرَ نَادِيًا مِنِّي
لَأَمْلَأَنَّ عَلَيْكَ هَذَا الْوَادِيَّ إِنْ شِئْتُ خَيْلًا حُرْدًا أَوْ رَجَالًا مُرْدًا سَتَجْعَلُ الرَّبَابِيَّةَ ۝ الْمَلَائِكَةُ الْغَلَاظُ
السِّدَادُ لِإِهْلَاكِهِ فِي الْحَدِيثِ لَرَدْعًا نَادِيَهُ لِأَخَذْتَهُ الرَّبَابِيَّةَ عَبَانًا كَلَّا ۝ رِدْعٌ لَهُ لَا تُطْعُهُ يَا مُحَمَّدُ فِي
تَرْكِ الصَّلَاةِ وَاسْجُدْ صَلَّى لِنَبِيِّهِ وَأَقْتَرِبْ ۝ مِنْهُ بِطَاعَتِهِ

ع ۱۱

ترجمہ: پڑھے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے
لوہڑے سے پیدا کیا (علق، علقہ کی جمع ہے۔ خون بست کی ایک پھلک) پڑھیے (پہے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب برکرم
ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہو سکتا۔ اتر آ کی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا (سب سے پہلے
اور میں نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت
وغیرہ) سچ (یقیناً) انسان (مطلقاً) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ
سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابو جہل کے متعلق ہے اور راء میں رویت قلمیہ ہے اور استغنی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ
ہے) یقیناً (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈرانا ہے۔ لہذا سرکش کو سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم
نے دیکھا (تینوں جگہ اريت تعجب کے لیے ہے) جو منع کرتا ہے (مراد ابو جہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو
جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا یہ بتلاؤ کہ اگر یہ شخص جھپٹاتا ہو (یعنی روکنے والا ہے) اور منہ موزا ہو؟ (ابو جہل لانے
سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہو رہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہذا وہ اس کو اس پر سزا دے
گا۔ یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین
کرتا ہے۔ نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر
یہ شخص (ام تمسبہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفریہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر
دورخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ نگرہ بدل ہے معرفہ سے) جو جھوٹی اور خطا کار ہے (پیشانی کی یہ صفت مجازا ہے۔ لیکن
مراد پیشانی والا ہے) وہ بلا لے اپنے حمایتیوں کی ٹولی کو (نادی سے اہل نادی مراد ہیں۔ اس کے معنی مجلس کے ہیں۔ کیونکہ اس
میں تو م کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کو نماز سے ڈانتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو

کہ تمہارا جمع میرے جمع سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ میں چاہوں تو بہترین گھوڑ سواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لیے اکھڑ مضبوط فرشتے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج بلا لیتا تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانئے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لیے نماز پڑھئے) اور قرب حاصل کرتے رہئے (اس کی فرمانبرداری کر کے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: اول منازل: بقول بغوی اس کی پانچ پہلی آیات پہلی وحی ہے ہی اصح ترین قول ہے۔
قولہ: وَأَوْجِدُ الْقِرَاءَةَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ حکم بمنزلہ لازم کے ہے۔ یعنی قرأت کو شروع کر۔ بعض نے مفعول القرآن مقدر مانا۔ یعنی قرآن پڑھو۔

قولہ: مُبْتَدِئًا: بعض کا قول ہے کہ باسم میں باز آمدہ اور اسم یہ اس کا مفعول ہے۔ مگر مفسر نے اس کو متعلق مانا اور متعلق مبتداء کا مقدر مان کر اس کو اقراء کے فاعل سے حال قرار دیا ہے اور یاسبیت کی ہے۔

قولہ: خَلَقَ الْإِنْسَانَ: دوسرا خَلَقَ اَوَّلَ خَلْقٍ کی تفسیر ہے گویا پہلے بہم لائے خَلَقَ الْإِنْسَانَ سے تفسیر کر دی۔ اس سے تخلیق انسان کی عظمت ظاہر فرمائی۔ ۲۔ یہ بھی ممکن ہے پہلے خَلَقَ کا مفعول کل شیء محذوف ہو وہ مطلق ہونے کی وجہ سے عام ہے اور دوسرا خَلَقَ میں انسان کو خاص کر دیا اس لیے کہ قرآن اسی کی طرف اشارہ جا رہا ہے۔

قولہ: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ: عَلَّمَ کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای علم الانسان الخط بالقلم، مفسر نے دوسرے کو مقدر مان کر اول کو مخاطب پر چھوڑا۔

قولہ: نَفْسَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ راہی میں ضمیر فاعلی انسان کی طرف لٹتی ہے اور ضمیر مفعول بھی اس کی طرف لٹتی ہے۔ روایت سے روایت قلبی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انعامات فرماتے ہیں اور سزا میں جلدی نہیں کرتے۔ اس میں دونوں ضمائر متحد بھی ہو سکتی ہیں۔

قولہ: أَرَعَيْتَ: مسلم کی روایت میں ہے کہ ابو جہل لعین نے کہا: اگر میں محمد ﷺ کی سجدہ میں پالوں تو ان کی گردن پر پاؤں رکھوں گا اور پیشانی کو خاک آلود کروں گا۔ ایک دن سجدہ پایا آپ کی طرف بڑھا تو لوگوں نے دیکھ کر وہ اپنے ہاتھ پھیلے لٹے پاؤں تک چہرے سے لوثا لوگوں نے کہا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: میں نے اپنے اور ان کے مابین آگ کی خندق اور پروں کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اور میری طرف بڑھتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ کر دیتے۔ (خازن)

قولہ: أَعْجَبَ مِنْهُ: اس سے حاصل معنی کو بیان کر دیا اور شریحہ جملوں کا جواب مقدر ہوگا۔ ای فما اعجب من هذا اور الم يعلم یہ جملہ مستانفہ بنے گا اور ماقبل کی تاکید ہے۔ بعض لوگوں نے الم يعلم کو جواب بنایا اور یہ شرط اول میں مقدر ہو گا۔ (نقدہر)

قوله: **لِنَسْفَعًا**: یہ یون خفیفہ ہے جو حالت وقف میں توہین کے مشابہ ہو گیا۔ یہ الف سے پڑھا اور لکھا گیا۔
 قوله: **بِالتَّائِيَةِ**: اصل یہ پیشانی کے بالوں پر بولا جاتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق سر کے اگلے حصے پر کیا جاتا ہے خواہ اس میں بال نہ ہوں۔ (ابجیل)

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و تخلیق کو ذکر فرمایا خون کے لوتھڑے سے انسان کو بنا دیا بے جان لقم سے علم سکھا دیا۔ یہ رحمت حق کا پہلا چھینا اس امت پر پڑا۔

۲۔ قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کی جائے علوم دین و معرفت کا راستہ قرأت و کتابت ہے۔ اسی سے سبھی علوم لوگوں میں منتقل ہوتے ہیں اور علوم و معارف کی ترقی کی بنیاد یہی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایسا کرم فرمایا کہ اس کے کرم کا کوئی معادل نہیں۔

۴۔ اگر انسان اپنے آپ کو ایمان و تقویٰ سے مہذب نہ بنائے تو وہ ٹیڑھی طبیعت والا حیوان ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا عیانا اپنے رسول کی معاونت کرنا۔

۶۔ ابو جہل پر سخت وعید اور لعنت خداوندی کا مستحق قرار دینا۔

۷۔ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سورت کے آخر میں سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔

تفسیر مقبولین

وحی الہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی و طغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے، جیسے کہ ابو جہل، وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ حرم مکہ میں نمازی پڑھ لیں، چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اونٹ کا اوچھ جو گوہر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا پشت مبارک پر لا کر رکھ دیا، وہ اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور تہقیر ہے لگانے لگے تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کامل غفلت نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والے ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر کٹڑے کر ڈالیں گے بلکہ دنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھا دیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غرودہ بدر میں مارے گئے، ابو جہل زخمی ہوا اس کا سر قلم کرنے والے عبد اللہ بن مسعود اس کے کان میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے لے آئے، اور حرم مکہ میں من بدبختوں کے نام لے لے کر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی، وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے وہاں تشریف لا کر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”ہل وجدنم

ماوعد ربکم حقاً۔ انا وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً۔ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پایا، جو تم سے کیا گیا تھا، ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز و فلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل و مقصود انتہاء عبادت اور قرب خداوندی ہے تو اس طرح: واسجدوا اقترب پر سورت ختم فرمائی گئی۔

إِقْدُ يَا سَمِ رَّبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

یہاں سے سورۃ العلق شروع ہو رہی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے سب کچھ پیدا فرمایا ہے تعیم کے لیے مفعول محذوف فرمادیا، نیز رعایت فاصلہ بھی مطلوب ہے اس کی وجہ سے بھی مفعول حذف کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ فرشتے کی آمد سے پہلے رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تنہا وقت گزارا کرتے تھے یہ تنہائی آپ کو محبوب تھی متعدد راتیں وہاں گزار کر اپنے گھر حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تھے وہ مزید چند دن کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کر دیتی تھیں یہ سامان لے کر آپ غار حرا میں واپس چلے جاتے تھے ایک دن آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرشتہ آ گیا۔ فرشتہ نے کہا: اقْرَأْ (پڑھیے) آپ نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) فرشتے نے آپ کو پکڑ کر خوب اچھی طرح بھینچ دیا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، آپ نے پھر وہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے دوبارہ اسی زوردار طریقے پر بھینچ دیا پھر چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ پڑھیے، آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے تیسری بار پھر آپ کو بھینچ دیا، پھر چھوڑ دیا اور اس مرتبہ اس نے یہ پورا پڑھا دیا: آپ نے ان الفاظ کو دہرایا اور غار حرا سے گھبرائے ہوئے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے ان سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ جب خوف و پریشانی کی کیفیت دور ہو گئی تو حضرت خدیجہؓ کو پوری بات بتائی۔ (حدیث طویل ہے جو صحیح بخاری صفحہ ۴۰۳ ج ۱ اور صحیح مسلم صفحہ ۸۸ ج ۱ پر مذکور ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس میں آیت مذکورہ بالا ہی تھیں۔ قال النوروی فی شرح صحیح المسلم هذا هو الصواب الذی علیہ الجماہیر من السلف والخلف اس کے کچھ عرصے کے بعد آیات یَاٰیٰہَا السَّمٰوٰتُ... نازل ہوئیں اور برابر وحی نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳: ج ۱)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کرنا چاہیے اور سورۃ اعراف کی آیت: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے معلوم ہوا کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا جائے، پہلے استعاذہ پھر بسم اللہ دونوں پر مت کا عمل ہے رسول اللہ ﷺ کا اور صحابہؓ اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔

سورت کے شروع میں دلائل مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کیونکہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کی ربوبیت کا مظہر ہے پھر خصوصی طور پر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا فرمایا لہذا انسان کو اپنے رب کی طرف نہایت زیادہ متوجہ ہونا چاہیے اپنے خالق اور پروردگار کے ذکر میں اور اس کی نعمتوں کے شکر میں لگا رہے گو دوسرے حیوانات بھی نطفہ

منی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں وہ عقل اور شعور و ادراک نہیں ہے جو کہ انسان کو عطا فرمایا گیا ہے۔
الَّذِي عَلَّمَهُ بِالْقَلَمِ ۝

تخلیق انسانی کے بعد اس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر و خط سے ابتدائی سورت میں لفظ اقراء میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتدا ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا ادراہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے:

ایک صحیح حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش، ان رحمتي غلبت غضبي، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اہل تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھ لکھا کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔"
اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اول ما خلق الله القلم فقال لهم اكتب وكتب ما يكون الي يوم القيامة فهو عنده في الذكر فوق عرشه، یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔ (قرطبی)
قلم کی تین قسمیں:

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تیسری کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نینز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے۔ (قرطبی) امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لیے حکم دین کن یعنی ہوا جاوہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔ قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا:

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ نین کتابت ابوالبشر حضرت آدم کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ نین حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہیں (ضحاك) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے:

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے مگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نور علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اس میں بیٹھار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ اس کے حالات و مقامات اور اللہ تعالیٰ کی انازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہو تو دنیا و دین کے سارے ہی کام مختل ہو جائیں۔

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ خط و کتابت کا بہت اہتمام کیا ہے:

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاید ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں فی اللہ المشتکی۔

رسول اللہ ﷺ کو کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز:

حق تعالیٰ جل شانہ، نے خاتم الانبیاء ﷺ کی شان کو لوگوں کے فکر و قیاس سے بالاتر بنانے کے لیے آپ کی جائے پیدائش سے لے کر آپ کے ذاتی حالات تک سب ایسے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش و محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ جائے پیدائش کے لیے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور موصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام و عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا، اسی لیے عرب سب کے سب ہی اسمین کہلاتے ہیں، ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم و حکمت اور خط و کتابت سیکھ لیتا تھا، آپ کو اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاق فاضلہ اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات سے پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاق فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہو سکتا ہے۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا اور علم و حکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مہارک پر جاری فرمادیا، نصاحت و بلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء و بلغاء آپ کے سامنے عاجز ہو گئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اس کو دیکھ کر یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات انسانی سی و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں، خط و کتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی۔ (اخوذ از قرطبی)

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ ۞ اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لیے

استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بیشمار ذرائع ہیں:

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہ ہے اور اس کے لیے ذرائع تعلیم بیشمار ہیں، کچھ قلم ہی کیساتھ مخصوص نہیں اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعظیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھ دیئے جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرمایا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں، ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اتارنے کے لیے منہ کو دبانا (اس کو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا، پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اول ولادت ہی سے سکھا دیا، بچے کا یہ رونا اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا نکلیں گے۔ اس کی بھوک پیاس، سردی، گرمی کی سب ضروریات اسی رو دینے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم اس نو سو دو کو کون کر سکتا تھا اور کس طرح کرتا۔ یہ سب وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرماتا ہے۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلبی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مالہ یعلم یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادتاً تعلیم تو اسی چیز کی ہوتی ہے جس کو انسان نہیں چاہتا اس کے فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس خداداد علم دہن کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے، مالہ یعلم سے اشارہ فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **اخر جکم من بطون امہنکم لاتعلمون شیئاً** یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، معلوم ہوا کہ انسان کو بھی جو بھی علم دہن ملا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے۔ (مظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم ﷺ کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی و علم ادم الاسماء کلھا اور نبی کریم ﷺ وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم شامل ہیں کیا قال ومن علم مک علم اللوح والقلم

یہاں تک سورۃ اقرآ کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں، اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابو جہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداء وحی و نبوت میں تو مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے، ابو جہل کی مخالفت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے خلا ہے کہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت و دعوت کا

املان فرمایا اور شب معراج میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۱﴾

روایت احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابو جہل کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی تھی رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے ایک دن ابو جہل نے لات اور عزلی کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد ﷺ منیٰ میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدہ میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لیے آگے بڑھا فوراً لٹے پاؤں پیچھے بنا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کے میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ذرا ذنی حالت ہے اور بازوؤں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہو جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اچک لیتے۔ اس پر آیت کریمہ: كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۱﴾ سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (روا: مسلم صفحہ ۲۷۶: ۲۷۷ ج ۱)

اب سب نزل جانے کے بعد آیات کا مطلب سمجھ لیجئے۔ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۱﴾ یعنی آدمیت کی حد سے ٹس جاتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اپنے خالق کی نافرمانی اور سرکشی میں لگ جاتا ہے۔ اَنْ زَاۤءُ اسْتَغْفِي ﴿۲﴾ یعنی مال اور دولت کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں ہی سب کچھ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب کچھ دیا ہے وہ دے بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔ سرکش انسان پیدا کرنے والے، مال دینے والے کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرَّجْعٰى ﴿۱﴾

رجعی مثل بشری کے ام مصدر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کے ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہی اس وقت اس طفیلی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اسے احمق تو اپنے آپ دسب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کرے گا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت دسکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پایگا، اگر اس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتا، اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگ رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو بے فکری کے ساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمت میں لگایا کسی کے بس کی بات نہیں، یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں بکھوسا انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دے کر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا، ان باتوں میں غور و فکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کشتات

کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی اور بناری کا کام کرے، کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی، کسی کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا، کسی کو تجارت و صنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اس کا ظلم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد۔ اس لیے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ الی ربک الرجوع ہے یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔

أَرَدَيْتَ الْآلِهَةَ يَنْهَى ۞

اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اس کے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لیے یہ آیات آئی ہیں ان میں فرمایا: اللَّهُ يَعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَوْمِي ۞ یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لیے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بد بخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنْتَهُوا لَنَنْفَعُنَّكَ بِالنَّاصِيَةِ ۞

یعنی رہنے دو ایہ سب کچھ جانتا ہے، پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آتا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بل پکڑ کر گھسیٹیں گے جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

سَبَّحُ الرَّبَّكَانِيَّةَ ۞

ابو جہل نے ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ کو نماز سے روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سختی سے جواب دیا۔ کہنے لگا کہ: آپ ﷺ جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ مجلس والے ساتھیوں کو بلا لے۔ ہم بھی اس کی گوشمالی کے لیے اپنے سپاہی بلاتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد بدر کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے گھسینا اور آخرت میں جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جنم رسید کریں گے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل حضرت کو نماز میں دیکھ کر چلا کہ بے ادبی کرے، وہاں پہنچا نہ تھا کہ گھبرا کر چیخے بنا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی۔ میں گھبرا کر واپس آ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو سدع الزبانیہ کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھا دیا۔ (تنبیہ) اکثر منسرخین نے زبانیہ سے دوزخ کے فرشتے مراد لیے ہیں۔

كَلَّا لَا تَطْعَهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞

مقبولین شریعت جالبینہ (جلد ۱) ۸۲۰
 یعنی آپ ﷺ اس کی ہرگز پروا نہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے۔ جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو
 اور اس کی بارگاہ میں سجدے کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ
 بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔



سورة القدر
 ۹۷ آیتیں
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ
 الشَّرِّ وَالْعَظِيمِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ
 الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ لَيْسَ فِيهَا إِلَهٌ الْقَدْرِ فَالْعَمَلِ الصَّالِحِ فِيهَا خَيْرٌ مِّنْهُ فِي أَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ
 فِيهَا تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ بَحْذٍ إِحْدَى التَّائِبِينَ مِنَ الْأَصْلِ وَالزُّوْحِ أَي جِبْرِيلُ فِيهَا فِي اللَّيْلِ بِإِذْنِ
 رَبِّهِمْ ۚ بِأَمْرِهِ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ فَضَاهُ اللَّهُ فِيهَا تِلْكَ السَّنَةِ إِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٍ بِمَعْنَى الْبَاءِ سَاهُ
 هِيَ خَيْرٌ مُّقَدَّمٌ وَمُبْتَدَأٌ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۚ بِفَتْحِ الْأَلَامِ وَكَسْرِهَا إِلَى وَقْتِ طُلُوعِهِ جُعِنَتْ سَلَامًا
 لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی
 ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمد آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لیے
 ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہذا شب قدر میں نیکی کرنا۔ ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے
 بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو) فرشتے اترتے ہیں (نزل کی اصل میں دو تھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا
 ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لیے اللہ تعالیٰ
 نے طے کئے ہوتے ہیں اور سن سببہ بمعنی باہے) سرپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک

رہتی ہے (مطلع لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر، رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں۔ کسی مؤمن مرد و عورت پر ان کا گز نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: سورة القدر مدنیہ: اکثر کا قول یہی ہے اور صحیح ترین یہی ہے۔

قولہ: لَيْلَةٌ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ فرمایا: جس نے ایک ہزار ماہ جہاد کیا تو آپ ﷺ نے تعجب فرمایا اور اپنی امت کے لیے اس کی چاہت کی اور عرض کی اے میرے رب میری امت کی تو عمریں قلیل ہیں تو اعمال بھی تھوڑے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر دی جس کی عبادت ایک ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ پھر مزید ترقی دی تنزل الملائکہ۔ (کرنی) لیلۃ القدر کی ہر رات جبرئیل دیگر ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں ہر گھر جس میں تصویر، زنا سے ناپاک، کتانہ ہو تو گھر والوں کو سلام کرتے ہیں، سیوٹی کے بقول ہر پاک مؤمن کی موت پر جبرئیل اترتے ہیں۔ دجال کی آمد پر حراست مدینہ کے لیے اتریں گے۔ (کشف المصالح)

قولہ: مِنْ كُلِّ أَمْرٍ: ہر کام کے سبب اترتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہو۔

قولہ: سَلَّمَ نَسْهَىٰ: ۱۔ ہی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹتی ہے اور سلام یہ تسلیم کے معنی میں ہے۔ یعنی ملائکہ مؤمنوں کو سلام کرنے والے ہیں اس رات۔ ۲۔ یہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف جاتی ہے۔ اور سلام یہ سلامت کے معنی میں ہے یعنی لیلۃ القدر سلامتی والی رات ہے ہر خوفناک چیز سے۔ رازی کہتے ہیں: رات کی فضیلت میں تین باتیں فرمائیں: ۱۔ ایک ہزار ماہ سے زیادہ فضیلت والی رات ہے۔ ۲۔ فرشتے اور روح الامین اس میں اترتے ہیں۔ ۳۔ وہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے ۱۔ نزول قرآن کی ابتداء لیلۃ القدر میں ہوئی جو رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ہے۔

۲۔ وحی، نبوت محمدیہ، قضاء و قدر کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ یہ عظیم شرف والی رات ہے جس میں تقدیر الہی کے فیصلوں کو مدبر رات امر کے حوالے کیا جاتا ہے۔ قہما بفرق کل امر حکیم....

۴۔ اس رات میں خیر کا عمل ایک ہزار ماہ کے عمل خیر سے بڑھ کر ہے جس میں یہ نہ ہو اس میں قرآن مجید کی تلاوت و سماعت خوب کرنا چاہیے۔

۵۔ اس رات جبرئیل امینؑ سمیت بہت سے فرشتوں کا نزول ایمان والوں کی دعاؤں پر امین کہنے کے لیے ہوتا ہے۔

۶۔ یہ رات شیطان کی دست برد سے محفوظ اور خیرات و برکات اور فوائد دنیویہ اور آخریہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

۷۔ یہ ہر سال رمضان المبارک کی طاق راتوں میں ہے۔ علیہ الجہور

تفسیر مقبولین

اس سورت میں خاص طور پر نزول قرآن کی ابتداء اور شب قدر کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کسی برتری عطاء فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا، اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، جبریل امین، غایبہ اور فرشتوں کی جماعتیں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اترتی ہیں، عابدین و ذاکرین کی مجالس عبادت و ذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت و باطنی انوار کا درود ہوتا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

نشان نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا، اس پر سورۃ قدر نازل ہوئی جس میں اس امت کے لیے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوتا دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (مظہری)

ابن کثیر نے یہی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جمہور کا قول کھلا ہے۔ خطابی نے اس پر اجتماع کا دعویٰ کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (خود ابن کثیر)

لیلیۃ القدر کے معنی:

قدر کے ایک معنی عظمت و شرف کے ہیں۔ زہری وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی لیے ہیں اور اس رات کو لیلیۃ القدر کہنے کی وجہ سے اس رات کی عظمت و شرف ہے۔ اور ابو بکر و راق نے فرمایا کہا اس رات کو لیلیۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلیۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیر ازل میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آیا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنقید امور کے لیے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی

مکھدیا جاتا ہے۔ اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں۔ بقول ابن عباس چار ہیں۔ اسرائیل، میکائیل، عزرائیل، جبرئیل علیہم السلام۔ (ترمذی)

سورہ دخان کی آیت انا انزلنہ فی لیلة مبارکة انا کما منذرین، فیہا یلہرق کل امر حکیم، امر امن عندنا میں یہ مضمون خود صراحت کے ساتھ آ گیا ہے کہ اس لیلة مبارکہ میں تمام امور تقدیر کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک لیلة مبارکہ سے مراد بھی لیلة القدر ہی ہے اور بعض حضرات نے جو لیلة مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی لیلة البرات مراد لی ہے تو وہ اس کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہا بتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمال طور پر شب براءت میں ہو جاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلة القدر میں لکھی جاتی ہیں اس کی تائید حضرت ابن عباس کے ایک قول سے ہوتی ہے جس کو بغوری نے بروایت ابوالمظہر نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا فیصلہ تو شب براءت یعنی نصف شعبان کی رات میں کر لیتے ہیں پھر شب قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں (مظہری) اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہوں وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اصل نوشتہ تقدیر پر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

لیلة القدر کی تعیین:

اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شب قدر ماہ رمضان المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں تاریخ کے تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلة القدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی 21, 23, 25, 27, 29 میں از روئے احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے۔ اس قول میں تمام احادیث جو تعیین شب قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں 21, 23, 25, 27, 29 راتوں میں شب قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شب قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہو جاتی ہیں کسی میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرہ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابو قتیبہ، امام مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، زنی، ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے اور ایک روایت میں امام شافعی سے بھی اس کے موقف منقول ہے اور دوسری روایت امام شافعی کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے۔ (ابن کثیر)

صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحر و البیلة القدر فی العشر الاواخر من رمضان، یعنی شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطلبوا فی الونر منہا، یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیرہ میں طاق

راتوں میں طلب کرو۔ (مظہری)

لیلۃ القدر کے بعض فضائل اور اس رات کی مخصوص دعا:

اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس سورت میں بیان ہو ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی 83 سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں، کتنی بہتر ہے کہ دو گنی چو گنی دس گنی سو گنی وغیرہ سبھی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لیے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرة المنتہی پر ہے جبرئیل امین کیساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بد نصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو اصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لیے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔

حضرت صدیقہ عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یا اللھ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔ میری خطائیں معاف فرمائیے۔ (قرطبی)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا، اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ پورا قرآن لوح محفوظ سے اس رات میں اتارا گیا پھر جبرئیل امین اس کو تدریجاً تیس سال کے عرصہ میں حسب ہدایت تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہا بتدائے نزول قرآن اس رات میں چند آیتوں سے ہو گیا بانی جہد میں نازل ہوتا رہا۔

تمام آسمانی کتابیں رمضان ہی میں نازل ہوئی ہیں:

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرہویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن نبی کریم ﷺ پر چوبیس تاریخ رمضان میں اترا ہے۔ (مظہری)

تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالْوُجُوحُ فِيهَا بِأَذْنِ رَبِّهِمْ ۗ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿۱﴾

روح سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر بندہ میں

مشغول ہوتے ہیں سب کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (منہج)

من کل امر میں حرف من بمعنی بارے جیسے محفوظ من امر اللہ آلا یذہب من بھی من و بمعنی باء استعمال ہے۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بعض حضرات مفسرین مجاہد وغیرہ نے من کل امر کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ بہرات سلامتی ہے ہر شروفت اور بری چیز سے۔ (ابن کثیر)

سَلَّمَ فِيهَا حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

سَلَّمَ ۝ یہ رات سراپا سلامتی ہے پوری رات فرشتے ان لوگوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں جو اللہ کے ذکر و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ شب قدر پوری کی پوری سلامتی اور خیر والی ہے اس میں شر نام کو نہیں ہے اس میں شیطان کسی کو برائی پر ڈال دے یا کسی کو تکلیف پہنچا دے اس کی طاقت سے باہر ہے۔ (ذکرہ فی معالم المنیر)

ہِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (یہ رات فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ لیلۃ القدر رات کے کسی حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے شروع حصے سے لے کر صبح صادق ہونے تک برابر شب قدر اپنی خیرات اور برکات کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

فَاللَّيْلِ: وجہ تسمیہ لیلۃ القدر اس نام سے کیوں موسوم کی گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں عبادت گزاروں کا شرف بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے اعمال کی قدر دانی بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس لیے شب قدر کہا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں تمام مخلوقات کا نوشتہ آئندہ سال کے اسی رات کے آنے تک ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لیے مامور ہیں اس لیے اس کو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا اس میں ہر انسان کی عمر اور مال اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقدار پر مقررہ فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔ محققین کے نزدیک چونکہ سورۃ دُخَان کی آیت: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ أَكْبَرٍ كَمَا مَصْدَاقِ شَبِّ قَدَرِ هِيَ۔ اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال پیش ہونے والے امور کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب جسے لیلۃ البرأت کہا جاتا ہے کہ اس کی جو فضیلتیں وارد ہوئی ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کونسا بچہ پیدا ہوگا اور کس آدمی کی موت ہوگی اور اس رات میں بنی آدم کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۵ میں یہ حدیث کتاب الدعوات للامام البہیقی سے نقل کی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شب قدر اور شب برأت کے فیصلوں کے بارے میں یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے کہ واقعات شب برأت میں لکھ دیئے جاتے ہوں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہوں۔ صاحب بیان القرآن نے سورۃ دُخَان کی تفسیر

میں یہ قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ احتمال کے لیے ثبوت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
 فان لا: چونکہ شب قدر رات میں ہوتی ہے اس لیے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف اوقات میں ہوتی ہے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ بحیثیت الہی ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر ہوگی وہاں اس رات کی برکات حاصل ہوں گی۔

فان لا: جس قدر ممکن ہو سکے شب قدر کو عبادت میں گزارے، کچھ بھی نہیں تو کم از کم مغرب اور عشاء فجر کی نماز تو جماعت سے پڑھ ہی لے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات نماز میں قیام کیا اور جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لی گویا اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔ (رواہ مسلم ج ۲۲: ۱۷۶)



سورہ بے حد میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ لِبْيَانَ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ أَيْ عِبْدَةَ الْأَصْنَامِ عَطْفٌ عَلَى أَهْلِ
 مُنْفِكِينَ خَيْرٌ يَكُنْ أَيْ زَالِيْنَ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ حَتَّى تَأْتِيَهُمْ أَيْ آتَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ أَيْ الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ
 رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ ۝ بَدَلٌ مِنْ أَبِيْنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا صَاحِفًا مُطَهَّرَةً ۝ مِنْ
 الْبَاطِلِ فِيهَا كُتِبَ أَحْكَامٌ مَكْتُوبَةٌ قِيَمَةٌ ۝ مُسْتَقِيْمَةٌ أَيْ يَتْلُو مُضْمُونٌ ذَلِكَ وَهُوَ الْقُرْآنُ فَمِنْهُمْ مَنْ
 آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ آوَوْا الْكِتَابَ فِي الْإِيمَانِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا
 جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۝ أَيْ هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوِ الْقُرْآنُ الْجَائِي بِهِ مُعْجَزَةٌ لَهُ وَقَبْلَ مَجِيئِهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى الْإِيمَانِ بِهِ إِذَا جَاءَ فَحَسَدَهُ مَنْ كَفَرَ بِهِ مِنْهُمْ وَمَا أَمْرُوا فِي كِتَابِيهِمْ
 التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ أَيْ أَنْ يُعْبُدُوهُ فَحَذَفَتْ أَنْ وَزِيدَتْ اللَّامُ مُخْلِصِينَ لَهُ الَّذِينَ

مِنَ الشِّرْكِ حُنْفَاءً مُسْتَقِيمِينَ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ وَدِينِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ فَكَيْفَ
 كَفَرُوا بِهِ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْمِنَّةِ الْقَيِّمَةِ ۝ الْمُسْتَقِيمَةَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
 مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ خَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَيْ مُقَدَّرًا خُلُودُهُمْ فِيهَا
 مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝
 الْخَلِيقَةُ جَزَأَوْهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ عَدْنٌ إِفَامَةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرَضُوا عَنْهُ ۝ بِنَوَابِهِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ خَافَ عِقَابَهُ فَانْتَهَى عَنْ
 مَعْصِيَتِهِ تَعَالَى

ع ۲۳

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (من بیانہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اہل پر عطف ہو رہا ہے) وہ
 باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے یکن کی یعنی اپنی حالت کو چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس
 واضح (روشن) دلیل نہ آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بینہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) جو (باطل
 سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست۔ یعنی قرآن کا مضمون پڑھ کر
 سنانے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں) اور نہیں فرقہ بندی کی اہل
 کتاب (آنحضرت پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آئے بعد (یعنی حضور ﷺ کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش
 کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھلا معجزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد
 کے مارے آپ سے مکر گئے) اور ان کو (ان کی کتابوں، تورات و انجیل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی
 بندگی کریں (یعبدوا ان یعبدوہ تھا۔ ان حذف کر کے لام زیادہ کر دیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لیے (شرک سے) پاک
 کر کے بالکل یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر) رہیں اور حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر پھر کیسے اس سے پھر
 گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (حریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے
 جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدروہ ہے اللہ کی طرف
 سے۔ اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلاق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل
 کئے۔ وہ یقیناً بہترین خلاق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی پیشیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں
 گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے
 راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور
 اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)

کلمۃ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: سورة البینة: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: کہ میں تمہیں سورة البینة سناؤں، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! تو ابی [خوشی سے] رونے لگے پھر آپؓ نے ان کے سامنے سورة البینہ پڑھی۔

قولہ: مکہ اور مدینہ: ابن عباسؓ کے ہاں مکی ہے۔ جہور کے نزدیک مدنی ہے۔ قولہ: مِنَ الْبَنِيَانِ: اہل کتاب کو کافر اس لیے کہا کہ آپؐ کی بعثت سے پہلے اپنی کتابوں کے مطابق آپؐ کو مانتے تھے جب آپؐ آگئے تو آپؐ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے۔ بعض ان میں ایمان لائے بعض نے کہا: تمام یہودی اللہ تعالیٰ کے لیے جسائیت اور نصاریٰ تثلیث کی بناء پر تمام کافر تھے۔ بعض ایمان رکھتے تھے۔ ماتریدی نے من کو تعبیضیہ مانا ہے۔ ان میں سے بعض ایمان ایمان لائے۔ بعض نے کہا: اس سے اطراف مدینہ کے یہود مراد ہے تاکہ آپؐ کی بعثت سے پہلے تمام کافر ہونا لازم نہ آئے، جب کہ وہ اپنی کتاب و پیغمبر کو مانتے تھے۔ (کشف الہدین)

قولہ: عَبْدَةَ الْاَوْثَانِ: یہ مشرکین عرب کی وجہ سے تخصیص کی ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک بنانے والا شرک ہے۔

قولہ: مُنْفِكِيْنٍ: یہ اسم فاعل ہے اس کا اسم اس میں موجود ہے اور خبر کی طرف مفسر نے عباہم علیہ سے اشارہ کیا ہے۔ قولہ: وَمَا اَصْرُوْا: یہ جملہ حالیہ ہے جو ان کے فعل کی انتہائی شناخت کو ظاہر کر رہا ہے کہ دلیل آنے کے باوجود انہوں نے کفر کیا، حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حکم ہوا۔ (واللہ اعلم)

قولہ: وَمَا تَفَرَّقَ: اس میں اہل کتاب کا خصوصاً تذکرہ ان کی نہایت بد حالی کے اظہار کے لیے ہے۔ قولہ: وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: ہر چیز میں کمال اصل و فرع کو اکٹھا اختیار کرنے میں ہے۔ بعض لوگوں نے فردعی اعمال میں مبالغہ کیا اور اصول کو ترک کر دیا وہ یہودی، نصرانی اور مجوسی ہیں۔ بعض لوگوں نے اصول کو تو لیا مگر فرود بالکل بالائے طاق رکھ دیا وہ مرجہ ہیں جنہوں نے کہا ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کی غلطی اس آیت میں ظاہر فرمائی مخلصین میں اِطْلَاعِمْ اور وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ آیت میں عس کا ذکر کیا۔ [رازی]

قولہ: دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَدِيْمَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ القیمۃ صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام آئی ہے۔ تاکہ اضافت الشی الی نفسہ لازم نہ آئے۔

قولہ: مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی: یہ خلود سے متعلق ہے یعنی ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں ہمیشہ رکھے گا، پس اعتقاد ہمارا کام ہے اور ہمیشہ جہنم میں رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ (فتدبر)

قولہ: بِطَاعَتِهِ: یہ مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے ای بسبب طاعتہم لہ۔

قولہ: بِتَوَابِهِ: باسیبہ ہے یعنی ان کے اس ثواب کی وجہ سے جو ان کو دیا ہے۔

۱۔ سابقہ اویان تحریفات کے سبب حق و باطل کا مٹنوبہ بن گئے اس میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت سب برابر ہیں۔
۲۔ اہل کتاب نے آپ کی پہچان کر لینے کے باوجود نہیں مانا۔ ان کو تین سزاؤں کا حقدار بتایا گیا۔ ۱۔ جہنم میں داخلہ۔ ۲۔ خلود
۳۔ بدترین خلائق۔

۳۔ اہل کتاب کو بھی توحید خالص اور نماز زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا مگر انہوں نے شرک اور ظلمات و باطل کو اپنایا۔ حالانکہ نجات
والے دین کی یہی صفات تھیں۔

۴۔ ایمان والوں کی چار جزائیں ذکر کریں: ۱۔ بہترین خلق ہونا۔ ۲۔ جنت عدن کا داخلہ۔ ۳۔ رضاء الہی کا حصول۔ ۴۔ اللہ
تعالیٰ کے ثواب پر وہ راضی۔

۵۔ خستیت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے بشرطیکہ وہ صاحب خشیت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نرائض اور ترک محرمات اعتقاد یہ قولہ
علیہ پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ قاطر (۳۵/۲۵) میں فرمایا: انہا یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ الایۃ اس سے
ثابت ہوا علماء باللہ وہ خیر البریہ ہیں۔ اللہم اجعلنا منہم۔

۶۔ اسلام اور شارع اسلام کو تمام امتوں اور مخلوقات پر نصیحت حاصل ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو صحیح ایمان و دین کی پہچان نہ ہو
سکتی۔

۷۔ اخلاص عبادت کا لب لباب ہے اخلاص سے ہی رضاء الہی حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ عبادت تدلل کا نام ہے جس کا حقدار ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا نام سورۃ لم یکن بھی ہے لیکن جہور مفسرین نے بروایت صحیح اس کا نام سورۃ البینہ اختیار کیا ہے، یہ سورت اکثر
حضرات محدثین و ائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے، عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اسکو مکہ بھی کہا
ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہؓ اس کو مکہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔
بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے
تھے کہ جب تک کوئی بینہ (دلیل و حجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس میں اتمام حجت کے طور پر بھی فرمایا گیا
کہ یہ لوگ اس طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں، حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت و نبوت ان کے کمالات و اوصاف بذات خود
بینہ ہیں، قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بینہ ہوگا تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے
الرائس و بے رخی اور دلائل خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص و توحید
ہے، اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہل شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کیا گیا کہ

”سعداء“ خیر البریہ ہیں اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریہ ہیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

یہاں سے سورۃ البینہ شروع ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں مشرکین بھی بہت تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی تھے۔ یہ سب جماعتیں اپنے اپنے دین پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ اتنے اڑیل تھے کہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کوئی مضبوط واضح دلیل سامنے نہ آجائے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مضبوط واضح دلیل بھیجی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ پر قرآن نازل ہوا، لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے معجزات دیکھے اور برکات کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ اپنے کفر سے جدا ہونے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بیٹہ یعنی گواہ آگئے ان گواہوں نے ثابت کر دیا کہ تم لوگ کفر و شرک پر ہو تمہاری نجات کا راستہ اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر دو یہ گواہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے اور وہ صحیفے بھی ہیں (یعنی انبیائے حقہدین کی کتابیں) جن پر قرآن مجید مشتمل ہے نیز ان سے قرآن مجید کی سورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں، ان صحیفوں کی تعریف میں مُطَهَّرَةٌ لَمْ یَلِمْ لَهَا شَيْئًا کہ وہ ہر طرح کے کذب اور جھوٹ سے پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان صحیفوں میں کتب قیمر یعنی آیات اور احکام ہیں جو اس میں مکتوب ہیں اور یہ صحف قیمر عدل و انصاف والے احکام اور صراط مستقیم والے قوانین ہیں جیسا کہ سورۃ الزمر میں فرمایا: فُرُادًا عَزِيزًا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (عربی قرآن میں ذرا کجی نہیں تاکہ یہ لوگ ڈریں)۔

قرآن کے جن مخاطبوں کو ہدایت قبول کرنا تھا انہوں نے ہدایت قبول کر لی (ان میں اہل کتاب بہت کم تھے) اور جنہیں ہدایت قبول کرنا نہ تھا وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان نہ لائے۔ کھلی ہوئی دلیل سامنے آنے کے باوجود اپنی جگہ منکر ہی رہ گئے اور ان میں دو جماعتیں ہو گئیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہود و نصاریٰ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ آپ کی بعثت ہونے والی ہے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو متفرق ہو گئے یعنی ایک جماعت آپ پر ایمان لے آئی جن کی تعداد تھوڑی سی تھی اور دوسرا فریق جو کثیر تعداد میں تھا وہ لوگ انکار پر ہی جمے رہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لِحُنْفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ اور مشرکین اور کفار کو صرف یہی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے لیے توحید میں بھی مخلص رہیں اور دیگر عبادات میں بھی اور دین اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے بچ کر اور ہٹ کر رہیں ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں اور یہ جو کچھ انہیں حکم دیا گیا وہ دین قیمر ہے یعنی ایسی شریعت کے احکام ہیں جو بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی کجی نہیں۔ یہی دین سارے انبیاء کرام کا دین ہے سب نے اسی کی تعلیم دی۔ یہود و نصاریٰ خود بھی اس بات کو جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن ضد و عناد کی وجہ سے حق کو حق جانتے ہوئے قبول نہ کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب اللہ کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ رہا ہوں گے یہ لوگ تم مخلوق سے بدتر اور کتر ہیں پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں اس آیت سے حضرت ابو ہریرہؓ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان لازوال جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی دل سے راضی ہو گئے ہیں پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ بہت بڑی جزاء ہے اجر عظیم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ اللہ کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک کے چپے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ جو گوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگا تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز بلند ہو اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور گر جتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے آداب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ

آیتوں کی تعداد ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ
۹۹ آیتوں پر مشتمل

سورہ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ لِحَرْكَتِ لِقِيَامِ السَّاعَةِ زَلْزَالَهَا ۝ تُخْرِجُهَا السَّاعِدَةُ الْمُنَاسِبَ لِعَظْمِهَا وَ
 اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَنْفُسَهَا ۝ كُنُوزَهَا وَمَوْنَاهَا فَالْقَتُّهَا عَلٰى ظَهْرِهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ الْكٰفِرِ بِالنُّعْبِ مَا
 لَهَا ۝ اِنْكَارِ النِّلِكَ الْحَالَةِ يَوْمَئِذٍ ۝ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا تُحَدِّثُ اَنْبَاَهَا ۝ تُخْبِرُ بِمَا عَمِلَ عَلَيْهَا
 مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ يٰ اَنّٰ ۝ بِسَبَبِ اَنْ رَبِّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ اٰى اَمْرَهَا بِذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ تَشْهَدُ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ
 اَوْ اَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا يَوْمَئِذٍ يُصَدِّرُ النَّاسَ ۝ يُنْصِرُ فَوْقَ مَنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ اَشْتَاتًا
 مُنْتَفِرَيْنِ فَاخَذَ ذَاكَ الْيَمِيْنِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاخَذَ ذَاكَ الشِّمَالِ اِلَى النَّارِ لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ اٰى جَزَائِهِمْ
 الْجَنَّةِ اَوْ النَّارِ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ اٰى يَرْتَوٰى ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
 ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ جَزَاءَهُ

ع

توجہ دینا: جب زمین ہلا دی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال میں آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا آکا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) اور اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کئے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دینے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد و عورت نے اس پر کیے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہو کر (مختلف سمتوں کی طرف) دائیں اعمال الناس والے جنت کی طرف اور بائیں اعمال الناس والے دوزخ کی جانب) تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چھوٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا

اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: مکہ: یہ ابن مسعود، عطاء اور جابر کا قول ہے۔

قولہ: مدینہ: یہ ابن عباس وقت وہ کا قول ہے۔

قولہ: اِذَا زُلْزِلَتْ: یہ نوحہ ثانیہ کا زلزلہ ہے اس کا قرینہ مردوں کا قبور سے نکلنا ہے۔

قولہ: اَلْمُنَاسِبُ: جو حرکت اس کی بڑی جسامت کے مناسب ہے۔ صوت اسرائیل سے وہ اس قدر حرکت کرے گی کہ وہ اپنے اندر کی ہر چیز کو پہاڑ درخت، عمارت خزان وغیرہ باہر پھینک دے گی۔

قولہ: فَمَنْ يَعْمَلْ: بعض نے کہا یہ اس بات سے مشروط ہے کہ کفر سے وہ چھوٹے عمل جہٹ نہ ہوں اور غفلت سے وہ منائے نہ گئے ہوں۔ کافر کے حسات کام آنے کے متعلق اختلاف ہے۔ تخفیف تو ہو سکتی ہے مگر آگ میں سے نکلنا نہ ہوگا۔ اگر عدم تخفیف والی آیات کا مطلب یہ ہوگا کم یا زیادہ عذاب میں ابتلاء کے بعد تخفیف نہیں۔ (واللہ اعلم)

قولہ: اَلْكَافِرُ بِالْبُعْثِ: کی قید اس لیے لگائی کہ وہ ان کا منکر تھا۔ اسی وجہ سے پوچھے گا باقی مومن کو تو یقین ہے وہ نہ پوچھے گا بلکہ کہے گا ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون الآية۔

قولہ: تُخْبِرُ بِمَا عَمِلَ: اللہ تعالیٰ زمین کو بولنے کا حکم فرمائیں گے۔ جیسا حدیث میں ہے۔

قولہ: لِيُرَوَّا: میں روایت بصری مراد ہے۔ اعمالہم کا مفعول ثانی ہے۔

۱۔ زمین کو نوحہ اولی کے وقت سخت زلزلے سے اپنے کنوز و دقائن نکال پھینکے گی اور دوسرے نوحہ کے وقت مردوں کو اس طرح نکالے گی جیسے ماں بچے کو جنتی یا عمدہ کھیت سے کھیتی آگتی ہے۔

۲۔ اگر زلزلے کے وقت زندہ ہو تو تعجب سے یہی کہے زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس قدر شدید حرکت میں ہے۔

۳۔ زمین اپنے اوپر کیے جانے والے اعمال کی خبر دے گی جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے آپ نے استفسار فرمایا:

زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا: اللہ ورسول کو معلوم ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زمین گواہی دے گی کہ اس

بندے اور بندی نے فلاں فلاں روزیہ عمل کیا۔ (قرطبی: ۱۳۹/۲۰)

۴۔ قبور سے نکل کر لوگ رواں دواں موقف حساب کی طرف جائیں گے اور وہاں سے اپنے جزاء و سزا کے مقام کی طرف

گروہوں میں واپس ہوں گے، ان کے صحائف اعمال دکھا کر جنت و دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ نیک اپنے کو ملامت کرے گا

کہ میں نیکیاں اور کیوں نہ بڑھائیں اور گناہ گار اس پر ملامت کرے گا کہ میں نے گناہوں سے اپنے کو کیوں نہ روکا۔ (قرطبی)

۵۔ ہر چھوٹے بڑے اچھے برے عمل کا بدلہ مومن کو اس کے مطابق ملے گا، باقی کافر و مشرک کے کفر نے اس کی نیکیوں کو تو برباد کر

دیا۔ اور برے اعمال مزید سزا کا باعث بنیں گے۔ اہم اعمال دون ذلک الآية۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے اسی طرح نقل کیا گیا، عبداللہ بن مسعودؓ، عطاءؓ اور جابرؓ کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی بظاہر اس قول کا منشا یہ ہے کہ اس سورت کا اسلوب بیان کئی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

(بط) اس سے قبل سورت میں: جزاء ہم عند ربہم جنت عدن..... اہل ایمان و طاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا، ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو یہ بشارت سن کر شوق و انتظار ہو سکتا تھا کہ یہ نعمتیں انکو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جا رہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جا رہا ہے اور کس طرح آسمان و زمین اور نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا برا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص برے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا

لفظ زلزال اور زلزلہ دونوں سخت جھٹکا کھانے اور سخت حرکت کرنے کے معنی میں آتے ہیں دونوں باب فعل لکھ (رباعی مجرد) کے مصادر ہیں زِلْزَالَهَا مفعول مطلق ہے جو تاکید اور بیان شدت کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں فرمایا: زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا یہاں بھی قیامت کے زلزلہ کو بیان فرمایا ہے، یہ زلزلہ بہت سخت اور شدید ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (اے لوگو! بے شک اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت زلزلہ

بہت بڑی چیز ہے) وہ زلزلہ دنیا والے زلزلوں جیسا نہیں کہ دو چار شہروں میں آ گیا وہ تو پوری زمین کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا، اس وقت کی سخت مصیبت کو سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا ہے: يَوْمَ تَوَدُّونَهَا أَنَّهَا تَذْخَلُكُمْ كُلُّ مَرْصِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعْتُمْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ خَلْجٍ خَلْجَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَهُمْ بِسُكْرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (جس روز تم اس کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنی دودھ پیتے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی، اور وہ لوگ تجھے نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، اور لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز) اتنے بڑے سخت زلزلہ کے بعد میدان حشر

میں حاضری ہوگی، سب قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لیے جمع کیے جائیں گے، اب زمین اپنے اندر کے دینوں کو نکال دے گی جسے: وَ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا میں بیان فرمایا ہے، مردے بھی باہر آ جائیں گے اور اموال بھی، یہ سب اموال کے کچھ کام نہ آئیں گے جن پر دنیا میں لڑائیاں لڑا کرتے تھے اور لوگوں کی جانیں لیتے تھے میدان حشر میں لوگ جمع ہوں گے

اعمال نامے پیش ہوں گے۔ گواہیں ہوں گی انہی گواہیاں دینے والوں میں زمین بھی ہوگی جسے: يَوْمَ يَمِيزُ الْفَعْلَنُ أَثْقَالَهَا

میں بیان فرمایا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَصُدُّ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوَّاْ اَعْمَالَهُمْ ۝

یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدان حشر میں طرح طرح کی جماعتیں بن کر حاضر ہوں گے۔ ایک گروہ شرایعوں کا ہوگا، ایک زانیوں کا، ایک ظالموں کا، ایک چوروں کا، علیٰ ہذا القیاس۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہو کر جو لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہو کر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائیں گی۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی (گو وہ تفصیل بھی اجمال کو لیے ہوئے ہے جو بڑی محکم اور فیصلہ کن بات کرنے والی ہے) ارشاد فرمایا: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ (سو جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی خیر کا کام کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جنت میں نعمتوں سے نوازا جائے گا)۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (اور جس شخص نے ایک ذرہ برابر کوئی شر (یعنی برائی) کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا) یعنی اس کی سزا پالے گا اور اپنے کیے کا انجام دیکھ لے گا۔

ان دونوں آیتوں میں خیر اور شر اور اصحاب خیر اور اصحاب شر کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ فرمایا ہے ایمان ہو یا کفر، اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال سب کچھ سامنے آ جائے گا، لہذا کوئی سی بھی نیکی کو نہ چھوڑے خواہ کتنی بھی معمولی معلوم ہو اور کسی بھی برائی کا ارتکاب نہ کرے خواہ کتنی ہی معمولی ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اسوال زکوٰۃ کے نصاب بیان فرمائے زکوٰۃ کی ادا نہ کر نے والوں کا قیامت کے دن کا عذاب بتایا آخر میں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیے اگر کسی کے پاس گدھے ہوں، اور ان کی زکوٰۃ کی ادا نہ کر کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم (خصوصی) نازل نہیں کیا گیا۔ یہ آیت جو اپنے مضمون میں منفرد اور جامع ہے نازل کی گئی ہے یعنی: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (رواہ البخاری صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲، ۲۱۹: ۱۷)

مومن بندوں کو کسی موقع پر بھی ثواب کمانے سے (اگرچہ تھوڑا ہی ساعل ہو) غفلت نہیں چاہیے جیسا کہ گناہ سے بچنے کا فکر کرنا بھی لازم ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کا ہمیشہ یہی طرز رہا ہے۔ جس قدر بھی ممکن ہو جانی اور مالی عبادت میں لگے رہیں۔ اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کریں۔ اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جائے تو کہہ لیں۔ ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کرنے کا موقع ہو تو اس کی تلاوت کرنے سے دریغ نہ کریں۔ حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتقوا النار ولو بشق تمرة فمن لم يجد فبكلمة طيبة (دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو، سو اگر وہ بھی نہ پاؤ تو بھلی بات ہی کہہ دو)۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۷۱: ۲۷)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبے میں فرمایا خبردار! یہ دنیا ایسا سامان ہے جو سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک اور بد سب کھاتے ہیں پھر فرمایا خبردار! آخرت (اگرچہ ادھار ہے اس) کا وعدہ سچا ہے اس

میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو قدرت والا ہے، پھر فرمایا خبردار ساری خیر پوری کی پوری جنت میں ہوگی اور خبردار شر یعنی برائی پوری کی پوری دوزخ میں ہوگی۔ پھر فرمایا کہ خبردار عمل کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۱۰۸﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۱۰۹﴾ (سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا)۔ (رواہ کفای المصنوع ص ۱۰۸)

ہر مومن کے سامنے سورۃ الزلزال کی آخری دونوں آیات پیش نظر رہنی چاہئیں خیر میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ہلکے سے ہلکے کسی نگاہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! معمولی گناہوں سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اعمال کے لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں)۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۰۸)

حضرت انسؓ نے ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ بعض ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں یعنی تم معمولی سا گناہ سمجھتے ہو اور ہمارا یہ حال تھا کہ ہم انہیں ہلاک کرنے والی چیزیں سمجھتے تھے۔

(رواہ البخاری ص ۹۶۱: ج ۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ: إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ نصف قرآن کے برابر ہے اور سورہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴿۱﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورہ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴿۱﴾ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی ابواب فضل القرآن)

سُورَةُ الْعَادِيَاتِ

سُورَةُ الْعَادِيَاتِ
۱۰۰ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۱۰۰
رُكُوعُهَا ۱

اس سورہ آیات کہ میں نازل ہوئی
سورہ اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

وَالْعَادِيَاتِ الْخَبِيلِ تَعْدُو فِي الْغُرُورِ وَتُصْبِحُ صُبْحًا ۝ هُوَ صَوْتُ أَحْزَانِهَا إِذَا عَدَتْ فَالْمُورِيَاتِ الْخَبِيلِ
تُورِي النَّازِقِدْحًا ۝ بِخَوَافِرِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الْأَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝
الْخَبِيلِ لِيُعْرِزَ عَلَى الْعُدُوِّ وَقَتِ الضُّبْحِ بِإِعَارَةِ أَصْحَابِهَا فَاتَّوَنَ ۝ هُمُجَنَ بِهِ ۝ بِمَكَانِ غَدْرِهِنَّ
أَوْ بِذَلِكَ الْوَقْتِ نَقَعًا ۝ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرْكِتِهِنَّ قَوْسَطَنَ بِهِ ۝ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ۝ مِنَ الْعُدُوِّ أَيْ صِرْنِ
رُسْطَاهُ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلَى الْإِسْمِ لِأَنَّهُ فِي تَأْوِيلِ الْفِعْلِ أَيْ وَاللَّيْلِ عَدُوٌّ فَأَوْرُزِينَ فَأَعْرَنَ إِنَّ الْإِنْسَانَ
أَي الْكَافِرَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ لَكُفْرُهُ يَجْحَدُ نِعْمَةَ تَعَالَى وَإِنَّ عَلَ ذَلِكَ أَيْ كُتُوبِهِ لَشَهِيدٌ ۝ يَشْهَدُ
عَلَى نَفْسِهِ بِضَيْعِهِ وَإِنَّ لِحُبِّ الْخَيْرِ أَيْ الْمَالِ لَشَدِيدٌ ۝ أَيْ لَشَدِيدِ الْحُبِّ لَهُ فَيُخَلِّ بِه أَفْلا
يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ ۝ أُبْئِرَ وَأُخْرِجَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝ مِنَ الْمَوْثِيِّ أَيْ بُعِثُوا وَحُصِّلَ بَيْنَ وَأَفْرَزَ مَا فِي
الْبُدُورِ ۝ الْقُلُوبِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ۝ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيهِمْ عَلَى
كُفْرِهِمْ أَعْيَدَ الضَّمِيرُ جَمْعًا نَظَرَ الْمَعْنَى الْإِنْسَانَ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ ذَلَّتْ عَلَى مَنْعُولٍ نَعَسَمُ أَيْ أَنَا نُجَازِيهِ
وَقَتٌ مَا ذَكَرَ وَتَعَلَّقَ خَبِيرٌ بِتَوْمِيدٍ وَهُوَ تَعَالَى خَبِيرٌ دَائِمًا لِأَنَّهُ يُزَمُّ الْمَجَازَاةَ

توجہ کیا: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھکارے مارتے ہیں) اپنے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو
آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ناپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی چنگاریاں جھاڑتے ہیں) اپنے کھروں سے رات کے
وقت پتھر لی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں (گھوڑا دوڑ سے دھول) پھر اسی (گردوغبار

کی حالت میں کسی جمع کے اندر جا گھتے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ گھتے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تادیل نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہو جائے گی۔ واللّٰتی عدون فاوردین فاغرون) حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے) اور اس کو خود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کرتوت سے اپنے اوپر گواہ ہے) اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے (مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لیے نکل کر تباہی کر رہا ہے) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ جب نکال لیا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کر لیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے (یعنی مردے کرتا ہے) ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائے گا (اور آشکارا) ظاہر اور واضح) ہو جائے گا۔ جو کچھ دلوں میں ہے (کفر و ایمان) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (لہذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔ جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔ یہ جملہ یعلم کے مفعول پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی انا نمازیہ وقت ماز کر اور خیر کا تعلق یومئذ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔ اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: وَالْعُدِّيَّة: کی یا غازیات کی طرح واؤ سے بدل کر آئی ہے۔ عادیہ: تیزی سے چلنا۔
 قوله: هُوَ صَوْتُ: گھوڑے کے دوڑتے وقت جو آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے۔
 قوله: قَدْ حَا: یہ حال ہے۔ وہ ٹاپ، رکر چنگاریاں اڑانے والے ہیں، عرب کہتے ہیں: قدحت الحجر بالحجر۔ میں نے پتھر کو پتھر سے رگڑا۔
 قوله: فَاتَّوَّنَ: یہ فاس دلالت کے لیے لائے ہیں کہ ہر ایک کا مابعد ماقبل پر مرتب ہوتا ہے۔ درمیان میں جمع کا لانا۔
 اثارة: [غبار اڑانا] پر مرتب ہے جس کا مد اور دشمن پر شیون مارنے پر ہے۔ (قاسمی)
 قوله: بِمَكَانٍ: یہیں ضمیر مکان کی طرف مثنیٰ ہے اگرچہ اس کا تذکرہ ماقبل موجود نہیں مگر دوڑ کے لیے مکان تو لازم ہے۔
 قوله: وَأُوْبِدِلِكْ: یعنی صبح کے وقت یعنی وہ بوقت صبح غبار اڑاتے ہیں۔ یہ عمدہ ہے اس لیے کہ اول میں تصریح ہے۔ دونوں تفاسیر کے مطابق بانی کے معنی میں ہے۔
 قوله: بِالنَّعِجِ: یہ کی ضمیر نفع کی طرف راجع ہے۔ بایہ تعدیہ کے لیے ہے۔ جعلن الغبار وسط الجمع۔ وہ غبار کو جمع کے درمیان کر دیتے ہیں۔

قوله: أَفَلَا يَعْلَمُ: ہمزہ انکار کے لیے اور فا عاطفہ ہے۔ نقاضا مقام سے معطوف مقدر ہے ای يفعل ما يفعل من القبائح فلا يعلم اذا بعثر ما فى القبور۔ یہ تمہدید و وعید ہے۔ کیا یہ جو برے کرتوت کر رہا ہے یوں ہی کرتا جائے گا کیا یہ مردوں کے اکھاڑے جانے سے واقف نہیں۔ (الإسموعی)
 قوله: إِنَّ رَبَّهُمْ: یومئذ اور ہم دونوں الجبیر سے متعلق ہیں۔ فاضل ہونے کی وجہ سے مقدم کیے۔ یومئذ کی ثنویں ۱۱

جلوں کے عوض میں ہے۔ تقدیر یہ ہے یوم اذبعثر ما فی القبور و حصل ما فی الصدور و هو یوم القیامۃ۔

قوله: وَتَعْلَقُ خَبِيرٌ: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس مجازات کے متعلق ہم بعض ظہور کی نسبت درست ہوئی۔

- ۱۔ جہد کی ترغیب گھوڑوں کی صفات کے تذکرہ کی وجہ سے دلائی گئی ہے۔
- ۲۔ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کرنے والا ہے۔ جنگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ خوشحالی میں بھول جاتا ہے۔
- ۳۔ انسان کے مزاج میں حرص مال اس قدر چاہے کہ کمال حقیقی کے حاصل کرنے اور معاد سے غافل ہو گیا ہے۔
- ۵۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ماضی، حال اور مستقبل سب کو حاوی ہے۔ مگر یومئذ سے تاکید کر دی کہ ہمارے علم سے سابق و مستقبل کوئی بھی غائب نہیں۔ اور اسے جزئیات و کلیات سب کی خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

اکثر مفسرین نے اس کو نکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر حسن بصری اور عکرمہ اجمعین کا یہی قول ہے جس روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اور قتادہؓ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی، لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۃ زلزلہ کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا انجام ہے بیان کرتا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس امر کو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی و فکری صلاحیتوں سے محروم ہونے کے جہاں کودی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر مہالک اور شہائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسان اشرف المخلوق ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا، اور نہ ہی اس کی اطاعت فرماں برداری میں کوئی جفا کشی و ہمت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے با مقابل حرص دلاج اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں ڈگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت و تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکر آخرت سے غافل ہے۔

وَالْعَدِيَّتِ ضَبْحًا

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات و صفات کا ذکر فرمایا اور ان کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں یہ حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، انسان کے لیے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بنانا ہے اور یہ بات بھی پہلے آ چکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت

دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم و اشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، انکو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا ایک واسطہ بنا ہے اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے، اسکے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل و شعور دیا، ان کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اکمل و اعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا اب الفاظ آیت کی تشریح دیکھئے عادیات، عدو سے مشتق ہے جس کے معنی دوڑنے کے ہیں۔ ضما، ضم، و خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دوڑنے کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے جس کا ترجمہ ہانپنا کیا گیا ہے۔ موریات، ایراء سے مشتق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے چقماق کو مار کر یا دیا سلانی کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ قدحا، قدح کے معنی ٹاپ مارنے کے ہیں پتھریلی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دوڑے خصوصاً جبکہ اس کے پاؤں میں آہنی نعل بھی ہو مگر او سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مغیرات، اغارہ سے مشتق ہے جس کے معنی حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صبحا صبح کے وقت کی تخصیص بیان عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہر شجاعت کے لیے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے اثرن، اثارت سے دوڑتے ہیں کہ ان کے سموں سے غبار اڑ کر چھا جاتا ہے خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اڑنا زیادہ سرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت عادیۃ غبار اڑنے کا نہیں، کسی سخت دوڑنے سے اس وقت غبار اٹھ سکتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا

(پھر یہ گھوڑے کسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں) اہل عرب کے نزدیک گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی ان کا تو کام ہی یہی تھا کہ باہم لڑتے رہتے تھے اور بڑے قبیلے پھولے قبیلوں پر صبح کو غارت گری ڈالتے تھے یعنی رات کو رے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو جہاں حملہ کرنا ہوتا وہاں حملہ کر دیتے تھے اموال لوٹ لیتے تھے اور جو کوئی سامنے آتا اسے قتل کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی اور انہیں یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں ایسے جاندار، جاندار جنکوں میں کام آنے والے گھوڑے بھی دیئے ہیں دوسری نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے اس شکر میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ (آپ پر ایمان لانے سے پہلے گھوڑوں کو غلط استعمال کرنے رہے ہو، اب اس کا رخ بھی بدل جائے گا اور یہ گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں استعمال ہونے لگیں گے)۔ ہذا ما سنح فی قلبی فی ربط القسم بہ و المقسم بہ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کے گھوڑے مراد ہیں (سالی روح المعانی) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے حج میں کام آنے والے گھوڑے مراد ہیں جو عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے تھے۔
 إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ﴿۱۰﴾

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی و جہان بازی بتلاتی ہے کہ وہ فدا و شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی تو توں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکر اور نالائق ہے بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال۔ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوارا اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا اور ہانپتا ہوا اپنا پیٹ مارتا اور غبار اٹھاتا ہوا گھسٹان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواردوں اور سنگینوں کے سامنے بڑکریں نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات فداوار گھوڑا سوار کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھ کر اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ بیشک انسان بڑا ناشکر اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿۱۰﴾

خیر کے لفظی معنی ہر بھلائی کے ہیں۔ عرب میں مال کو بھی لفظ خیر سے تعبیر کرتے تھے، گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے حالانکہ درحقیقت بعض مال انسان کو ہزاروں مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی مال انسان کے لیے وبال بن جاتا ہے مگر عرب کے محاورہ کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کر دیا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں فرمایا ان ترک خیر، یعنی یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے۔

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئیں، ایک یہ کہ وہ ناشکر ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں ان میں انسان کو ان مذموم خصلتوں پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا حالانکہ وہ انسانی ضروریات کا مدار ہے۔ اور اس کے کسب و اکتساب کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے تو مال کی محبت کا مذموم ہونا یا تو وصف شدت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پروا نہ رہے، اور یا اسلئے کہ مال کا کسب و اکتساب اور بقدر ضرورت جمر کنا تو مذموم نہیں بلکہ فرض ہے مگر محبت اس کی بھی مذموم ہے کیونکہ محبت کا تعلق دل سے ہے اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اس سے کام لینا تو ایک فریضہ اور محمود ہے لیکن دل میں اس کی محبت ہونا پھر بھی مذموم ہی ہے۔ جیسا انسان پیشاب پاخانے کی ضرورت کو پورا بھی کرتا ہے اس کا اہتمام بھی کرتا ہے مگر اس کے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ بیماری

میں دوا بھی پیتا ہے آپریشن بھی کراتا ہے مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ بدرجہ مجبوزی کرتا ہے اس طرح اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہئے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی نے بڑے لمبے انداز میں فرمایا ہے

آب اندر زید کشتی کشتی است آب در کشتی ملاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی جب کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اس طرح مال جب تک دل کی کشتی کے ارد گرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ آخر سورت میں انسان کی ان دونوں مذموم خصلتوں پر آخرت کی وعید سنائی گئی۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ ۱۱ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ ۳۰

سورة قارعة میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیرہ آیتیں ہیں

الْقَارِعَةُ ۱۱ أَي الْقِيَامَةِ الَّتِي تَفْرَعُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا مَا الْقَارِعَةُ ۝ تَهْوِيلٌ لِشَائِعِهَا وَهِيَ مُبْتَدَأٌ وَ
 خَيْرٌ خَيْرِ الْقَارِعَةِ وَمَا أَدْرَاكَ ۝ أَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ زِيَادَةٌ تَهْوِيلٌ لَهَا وَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهَا
 خَيْرٌ وَمَا الثَّانِيَةٌ وَخَيْرٌ هَانِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَدْرَى يَوْمَ نَاصِبُهُ دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ أَي تَفْرَعُ
 يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ كَفَرُوا بِالْجُرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمْوُجُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ لِلْخَيْرَةِ إِلَى أَنْ
 يُدْعُوا لِلْحِسَابِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ كَالصُّوفِ الْمَنْدُوفِ فِي خِفَّةٍ سَبَّرَهَا حَتَّى
 تَسْتَوِيَ مَعَ الْأَرْضِ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ بَانَ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ
 رَاضِيَةٍ ۝ فِي الْجَنَّةِ أَي ذَاتِ رِضَا بَانَ بِرِضَاهَا أَي مَرْضِيَّةً لَهُ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ بَانَ
 رَجَحَتْ سَيِّئَاتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ فَأَمَّهُ فَمَسْكَنُهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝ أَي مَا هَاوِيَةٌ هِيَ نَارٌ

حَامِيَةً ۞ شَدِيدُ الْحَزَارَةِ وَهَاهُنَا لِلشَّكْتِ تَثْبُتُ وَضَلَاوَةٌ وَقَفَاؤُفِي قِرَاءَةِ نَحْدُفٍ وَضَلَا

ع
۲۱

ترجمہ: کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جو اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو جھڑھڑاتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بتلائی ہے۔ ما القارعة مبتداء خبر سے مل کر جملہ القارعة اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ دہشت ناک ہے۔ ما ادرك میں ما مبتداء ہے ادرك اس کی خبر ہے اور ما القارعة میں ما اور اس کی خبر ادري کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعة دلالت کر رہا ہے یعنی تفرع) لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ دھکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے۔ حتیٰ کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر یعنی پسندیدہ جس میں وہ لگن ہوگا یعنی آرام اسے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیوں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیامت) گہری کھائی ہو گی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دھکی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور ہیہ کی آہ سکتی ہے جو دلف و وصل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالت وصل حذف ہو جاتی ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: سورة القارعة: ربط: پہلی سورت میں قبور کے اکھاڑنے کا تذکرہ ہوا تو اس میں احوال قیامت ذکر فرمایا اور ان کا وقت بھی بیان کر دیا۔ (بعر)

قولہ: يَهْوِيْلُ لِبْسَانِهَا: قیامت کی ہولناکی اور خوفناکی کو اس انداز سے اور شدید کر دیا کہ وہ مخلوقات کے دائرہ علم سے اس طرح نکلنے والی ہے کہ کسی کی سمجھ اس کو پا نہیں سکتی کہ اس کا ادراک ہو سکے۔ مفسر نے اشارہ فرمایا: کہ ما استفہامیہ اور اس میں تعظیم و عجب کا معنی پایا جاتا ہے۔ (کشف)

قولہ: نَاصِبَةٌ ذٰلِكَ عَلَيْهِ: الْقَارِعَةُ كَالْفَظِ اس پر دلالت کرتا ہے اور پہلا الْقَارِعَةُ اس کا عامل اس لیے نہیں بن سکتا کیونکہ خبر کے ذریعہ ان میں فاصلہ ہے اور الْقَارِعَةُ ثانیہ بھی عامل نہیں ہو سکتا اور نہ ثالث کیونکہ طرف معنوی اعتبار سے اس کے مناسب نہیں بنتا۔ پس اس کا ناصب محذوف ہے یعنی تفرع القیامة القلوب یوم یكون الناس۔۔۔ الایة۔ (کشف المبین)

قولہ: كَالضُّوْفِ الْمُنْدُوْفِ: علامہ قرطبی کہتے ہیں: مندوف: منغوش وہ اون جو ہاتھوں سے دھکی جائے، پہاڑ اس اون کی طرح ہوں گے جو ہاتھوں سے دھکی جائے یہ شاندار تعبیر ہے۔ مندوف: وہ دن جو آ لے سے دھکی جائے۔

قولہ: ذَاتِ رِضًا: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ یہ نسبت نامر، لاین کی طرح ہے اسی وجہ سے مرضیہ سے اس کی تفسیر کی بعض اور مرضیہ نقل کیا تو اس سے اسناد مجازی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ: وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ: آیت میں دو قسمیں آئیں۔ خفیف و ثقیل اعمال والے تیسری قسم جن کے اعمال برابر ہوں گے۔ بعض نے کہا: کہ ان سے حساب لیر لیا جائے گا۔ (کشف)

۱۔ قیامت کے احوال و شدائد بت کوئی عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی گویا احوال دنیا اس کے مقابلے میں بچ اور دنیا کی آگ اس آگ کے مقابلہ میں گویا آگ کہلانے کی حد قرار نہیں۔

۲۔ انسانوں کا حال بکھرے ہوئے پرانوں کی طرح دیا اور پہاڑوں کی چار حالتیں بتائیں: ۱۔ لکڑے لکڑے ہو جانا فرمایا: فذکتا ذکة واحدة۔ الحاقہ: ۱۳/۶۹۔ ۲۔ نرم ریت کے تودے بن جانا و تری الجبال جامدة ہی عمر مر السحاب۔ النمل: ۸۸/۲۷۔ ۳۔ دھنی ہوئی رنگی ہوئی اون کی طرح ہو جانا، فرمایا: كالعهن المنفوش الآية۔ ۴۔ سراب بن جانا، فرمایا: فكانت سرايا۔ النبأ: ۷۸/۲۵۔

۳۔ لوگ دو قسم کے ہوں گے بھاری اعمال والے جن کی نیکیاں غالب ہوں گی۔ ان کا انجام جنت ہوگا۔ ۲۔ جن کی برائیاں غالب ہوں گی یہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

۴۔ حضرت اکبر فرماتے تھے: حق کی اتہار سے حق والوں کے میزان بھاری ہوں گے اور حق کی مخالفت کی وجہ سے باطل پرستوں کے میزان ہلکے ہوں گے۔ حق بھری ہے اس کی وجہ سے میزان بھاری چاہیے، باطل ضعیف ہے اس کی وجہ سے میزان ہلکا ہونا چاہیے۔ (ہرازی)

۵۔ احوال قیامت سے خوف کی گئی ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ قارعہ با اتفاق ائمہ مفسرین کی سورت ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ و دیگر صحابہ مفسرین سے اسی طرح منقول ہے کہ سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثبات قیامت اور حشر و نشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت و شقاوت کے اصول احوال آخرت اور جزاء و جزا کا ذکر تھا، اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حادثہ دہراور توارع زمانہ کہا جاسکتا ہے بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ انسان غفلت سے چوٹے اور فکر آخرت کے لیے تیار ہو جائے، قرآن کریم میں ایسے تمام مضامین اور آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔ بعض ائمہ مفسرین نے توارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس سورت کی گیارہ آیات میں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خواب غفلت سے بیدار کر دے اور انسانی جامد قوی میں حرکت پیدا کر دے، بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات و کامیابی اور ہلاکت

کار از ظاہر کر دیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت و بربادی کے راستے سے اجتناب کرے۔
القارعة

قارعہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جیسے آفت ط آرمہ اس آفتِ غاشیہ وغیرہ اس کی بڑائی اور بولنا کی کے بیان کے لیے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا پھر خود بتاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر و پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں اور جگہ فرمایا ہے: کانہہ جواد منتشر کو یادہ نڈیاں ہیں پھلی ہوئیں پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ وحشی ہوئی ادن کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے پھر فرماتا ہے اس دن ہرنیک و بدکا انجام ظاہر ہو جائیگا نیکیوں پر چھاگئیں بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ جنہی ہو جائیگا وہ منہ کے بل ادنہ حاجنہم میں گرا دیا جائیگا ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہادیہ میں جائیگا اور یہ بھی معنی یہیں کہ فرشتے جہنم میں اسے کے سر پر عذابوں کی بارش برسا ئیں گے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لیے قرار گاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے ہادیہ جہنم کا نام ہے اسی لیے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہادیہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے حضرت اشعث بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو مرچکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں وہ تو اپنی ماں ہادیہ میں پہنچا ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب سبب سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب مفتہ النار میں وارد کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے آمین! پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے بڑے شعلے مارنے والی جھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا ستر حواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت ﷺ ہلاکت کو تو یہی کافی ہے آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے اہتر حصے تیز ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ایک حصہ اس آگ جیسا ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا ستر حواں حصہ ہونے کے بھی دوسرے مسند کے پانی میں بجھا کر بھی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھ سکتے اور حدیث میں ہے یہ آگ سوداں حصہ ہے طبرانی میں ہے جانتے کہ تبارکی اس آگ و جہنم کی آگ کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود:

ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال تک سفید ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہو گئی پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے مسند احمد کی حدیث ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہو گئی جس سے اس کا دماغ کھد ہو گیا بخاری و مسلم میں ہے کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے اللہ میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو پھر یہ آگ اسے دوسرا حصہ لینے کی اجازت دی ایک جاڑے میں ایک گرمی میں پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے۔ پھر یہ آگ کہنی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔

کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے



سُورَةُ التَّكْوِيْنِ ۱۰۲ مَكِّيَّةٌ ۱۱
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 نَبَاثَا ۸ رُكُوْعَاتُهَا ۱
 سورہ تکوین نام سے جو ہے حمد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

الْهٰكُمُۥ شَغَلَكُمۡ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ التَّكَاثُرُ ۱ التَّفَاخُرُ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالرِّجَالِ حَتّٰی زُرْتُمُۥ
 الْمَقَابِرَ ۲ بَانَۙ مَثَمٌ فَدَفِنْتُمْ فِيْهَا ۙ اَوْ عَدَدْتُمْ الْمَوْتٰى تَكَثُرًا ۙ كَلَّا رِدْعٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْنَ
 تَعْلَمُوْنَ ۴ سُوۡءٌ عَاقِبَةٌ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّعۡرِ ثُمَّ فِى الْقُبْرِ كَلَّا ۙ حَقًّا لَّوۡ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيۡنِ ۵ اٰى
 عِلْمًا يَفِيۡنَا عَاقِبَةُ التَّفَاخُرِ مَا اسْتَعْلَمْتُمْ بِهٖ لَتُرَوۡنَ الْجَحِيۡمَ ۶ النَّارَ جَوَابَ الْقَسَمِ مَحْدُوۡفٌ وَّحَدِۡفٌ مِّنْ
 لَّامِ الْفِعْلِ وَعَيْنُهُۥ وَاُلْقٰى حَزۡنُهَا عَلٰى الرَّاۡى ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا ۙ تَاكِدٌ عَيْنِ الْيَقِيۡنِ ۷ مَضَدٌ لِاَنَّ رَاۡى
 وَعَايِنٌ بِمَعْنٰى وَاٰحِدٌ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ ۙ حَدِۡفٌ مِّنْهُ نُوۡنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي التُّرُوۡنَاتِ وَاوَالِ الضَّمِيۡرِ الْجَمْعِ لِالْتِفَآءِ
 عِ النَّسَاكِتِيۡنِ يَوْمَ يُؤۡمَرُوۡنَ بِهَا عَنِ التَّعِيۡمِ ۸ مَا يَلْتَذُّهٖ فِى الدُّنْيَا مِنَ الصَّحِيۡحَةِ وَالْفِرَآغِ وَالْاَمْنِ
 وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَعَبِيۡرُ ذٰلِكَ

توجہ بہ: تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دمن نے (مال داؤلا دار جتھ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم نے لب گورتک پہنچ جاتے ہو (مرکز زمین میں دفن ہو جاتے ہو یا فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو) ہرگز نہیں (ڈانٹ ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام۔ جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) ہرگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جو ہے قسم مخدوف کا۔ لترون میں لام اور عین حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو

مقبولین شرح جلالین

۸۴۷

الجزء ۳ - التکاثر ۱۰۲

عے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے کیونکہ راہی اور عاصین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کر دیا گیا ہے اور دو ساکن اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی ندرستی فارغ البال، امن و مان، کھانا پینا وغیرہ)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: سورة التکاثر: اس کا ما قبل سے ربط یہ ہے کہ احوال قیامت ذکر کر کے اب دنیا میں مستغرق لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے فرمایا: أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ۔

قولہ: عَدَدْتُمْ الْمَوْتَى: اس کا تم پر عطف ہے اس سے دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا کہ جب تم زندہ لوگوں کو گن چکے تو تم مردوں کے تذکرہ کی طرف منتقل ہوئے اور ان کے ذریعہ اظہار کثرت کرنے لگے۔ تو مردوں کے تذکرہ کی طرف انتقال کو زیارت قبور سے تعبیر فرمایا جیسا مروی ہے کہ بنو ہبم اور بنو عبد مناف نے افراد کی کثرت میں مقابلہ کیا۔ جب بنو عبد مناف کے زندہ قبائل بڑھ گئے تو بنو ہبم کہنے لگے زمانہ جاہلیت میں ہمارے کثیر آدمی قتل ہوئے اب زندہ مردہ کا شمار کرنے سے بنو ہبم بڑھ گئے تو یہ سورہ تری۔ (کشف)

قولہ: لَتُرَوَّنَّ: یہ لٹروں تھا۔ لام دغین فعل حذف کر دیا اور ضمہ آ گیا اور نہ فعل کی صورت میں مختل ہو جائے گی۔ (کرنی)

قولہ: ثُمَّ لَتَسْتَلُنَّنَّ: ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ و عمرؓ سمیت ابوالہثم کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اور گوشت روٹی استعمال فرمائی پھر فرمایا: ان جیسی نعمتوں کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ بندے سے تین چیزوں کے علاوہ پر چیز کا سوال ہوگا۔ وہ کپڑا جس سے ستر ڈھانپا۔ ۲۔ وہ کھڑا جس سے بھوک کا ازارہ کہا۔ ۳۔ وہ کٹھا جس کے ذریعہ گرمی دسردی سے بچا۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ اتمان کا سوال ہے نہ کہ شیخ کا۔ (کشف)

قولہ: وَأَعْيُرَ ذَلِكُ: جیسا اس میں درختوں اور خیموں، مکانات کے سایے وغیرہ آتے ہیں۔

اس سورت میں اعمال صالحہ اور آخرت کی تیاری ترک کرنے والوں کو ڈرایا اور لوگوں کو توبیح کی جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کو مرتے دم تک چھوڑ کر فخر و مہابات میں مصروف ہیں۔ اس توبیح میں ہر قسم کا تفاخر شامل ہے۔ خواہ وہ امواں پر ہو یا اولاد پر، قبیلہ، خاندان، جاہ و جلال، کثرت رجال و اعوان پر ہو اسی طرح علوم و اخلاق پر فخر ہو یا بدن، صحت و جمال پر خواہ وہ مورخاریہ جاہ مرتبہ، اقرباء و اصداق پر تفاخر ہو سب شامل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں صرف اسی سورت میں مقابر کا تذکرہ آیا ہے۔ سخت دل کا بہترین علاج زیارت قبور ہے جو آخرت و موت کی یاد کے لیے ہو۔ یہ امیدوں کو کوتاہ کرتی اور دنیا میں زہد پیدا کرتی ہے۔

۳۔ اس سورت میں عذاب قبر و آخرت کو وعید، تاکید و تفلیط سے ثابت کیا گیا ہے اور مستنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر عمل صالح کی طرف متوجہ نہ ہو گئے تو شرمندہ ہو گئے اور عذاب سے اہلکنار ہو گئے۔

۴۔ قیامت کے روز دنیا کی رنگارنگ نعمتوں جیسے مساکن و اشجار کے سایہ، خوشحال زندگی، صحت و فراغت امن دست و غیرہ۔ سوال تو سب سے ہو گا مگر کفار سے توقع کے لیے ہو گا کیونکہ اس نے شکر کو ترک کر دیا اور مومن سے سوال تشریف کے لیے ہو گا اور یہ سوال بھی موقف حساب میں ہو گا۔

۵۔ اس سورت میں وعید کی ایک انوکھی قسم ذکر کی کہ وعید لتزون الجحیم ذکر کر دی اور قسم کو حذف کر دیا۔

۶۔ بعث و جزاء کی قطعیت کو بیان فرمایا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ نکاش کی سورت ہے، جمہور مفسرین کا یہی قول ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال و اولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انتہاک مادی زندگی اور مال و دولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے، اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ پچھتا تا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔

سورت کے اختتام اس وعید و تنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں، ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہوگی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ

لفظ نکاش کثرت سے تفاعل کا مصدر ہے۔ یہ باب دونوں طرف سے مقابلہ کرنے کے معنی میں آتا ہے جیسے تفاعل دونوں نے آپس میں مل کر تفاعل کیا اور تفاعل دونوں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے آئے، یہاں پر مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ اہل دنیا کا طریقہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں اور جس کے پاس زیادہ مال ہو جائے وہ اس پر فخر کرتا ہے پھر دوسرا شخص اس کے مقابلے میں اپنے مال کی کثرت بیان کرتا ہے اور اگر بیان نہ کرے تو ذہنی مقابلہ تو رہتا ہی ہے اس کو سورۃ الحدید میں یوں بیان فرمایا ہے: **رَاعِلْمُوا اَنْمَاتِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِعِبَادِهَا وَ لَهَا وَ زِينَتُهَا وَ لَهَا خَيْرٌ مِّمَّا تَكْتُمُوْنَ وَ تَحَاوَرُوْا فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ** (جان لو کہ دنیا دہالی زندگی لعب اور لہو ہے اور سجاوٹ ہے اور ایک دوسرے کے مقابلہ

میں فخر کرنا ہے اور اموال و اولاد میں آپس میں اپنے کو دوسرے سے بڑھ کر بتانا ہے۔

مال کی طلب اور کثرت مال کی مقابلہ بازی لوگوں کو اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف سے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے فکرمند ہونے سے غافل رکھتی ہے اسی طرح دنیا گزارتے ہوئے مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں غفلت کی زندگی گزارتی تھی وہاں کے لیے کچھ کام نہ کیا تھا۔ جب وہاں کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ چھوڑا ہوا مال کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اس غفلت کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے انسانوں کی عمومی حالت بیان کی اور فرمایا: **أَلْهَكُمُ الشَّكَاوَةُ ۝ حَشَىٰ ذُرِّيَّتُهُ امْتَقَابِرًا ۝** (تم کو مال کی کثرت کی مقابلہ بازی نے غافل رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں چلے گئے)۔

معالم التنزیل صفحہ (۵۲۰ ص ۴) میں اس موقع پر عرب کی مقابلہ بازی کا ایک قصہ بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ بنی عبدمناف بن قصی اور بنی سہم بن عمرو میں وہی دنیا داری والا تفاخر چلتا رہتا تھا۔ ایک دن آپس میں اپنے افراد کی تعداد میں مقابلہ ہوا دیکھو کن کے مرداروں اور اشراف کی تعداد زیادہ ہے، ہر فریق نے اپنی اپنی کثرت کا دعویٰ کیا جب شمار کیا تو بنو عبدمناف تعداد میں زیادہ نکلے، بنی سہم نے کہا کہ ہمارے مردوں کو بھی تو شمار کرو وہ بھی ہم ہی میں سے تھے، ان کے بعد قبروں کو شمار کیا تو بقدر تین گھروں کی آبادی کے بنو سہم کے چند افراد گنتی میں بڑھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے **أَلْهَكُمُ الشَّكَاوَةُ ۝** نازل فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی اسی طرح مقابلہ بازی کے بعض قصے ذکر کیے ہیں اور انصار کے مقابلہ کے ذیل میں بنی حارث اور بنو الحارث کا نام ذکر کیا ہے۔ سب نزول کے بارے میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں کوئی بھی حدیث مرفوعہ سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی کی طرف ان واقعات کے تذکرہ کو منسوب کیا اور آیت شریفہ کی تفسیر اور توضیح ان واقعات کے جاننے پر متوفی بھی نہیں ہے۔ آیت شریفہ کا جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تم تفاخر و تکاثر میں ایسے لگے کہ قبروں میں پہنچ گئے اس کے بعد تین مرتبہ لفظ **كَلَّا** لاکر متنبہ فرمایا، یہ لفظ جھڑکنے، ڈانٹنے اور شبیہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ ”ہرگز نہیں“ کیا گیا ہے۔ فرمایا: **كَلَّا** (ہرگز ایہ بات نہیں ہے کہ مالوں کا جمع کرنا اور ان کی کثرت پر مقابلہ کرنا تمہارے لیے مفید ہوگا) دنیا میں تو ہمیشہ نہیں رہنا مرنا بھی تو ہے۔ **سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝** (مغربی ہی تم جان لو گے) مکرر فرمایا **كَلَّا** (پھر اس بات کو خوب سمجھ لو کہ مغرب جان لو گے) تیسری بار پھر تاکید فرمایا: **كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝** صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جواب شرط محذوف ہے اور مطلب یوں ہے: (لشغلکم ذلک عن التکالیف) یعنی اگر تم پوری صورت حال خوب یقین والے علم کے ساتھ جان لیتے تو یہ جو تم نے زندگی کا طریقہ بنا رکھا ہے کہ اموال جمع کرتے ہو اور اس کی کثرت پر مقابلہ کرتے ہو اس شغل میں نہ لگتے **عِلْمَ الْيَقِينِ ۝** میں منوصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے اور بمعنی العلم الیقین ہے کیونکہ کبھی کبھی علم کا اطلاق غیر یقین کے لیے بھی آجاتا ہے اس کے لیے یہ انظر لایا گیا **لَوْ تَعْلَمُونَ** کا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔

ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝

صاحب روح المعانی نے یہاں طویل مضمون لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نعمتوں کا سوال کس سے ہوگا اور کب ہوگا؟ چونکہ یہ آیت بھی ماسبق پر معطوف ہے اور اس میں بھی جمع مذکر حاضر کا صیغہ لایا گیا ہے اس لیے سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہوگا جو دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل ہوں گے اور یہ سوال بطور سرزنش اور ڈانٹ کے ہوگا

کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کس کام میں لگا یا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگانے کی بجائے دنیا میں منہمک رہے، اللہ کی یاد سے اور آخرت سے غافل ہو گئے۔

قال صاحب الروح قد روى عن ابن عباس انه صرح بان الخطاب في لترون الجحيم للمشركين وحملوا الرؤية على رؤية الدخول وحملوا السؤال هنا على سوال التفریع والتوبيخ لما انهم لم يشكروا ذلك بالا بيان به عز وجل۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا گویا کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے (یعنی ذلت کی حالت میں لایا جائے گا) اور اسے اللہ تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ شانہ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے نعمتیں دی تھیں اور تجھ پر انعام کیا تھا سو تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں نے مال جمع کیا اور خوب بڑھایا اور اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جو پہلے تھا سو مجھے واپس لوٹا دیجئے میں سارا مال آپ کے پاس لے آتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تو مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے بھیجا تھا، ابن آدم پھر وہی بات کہے گا کہ میں نے مال جمع کیا خوب بڑھایا اور اس سے خوب زیادہ چھوڑ کر آیا جتنا پہلے تھا آپ مجھے واپس لوٹا دیجئے سارا مال لے کر آپ کے پاس واپس آجاتا ہوں (نتیجہ یہ ہوگا) اس شخص نے ذرا سی خیر بھی آگے نہ بھیجی ہوگی، لہذا اسے دوزخ کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی السنن ص ۱۲۳)

گو بظاہر متبادر یہی ہے کہ یہ خطاب ثقہ لُتْسُلُونَ بھی انہی لوگوں کو ہے جو شروع سورت سے مخاطب ہیں لیکن عمومی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سوال ہوگا، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے۔ (۱) عمر کو کہاں فنا کیا۔ (۲) جوانی کو کن کاموں میں ضائع کیا۔ (۳) مال کہاں سے کمایا۔ (۴) اور کہاں خرچ کیا۔ (۵) علم پر کیا عمل کیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ سے نعمتوں کے بارے میں جو سب سے پہلا سوال کیا جائے گا، وہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرست نہیں رکھا تھا، کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الاحکاش)

رسول اللہ ﷺ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا دھیان رکھتے تھے اور اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو ہمراہ لے کر ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا خوشہ پیش کیا جن میں تین قسم کی کھجوریں تھیں، تر کھجوریں بھی اور خشک بھی اور سبکی پکی کے درمیان بھی۔ صاحب خانہ انصاری نے ایک بھری بھی ذبح کی آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں اور کھانا کھایا اور پانی پیا جب سیر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا (کہ نعمت کا کیا حق ادا کیا اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی اس کو کس کام میں لگا یا شکر ادا کیا یا نہیں؟) تم کو بھوک نے گھروں سے نکالا، ابھی تم واپس نہیں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں

ایک حدیث میں اسی طرح کا قصہ مروی ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں یعنی حضرت ابو بکر و عمرؓ کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس میں سے کھایا پھر ٹھنڈا پانی طلب فرمایا پانی پی کر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کھجوروں کا خوشہ ہاتھ میں لے کر زمین پر مارا جس سے کھجوریں بکھر گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا۔ سوائے تین چیزوں کے (۱) اتنا چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی شرم کی جگہ کو لپیٹ لے۔ (۲) (روٹی کا) ٹکڑا جس سے اپنی بھوک کو دفع کر دے۔ (۳) اتنا چھوٹا سا گھر جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے تکلف داخل ہو سکے۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۶۹، از احمد رضا رحمہ اللہ فی شعب الایمان)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے تین چیزوں کے سوا کسی چیز میں حق نہیں ہے (وہ تین چیزیں یہ ہیں) (۱) رہنے کا گھر۔ (۲) اتنا کپڑا جس سے اپنی شرم کی جگہ چھپا لے۔ (۳) روٹی یا بغیر سالن کے اور اس کے ساتھ پانی۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الازہد)

حضرت عبداللہ بن خثیر نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ اَلْهَيْكَةُ الشَّكَاوُتُ پڑھ رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال (انسان تو سمجھ لے کہ تیرا کون سا مال ہے؟) تیرا مال بس وہ ہے جو تو نے کھالی اور فنا کر دیا یا وہ ہے جو تو نے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا۔ یا وہ ہے جو صدقہ دے دیا اور پہلے سے آگے بھیج دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ان تینوں اموال کے علاوہ جو کچھ ہے اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۰)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب آیت کریمہ **ثُمَّ لَتَسْتَأْتِنَّ يَا مَعْشَرَ النَّعِيمِ** نازل ہوئی تو حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سے کون سی نعمت کا سوال ہوگا ہم تو کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا مغفرتیں مل جائیں گے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دفتر ہوں گے۔ ایک دفتر میں اس کے نیک عمل لکھے ہوں گے دوسرے دفتر میں اس کے گناہ درج ہوں گے، اور ایک دفتر میں اللہ کی وہ نعمتیں درج ہوں گی جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں دی گئی تھیں۔ اللہ عزوجل سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائیں گے کہ اپنی قیمت اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ چنانچہ وہ نعمت اس کے تمام اعمال کو اپنی قیمت لگالے گی اور اس کے بعد عرض کرے گی کہ (اے رب!) آپ کی عزت کی قسم (ابھی) میں نے پوری قیمت وصول نہیں کی ہے، اب اس کے بعد گناہ باقی رہے اور نعمتیں بھی باقی رہیں (جن کی قیمت ادا نہیں ہوئی ہے) رہے نیک عمل سو وہ سب ختم ہو چکے ہوں گے، کیونکہ سب سے چھوٹی نعمت اپنی قیمت میں تمام نیک اعمال کو لگا چکی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر رحم کرنا چاہیں گے (یعنی مغفرت فرما کر جنت عطا فرمانا چاہیں گے) تو فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں میں اضافہ کر دیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کیا۔ راوی کہتے ہیں

مقبلیں شرح جلالین

غالباً آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر خدائے پاک کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی نعمتیں

(یوں ہی بغیر عوض کے) بخش دیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۹۷ ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عنایت فرمایا ہے بغیر کسی استحقاق کے دیا ہے۔ اس کو یہ حق ہے کہ اپنی نعمت کے بارے میں سو اس کرے اور مواخذہ کرے کہ تم میری نعمتوں میں رہے ہو، بولو ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور میری عبادت میں کس قدر لگے؟ اور ان نعمتوں کے استعمال کے عوض کیا لے کر آئے؟

یہ سوال بڑا کنٹھن ہوگا، مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر یہ میں عمل صالح کرتے رہتے ہیں اور آخرت کی پوچھ سے لرزتے اور کانپتے ہیں، برخلاف ان کے وہ بد نصیب ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں پلتے بڑھتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو ذرا دھیان نہیں اور اس کے سامنے جھکنے کا ذرا خیال نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَإِنْ تَعْدُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا پھر ساتھ ہی یوں فرمایا: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقَفُورٌ كَفَّارٌ (اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، بلاشبہ انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے)۔

بلاشبہ یہ انسان کی بڑی نادانی ہے کہ مخلوق کے ذرا سے احسان کا بھی شکر یہ ادا کرتا ہے اور جس سے کچھ ملتا ہے اس سے دیتا ہے اور اس کے سامنے باادب کھڑا ہوتا ہے حالانکہ یہ دینے والے مفت نہیں دیتے بلکہ کسی کام کے عوض یا آئندہ کوئی کام لینے کی امید میں دیتے دلاتے ہیں خداوند کریم خالق و مالک ہے، فنی و منفی ہے وہ بغیر کسی عوض کے عنایت فرماتا ہے لیکن اس کے احکام پر چلنے اور سربسجود ہونے سے انسان گریز کرتا ہے، یہ بڑی بدبختی ہے، اللہ کی نعمتوں کو کوئی کہاں تک شمار کرے گا جو نعمت ہے ہر ایک کا محتاج ہے ایک بدن کی سلامتی اور تندرستی ہی کو لے بیچے، کیسی بڑی نعمت ہے جب پیاس لگتی ہے تو غٹا غٹ ٹھنڈا پانی پی جاتے ہیں، یہ پانی کس نے پیدا کیا ہے؟ اس پیدا کرنے والے کے احکام پر چلنے اور شکر گزار بندہ بننے کی بھی فکر ہے یا نہیں؟ یہ غور کرنے کی بات ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیت پڑھ لو، صحابہ نے عرض کیا روزانہ ایک ہزار آیت پڑھنے کی کس طاقت ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اَلْهَيْكَلُ التَّكْوِيْنِ پڑھ لو (اس کے پڑھنے سے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا)۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۰ از شعب الایمان)

سُورَةُ الْعَصْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

العصر
سورة ۱۰۳ منجزة ۱۳

آیتها ۳
آیتها ۱

در عصر کہ میں نازل ہوئی شرع اللہ کے نام سے جو ہے مدبران نہایت رحم والا ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں

وَالْعَصْرِ ۱
الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ
وَالْعَصْرِ ۲
إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ۚ
وَالْعَصْرِ ۳
إِن يَرِئُنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ
وَالْعَصْرِ ۴
إِن يَرِئُنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ
وَالْعَصْرِ ۵
إِن يَرِئُنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ

۱۳

ترجمہ: زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقاً) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ نونے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جتے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: **الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ** : ابن عباس فرماتے ہیں: اس کی قسم اس لیے اٹھائی اس میں احوال کے الٹ پھیر سے دیکھنے والوں کے لیے عبرتیں ہیں، اور نتائج ہیں اور بنانے والے کی ذات پر دلالتیں ہیں۔ (کشف)

قوله: **إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ** : نقصان اٹھانے والے کے حق میں وقت عصر کی قسم اٹھائی، جیسے نفع پانے کے حق میں چاشت کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ گویا خسارہ پانے والے کو کہا جا رہا ہے کہ تمہوڑا سادقت باقی ہے آتو بہ سے سابقہ کا تدارک کر لے۔

قوله: **إِن يَرِئُنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ** : اس سے اشارہ کر دیا کہ تو احوال ماضی ہے امر نہیں۔ الوصیت، وعظ و نصیحت کی وہ بات جو کسی شخص کو عمل کے لیے پہلے کہی جائے عرب کہتے ہیں: قدمت الیہ لہذا جب کہ تم کسی کو حاجت پیش آنے سے پہلے اس کام کے کرنے کا حکم دو۔ (کرخی)

قوله: **عَلَى الطَّاعَةِ** : صبر کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ اطاعت پر صبر یعنی جسے رہنا۔ ۲۔ معصیت سے صبر، برائی سے بچنا۔ ۳۔

مصائب پر صبر، یعنی جذب و فزع سے باز رہنا۔

۱۔ انسان خواہ دنیا کتنا مال پالے اگر آخرت کے لیے صحیح اور پاکیزہ عمل نہ کرے گا تو بہر حال خسارے میں ہے۔

۲۔ زمانہ کی قسم اس لیے کہ اس کے تصرفات صانع کی قدرت و حکمت پر دلالت کرنے والے ہیں۔

۳۔ چار صفات سے متصف، انسان کے علاوہ تمام انسان خسارے میں ہیں۔ وہ نجات والی صفات یہ ہیں: ۱۔ ایمان۔ ۲۔ اعمال

صالحہ۔ ۳۔ باہمی حق کی وصیت۔ ۴۔ باہمی تلقین صبر، اس سے یہ دلیل مل گئی نجات مجموعہ سے متعلق ہے۔ ایمان کے عتامر ایمان

مفصل میں مذکور ہیں اور عمل صالح فرائض کی بجا آوری اور گناہوں سے پرہیز کا نام ہے اور تو اسی حق یہ ہے، خود ایمان پر قائم

رہے اور دوسرے کو اس پر قیام کی تلقین کرے اور تو اسی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جمار ہے اور گناہ سے اپنے کو بچا کر رکھے

اور قضا و قدر پر راضی رہے۔

امام رازئی فرماتے ہیں: یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ حق بھاری ہے اور اس کے لیے مشقتیں لازم ہیں اسی وجہ سے اس کو تو اسی کے

ساتھ ملا کر ذکر کیا۔ کبیر: ۹۰/۳۲۔

امام شافعی فرماتے ہیں: اگر لوگ اس سورت میں غور کر لیں تو یہی ان کے لیے کافی ہو جائے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ عصر بالاتفاق کی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہ قول ہے۔ البتہ

بعض مفسرین قتادہؓ سے اس کے بارہ میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں

کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران و محرومی سے بچانے والی ہیں، (۱) ایمان۔ (۲) عمل صالح۔ (۳) تو اسی بالحق۔ اور

(۴) تو اسی بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمایا گیا۔

سورۃ نکاح میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص و شوق میں گزار دیتا ہے کہ مال و دولت کی کثرت ہو، عیش

و عشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے، تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی

کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ و برباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایہ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح

انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصول اربعہ ہیں، ایمان و عمل صالح، تو اسی بالحق، اور

تو اسی بالصبر، گویا اصول فلاح و سعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے، اسی وجہ سے امام شافعیؒ

فرمایا کرتے تھے ”اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت تمام

دنیا کے انسانوں کے لیے کافی تھی، تو ارشاد فرمایا قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت

وزلت امیری و فقیری، تندرستی و بیماری، راحت و تکلیف اور کامیابی و ناکامی اور غمی و خوشی، غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خرد و شرب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گرانقدر سرمایہ ضائع کر ڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے، دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی ارکان نہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت و نصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلا شہر نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایہ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع و خسارے سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے:

اس سورۃ مہار کہ میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی و بربادی یا اس کے سود مند اور کارآمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچ کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملایا اصل سرمایہ بھی ضائع و برباد کیا، اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان و افکار کو متوجہ کرنے کے لیے قرآن کریم نے یہ آیات نازل فرمائی:

یا ایہا الذین امنوا اهل ادلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم۔ ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے: تو ممنون باللہ ورسولہ و تجاہدون فی سبیل اللہ ہاموالکم و انفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ تو اس چند روزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے، دوسرے یہ کہ بعد احمیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے، کچھ حصہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہو و لعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں، بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کر سکے گا، تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرمادیئے گئے، ایمان عمر صالح تو اسی بالحق، اور تو اوصی بالعب، ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا، عمل صالح اطاعت و فرماں برداری ہے جو تہذیب نفس کا باعث ہے، اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی، تو اس حد تک کمال اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تکمیل ہو جائے گا، مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صالح ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو، اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کا پھیلا یا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسنات باقیہ کا جاری ہو، اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کیلئے حق و صداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تو اوصی بالعب بھی لازم ہے کہ احکام الہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لیے صبر و استقامت کی تلقین راہ حق میں شداوند مصائب کے تحمل کے لیے ہمت دلانا، اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور نوز و فلاح کے بلند ترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور انہی تامل سے

یہ بات ظاہر ہو جائے گی، زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر و برکت اسی میں مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دونوں پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دنیا آلام و مصائب اور آفات و فتن کا گہوارہ ہوگی، اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان و عمل صالح کے فقدان اور تو اسی بالحق اور تو اسی بالصبر کے ختم ہو جانے سے بھی مرتب ہوتی رہی ہے یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کی خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں، اس وجہ سے زمانہ کی قسم کھا کر اس مضمون کو اشراف فرمایا گیا۔

بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فَاللَّهِ قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہ نے کھائی ہیں، کہیں رات کی، دن کی، چاند سورج کی، زمین و آسمان کی شہرہ کی، کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعی کو واضح و در ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس میں غیر اللہ کی قسم کی اشکال بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شکر کا شاہد رکھتی ہے، خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔



سورہ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں

وَيْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٍ أَرْوَادٍ فِي جَهَنَّمَ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ أَيْ كَثِيرٌ الْهُمَزِ وَاللُّمَزِ أَيْ الْعِيْبَةِ نَزَلَتْ فِي مَنْ كَانَ يُغْتَابُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ كَأَمِيَّةِ بْنِ خَلْفٍ وَالْوَلِيدِ بْنِ مُعَيْزَةَ وَغَيْرِهِمَا ۝ وَالَّذِي جَمَعَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَالًا وَعَدَدَهُ ۝ أَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عَدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ يُحْسَبُ لِجَهْلِهِ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ جَعَلَهُ خَالِدًا لَا يَمُوتُ كَلَّا رَدَعٌ لِيُنْبَذَنَّ ۝ جَوَابٌ فَسَمِ مَعْدُوفٌ أَيْ لِيَطْرَحَنَّ فِي الْحُطْمَةِ ۝ النَّبِيُّ نَحْطِمُ كُلَّ مَا أَلْقَى فِيهَا وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا الْحُطْمَةُ ۝ نَادَى اللَّهُ الْمُوقَدَةَ ۝ الْمُسْتَعْرَةَ الَّتِي تَطْلَعُ تَشْرِيفٌ عَلَى الْإِفْدَةِ ۝ الْمُقْلُوبُ فَخَرَفُهَا وَالْمُهْمَا أَشَدُّ مِنَ الْمِ

غَيْرِ مَا لَطَفْنَا بِهَا إِنَّهَا عَلَيْهِمْ جَمَعَ الضَّمِيرِ عَائِدَةً لِمَعْنَى كُلِّ مُؤَصَّدَةٍ ① بِالْهَمْزَةِ وَبِأَنَّ وَبَدَلَهُ مُطَبَّقَةً
 فِي عَمْدٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا مُمَدَّدَةٌ ② صِفَةً لِمَا تَبَلَّاهُ فَتَكُونُ النَّارُ ذَا حِلَّةٍ الْعَمْدُ

ع

ترجمہ: بڑی تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لیے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ درمنہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور کتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو) یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قراءت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنا دے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم بخدوفا کا جواب ہے۔ ای لیطرحن) چکنا چور کر دینے والی جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دبکتی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سنگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی)۔ دل چونکہ نرم و نازک چیز ہے اس لیے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے (وہ ان پر) ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے۔۔۔ ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ و کے ساتھ بمعنی مطبقتہ) ستونوں میں (دو لوں حرفوں کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے) جو اونچے اونچے ہیں۔۔۔ (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: كَلِمَةُ عَذَابٍ: یہ ایسا کلمہ ہے جس سے ہلاکت طلب کی جاتی اور بددعا کی جاتی ہے۔ اس کے مطابق معنی یہ ہو گا: اے اللہ! ہلاکت کو اور اتار ہر ایسے شخص پر جو ہمز و ملز کرنے والا ہو۔ اس صورت میں یہ جملہ انشائیہ ہے۔ ۲۔ دلیل جہنم کی وادی کا نام مانا جائے تو جملہ خبریہ بن جائے گا۔ یعنی ہمز و ملز کرنے والے کے لیے دلیل ثابت ہے۔ اب دلیل: یہ علم معرفہ اور عدل ہوگا۔

قولہ: وَاللَّبِيزِ: ابو العالیہ اور حسن ثرماتے ہیں: ہمز: آدمی کے منہ پر طعن زنی اور ملز پیٹھ پیچھے غیبت کرنا۔ (کشف)

قولہ: أَحْصَاهُ: بار بار گننا اور تک ادغام والی قرأت اس کی مؤید ہے۔ جعل عدہ: یعنی اس کو حواث دھر کے لیے تیار کر کے رکھا۔

قولہ: يَحْسَبُ: گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وہ مال کو کیوں جمع کرتا اور اس کے پیچھے پڑا ہے۔

قولہ: إِنَّهَا عَلَيْهِمْ: حضرت ابو ہریرہؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اللہ تعالیٰ جہنم کی طرف آگ کے

اطباق بھیجے گئے فرشتے ان اطباق کو اس کے اوپر ڈال کر کیلوں سے بند کر کے اور پرستون کھینچ دیں گے تاکہ کوئی سوراخ نہ رہے۔ جس سے کوئی راحت جا سکے اور کوئی دکھ نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے پروائی اختیار فرمائیں گے۔ اہل جنت اپنی نعمتوں میں مزے لے رہے ہوں گے۔ دوزخی فریاد نہ کر سکیں گے۔ ان کی کلام زفیرو مشہیق ہوگی۔ **إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّسَوَّغَةٌ** میں اسی کو بیان فرمایا۔ (کشف)۔

۱۔ طعنہ زنی کرنے والا اور غیبت کرنے والا سخت رسوائی اور عذاب کا شکار نہیں گے۔
 ۲۔ طعنہ زنی اور غیبت کا بنیادی سبب گویا لوگوں پر اپنی برتری جتانے اور مال کی کثرت اور امیدوں کی طوالت ان کو حقیر جاننے کا ذریعہ ہے۔ اور بلا ضرورت مال کو گن گن کر رکھنا یہ نفسانی تمتع اور کمینہ قسم کی تزئین اور باقی رہنے والی آخرت کی سعادت سے اپنے آپ کو مشغول کرنا ہے اس لیے کہ مال سے طویل طویل امیدیں ابھرتی ہیں یہاں تک کہ شدید غفلت کی وجہ سے وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کا مال اس کو بقاء بخشنے والا ہے۔

۳۔ ان تمام نکتے خیالات کی قرآن نے تردید فرمائی ہے۔ نہ تو مال مرتبے کو بلند کرتا ہے اور نہ دوسروں پر طعن کا متقاضی ہے اور نہ مال کو پیشگی ہے اور نہ صاحب مال کو بلکہ علم و عمل باقی رہنے والے ہیں جیسا فرمایا: **وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ**۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: مال کو جمع کرنے والے مر گئے اور علماء ابدالہدھر تک باقی ہیں۔

۴۔ ہمز لہزہ کا انجام ہر چیز کو مٹا ڈالنے والی اور نہ بچھنے والی آگ جو جسم سے دل تک سرایت کر جانے والی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگ جنہیوں کو کھاتے کھاتے دلوں تک پہنچے گی پھر جب جسم درست کر دیئے جائیں پھر شروع میں لوٹ کر کھانا شروع کرے گی اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا: **نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفَنَةِ**۔۔۔۔۔ پھر اہل جہنم کو بڑے بڑے ستونوں سے جکڑ کر جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الہزہ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ اس سورۃ مہار کہ میں خاص طور پر ان امور و خصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں، طعن و تشنیع، عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں، مومن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں، ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر و شرک کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہئے کہ کفر و نافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے جہنم کی دکھتی ہوئی آگ جس کے تصور سے ہی انسان کانپ جائے ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہوگا تو اس مضمون میں نار جہنم کی عظمت و ہیبت کو بیان کیا گیا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝۱

اس میں ہُمَزَةٌ اور لُّمَزَةٌ کی ہرکت بتائی ہے یہ دونوں فُعْلَتَةٌ کے وزن پر ہیں۔ پہلے لفظ کے حروف اصلی ھ م ز، اور

دوسرے کلمہ کے حروف اصلی، م، ز ہیں۔ یہ دونوں کلمے عیب نکالنے اور عیب دار بتانے پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہوئے ہیں اور سورۃ القلم میں ہے: وَلَا تَطْعَمْ كُلًّا خَلَّابٍ مُّهَيَّبٍ، هُنَّ أَهْتَشَاءُ بِبَيْتِيْجٍ اور سورۃ توبہ میں فرمایا: وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ اور سورۃ الحجرات میں فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ

حضرات مفسرین کرام نے دونوں کلموں کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ خلاصہ سب کا یہی ہے کہ دونوں کلمے عیب لگانے، غیبت کرنے، طعن کرنے، آگے پیچھے کسی کی برائی کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ زبان سے برائی بیان کرنا یا ہاتھوں سے یا سر سے یا بھوؤں کے اشارہ سے کسی کو برا بتانا ہنسی اڑانا مجموعی حیثیت سے یہ دونوں کلمے ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(راجع تفسیر القرطبی صفحہ ۱۸۱، صفحہ ۱۸۲، ص ۱۰)

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے یہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگوں پر طعن کرتا تھا، ابن جریجؓ کا قول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جو غیر موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے بھی آپ کی ذات گرامی کا عیب نکالتا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابی بن خلف کے بارے میں اور چوتھا قول یہ ہے کہ جمیل بن عامر کے بارے میں ان کا نزول ہوا۔ سب نزول جو بھی ہو مفہوم اس کا عام ہے، جو لوگ بھی غیبت کرنے اور عیب لگانے اور بدزبانی اور اشارہ بازی کا مشغلہ رکھتے ہیں اور وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں قرآن کریم میں ان لوگوں کے لیے ویل یعنی ہلاکت بتائی ہے۔ جن لوگوں کو اپنی عمر کی قدر نہیں ہوتی وہ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور عیب لگانے اور غیبت کرنے اور جہتیں باندھنے میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں۔ ذکر و فکر اور عبادت میں وقت لگانے کی بجائے ان باتوں میں وقت لگاتے ہیں اور اپنی جان کو ہلاک کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۱۱۱) حضرت عبدالرحمن بن غنم اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سب سے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کو لیے پھرتے ہیں دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں جو لوگ برائیوں سے بری ہیں انہیں مصیبت میں ڈالنے کے طلبگار ہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۱۱۵)

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے صفیہ کا قد بیان کرتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہیں (ان کا قد چھوٹا بتا دیا اور وہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں) آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی بگاڑ کے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۱۱۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طعن دینے والا لعنت بننے والا اور فحش کام میں لگنے والا مومن نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۱۱۳)

بِالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۗ

دنیا سے محبت کرنے والے اسی کو سب کچھ سمجھنے والے جہاں دوسروں کی غیبت و بدگوئی، در عیب تراشی میں وقت گزارتے ہیں وہاں مال سے محبت کرنا بھی ان کا خاص مزاج ہوتا ہے، مال کی محبت کے مظاہرے کی طرح سے ہوتے ہیں، اونا مال کو جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، جسے: بِالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۗ میں بیان فرمایا ہے جب مال جمع کرنے کا ذمہ ہوتا ہے تو نہ حلال

مقبولین شرق و غرب میں جلائیے گا۔ ان لوگوں کے حق مارنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ مال کمانے میں فراخ اور واجبات کے ضائع کرنے حرام کا خیال رہتا ہے اور نہ لوگوں کے حق مارنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ مال کمانے میں فراخ اور واجبات کے ضائع کرنے سے دکھ ہوتا ہے اور نہ نیکیاں کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ ثانیاً مال جمع کرنے والے مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کا خیال ہوتا ہے کہ مال ہی سب کچھ ہے یہ ہمیں دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا (موت کا یقین ہوتے ہوئے رنگ ڈھنگ ایسا ہوتا ہے جیسے مرنا نہیں ہے اور یہ مال ہمیشہ کام دیتا رہے گا)۔

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَّةِ ﴿٦٧﴾

ان لوگوں کے اس مزاج کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: كَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) نہ یہ شخص ہمیشہ دنیا میں رہے گا نہ اس کا مال باقی رہے گا اور اسی پر بس نہیں کہ صرف دنیا میں جان و مال ہلاک ہوں گے بلکہ اس کے آگے بھی مصیبت ہے اور وہ یہ کہ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَّةِ ﴿٦٧﴾ (اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) دوزخ کے لیے لفظ حطمة استعمال فرمایا ہے جو اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو کوٹ پیٹ کر بھوسہ بنا کر رکھ دے۔

قَارِئُ اللَّهِ الْمُوَقَّدَةُ ﴿٦٨﴾

اس سے یہ مفہوم ہوا ہے کہ دوزخ کی آگ دوزخیوں کے داخل ہونے سے پہلے ہی سے جلائی ہوئی ہوگی ایسا نہیں ہوگا جیسا دنیا میں پہلے ایندھن تیار کرتے ہیں پھر اس ایندھن میں آگ لگاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں آگ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی لہذا اب وہ سیاہ ہے اندھیری ہے۔

(رداء الترمذی)



سورہ الفیل کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

اللَّهُ تَرَّاسْتَفْتُهُمْ تَعَجِبُ أَيُّ اعْجَبَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿١﴾ هُوَ مَحْمُودٌ وَأَصْحَابُهُ
أَبْرَهَةَ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهُ بَنِي بَصْنَعَاءَ كَيْبَسَةُ لِيُضْرِبَ إِلَيْهَا الْحَاجُّ مِنْ مَكَّةَ فَأَحْدَثَ رَجُلٌ مِنْ كِنَانَةَ
فِيهَا زَلَطَخَ قِبَلَتَهَا بِالْعَدْرَةِ إِحْتِفَارًا بِهَا فَحَلَفَ أَبْرَهَةُ لِيَهْدِيَنَّ مِنَ الْكَعْبَةِ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهِ عَلَى أَنْبَاءِ

مَقْدَمُهَا مَحْمُودٌ فَجِئْنَا تَوَجُّهُوَ الْهَدْمِ الْكَعْبَةِ أُرْسِلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا فَضَّهَ فِي قَوْلِهِ أَلَمْ يَجْعَلْ أَيْ جَعَلَ
 كَيْدَهُمْ فِي هَدْمِ الْكَعْبَةِ فِي تَضْلِيلٍ ۝ خَسَارٌ وَهَلَاكٌ ۝ أُرْسِلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلٌ ۝
 جَمَاعَاتٌ قِبَلٍ وَاحِدَةٍ وَقِبَلٍ وَاحِدَةٍ أَنْزَلَ أَوْ أَنْبَالَ أَوْ أَبْيَلٍ كَعِجُوبٍ وَمِفْنَاخٍ وَسِكِّينٍ تَوَمِيمُهُمْ بِحِجَارَةٍ
 مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ طِينٍ مَّطْبُوعٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُولٍ ۝ كَوَزَقٍ زَرْعٍ أَكَلْتَهُ الذَّوَابُ وَدَأَسَتْهُ وَأَفْتَتْهُ
 أَيْ أَهْلَكَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى كُلُّ وَاحِدٍ بِحَجْرِهِ الْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ اسْمُهُ وَهُوَ الْكَبِيرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَأَضْعُرُ مِنَ
 الْجُمَّصَةِ يَخْرُقِي الْبَيْضَةَ وَالتَّرْجُلُ وَالْفَيْلُ وَيَصِلُ إِلَى الْأَرْضِ وَكَانَ هَذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہامِ تعجب کے لیے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے سے
 کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا تاکہ مکہ کے
 لوگ بھی آکر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پنا خانہ کر دیا۔ پھر اس نئے کعبہ کی توہین کے لیے اس پر
 پنا خانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر
 مکہ پر چڑھائی کر دی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبہ اللہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیج
 دی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کر دیا (تباہ و برباد کر دیا ہے) اور ان پر
 غول کے غول پر ندے بھیج دیے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول،
 ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے غول کی عجیل اور مفتاح کی جمع مفتاح اور مسکین کی جمع مساکین آتی ہیں) جو ان پر نکر کی
 پتھریاں پھینک رہے تھے (جوٹی کی گر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ
 دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر پھوڑ دیں، روند لائیں، چوراچورا کر دیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ
 دیا۔ ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جو سوسے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔ وہ سر پر رکھی ٹوہنیں،
 خود اور سوار اور ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: أَلَمْ تَرَ: یہ تعجبی ہے۔ روایت علم کے معنی میں ہے۔
 قوله: مَحْمُودٌ: یہ توبت و نجات میں بے مثال ہاتھی تھا وہ اس نام سے پکارا جاتا تھا۔

قولہ: علی اَفْوَاجٍ: یہ ہاتھیوں کی تعداد بارہ سے ایک ہزار تک بتلائی گئی ہے۔ بڑے ہاتھی کو جب کعبہ کی طرف متوجہ کرتے تو رک جاتا جب یمن کے رخ پر کرتے تو تیزی سے چل پڑتا۔ نفیل نامی شخص نے اس کے کان میں کہا: بیٹھ جاتا تو اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہے وہ بیٹھ گیا پھر مارنے کے باوجود نہیں اٹھا۔ نفیل بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا ادھر سمندر کی طرف سے پرندوں کے غول کے غول آگئے۔

قولہ: اَبَاکِبِیْلٍ: یہ ابول کی جمع ہے جیسے غول جمع عجاجیل ہے۔

۱۔ الم تر کا خطاب عام ہے کہ جب ان کا یہ حال جانتے ہو تو پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

۲۔ یہ واقعہ نبوت محمد ﷺ کے لیے ارحامس ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، صفت، علم و حکمت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں اور کنکروں سے ہاتھی والوں اور ہاتھیوں کو تباہ کر دیا۔

۳۔ بیت اللہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی عظمت ہے اس کے قریب بننے والے مشرکوں کو بھی بچالیا۔ اب قریش کو جلدی سے رسالت محمد ﷺ پر ایمان لانا چاہیے۔

۴۔ ابرہہ بیت اللہ کی تخریف کے لیے آیا تو اس کو ہلاک کر دیا۔ حجاج نے بیت اللہ پر سنگ باری کی تو اسے ہلاک نہیں کیونکہ اس کا مقصد تخریب تو حسین بیت اللہ نہ تھا بلکہ ابن زبیر کا قتل تھا۔

کفار کی ہلاکت اور ان کے جوڑوں کے کٹنے کو حقارت میں گوبر کے اجزا سے مشابہت دی۔

کافر و مشرک کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتے ہیں، مگر تو حسین تخریب کرنے والے کو فوری سزا ملتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو خائب و خاسر مکہ سے لوٹا دیا تو عرب میں قریش کی عزت بہت بڑھ گئی۔ (ملفوظ التفاسیر)

تفسیر مقبولین

تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل کی سورت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ سے اسی طرح منقول ہے، اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا اور اللہ رب العزت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر ﷺ کے مقام نبوت کے لیے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا، جس کو اصطلاح شریعت میں ارحامس کہا جاتا ہے، جس سال حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ابھی ایک ماہ بچپن میں روز بابتی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرمادیا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لیے قدرت خداوندی نے بطور دلیل و نمونہ پیش کیا جس کو ارحامس کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ چونکہ مرکز ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرت الہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا

کہ خدا کے دین اور مرکز ہدایت کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔
 اللَّهُ تَوَكَّفَ فَعَلَّ رَبَّنَا بِأَصْحَابِ الْفَيْلِ ۝

اس سورت میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان فرمایا ہے لفظ فیل فارسی کے لفظ فیل سے لیا گیا ہے۔ عربی میں چونکہ (پ) نہیں ہے اس لیے اسے (ف) سے بدل دیا گیا۔ اصحاب فیل (ہاتھی والے لوگ) ان سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ یہ قبضہ شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، ابرہہ اپنے ساتھیوں کو ہاتھیوں پر سوار کر کے لایا تھا اور مقصد ان لوگوں کا یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا دیں تاکہ لوگوں کا رخ ان کے اپنے بنائے ہوئے گھر کی طرف ہو جائے جسے انہوں نے یمن میں بنایا تھا اور اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ یہ لوگ کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے مگر خود ہی برباد ہوئے وہ بھی پرندوں کی پھینکی ہوئی چھوٹی چھوٹی سنگریلوں کے ذریعہ۔ واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ یمن پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابرہہ نے راوہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا کنیہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لیے مکہ مکر رہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کی بجائے اس کی طرف آنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اتنا اونچا کنیہ تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کر دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص مکہ والے کعبہ کے حج کے لیے نہ جائے اس کنیہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں ہیوست تھی اس لیے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ مالک بن کنانہ کے ایک شخص نے رات کے وقت ابرہہ والے کنیہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی قریشی نے ایسا کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کو گرا کر چھوڑوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔ ان کا پروگرام تھا کہ بیت اللہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے اور تجویز یہ کیا کہ بیت اللہ کے ستونوں میں دو بے کی مضبوط اور لمبی زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہٹا دیں تاکہ سارا بیت اللہ (مع ذالذ) زمین پر آگرے۔

عرب میں جب اس حملہ کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست انہوں کے ذریعہ نہ ہو لہذا عرب سے مقابلہ ہوا اور عرب اس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور وہ اس کے قتل کا تھا لیکن یہ خیال کر کے کہ اس سے راستوں کا پتہ معلوم کریں گے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو چونکہ طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا ہم اس سے مقابلہ نہ کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ طائف میں جو ہم نے

ایک بت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اس کو چھیڑ دے انہوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی ملے کر لیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لیے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں، ابرہہ اس پر راضی ہو گیا۔ ابورغال کو ساتھ لے مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغمس پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لیے جن میں دوسوا اونٹ رسول اللہ ﷺ کے دادا جان عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لیے نہیں آئے ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کے ظلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کر لے، پھر دیکھئے کہ اللہ کا کیا معاملہ ہوتا ہے۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھو کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لیے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اول دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوسوا اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے ان کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں ہوں اس کا جو مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کر۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے، انہوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور واپس لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں ہے، آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمائیں، الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے کیونکہ ان کو یہ یقین تھا کہ اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا تو مطالبہ کیا بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لیے پسند نہ کیا کہ خود اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی ۱۱

دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دے گا۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لیے تیار کیا۔ نفل بن صیب جن کو ابرہہ نے راستہ میں گرفتار کر لیا تھا اس وقت آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صبح سالم لوٹ جا کیونکہ تو اللہ کے بلند امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا گیا اس نے اس کی بھی پروا نہ کی، اس کی ناک میں لوہے کا آئکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چھنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو بیٹھ گیا۔ دوسری طرف دریائے یمن کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آئی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں۔ (ایک چوچ میں اور دو بیجوں میں)۔

واقفی کی روایت میں ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں پیلے رنگ کی تھیں اور مکرہ نے فرمایا کہ یہ پرندے دریا سے نکل کر آئے تھے جن کے سر جو پاؤں کی طرح تھے، ہر پنجے میں ایک کنکرا اور ایک چوچ میں لیے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے ہر ایک کنکر نے وہ کام کیا جو بندوق کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اس کے بدن سے پار ہوتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکر سے ہاک ہوا۔ نیز لشکر کے سب آدمی اس موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف طرف میں بھاگے۔ ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ وہ ابرہہ جسے راستہ کے قابل شکست نہ دے سکے اسے اللہ نے پرندوں سے شکست دلوائی، اس نے شکست بھی کھائی اور بدترین مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو داہیں یمن لایا گیا، دار الحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سر ابدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گیا اور وہ مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان نہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپنا بیج ہو گئے تھے، ان کو مکہ معظمہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا (ابن کثیر ص ۵۱۹: صحیح مسلم بشرح ابن کثیر ص ۵۲۰: ج ۱) اس وقت بہت سے آنکھوں سے دیکھنے والے موجود تھے فسبحان اللہ من جلت قدرته و عظمت حکمته۔

ہاتھی والوں کا کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے آنا پھر شکست کھانا اور ناکام ہونا یہ ایک عجیب اور اہم واقعہ تھا، اس کے بعد اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کیا کرتے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا بھی یہی سال ہے جس سال اصحاب الفیل برا ارادہ لے کر آئے تھے۔ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ جس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اصحاب فیل کے واقعہ سے مکہ معظمہ کے رہنے والے بلکہ عرب کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ اس لیے: **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَّ** (اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا) فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا تو قریش نے آپ کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اس کعبہ کی وجہ سے سرار عرب تمہارا احترام کرتا ہے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہو اس کعبہ پر دشمن چڑھائی کرنے آگئے تھے اور دشمن بھی

ایسے قوی تھے کہ ان سے مقابلہ کرنا تمہارے بس سے باہر تھا، تمہارے پروردگار نے ان کی تدبیر ناکام بنا دی، سو چاہنہوں نے کیا تھا اور ہوا کیا؟ ذرا ذرا سے پتھروں سے پورے ہاتھی اور ہاتھی والے ایسے ہلاک ہوئے کہ صرف مرے ہی نہیں بلکہ ان کے جسم ایسا مجبور بن کر رہ گئے جسے گائے تیل نے کھا کر اگل دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی اور نبی اُمی خاتم النبیا محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہیں مہوٹ فرمایا۔ آپ کی بعثت سے اس کعبہ کی مزید عظمت ہو گئی لہذا قریش کو دونوں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جو ایسی چیزیں پیش آتی ہیں جن سے انسان عاجز ہوتے ہیں انہیں ارہاس کہا جاتا ہے اور نبوت کے بعد ان کو معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصحاب لیل کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ارہاسات میں سے ہے گو یا اس میں یہ بتا دیا کہ اس شہر میں ایک ایسی شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے جس کا اس کعبہ شریف سے خاص تعلق ہوگا۔ اس کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فضل سے اس کی حفاظت ہو گئی۔ وقال القرطبی قال علماؤنا كانت قصة الفيل فيما بعد من معجزات النبي ﷺ وان كانت قبل التحدى لانها كانت نو كيدا لامره ونهيها الشانه ولما تلا عليهم رسول الله ﷺ هذه السورة كان بمكة عدد كثير ممن شهد تلك الواقعة۔

طیر: عربی میں پرندہ کو کہتے ہیں، جس کی جمع "ٹیور" ہے اور چونکہ یہاں اسم جنس واقع ہوا ہے اس لیے ابابیل اس کی جمع مانا گئی ہے بہت زیادہ پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈ غول در غول آ موجود ہوئے تھے۔ لہذا طیر ا کے ساتھ ابابیل بھی فرمایا۔ ابابیل کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس کا واحد اہول یا ابال یا ابیل ہے (کما ذکرہ فی الجلالین) پرندوں کا جماعت در جماعت آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ برہہ کے ساتھی بہت بڑی تعداد میں تھے اگرچہ ہاتھیوں کی تعداد آٹھ یا بارہ ہی بتائی جاتی ہے، عام طور سے ایک خاص چھوٹے سے پرندہ کو جو لوگ ابابیل کہتے ہیں قرآن مجید میں وہ مراد نہیں ہے۔ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں پر جن پرندوں نے بارش برسائی ان کے بارے میں مفسرین نے کئی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنی جس مخلوق سے جو چاہے کام لے۔

پرندوں نے جو پتھر پھینکے تھے ان کے بارے میں ہجرت من سخیل طح فرمایا ہے یعنی جمیل کے پتھر، یہ لفظ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے تذکرہ میں بھی آیا ہے لفظ جمیل سنگ اور گل سے معرب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کا گارہ بنا کر اس کی ذرا بڑی بڑی گولیاں بنا کر جو آگ میں پکالی جائیں وہ جمیل کا مصداق ہیں ان میں زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا اور پھڑو لے پتھروں کی طرح ان کی مار بھی نہیں ہوتی۔ اس لفظ کے لانے سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان میں ذاتی طور پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے آدمی مر جائے۔ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ لوگ ہلاک کیے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لیے ظاہری انتظام کے طور پر جمیل کو استعمال فرمایا، مفسر قرطبی نے ابوصالح سے نقل کیا ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نے ان کنکریوں میں سے دو تفسیر کنکریاں دیکھی تھیں جو اصحاب لیل پر پھینکی گئی تھیں ان کا رنگ کالا تھا سرخ رنگ کی کنکریوں میں پڑی ہوئی تھیں نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ پرندوں کی پھینکی ہوئی پتھریاں اصحاب لیل پر کرتی تھیں تو ان کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن جاتے تھے اور دنیا میں سب سے پہلے چونچ کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔

فانہا اظہر نعمہ علیہم۔ اگر قریش دیگر تمام نعمتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تو اس ظاہر ترین نعمت کی وجہ سے عبادت کرنی چاہیے۔ (کشاف) صاحب قاموس نے فرمایا: اعجبوا محذوف سے متعلق ہے۔ بعض نے کہا: اہلا کی

ابرهہ قریش کے ان سفار سے انس کی بنا پر تھا۔ (کشف)

۱۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنی عبادت اور توحید کو اپنانے کو حکم فرمایا ہے۔ اس لیے بھی کہ ان پر بہت سے انعامات کیے گئے ہیں۔

۲۔ بیت اللہ کے پڑوس کی وجہ سے ابرہہ کے لشکروں سے ان کو مومن و محفوظ کیا۔

۳۔ شام دیمین کے اسفار سے ان کو دافر رزق، کھانے، کپڑے عنایت کیے اور عرب کی لوٹ مار سے بچایا۔ اس انعام کی وجہ سے تو ان کو عبادت کرنی چاہیے۔

۴۔ بیت اللہ کی تولیت کی وجہ سے ان کو مکہ کے اندر رہنا خوف سے امن دیا۔

۵۔ اپنے سب سے مقدس و معظم گھر کے پاس ان کو آباد کر کے اس کی وجہ سے ان کو بزرگی و عزت دی۔

۶۔ عبادت: اپنے معبود کے سامنے انتہائی تذلّل کا نام ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ قریش کی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں، عبد اللہ بن عباسؓ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کو مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرت خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذریعہ آمد و رفت آسان کر دیئے تھے، اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے رب مشتم کی عبادت کرتے پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ مائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں، تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے کعبہ تعمیر کرایا اور اس کا حج مشروع فرمایا زمانہ اسام سے پہلے بھی اہل عرب اس کا حج کرتے تھے اگرچہ مشرک تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف واقع تھا جسے بیت اللہ کے نام سے لوگ جانتے اور مانتے تھے اس لیے قریش مکہ کی پورے عرب میں بڑی عزت تھی اہل عرب لوٹ مار کرنے کا مزاج رکھتے تھے لیکن اہل مکہ پر کبھی کوئی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو سورۃ العنکبوت میں فرمایا: أَوْ لَعْنَةُ اللَّهِ الْكُفْرُونَ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پر امن بنا دیا اور لوگوں کو ان کے ارد گرد سے اچک لیا جاتا ہے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں)۔

یوں تو گزشتہ زمانہ ہی سے اہل عرب اہل مکہ کا اکرام و احترام کرتے تھے، جب اصحاب قبل کا واقعہ پیش آیا اور عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے محفوظ فرمایا تو اور زیادہ ان کے قلوب میں اہل مکہ کی عظمت بڑھ گئی، یہ جوان کی حرمت مشہور و معروف تھی اس کی وجہ سے پورے عرب کے علاوہ دوسرے علاقے کے لوگ بھی ان کا احترام کرتے تھے، مکہ معظمہ چنیل میدان تھا اس میں پہاڑ تھے پانی کی بھی کمی تھی، نہ باغ تھے نہ بھتی باڑی تھی، زندگی گزارنے کے لیے ان کے پاس ذرائع معاش عام طور پر نہیں پائے جاتے تھے، زندگی کے مقاصد پورا کرنے کے لیے یہ لوگ ملک شام اور یمن جایا کرتے تھے۔ ایک سفر سردی کے زمانہ میں اور ایک سفر گرمی کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، سردی میں یمن جاتے تھے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے اور دونوں ملکوں سے غلہ لاتے تھے جو ان کی غذا میں کام آتا تھا۔ دیگر اموال بھی لاتے اور فروخت کرتے اور دوسرے کاموں میں بھی لاتے تھے۔ بوسفیان کو بلا کر ہر قل نے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال جواب کیے وہ اسی تجارت کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ کفار قریش کا قافلہ تجارت کے لیے بیت المقدس میں پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لیے سردی اور گرمی کے سفروں کو ان کے کھانے پینے اور پہننے کا اور کعبہ شریف کی عظمت اور حرمت کو ان کے امن و امان کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ سورۃ الفیل میں کعبہ شریف کی حفاظت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے قریش کو امن و امان حاصل تھا اس لیے اس کے متصل ہی سورۃ القریش کی سورۃ الفیل کے بعد ہی لایا گیا جس میں قریش مکہ کو یاد دلایا کہ دیکھو تم سردی اور گرمی میں تجارت کے لیے سفر کرتے ہو اور ان دونوں سفروں سے تمہیں دیگر مالوقات کی طرح خاص الفت ہے۔ سفروں میں جاتے ہو جن کے منافع اور مرائج سے فائدہ اٹھاتے ہو اور چونکہ تم مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو اس لیے اپنے اسفار میں جن قبائل پر گزرتے ہو تمہارا حرام کرتے ہیں تم مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی امن و امان میں ہو اور بلا خوف و خطر زندگی گزارتے ہو اور اسفار میں بھی مکہ معظمہ کی نسبت سے امن و امان کا فائدہ اٹھاتے ہو۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگو جو اس بیت یعنی کعبہ شریف کا رب ہے وہ تمہیں کھانے پینے کو بھی دیتا ہے اور امن و امان سے بھی رکھتا ہے یہ خالق جل مجدہ کی ناشکری ہے کہ اس کی نعمتوں میں زندہ رہیں، پلیں اور بڑھیں اور عبادت میں کسی مخلوق کو شریک کر دیں۔ قال القرطبی ناقلاً عن الفراء: هذه السورة متصلة بالسورة الاولى لانه ذكر اهل مكة عظيم نعمته عليهم فيما فعل بالحبشة ثم قال (لا يلف قریش) ای فعلنا ذلك باصحاب الفیل نعمه مناعلی قریش وذلك ان قریشا كانت تخرج فی نجاتها قلا یغار علیها فی الجاهلیة یقولون هم اهل بیت الله عزوجل۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے اقرب الی الفہم یوں کہا جاتا ہے کہ ایلاف اول مبدل منہ ہے اور الفہم اس سے بدل ہے اور جار مجرور مل کر لیجہد اسے متعلق ہے سمجھنے کے لیے عبارت یوں ہو گئی: لی عبدو ارب هذا البیت لاجل ایلافہم رحلة الشتاء والصیف، والفاء زائدة والایلاف افعال من الالفہ مهموز الفاء (راجع روح المعانی صفحہ ۳۶۷ ج ۲) فالذکر: سورۃ القریش میں قریش کے سالانہ دو سفروں کا ذکر ہے یہ قریش کون شخص تھا جس کے نام سے قریش کا قبیلہ ملقب ہوا؟ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ ہاشمی بھی تھے اور قریشی بھی آپ کے دادا کا لقب عبدالمطلب اور نام شیبہ تھا اور ان کے والد کا نام عمرو بن عبدمناف اور لقب ہاشم تھا اس وجہ سے آپ بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں اور عبدمناف کا نام مغیرہ بن قصی تھا اس کے

بعد نب یوں ہے قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

(الی آخر مذکورہ اہل الانساب)

اس میں اختلاف ہے کہ قریش کس کا لقب تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فہر بن مالک اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے الہدایہ میں دونوں قول نقل کیے ہیں اور دونوں کی دلیلیں بھی لکھی ہیں پھر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور اس سلسلہ میں مسند احمد اور سنن ابن ماجہ سے ایک حدیث منوعہ بھی نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ: وهذا اسناد جید قوی وهو فیصل فی هذه المسئلة فلا التفات الی قول من خالفه والله اعلم والحمد منہ۔

اب رہی یہ بات کہ لفظ قریش کا معنی کیا ہے اور قریش کو یہ لقب کیوں دیا گیا اس بارے میں بھی کئی اقوال ہیں اصل لفظ قریش ہے اور قریش اس کی تفسیر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جو بڑا قوی بیکل ہوتا ہے اور چھوٹے بڑے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے یہی بات بتلائی گویا قوت اور طاقت میں اس بڑے دریائی جانور کے مشابہ ہونے کی وجہ سے قریش کو قریش کا لقب دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ حارث بن یخلد بن نضر بن کنانہ کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہ باہر سے غلے لاتا تھا اور عرب کہا کرتے تھے: قد جاءت غیر قریش، یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بدر میں جس کنویں کے قریب جنگ ہوئی تھی اسے بدر بن قریش نے کھودا تھا اور اسی لیے اس جگہ کا نام بدر معروف ہوا۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ قریش مجتمع ہونے پر دلالت کرتا ہے قصی بن کلاب سے پہلے یہ لوگ منتشر تھے اس نے انہیں حرم میں لاکر اور بلا کر جمع کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قصی ہی کا لقب قریش تھا اور ایک قول یہ ہے کہ تقرش تکسب (یعنی مال کمانے) اور تجارت کرنے کے معنی میں آتا ہے اسی وجہ سے قریش اس لقب سے معروف اور مشہور ہوئے۔ نضر بن کنانہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجات کی تفتیش کرتا اور ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے بیٹے موسم حج میں لوگوں کی حاجات کی تفتیش کرتے تھے پھر انہیں اس قدر مال دیتے تھے کہ اپنے شہروں تک پہنچ جائیں۔ اس عمل کی وجہ سے وہ قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔ قالوا والتقریش هو التفتیش والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ قریشی بھی تھے اور ہاشمی بھی (کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کی ایک شاخ ہے) اور آپ کے چچا عباس اور حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت عقیلؓ بھی بنی ہاشم میں تھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ اور تمام بنی امیہ قریش میں سے تھے، ہاشمی نہیں تھے۔ حضرت وائلہ بن اسقعؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنی ہاشم سے چن لیا۔ (رواہ مسلم)

قریش مکہ نے بہت دیر سے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں بھی بہت پہنچی تھیں حتیٰ کہ آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی اور خدمت اسلام کی توفیق دی ان حضرات نے بڑے بڑے ممالک فتح کیے۔

حضرت عمرو بن عاص اور خالد بن ولیدؓ انہی حضرات میں سے تھے سنن ابی داؤد طیاسی صفحہ ۷۰ میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اللھم انک اذقت اولھا عذابا ووبالا فاذا فاذق اخرھا نوالا۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۵۰) "اے اللہ! آپ نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب اور وبال چکھایا سو ان کے آخر کے لوگوں کو بخشش عطا فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بہت کچھ عطا فرمایا اور ان سے دین کی بڑی خدمت لی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خلافت میرے بعد قریش میں ہوگی۔

جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ چہرہ کے بل اس کو اوندھے منہ کر ڈال دے گا جب تک یہ لوگ دین کو قائم رکھیں گے۔ (مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۵۰) اور یہ بھی فرمایا کہ بارہ خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا اور یہ بارہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

(ایضاً)
رسول اللہ ﷺ نے تو یہی فرمایا تھا کہ خلافت برابر قریش میں رکھی جائے لیکن ملوکیت کا مزاج جب دنیا میں آ گیا اور اس کے بعد جمہوریت کی جہالت نے جگہ پکڑ لی تو دوسرے لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے ملوک اور امراء بن گئے اور بنتے رہے۔ جو لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ہاشمی، قریشی، صدیقی، عثمانی، علوی، رضوی، نقوی لکھتے ہیں یہ صرف نام بتانے تک ہے۔ بے عملی میں، شکل و صورت میں نمازیں چھوڑنے میں، دیگر معاصی میں دوسروں سے کم نہیں ہیں دوسری قوموں کے افراد علوم و معارف و اعمال میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب انہوں نے اپنی ساکھ خود ہی کھوری تو امت میں بھی ان کی وہ حیثیت نہیں رہی جو ہونی چاہیے تھی جب ان کا یہ حال ہے تو خلافت کون ان کے سپرد کرے گا جہاں کہیں ان کی کوئی حکومت باقی ہے اس میں بھی ملوک اور وزراء دین داری کا خیال نہیں کرتے، دشمنوں کے اشاروں پر گناہ گاری کے اصول پر حکومت چلاتے ہیں اسلامی قوانین کی بڑھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی وهو المستعان وعلیہ التکلان۔



سورة الماعون ۹۲
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 سورة الماعون ۹۲
 سورة الماعون ۹۲
 اور اس کی سات تہیں ہیں

أَرَعَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالذِّينِ ۝ بِالْحِسَابِ وَالْحَزَاءِ أَيُّ هَلْ عَرَفْتَهُ أَوْلَمْ تَعْرِفْهُ فَاذْكُ بِنْتِدِيرِ هُوَ
 بَعْدَ الْفَاءِ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۝ أَيُّ يَدْفَعُهُ بَعْتِبْ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحْضُ نَفْسَهُ وَلَا غَيْرَهُ عَلَى طَعَامِ
 الْمَسْكِينِ ۝ أَيُّ اطْعَامِهِ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ أَوْ الْوَلِيدِ بْنِ الْمَغِيرَةِ قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ
 هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ غَائِلُونَ يُؤَخِّرُونَ نَهَا عَنْ وَقْتِهَا الَّذِينَ هُمْ يَرَاءُونَ ۝ فِي الصَّلَاةِ
 وَغَيْرِهَا وَيَسْمَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ كَالْإِنزَةِ وَالْقَاسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَةِ

ترجمہ: آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاؤں کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدر کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فَا کے بعد ہو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لیے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سوتا ہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں۔ نماز بے وقت پڑھ کر) جو ریا کاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلباڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: صنہا: بقول خازن اس کا نصف اول عاص بن وائل وغیرہ کے متعلق مکہ میں اتر اور نصف ثانی مدینہ میں عبد اللہ بن ابی منافق کے متعلق اتر۔ (کشف)
 قولہ: هَلْ عَرَفْتَهُ: اس سے مفسر اشارہ کر رہے ہیں کہ روایت سے روایت بصری نہیں بلکہ روایت علمی اور معرفت مراد ہے۔

مقبولین شرح جلالیہ

قولہ: اَطْعَامِهِ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں طعام۔ اطعم کے معنی میں ہے۔ کھانا کھانا، بعض نے مضاف و مقدر مانا بدل طعام المسکین، مسکین کو کھانا دینے میں خرچ کرنا۔

قولہ: قَوِيلٌ: فاسیہ ہے۔ ان صفات مذمومہ کی وجہ سے وہ دلیل والی بدعا کے مستحق ہیں، دلیل مبتداء۔ للمصلین اس کی خبر ہے۔ ۲۔ بقول قاضی فاجزائیہ ہے مطلب یہ ہے۔ جب یتیم سے بے پروائی دینی کمزوری اور قابل خدمت ہے تو ایسے شخص کا نماز زکوٰۃ سے غفلت برتنا بدرجہ اولیٰ ہے۔

قولہ: عَنْ صَلَاتِهِمْ: حسن فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ فی ملائمتہم نہیں فرمایا کیوں کہ نماز میں بھول سے کوئی مسکن خالی نہیں جو دوسرے شیطان یا حدیث نفس سے پیش آتی ہے بلکہ یہاں نماز سے غفلت مراد ہے۔

قولہ: يَرَاءُونَ: لوگوں کے سامنے پڑھتے اور پوشیدہ طور پر چھوڑتے ہیں۔

قولہ: الْمَاعُونَ: یہ معن سے ہے جو حقیر چیز کو کہتے ہیں، عرب کہتے ہیں: مالہ معن۔ اس کے پاس معمولی چیز بھی نہیں۔

(کشف)

۱۔ حساب و جزاء کا انکار بدترین حرکت ہے، ایسے لوگوں میں یتامیٰ پر ظلم و ستم کرنے اور ترک خیر اور شدید بخل جیسی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ عذاب کی دھمکی تارکین صلاۃ، ریاکاروں اور بخلاء کے لیے ہے۔

۳۔ ریاکاری: عبادت سے دنیا کی طلب کو کہتے ہیں۔

۴۔ منافق و ریاکار میں فرق یہ ہے کہ منافق ایمان کو ظاہر کرتا ہے باطن میں کفر ہوتا ہے۔ اور ریاکار وہ ہے جو ظاہر میں دین دار ہے مگر باطن میں اخلاص و خشوع سے خالی ہو۔

۵۔ کفار کی چار صفات: بخل، ترک عبادت، ریاکاری، خیر سے روکنا۔ اعادنا اللہ منہا۔

تفسیر مقبولین

سورۃ ماعون بھی کئی سورت ہے جس کی سرت آیات ہیں۔ عطاء برکتیہ اور جابر برکتیہ کا یہی قول ہے جو ہر ای کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نہ۔ ف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں، ان مختصر آیات میں حکمت نظر یہ اور عمیقہ تہذیب، اخلاق، سیاست مدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور ان کا لباب و جوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظر یہ ہی انسان کی زندگی و فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے، اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک و بد کی جزاء ملتی ہے مرنے کے بعد روح و دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے، جہاں اس کو اچھے اور برے اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا،

اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں جو ان کیلئے دین و دنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے،

أَدْعِيَتِ الَّذِينَ يَكْتَبُ بِالذِّمِّينِ ۝

ماعون ایسی چیز کو کہتے ہیں جو معمولی سی چیز ہو اگر کسی کو استعمال کے لیے دے دی جائے تو دینے والے کے مال میں کوئی خاص کمی نہ آئے چونکہ اس سورت کے آخر میں ماعون سے منع کرنے والوں کی مذمت وارد ہوئی ہے اس لیے سورۃ الماعون کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔

اس سورت میں چھ چیزوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اولاً فرمایا: أَدْعِيَتِ الَّذِينَ يَكْتَبُ بِالذِّمِّينِ ۝ اے نبی کیا آپ نے اسے دیکھا جو دین یعنی جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی قیامت کے دن کا اور اس بات کا انکار کرتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور اعمال کی جزا ملے گی۔

ثانیاً: اس شخص کی بے رحمی کا ذکر کیا اور فرمایا: قَدْ لَكَ الَّذِي يَنْعَى الْيَتِيمَ ۝ (سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دکھ دیتا ہے) ثالثاً یوں فرمایا: وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْيَسْكِينِ ۝ (کہ یہ شخص مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا) اس میں اس منکر قیامت کی کجی کی انتہا بتادی کہ یہ خود تو کسی مسکین پر کیا خرچ کرتا، دوسروں کو بھی خرچ کرنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ یتیم کو بھی دکھ دیتا ہے اور مسکین پر بھی رحم نہیں کھاتا، روز جزاء کی تکذیب کرنے والے کی یہ دونوں صفات بیان فرمائی ہیں جس میں یہ معلوم ہوا ہے کہ ایمان ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دل نرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مومن بندے رحم کرتے ہیں اور ترس کھاتے ہیں اور یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس کی جزا ملنے کی امید رکھتے ہیں۔

چو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور روز جزاء کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہیں ان میں رحم دلی نہیں ہوتی اگر کسی پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے دنیوی مطب سے کرتے ہیں اور یوم جزاء میں ثواب ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ جب آخرت ہی کو نہیں مانتے تو ثواب کی کیا امید رکھیں گے۔ سورۃ الحاتہ میں کافروں کا عذاب بتانے کے بعد فرمایا: إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَعْطَىٰ عَلَىٰ طَعَامِ الْيَتِيمِ (بیشک وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا)۔ منکر قیامت کی بعض صفات بیان فرمائیں، جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر دعویٰ کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو منافق ہیں۔ (ان کا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے) اور وہ لوگ بھی ہیں جو ملت اسلامیہ سے تو خارج نہیں لیکن اعمال کے اعتبار سے ان کا طرز زندگی اور اسلامیہ کے خلاف ہے، فرمایا: قَوْلُهُمْ نَحْنُ صَالِحِينَ، الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دینے والے ہیں)۔ (یہ پہلی صفت ہوئی) الَّذِينَ هُمْ يَزْأَوْنَ ۝ جو دکھلاوا کرتے ہیں (یہ دوسری صفت ہوئی) وَيَسْتَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ اور معمولی چیز کو منع کر دیتے ہیں (یہ تیسری صفت ہوئی)۔

پہلی صفت میں یہ بیان کیا کہ کہنے کو نمازی بھی ہیں لیکن نماز سے غفلت برتتے ہیں، یہ لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو نماز کو بالکل ہی نہیں پڑھتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو وقت سے ناوقت کر کے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو اس

کو ارکان اور شروط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو شروع کی طرف دھیان نہیں دیتے اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے۔ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص ان صفات میں سے کسی بھی ایک صفت سے متصف ہوگا اسی درجہ میں آیات کا مضمون اس کو شامل ہوگا، پھر لکھا ہے کہ جس میں یہ سب صفات موجود ہوں وہ پوری طرح آیت کی وعید کا مستحق ہوگا اور اس میں پوری طرح نفاق عملی پایا جائے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہو اور سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں، رلیتا ہے ان میں اللہ کو بس ذرا سایا دیکر رہتا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ ریا کاری کرتے ہیں بعض لوگ سستی کی وجہ سے بعض کاروباری دھندوں کی وجہ سے نماز کو بے وقت کر کے پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل نماز پڑھنے کا حقیقی جذبہ ہی نہیں ہوتا، دل تو چاہتا نہیں مگر یہ بھی خیال ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اس لیے وقت نکلتے ہوئے کھڑے ہو کر جلدی سے جھوٹے دل سے مگریں مار لیتے ہیں۔

ریا کاری بہت بری بلا ہے سورہ نساء میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: **إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ، وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى، يُزَامُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا** (بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کے دھوکے کی جزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر ذرا سا)۔

بات یہ ہے کہ جسے اللہ سے ثواب لینا ہو وہ خوب اچھی طرح دل کے ساتھ عبادت میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زبان پر جاری کرتا ہے اور دل میں بساتا ہے اس کے لیے خلوت اور جلوت برابر ہے وہ مخلوق کو اس مانت سمجھتا ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی ایسا عمل کرے جو عبادت میں سے ہو، اور جسے مخلوق کو راضی کرنا ہے وہ برے دل سے تھوڑا سا عمل کرتا ہے وہ بھی لوگوں کے سامنے (تہائی میں نہیں کر سکتا) ذرا سا عمل کیا اس کا ڈھنڈورہ پیٹ دیا، تہجد پڑھا، لوٹا، بجا دیا، صبح ہوئی تو لوگوں کے سامنے ترکیب سے بیان کر دیا کہ میاں آج رات کو اٹھا تو سردی کے مارے لرزہ چڑھ گیا، قرآن شریف پڑھا، لوگوں کو معتقد بنانے کے لیے، اگر چند قاری جمع ہو گئے تو مجلس منعقد کرنے والوں سے ناراض ہو گئے کہ تم نے میرے بعد دوسرے کی تلاوت کیوں رکھی، میرا جو رنگ جماتھا اسے خراب کر دیا، مقرر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے، تقریر فرمائی نہ اپنے گلے سے اتری نہ سننے والوں کے کانوں سے آگے بڑھی، مقرر داد لینے والے اور سننے والے کانوں کو غذا دینے والے عمل کا ارادہ کسی کا نہیں ہے۔

النَّيِّنُ هُمْ يَوْمَئِذٍ ﴿۱﴾ کو مستقل آیت قرار دے کر اور **يَوْمَئِذٍ ﴿۱﴾** کا مفعول حذف فرما کر ہر قسم ریا کاروں کی مذمت بیان فرمادی۔ بدنی عبادت کے علاوہ مالیات خرچ کرنے میں بھی ریا کاری ہوتی ہے۔ مسجد بنادی تو شہرت کے لیے اپنے نام پر مسجد کا نام رکھنے کی ضد، کسی مدرسہ میں کوئی حجرہ بنا دیا اس پر اپنے نام کا کتبہ لگانے کا اصرار، کوئی کتاب چھپوا کر تقسیم کر دی اس پر اپنے نام کی تشہیر، زکوٰۃ دے دی تو اس کا اشتہار، مدارس کے سفراء سے رسید لے کر اپنے ہاتھ سے اپنے القاب و آداب کے ساتھ نام لکھنا تاکہ روئیداد میں القاب کے ساتھ نام چھپے۔ یہ چیزیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگ کسی کی مالی امداد کرتے ہیں تو احسان جتاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْتَغُوا أَجْرَ فِتْنَةٍ مِنَ اللَّهِ**

كَذِبُوا وَيُنْفِقُونَ مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَيُولُوا الْبَاءَ وَيُنْفِقُونَ مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَيُولُوا الْبَاءَ (اسے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان دھم کے اور ایزد پہنچا کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا)۔

یاد رہے کہ اللہ نے جو عبادت کی توفیق دی اس سے دل میں مسرت اور خوشی آ جانا، یہ ریا کاری نہیں ہے اور لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام بھی ریا کاری نہیں۔ ریا کاری یہ ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کا اور شہرت اور جاہ کا ارادہ ہو بعض جاہل مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی ہے کہ لوگوں کے سامنے عمل کروں گا تو ریا کاری ہو جائے گی حالانکہ ریا کاری دل کے اس ارادہ کا نام ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے معتقد بنیں۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا اِنَّ لِلَّذِي هُوَ الصَّدَقَاتِ لَيَعْنَاهُ، وَاِنْ تَخَفُوا مَا تَخَوَّفُوا وَالَّذِي تَخَوَّفُوا لَهٗمْ خِيَرَةٌ كَثْرَةٌ (اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے)۔

دیکھو صدقات ظاہر کر کے دینے کو بھی اچھی بات بتادی، مومن بندے کے لیے لازم ہے کہ خلوت میں ہو یا جلوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ مخلوق سے نہ جاہ کا امیدوار ہونہ مال کا طالب۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿۱۰﴾ (کہ یہ لوگ ماعون سے روکتے ہیں) ماعون کے بارے میں مفسر ابن کثیر نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز استعمال سے نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے نہ بدلتی ہے نہ خراب ہوتی ہے اس کے دینے میں کنجوسی کرنا یہ، عون کا روکنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا کہ ماعون کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ جو لوگ آپس میں مانگے کے طور پر دے دیتے ہیں جیسے ہتھوڑا، ہانڈی، ڈول، ترازو اور ای طرح کی چیزیں ماعون ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا متاع البیت یعنی گھر کا استعمالی سامان ماعون ہے حضرت عمرؓ نے ماعون کی مثال دیتے ہوئے چھلٹی، ڈول اور سوئی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ بعض حضرات نے وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿۱۰﴾ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت مجاہد اور حضرت عمرؓ سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۵۵۶، ۵۵۷ ج ۱)

اگر ریا کاری کے طور پر ابھی نماز پڑھے چونکہ وہ اللہ کے لیے نہیں اس لیے خالق جل مجدہ کے حق کی ادائیگی میں وہ بھی کنجوسی ہے اس کنجوسی کو ذکر کرنے کے بعد مال کی کنجوسی ذکر کی اس میں مانگے پر استعمالی چیز نہ دینے کا تذکرہ فرماتے ہوئے: وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿۱۰﴾ فرمایا جو مانگے پر کوئی چیز صرف استعمال کے لیے نہ دے۔ جو استعمال سے نہ گھٹے وہ بالکل کوئی چیز کسی کو کیا دے سکتا ہے جو بالکل ہاتھ سے نکل جائے۔

زکوٰۃ نہ دینا بھی کنجوسی کی ایک شق ہے ایک آدمی کے پاس مال جمع ہو گیا اس میں قواعد شرعیہ کے مطابق زکوٰۃ فرض ہوگئی۔ جو کل مال کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے وہ بھی پورا ایک سال گزرنے پر فرض ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی تو یہ بہت بڑی کنجوسی ہے۔ کوئی شخص استعمال کی چیز ذرا بہت دیر کے لیے دینے سے منکر ہو جائے جیسے یہ کنجوسی ہے اسی طرح معمولی چیز نہ دینا بھی کنجوسی ہے کسی کو آگ دے دی ماچس کی تیلی دے دی، تلاوت کرنے کے لیے قرآن مجید دے دیا یا نماز

پڑھنے کے لیے چٹائی دے دی۔ ان سب چیزوں میں ثواب بہت زیادہ مل جاتا ہے اور روک بیٹے سے کوئی اپنے پاس مال زیادہ جمع نہیں ہو جاتا جن لوگوں کا مزاج کنجوسی کا ہوتا ہے وہ کسی کو کچھ دینے یا ذرا سی مدد کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔
 حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں؟ فرمایا پانی، نمک اور آگ، عرض کیا یا رسول اللہ پانی کی بات تو سمجھ میں آگئی نمک اور آگ میں کیا بات ہے۔ فرمایا جس نے کسی کو آگ دے دی گویا اس سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے آگ نے پکایا اور جس نے نمک دے دیا گویا اس نے سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے نمک نے مزیدار بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا، گویا اس نے ایک جان کو زندہ کر دیا۔

(حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرا دینا صدقہ ہے اور مر بالعرف صدقہ ہے، نبی عن المنکر صدقہ ہے جو شخص راستہ گم کیے ہو اسے راہ بتا دینا صدقہ ہے کمزور بیٹائی والے کی مدد کر دینا صدقہ ہے اور راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے بھٹی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔)

(ردود الترمذی کافی مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۹)
فائزہ: لفظ حض (مضاعف) قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ یتیم کو کھانا نہ کھلانے کی شکایت کے تذکرہ میں وارد ہوا ہے، دو جگہ مجرد ہے ایک جگہ سورۃ الحاقہ میں در ایک جگہ سورۃ الماعون میں، تیسرا جو سورۃ الفجر میں ہے یہ باب تفاعل سے ہے۔



سُورَةُ الْكُوْثُرِ ۱۰۸ آيَاتُهُ ۱ وَتَنْزِيلُهَا
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ الْكُوْثُرَ ۝ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ اَوْ هُوَ حَوْضُهُ تَرِدُ عَلَيْهِ اُمَّتُهُ اَوِ الْكُوْثُرُ الْخَيْرُ الْكَبِيْرُ
 مِنَ النَّبُوَّةِ وَالْقُرْاٰنِ وَالسَّفَاعَةِ زَنْحُوْهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيْدِ النَّحْرِ وَاَنْحَرُ ۝ تُسَكِّكَ اِنَّ شَانِئَكَ
 اَيُّ مَنِغْضِكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ الْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اَوِ الْمُنْقَطِعُ الْعَقْبُ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَاِلِّ سَمِي
 النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرٌ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمدؐ) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے۔ جہاں امت محمدیہ لے جالی جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لیے (بقرعید کی) نماز پڑھیں اور قربانی کیجئے۔ یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام و نشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے۔ یہی آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اس نے آپ کے صاحبزادہ قاسم کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: اَوِ الْكُوْثُرُ الْخَيْرُ الْكَبِيْرُ: نہر کوثر یا حوض کوثر یہ خیر کثیر ہی میں سے ہے۔ آپ کا نہر کے ساتھ اس کی تفسیر کرنا بطور مثال ہے۔ ابن عباسؓ و ابن جبیرؒ سے بخاری نے یہی تفسیر نقل کی ہے۔
 قولہ: اِنَّ ابْنَهُ الْقَاسِمِ: آپ ﷺ کے بڑے بیٹے کا نام ہے جو نبوت سے پہلے پیدا ہوا اسی سے آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ وہ تقریباً دو سال زندہ رہا، اس کی وفات پر قریش مکہ نے ابتر کا طعن دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت ان کی تردید میں اتاری۔ (المواہب)

قولہ: نہر: ترطبی کہتے ہیں: آپ کو ایک حوض محشر میں ملے گا اور ایک جنت میں نہر دونوں کا نام کوثر ہے۔ (کذا فی مسلم)

مقبولین شرح جلالیہ

۸۷۹

۲۰۱۹ - الجزاء ۲۰ - انکوثر ۱۹

نقل کیا گیا ہے کہ آپ کے بیٹے قاسم کی وفات پر عاص بن داہل نے اجر کا طعنہ دیا تو یہ سورت آپ کی تسلی کے لیے اتری۔

۱۔ عاص بن داہل کی لسل کا تعلق اس سے کٹ گیا جو مر گئے سو مر گئے۔ باقی اسلام لائے۔ آپ کی روحانی اولاد میں داخل ہو گئے۔ (م)

۲۔ کرڈ کی بہترین تفسیر وہی "خیر کثیر" ہے جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ (ب)

تفسیر مقبولین

سورۃ الکوثر کیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہؓ سے اس طرح منقول ہے، یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت ﷺ کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کئے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات انظر من النفس ہے کہ جو جی اور علوم الہیہ رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت آپ کو دیئے گئے انکی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہو سکتی، جس علم و حکمت نے دنیا کو انسانیت سیکھا دی ان کے عقائد اعمال و اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا، گمراہوں کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت اور ایمان و تقویٰ کے نور سے انکی زندگیاں روشن کر دیں، بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے، تو: لصل لربک و المحر فرما دیا اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور عند اللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپ ﷺ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔

غرض اس سورت میں بے شمار مطالب اور اسرار و حکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح و بلیغ ادیب و شاعر نہ کر سکا، روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایہ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرمناکراپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اتار لیئے اور پھر کہا کہ جو رأت نہ ہوئی کہ وہ اپنا کوئی شعر یا کلام وہاں لگائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ املدا کلام البشر۔ کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَافِرِ ۝

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا، سید الانبیاء والرسل بنایا، قرآن عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ کے تابع بنائی۔ آپ کا دین سارے عالم اور ساری اقوام میں پھیلا یا اور آخرت میں آپ کو بہت بڑی خیر سے نوازا۔ مقام محمود بھی عطا فرمایا۔ نہر کوڑ بھی خیر کثیر میں ایک حصہ ہے۔ خیر کثیر اسی پر منحصر نہیں۔ احادیث شریفہ میں نہر کوڑ کی بھی بہت عظیم صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج) میں جنت میں چل پھر رہا تھا اچانک کیا دیکھا ہوں کہ ایک نہر ہے اس کے دونوں جانب موتیوں کے بنائے ہوئے ایسے قبے ہیں کہ موتیوں کو اندر سے تراش کر ایک ایک

موتی کا ایک ایک تہ بنا دیا گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا اے جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے

رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے اندر کی مٹی بہت تیز خوشبودار مشک ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے حوض کا طول اور عرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لیے ایک ماہ کی مدت درکار ہے اور اس کے گوشے برابر ہیں۔

(یعنی طول و عرض دونوں برابر ہیں) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبودار مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس کے

لوٹنے اس قدر ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں، جو اس میں سے پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا حوض اس قدر عریض و طویل ہے کہ اس کی دو

طرفوں کے درمیان اس فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جو ایلہ سے عدن تک ہے۔ سچ جانو وہ برف سے زیادہ سفید اور اس شہد

سے زیادہ میٹھا ہے جو دودھ میں ملا ہوا ہو، اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں (دوسری امتوں کو) اپنے حوض

پر آنے سے ہٹاؤں گا، جیسے (دنیا میں) کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول

اللہ ﷺ! کیا اس روز آپ ہم کو پہچانتے ہوں گے؟ ارشاد فرمایا ہاں (ضرور پہچانوں گا اس لیے کہ) تمہاری ایک علامت

ہوگی جو کسی اور امت کی نہ ہوگی۔ اور وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر سے تمہارے چہرے

روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد میں حوض کے اندر سونے چاندی کے

لوٹے نظر آ رہے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں دو پرنا لے کر رہے ہوں گے جو جنت (کی نہر) سے اس کے پانی میں اضافہ کر

رہے ہوں گے، ایک پرنا لے سونے کا دوسرا چاندی کا ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح) احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہر کوثر جنت میں

ہے۔ میدان قیامت میں اس میں سے ایک شاخ لائی جائے گی جس میں اوپر سے پانی آتا رہے گا اور اہل ایمان اس میں سے

پیتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن

اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے (حوض کی وسعت کئی طرح ارشاد فرمائی ہے کہیں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ اس کی طرفوں کے

درمیان فرمایا کہیں ایلہ اور عدن کے درمیان فاصلہ سے بھی اس کی وسعت کو تشبیہ دی کہیں کچھ اور فرمایا۔ ان مثالوں کا مقصد حوض

کی وسعت کو سمجھانا ہے۔ پانی ہوئی مسافت بتانا مراد نہیں ہے۔ اہل مجلس کے لحاظ سے وہ مسافت اور فاصلہ ذکر فرمایا ہے جسے وہ

سمجھ سکتے تھے۔ حاصل سب روایات کا یہ ہے کہ اس حوض کی مسافت سینکڑوں میل ہے۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے

زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ جو اس میں سے ایک

مرتبہ پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء آئیں گے۔ کسی نے (اہل مجلس میں سے)

سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ان کا حال بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں (دنیا میں) جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے

اور چہرے (بھوک، درمخت و تھکن کے باعث) بدلے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے (بادشاہوں اور حاکموں) کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں، اور (ان کے معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ) ان کے ذمہ جو (کسی کا) حق ہوتا تھا سب چکا دیتے تھے اور ان کا حق جو (کسی پر) ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے (بلکہ تموڑا بہت) چھوڑ دیتے تھے۔ (الترغیب والترہیب)

یعنی دنیا میں ان کی بد حالی اور بے مائیگی کا یہ حال تھا کہ بال سدھارنے اور کپڑے صاف رکھنے کا مقدور بھی نہ تھا اور ظاہر کے سنوارنے کا ان کو ایسا خاص دھیان بھی نہ تھا نہ بناؤ سنگار کے چونچلوں میں وقت گزارنے، اور آخرت سے غفلت برتنے۔ ان کو دنیا میں افکار و مصائب ایسے درپیش رہتے تھے کہ چہروں پر ان کا اثر ظاہر تھا، اہل دنیا ان کو ایسا حقیر سمجھتے تھے کہ مجلسوں اور تقریبات اور شاہی درباروں میں ان کو دعوت دے کر بلانا تو کیا معنی ان کے لیے ایسے مواقع میں دروازے ہی نہ کھولے جاتے تھے اور وہ عورتیں جو ناز و نعمت میں پلی تھیں ان خاصان خدا کے نکاحوں میں نہیں دی جاتی تھیں۔ مگر آخرت میں ان کا یہ اعزاز ہوگا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچیں گے، دوسرے لوگ ان کے بعد اس مقدس حوض سے پی سکیں گے۔ (بشرطیکہ اہل ایمان ہوں اور اس میں سے پینے کے لائق ہوں)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے سامنے جب آنحضرت سید عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے رہتے تھے اور جن سے عمدہ عورتوں کے نکاح نہ کیے جاتے تھے اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے تو اس ارشاد نبوی ﷺ کو سن کر (گھبرا گئے) اور بے ساختہ فرمایا کہ میں تو ایسا نہیں ہوں، میرے نکاح میں عبدالملک کی بیٹی فاطمہ (شہزادی) ہے اور میرے لیے دروازے کھولے جاتے ہیں لامحالہ اب تو ایسا کروں گا کہ اس وقت تک سر کو نہ دھوؤں گا جب تک بال بکھر نہ جایا کریں گے اور اپنے بدن کو اس وقت تک نہ دھوؤں گا جب تک میلانہ ہو جایا کرے گا۔ (مشکوۃ الصاع)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارے پلانے کا انتظام کرنے کے لیے پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو اس میں سے پی لے گا کھگی اسے پیاس نہیں لگے گی پھر فرمایا بہت سے لوگ میرے پاس سے گزریں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں جو اب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں نکال لی تھیں اس پر میں کہوں گا دور ہوں، دور ہوں، جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ (مشکوۃ الصاع)

دین میں بچر لگانے والوں کا اس وقت کیسا برا حال ہوگا جبکہ قیامت کے دن پیاس سے بیتاب اور عاجز رہے کس ہوں گے اور حوض کوثر کے قریب پہنچ کر دھتکار دیئے جائیں گے، اور رحمۃ للعالمین ﷺ ان کی ایبادات کا حال سن کر ”دور دور“ فرما کر پھٹکا دیں گے۔

قرآن وحدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسی پر چلنے میں بھلائی ہے کامیابی ہے لوگوں نے سینکڑوں بدعتیں نکال رکھی ہیں

اور دین میں اول بدل کر رکھا ہے جن سے ان کی دنیا بھی چلتی ہے اور نفس کو مزہ بھی آتا ہے اور مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں رواج پا گئی ہیں۔ ایسے لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے تو انہاں سمجھانے والے ہی کو برا کہتے ہیں۔ ہم سیدھی اور موٹی سی ایک بات کہہ دیتے ہیں کہ جو کوئی کام کرنا ہو آنحضرت ﷺ نے جیسے فرمایا اسی طرح کریں اور جس طرح آپ نے کیا اسی طرح عمل کریں اور اپنے پاس سے کوئی عمل تجویز نہ کریں۔

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

س ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ ۱۸ آیتیں

اور اس کی چھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

کفر و کافروں کے میں نازل ہوئی

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ فِي الْحَالِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ مِنَ الْأَصْنَامِ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ فِي الْحَالِ مَا أَعْبُدُ ۝ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَحْدَهُ وَلَا آتَا عَابِدًا فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا عِبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا أَعْبُدُ ۝ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَنْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَأَطْلَاقِي مَا عَلَى جَهَةِ الْمُقَابَلَةِ لَكُمْ دِينُكُمْ الْكُفْرُكَ وَبِي دِينِي ۝ الْإِسْلَامُ وَهَذَا أَقْبَلُ أَنْ يُؤْتَمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَدَفَ يَأْتِي الْإِضَافَةَ الشَّبَعِيَّةَ وَفَقَاؤُ وَضَلَاؤُ وَأَنْتَبَهَا يَعْقُوبُ فِي الْحَالَيْنِ

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے کافر! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال) میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔ اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی پرستش کرو گے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لیے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے یہ تمہارا دین (شُرک) ہے اور میرے لیے میرا دین ہے (یعنی اسلام)۔ یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے۔ قرأت سب سے دینی کی یہ وقفہ وصل کی حالت میں مخدوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

قولہ: نَزَلَتْ: ابن جریر نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کو مال کی پیش کش کی کہ تم بڑے مال دار بن جاؤ یا جس سردار کی بیٹی سے چاہو نکاح کر دیں بشرطیکہ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ دو یا پھر اس پر صلح کر لو کہ ایک سال ہم تیرے معبود کی پوجا کریں ایک سال تو ہمارے معبودوں کی پوجا کرو تو یہ سورت نازل ہوئی۔

قولہ: فِي الْحَالِ، فِي الْأَسْتِقْبَالِ: اعبدو دونوں مواقع میں الگ الگ زمانوں کے لیے ہے۔ تکرار کے لیے نہیں۔
قولہ: عَلِمَ اللَّهُ: اس سے بعض خاص کافر مراد ہیں جن کا علم الہی میں کفر پر مرنا مقدر تھا نہ کہ تم۔ تاکہ ان کی شقاوت ازلی ظاہر ہو جائے۔ (کشف)

قولہ: وَاطْلَاقِي مَا: ما اور من کا اطلاق ایک دوسرے کے معنی میں عرب میں شائع ذوالع ہے۔
کفار قریش کے وفد نے آ کر آپ سے مطالبہ کیا کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے یہ سورت اتری۔ (ق)

بقول طبرانی انہوں نے کہا: کم از کم اتنا کر لیں کہ ان کو برا کہنا چھوڑ دیں تو یہ سورت اتری۔ (م)

تفسیر مقبولین

سورۃ کافرون بھی کی سورت ہے، عبد اللہ بن مسعودؓ حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے یہی منقول ہے اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہئے اور کسی مرحلہ پر اہل باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہئے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جا رہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں، اہل حق کو اسی پر استقامت پانے اور اگر اہل باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کر دینا چاہئے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہو چکے ہیں تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو لکھو وَاِنَّا لَوٰثِقُونَ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کر سکتے ہیں تو یہ ہم حقائق اور امور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝

سورت کے فضائل اور خواص :- حضرت صدیقہ عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لیے دوسورتمیں بہتر ہیں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص (رواہ ابن ہاشم مظہری) اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دوسورتمیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ نے قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے (رواہ الترمذی والہواداد) اور حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال با مراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں سورۃ کافرون، سورۃ نصر، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ ناس پڑھا کر اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔ حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسروں ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد خستہ حال ہوتا تھا۔ جب سے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا (مظہری بحوالہ ابویعلیٰ) اور حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھونے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کانٹے کی جگہ لگاتے تھے اور قل یا ایھا الکافرون قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری) نشان نزول: ابن اسحق کی روایت ابن عباس سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبدالطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ (قریبی) اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباس سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اول تو باہمی مصالحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ ملا دار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپ کا نکاح کر دیں، آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

چند روز سائے قریش نے کہا کہ اے محمد! ﷺ آؤ! ہم تم صلح کر لیں کہ ایک سال تک آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لیے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ان کو مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور و طریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے۔ ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا

قرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں گے (مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا نَحْسَ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں۔ یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ اپنے سبک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اسے گفتگوئے مصالحت کو ختم کرنے کے لیے یہ سورت اتاری گئی ہے۔

وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَحْبَبْتُ

یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی (تعبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی، اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے۔ کما صرح بہ ابن خشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما نظر من الترجمة۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں امر صولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ما کو مصدر یہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں۔ تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان و صفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گردناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال و استقبال کی نفی کے لیے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور وَلَا آتَا عَابِدًا مَا عَبَدْتُمْ کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے) (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزل دی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور و جیہات و ہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شریکیت میں تمہارا ہم نوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لیے یہاں وَلَا آتَا عَابِدًا میں جملہ اسمیہ، اور مَا عَبَدْتُمْ میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال، اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا۔ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَحْبَبْتُ یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھٹا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ ما تعبدون بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ ما عبدتم بصیغہ ماضی مانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنالیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے، ایک سزکا، ایک حضرکا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، قوس علیٰ ہذا

لَكُمْ وَيُكَفِّرُ وَلِي وَبَيْنَ ۝

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی تم نے ضد باندھی اب سمجھانا کیا نامہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کریں اب ہم تم سے بالکل بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین تویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں، تم نے اپنے لیے بد بختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں سہا کر رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ و روش کا نتیجہ مل رہے گا۔

سُورَةُ النَّصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ النَّصْرِ الْمَدَنِيَّةُ ۱۱۴

اور اس کی تین آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَنَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَىٰ أَعْدَائِهِ وَالْفَتْحُ ۝ فَتَحَ مَكَّةَ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْوَاجًا ۝ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانُوا يَدْخُلُونَ فِيهِ وَاحِدًا وَاحِدًا وَذَلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ طَائِعِينَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ أَيُّ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُكَ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُولِ هَذِهِ السُّورَةِ يُكْتَبُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهُ وَالتَّوْبُ إِلَيْهِ وَعَلِمَ بِهَا أَنَّهُ قَدْ اقْتَرَبَ أَجَلُهُ وَكَانَ فَتْحَ مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ سَنَةِ ثَمَانٍ وَتُوفِيَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَجَبِ الْأَوَّلِ سَنَةِ عَشْرٍ

ترجمہ چمکہ: جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی ﷺ کی) اور فتح (مکہ) آپہنچے۔ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج در آنما لیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ بر غبت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔ (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ ﷺ اس سورۃ کے نزول کے بعد بکثرت سبحان اللہ و بحمدہ استغفر للہ و التوبہ الیہ پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔ اور آپ کی وفات رجب الاول ۱۰ھ میں ہوئی۔)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: عَلِمَ بِهَا: اس سورت کے نزول سے آپ نے معلوم کر لیا کہ آپ کا وقت مقررہ قریب ہے۔ تو آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا تاکہ آخری عمر میں عمل صالح کی اور کثرت ہو۔ آپ ﷺ اکثر سبحانک اللہم اغفر لی انک انت التواب۔ بخاری دسلیم حضرت ابوسعیدؓ سے آپ ﷺ کا خطبہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے وفات کا اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیا یا آخرت، اس نے آخرت کو پسند کیا تو ابو بکرؓ رونے لگے اور کہہ رہے تھے نقدی یا باعتنا دھاتا۔ تو سب ابو بکرؓ کے رونے پر حیران تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ معلوم ہوا اس بندے سے مراد آپ کی ذات تھی۔ مقاتل نے نقل کیا کہ جمع میں رونے والے عہدہ تھے اور انہوں نے اس سورت سے آپ کی وفات کا قریب آنا سمجھا۔ اس کے ساٹھ روز بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ (کنز)

قولہ: اَفْوَجًا: یدخلون کے فاعل سے حال ہے اور رویت سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

سب سے آخری آیت: تو اتقوا یومًا ترجعون فیہ الی اللہ... ہے۔ البتہ سب سے آخری مکمل سورت مفسرین کے بیان کے مطابق یہ ہے۔ بقول ابن عمرؓ یہ حجۃ الوداع میں اتری اور قنادہ کے بقول یہ فتح خیبر کے بعد اتری، اس سے فتح مکہ سے قبل اس کے نزول کی تائید ملتی ہے۔ (ق-م)

تفسیر مقبولین

سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدینہ ہے، بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منیٰ میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۃ التودیع بھی بیان کیا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بروایت صدقہ بن یسارؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے پیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپ ﷺ نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لیے ایسے رہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امن عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی اور مسلمانوں کی عزت و عظمت جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرمادیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فاطمہؓ کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہؓ مجھے خبر رحلت سے دی گئی ہے، جس پر حضرت فاطمہؓ بیقرار ہو کر رونے لگیں، اس کیفیت کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فاطمہؓ سے پھر یہ فرمایا۔

اے فاطمہؑ تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی، جس پر حضرت فاطمہؑ نے ہنسنے لگیں۔ (رواہ البخاری و مسلم) اور پھر یہ راز رکھا حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا، تا آنکہ آنحضرت ﷺ کی رحلت ہو گئی تو اس کا اظہار کیا، اگرچہ اس سے قبل آپ کی وفات کی خبر و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل میں دے دی گئی تھی، لیکن زمانہ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی، اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس سورت کو سنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیسا کہ ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ سے دوران خطبہ وہ بات سن کر رونے لگے تھے جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کر لیا تو ابو بکرؓ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گذر اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباسؓ کے برابر ہیں تو فاروق اعظمؓ نے سب حضرات صحابہ کرامؓ اجمعین سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا، جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا، ابن عباسؓ سے دریافت کیا اے ابن عباسؓ کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کی خبر وفات ہے تو اس طرح عمر فاروقؓ نے ابن عباسؓ کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورۃ نصر قرآن کی آخری سورۃ ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی بعض آیات کا نزول جو اس کے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورۃ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورۃ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اقرء اور مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورۃ حمۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعد آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہو گئی) ان دونوں کے بعد آیت کلام نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد آیت: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ... نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پینتیس روز باقی تھے اس کے بعد آیت: اتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہو گئی۔ (قرطبی)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں لفظ اذا جاء سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے جس میں اس سورۃ کا نزول غزوہ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا اور خیبر کی فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ اس سورۃ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔ فتح مکہ رمضان ۸ ہجری میں ہوئی اور وفات ربیع الاول ۱۱ ہجری میں اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ سورۃ پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ بھی نازل ہوئی ہے۔ مزید تحقیق اس کی بیان القرآن میں مذکور ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورۃ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے۔ مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکر، عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ موجود تھے سب اس کو سکر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت عباس روئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ روئے گا کیا سبب ہے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ کی وفات کی خبر مضمر ہے آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے یہی مضمون روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس کو حضرت عمر نے سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مفہوم سے میں بھی سبھی سمجھتا ہوں۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح ترمذی)



سُورَةُ اللَّهَبِ ۶
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِأَيِّهَا ۵
رَكْعَتَهَا ۱

کور آیت تک میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو ہے حد بیان نہایت نرم والا ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

لَمَّا دَاغَا ضَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ وَقَالَ إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ عَمَّهُ أَبُو لَهَبٍ
بِأَنَّكَ الْهَذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ تَبَيَّنَتْ خَسِرْتَ يَدَا أَبِي لَهَبٍ أَي جُمْلَتُهُ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِأَنَّ
أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاؤُهُ وَتَبَيَّنَتْ ۞ خَسِرَ هُوَ وَهَذِهِ خَيْرٌ كَقَوْلِهِمْ أَهْلَكَ اللَّهُ وَقَدْ
هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ إِنْ كَانَ مَا بَعَثُوا ابْنَ أَخِي حَقًّا فإِنِّي أَتَدْبِرُ
مِنْهُ بِعَالِيٍّ وَوَلَدِي نَزَلَ مَا أَعْطَى عَنْهُ مَالَهُ وَمَا كَسَبَ ۞ وَكَسَبَهُ أَي وَوَلَدَهُ وَأَعْنَى بِمَعْنَى يُعْنَى

سَيَصِلُ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ أَي تَلْهَبُ وَ تَوْقَدُ فِيهِ مَالٌ تُكْنِيتُهُ لِتَلْهَبَ وَ جِهَةٌ إِشْرَاقًا وَ حُمْرَةٌ وَ
 أَمْرَاتُهُ ۝ عَطْفٌ عَلَى ضَمِيرٍ يَضَلِي سَوْغَةَ الْفَضْلِ بِالْمَفْعُولِ وَ صِفَتُهُ وَهِيَ أُمُّ جَبِيلٍ حَمَالَةٌ بِالرَّفْعِ
 وَ النَّصْبِ الْحَطْبُ ۝ الشُّوكُ وَ السَّعْدَانِ ثَلَاثَةٌ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيْدِهَا
 عُنُقُهَا حَبْلٌ مِّنْ قَسَدٍ ۝ أَي لَيْفٌ وَ هَذِهِ الْجُمْلَةُ خَالٌ مِّنْ حَمَالَةِ الْحَطْبِ الَّذِي هُوَ نَعْتٌ لِأَمْرَاتِهِ أَوْ
 حَبْرٍ يُبْتَدَأُ مُقَلَّبَرٍ

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ "اے لذیر لکھ بدین یدی عذاب شدید" آپ کا چچا ابولہب بولا۔ "بألك هذا دعوتنا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے۔ مجاز اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے۔ کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کئے جاتے ہیں۔ یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے۔ جیسے کہا جائے۔ اہلک اللہ وقد هلك اور چونکہ حضور نے عذاب کی دھمکی دی تھی۔ اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بھتیجے کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دوں گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اشنی بمعنی یعنی ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپٹیں اٹھتی ہوئی۔ سرخ و سفید روغن دار چہرہ کی وجہ سے ابولہب اس کی کنیت تھی۔ یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جو رو بھی (یصلیٰ کی خبر پر عطف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے۔ بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں) ل کر حضور کے راستے میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی۔ یہ جملہ حمالة الخطب کا حال ہے جو امراتہ کی صفت ہے۔ یا مبتداء مقدر کی خبر ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: لَعَادَا: بخاری مسلم نے نقل کیا ہے کہ جب آیت داند ریشیر تک الاقرین اتری تو آپ نے صفا پر چڑھ کر بطون قریش کے نام لے کر ان کو بلایا۔ قریش جمع ہو گئے تو آپ نے تمثیل دے کر فرمایا: اگر میں تم کو لشکر کے حملہ آور ہونے کی خبر دوں تو کیا تم مانو گے؟ سب نے بیک زبان کہا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: انا النذیر العریان بین یدی عذاب شدید۔ ابولہب نے کہا: تب الکا سائر الیوم الہذا جمعنا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔
 قوله: مَالٌ تُكْنِيتُهُ: اس کی کنیت اس کے متعلق حقیقت بن گئی کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آگ اس کو لازم پکڑنے والی بن گئی۔

قوله: بالتزفیع: یہ امر اتہ کی صفت ہے۔ ۲۔ ہی مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ بعض نے اعنی یا اذم کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: فی جیدھا: بقول ضحاکؒ یہ اس کی دنیاوی سزا ہے۔ ام جمیل آپ کو نقر پر عار دلاتی۔ خود خاردار لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر اٹھا کر لاتی ایک دن وہ اٹھائے آرہی تھی کہ وہ رسی اس کے گلے میں الجھ گئی جس سے یہ ہلاک ہو گئی۔ (قرطبی) ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ آخرت کی حدیدی زنجیر ہے جو منہ میں ڈال کر دبر سے نکالی جائے گی۔ صاحب قاموس کہتے ہیں: مر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا یہ آپ کا حقیقی چچا تھا اسلام دشمنی میں یہ اور اس کے دو بیٹے اور بیوی پیش پیش تھے یہ سب کفر پر مرے البتہ اس کی بیٹی درہ اور دو بیٹے عتیبہ و معتبہ دولت ایمان سے فیض یاب ہوئے۔ (ملفوظ الشرح) ابن ہشامؒ وغیرہ نے نقل کیا کہ جب یہ سورت اتری تو اس کی بیوی پتھر لے کر آپ کو مارنے کے لیے نکلی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو آپ کے لیے بند کر دیا وہ گالیاں بکتی صدیق اکبرؐ کے پاس سے لوٹ گئی۔

۱۔ پہلی تین آیات میں تین خبریں دی گئی ہیں۔ ۱۔ ابولہب اور اس کی بیوی فعلی طور پر خسارے اور ہلاکت کا شکار ہوں گے۔

۲۔ عملی طور پر ان کی اولاد ان کے کام نہ آئے گی۔ اور نہ مال۔

۳۔ کفر پر موت کی وجہ سے وہ جہنم کا ایدھن بنیں گے۔

۴۔ ابولہب کو ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا اگرچہ علم الہی میں اس کے متعلق عدم ایمان درج تھا۔

۵۔ آخری دو آیات میں ام جمیل کی سزا کا خصوصاً تذکرہ فرمایا کہ وہ خاندان کے ساتھ آگ میں جائے گی اور دنیا میں ہلاکت کا شکار بنے گی چنانچہ گھٹ گھٹ کر مر گئی۔

۶۔ ان دونوں کے متعلق عدم ایمان کی خبر صداقت نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

۷۔ شرک و کفر کے ہوتے ہوئے قربت فائدہ مند نہیں ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کام کرنے سے جو عذاب ملتا ہے تو مال و اولاد اس عذاب میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

۹۔ ابولہب کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

۱۰۔ ام جمیل دنیا میں آپ ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ بھڑکاتی پھرتی تھی، آخرت میں بھڑکتی آگ کے عذاب سے دوچار ہوگی۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الملہب بھی کئی سورت ہے، عبداللہ بن الزبیرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب

آنحضرت ﷺ نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ واللذ عشیرتک الاقرینن نازل ہوئی اور سلسلہ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلا حکم بھی آپ ﷺ کو بھی دیا گیا تم فاندذ تو آپ بطحا مکہ کی طرف نکلے ورا یک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یا صباہا یا صباہا جس پر قریش کے تمام قبائل جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا سے لوگو ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے، سب نے جواب دیا بے شک، اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کے بارہ میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے، آپ ﷺ نے فرمایا: انی لذید لکم یمن یدی عذاب شدید کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سنگر بد بخت ابولہب کہنے لگا تب ملک، تمہارے ہاتھ ٹوٹیں، کیا اسی کام کے لیے ہمیں جمع کیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ پر ایک پتھر اٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں کہیں اور حرکتیں کیں، تو اس سورت میں اس بد بخت کی بد تمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایسے مفرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت و قوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی انکو ذلیل و رسوا اور تباہ و برباد ہونا ہی پڑے گا۔

تَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝

ابولہب (جس کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک ابو لہبان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ﷺ ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا: تبا لکما ما ازی فی کما شیا أ بما یقول محمد ﷺ (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد ﷺ بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ ﷺ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی۔ ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا: تبا لک سائر الیوم الہذا جمعتنا۔ (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لیے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ سچ سچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فد یہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس کی نبوی الم جیل کو بھی پیغمبر ﷺ سے بہت ضد تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورہ ہذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مردہ یا عورت، اپنا ہویا بیگانہ بڑا ہویا چھوٹا، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔ پیغمبر کی قربت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں بناتا اور اپنی قوت بازو پر مفرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے، سمجھ لے کہ

اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تہائی کے گڑھے میں پھنسی چکا، یہ سورت مکی ہے۔ کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہ لھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دیوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

وَأَمْرًا تُهْتَمَلُ حَمَالَةَ الْحَطَبِ ۝

جس طرح ابولہب کو رسول ﷺ سے سخت غیظ اور دشمنی تھی اس کی بیوی بھی اس دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ یہ بد بخت بھی اپنے شوہر کے ساتھ جہنم کی آگ میں جائے گی اس کے ساتھ اس کا ایک حال یہ بتلایا کہ وہ حاملہ الحطب ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی۔ یعنی آگ لگانے والی، عرب کے محاورات میں چغل خوری کرنے والے کو حامل الحطب کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے چغل خوری کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغل خوری کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے یہ عورت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی ایذا رسانی کے لیے چغل خوری کا کام بھی کرتی تھی۔ اس آیت میں ابولہب کی بیوی کو حاملہ الحطب کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس مجاہد، عکرمہ وغیرہ ایک جماعت مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ چغل خوری کرنے والی تھی، اور ابن زید، ضحاک وغیرہ مفسرین نے اس کو اپنے حقیقی معنی میں رکھا ہے جس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ عورت چغل سے خاوار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذلیل و خسیس حرکت کو قرآن نے حاملہ الحطب سے تعبیر فرمایا ہے (قرطبی، ابن کثیر) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ حال جہنم میں ہوگا کہ اپنے شوہر پر جہنم کے درختوں زقوم وغیرہ کی لکڑیاں لاکر ڈالے گی تاکہ اس کی آگ بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اس کے کفر و ظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اس کے عذاب کو بڑھائے گی۔ (ابن کثیر)

چغل خوری سخت گناہ کبیرہ:

حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں چغل خورد داخل نہ ہوگا اور حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغل خوری اور جھوٹ عطار بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لایدخل الجنة سافل دم ولا مشاء بممہ ولا تاجر یربی، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا چغل خوری کرنے والا، اور تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطا کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے شعبی سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغل خور کو قاتل اور سود خور کی برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں

نے کہا کہ ہاں چغلو خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے تل ناسخ اور غصب اسواں کی نوبت آ جاتی ہے۔ (ترمذی)

فِي حَيْدٍ مَا حَبِلَ مِنْ مَسَدٍ ۝

مسد بسکون السمن مصدر ہے جس کے معنی رسی یا ڈور بننے یا اس کے تار پر تار چڑھا کر مضبوط کرنے کے ہیں اور مسد بفتح میم وی اس رسی یا ڈور کو کہا جاتا ہے جو مضبوط بنائی گئی ہو خواہ وہ کسی چیز کی ہو، کھجور یا ناریل وغیرہ سے یا آہنی تاروں سے ہر طرح کی مضبوط رسی اس میں داخل ہے (کذا فی التاموس) بعض حضرات نے جو خاص کھجور کی رسی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا گیا ہے اصل مفہوم عام ہے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حبل من مسد سے مراد لوہے کے تاروں سے بنا ہوا رسیاں اور یہ اس کا حال جہنم میں ہوگا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بنا ہوا طوق اس کے گلے میں ہوگا۔ حضرت جہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: من مسد ای من حديد۔ (مظہری)

اور شعبی اور مقاتل وغیرہ مفسرین نے اس کو بھی دنیا کا حال قرار دے کر حبل من مسد سے مراد کھجور کی رسی لی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ ابولہب اور اس کی بیوی المذار غنی اور اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے مگر اس کی بیوی اپنی خست طبیعت اور کنجوسی کے سبب جنگل سے سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور اس کی رسی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی کہ یہ گٹھا سر سے گر نہ جائے اور یہی ایک روز اس کی ہلاکت کا سبب بن کر لکڑیوں کا گٹھہ سر پر اور رسی گلے میں تھی تھک کر کہیں بیٹھ گئی اور پھر گر کر اس کا گٹھا ٹٹ گیا اور سی میں مر گئی۔ اس دوسری تفسیر کی رو سے یہ حال اس کا اس کی خست طبیعت اور اس کا انجام بد بیان کرنے کے لیے ہے

(مظہری)



سُورَةُ الْاِخْلَاصِ ۱۱۲ آيَاتُهُ ۲۲

سورہ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چار آیتیں ہیں

سُبْحٰنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهِ فَنَزَلَ قَوْلُ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ۝ فَاللهُ خَبِيرٌ هُوَ وَأَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ أَوْ خَبِيرٌ
 نَافٍ اللهُ الصَّمَدُ ۝ مُبْتَدَأٌ أَوْ خَبِيرٌ أَيْ الْمَقْضُودُ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ لَمْ يَلِدْ ۝ لِإِنْتِفَاءِ مَجَانَسَةِ وَ
 لَمْ يُولَدْ ۝ لِإِنْتِفَاءِ الْحَدُوثِ عَنْهُ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ أَيْ مُكَافِئًا وَمَسَائِلًا فَاللهُ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا
 وَقَدْ مَعْنَى لِأَنَّهُ مَحْطُ الْقَضْدِ بِالتَّفْيِ وَأَحْرَأُ أَحَدٌ هُوَ اسْمٌ يَكُنُّ عَنْ خَبِيرٍ هَارِ عَايَةً لِلْفَاصِلَةِ

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ہوگی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ہوگی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتداء خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا یعنی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے (یعنی کوئی ہم پلہ اور برابر نہیں ہے لہذا تعلق کھو اسے ہے اور مقصود بالمشی ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: سورة الاخلاص: روایات میں ہے اس کو ٹکٹ یا نصف قرآن کے برابر ثواب والی سورت کہا گیا ہے اور قرآن کے ہر حرف پڑھنے کا ثواب دس نیکیاں ہیں تو دونوں روایات کے پیش نظر کہا جائے گا۔ کہ ثواب دو قسم کا ہے ۱۔ تفصیلی ثواب۔ ۲۔ اجمالی ثواب۔ تفصیلی ثواب حروف کی ادائیگی اور عمل سے ملتا ہے۔ ۲۔ دوسرا ختم قرآن کا اجمالی ثواب ہے۔ پس قل حوالہ احد کو ٹکٹ قرآن کے برابر اجمالی ثواب کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

قولہ: بِسْمِ اللّٰهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہود نے یہ سوال کیا کہ اے محمد ﷺ! تو اپنے رب کی صفات و نسب بیان کر تو یہ سورت اتری۔ واللہ اعلم

قولہ: وَآخِذْ: یہ لفظ جلالہ سے بدل ہے اور اس سے یہ دلالت مل گئی کہ احد تمام صفات کا جامع ہے جیسا لفظ جلالہ تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ (بیضاوی)

قولہ: بِلَا تَنْفَاءٍ مُّجَانَسَةٍ: یعنی اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی کی، کیونکہ لڑکا واحد کی جنس سے ہوتا ہے اور اس کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ وہ واجب غیر ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے اور منکرین توحید کی بہت سی اقسام ہیں۔ سورة اخلاص نے ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کی تردید کر دی اور توحید ذات و صفات کو ثابت کر دیا۔ اور غیر اللہ کو عبادت میں شریک ٹھرانے والوں اور غیروں کو حاجت روا اور مشکل کشا اور کار ساز قرار دینے والوں کی اللہ الصمد سے تردید فرمادی اور اولاد کی نسبت کرنے والوں کی لم یلد ولم یولد کہہ کر تردید کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سوال کرنے والوں کو فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کی ذات میں کسی قسم کا تعدد نہیں بلکہ دوئی کی گنجائش نہیں نہ اس کا کوئی مقابل نہ مشابہ ہے۔ (ملحوظ التفاسیر)

تفسیر مقبولین

سورۃ اخلاص مکہ ہے۔ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، مگر مکہ جابر عطاء اور ابن مسعود جمعین سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں اس سورت مبارکہ میں توحید خداوندی اور اس کی ذات و صفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیت اور ذات و صفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں، مماثلت و مشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت و کبریائی کے منافی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز و جدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل و فطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بتائیے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا رب کیسا ہے، امام احمد بن حنبلہ اور امام بخاری رحمہما نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کی عظمت و فضیلت کے لیے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحید خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شان کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے، مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ۝ تعدل ثلث القرآن کہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ۝ تہائی قرآن کے برابر ہے بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔ اس لیے کہ قرآن کریم از اول تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں۔ (۱) توحید و صفات خداوندی۔ (۲) اعمال عباد، (۳) قیامت، اور جزاء سزا تو اس سورت میں توحید و صفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کیلئے ایک سر یہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھتا تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے پہلے سورۃ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آ کر یہ بات آپ ﷺ کو بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سورت صفت الرحمن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتا دو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اسکو کو جنت میں داخل کر دیا، حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا

کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا اے ابوبہ - کیا کسی میں اس قدر طاقت ہو سکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے، آپ نے فرمایا: قل هو الله تعدل ثلث القرآن۔

ایک روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی، اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا، عمر فاروقؓ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یا رسول اللہ! ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث و روایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے امام رازی رضی اللہ عنہ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کر دیا گیا قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق یزداں اور شر کا اہرمن نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اللَّهُ الصَّمَدُ
صمد کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں: وکل هذا صحيحة وهي صفات ربنا غز وجل هو الذي يصمد اليه في الحوائج وهو الذي قد انتهى سؤدده، وهو الصمد الذي لا جوف له، ولا ياكل ولا يشرب وهو الباقي بعد خلقه (ابن کثیر) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔ نیز آریوں کے عقیدہ مادہ و روح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں۔ (العیاذ باللہ)

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ
یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو یا حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید لم یولد میں کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنم نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام ایک پاباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جوڑو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہودی کتابیں انھا کر دیکھو ایک دن گل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے، اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) کبیرت
 كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (کاف: ۱۰۵) انی اسالک باللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفو احد ان تغفر لی ذنوبی انک انت الغفور الرحیم -



سورۃ الفلق ۲۰ آیتھا ۵ اور اس کی پانچ آیتیں ہیں
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
 سورۃ فلق کہ میں نازل ہوئی

تَزَلَّتْ هَذِهِ وَالَّتِي بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لِبَيْدِ الْيَهُودِيِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ وَثَرِيهَ أَحَدَى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَأَغْلَبَهُ اللَّهُ بِدَلِيكَ وَبِمَحَلِّهِ فَأَحْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِالْتَعَوُّذِ بِالشُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَتْهُ مِنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِيفَةً حَتَّى انْحَلَّتِ الْعُقْدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَأَنَّمَا سَطَطَ مِنْ عَقَالٍ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ الصُّبْحِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ مِنْ حَيَوَانَ مَكْلَفٍ وَغَيْرِ مَكْلَفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمِنْ شَرِّ عَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ أَي اللَّيْلِ إِذَا أَظْلَمَ أَوِ الْقَمَرِ إِذَا غَابَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ السُّوَاحِرِ تَنْفُثُ فِي الْعُقَدِ ۝ الَّتِي تَعْقُدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفَعُ فِيهَا بِشَيْءٍ تَقُولُهُ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَيَاتٍ لِبَيْدِ الْمَذْكَورِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝ أَظْهَرَ حَسَدَهُ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلْبَيْدِ الْمَذْكَورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ترجمہ: سورہ الفلق کیہ یا مدنیہ ہے۔ جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اس وقت نازل ہوگی۔ جب کہ

لبید نامی یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا۔ ایک نانت میں گیا رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرما دیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا کر کھینکیں اور حضور کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا..... چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آپ کہتے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ وہ حیوان مکلف ہو یا غیر مکلف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگر نیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زخم شری نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے لبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے معقہی پر عمل کرنے لگے۔ جیسے حاسد یہودیوں میں سے لبید مذکور نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماعلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدت شرکی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے)

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

قوله: الفلق: کی تفسیر حضرت جابرؓ، ابن عباسؓ نے صبح سے کی ہے اور آیت: فالفق الاصباح... الایة بھی اسی پر دلالت کرنے والا ہے۔ بعض نے اس کا معنی جہنم کا ایک قید خانہ یا جہنم کا نام بتایا۔

قوله: غاسق: کی تفسیر لغوی رات سے کی ہے، جب کہ وہ چھا جائے جیسے عرب کہتے ہیں: غسق الليل۔ جب رات کا اندھیرا چھا جائے، اغتسق ای اظلم۔ مطلب یہ ہے غروب آفتاب سے رات کا داخل ہونا۔ ۲۔ چاند کے غائب ہونے پر چاند کو غاسق کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چاند سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اس لیے کہ یہی غاسق ہے، جب کہ یہ غائب ہو یا گرہن زدہ ہو۔ (ترمذی)

قوله: السواجر: یہ ساحرہ کی جمع ہے، یعنی سحر کرنے والی عورتیں یہ مخدوف موصوف کی صفت بھی بن سکتی ہے اور النفوس کی صفت بنا لیں پھر سواجر عام ہو جائیں گی۔

قوله: اظہر: کہہ کر اشارہ فرماتے ہیں کہ حسد جب مخفی ہو تو اس سے حاسد کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے یہ وہ ہر وقت اسی غم میں مبتلا رہتا ہے۔ اور محسود کو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا یا اس طرح کہا گیا ہے۔ اظہار کی تاویل اس لیے کی ہے تاکہ ذکر حاسد کے ساتھ لغو نہ قرار پائے۔

قوله: مکیہ: سورۃ فلق کے مدنی ہونے کی طرف مفسر کارجمان ہے یہ ابن عباسؓ و قتادہ کا قول ہے۔ سبب نزول اس کا عویذ ہے۔ لبید مدینہ کا یہودی تھا۔ یہ سورتیں ازالہ سحر کے لیے اتریں۔

قولہ: سَخَّرَ لَيْلَهُ: فتح خیر کے بعد یہود خیر نے تین دینا لگا کر لیبید سے آپ پر سحر کر دیا۔ (مواہب)
 قولہ: فَأَخْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ: آپ ﷺ نے خواب سے بیداری کے بعد حضرت علیؓ کو بھیج کر لیبید کو بلوایا۔ یہ جادو
 آپ ﷺ کے بال کنگھی کے دندانے اور موسم سے آپ کی صورت پر گیارہ سوئیاں گاڑ کر ذردان نامی کنویں میں کھجور کے گائے
 میں بالوں کو گیارہ گرہ لگا کر پتھر کے نیچے دبایا ہوا تھا۔ اس سے آپ بیمار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے یہ سورتیں اتا کر علاج فرما دیا۔ سحر
 کا اثر جاتا رہا۔ (ملقط)

۱۔ سحر کرنا کفر ہے۔

۲۔ حد قطع حرام ہے۔ غبطہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

(اے رسول!) آپ کہیے کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے مالک کی ان چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں اور خاص طور پر
 شب تاریک کے شر سے جب کہ وہ آئے اور ان عورتوں کے شر سے جو جادو کے لیے منتر پڑھ کر بالوں وغیرہ میں گرہ دیتی ہیں اور
 گرہوں میں بھونک مارتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔

تفسیر مقبولین

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبد اللہ بن عباس اور جمہور صحابہ و ائمہ مفسرین
 اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم ﷺ پر یہود نے
 سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ ﷺ پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی
 ایسا بھی آپ ﷺ کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیل ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کر لیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی
 چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کر لی ہے اس کے عاوج کے واسطے یہ دوسری سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیرؓ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام ال مؤمنینؓ
 نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ ﷺ کے معمولات
 میں محسوس ہوئے) تو آپ ﷺ نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہؓ میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی
 وہ مجھے نے بتادی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں
 سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سر ہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال
 ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لیبید بن العصم نے، جو
 یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا در یافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں
 ڈالا گیا تو بتایا یہ زردوان میں (ایک کنویں کا نام ہے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس کنویں پر تشریف لے
 گئے اور اسکو نکلوا یا اس کنویں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوں، تمہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ گھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ ﷺ پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور زید بن ارقمؓ کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات و احادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ ﷺ کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض، لوفاات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ ﷺ کے چہرہ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ ﷺ کو نماز میں سوپیش آ جاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپ ﷺ کے مقام رسالت اور وحی الہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب نماز میں سوپیش آیا تو آپ نے فرمایا تھا: انما انا بشر انسی کہا تنسوں فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہر حال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سوپیش یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جو اس قسم مرض و حوادث طبعیہ ہوں سے وحی الہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی ہی بات سے کہ آپ ﷺ کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء علیہم السلام بہر حال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال و عوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت و قطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار و مشرکین آنحضرت ﷺ کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور و مجنون ہیں کہ وحی الہی کے جوش اور جذبہ دعوت و تبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض و التقدير کسی سوپیش یا مسحور کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سوپیش کو در نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سوپیش پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کر دئے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الہیہ کو ظاہر کر رہی ہے: "سنفرنک فلا تنسی الا ماشاء اللہ"۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سوپیش یا غشی پیغمبر پر طاری ہو گئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خدال نہیں واقع ہو سکتا۔

معوذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا موقف:

معوذتین یعنی سورۃ نسیح اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دوسورتیں ہیں اور اس پر تمام صحابہ اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تو اتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں پر ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف "الامام" میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہو چکا جس میں کسی بھی تردید کی گنجائش نہیں۔

عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کی زمام پکڑے اسکو پکڑے لے کر چل رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہو گا اس ذریعہ سے کہ آپ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں مسصیت نہ ہو جائے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نیچے اتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت ﷺ (میرے عرض کرنے پر) سوار ہو گئے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ ﷺ پر آپ ﷺ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اسکے بعد فرمایا (جب آپ ﷺ میرے سے سامنے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیا پایا تو نے ان دو سورتوں کو یعنی تو نے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپ نے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہو کرو۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مصحف قرآنی کے جو نسخے تمام بلاد اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطار عالم میں صحابہؓ اور تابعینؓ اور پوری امت اگلی تلاوت کرتی رہی اور تو اتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخہ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعاً طور پر تو یہ متعین و معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین جیسے صاحب روح المعانی کا اس وجہ سے کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا "کہ ابن مسعودؓ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے" صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر قفانی نے تصریح کی ہے۔

لم یبکر ابن مسعود کونہما من القرآن وانما انکر اثباتہما فی المصحف فانہ کان یرى ان لا یکتب فی المصحف شیء الا ان کان النبی ﷺ اذن فی کتابتہ وکانہ لم یبلغہ الاذن۔

کہ ابن مسعودؓ ان کے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جائے جن کی کتابت کی آنحضرت ﷺ نے اجازت دی ہو یا قفانی کہتے ہیں گویا ابن

مسعودؓ کو آپ ﷺ کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔
حافظ نے فتح الباری ج ۸ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابن مسعودؓ کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لیے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیسے پڑھا جائے۔

لیکن روایات و نقول اور صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لیے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۃ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردید نہیں ہو سکتا۔
زیر بن حبیشؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہ کا قول ہے کہ ابن مسعودؓ انکو نماز میں تلاوت کے لیے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کیلئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباریؒ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابن قتیبہ کا یہ قول درست نہیں انکا کلام اللہ ہوا اور قرآن کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کر سکتا اور ان کی قرآنی تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہؓ کا قول اختیار کیا ہو سکتا ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین بکتوب ہیں اور جملہ صحابہؓ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینی کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمائیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے اور عرضہ اخیرہ کے۔

مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہؓ بالاتفاق آنحضرت ﷺ کی قرأت و تلاوت کے مطابق تسبیح کرنے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمانؓ کا مصحف تھا۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾

فلق کے لفظی معنی پھنسنے کے ہیں مرادرات کی پو پھننا اور صبح کا نمودار ہونا جیسا ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت

فائق الاصابح آئی ہے۔ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے اس کو اختیار کرنے کی حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رات کی اندھیری اکثر شرور و آفات کا سبب بنتی ہے اور صبح کی روشنی اس کو دور کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں یہ اشارہ ہے کہ جو اس کی پناہ مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی تمام آفات کو دور فرما دے گا۔ (مظہری)

لفظ شر کے معنی از علامہ ابن تیم: من شر ما خلق، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ لفظ ظر و د چیزوں کے لیے عام اور شامل ہے۔ ایک آلام و آفات، جن سے براہ راست انسان کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے دوسرے وہ چیزیں جو آلام و آفات کے موجب اور اسباب ہیں۔ اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ قرآن و حدیث میں جن چیزوں سے پناہ کا ذکر آیا ہے وہ ان دونوں قسموں سے کسی ایک میں داخل ہوتی ہیں کہ یا تو وہ خود آفت یا مصیبت ہوتی ہیں یا اس کے لیے سبب موجب ہوتی ہیں۔ نماز کے آخر میں جو دعاء، استعاذہ مسنون ہے اس میں چار چیزیں مذکورہ ہیں۔ عذاب قبر، عذاب نار، قتلہ الحیا و المات ان میں پہلی دو چیزیں خود مصیبت و عذاب ہیں اور آخری دو چیزیں مصیبت و عذاب کے اسباب ہیں۔

مِنْ شَيْءٍ مَا خَلَقَ ۞

مِنْ شَيْءٍ مَا خَلَقَ ۞ کے لفظ میں ساری مخلوقات کا شر داخل ہے اس لیے یہ کلمہ تمام شرور و آفات سے پناہ لینے کے لیے کافی تھا مگر اس جگہ تین چیزوں کو ممتاز کر کے ان کے شر سے پناہ مانگنے کا علیحدہ ذکر فرمایا جو اکثر آفات و مصائب کا سبب بنتی ہیں۔ پہلے فرمایا من شر عفا سق اذ اوقب اس میں لفظ غاسق غسق سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کا پھیل جانا اور چھا جانا ہے اس لیے غاسق کے معنی حضرت ابن عسا اور حسن اور مجاہد نے رات کے لیے ہی اور دق و قوب کے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانے کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رات سے جبکہ اس کی اندھیری پوری ہو جاوے رات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی وقت جنب و شیاطین اور سوزی جانوروں اور حشرات الارض اور چوروں ڈاکوؤں کے پھیلنے اور دشمنوں کے حملہ کرنے کا وقت ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے صبح ہوتے ہی ان چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے۔ (ابن تیم) دوسری چیز یہ فرمائی وَمِنْ شَيْءٍ النَّفْثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۞، نفثات، نفث سے مشتق ہے جس کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔ اور عقد عقدة کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں جادو کرنے والے ڈورے وغیرہ میں گرہ لگا کر اس پر جادو کے کلمات پڑھ کر پھونکتے ہیں۔ النَّفْثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۞ کے معنی ہوئے گروہوں پر پھونکنے والیاں مراد جادو کرنے والیاں ہیں اور لفظ نفثات کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے جس میں مرد عورت دونوں داخل ہیں اس صورت میں جادو کرنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی جانیں ہوں گی اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا موصوف عورتیں ہیں۔ عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی گئی کہ جادو کا کام عموماً عورتیں کرتی ہیں اور کچھ خلفائے عورتوں کو اس سے مناسبت بھی زیادہ ہے اور یا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کا جو واقعہ ان سورتوں کا سبب نزول ہوا اس میں جادو کرنے والیاں ولید بن عصم کی لڑکیاں تھیں جنہوں نے باپ کے کہنے سے یہ کام کیا تھا اس لیے اس جادو کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی اور جادو کرنے والوں سے پناہ مانگنے کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سبب نزول یہی جادو کا واقعہ ہے اور یہ بھی کہ اس کا شر اور ضرر اس لیے زیادہ ہے کہ انسان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی بے خبری کی وجہ سے اس کے ازالہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی، وہ بیماری سمجھ کر دوا دار میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

تیسری چیز جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی وہ حاسد اور حسد ہے اس کی تفصیل کی وجہ بھی یہی دونوں ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ پر جادو کرنے کا اقدام اسی حسد کے سبب سے ہوا۔ یہود و منافقین آپ کی اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور ظاہری جنگ و قتال میں آپ پر غالب نہیں آسکے تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ کو بجھانا چاہا اور رسول اللہ ﷺ کے حسد دنیا میں بے شمار تھے اس لیے بھی خصوصیت سے پناہ مانگی گئی نیز حاسد کا حسد اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا وہ ہر وقت اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اس لیے یہ ضرر شدید بھی ہے۔

حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت رائل ہو جائے چاہے اس کو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا، کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر ان کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا (قرطبی) حسد سے ملتا جلتا غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یہ جو سڑ ہے بلکہ مستحسن ہے۔

یہاں تین چیزوں سے خصوصی پناہ مانگنے کا ذکر ہے مگر پہلی اور تیسری میں تو ایک ایک قید کا ذکر کیا گیا۔ پہلی غاسق کے ساتھ اذا وقت فرمایا اور تیسری میں حاسد کے ساتھ اذا حسد فرمایا اور درمیانی چیز یعنی جادو کرنے والوں میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ سبب یہ ہے کہ جادو کی مضرت عام ہے اور رات کی مضرت اسی وقت ہوتی ہے جب اندھیری پوری ہو جائے، اسی طرح حاسد کا حسد جب تک وہ اپنے حسد کی وجہ سے کسی ایذا پہنچانے کا اقدام نہ کرے اس وقت تک تو اس کا نقصان خدا کی ذات کو پہنچتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلتا کڑھتا ہے، البتہ محسود کو اس کا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جبکہ وہ محضائی حسد پر عمل کر کے ایذا رسانی کی کوشش کرے اس لیے پہلی اور دوسری چیز میں یہ قیدیں لگادی گئیں۔

سُورَةُ النَّاسِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ النَّاسِ
الْمَكِّيَّةُ ۲۱

آیتوں کا
۱

آیتوں کا
۶

سورہ ناس مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چھ آیتیں ہیں

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ خَالِقُهُمْ وَمَالِكُهُمْ خَضُّوْا بِالذِّكْرِ تَشْرِيفًا لَهُمْ وَمُنَاسِبَةً لِلاِسْتِعَاذَةِ مِنْهُ
سِرِّ الْمَوْسُوْسِ فِي صُدُوْرِهِمْ صَلِيْكَ النَّاسِ ۝ اِلٰهَ النَّاسِ ۝ بَدَلَانِ اَوْصِفَتَانِ اَوْعَطَفَا بَيَانَ وَاظْهَرَ
الْمُضَافِ اِلَيْهِ فِيْهِمَا زِيَادَةٌ لِلْبَيَانِ مِنْ سِرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مِثْلًا بَسْتِهٖ لَهٗ
الْخَنَاسِ ۝ لِاَنَّهُ يَخْتَسُ وَيَتَاخَرُ عَنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهُ الَّذِي يُوسُوْسُ فِي صُدُوْرِ النَّاسِ ۝
فَلُوْبُهُمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّاسِ ۝ بَيَانٌ لِلشَّيْطَانِ الْمَوْسُوْسِ اَنَّهُ جِنِّيٌّ رَّانِسِيٌّ
كَقَوْلِهِ تَعَالٰى شَيْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجَنَّةِ بَيَانٌ لَّهٗ وَ النَّاسِ عَطَفٌ عَلٰى الْوَسْوَاسِ وَ عَلٰى كُلِّ
يَسْمِيْلٍ سِرِّ لَبِيْدٍ وَ بَنَاتِهٖ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَاغْثِرَضَّ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا يُوسُوْسُ فِي صُدُوْرِهِمْ النَّاسُ اِنَّمَا
يُوسُوْسُ فِي صُدُوْرِهِمْ الْجِنُّ وَاَجِيْبُ بِاَنَّ النَّاسَ يُوسُوْسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنٰى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ
وَسُوْسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَ تَتَبَّثُ فِيْهِ بِالطَّرِيْقِ الْمُوْذِيِّ اِلَى ذٰلِكَ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

توجہ دینا: آپ کہتے ہیں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دونوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسے ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس نام حدیث بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ شیاطین

الناس والجن یا صرف من الجنۃ بیان ہو۔ اور الناس کا الوساوس پر عطف ہے۔ بہر صورت یہ لیبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان ووسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن ووسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی ووسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر وہ ووسوسہ دلوں تک پہنچ کر جائزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَأَظْهَرَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ: یہاں مضاف الیہ کو ظاہر کیا حالانکہ ذکر سابق کی وجہ سے ضمیر چاہیے۔ تو بعض نے کہا مقام ضمیر میں اظہار عظمت کے لیے مانتے ہیں، جبکہ دوسروں نے کہا کہ اول مرتبہ الناس کو لا کر اطفال مراد لیے اور ربوبیت کا مفہوم اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور دوسری مرتبہ الناس سے نوجوان مراد لیے کیونکہ ان کو معاملات سنوارنے والے کی شدید ضرورت ہے جو ملک کی صفت اس پر کافی دلالت کر رہی ہے۔ اور تیسری مرتبہ الناس لائے تو اس سے بوڑھے مراد لیے، اس لیے کہ وہ اس عمر کے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ در اس کی تکلیف کسی سے دھکی چھپی نہیں۔

قوله: إِذَا غَفَلُوا: جیسا حدیث میں آیا ہے شیطان قلب انسانی پر جم کر بیٹھ جاتا ہے جو نبی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے کو کھسکتا ہے اور جب وہ یاد الہی سے غافل ہوتا ہے تو وہ ووسوسہ اندازی کرتا ہے۔

اسے نبی کریم ﷺ کہہ دیں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جو لوگوں کا خالق، مربی، مدبر اور ہے اسے لوگوں پر کامل ملکیت اور حاکمیت حاصل ہے اور وہی ان کے امور کا متصرف ہے اور لوگوں کا سچا معبود ہے اور الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں، یہ تینوں صفات اسی ہی کے لیے ہیں۔ میں اس ووسوسہ اندازی کرنے والے کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو نفوس میں شر و برائیاں ڈالتا ہے اور اس کی عادت یہ ہے کہ وہ جب ذکر اللہ جیسی کوئی رکاوٹ پاتا ہے تو پھر پیچھے کھسک جاتا ہے اور وہ گمراہی کے دوسے ڈالنے والا جنات و انس دونوں میں سے ہو سکتا ہے۔ جنات میں سے شیاطین اور انسانوں میں سے ملع۔ بازی والے لوگ دوسے ڈالتے ہیں اور اسی قسم کے لوگ انسانی شیطان ہیں۔

شیاطین جن و انس سے استعاذہ ماذم ہے۔

ربوبیت والوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اعوذ بالله من الشیطان الرجیم غضب کو دور کرنے والا ہے۔

تفسیر مقبولین

سورہ نلق میں نبوی آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور اس سورت میں اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے اور جیسا کہ لفظ شر کا مہموم سورہ نلق میں بیان کیا گیا ہے کہ آلام اور موجبات آلام دونوں کو شامل ہے اس سورت میں اس شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو تمام گناہوں کا سبب ہے یعنی شیطان و وساوس و اثرات، چونکہ آخرت کی مضرت اشد ہے اس لیے اس کی تاکید پر قرآن ختم کیا گیا۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ رب کے معنی پالنے والے اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے کے ہیں اس جگہ رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی اور پہلی سورت میں نلق کی طرف وجہ یہ ہے کہ سورہ نلق میں ظاہری اور جسمانی آفات سے پناہ مانگنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جانوروں کو بھی بدنی آفات و مصائب پہنچتے ہیں، بخلاف دوسرے شیطانی کے کہ اس کا نقصان انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جنات بھی اس میں بعا شامل ہیں۔ اس لیے یہاں رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی۔ (مطہری عن البینادی)

صَلِّتِ النَّاسِ ۝ اِلٰہِ النَّاسِ ۝

ان دو صفتوں کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ لفظ رب جب کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا بھی دوسروں کے لیے بوزا جاتا ہے جیسا رب الہ دار گھر کے مالک کو، رب المال، مال کے مالک کو کہا جاتا ہے اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اس لیے ملک کا اضافہ کیا کہ وہ رب یعنی مالک بھی ہے اور ملک یعنی بادشاہ بھی، پھر ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا اس لیے تیسری صفت ذکر فرمائی الہ الناس، ان تینوں صفتوں کو جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کی دائمی ہے کیونکہ ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح ہر بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کے لیے محافظ ہونا تو سب سے اظہر ہے۔ یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں اس کے سوا کوئی ان صفتوں کا جامع نہیں اس لیے اس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کے ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کے لیے اقرب ہے کہ یا اللہ آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہاں جبکہ پہلے جملہ میں رب الناس آ گیا تو بظاہر تقاضا مقام کا یہ تھا کہ آگے اس کی طرف ضمیر س راجع کرنے سے کام لیا جاتا، الملکم فرمایا جاتا مگر اس لفظ کا بار بار تکرار اس لیے ہے کہ مقام دعا اور مدح و ثناء کا ہے اس میں تکرار بھی بہتر ہے اور بعض حضرات نے لفظ ناس کے بار بار تکرار میں یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس سورت میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پہلے لفظ ناس سے مراد بچے ہیں اور لفظ رب اور ربوبیت اس کا قرینہ ہے کیونکہ پرورش کی حاجت سب سے زیادہ بچوں کو ہوتی ہے اور دوسرے لفظ ناس سے جو ان مراد ہیں، اور لفظ ملک اس کا قرینہ ہے جو ایک سیاست کے معنی رکھتا ہے وہ جو ان کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ ناس سے بوڑھے مراد ہیں جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ الہ اس کا قرینہ ہے جو عبادت الہ طرف مشیر ہے اور چوتھے لفظ ناس سے مراد اللہ کے صالح بندے ہیں اور لفظ دوسرا اس کا قرینہ ہے کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے ان کے دلوں میں دوسرے ڈالنا اس کا مشغلہ ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد مفسد لوگ ہیں کیونکہ ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کر کے اب اس کا بیان ہے جس سے پناہ مانگنا مقصود ہے وہ ہے دوسواں خناس، دوسواں مصدر دراصل بمعنی دوسوہ ہے یہاں شیطان کو دوسواں مبالغتہ فرمایا گیا کہ وہ مرہا دوسوہ ہے اور دوسوہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مغلّی کلام کے ذریعہ بلانا ہے جس کا مفہوم انسان کے دل میں آ جائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے۔ (قرطبی)

خناس، خنس سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے لوٹنے کے ہیں۔ شیطان کو خناس اس لیے کہا گیا کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آ جاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر پیچھے لوٹ جاتا ہے یہی عمل مسلسل جاری رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان (فرشتہ اس کو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان برے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں 'سوسے ڈالتا ہے۔ (رواہ ابویعلیٰ عن انس رضی اللہ عنہما مطہری)

وَالْجَنَّةِ وَكَاسِبِ

تین جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی۔ (وَكَلِّمَكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِنْ يَسْمِعُ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا) (الانعام: ۱۱۲) اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (کلمہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء حکماء نے کچھ نکتے آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم، امام رازی، ابن سینا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے میں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تاکہ فوائد مرسن کے حسن خاتمہ کے لیے ایک فائز نیک ثابت ہو، یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ بارش میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شش کرتا ہوا نام۔ سے مرکل آتا ہے تو باغبان (یا مالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کرنے والی یا اس کے ثمرات کے تسخیر سے مالک کو محروم بنانے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچانے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ اولیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن کے انسداد کے لیے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و درہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی چہلت اور خلقت میں سبزہ و گیہا کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی یہ حرارت غریز کے احتقان کا باعث ہو۔ اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشوونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالک بارش کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا۔ پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سما سے جو رب العسق اور فائق الحب والنوی اور چمنستان

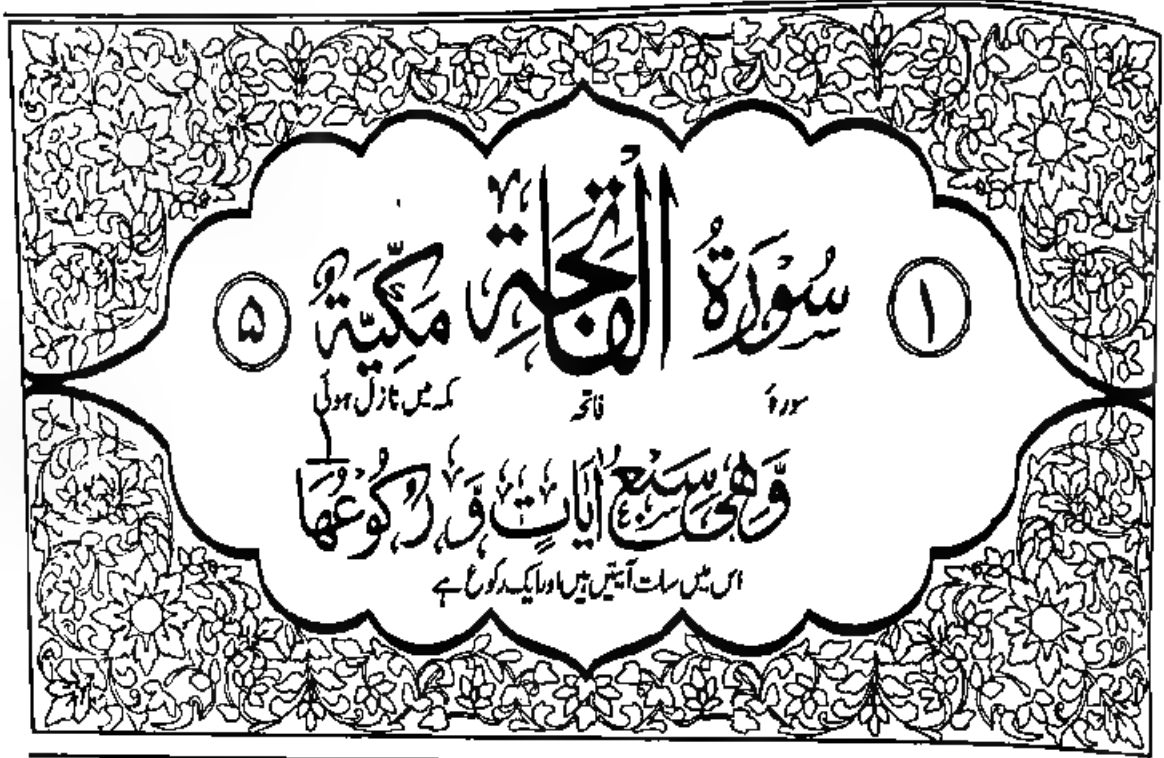
پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے پائیاں اور انعامات بے غایت نبی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم ان کس ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا۔ جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہو سکے۔ ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہئے۔ لمن الملک ایوم اللہ الواحد القہار گویا مالکیت یا ملکیت ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ہی ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک ہی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الہیت) کا سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاح پر واندہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے معبودیت والہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لا شریک لہ کے لیے ثابت ہو گئی۔ پڑھو: اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعاً غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وسواس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) کو سورۃ الناس میں بیان فرما دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واو عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت درصفت کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذہ حقیقی الہ الناس ہے اور ملک و رب اسی ایک رسائی حاصل کرانے کے عذر ان قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے۔ خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بد معاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصون و مامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملک الناس کو رکھا جائے۔ اور اندکی یوسوس فی صدر الزنس جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے لقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ اس کو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملک الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بسرائر کلامہ۔

(تسبیہ) کئی صحابہ (مثلاً) شہ صدیقہ، ابن عباس زید بن ارقم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض یہود نے سحر کیا۔

مقبلیں شرح جلالینے

جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ ﷺ کبھی کبھی جا رہے تھے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: انہا انابشرا نسسی کہما تنسون فاذا نسبت فذکرونی (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلادیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ ﷺ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں، ممکن ہے ان میں بھی سہو نسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو نسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ ﷺ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیے سہو نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں، تو ان خواص کا پایا جانا اس کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا مکمل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرتا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا مسحور کے معنی جنون کے لیتے تھے اور وحی الہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب و تردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لیے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل اندازہ ہو نہیں سکتا۔ (تہجد دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک جو آثار ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور راریب آسمان سے اتر ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطہر ہے، خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہے: انہ کان لا یعد المعوذین من القرآن وکان لا یکتبہما فی مصحفہ یقول انہما منزلتان من السماء وہما من کلام رب انہما من القرآن اولیستامنہ فلم یکتبہما فی المصحف (صفحہ ۷۲۲ جلد ۱) قاضی ابوبکر برکات لکھتے ہیں۔ لم ینکر ابن مسعود کو نہما من القرآن و نہا انکر اثباتہما فی المصحف فانہ کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیاً الا ان کان النبی ﷺ اذن فی کتابتہ فیہ وکانہ لم یبلغہ الاذن (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ لفظ

نقل کئے ہیں: لم یکن اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرآنیئہا وانما کان فی صفتہ من صفاتیہا۔ (ابن ہریرہ ص ۷۱ ج ۵) بہر حال ان کی یہ رائے بھی شخص اور انفرادی تھی اور جیسا کہ ہزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تو اترے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن منکوح ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تو اتر قرآن کے مقابلہ میں قابل اہمیت نہیں ہو سکتی۔



سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ آيَاتٍ بِالسَّمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الْبَدِيْنِ اِلَى اٰخِرِهَا زَانٌ لَمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَعْصُوْبِ اِلَى اٰخِرِهَا وَبَقَدْرُ فِيْ اَوَّلِهَا قَوْلُ الْيَكُوْنُ مَا قَبَّلَ اِيَّاكَ نَعْبُدُكَ مَنَابِهَةً بِكُوْنِهِ مِنْ مَقْوَلِ الْعِتَادِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الْحَمْدُ لِلّٰهِ جُمْلَةً خَيْرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الشُّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمُضْمُوْرِيَّاتٍ مِنْ اَنَّهُ تَعَالَى مَا لَيْكُ لِحَمِيْمٍ اَحْمَدِيْمٍ الْخَلْقِ اَوْ مُشْتَحِقٌ لِاَنْ يُحْمَدَ وَهُوَ اللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى الْمَعْبُوْدِ بِحَقِّ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَيُّ مَا بَيْكُ حَمِيْمٍ الْخَلْقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالذَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ وَكُلُّ مِنْهُمْ يُطَلَّقُ عَلَيْهِ عَالِمٌ يُقَالُ عَالِمٌ الْاِنْسِ وَعَالِمٌ الْجِنِّ اِلَى غَيْرِ ذَلِكَ وَغَلِبَ فِيْ حَمِيْمِهِ بِالْيَاءِ وَالتَّوْنِ اَوْ لَوْ الْعِلْمُ عَلَى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُوْجِدِهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَيُّ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِيْهِ صِلِكَ يَوْمِ الْبَدِيْنِ ۝ اَيُّ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ لَا مَلِكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاِحْدِ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالَى بِدَلِيْلِ لِمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِيَهْ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكَ فَسَقَاةٌ مَّا لَيْكُ

الْأَمْرِ كُلِّهِ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَيُّ هُوَ مَوْصُوفٌ بِذَلِكَ دَائِمًا كَغَايِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وَقَوُّعُهُ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ إِيَّاكَ
تَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ تَسْتَعِينُ ۝ أَيُّ نَحْضُكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْجِيهِ وَ غَيْرِهِ وَ نَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُونَةَ عَلَى
الْعِبَادَةِ وَ غَيْرِهَا إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ أَيُّ أَرْشِدْنَا إِلَيْهِ وَ يَبْدُلُ مِنْهُ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ ۝ بِالْهُدَايَةِ وَ يَبْدُلُ مِنَ الَّذِينَ بَصَلَتْهُ غَيْرِ الْبَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ هُمْ الْيَهُودُ وَ لَا وَ غَيْرِ
الضَّالِّينَ ۝ وَ هُمْ النَّصَارَى وَ نُكْتَةُ الْبَدَلِ إِفَادَةٌ أَنَّ الْمُهْتَدِينَ لَيْسُوا يَهُودًا وَ لَا نَصَارَى وَ اللَّهُ أَعْلَمُ
بِالضُّوَابِ وَ إِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَ الْمَأْبُتُ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ
الطَّاهِرِينَ صَلَوةً وَ سَلَامًا دَائِمِينَ مُتَلَازِمِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں (جملہ خیر ہے۔ حاصل کلام اللہ عزوجل کی ثناء بیان کرنا ہے) یعنی یہ
کہ وہ مخلوق کی ساری تعریف کا مالک ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کر دے، لفظ اللہ معبود حقیقی کا نام ہے)
جو تمام کائنات کا رب ہے (یعنی انسان، جن فرشتے وغیرہ جانوروں ساری مخلوق کا مالک ہے ان مخلوقات میں سے ہر مخلوق کو عالم
کہتے ہیں۔ چنانچہ عالم الانس، عالم الجن وغیرہ بولا جاتا ہے اور عالمین کے یا انون کے ساتھ جمع لانے میں ذوی العقول کو غیر ذوی
العقول پر غالب کر لیا گیا ہے۔ عالم علاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ ہے) بڑا مہربان نہایت
رحم کرنے والا ہے (یعنی رحمت والا ہے۔ جس کے معنی مستحق رحمت کے ساتھ ارادہ خیر کے معنی ہیں) روز جزا کا مالک ہے (یعنی
بدلہ کے دن کا جو روز قیامت ہے۔ اس روز کی تخصیص اس لیے کی وہاں بجز اللہ کے کسی کی ملک نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے
لَمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ اللَّهُ اور جن قراء نے مالک پڑھا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن وہ ہر چیز کا مالک ہوگا یعنی اللہ
ہمیشہ مالک ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غافر الذنب فرمایا گیا ہے۔ اس لیے مالک کا معرّفہ (اللہ) کی صفت بنا قطعاً درست
ہے) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یعنی توحید وغیرہ کے ذریعہ ہم صرف آپ کی پرستش
کرتے ہیں اور عبادت وغیرہ پر صرف آپ کی اعانت چاہتے ہیں) ہمیں سیدھا راستہ دکھائیے (اس کی طرف رہنمائی
کیجئے۔ آگے بدل ہے) ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ہدایت دے کر آگے بدل ہے الذین مع صلہ کا) جو
مغضوب نہیں ہوئے (جیسا کہ یہود ہیں) اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (جیسے عیسائی اور بدل میں یہ نکتہ ہے کہ یہود و نصاریٰ ہدایت
یا نہ نہیں ہیں)

نیز مفعول کو موم پیدا کرنے کے لیے کثرت سے حذف کرتے ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اس سے اپنے آپ حول وقوت کی مکمل نئی ہوتی ہے اور یہ بات مقام عبادت کے نہایت مناسب ہے۔

قولہ: **أَوْ يَبْدُلُ**: اور اس پر تفسیر کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا راستہ تو استقامت کے ذریعہ جانا پہنچانا ہے۔ یہاں ذات کو

صفت کا بدل بنایا حالانکہ مبدل منہ میں تو وصف پیش نظر ہوتا ہے اور ذات بدل بنا کرتی ہے۔ تو اس سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کا راستہ استقامت والا ہونا چاہیے کیونکہ تفسیر یہ ہے کہ کسی مبہم کو مشہور و ظاہر لفظ سے واضح کر دیا جائے پس جب اس مذکورہ صوف کو صفت مذکورہ کا بیان بنا یا تو اب ضروری ہو گیا کہ معروف استقامت سے اس کا اتصال ہوتا کہ مبہم سے تفسیر لازم نہ آئے اور وصف استقامت پھر منحصر ہو جائے۔ کیونکہ تفسیر میں اصل مساوات ہے اسی لیے اس کو بدل قرار دیا نہ کہ عطف بیان کیونکہ اس صورت میں تاکید فوت ہو جاتی ہے۔

قولہ: **مَبْنُؤٌ**: اس سے تاکید مقصود ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على حبيبه عمده وآله وصحبه اجمعين۔ تم يوم الاربعاء من شعبان ۱۲۲۲ھ ۱۳ ۲۰ التقاط الحواشي بحمده ومنه تعالى

تفسیر مقبولین

سورة فاتحة کے اسماء اور فضائل

سورة فاتحة کی ہے، بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحة ہے، تفسیر اتقان میں پچیس نام ذکر کئے ہیں جن میں چند نام یہ ہیں: فاتحة الكتاب، فاتحة القرآن، ام الكتاب، ام القرآن، السبع المثاني، سورة المناجاة، سورة السوال، سورة الحمد، سورة الشکر۔

سورة حجر میں فرمایا ہے: **(وَلَقَدْ أَتَيْنَكَ مِنْ الْمَتَانِي وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ)** ”اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔“

السبع (سات) اس لیے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس لیے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری ۶۱۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورة فاتحة کا نام ام الكتاب اس لیے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اسی سے قراءت شروع کی جاتی ہے اور فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۃ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو عظیم سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ تو ریت میں اتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الكتاب) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور ص ۱۷ ج ۱) بعض احادیث میں سورۃ فاتحہ کو دو تہائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۱۷ ج ۱)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اس خزانہ سے اتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اتاری گئی (۱) ام الكتاب (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (۴) سورۃ کوثر۔ (درمنثور ص ۱۷ ج ۱) عن الطبرانی ولفیاء المقدسی فی الخاتمة

حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ اٹھیس ملعون چار مرتبہ رویا، ایک تو اس وقت روایا جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا، تیسرے جب زمین پر اتارا گیا، چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

(درمنثور ص ۱۷ ج ۱)

صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے اپنے نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوشخبری سن لیجئے، دونوں آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے: (۱) فاتحۃ الكتاب (۲) سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعا ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لیے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو بھی کچھ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے۔

تفسیر اتقان میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں (اجمالی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں۔ یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کے لیے براعت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیلاً اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں۔ اول علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں۔ (۱) اللہ پاک کی ذات و صفات کو جاننا، اس کی طرف سورۃ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت و رسالت، اس کی طرف (الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) میں ارشاد ہے۔ (۳) قیامت اس کی طرف (طَبَقِ يَوْمَ) اللّٰتِيْنَ) میں اشارہ ہے۔ دوم علم العبادات، اس کی طرف (إِيَّاكَ نَعْبُدُ) میں اشارہ ہے۔ سوم، علم السلوک یعنی نفس کو آداب شرع کا پابند بنانا اور احکام خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف (وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) میں اور (اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) میں اشارہ ہے۔ چہارم علم القصاص یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات، ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت و کامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے۔ اس مقصد کی طرف (حَسْرَتًا

الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۱﴾ میں اشارہ ہے۔

سرم شریف ص ۱۷۰ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے (اس کے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے: (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱﴾) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (حَمِيدِي عَبْدِي) (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (الرِّحْمَانِ الرَّحِيمِ ﴿۲﴾) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (أَتْنِي عَلَى عَبْدِي) (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳﴾) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (مَجْدِي عَبْدِي) (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿۴﴾) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔ (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت و نعمت کی نوازش کے قابل بنا لیا وہاں اس نے بلا شرکت غیرے اللہ پاک کی معبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف رحیم احد و صمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل و کثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے: (إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۶﴾) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعوذ اور تسمیہ کا بیان:

جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو ازل (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) پڑھا جائے سورۃ بقرہ نحل میں ارشاد ہے: (فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ شیطان مردود سے) اور اس کے بعد (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو زینت دیتے ہیں یعنی رنگ دروغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کریں۔ اس کے لیے (أَعُوذُ بِاللَّهِ) (آخر تک) پڑھی جائے۔ پھر اللہ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی وسوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو ان چیزوں سے ذہن فارغ کر لے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے

اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے نافل بنانے والی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی جب کوئی سورت شروع کرے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے، البتہ سورہ انفال ختم کر کے سورہ برأت شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان نفل کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے۔ البتہ سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) ہے وہ سورہ نمل کا جزو ہے۔ ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) کو سورہ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ) سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) سورہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ان کے نزدیک (غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ) ساتویں آیت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۳۶ ج ۱) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو سورت ختم ہونے کا علم نہ ہوتا تھا جب تک (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) نازل نہ ہو جاتی تھی۔ جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل ہوتا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ سورت ختم ہوگئی اور اب نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ (در منثور ص ۷ ج ۱)

تفسیر معالم التنزیل ص ۳۶ ج ۱ میں لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر سورت کے شروع میں ہونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو تعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اور قرأت شروع کرنے کا ادب جان لیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں

اذل کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اور اسم ذات اور اللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جو دیگر صفات کا لیے کو بھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اس دعویٰ کو واضح اور ثابت کرنے میں مذکورہ صفات کو بڑا دخل ہے یعنی جو ذات پاک ایسی ایسی صفات سے متصف ہے ظاہر ہے کہ ہر تعریف کی مستحق ہے۔ جتنی تعریفیں آج تک ہوئی ہیں یا آئندہ دنیا و آخرت میں ہوں گی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ کوئی کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونا تو ظاہر ہے اور جو تعریفیں اس کی مخلوق کی کی جاتی ہیں یا آئندہ کی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں ہو چکی ہیں وہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال کو اس نے وجود بخشا ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی رحمت سے ان کمالات کو باقی رکھا ہے۔ بلکہ میں لام اختصاص اور استحقاق کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمود حقیقی اور مستحق حمد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کی کمبودیت حقیقیہ میں ذرا فرق نہیں آتا۔

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱ کا معنی اور مطلب:

رَبِّ عربی زبان میں بمعنی مالک آتا ہے اور بمعنی پروردگار (پالنے والا) بھی آتا ہے (سالم الثریں) یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اور پالنے والے بھی۔ الْعَالَمِينَ ۱ عالم کی جمع ہے۔ عالم (بروزن قائل بفتح العین) علم سے لیا گیا ہے۔ عربی قواعد کی رو سے قائل کا وزن مادۃ اشتقاق کے آل کے لیے آتا ہے عالم کا مادۃ اشتقاق علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالم ہے۔ اس لیے کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔ یوں تو ساری مخلوق بہ حیثیت مخلوق کے ایک عالم ہے لیکن مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہر قسم کو علیحدہ علیحدہ عالم قرار دیکر جمع (عالمین) لائی گئی گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدائے پاک کے جاننے اور پہچاننے کے لیے ایک عالم (بلکہ اس کا ایک ذرہ بھی) کافی ہے لیکن عالم اتنے زیادہ اور بیشمار ہیں کہ ان کو دیکھ کر اگر کوئی کوڑھ مغزبد باطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی محرومی، بد نصیبی، جہالت کی بھی تردید ہے جو بعض مخلوقات کو معبود مانتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق و ملوک کے سامنے جبین نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے فرمایا کہ عالم اسی ہزار ہیں، چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار سمندر میں۔

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبار نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَمَا تَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ)۔ (معلم الثریں ص ۱۷۴)

اللہ جل شانہ، سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھا لیتا ہے تو وہ اس رزق کو پہنچاتا ہے۔ جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بقائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں۔ ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لیے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف سبزیاں ترکاریاں وجود میں آ رہی ہیں انسان اور جانوران کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک براعظم کی پیدا شدہ چیزیں دوسرے براعظم کے لوگ کھا کر دراستعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی، غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لیے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضاء، درجوارح ہیں۔ یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۱

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں، بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ

کے معنی ہیں کسی سے مدد مانگنا آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں انسان پر تین حالات گذرتے ہیں ماضی، حال مستقبل، پچھلی تین آیتوں میں سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں انسان کو اس پر متنبہ کر دیا گیا وہ اپنے ماضی اور حال میں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کہ اس کو ماضی میں نابود سے بود کیا اور اس کو تمام کائنات سے زیادہ بہترین شکل و صورت اور عقل و بصیرت عطا فرمائی اور حال میں اس کی پرورش اور تربیت کا سلسلہ جاری ہے اور اور مِلٰکِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں یہ بتا دیا کہ مستقبل میں بھی وہ خدا ہی کا محتاج ہے، کہ روز جزاء میں اس کے سوا کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا، اور جب ان تینوں آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ انسان اپنی زندگی کے تینوں دوروں میں خدا ہی کا محتاج ہے تو اس کا طبعی اور عقلی تقاضا یہ ہوا کہ عبادت بھی صرف اسی کی کی جائے کیونکہ عبادت جو انتہائی تعظیم و محبت کے ساتھ اپنی انتہائی عاجزی اور تذلل کا نام ہے وہ کسی دوسری ہستی کے لائق نہیں اس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ ایک عاقل انسان پکاراٹھے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی تقاضائے طبع کو ایسا ک نفیہ میں ظاہر فرمایا گیا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ حاجت روا صرف ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تو تقاضائے عقلی و طبعی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں مدد بھی صرف اسی سے مانگنے چاہئے، اسی تقاضائے عقل و طبع کو وَ اِیَّاكَ فَسْتَعِیْنُ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ (روح البیان)

غرض اس چوتھی آیت میں ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے کہ عبادت و اعانت کے لائق صرف وہی ہے اور دوسری حیثیت سے انسان کی دعا و درخواست ہے کہ ہماری مدد فرمائے اور تیسری حیثیت اور بھی ہے کہ اس میں انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں، اس آیت میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ارشاد یہ ہے کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کسی کام میں مدد مانگتے ہیں اس کا ذکر نہیں۔ جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے کہ ہم اپنی عبادت اور ہر دینی و دنیوی کام اور ہر مقصد میں صرف آپ کی مدد چاہتے ہیں پھر عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں امام غزالی نے اپنی کتاب اربعین میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں۔ ۱ نماز، ۲ زکوٰۃ، ۳ روزہ، ۴ حج، ۵ تلاوت قرآن، ۶ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا، ۷ حلال روزی کے لیے کوشش کرنا، ۸ پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا، ۹ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا، ۱۰ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا، اس لیے عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کے معنی یہ ہو گئے کہ نہ کسی کی محبت اللہ تعالیٰ کے برابر ہونہ کسی کا خوف اس کے برابر ہونہ کسی سے امید اس کی طرح ہونہ کسی پر بھروسہ اللہ کی مثل ہونہ کسی کی اطاعت و خدمت اور کام کو اتنا ضروری سمجھے جتنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کو نہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کی نذر اور منت مانے نہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے سامنے اپنی مکمل عاجزی اور تذلل کا اظہار کرے نہ وہ افعال کسی دوسرے کے لیے کرے جو انتہائی تذلل کی علامات ہیں جیسے رکوع و سجدہ۔

اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

صراطِ مستقیم کی دعا:

راہِ حق کو دکھانا اور مطلوبِ حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں جہاں اور ہاتھ ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور درحقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھا کر عذابِ دوزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اس کی تعیین کے لیے (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں قرآن کو مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کرایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔
(رَبُّنَا لَا تُؤْخِمْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو سختی سے نہ ہٹا دیجیے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما دیجیے، بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں)

قال النسفي اى ثبتنا على المنهاج الواضح كقولك للقاتم قم حتى اعود اليك اى اثبت على ما انت عليه او اهدنا فى الاستقبال كما هديتنا فى الحال۔ (مدارك التنزيل ص ۱۷۷)

(علامہ نسفی فرماتے ہیں: یعنی آپ ہمیں واضح شاہراہ پر ثابت قدم رکھیں۔ جیسے آپ کھڑے ہوئے تو کہیں قائم (کھڑا رہ) یہاں تک کہ میں تیرے پاس واپس آؤں یعنی جس طرح تم کھڑے ہو اسی طرح کھڑے رہو یا (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) کا معنی ہے کہ یا اللہ! آپ ہمیں مستقیم راستے میں بھی اسی طرح ہدایت سے شرف رکھیں جس طرح حال میں ہدایت سے شرف رکھا ہے۔)

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٥٠﴾

انعام یافتہ کون؟

اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو کچھ وہ مانگے یہ آیت صراطِ مستقیم کی تفسیر ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم اور جن پر اللہ کا انعام ہوا ان کا بیان سورۃ نساء میں آچکا ہے فرمان ہے: (وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا) (اس: اور) یعنی اللہ اور اس رسول ﷺ کے کہے پر عمل کرنے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے جو نبی صدیق

شہید، صالح لوگ ہیں، یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ربانی ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ تو مجھے ان فرشتوں، نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک: (وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ) کی طرح ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء ہیں۔ بن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں مومن ہیں۔ وکیع کہتے ہیں مسلمان۔ عبدالرحمن فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ مراد ہیں۔ ابن عباس کا قول زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے واللہ اعلم۔ جمہور کی قرأت میں غیرے کے زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زعمشری کہتے ہیں رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی قرأت یہی ہے اور ابن کثیر سے بھی یہی روایت کی گئی ہے۔ عَلَيْنَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور انعت عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ جل شانہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ رسول ﷺ کے اطاعت گزار، اس کے حکموں پر عمل کرنے والے، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک رہنے والے تھے۔

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ كُونُ؟

ان کی راہ سے بچا، جن پر غضب و غصہ کیا گیا، جن کے ارادے فاسد ہو گئے، حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ کر اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالے جو سرے سے علم نہیں رکھتے مارے مارے پھرتے ہیں راہ سے بھٹکے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جانے کو دو، رہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لیے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں، ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غیر کا لفظ یہاں پر استثناء کے لیے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثناء ہونا تو درست ہے۔ مگر یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ عَلَيْنَهُمُ الْمَغْضُوبِ سے مراد غیر صراط المغضوب ہے۔ مضاف اینہ کے ذکر سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لیے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آچکا ہے۔ بعض کہتے ہیں: وَلَا الضَّالِّينَ ۝ میں لازا کہ ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے: (غیر المغضوب علیہم والضالین) اور اس کی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے آیت غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لافنی کی تاکید کے لیے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہی نہ ہو کہ یہ انعت علیہم پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں اسی لیے یہودیوں پر غضب ہوا اور

نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لیے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غضب کا سبب ہے اور نصرانی گواہ ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پاسکتے اس لیے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتہار حق سے ہٹے ہوئے ہیں یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے: **وَمَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِثْلَهُ الْقُرُونَةَ وَالْخِنَارَةَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ** (المائدہ: ۶۰) اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الہی ہے: **قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ** (المائدہ: ۷۷) یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے اس نے کہا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول ﷺ سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علیؑ تھے آپ نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور ﷺ کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلایا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور دجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی آیت (لا الہ الا اللہ) کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ آیت (اللہ اکبر) کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی کا ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: **الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ** سے مراد یہود ہیں اور آیت **وَلَا الضَّالِّينَ** سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی کے سوال پر حضور ﷺ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنوقین کے ایک شخص نے وادی القرئی میں حضور ﷺ سے یہی سوال کیا آپ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام عبد اللہ ابن عمرو ہے واللہ اعلم۔ ابن مردیہ میں ابوذر سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت ابن مسعود اور بہت سے صحابیوں سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس، عبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ ابن ابی حاتم تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گزری۔ دوسری سورۃ بقرہ کی یہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے: **بَلْ نَسْتَأْذِنُ ذَايَةَ أَنْفُسِهِمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلْنَا اللَّهُ بِهِمْ لَنْ نَبْرَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يُشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ** (بقرہ: ۹۰) اس آیت میں کہ اس پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۃ مائدہ کی آیت: **قُلْ**

قُلْ أَتَيْتُكُمْ بِشِرْكِ قَدِيمٍ لَكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ (المائدہ: ۶۰) میں بھی ہے کہ ان پر غضب الہی نازل ہوا اور جگہ فرمان الہی ہے آیت (لعن الذین کفروا) یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی۔ داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جبکہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں تب تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضب الہی کا ایک حصہ نہ پالو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لیے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ پھر نصرانیوں سے ملے انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مزانہ چکھ لو تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آ سکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس لیے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الہی نے ان کی راہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو جی اس وقت تک اتری تھی ان کی تصدیق کی۔

آمین:

سورۃ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج از نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعاء کی جائے اس کے آخر میں آمین کہا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ ل کر گویا دو مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔

معالم التنزیل ص ۴۲ ج ۱ میں لکھا ہے کہ (وَأَلَّا الضَّالِّينَ) کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تا کہ سورۃ فاتحہ کا جزو ہونے کا ایہام نہ ہو۔)

چونکہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لیے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہ کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ (۱) سلام کو پھیلانا (۲) نماز میں صفیں قائم کرنا (۳) آمین کہنا (یہ روایات در مشور میں نقل کی گئی ہیں۔)

فائدہ: بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا ایک جواب مفسرین کے اس قول سے نکل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سے پہلے قَوْلًا (سینہ امر) مقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرائی گئی ہیں اس لیے (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) بھی اول کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر سلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورۃ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے، قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ

پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ: لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔ (اے اللہ میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کر سکتا ہوں جیسی تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں۔ پس غیر مسلموں کے سوال مذکورہ کا ایسا ٹھیک کلی جواب جو ہر موقعہ پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لیے خود ستائی بری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے، بلکہ صحیح اور درست ہے۔ ازل اس پر غور کرنا چاہیے کہ خود ستائی بری چیز کیوں ہے؟ اس کی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود ستائی سے عجب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمالات رب العالمین جل مجدہ سے غفلت ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں الجھ جاتا ہے، اور رب العالمین خالق کل شئی اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے۔ اللہ پاک سے اوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دٹی ہے لفظ تکبر میں تکلف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے۔ وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ لہذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑا نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہو۔ فذللة الحمد اولا و آخر او ظاھرا و باطنا اللهم لك الحمد لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔

سورۃ فاتحہ شفا ہے:

سورہ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مومن موحّد کے لیے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں۔ اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض و تکالیف اور دکھ درد کے لیے شفا بن جاتے ہیں۔ حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مرض سے نجات دلانے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھکا کر دیا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب زہر کے لیے شفا ہے۔ حضرت عبدالملک بن عمیر نے (مرسلاً) روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحہ الکتاب ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں) حصن حصین میں (ابوداؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورۃ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جاوے (جھاڑنے والا) سورۃ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کر کے تھکا کر دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ جس کو سانپ، بچھو ڈس لے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے۔ وہاں ایک آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا۔ ان میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ان حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم

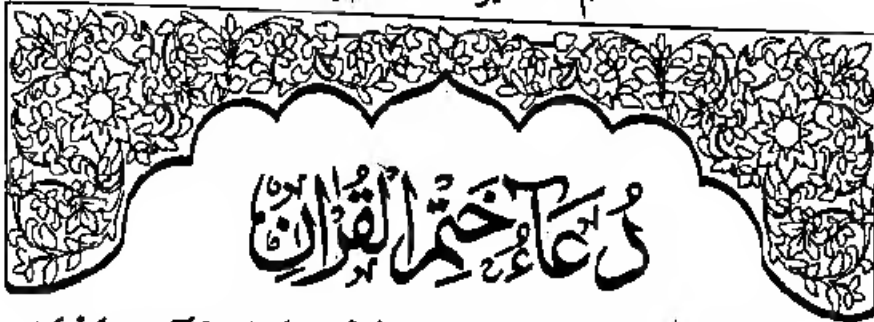
کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آ گئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی۔ جب کہ مدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اجرت لینے کے لیے زیادہ احق ہے۔ جن پر تم اجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری ص ۸۰۴ تا ۸۰۵)

اس حدیث کی وجہ سے جہاز پھونک کی اجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو، شریک کلام نہ ہو۔

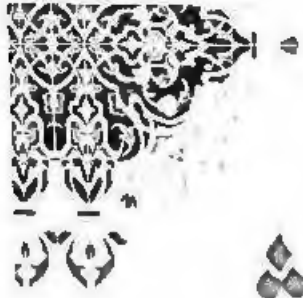
رات کو حفاظت کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور فاتحہ الکتاب اور سورۃ اخلاص پڑھ لی تو موت کے سواہر چیز سے تجھے امان مل گئی ہے۔ (درمنثور)

تم التفسیر بحمد اللہ و عونه



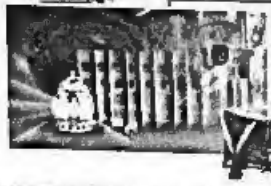
اللَّهُمَّ اشْرَحْ حَسْرَتِي وَفَرِّجْ قَلْبِي اللَّهُمَّ اشْرَحْ حَسْرَتِي بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَاجْعَلْهُ لِي مَأْوَاةً وَنُورًا
وَهِدًى وَرَحْمَةً اللَّهُمَّ كَرِّمِي مِنْ ذُنُوبِي وَجَنِّبِي مِمَّا جَهَلْتُ مِنْ شَرِّهِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ
أَنَّى لَيْلَ أُنَادِيكَ وَأَجْعَلْ لِي حِجَّتًا زَاكِيَةً أَوْ يَتِيمًا



تفسیر ابن کثیر

مکتبہ المدینہ

حافظ عمار الدین ابوالخیر ابن کثیر



مکتبہ المدینہ
خطیب مولانا محمد شفیع خاں



مکتبہ المدینہ

۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان

37231788-37211788